www.KitaboSunnat.com
ہدایۃ القاری
شرح
صحیح البُخاری
(اُردو)
کتاب الأدب ـ کتاب الدیات
احادیث : 5970 - 6917
9
تالیف: اِمام ابُوعبداللہ مُحمّد بن اِسماعیل بُخاری
ترجمہ وشرح
فضیلۃ الشیخ حافِظ عبدالستار الحماد
دارالسلام
DARUSSALAM

هدایۃ القاری
شرح صحیح البخاری
(اردو)
9

سعودی عرب

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس: 22743 الرّیاض: 11416 سعودی عرب

فون: 4033962-4043432 1 00966 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com

Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الرّیاض • العلیا فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945 • الملز فون: 4735220 1 00966 فیکس: 4735221
• سویدی فون: 4286641 1 00966 • سویلم فون/فیکس: 2860422 1 00966

جدّہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270 مدینہ منورہ فون: 8234446,8230038 4 00966 فیکس: 8151121 04

الخُبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551 3 00966 خمیس مشیط فون/فیکس: 2207055 7 00966

ینبع البحر فون: 0500887341 فیکس: 8691551 قصیم (بریدہ) فون: 0503417156 فیکس: 3696124 6 00966

امریکہ • نیویارک فون: 5925 625 718 001 • ہوسٹن: 0419 722 713 001 کینیڈا • نصیرالدین الخطاب فون: 4186619 416 001

لندن • دارالسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لیمیٹڈ فون: 77252246 20 0044-85394885 20 0044 • دارکہ انٹرنیشنل: 7739309 0121 0044

متحدہ عرب امارات • شارجہ فون: 5632623 6 00971 فیکس: 5632624 فرانس فون: 52928 480 01 0033 فیکس: 52997 480 01 0033

انڈیا • دارالسلام انڈیا فون: 45566249 44 0091 موبائل: 12041 98841 0091 • اسلامک بکس انٹرنیشنل فون: 4180 2373 22 0091

• نیو بک ڈسٹری بیوٹرز فون: 4892 2451 40 0091 موبائل: 30850 98493 0091 • ایم ایس براک انٹرپرائزز فون: 42157847 44 0091

سری لنکا • دارالکتاب فون: 358712 115 0094 • دارالایمان ٹرسٹ فون: 2669197 114 0094

پاکستان

36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون: 00 324 372 ,24 400 372 ,34 240 373 42 0092 فیکس: 72 540 373 042

www.darussalampk.com

اُردو بازار: غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور فون: 54 200 371 42 0092 فیکس: 03 207 373 042

ڈیفنس: Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان: 2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون: 10 926 356 42 0092

گلبرگ: دکان نمبر 2، گراؤنڈ فلور، پک سٹی پلازہ لبرٹی گول چکر، گلبرگ III لاہور فون: 50 738 357 42 0092

کراچی مین طارق روڈ، ڈالمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دُوسری گلی، کراچی فون: 36 939 343 21 0092 فیکس: 37 939 343 21 0092

اسلام آباد F-8 مرکز، ایوب مارکیٹ، شاہ ویز سنٹر فون: 13 15 228 51 0092 islamabad@darussalampk.com

---

ملتان 995- انکم ٹیکس آفیسر کالونی، بوسن روڈ۔ ملتان فون: 24 00 622 61 0092

فیصل آباد کوہ نور سٹی (پلازہ نمبر: 1، دکان نمبر: 15) جڑانوالہ روڈ، فیصل آباد فون: 44 19 850 41 0092

هِدَايَةُ الْقَارِي
شَرح صَحِيحِ الْبُخَارِي

كتاب الأدب ـــ كتاب الديات ❖ أحاديث: 5970 ـــ 6917

9
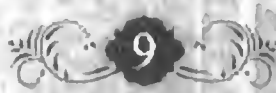
تالیف
امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ
194-256ھ

ترجمہ و شرح
شیخ الحدیث حافظ عبدالستار الحماد حفظہ اللہ
فاضل مدینہ یونیورسٹی

نظرثانی، تصحیح و تنقیح اور اضافات
حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ
مولانا ابو عبداللہ محمد عبدالجبار حفظہ اللہ
حافظ محمد آصف اقبال حفظہ اللہ
مولانا محمد عثمان منیب حفظہ اللہ
مولانا غلام مرتضیٰ حفظہ اللہ
مولانا مختار احمد ضیاء حفظہ اللہ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية اثناء النشر
البخاري، محمد اسماعيل
هداية القاري بشرح صحيح البخاري مجلد (٩) اردو /.
محمد اسماعيل البخاري: الرياض، ١٤٣٩ هـ
ص:٨٥٤ مقاس: ١٧×٢٤ سم
ردمك: ٠-٢-٩٠٩٦٢-٦٠٣-٩٧٨
١- الحديث الصحيح ٢-الحديث - شرح العنوان
ديوي ٢٣٥٫١ ١٤٢٩/٥٩٠
رقم الإيداع:١٤٢٩/٥٨٩
ردمك:٠-٢-٩٠٩٦٣-٦٠٣-٩٧٨

فہرست مضامین (جلد نہم)

٧٩ كتاب الاستئذان | اجازت لینے کے آداب و احکام 225

٨٣ كتاب الايمان والنذور — قسموں اور نذروں سے متعلق احکام و مسائل 555

٨٤ كتاب كفارات الأيمان — قسموں کے کفارے سے متعلق احکام و مسائل 621

ادب کے معنی ومفہوم اور حقوق العباد کی اہمیت وفضیلت

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے۔ اس دین حق میں بنیادی چیز توحید وایمان کی دعوت ہے۔ جو خوش قسمت شخص نبی ﷺ کی اس بنیادی دعوت کو قبول کر لے اسے عملی زندگی گزارنے کے لیے ہدایات دی جاتی ہیں۔ ان ہدایات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: ○ وہ ہدایات جن کا تعلق بندوں پر اللہ تعالیٰ کے حقوق سے ہے۔ انھیں حقوق اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان میں بتایا جاتا ہے کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا کیا حق ہے؟ اور اس سلسلے میں بندوں کے فرائض و واجبات کیا ہیں؟ پھر ان حقوق وواجبات کو ادا کرنے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ ○ وہ ہدایات جن کا تعلق بندوں پر بندوں کے حقوق سے ہے، یعنی دوسرے بندوں کے کیا حقوق ہیں؟ اور اس دنیا میں جب ایک انسان دوسرے سے کوئی معاملہ کرتا ہے تو اسے کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟ پھر اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کے کیا احکام ہیں؟ انھیں حقوق العباد کہتے ہیں۔ حقوق العباد کا معاملہ اس اعتبار سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ اگر ان حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہو جائے، یعنی کسی بندے کی حق تلفی یا اس پر ظلم وزیادتی ہو جائے تو اس کی تلافی کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں نہیں رکھا بلکہ تلافی کی یہ صورت ہے کہ دنیا میں اس بندے کا حق ادا کر دیا جائے یا اس سے معافی حاصل کر لی جائے۔ اگر دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت نہ بن سکی تو آخرت میں اپنی نیکیاں دے کر یا اس کی برائیاں لے کر معاملہ طے کیا جائے گا لیکن وہاں یہ سودا بہت مہنگا پڑے گا کیونکہ محنت ومشقت سے کمائی ہوئی اپنی نیکیوں سے ہاتھ دھونا پڑیں گے اور ناکردہ گناہوں کو اپنے کھاتے میں ڈالنا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”جس کسی نے اپنے بھائی کے ساتھ ظلم و زیادتی کی ہو، اس کی عزت پر حملہ کیا ہو یا کسی دوسرے معاملے میں اس کی حق تلفی کی ہو تو اسے چاہیے کہ یوم آخرت سے پہلے پہلے اسی زندگی میں اس کے ساتھ اپنا معاملہ صاف کر لے۔ آخرت میں کسی کے پاس درہم ودینار نہیں ہوں گے بلکہ اس کے پاس اگر نیک اعمال ہیں تو بقدر ظلم، مظلوم کو اس کے نیک اعمال دے دیے جائیں گے اور اگر نیکیوں سے خالی ہاتھ ہوگا تو مظلوم کے کچھ گناہ اس پر لاد دیے جائیں گے۔“[1]

پھر حقوق العباد کے دو حصے حسب ذیل ہیں: ○ ایک وہ حقوق ہیں جن کا تعلق آپس کے لین دین اور معاملات سے ہے، مثلاً: خرید وفروخت، تجارت وزراعت، قرض وامانت، ہبہ ووصیت، محنت ومزدوری یا آپس کے اختلافات اور جھگڑوں

---

[1] صحيح البخاري، المظالم، حديث: 2449.

میں عدل و انصاف اور شہادت و وکالت سے متعلق ہیں۔ انھیں مالی حقوق یا معاملات کا نام دیا جاتا ہے۔ ○ دوسرے وہ حقوق ہیں جن کا تعلق معاشرتی آداب و احکام سے ہے، مثلاً: والدین، زوجین، عزیز و اقارب، چھوٹوں، بڑوں، پڑوسیوں، محتاج لوگوں اور ضرورت مند کے ساتھ کیا رویہ اور کیسا برتاؤ ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ آپس میں ملنے جلنے، اٹھنے بیٹھنے کے مواقع پر کن آداب و احکام کی پابندی ضروری ہے۔ ان حقوق کو ہم آداب و اخلاق یا معاشرت کا نام دیتے ہیں۔ امام بخاری ؒ نے کتاب الادب میں حقوق العباد کے اس دوسرے حصے کو بیان کیا ہے۔

ادب کے لغوی معنی ہیں جمع کرنا۔ لوگوں کو طعام کے لیے جمع کرنا اور انھیں کھانے کے لیے بلانے کے معنی میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے، اسی لیے خوشی کے موقع پر جو کھانا تیار کیا جاتا ہے اسے عربی زبان میں مأدبہ کہتے ہیں۔ لفظ ادب بھی مأدبہ سے ماخوذ ہے کیونکہ اس میں اخلاق حسنہ کو اختیار کرنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں: ''قابل تعریف گفتار و کردار کو عمل میں لانے کا نام ادب ہے'' کچھ حضرات نے کہا ہے کہ اچھے اخلاق اختیار کرنا ادب ہے جبکہ کچھ اہل علم کا خیال ہے کہ چھوٹے سے نرمی اور بڑے کی تعظیم ادب ہے۔''[1] اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا نظام ادب و ترتیب نہایت جامع، ہمہ گیر اور انتہائی مؤثر ہے۔ دنیا کا کوئی بھی مذہب اس طرح کی جامع تعلیمات پیش کرنے سے قاصر ہے کیونکہ اسلام میں زندگی کے ہر گوشے کے متعلق آداب موجود ہیں۔ حافظ ابن قیم ؒ فرماتے ہیں: ''دین اسلام سراپا ادب ہے۔''[2] اس طرح انھوں نے امام عبداللہ بن مبارک ؒ کا ایک انتہائی خوبصورت اور قیمتی مقولہ پیش کیا ہے: ''ہمیں بہت زیادہ علم کے بجائے تھوڑے سے ادب کی زیادہ ضرورت ہے۔''[3]

امام بخاری ؒ نے اس سلسلے میں ہماری مکمل رہنمائی فرمائی ہے۔ انھوں نے ایک جامع نظام اخلاق و آداب امت کے حوالے کیا ہے جسے ہم دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں: ○ آدابِ حقوق ○ اخلاق و کردار۔ ان کی پیش کردہ احادیث دو طرح کی ہیں: ایک وہ جن میں اصولی طور پر اخلاق و آداب پر زور دیا گیا ہے اور ان کی اہمیت و فضیلت اور ان کا غیر معمولی اخروی ثواب بیان کیا گیا ہے۔ دوسری وہ احادیث ہیں جن میں خاص خاص حقوق و آداب اختیار کرنے یا بعض اخلاق و کردار سے بچنے کی تاکید بیان ہوئی ہے۔ امام بخاری ؒ نے نظام اخلاق و آداب کے لیے دو سو چھپن (256) مرفوع احادیث کا انتخاب کیا ہے جن میں پچھتر (75) معلق اور ایک صد اکیاسی (81) احادیث متصل سند سے بیان کی ہیں، پھر ان میں دو سو ایک (201) حدیثیں مکرر ہیں اور باقی پچپن (55) احادیث خالص ہیں۔ امام مسلم ؒ نے انیس (19) احادیث کے علاوہ امام بخاری ؒ کی پیش کردہ احادیث کو بیان کیا ہے، پھر انھوں نے مرفوع احادیث کے علاوہ

---

[1] فتح الباري: 491/10. [2] مدارج السالكين: 363/2. [3] مدارج السالكين: 356/2.

مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ سے منقول گیارہ (11) آثار پیش کیے ہیں۔ آپ کی فقاہت اور قوت استنباط کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان احادیث و آثار سے بیسیوں آداب و اخلاق کو ثابت کرتے ہوئے ایک سو اٹھائیس (128) چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کیے ہیں۔

بہر حال آداب زندگی کو اختیار کرنا اخروی سعادت کا باعث ہے۔ انھیں اختیار کرنے سے قلبی سکون اور راحت ملتی ہے، اس کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے بھی راحت و چین کا سامان مہیا ہوگا اور ان آداب سے محرومی اخروی سعادت سے محرومی کا ذریعہ ہے، نیز دنیاوی زندگی بھی بے چینی سے گزرے گی اور دوسروں کی زندگیاں بھی بے مزہ اور تلخ ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اچھے اخلاق و آداب بجا لانے کی توفیق دے اور برے کردار و گفتار سے ہمیں محفوظ رکھے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ پیش کردہ احادیث کا مطالعہ خالص ''علمی سیر'' کے طور پر ہرگز نہ کریں بلکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے، ان پر عمل کرنے اور ان سے ہدایت حاصل کرنے کی نیت سے پڑھیں۔ اگر ایسا کیا گیا تو امید ہے کہ ان انوار و برکات سے ہم جلد مالا مال ہوں گے جن کی ہمیں دنیا و آخرت میں بہت ضرورت ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

78 - كِتَابُ الْأَدَبِ

آداب واخلاق کا بیان

(١) بَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ

باب:1- احسان اور صلہ رحمی کا بیان

وَقَوْلِ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى: ﴿وَوَصَّيْنَا ٱلْإِنسَٰنَ بِوَٰلِدَيْهِ حُسْنًا﴾ [العنكبوت: ٨]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ نیکی کرنے کی وصیت کی ہے۔''

وضاحت: انسان کو اگرچہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے لیکن اس کی پیدائش کا ذریعہ اس کے والدین کو ٹھہرایا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کے حق کے بعد سب سے بڑا حق اس کے والدین کا ہے کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے اور یہ حق کسی دنیوی اختلاف تو درکنار ایمان وعقیدے کے اختلاف کی صورت میں بھی باقی رہتا ہے۔ یہ بات آیت مذکورہ کے پس منظر سے معلوم ہوتی ہے، چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو ان کی ماں نے قسم اٹھائی کہ وہ سعد رضی اللہ عنہ سے کبھی بات نہیں کرے گی اور جب تک وہ اپنا دین نہیں چھوڑ دے گا۔ نہ کچھ کھائے گی اور نہ پیے گی۔ وہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہنے لگی کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے والدین کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور میں تیری ماں ہوں اور تجھے اس بات کا حکم دے رہی ہوں، پھر تین دن تک اس نے کچھ نہ کھایا پیا اور نہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے گفتگو ہی کی۔ تین دن کے بعد وہ بے ہوش ہوگئی تو ان کے دوسرے بیٹے نے انھیں پانی پلایا۔ جب اسے ہوش آیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے متعلق بد دعا کرنے لگی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔[1] بہرحال والدین کی اطاعت کی حد یہ ہے کہ وہ شرک اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم نہ دیں۔ اگر وہ شرک یا نافرمانی کا حکم دیں تو ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی لیکن حسن سلوک کا حق پھر بھی برقرار رہے گا۔ حسن سلوک میں دو چیزیں ہیں: ایک سختی کے بجائے نرمی کی جائے، دوسری ان کی فرمانبرداری کی جائے، چنانچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم نے شہادت دی ہے: ''وہ اپنے والدین سے نیک سلوک کرنے والے تھے۔ ان پر دباؤ ڈالنے والے اور ان کے نافرمان نہیں تھے۔''[2] ایک دوسری آیت میں اللہ

---

① صحيح مسلم، فضائل الصحابة، حديث: 6238 (1748). ② مريم 19: 14.

تعالیٰ نے والدین کی شکر گزاری کے حق کو اپنی شکر گزاری کے ہم پلہ قرار دیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''میرے شکر گزار رہو اور والدین کی بھی شکر گزاری کرو۔''①

٥٩٧٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: الْوَلِيدُ بْنُ عَيْزَارٍ أَخْبَرَنِي قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا عَمْرٍو الشَّيْبَانِيَّ يَقُولُ: أَخْبَرَنَا صَاحِبُ هٰذِهِ الدَّارِ - وَأَوْمَأَ بِيَدِهِ إِلَى دَارِ عَبْدِ اللهِ - قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ: أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ؟ قَالَ: «الصَّلَاةُ عَلَى وَقْتِهَا»، قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ»، قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ»، قَالَ: حَدَّثَنِي بِهِنَّ وَلَوِ اسْتَزَدْتُهُ لَزَادَنِي. [راجع: ٥٢٧]

[5970] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ سے پوچھا: اللہ عزوجل کے ہاں کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا: ''بروقت نماز ادا کرنا۔'' پھر پوچھا: اس کے بعد کون سا؟ آپ نے فرمایا: ''والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔'' پھر پوچھا: اس کے بعد کون سا؟ آپ نے فرمایا: ''اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔'' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے مجھے ان ہدایات سے مطلع کیا اگر میں اس طرح سوال کرتا رہتا تو آپ مجھے جواب دیتے رہتے۔

فوائد ومسائل: ① دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانا کھلانا بہترین عمل ہے یا محبوب عمل وہ ہے جس پر ہمیشگی کی جائے اگرچہ وہ قلیل ہو، روایات کا یہ اختلاف اوقات واحوال کے اختلاف یا حاضرین کے اعتبار سے ہے۔ ② اس حدیث میں والدین سے حسن سلوک کو جہاد فی سبیل اللہ پر مقدم کیا ہے کیونکہ جہاد والدین کی اجازت پر موقوف ہے، یعنی والدین سے حسن سلوک کا تقاضا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ بھی ان کی اجازت سے کیا جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے والدین کی اجازت کے بغیر جہاد میں شمولیت سے منع فرمایا ہے جیسا کہ آئندہ اس کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ مستقل عنوان قائم کریں گے اور اس کے لیے ایک حدیث لائیں گے۔ واللہ أعلم.

(٢) بَابٌ: مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ الصُّحْبَةِ

باب:2- لوگوں میں سب سے زیادہ اچھے برتاؤ کا حق دار کون ہے؟

٥٩٧١ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ شُبْرُمَةَ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ،

[5971] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اللہ کے رسول! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تیری ماں۔'' اس

① لقمان 31:14.

مَنْ أَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِي؟ قَالَ: «أُمُّكَ»، قَالَ: [ثُمَّ] مَنْ؟ قَالَ: «[ثُمَّ] أُمُّكَ»، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: «[ثُمَّ] أُمُّكَ»، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: «ثُمَّ أَبُوكَ».

نے کہا: اس کے بعد کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تیری ماں۔'' اس نے تیسری بار عرض کی: پھر کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تیری ماں۔'' اس نے کہا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: ''پھر تمھارا باپ ہے۔''

وَقَالَ ابْنُ شُبْرُمَةَ وَيَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ: حَدَّثَنَا أَبُو زُرْعَةَ مِثْلَهُ.

ابن شبرمہ اور یحییٰ بن ایوب نے کہا کہ ہمیں بھی ابوزرعہ نے اسی طرح بیان کیا ہے۔

فوائدومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں کا درجہ باپ سے تین گنا زیادہ ہے کیونکہ ماں اس کی تربیت و پرورش میں زیادہ تکلیف و مشقت برداشت کرتی ہے۔ قرآن کریم میں اس کے متعلق واضح اشارہ ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ہم نے انسان کو اپنے والدین سے حسن سلوک کی وصیت کی ہے۔ اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کرتے ہوئے اسے اٹھائے رکھا اور دو سال اس کے دودھ چھوڑنے میں لگے۔''[1] ② ماں کی تین نمایاں خدمات ہیں: ایک حمل اٹھائے پھرنے کی سختیاں، دوسرے جنم کے وقت جان کی بازی کھیلنا، تیسرے پورے دو سال تک اپنے خون کو دودھ بنا کر رضاعت کی خدمت انجام دینا۔ ان خدمات میں باپ شریک نہیں ہے، اس لیے خدمت گزاری میں ماں کے تین حصے اور باپ کا ایک حصہ ہے۔ واللہ أعلم.

(٣) بَابٌ: لَا يُجَاهِدُ إِلَّا بِإِذْنِ الْأَبَوَيْنِ

باب:3- والدین کی اجازت کے بغیر جہاد نہ کرے

٥٩٧٢ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ وَشُعْبَةَ قَالَا: حَدَّثَنَا حَبِيبٌ؛ ح: قَالَ: وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ حَبِيبٍ، عَنْ أَبِي الْعَبَّاسِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ: أُجَاهِدُ؟ قَالَ: «أَلَكَ أَبَوَانِ؟» قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ». [راجع: ٣٠٠٤]

[5972] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے عرض کی: میں جہاد میں شریک ہو جاؤں؟ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟'' اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیرے لیے ان کی خدمت کرنا ہی جہاد ہے۔''

فوائدومسائل: ① اگر والدین دونوں یا ان میں سے کوئی ایک زندہ ہو تو ان کی خدمت کرنے میں بھرپور کوشش کی جائے اور ان سے حسن سلوک سے پیش آنے میں اپنی تمام تر توانائیاں صرف کی جائیں تو یہ خدمات دشمن سے قتال کرنے کے قائم مقام ہوں گی۔ ② واضح رہے کہ اس جہاد سے مراد وہی جہاد ہے جو فرض کفایہ ہے کیونکہ فرض کفایہ دوسرے لوگوں کے ادا کرنے سے ادا

[1] لقمان 14:31.

ہو جاتا ہے لیکن والدین کی خدمت اس کے بغیر کوئی دوسرا نہیں کرے گا۔ اگر جہاد فرض عین ہو تو اس وقت والدین سے اجازت لینا ضروری نہیں، پھر دین اسلام کی سربلندی کے لیے ہر چیز کو قربان کر دیا جائے۔

(٤) بَابٌ: لَا يَسُبُّ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ

٥٩٧٣ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ مِنْ أَكْبَرِ الْكَبَائِرِ أَنْ يَلْعَنَ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ»، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ، وَكَيْفَ يَلْعَنُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ: «يَسُبُّ الرَّجُلُ أَبَا الرَّجُلِ، فَيَسُبُّ أَبَاهُ، وَيَسُبُّ أُمَّهُ [فَيَسُبُّ أُمَّهُ]».

باب: 4- کوئی شخص اپنے والدین کو گالی نہ دے

[5973] حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے والدین پر لعنت کرے۔'' عرض کی گئی: اللہ کے رسول! کوئی شخص اپنے والدین پر کیسے لعنت کر سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی کسی کے والد کو گالی دے گا تو وہ اس کے والد کو برا بھلا کہے گا اور اگر وہ کسی کی ماں کو برا بھلا کہے گا تو وہ اس کی ماں پر سب وشتم کرے گا۔''

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے والدین کی نافرمانی کو ''اکبرالکبائر'' قرار دیا ہے۔[1] والدین کو گالی دینا بھی نافرمانی ہی کی ایک قسم ہے اگرچہ معاشرے میں والدین کو گالی دینا بعید از عقل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سائل نے از راہ تعجب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کوئی شخص والدین کو بھی گالی دے سکتا ہے تو آپ نے فرمایا: کسی دوسرے کے والدین کو گالی دینا اپنے والدین ہی کو گالی دینا ہے کیونکہ جوابی طور پر وہ اس کے والدین کو گالی دے گا، گویا اس نے خود اپنے والدین کو گالی دی ہے کیونکہ یہ اس برے کام کا سبب بنا ہے۔ ② اس سے معلوم ہوا کہ حرام فعل کا سبب بھی حرام ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ''اے مسلمانو! یہ لوگ اللہ کے سوا جن کی پوجا پاٹ کرتے ہیں تم انھیں گالیاں نہ دو ورنہ یہ لوگ جہالت کی وجہ سے چڑ کر اللہ تعالیٰ کو گالی دیں گے۔''[2] اس سے معلوم ہوا کہ والدین کو گالی دینے کا سبب بننا بہت بڑا جرم ہے تو جو بدبخت خود اپنے والدین کو لعن طعن کرے یا گالیاں دے وہ کس قدر سنگین جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔ أعاذنا الله تعالىٰ.

(٥) بَابُ إِجَابَةِ دُعَاءِ مَنْ بَرَّ وَالِدَيْهِ

٥٩٧٤ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ: حَدَّثَنَا

باب: 5- جو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے اس کی دعا قبول ہوتی ہے

[5974] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، وہ رسول

[1] صحيح البخاري، الأدب، حديث: 5976. [2] الأنعام 6:108.

إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عُقْبَةَ قَالَ: أَخْبَرَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: «بَيْنَمَا ثَلَاثَةُ نَفَرٍ يَتَمَاشَوْنَ، أَخَذَهُمُ الْمَطَرُ، فَمَالُوا إِلَى غَارٍ فِي الْجَبَلِ، فَانْحَطَّتْ عَلَى فَمِ غَارِهِمْ صَخْرَةٌ مِنَ الْجَبَلِ، فَأَطْبَقَتْ عَلَيْهِمْ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: انْظُرُوا أَعْمَالًا عَمِلْتُمُوهَا لِلّٰهِ صَالِحَةً فَادْعُوا اللهَ بِهَا لَعَلَّهُ يَفْرُجُهَا.

اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''ایک دفعہ تین آدمی کہیں جا رہے تھے کہ انھیں بارش نے آلیا۔ وہ پہاڑ کے غار میں گھس گئے، پھر غار کے منہ پر پہاڑ کی بہت بڑی چٹان گری جس سے اس کا منہ بند ہوگیا۔ انھوں نے ایک دوسرے سے کہا: تم نے جو نیک کام کیے ہیں ان میں سے جو خالص اللہ کے لیے کیا ہے اسے ذہن میں لاؤ، پھر اس کے وسیلے سے اللہ کے حضور دعا کرو، ممکن ہے کہ وہ غار کو کھول دے۔

فَقَالَ أَحَدُهُمْ: اللَّهُمَّ إِنَّهُ كَانَ لِي وَالِدَانِ شَيْخَانِ كَبِيرَانِ، وَلِيَ صِبْيَةٌ صِغَارٌ كُنْتُ أَرْعَى عَلَيْهِمْ، فَإِذَا رُحْتُ عَلَيْهِمْ فَحَلَبْتُ، بَدَأْتُ بِوَالِدَيَّ أَسْقِيهِمَا قَبْلَ وَلَدِي، وَإِنَّهُ نَأَى بِيَ الشَّجَرُ فَمَا أَتَيْتُ حَتَّى أَمْسَيْتُ، فَوَجَدْتُهُمَا قَدْ نَامَا، فَحَلَبْتُ كَمَا كُنْتُ أَحْلُبُ، فَجِئْتُ بِالْحِلَابِ، فَقُمْتُ عِنْدَ رُؤُوسِهِمَا، أَكْرَهُ أَنْ أُوقِظَهُمَا مِنْ نَوْمِهِمَا، وَأَكْرَهُ أَنْ أَبْدَأَ بِالصِّبْيَةِ قَبْلَهُمَا، وَالصِّبْيَةُ يَتَضَاغَوْنَ عِنْدَ قَدَمَيَّ، فَلَمْ يَزَلْ ذٰلِكَ دَأْبِي وَدَأْبَهُمْ حَتَّى طَلَعَ الْفَجْرُ، فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ لَنَا فُرْجَةً نَرَى مِنْهَا السَّمَاءَ، فَفَرَجَ اللهُ لَهُمْ فُرْجَةً حَتَّى يَرَوْنَ مِنْهَا السَّمَاءَ.

چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا: اے اللہ! میرے والدین بوڑھے تھے اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے، میں ان کے لیے بکریاں چرایا کرتا تھا۔ جب میں شام کو ان کے پاس آتا تو میں بکریوں کا دودھ نکال کر اپنے والدین سے اس کی ابتدا کرتا، ان کے بعد اپنے بچوں کو پلاتا تھا۔ ایک دن درختوں کی تلاش میں بہت دور چلا گیا اور شام کو بہت دیر سے گھر آیا۔ میں نے والدین کو دیکھا کہ وہ سو گئے ہیں، تاہم میں نے حسب معمول دودھ نکالا، پھر تازہ دودھ لے کر والدین کے سرہانے کھڑا ہوگیا۔ مجھے یہ گوارا نہ تھا کہ انھیں بیدار کروں اور یہ بھی پسند نہ تھا کہ ان سے پہلے اپنے بچوں کو دودھ پلاؤں۔ بچے بھوک کے مارے میرے قدموں پر لوٹ پوٹ رہے تھے اور اسی کشمکش میں صبح ہوگئی۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ عمل تیری رضا کے لیے کیا تھا تو ہمارے لیے کچھ راستہ کھول دے تاکہ ہم آسمان دیکھ سکیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اتنی کشادگی پیدا کردی کہ وہ آسمان دیکھ سکتے تھے۔

وَقَالَ الثَّانِي: اَللَّهُمَّ إِنَّهُ كَانَتْ لِي ابْنَةُ عَمٍّ أُحِبُّهَا كَأَشَدِّ مَا يُحِبُّ الرِّجَالُ النِّسَاءَ، فَطَلَبْتُ

پھر دوسرے نے کہا: اے اللہ! میری ایک چچا زاد بیٹی تھی جس سے میں بہت محبت کرتا تھا جس طرح لوگ عورتوں

إِلَيْهَا نَفْسَهَا، فَأَبَتْ حَتَّى آتِيَهَا بِمِائَةِ دِينَارٍ، فَسَعَيْتُ حَتَّى جَمَعْتُ مِائَةَ دِينَارٍ فَلَقِيتُهَا بِهَا، فَلَمَّا قَعَدْتُ بَيْنَ رِجْلَيْهَا قَالَتْ: يَا عَبْدَ اللهِ اتَّقِ اللهَ، وَلَا تَفْتَحِ الْخَاتَمَ إِلَّا بِحَقِّهِ، فَقُمْتُ عَنْهَا، اللَّهُمَّ فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي قَدْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ لَنَا مِنْهَا، فَفَرَجَ لَهُمْ فُرْجَةً.

سے محبت کرتے ہیں۔ میں نے اس سے اس کے نفس کا مطالبہ کیا تو اس نے انکار کر دیا، صرف اس شرط پر راضی ہوئی کہ میں اسے سو دینار دوں۔ میں نے دوڑ دھوپ کر کے سو دینار جمع کیا اور انھیں لے کر اس کے پاس آیا، پھر جب میں اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گیا تو اس نے کہا: اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر اور اس مہر کو ناحق مت توڑ، چنانچہ میں یہ سن کر وہاں سے کھڑا ہو گیا۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ عمل محض تیری رضا کے لیے کیا تھا تو ہمارے لیے کچھ اور کشادگی پیدا کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کچھ مزید کشادگی پیدا کر دی۔

وَقَالَ الْآخَرُ: اللَّهُمَّ إِنِّي كُنْتُ اسْتَأْجَرْتُ أَجِيرًا بِفَرَقِ أَرُزٍّ، فَلَمَّا قَضَى عَمَلَهُ قَالَ: أَعْطِنِي حَقِّي، فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ حَقَّهُ فَتَرَكَهُ، وَرَغِبَ عَنْهُ، فَلَمْ أَزَلْ أَزْرَعُهُ حَتَّى جَمَعْتُ مِنْهُ بَقَرًا وَرَاعِيَهَا، فَجَاءَنِي فَقَالَ: اتَّقِ اللهَ وَلَا تَظْلِمْنِي وَأَعْطِنِي حَقِّي، فَقُلْتُ: اذْهَبْ إِلَى تِلْكَ الْبَقَرِ وَرَاعِيهَا، فَقَالَ: اتَّقِ اللهَ وَلَا تَهْزَأْ بِي، فَقُلْتُ: إِنِّي لَا أَهْزَأُ بِكَ، فَخُذْ تِلْكَ الْبَقَرَ وَرَاعِيَهَا، فَأَخَذَهُ فَانْطَلَقَ، فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ، فَافْرُجْ مَا بَقِيَ، فَفَرَجَ اللهُ عَنْهُمْ». [راجع: ٢٢١٥]

تیسرے شخص نے کہا: اے اللہ! میں نے ایک مزدور کو ایک فرق چاول کی مزدوری پر رکھا تھا۔ جب اس نے اپنا کام پورا کر لیا تو کہا کہ مجھے میرا حق دو۔ میں نے اس کا حق پیش کر دیا، لیکن وہ چھوڑ کر چلا گیا اور اس کی طرف اس نے کوئی توجہ نہ دی۔ اس کے بعد میں اس سے کاشت کرتا رہا حتی کہ میں نے اس سے بیل گائیں اور ایک چرواہا خرید لیا۔ کچھ مدت بعد وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا: اللہ سے ڈر اور مجھ پر ظلم نہ کر، نیز میرا حق مجھے واپس کر دے۔ میں نے کہا: یہ بیل گائیں اور چرواہا سب لے جاؤ۔ اس نے کہا: اللہ سے ڈر اور مجھ سے مذاق نہ کر۔ میں نے کہا: میں تیرے ساتھ مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ یہ بیل گائیں اور چرواہا لے جاؤ، چنانچہ وہ انھیں لے کر چلا گیا۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ عمل تیری رضا طلبی کے لیے کیا ہے تو جو رکاوٹ باقی رہ گئی ہے اسے بھی کھول دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے باقی تمام پتھر ان سے ہٹا دیا۔"

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مصیبت کے وقت دعا کرنا، والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا، ان کی

خدمت کرنا اور انھیں بیوی بچوں پر ترجیح دینا افضل عمل ہے۔ اس عمل کی بدولت اللہ تعالیٰ دعائیں سنتا اور انھیں شرف قبولیت سے نوازتا ہے، اس کے برعکس جو انسان والدین کا نافرمان ہے اور ان کی خدمت گزاری سے پہلو تہی کرتا ہے وہ دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار ہوگا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس انسان کی ناک خاک آلود کرے اور اسے تباہ و برباد کرے جس نے اپنے والدین میں سے دونوں یا ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا، پھر ان کی خدمت کر کے جنت نہ لے سکا۔''[1] ② اس حدیث سے نیک کاموں کو بوقت دعا بطور وسیلہ پیش کرنا بھی جائز ثابت ہوا، لیکن مردوں کا وسیلہ بالکل بے ثبوت ہے، اس سے بچنا انتہائی ضروری ہے۔

(٦) بَابٌ: عُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ مِنَ الْكَبَائِرِ

باب:6- والدین کی نافرمانی کبیرہ گناہ ہے

قَالَهُ ابْنُ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے اس امر کو نبی ﷺ سے بیان کیا ہے۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی روایت کو متصل سند سے بیان کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کبیرہ گناہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، بلاوجہ کسی کو قتل کرنا اور جھوٹی قسم اٹھانا ہے۔''[2]

٥٩٧٥ - حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ وَرَّادٍ، عَنِ الْمُغِيرَةِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ، وَمَنْعًا وَهَاتِ، وَوَأْدَ الْبَنَاتِ، وَكَرِهَ لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ». [راجع: ٨٤٤]

[5975] حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی، ناحق مطالبات اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا حرام قرار دیا ہے، نیز فضول باتوں، کثرت سوال اور مال کی بربادی کو بھی ناپسند کیا ہے۔''

٥٩٧٦ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْوَاسِطِيُّ عَنِ الْجُرَيْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟» - ثَلَاثًا - قُلْنَا: بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «الْإِشْرَاكُ بِاللهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ»، وَكَانَ مُتَّكِئًا

[5976] حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں بہت بڑے گناہ کی خبر نہ دوں؟'' ہم نے کہا: اللہ کے رسول! ضرور بتائیں۔ آپ نے فرمایا: ''اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔'' آپ ﷺ اس وقت ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے، پھر آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا:

① صحيح مسلم، البر والصلة، حديث: 6510 (2551). ② صحيح البخاري، الأيمان والنذور، حديث: 6675.

فَجَلَسَ فَقَالَ: «أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ، وَشَهَادَةُ الزُّورِ، أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ، وَشَهَادَةُ الزُّورِ»، فَمَا زَالَ يَقُولُهَا حَتَّى قُلْتُ: لَا يَسْكُتُ. [راجع: ٢٦٥٤]

''خبردار! جھوٹی بات بھی اور جھوٹی گواہی بھی۔ آگاہ رہو! جھوٹی بات بھی اور جھوٹی گواہی بھی۔'' آپ ﷺ مسلسل اسے دہراتے رہے حتی کہ میں نے (دل میں) کہا: آپ خاموش نہیں ہوں گے۔

٥٩٧٧ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ ابْنُ أَبِي بَكْرٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: ذَكَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْكَبَائِرَ - أَوْ سُئِلَ عَنِ الْكَبَائِرِ - فَقَالَ: «الشِّرْكُ بِاللهِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ» فَقَالَ: «أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟» قَالَ: «قَوْلُ الزُّورِ، أَوْ قَالَ: شَهَادَةُ الزُّورِ».

[5977] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے کبائر کا ذکر کیا یا آپ سے کبائر کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''اللہ کے ساتھ شرک کرنا، کسی جان کو ناحق قتل کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔'' پھر فرمایا: ''کیا میں تمھیں سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں؟'' فرمایا: ''جھوٹی بات کرنا یا جھوٹی گواہی دینا۔''

قَالَ شُعْبَةُ: وَأَكْثَرُ ظَنِّي أَنَّهُ قَالَ: «شَهَادَةُ الزُّورِ». [راجع: ٢٦٥٣]

شعبہ نے کہا: میرا غالب گمان ہے کہ آپ ﷺ نے ''جھوٹی گواہی دینا'' فرمایا تھا۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے مختلف حالات واشخاص کے پیش نظر مختلف گناہوں کو اکبر الکبائر قرار دیا ہے۔ مذکورہ احادیث میں والدین کی نافرمانی کو بھی بہت بڑا گناہ قرار دیا ہے۔ چونکہ والدین ظاہری صورت کے اعتبار سے بیٹے کے موجد ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے ساتھ والدین کے حق کو بھی بیان کیا ہے اور ان کی حق تلفی کو اپنی حق تلفی کی طرح بڑا گناہ کہا ہے، چنانچہ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں کو نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا: والدین کا نافرمان، شراب کا رسیا اور دیوث (بے غیرت)۔'' آپ نے دیوث کی تعریف فرمائی کہ جو ٹھنڈے پیٹ اپنے گھر میں بے حیائی اور بے غیرتی برداشت کرے۔[1] ② والدہ نے بچے کی پرورش میں زیادہ تکلیف اور مشقت برداشت کی ہوتی ہے اور وہ نرم دل ہونے کی وجہ سے اپنی اولاد پر زور نہیں دے سکتی، اس لیے خصوصیت کے ساتھ اس کی نافرمانی سے منع فرمایا۔ ہمارے ہاں کچھ لوگ نقد رقم دے کر سمجھ لیتے ہیں کہ والدین کا حق ادا ہو گیا، یہ درست نہیں۔ اگر ان سے دور رہتا ہے تو فون پر ان سے رابطہ رکھنا، ان کی خیریت دریافت کرتے رہنا، ان سے ملاقات کے لیے جانا، ان کے ساتھ کچھ وقت گزارنا، اپنے معاملات میں ان سے مشورہ لینا، انھیں خوش رکھنے کی کوشش کرنا یہ والدین کی جذباتی اور نفسیاتی ضروریات ہیں جن

[1] مسند أحمد: 128/2.

کا پورا کرنا جسمانی ضروریات سے زیادہ اہم ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بچے کے لیے اس کے والدین کو جنت یا جہنم قرار دیا ہے۔[1] نیز فرمایا: ''باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے چاہے اس دروازے کو ضائع کر لو چاہے اسے محفوظ رکھ لو۔''[2] اسے ضائع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم اس کی نافرمانی کرو گے تو تمھارے لیے جنت کا دروازہ نہیں کھلے گا، اس طرح جنت کا دروازہ کھو بیٹھو گے۔ واللہ المستعان.

(٧) بَابُ صِلَةِ الْوَالِدِ الْمُشْرِكِ

باب:7- مشرک والد سے حسن سلوک کرنا

٥٩٧٨ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ: أَخْبَرَنِي أَبِي: أَخْبَرَتْنِي أَسْمَاءُ ابْنَةُ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَتْ: أَتَتْنِي أُمِّي رَاغِبَةً فِي عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ، فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ آصِلُهَا؟ قَالَ: «نَعَمْ».

[5978] حضرت اسماء بنت ابی بکر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں میری والدہ میرے پاس آئی اور وہ مجھ سے صلہ رحمی کی امید رکھتی تھی۔ میں نے نبی ﷺ سے اس کے ساتھ صلہ رحمی کی بابت پوچھا تو آپ نے فرمایا: ''ہاں (صلہ رحمی کرو)۔''

قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى فِيهَا: ﴿لَا يَنْهَىٰكُمُ ٱللَّهُ عَنِ ٱلَّذِينَ لَمْ يُقَٰتِلُوكُمْ فِي ٱلدِّينِ﴾ [الممتحنة: ٨]. [راجع: ٢٦٢٠]

ابن عیینہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی: ''اللہ تعالیٰ تمھیں ان لوگوں سے حسن سلوک کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کی وجہ سے لڑائی جھگڑا نہیں کرتے۔''

فوائد ومسائل: ① والدین کے اولاد پر دو حق ہیں: ایک اطاعت اور دوسرا حسن سلوک۔ اگر والدین شرک یا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اولاد کو مجبور کریں تو ان کی اطاعت کا حق ختم ہو جاتا ہے لیکن حسن سلوک کا حق پھر بھی برقرار رہتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک کرے، جس کا تجھے علم نہیں تو ان کا کہنا نہ مانو، البتہ دنیاوی معاملات میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہو۔''[3] ② حدیث میں ذکر کردہ آیت کریمہ غیر حربی کفار سے تعلقات رکھنے کے متعلق ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے کہ اگر کافر، مسلمانوں کے ساتھ برسر پیکار نہیں۔ تو اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ بہر حال والدین اگر مشرک ہوں تو صلہ رحمی کا حق ختم نہیں ہوتا۔

(٨) بَابُ صِلَةِ الْمَرْأَةِ أُمَّهَا وَلَهَا زَوْجٌ

باب:8- شوہر والی عورت کا اپنی ماں سے حسن سلوک کرنا

٥٩٧٩ - وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي هِشَامٌ عَنْ

[5979] حضرت اسماء بنت ابی بکر ؓ سے روایت ہے،

① سنن ابن ماجه، الأدب، حديث: 3662. ② جامع الترمذي، البر والصلة، حديث: 1900. ③ لقمان 31:15.

عُرْوَةَ، عَنْ أَسْمَاءَ قَالَتْ: قَدِمَتْ أُمِّي وَهِيَ مُشْرِكَةٌ فِي عَهْدِ قُرَيْشٍ وَمُدَّتِهِمْ إِذْ عَاهَدُوا النَّبِيَّ ﷺ مَعَ أَبِيهَا، فَاسْتَفْتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ. فَقُلْتُ: إِنَّ أُمِّي قَدِمَتْ وَهِيَ رَاغِبَةٌ؟ قَالَ: «نَعَمْ، صِلِي أُمَّكِ». [راجع: ٢٦٢٠]

انھوں نے کہا کہ میری والدہ مشرکہ تھی۔ وہ نبی ﷺ کے قریش کے ساتھ معاہدۂ صلح کے وقت اپنے والد کے ہمراہ مدینہ طیبہ آئی۔ میں نے نبی ﷺ سے فتوی طلب کیا اور عرض کی کہ میری والدہ مجھ سے صلہ رحمی کی امید لے کر آئی ہے، کیا میں اس سے صلہ رحمی کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں، اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔''

فائدہ: حضرت اسماء ؓ شادی شدہ خاتون تھیں، ان کی حضرت زبیر ؓ سے شادی ہو چکی تھی۔ چنانچہ حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسماء ؓ کو اپنی ماں سے صلہ رحمی کرنے کی اجازت دی اور اس سلسلہ میں ان کے خاوند سے مشورہ کرنے کا حکم نہیں دیا۔[1] لہٰذا اپنی ماں سے صلہ رحمی کرنے کے سلسلے میں خاوند سے مشورہ لینے کی ضرورت نہیں، عورت کو اپنی ماں سے صلہ رحمی کرنی چاہیے۔ شادی کے بعد بھی اس کا فرض اور ماں کا حق خدمت ختم نہیں ہوتا، البتہ حقوق کے ٹکراؤ کی صورت میں خاوند کا حق فائق ہوگا۔ واللہ أعلم.

٥٩٨٠ - حَدَّثَنَا يَحْيَى: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ أَخْبَرَهُ: أَنَّ هِرَقْلَ أَرْسَلَ إِلَيْهِ، فَقَالَ: فَمَا يَأْمُرُكُمْ؟ يَعْنِي النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: يَأْمُرُنَا بِالصَّلَاةِ، وَالصَّدَقَةِ، وَالْعَفَافِ، وَالصِّلَةِ. [راجع: ٧]

[5980] حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے، انھیں حضرت ابوسفیان ؓ نے بتایا کہ ہرقل نے انھیں بلا بھیجا اور ان سے کہا کہ وہ، یعنی نبی ﷺ تمھیں کس چیز کا حکم دیتے ہیں؟ ابوسفیان ؓ نے کہا: وہ ہمیں نماز پڑھنے، صدقہ دینے، پاک دامنی اختیار کرنے اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔

فائدہ: اس حدیث میں رشتے داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کا حکم عام ہے۔ اس میں مسلمان اور مشرک کا فرق نہیں کیا گیا۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمھیں ماؤں کے متعلق حسن سلوک کی وصیت کرتا ہے۔'' آپ نے یہ بات تین مرتبہ دہرائی، پھر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمھیں تمھارے آباؤ اجداد کے متعلق حسن سلوک کی وصیت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ تمھیں زیادہ قریبی رشتے دار، پھر ان کے بعد دوسرے تعلق داروں کے متعلق بھی وصیت کرتا ہے۔''[2] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''آپ کہہ دیں: میں اس کام پر تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، البتہ قرابت کی محبت ضرور چاہتا ہوں۔''[3] اس آیت کریمہ سے بھی صلہ رحمی کی اہمیت کا پتا چلتا ہے، خواہ وہ رشتے دار مشرک ہی کیوں نہ ہو۔

---

[1] فتح الباري: 508/10. [2] سنن ابن ماجه، الأدب، حديث: 3661. [3] الشورٰی 42: 23.

(٩) بَابُ صِلَةِ الْأَخِ الْمُشْرِكِ

٥٩٨١ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: رَأَى عُمَرُ حُلَّةً سِيَرَاءَ تُبَاعُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ ابْتَعْ هٰذِهِ وَالْبَسْهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَإِذَا جَاءَكَ الْوُفُودُ، قَالَ: «إِنَّمَا يَلْبَسُ هٰذِهِ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ»، فَأُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْهَا بِحُلَلٍ، فَأَرْسَلَ إِلَى عُمَرَ بِحُلَّةٍ، فَقَالَ: كَيْفَ أَلْبَسُهَا وَقَدْ قُلْتَ فِيهَا مَا قُلْتَ؟ قَالَ: «إِنِّي لَمْ أُعْطِكَهَا لِتَلْبَسَهَا، وَلَكِنْ تَبِيعُهَا أَوْ تَكْسُوهَا»، فَأَرْسَلَ بِهَا عُمَرُ إِلَى أَخٍ لَهُ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ، قَبْلَ أَنْ يُسْلِمَ. [راجع: ٨٨٦]

باب:9-مشرک بھائی کے ساتھ حسن سلوک کرنا

[5981] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت عمر ؓ نے ایک ریشمی دھاری دار جوڑا فروخت ہوتے دیکھا تو کہا: اللہ کے رسول! آپ اسے خرید لیں تاکہ جمعہ کے دن اور وفود کی آمد پر اسے زیب تن کیا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے تو صرف وہ پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔'' اس کے بعد نبی ﷺ کے پاس اس طرح کے کئی ریشمی جوڑے آئے تو آپ نے ایک جوڑا حضرت عمر ؓ کو بھیج دیا۔ انھوں نے کہا: میں اسے کیونکر پہن سکتا ہوں جبکہ آپ نے قبل ازیں اس کے متعلق فرمایا تھا وہ جو فرمایا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے یہ تمھیں پہننے کے لیے نہیں بھیجا بلکہ اس لیے دیا ہے کہ تم اسے بازار میں فروخت کردو یا کسی دوسرے کو پہنا دو۔'' چنانچہ سیدنا عمر ؓ نے وہ جوڑا اپنے ایک بھائی کو بھیج دیا جو مکہ مکرمہ میں رہتا تھا اور ابھی تک وہ مسلمان نہیں ہوا تھا۔

فوائد ومسائل: ① مکے میں رہنے والا یہ بھائی عثمان بن حکیم ہے۔ یہ حضرت عمر ؓ کا حقیقی بھائی نہیں بلکہ وہ ان کے مادر زاد بھائی حضرت زید بن خطاب کا بھائی تھا۔ حضرت عمر ؓ نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عطا کردہ ریشمی جوڑا اپنے مشرک بھائی کو بھیج دیا تھا۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صلہ رحمی اپنے مشرک بھائی سے بھی کی جا سکتی ہے جیسا کہ امام بخاری ؒ نے عنوان قائم کیا ہے۔ بہرحال اسلام ایک دین فطرت ہے اور اس میں جانوروں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنے کی تلقین ہے۔ واللہ أعلم.

(١٠) بَابُ فَضْلِ صِلَةِ الرَّحِمِ

٥٩٨٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ عُثْمَانَ قَالَ: سَمِعْتُ مُوسَى بْنَ

باب:10-صلہ رحمی کی فضیلت

[5982] حضرت ابو ایوب انصاری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: عرض کی گئی: اللہ کے رسول! کوئی ایسا عمل

طَلْحَةَ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ: قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ.

بتائیں جو مجھے جنت میں لے جائے۔

٥٩٨٣ - حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ بِشْرٍ: حَدَّثَنَا بَهْزٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ، وَأَبُوهُ عُثْمَانُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: أَنَّهُمَا سَمِعَا مُوسَى بْنَ طَلْحَةَ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ؟ فَقَالَ الْقَوْمُ: مَا لَهُ، مَا لَهُ؟! فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَرَبٌ مَا لَهُ»، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «تَعْبُدُ اللهَ لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَتَصِلُ الرَّحِمَ. ذَرْهَا»، قَالَ: كَأَنَّهُ كَانَ عَلَى رَاحِلَتِهِ. [راجع: ١٣٩٦]

[5983] حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی: اللہ کے رسول! کوئی ایسا عمل بتائیں جو مجھے جنت میں داخل کردے؟ لوگوں نے کہا: اسے کیا ہوگیا ہے، اسے کیا ہوگیا ہے؟! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ ضرورت مند ہے اور اسے کیا ہوا ہے۔'' نبی ﷺ نے (اسے) فرمایا: ''اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، نماز قائم کرو، زکاۃ دو اور صلہ رحمی کرتے رہو، اب اسے (میری اونٹنی کو) چھوڑ دو۔'' گویا آپ اس وقت اپنی سواری پر تھے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صلہ رحمی جنت میں داخل ہونے کا ایک ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد صلہ رحمی کرنے والے کے شامل حال رہتی ہے، چنانچہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اللہ کے رسول! میرے چند ایک رشتے دار ہیں میں ان سے صلہ رحمی کرتا ہوں لیکن وہ اس رشتے کو توڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا ہوں لیکن وہ اس کا بدتمیزی کے ساتھ بدلہ دیتے ہیں۔ میں ان کی زیادتی کو ٹھنڈے دل سے برداشت کرتا ہوں لیکن وہ میرے ساتھ بدسلوکی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تو صحیح کہتا ہے تو گویا ان کے منہ میں گرم راکھ ڈال رہا ہے۔ جب تک تو اپنے عمل کو قائم رکھے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیرے ساتھ ایک مددگار ہوگا۔''[1] ② اللہ تعالیٰ کے ہاں صلہ رحمی کا مطلوبہ معیار حسب ذیل ہے جو رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا ہے: ''کسی کام کا بدلہ دینا صلہ رحمی نہیں صلہ رحمی یہ ہے کہ جب اس سے رشتے داری توڑی جائے تو وہ اسے ملائے۔''[2] رشتے داروں کے ساتھ معاملہ کرنے کے تین مراتب حسب ذیل ہیں: ○ صلہ رحمی: رشتے دار تعلقات ختم کر دیں تو ان سے میل ملاپ رکھے۔ ○ مکافات: رشتے دار اچھا سلوک کریں تو ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ ○ قطع رحمی، اپنے رشتے داروں سے قطع تعلق کرے۔ یہ آخری مرتبہ انتہائی بد ترین درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔

---

[1] صحيح مسلم، البر والصلة، حديث: 6525 (2558). [2] صحيح البخاري، الأدب، حديث: 5991.

(١١) بَابُ إِثْمِ الْقَاطِعِ

باب: 11-قطع رحمی کرنے والے کا گناہ

٥٩٨٤ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ: إِنَّ جُبَيْرَ بْنَ مُطْعِمٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ».

[5984] حضرت جبیر بن مطعم ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''رشتہ توڑنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔''

فوائد ومسائل: ① صلہ رحمی واجب ہے اور قطع رحمی کرنے والے پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''تم سے اسی بات کی توقع ہے کہ اگر تم زمین میں صاحب اختیار بن جاؤ تو زمین میں فساد کرو گے اور اپنے رشتے کاٹ دو گے۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے، انھیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھیں اندھی کر دیں۔''[1] قطع رحمی کرنا بہت سنگین گناہ ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''کوئی گناہ اس لائق نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی سزا دنیا میں بھی جلدی دے دے اور اس کے ساتھ آخرت میں بھی اس کی سزا جمع رکھے سوائے ظلم و زیادتی اور قطع رحمی کے۔''[2] ② جو شخص قطع رحمی کو حلال خیال کرتے ہوئے اس کا ارتکاب کرتا ہے وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے اور وہ کبھی جنت میں نہیں جائے گا اور جو اسے حرام سمجھتے ہوئے عمل میں لاتا ہے وہ ان خوش نصیبوں میں نہیں ہوگا جو ابتدا ہی میں جنت میں جائیں گے۔ واللہ أعلم.

(١٢) بَابُ مَنْ بُسِطَ لَهُ فِي الرِّزْقِ لِصِلَةِ الرَّحِمِ

باب: 12- صلہ رحمی کی وجہ سے رزق میں وسعت ہوتی ہے

٥٩٨٥ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَعْنٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ، وَأَنْ يُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ، فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ».

[5985] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جسے پسند ہے کہ اس کے رزق میں وسعت ہو اور اس کی عمر دراز ہو تو وہ صلہ رحمی کرے۔''

① سنن أبي داود، الأدب، حديث: 4902. ② محمد 47: 22، 23.

٥٩٨٦ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ ابْنُ مَالِكٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ، وَيُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ، فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ». [راجع: ٢٠٦٧]

[5986] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں فراخی ہو اور اس کی عمر لمبی ہو تو وہ صلہ رحمی کرے۔“

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے صلہ رحمی کے دو فائدے بیان ہوئے ہیں: ایک رزق میں وسعت اور دوسرا عمر میں برکت۔ ایک حدیث میں دو مزید فائدے بھی ذکر ہوئے ہیں کہ اس سے رشتے دار محبت کرتے ہیں، مال میں اضافہ ہوتا ہے اور زندگی میں برکت ہوتی ہے۔[1] ② عمر میں برکت اور رزق میں اضافے کے کئی مفہوم ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ صلہ رحمی کرنے والے کی عمر میں حقیقت کے اعتبار سے اضافہ ہوتا ہے اور اس کا رزق بھی بڑھ جاتا ہے۔ ○ اس کی عمر میں برکت ہوتی ہے کہ اس کے اوقات ضائع نہیں ہوتے بلکہ تھوڑے وقت میں زیادہ نیکی کر لیتا ہے۔ ○ ایسے اعمال کرنے کی توفیق ملتی ہے کہ مرنے کے بعد بھی اس کا ذکر خیر دوسروں میں باقی رہتا ہے۔ بہر حال صلہ رحمی کا اصل اجر وثواب تو قیامت کے دن ملے گا مگر دنیا میں بھی اس کے مذکورہ فوائد رسول اللہ ﷺ نے بتائے ہیں۔ ③ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کے ذہن میں نیکی کرتے وقت آخرت کے اجر وثواب کے ساتھ دنیا میں بھی اس عمل کا فائدہ پہنچنے کی نیت ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ أعلم.

(١٣) بَابٌ: مَنْ وَصَلَ وَصَلَهُ اللهُ

باب: 13- جو صلہ رحمی کرے گا اللہ اس سے اپنا تعلق قائم کرے گا

٥٩٨٧ - حَدَّثَنِي بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي مُزَرِّدٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَمِّي سَعِيدَ بْنَ يَسَارٍ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ اللهَ خَلَقَ الْخَلْقَ حَتَّى إِذَا فَرَغَ مِنْ خَلْقِهِ، قَالَتِ الرَّحِمُ: هٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِيعَةِ؟ قَالَ: نَعَمْ، أَمَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ، وَأَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ؟ قَالَتْ: بَلَى يَا رَبِّ، قَالَ: فَهُوَ لَكِ»، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «فَاقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ ﴿فَهَلْ

[5987] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا فرمائی۔ جب ان کو پیدا کرنے سے فارغ ہوا تو رحم (رشتہ داری) نے عرض کی: یہ قطع رحمی سے تیری پناہ لینے کا مقام ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں ایسا ہی ہے۔ کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ میں اس سے تعلقات قائم کروں گا جو تیرے ساتھ تعلق قائم کرے گا اور میں اس سے اپنے تعلقات ختم کر لوں گا جو تیرے ساتھ تعلق ختم کرے گا؟ رحم نے کہا: کیوں نہیں، اے میرے رب! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ

[1] جامع الترمذي، البر والصلة، حديث: 1979.

عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾ [محمد: ٢٢]». [راجع: ٤٨٣٠]

(اعزاز) میں نے تجھے دیا۔" رسول اللہ ﷺ نے (اس کے بعد) فرمایا: "اگر تمھارا دل چاہے تو یہ آیت پڑھ لو: قریب ہے کہ اگر تمھیں اختیار ملے تو تم زمین میں فساد کرو اور رشتے ناتے توڑ ڈالو۔"

٥٩٨٨ - حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «الرَّحِمُ شِجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ، فَقَالَ اللهُ: مَنْ وَصَلَكِ وَصَلْتُهُ، وَمَنْ قَطَعَكِ قَطَعْتُهُ».

[5988] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "رَحِم، رحمٰن سے ملی ہوئی ایک شاخ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو کوئی تجھے ملائے گا میں اس کو ملاؤں گا اور جو کوئی تجھے قطع کرے گا میں اس سے اپنا تعلق توڑ لوں گا۔"

٥٩٨٩ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي مُزَرِّدٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُومَانَ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «الرَّحِمُ شِجْنَةٌ، فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ، وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعْتُهُ».

[5989] نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: "رَحِم (رحمٰن سے ملی ہوئی) ایک شاخ ہے، جو شخص اس سے ملے میں اس سے ملتا ہوں اور جو اس سے قطع تعلق کرے میں اس سے قطع تعلق کرتا ہوں۔"

فوائد و مسائل: ① ان احادیث سے صلہ رحمی کی اہمیت کا پتا چلتا ہے کہ رشتے داری قائم رکھنے والے سے اللہ تعالیٰ اپنا تعلق قائم رکھتا ہے اور اسے ختم کرنے والے سے اللہ تعالیٰ اپنا تعلق ختم کر لیتا ہے۔ دور حاضر میں بہت سے دیندار اپنے دنیا دار بھائیوں سے بالکل قطع تعلق ہو جاتے ہیں اور اسے تقویٰ کا اعلیٰ معیار شمار کیا جاتا ہے۔ یہ بالکل غلط خیال ہے۔ ایسے لوگوں کو اپنے کردار پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔ قرآن مجید میں قطع رحمی کی مذمت ان الفاظ میں کی گئی ہے: "اور جن تعلقات کو اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے وہ انھیں توڑتے ہیں۔"[1] ② درحقیقت رشتے داری کے کئی مراتب ہیں: پہلا یہ کہ آپس میں ایسی رشتے داری ہو جس سے باہمی نکاح حرام ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ وہ ایک دوسرے کے وارث بنتے ہیں، تیسرے یہ کہ ان دونوں کے علاوہ کسی بھی وجہ سے قرابت ہو۔ ان میں سب سے زیادہ حق ماں کا ہے، پھر باپ کا، پھر حسب مراتب دوسرے عزیز و اقارب کا ہے۔ ③ اگرچہ صلہ رحمی تمام عزیز و اقارب کا حق ہے مگر درجہ بدرجہ یہ حق بڑھتا چلا جاتا ہے۔ صلہ رحمی کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ آپس میں سلام و کلام کا سلسلہ قائم رہے۔ اگر یہ بھی باقی نہ رہا تو صلہ رحمی کیسی؟ اس کے بعد عزیز و اقارب کے احوال کی خبر گیری، مال و جان

① الرعد 13:25.

سے ان کا تعاون، ان کی غلطیوں سے درگزر اور ان کی عزت وآبرو کی حفاظت کرنا یہ صلہ رحمی کی مختلف صورتیں ہیں۔ واللہ أعلم.

(١٤) بَابٌ: تُبَلُّ الرَّحِمُ بِبَلَالِهَا

باب: 14- رشتے کو اس کی تری سے تازہ رکھا جائے

٥٩٩٠ - حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ ابْنِ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ: أَنَّ عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ جِهَارًا غَيْرَ سِرٍّ يَقُولُ: «إِنَّ آلَ أَبِي - قَالَ عَمْرٌو: فِي كِتَابِ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرٍ بَيَاضٌ - لَيْسُوا بِأَوْلِيَائِي، إِنَّمَا وَلِيِّيَ اللهُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ».

[5990] حضرت عمرو بن عاص ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ سے کسی قسم کی مداہنت کے بغیر علانیہ طور پر یہ کہتے سنا: ''آلِ ابی (فلاں)...... عمرو بن عباس نے کہا کہ محمد بن جعفر کی کتاب میں اس جگہ بیاض ہے...... میرے دوست نہیں ہیں۔ میرا مددگار تو بس اللہ تعالیٰ ہے اور نیک مومن بندے میرے دوست ہیں۔''

زَادَ عَنْبَسَةُ بْنُ عَبْدِ الْوَاحِدِ عَنْ بَيَانٍ، عَنْ قَيْسٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ: «وَلٰكِنْ لَهُمْ رَحِمٌ أَبُلُّهَا بِبَلَالِهَا»، يَعْنِي أَصِلُهَا بِصِلَتِهَا.

عنبسہ بن عبدالواحد نے عن بیان، عن قیس، عن عمرو بن العاص کے طریق سے یہ الفاظ مزید بیان کیے ہیں: ''لیکن ان سے میری قرابت ہے۔ میں اسے رشتے اور قرابت کی تری سے تازہ رکھتا ہوں، یعنی میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کی وجہ سے تعلق رکھوں گا۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ بِبَلَاهَا، كَذَا وَقَعَ وَبِبَلَالِهَا أَجْوَدُ وَأَصَحُّ وَبِبَلَاهَا لَا أَعْرِفُ لَهُ وَجْهًا.

ابوعبداللہ (امام بخاری ؒ) نے فرمایا: "بِبَلَاهَا" کے الفاظ اسی طرح مروی ہیں لیکن (ان کے بجائے) بِبَلَالِهَا کے الفاظ عمدہ اور صحیح ہیں کیونکہ ببلاها کی کوئی معقول وجہ میں نہیں سمجھتا۔

فوائد ومسائل: ① ''بَلال'' تری یا حلق میں تھوڑی سی مٹھاس کو کہا جاتا ہے۔ ② عمرو بن عباس امام بخاری ؒ کے استاد ہیں، وہ کہتے ہیں کہ محمد بن جعفر کی کتاب میں آل ابی...... کے بعد خالی جگہ تھی۔ اس میں کسی نام کی تصریح نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ بعض راویوں نے فتنے کے خوف سے اس مقام پر کنایہ کرتے ہوئے اسے نظر انداز کر دیا ہو۔ ③ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ میں کسی کی قرابت کی وجہ سے اس سے دوستی نہیں کرتا بلکہ میری دوستی کی بنیاد للّٰہیت ہے، اس بنا پر صرف اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان سے دوستی کا دم بھرتا ہوں۔ دوسرے الفاظ میں میری محبت ایمانی اور اصلاحی ہے لیکن میں رشتے داری کے حق کو پامال نہیں کرتا اور ان

کے حق کا لحاظ رکھتے ہوئے میں ان کا بھرپور تعاون کرتا ہوں۔ ③ اس حدیث میں رحم کو اس زمین سے تشبیہ دی گئی ہے جو پانی سے تر ہو، جب وہ پوری طرح تر ہو تو پھل اور پیداوار دیتی ہے اور اگر اسے چھوڑ دیا جائے تو خشک ہو جائے گی اور اس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ وصل کو بلل کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اتصال کو چاہتا ہے اور قطعیت کو یبس کہا جاتا ہے کیونکہ اس سے انفصال ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا مطلب یہ ہے کہ اقرباء پروری دونوں طرف سے ہونی چاہیے، اگر وہ اس کا خیال رکھیں گے تو میں بھی ان کا خیال رکھوں گا۔ واللہ أعلم.

(١٥) بَابٌ: لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِىءِ

باب:15- صلہ رحمی، بدلہ چکانے کا نام نہیں

وضاحت: واصل، صلہ رحمی کرنے والے کو کہتے ہیں۔ اس کی حقیقت یہ نہیں کہ جو آدمی صلہ رحمی کرے اس کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کر دیا جائے کیونکہ یہ تو بدلہ چکانے کی بات ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صلہ رحمی یہ نہیں کہ جو تم سے ملے اس سے ملو کیونکہ یہ تو بدلہ ہے لیکن اصل صلہ رحمی یہ ہے کہ ایسے شخص سے صلہ رحمی کی جائے جو قطع رحمی کرتا ہے۔[1]

٥٩٩١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ وَالْحَسَنِ بْنِ عَمْرٍو وَفِطْرٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو - قَالَ سُفْيَانُ: لَمْ يَرْفَعْهُ الْأَعْمَشُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، وَرَفَعَهُ الْحَسَنُ وَفِطْرٌ - عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِىءِ، وَلٰكِنِ الْوَاصِلُ الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا».

[5991] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''کسی کام کا بدلہ دینا صلہ رحمی نہیں بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص ہے کہ جب اس کے ساتھ صلہ رحمی والا معاملہ ختم کر دیا جائے وہ پھر بھی صلہ رحمی کرے۔''

فائدہ: اگرچہ بدلہ دینا بھی صلہ رحمی کی ہی قسم ہے، تاہم کامل صلہ رحمی یہی ہے کہ رشتے دار اگر نہ بھی ملے پھر بھی اس کے ساتھ رحم کا تعلق قائم رکھا جائے، اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دشمن بھی گہرا دوست بن جاتا ہے لیکن ایسا کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں بلکہ ایسا کام تو بہت بڑے حوصلے والا کر سکتا ہے ہاں اگر کوئی رشتے دار صلہ رحمی کرتا ہے لیکن اس کا بدلہ نہ دینا بلکہ قطع رحمی پر جے رہنا بہت سنگین جرم ہے۔

(١٦) بَابُ مَنْ وَصَلَ رَحِمَهُ فِي الشِّرْكِ ثُمَّ أَسْلَمَ

باب:16- جس نے حالتِ شرک میں صلہ رحمی کی پھر مسلمان ہو گیا

[1] فتح الباري: 520/10.

وضاحت: حالت کفر میں اگر کسی نے صلہ رحمی کی ہے تو اسلام لانے کے بعد دور جاہلیت کی صلہ رحمی کا ثواب قائم رہے گا، اور اسے اچھا بدلہ دیا جائے۔

٥٩٩٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ؛ أَنَّ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَرَأَيْتَ أُمُورًا كُنْتُ أَتَحَنَّثُ بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ صِلَةٍ وَعَتَاقَةٍ وَصَدَقَةٍ، هَلْ كَانَ لِي فِيهَا مِنْ أَجْرٍ؟ قَالَ حَكِيمٌ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَسْلَمْتَ عَلَى مَا سَلَفَ مِنْ خَيْرٍ».

[5992] حضرت حکیم بن حزام ؓ سے روایت ہے، انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! مجھے ان امور کے متعلق آگاہ کریں جو میں دور جاہلیت میں صلہ رحمی، غلام آزاد کرنے اور صدقہ وغیرہ کرنے کی صورت میں کرتا تھا، کیا مجھے ان کا ثواب ملے گا؟ حضرت حکیم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم ان تمام اعمال خیر سمیت مسلمان ہوئے ہو، جو قبل ازیں کر چکے ہو۔“

وَيُقَالُ أَيْضًا، عَنْ أَبِي الْيَمَانِ: أَتَحَنَّتُ. وَقَالَ مَعْمَرٌ وَصَالِحٌ وَابْنُ الْمُسَافِرِ: أَتَحَنَّثُ. وَقَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ: التَّحَنُّثُ: التَّبَرُّرُ.

ابو یمان راوی سے أَتَحَنَّتُ (تا کے ساتھ) بھی مروی ہے لیکن معمر، صالح اور ابن مسافر نے أَتَحَنَّثُ (ثا کے ساتھ) ہی نقل کیا ہے۔ ابن اسحاق نے کہا: تحنث کے معنی نیکی کرنا ہیں۔

وَتَابَعَهُ هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ. [راجع: ١٤٣٦]

ہشام نے اپنے والد سے روایت کرنے میں ان حضرات کی متابعت کی ہے۔

فوائد ومسائل: ① حضرت حکیم بن حزام ؓ نے زمانۂ کفر میں ساٹھ سال پھر زمانۂ اسلام میں بھی ساٹھ سال گزارے اور کفرو اسلام کے زمانے میں انتہائی معزز زمانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے تھے۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے حالت شرک میں اچھے کام کیے، پھر وہ مسلمان ہوا تو اس کے اچھے کام کالعدم نہیں ہو جائیں گے بلکہ حالت کفر کے نیک اعمال کا ثواب بھی اسے دیا جائے گا۔ ان نیک اعمال میں سے ایک صلہ رحمی کا عمل بھی ہے جس کا حدیث میں بطور خاص ذکر ہے، دور جاہلیت میں کی گئی صلہ رحمی کا بھی اجر وثواب دیا جائے گا۔ امام بخاری ؒ نے اس حدیث پر ایک عنوان ان الفاظ میں قائم کیا ہے: [بَابُ مَنْ تَصَدَّقَ فِي الشِّرْكِ ثُمَّ أَسْلَمَ] ”جو زمانۂ شرک میں صدقہ وخیرات کرے پھر مسلمان ہو جائے۔“[1] بہرحال زمانۂ شرک کی عبادات وطاعات اسلام لانے کے بعد ضائع نہیں ہوں گی۔ واللہ أعلم.

---

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب: 24.

(١٧) بَابُ مَنْ تَرَكَ صَبِيَّةَ غَيْرِهِ حَتَّى تَلْعَبَ بِهِ، أَوْ قَبَّلَهَا أَوْ مَازَحَهَا

باب: 17- کسی دوسرے کے بچے کو چھوڑ دینا کہ وہ اس کے ساتھ کھیلے یا اس بچے کا بوسہ لینا یا اس سے خوش طبعی کرنا

وضاحت: بچوں سے شفقت ومحبت کرنے کی یہ بھی ایک صورت ہے کہ وہ کسی سنجیدہ انسان کے جسم سے کھیلیں اور یہ خود پیار سے ان کا بوسہ لے اور ان سے عملی یا قولی خوش طبعی کرے۔

٥٩٩٣ - حَدَّثَنَا حِبَّانُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ عَنْ خَالِدِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أُمِّ خَالِدٍ بِنْتِ خَالِدِ بْنِ سَعِيدٍ قَالَتْ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ مَعَ أَبِي وَعَلَيَّ قَمِيصٌ أَصْفَرُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «سَنَهْ سَنَهْ». - قَالَ عَبْدُ اللهِ: وَهِيَ بِالْحَبَشِيَّةِ: حَسَنَةٌ -.

[5993] حضرت ام خالد بنت سعید ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں اپنے والد کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی جبکہ میں نے زرد رنگ کی قمیص پہن رکھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے "سنہ سنہ" کے الفاظ کہے۔ (راوئ حدیث) عبداللہ نے کہا کہ یہ حبشی زبان میں "خوب" کے معنی میں ہے۔

قَالَتْ: فَذَهَبْتُ أَلْعَبُ بِخَاتَمِ النُّبُوَّةِ فَزَبَرَنِي أَبِي، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «دَعْهَا»، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَبْلِي وَأَخْلِقِي، ثُمَّ أَبْلِي وَأَخْلِقِي، ثُمَّ أَبْلِي وَأَخْلِقِي». قَالَ عَبْدُ اللهِ: فَبَقِيَ حَتَّى ذُكِرَ، يَعْنِي مِنْ بَقَائِهَا. [راجع: ٣٠٧١]

ام خالد بیان کرتی ہیں کہ میں مہر نبوت سے کھیلنے لگی تو میرے والد گرامی نے مجھے ڈانٹ پلائی، لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اسے کھیلنے دو۔" پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تو ایک زمانے تک زندہ رہے، اللہ تعالیٰ تیری عمر لمبی کرے، تمھاری زندگی دراز ہو۔" عبداللہ بن مبارک نے کہا کہ انھوں نے بہت طویل عمر پائی حتی کہ لوگوں میں ان کا چرچا ہونے لگا۔

فوائد ومسائل: ① حضرت ام خالد ؓ حضرت خالد بن سعید بن عاص اموی کی والدہ ماجدہ ہیں۔ وہ حبشہ میں پیدا ہوئیں اور ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنے ہاتھ سے ایک قمیص پہنائی تھی اور فرمایا: اسے خوب پرانی کرو۔ وہ قمیص دیر تک ان کے پاس رہی۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ قمیص عرصۂ دراز تک ان کے پاس رہی حتی کہ وہ سیاہ ہو گئیں، یعنی ام خالد ؓ بہت مدت تک زندہ رہیں حتی کہ ان کی رنگت سیاہ ہوگئی۔ ② جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں تو ان کی عمر بہت چھوٹی تھی حتی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی مہر نبوت سے کھیلنے لگیں اور آپ نے بطور مزاح سَنَہْ سَنَہْ کہا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کسی بچی سے مزاح کر سکتا ہے اگرچہ وہ محرمہ نہ ہو۔ اگر مزاح کرتے وقت نیت میں فتور ہو تو اس سے بچنا چاہیے۔ ③ امام

بخاری رحمہ اللہ نے مبنی بر حقیقت مزاح پر بوسے کو قیاس کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چھوٹی بچی سے قولی اور عملی مزاح سے مراد بچی کو اپنے ساتھ مانوس کرنا ہوتا ہے۔ اور بوسہ لینا بھی اسی قسم سے ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا عنوان میں تقبیل کے بعد مزاح کا ذکر کرنا، خاص کے بعد عام ذکر کرنے کی طرح ہے۔ واللہ أعلم.[1]

(١٨) بَابُ رَحْمَةِ الْوَلَدِ وَتَقْبِيلِهِ وَمُعَانَقَتِهِ

باب: 18- بچے سے شفقت کرنا، اسے بوسہ دینا اور گلے لگانا

وَقَالَ ثَابِتٌ عَنْ أَنَسٍ: أَخَذَ النَّبِيُّ ﷺ إِبْرَاهِيمَ فَقَبَّلَهُ وَشَمَّهُ.

ثابت نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ نبی ﷺ نے (اپنے شہزادے) ابراہیم کو گود میں لیا، انھیں بوسہ دیا اور سونگھا۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو کتاب الجنائز (حدیث: 1303) میں متصل سند سے بھی بیان کیا ہے۔

٥٩٩٤ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا مَهْدِيٌّ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي يَعْقُوبَ عَنِ ابْنِ أَبِي نُعْمٍ قَالَ: كُنْتُ شَاهِدًا، لِابْنِ عُمَرَ، وَسَأَلَهُ رَجُلٌ عَنْ دَمِ الْبَعُوضِ، فَقَالَ: مِمَّنْ أَنْتَ؟ فَقَالَ: مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ، قَالَ: انْظُرُوا إِلَى هٰذَا، يَسْأَلُنِي عَنْ دَمِ الْبَعُوضِ وَقَدْ قَتَلُوا ابْنَ النَّبِيِّ ﷺ، وَسَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا». [راجع: ٣٧٥٣]

[5994] ابن ابونعم سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں اس وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس موجود تھا، جب ایک آدمی نے ان سے مچھر مارنے کے متعلق سوال کیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے پوچھا: تم کہاں کے ہو؟ اس نے بتایا کہ عراق کا باشندہ ہوں۔ انھوں نے فرمایا: اس شخص کو دیکھو مچھر مارنے کے متعلق سوال کرتا ہے، حالانکہ ان لوگوں نے نبی ﷺ کے نواسے کو شہید کر ڈالا، جبکہ میں نے خود نبی ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: ”حسن و حسین رضی اللہ عنہما دونوں دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔“

فوائد ومسائل: ① حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے بیشتر کوفی لوگ تھے۔ انھوں نے بار بار خطوط لکھ کر آپ کو کوفہ بلایا اور اپنی وفاداری کا یقین دلایا مگر وقت آنے پر سب دشمنوں سے مل گئے، پھر میدان کربلا میں وہ کچھ ہوا جو دنیا کو معلوم ہے۔ ② اس حدیث کی عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو دو خوشبودار پھول قرار دیا اور خوشبودار پھول کو سونگھا جاتا ہے اور اولاد کو بھی سونگھا جاتا ہے، اس پر پیار کرتے ہوئے اسے بوسہ دیا جاتا ہے، انھیں گلے بھی لگایا جاتا ہے۔ واللہ أعلم.

[1] فتح الباري: 522/10.

٥٩٩٥ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ: أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ أَخْبَرَهُ: أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ حَدَّثَتْهُ قَالَتْ: جَاءَتْنِي امْرَأَةٌ مَعَهَا ابْنَتَانِ تَسْأَلُنِي، فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِي غَيْرَ تَمْرَةٍ وَاحِدَةٍ فَأَعْطَيْتُهَا فَقَسَمَتْهَا بَيْنَ ابْنَتَيْهَا، ثُمَّ قَامَتْ فَخَرَجَتْ، فَدَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ فَحَدَّثْتُهُ فَقَالَ: «مَنْ يَلِي مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ شَيْئًا، فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ». [راجع: ١٤١٨]

[5995] نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میرے پاس ایک عورت آئی جس کے ساتھ دو بچیاں تھیں۔ وہ مجھ سے کچھ مانگتی تھی۔ اس نے ایک کھجور کے علاوہ میرے پاس کچھ نہ پایا، چنانچہ میں نے اسے وہی ایک کھجور دے دی۔ اس نے وہ کھجور انھی دونوں کے درمیان تقسیم کر دی، پھر اٹھ کر چلی گئی۔ اس کے بعد نبی ﷺ تشریف لائے تو میں نے آپ سے سارا ماجرا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا: ''جو شخص بھی ان بیٹیوں کی پرورش کرے گا اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے گا تو یہ اس کے لیے جہنم کی آگ سے بچاؤ کا ذریعہ بن جائیں گی۔''

فوائدومسائل: ① بیٹیوں سے اچھا سلوک کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ان کی خورونوش اور وغیرہ کا اہتمام کرے۔ ان کی حسب وسعت پوری کفالت کرے، اپنے بیٹوں کو ان پر ترجیح نہ دے، پھر ان کا نکاح کرے اور اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے صحیح انتخاب کرے۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بچیوں کی پرورش کرنا، ان سے محبت وشفقت سے پیش آنا بہت بڑا نیکی کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کو دوزخ سے دور رکھے گا جو اس صنف نازک سے اچھا برتاؤ کرتا اور ان کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے۔ حافظ ابن حجر ؒ نے لکھا ہے کہ بیٹیوں کا حق بیٹوں کے حق سے زیادہ مضبوط اور مؤکد ہے کیونکہ وہ کمزور اور صنف نازک ہونے کے باعث روزی کمانے، حسن تصرف اور بلند رائے رکھنے سے قاصر ہوتی ہیں۔ پھر جب وہ بیوہ ہوتی ہیں تو والد کے پاس لوٹ آتی ہیں۔[1]

٥٩٩٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ سُلَيْمٍ: حَدَّثَنَا أَبُو قَتَادَةَ قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ وَأُمَامَةُ بِنْتُ أَبِي الْعَاصِ عَلَى عَاتِقِهِ فَصَلَّى، فَإِذَا رَكَعَ وَضَعَ، وَإِذَا رَفَعَ رَفَعَهَا. [راجع: ٥١٦]

[5996] حضرت ابو قتادہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو حضرت امامہ بنت ابی العاص ؓ آپ کے شانے مبارک پر تھیں، پھر آپ نے نماز ادا فرمائی، جب رکوع کرتے تو اسے اتار دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو اسے اٹھا لیتے۔

فوائدومسائل: ① حضرت امامہ ؓ نبی ﷺ کی نواسی تھیں اور حضرت زینب ؓ کے بطن سے پیدا ہوئی تھیں۔ حدیث میں جو واقعہ بیان ہوا ہے یہ رسول اللہ ﷺ کی کمال شفقت پر دلالت کرتا ہے کہ آپ ﷺ دوران نماز میں ایک معصوم بچی کو اپنے

① فتح الباري: 527/10.

کندھوں پر اٹھاتے ہیں، رکوع کے وقت اسے اتار دیتے ہیں، جب کھڑے ہوتے ہیں تو پھر اسے اٹھا لیتے ہیں۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کو بھی رسول اللہ ﷺ سے بہت محبت تھی۔ جب آپ رکوع کے وقت اسے اتارتے تو زیادہ دیر صبر نہ کرسکتی، اس لیے رسول اللہ ﷺ قیام کے وقت فوراً اسے اٹھا لیتے۔ اس سے بچوں کے ساتھ شفقت ومحبت کا پتا چلتا ہے کہ ایک طرف خشوع وخضوع میں مبالغہ اور دوسری طرف بچی کی دل جوئی، آپ ﷺ بچی کی دل جوئی کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے بیان جواز کے لیے ایسا کیا ہو۔[1] واللہ أعلم.

٥٩٩٧ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَبَّلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ، وَعِنْدَهُ الْأَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ التَّمِيمِيُّ جَالِسًا، فَقَالَ الْأَقْرَعُ: إِنَّ لِي عَشَرَةً مِنَ الْوَلَدِ مَا قَبَّلْتُ مِنْهُمْ أَحَدًا، فَنَظَرَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ: «مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ».

[5997] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا بوسہ لیا جبکہ آپ کے پاس حضرت اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت اقرع رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے دس بیٹے ہیں، میں نے ان میں سے کبھی کسی کا بوسہ نہیں لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف دیکھا، پھر فرمایا: ''جو کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔''

٥٩٩٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: تُقَبِّلُونَ الصِّبْيَانَ؟ فَمَا نُقَبِّلُهُمْ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَوَ أَمْلِكُ لَكَ أَنْ نَزَعَ اللهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ».

[5998] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک دیہاتی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: تم لوگ بچوں کا بوسہ لیتے ہو؟ ہم تو ان کا بوسہ نہیں لیتے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر تیرے دل سے اللہ تعالیٰ نے جذبۂ رحمت نکال دیا ہے تو میں کیا کرسکتا ہوں۔''

فوائد ومسائل: ① ممکن ہے کہ دیہاتی سے مراد حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ ہوں کیونکہ وہ بھی ذرا سخت طبیعت کے تھے۔ ② رسول اللہ ﷺ نے بچوں سے محبت و پیار کرنے کو رحمت سے تعبیر کیا ہے کیونکہ آپ نے دیہاتی سے فرمایا: ''اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے رحمت کھینچ لی ہے تو میں تیرے دل میں جذبۂ رحمت پیدا کرنے پر قادر نہیں ہوں۔'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس قسم کا واقعہ حضرت قیس بن عاصم تمیمی رضی اللہ عنہ اور حضرت حصن بن حذیفہ فزاری رضی اللہ عنہ سے بھی پیش آیا۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ کسی محرم یا اجنبی بچے کا بوسہ لینا یہ شفقت اور پیار کی وجہ سے ہوتا ہے، اس میں لذت یا شہوت کا شائبہ نہیں ہوتا، لہٰذا اس کے جائز

[1] فتح الباري: 527/10.

ہونے میں کوئی شک نہیں، اسی طرح بچوں کو گلے لگانا، انھیں سونگھنا بھی جائز ہے۔[1] واللہ أعلم.

٥٩٩٩ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ: حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ: حَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ سَبْيٌ، فَإِذَا امْرَأَةٌ مِنَ السَّبْيِ تَحْلُبُ ثَدْيَهَا تَسْقِي، إِذَا وَجَدَتْ صَبِيًّا فِي السَّبْيِ أَخَذَتْهُ، فَأَلْصَقَتْهُ بِبَطْنِهَا وَأَرْضَعَتْهُ، فَقَالَ لَنَا النَّبِيُّ ﷺ: «أَتُرَوْنَ هٰذِهِ طَارِحَةً وَلَدَهَا فِي النَّارِ؟» قُلْنَا: لَا، وَهِيَ تَقْدِرُ عَلَى أَنْ لَا تَطْرَحَهُ، فَقَالَ: «لَلّٰهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنْ هٰذِهِ بِوَلَدِهَا».

[5999] حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ کے پاس کچھ قیدی آئے۔ قیدیوں میں ایک عورت تھی جس کی چھاتی دودھ سے بھری ہوئی تھی اور وہ ادھر ادھر دوڑ رہی تھی۔ اس دوران قیدیوں میں اسے ایک بچہ نظر آیا۔ اس نے جھٹ سے اس بچے کو اپنی چھاتی سے لگا لیا اور اسے دودھ پلانے لگی۔ نبی ﷺ نے یہ منظر دیکھ کر ہم سے فرمایا: ''تم کیا خیال کرتے ہو کہ یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں پھینک دے گی؟ ہم نے کہا: نہیں، جب تک اس کو قدرت ہوگی یہ اپنے بچے کو آگ میں نہیں پھینک سکتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ رحم کرنے والا ہے جتنا یہ عورت اپنے بچے پر مہربان ہوسکتی ہے۔''

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں وضاحت ہے کہ اس عورت کا بچہ گم ہو چکا تھا، اس لیے جب بھی کوئی بچہ دیکھتی اسے چھاتی سے لگا کر دودھ پلاتی، آخر اسے اپنا بچہ مل گیا تو اسے چھاتی سے لگا کر بہت خوش ہوئی۔ اس وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ دودھ جمع ہونے سے اس کی چھاتی بوجھل ہو چکی تھی، جب بھی کوئی بچہ دیکھتی تو اپنی چھاتی کو ہلکا کرنے کے لیے اسے دودھ پلانا شروع کر دیتی۔[2] ② اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم کرے گا اور انھیں جہنم میں نہیں ڈالے گا، البتہ جو لوگ برے کام کر کے جہنم کے مستحق ہوں گے، انھیں ضرور جہنم کے حوالے کیا جائے گا، گویا وہ خود اپنے آپ کو دوزخ کے حوالے کرتے ہیں۔ ③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث میں لفظ ''عباد'' اگرچہ عام ہے لیکن اس سے مراد اہل ایمان ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''میری رحمت ہر چیز سے وسیع ہے اور اسے میں نے ان لوگوں کے لیے مقدر کیا ہے جو تقویٰ شعار اور پرہیز گار ہیں۔''[3] بہرحال انسان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کے لیے ہر وقت کوشش کرتے رہنا چاہیے۔[4]

(١٩) بَابٌ: جَعَلَ اللهُ الرَّحْمَةَ فِي مِائَةِ جُزْءٍ

باب: 19- اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصے بنائے ہیں

① فتح الباري: 10/528. ② مسند أحمد: 3/104، و فتح الباري: 10/530. ③ الأعراف 7:156. ④ فتح الباري: 10/530.

٦٠٠٠ - حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ الْبَهْرَانِيُّ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «جَعَلَ اللهُ الرَّحْمَةَ فِي مِائَةِ جُزْءٍ فَأَمْسَكَ عِنْدَهُ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ جُزْءًا، وَأَنْزَلَ فِي الْأَرْضِ جُزْءًا وَاحِدًا، فَمِنْ ذٰلِكَ الْجُزْءِ تَتَرَاحَمُ الْخَلْقُ، حَتَّى تَرْفَعَ الْفَرَسُ حَافِرَهَا عَنْ وَلَدِهَا خَشْيَةَ أَنْ تُصِيبَهُ». [انظر: ٦٤٦٩]

[6000] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصے بنائے ہیں۔ ان میں سے ننانوے حصے اپنے پاس رکھے ہیں۔ صرف ایک حصہ زمین پر اتارا ہے۔ اس ایک حصے کے باعث مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے، یہاں تک کہ گھوڑی بھی اپنے بچے کو پاؤں نہیں لگنے دیتی بلکہ وہ اپنے کُھر اوپر اٹھا لیتی ہے، مبادا اسے تکلیف پہنچے۔''

فوائد ومسائل: ① گھوڑے کی مثال بیان کرنے میں حکمت یہ ہے کہ دوسرے حیوانات کی نسبت گھوڑا اپنے بچے پر زیادہ شفقت ومہربانی کرتا ہے۔ گھوڑے کا اپنے بچے پر اس قدر رحم کرنا قدرت کا ایک کرشمہ ہے۔ ② دنیا میں کتنے لوگ ایسے ہیں جو اپنے پہلو میں دھڑکتا ہوا دل نہیں بلکہ پتھر کا ٹکڑا رکھے ہوئے ہیں۔ وہ دوسروں پر رحم وکرم کرنا جانتے ہی نہیں، بلکہ وہ ہر وقت دوسروں پر ظلم وستم ڈھاتے رہتے ہیں۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ دنیا میں جلد ہی اپنے انجام کو دیکھ لیں گے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور جو بھی تم میں سے ظلم کرے گا اسے ہم سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔''[1] اس حدیث کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''اگر کافر کو پتا چل جائے کہ اللہ کے ہاں کس قدر رحمت ہے تو وہ بھی جنت ملنے سے مایوس نہ ہو۔''[2] لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت صرف اہل ایمان کے لیے مخصوص ہوگی، کافر اس سے کچھ حصہ نہ پائے گا۔

(٢٠) بَابُ قَتْلِ الْوَلَدِ خَشْيَةَ أَنْ يَأْكُلَ مَعَهُ

باب: 20- بچوں کو اس ڈر سے قتل کرنا کہ اُن کے ساتھ کھائیں گے

وضاحت: دور جاہلیت میں عرب اپنے بچوں کو تین وجہ سے قتل کرتے تھے: ○ مفلسی اور تنگ دستی کی بنا پر پیدا ہوتے ہی بچے کو مار دیتے کہ انھیں اس کی پرورش کرنا پڑے گی۔ ○ بے جا جذبۂ غیرت کی وجہ سے کہ بچی کسی کے نکاح میں جائے گی، وہ پیدا ہوتے ہی اسے زندہ درگور کر دیتے۔ ○ اپنے بتوں اور معبودان باطلہ کے لیے بھی اپنے بچوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کا رواج تھا۔ قرآن کریم نے مطلق طور پر بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے، خواہ اس کی کوئی وجہ ہو عنوان میں ساتھ کھانے کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں۔

٦٠٠١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ

[6001] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

---

① الفرقان 25:19. ② صحيح البخاري، الرقاق، حديث: 6469.

عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُرَحْبِيلَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ؟ قَالَ: «أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ»، قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ أَنْ يَأْكُلَ مَعَكَ»، قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «أَنْ تُزَانِيَ حَلِيلَةَ جَارِكَ»، وَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى تَصْدِيقَ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ ﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ﴾ [الفرقان:٦٨]. [راجع: ٤٤٧٧]

انھوں نے کہا کہ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بناؤ، حالانکہ اس نے تمھیں پیدا کیا ہے۔“ انھوں نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: ”اولاد کو اس ڈر سے قتل کرو کہ تمھارے ساتھ کھائے گی۔“ عرض کی: اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔“ پھر اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے ان ارشادات کی تائید میں یہ آیت نازل فرمائی: ”وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہیں پکارتے ......۔“

فوائد ومسائل: ① اس سے پہلے ایک حدیث (5977) میں بیان ہوا ہے کہ جھوٹ یا جھوٹی گواہی دینا اکبر الکبائر ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑا گناہ شرک کرنا ہے، اس کے بعد حالات و اشخاص کے اعتبار سے بڑے گناہ کا تعین کیا جائے گا، چنانچہ جھوٹ بولنا یا جھوٹی گواہی دینا زبان سے متعلق گناہوں میں بڑا ہے اور قتل ناحق عملی گناہوں میں بڑا گناہ ہے، پھر جن گناہوں کا لوگوں کے حقوق سے تعلق ہے ان میں ہمسائے کی بیوی سے زنا کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ ② بہر حال اپنے بچوں کو محدود وسائل کے پیش نظر قتل کرنا یا اس کے لیے منصوبہ بندی کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ ہمارے رجحان کے پیش نظر آج کل ”بچے برائے فروخت“ کا ڈرامہ کرنا بھی اسی قسم سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی مکاری اور دھوکا دہی سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

(۲۱) بَابُ وَضْعِ الصَّبِيِّ فِي الْحِجْرِ

باب: 21- بچے کو گود میں بٹھانا

٦٠٠٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ هِشَامٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَضَعَ صَبِيًّا فِي حِجْرِهِ يُحَنِّكُهُ، فَبَالَ عَلَيْهِ، فَدَعَا بِمَاءٍ فَأَتْبَعَهُ. [راجع: ٢٢٢]

[6002] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک بچہ اپنی گود میں بٹھایا، پھر کھجور چبا کر اس کے حلق میں لگائی۔ اس نے آپ ﷺ پر پیشاب کر دیا تو آپ نے پانی منگوا کر کپڑوں پر بہا دیا۔

فائدہ: اس حدیث سے سبق ملتا ہے کہ بچوں پر شفقت اور مہربانی کرنی چاہیے۔ اگر ان سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو اس پر صبر کرنا عقلمندی کی دلیل ہے۔ محبت و پیار سے انھیں اپنی گود میں بٹھانا بچوں کا حق ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ بچوں سے بہت شفقت

فرماتے تھے، اگر ان سے کوئی کوتاہی ہو جاتی تو ان کا مؤاخذہ نہ فرماتے کیونکہ وہ معصوم اور غیر مکلف ہیں۔[1]

(٢٢) بَابُ وَضْعِ الصَّبِيِّ عَلَى الْفَخِذِ

باب:22- بچے کو ران پر بٹھانا

٦٠٠٣ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا عَارِمٌ: حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا تَمِيمَةَ، يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ: يُحَدِّثُهُ أَبُو عُثْمَانَ عَنْ أُسَامَةَ ابْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَأْخُذُنِي فَيُقْعِدُنِي عَلَى فَخِذِهِ، وَيُقْعِدُ الْحَسَنَ ابْنَ عَلِيٍّ عَلَى فَخِذِهِ الْآخَرِ، ثُمَّ يَضُمُّهُمَا، ثُمَّ يَقُولُ: «اللَّهُم ارْحَمْهُمَا فَإِنِّي أَرْحَمُهُمَا».

[6003] حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مجھے پکڑتے اور اپنی ران پر بٹھاتے، پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنی دوسری ران پر بٹھاتے تھے، پھر دونوں کو ساتھ چمٹا لیتے اور فرماتے: ”اے اللہ! تو ان دونوں پر رحم فرما، میں بھی ان پر رحم کرتا ہوں۔“

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ: قَالَ التَّيْمِيُّ: فَوَقَعَ فِي قَلْبِي مِنْهُ شَيْءٌ، قُلْتُ: حُدِّثْتُ بِهِ كَذَا وَكَذَا فَلَمْ أَسْمَعْهُ مِنْ أَبِي عُثْمَانَ، فَنَظَرْتُ فَوَجَدْتُهُ عِنْدِي مَكْتُوبًا فِيمَا سَمِعْتُ. [راجع: ٣٧٣٥]

علی بن مدینی نے کہا: انھیں یحییٰ نے خبر دی، انھیں سلیمان نے بتایا، ان سے ابو عثمان نے بیان کیا کہ سلیمان تیمی نے کہا: میرے دل میں شک پیدا ہوا کہ مجھے ابو عثمان سے بہت سی احادیث بیان کی گئی ہیں تو میں نے یہ حدیث کیوں نہیں سنی؟ پھر میں نے اپنی کتاب میں دیکھا تو میں نے اس میں یہ حدیث لکھی ہوئی دیکھی جو میں نے ابو عثمان سے سنی تھی۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں ایک اشکال ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیک وقت حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دونوں اپنی رانوں پر کیسے بٹھا سکتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عمر آٹھ برس تھی جبکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں نوجوان تھے؟ آپ نے اپنی زندگی میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کا امیر بنایا تھا جس میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی کثیر تعداد تھی۔ ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت دونوں کو بٹھایا ہو جب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نوخیز ہوں اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عمر دو سال کے قریب ہو یا رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو کسی بیماری کی وجہ سے اپنی گود میں بٹھایا، اس دوران میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بھی اپنی دوسری ران پر بٹھا لیا۔[2] ② بہر حال محبت اور پیار کی وجہ سے بچوں کو ران پر بٹھانا جائز ہے اس میں کسی قسم کی ہتک اور بے عزتی نہیں ہے۔

---

① فتح الباري: 533/10. ② فتح الباري: 534/10.

(٢٣) بَابٌ: حُسْنُ الْعَهْدِ مِنَ الْإِيمَانِ

باب:23-گزشتہ عہد کی پاسداری علامتِ ایمان ہے

٦٠٠٤ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَا غِرْتُ عَلَى امْرَأَةٍ مَا غِرْتُ عَلَى خَدِيجَةَ، وَلَقَدْ هَلَكَتْ قَبْلَ أَنْ يَتَزَوَّجَنِي بِثَلَاثِ سِنِينَ، لِمَا كُنْتُ أَسْمَعُهُ يَذْكُرُهَا، وَلَقَدْ أَمَرَهُ رَبُّهُ أَنْ يُبَشِّرَهَا بِبَيْتٍ فِي الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ، وَإِنْ كَانَ لَيَذْبَحُ الشَّاةَ ثُمَّ يُهْدِي فِي خُلَّتِهَا مِنْهَا. [راجع: ٣٨١٦]

[6004] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ مجھے کسی عورت پر اتنا رشک نہیں آتا تھا جس قدر مجھے حضرت خدیجہ ؓ پر آتا تھا، حالانکہ آپ ﷺ کی میرے ساتھ شادی سے تین سال پہلے وہ فوت ہو چکی تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں آپ ﷺ کو بکثرت ان کا ذکر کرتے سنا کرتی تھی۔ آپ کے رب نے آپ کو حکم دیا کہ انھیں جنت میں ایک خولدار موتیوں کے محل کی خوشخبری سنا دیں۔ آپ ﷺ جب کبھی بکری ذبح کرتے تو اس میں سے ان کی سہیلیوں کو بھی ہدیہ بھیجتے تھے۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ حضرت خدیجہ ؓ کے ساتھ گزرے ہوئے ایام کی بہت پاسداری کرتے تھے بلکہ اس سے بھی صراحت کے ساتھ ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک بوڑھی عورت آئی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم کیسی ہو اور تمھارا کیا حال ہے؟ تم ہمارے بعد کیسے رہے؟'' اس نے کہا: اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! میں خیریت سے ہوں۔ جب وہ چلی گئی تو میں نے کہا: اللہ کے رسول! اس بوڑھی کے ساتھ آپ نے بڑی توجہ سے گفتگو فرمائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ خدیجہ کے زمانے میں آیا کرتی تھی اور یہ ان کی سہیلی ہے۔ حسن عہد اور اچھا برتاؤ ایمان کا حصہ ہے۔''[1] ② رسول اللہ ﷺ حضرت خدیجہ ؓ سے گزشتہ عہد کی پاسداری کرتے ہوئے ان کی سہیلیوں سے بہت اچھا برتاؤ کرتے تھے۔

(٢٤) بَابُ فَضْلِ مَنْ يَعُولُ يَتِيمًا

باب:24-یتیم کی کفالت کرنے کی فضیلت

٦٠٠٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ: سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا»، وَقَالَ بِإِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى. [راجع: ٥٣٠٤]

[6005] حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''میں اور یتیم کی نگہداشت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔'' پھر آپ نے شہادت والی اور درمیانی انگلی کو ملا کر اشارہ فرمایا۔

① فتح الباري: 536/10.

فوائدومسائل: ① اس سے معلوم ہوا کہ یتیم کی پرورش اور نگہداشت کرنے والے کا جنت میں بہت بلند درجہ ہوگا۔ واقعی یتیم کی خبر گیری کرنا بہت بڑی عبادت ہے۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ابن بطال کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جو انسان اس حدیث کو سنے اسے چاہیے کہ وہ اس پر عمل کرتے ہوئے کسی یتیم کی کفالت کرے تا کہ اسے جنت میں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت نصیب ہو۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی مرتبہ نہیں ہے۔[1] ③ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمانوں میں بہترین گھر وہ ہے جس گھر میں کوئی یتیم (زیرِ کفالت) ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور بدترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم (زیرِ کفالت) ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا جائے۔''[2] یتیم اپنی ضروریات کا مطالبہ اس طرح نہیں کر سکتا جس طرح بیٹا اپنے باپ سے ضد کر کے یا ناز کے ساتھ اپنی بات منوا لیتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ یتیم کی ضروریات اس کے مطالبے کے بغیر ہی پوری کی جائیں۔

(٢٥) بَابُ السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ

باب: 25- بیوہ عورت کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا

٦٠٠٦ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ يَرْفَعُهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللهِ، أَوْ كَالَّذِي يَصُومُ النَّهَارَ وَيَقُومُ اللَّيْلَ». [راجع: ٥٣٥٣]

[6006] حضرت صفوان بن سلیم رحمہ اللہ ایک مرفوع روایت بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''بیواؤں اور مساکین کے لیے بھاگ دوڑ کرنے والا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے، یا وہ اس شخص کی طرح ہے جو دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات کو قیام کرتا ہے۔''

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الدِّيلِيِّ، عَنْ أَبِي الْغَيْثِ مَوْلَى ابْنِ مُطِيعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَهُ.

ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ نبی ﷺ سے اسی طرح بیان کرتے ہیں۔

فوائدومسائل: ① بیوہ، وہ عورت ہے جس کا خاوند فوت ہو جائے، اس کی ضروریات کا خیال رکھنا بھی اہل اسلام کی ذمے داری ہے۔ اسی طرح وہ عورت جسے اس کے خاوند نے طلاق دے دی ہو اور اس کا دنیا میں کوئی سہارا نہ ہو۔ ② بیوہ اگر رشتے دار نہ بھی ہو تو نادار ہونے کی صورت میں اس کا اور اس کے یتیم بچوں کا خیال رکھنا بہت بڑی نیکی ہے۔

(٢٦) بَابُ السَّاعِي عَلَى الْمِسْكِينِ

باب: 26- مسکین کے لیے سعی کرنا

1 فتح الباري: 10/536. 2 سنن ابن ماجه، الأدب، حديث: 3679.

٦٠٠٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَبِي الْغَيْثِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللهِ وَأَحْسِبُهُ قَالَ - يَشُكُّ الْقَعْنَبِيُّ -: كَالْقَائِمِ لَا يَفْتُرُ، وَكَالصَّائِمِ لَا يُفْطِرُ». [راجع: ٥٣٥٣]

[6007] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیواؤں اور مسکینوں کے لیے کوشش کرنے والا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔'' قعنبی نے کہا: میرا گمان ہے کہ مالک نے کہا: بیواؤں اور مساکین کے لیے محنت و کوشش کرنے والا اس تہجد گزار کی طرح ہے جو سستی نہیں کرتا اور اس روزے دار کی طرح ہے جو روزے نہیں چھوڑتا۔''

فوائد ومسائل: ① معاشرے میں غریبوں، یتیموں، مسکینوں، ضرورت مندوں اور بیواؤں کی ضروریات کا خیال رکھنا اہل ایمان کی ذمے داری ہے۔ اگر انسان اپنی ہی فکر کرے، دوسرے کا خیال نہ رکھے تو اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی برکات روک کر اہل دنیا کو اجتماعی سزا دیتا ہے۔ ② اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایسے لوگوں کی تعریف کی ہے جو یتیموں، مسکینوں اور قیدیوں کو کھانا کھلانے کا اہتمام کرتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''نیک لوگ اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔''[1] غلام اور نوکر چاکر بھی اسی ذیل میں آتے ہیں جن کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید ہے۔ واللہ أعلم.

(٢٧) بَابُ رَحْمَةِ النَّاسِ وَالْبَهَائِمِ

باب: 27- لوگوں اور حیوانات پر رحم کرنا

٦٠٠٨ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَبِي سُلَيْمَانَ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ: أَتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ وَنَحْنُ شَبَبَةٌ مُتَقَارِبُونَ، فَأَقَمْنَا عِنْدَهُ عِشْرِينَ لَيْلَةً، فَظَنَّ أَنَّا اشْتَقْنَا أَهْلَنَا، وَسَأَلَنَا عَمَّنْ تَرَكْنَا فِي أَهْلِنَا فَأَخْبَرْنَاهُ، وَكَانَ رَفِيقًا رَحِيمًا، فَقَالَ: «ارْجِعُوا إِلَى أَهْلِيكُمْ، فَعَلِّمُوهُمْ وَمُرُوهُمْ، وَصَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي، وَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ». [راجع: ٦٢٨]

[6008] حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ ہم نوجوان اور ہم عمر تھے۔ ہم نے آپ کے ہاں بیس دن تک قیام کیا۔ پھر آپ کو خیال آیا کہ ہمیں اپنے اہل خانہ یاد آ رہے ہیں تو آپ نے ہم سے ان کے متعلق پوچھا جنھیں ہم اپنے اہل و عیال میں چھوڑ آئے تھے۔ ہم نے آپ کو پورا حال سنا دیا۔ آپ انتہائی نرم دل اور بڑے مہربان تھے۔ آپ نے فرمایا: ''اب تم اپنے گھروں کو واپس چلے جاؤ اور انھیں دین کی تعلیم دو اور پھر اس پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرو، نیز نماز اس طرح پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے

---

[1] الدھر 8:76.

دیکھا ہے۔ اور جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے کوئی اذان کہے، پھر تم میں سے جو بڑا ہو وہ امامت کرائے۔“

فوائد ومسائل: ① چونکہ یہ حضرات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اکٹھے رہے تھے، اس لیے علم کے اعتبار سے سب برابر تھے، ایسے حالات میں نماز کی جماعت کے لیے عمر کے اعتبار سے بڑے کا انتخاب کیا جائے۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی ایک صفت بیان ہوئی ہے کہ آپ بہت نرم دل اور مہربان تھے، آپ کو حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں پر ترس آیا اور انھیں اپنے گھر چلے جانے کی از خود ہدایت فرمائی۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان سے ایک حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم مومن نہیں بن سکتے حتی کہ ایک دوسرے پر رحم کرو۔“ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اللہ کے رسول! ہم تو سب ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”تمھارا ایک دوسرے پر رحم کرنا مقصود نہیں بلکہ تمھاری شفقت و مہربانی کا فیضان تمام لوگوں کے لیے ہونا چاہیے۔“[1]

٦٠٠٩ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ، اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ، فَوَجَدَ بِئْرًا فَنَزَلَ فِيهَا، فَشَرِبَ ثُمَّ خَرَجَ، فَإِذَا كَلْبٌ يَلْهَثُ يَأْكُلُ الثَّرَى مِنَ الْعَطَشِ، فَقَالَ الرَّجُلُ: لَقَدْ بَلَغَ هٰذَا الْكَلْبَ مِنَ الْعَطَشِ مِثْلُ الَّذِي كَانَ بَلَغَ بِي، فَنَزَلَ الْبِئْرَ فَمَلَأَ خُفَّهُ، ثُمَّ أَمْسَكَهُ بِفِيهِ، فَسَقَى الْكَلْبَ، فَشَكَرَ اللهُ لَهُ، فَغَفَرَ لَهُ»، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، وَإِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ أَجْرًا؟ فَقَالَ: «فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ». [راجع: ١٧٣]

[6009] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایک آدمی راستے میں چل رہا تھا، اس دوران میں اسے شدت کی پیاس لگی، اس نے ایک کنواں پایا۔ اس میں اتر کر اس نے پانی پیا۔ جب باہر نکلا تو اس نے وہاں کتا دیکھا جو ہانپ رہا تھا اور پیاس کی وجہ سے تری چاٹ رہا تھا۔ اس شخص نے خیال کیا کہ اس کتے کو پیاس سے وہی تکلیف پہنچی ہوگی جو مجھے پہنچی تھی، چنانچہ وہ پھر کنویں میں اترا، اپنے جوتے میں پانی بھرا اور منہ سے پکڑ کر اسے باہر لایا، پھر کتے کو پلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے عمل کی قدر کرتے ہوئے اسے بخش دیا۔“ صحابۂ کرام نے عرض کی: اللہ کے رسول! کیا ہمیں جانوروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا بھی اجر ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تمھیں ہر تر جگر رکھنے والے سے اچھا برتاؤ کرنے میں اجر ملے گا۔“

فوائد ومسائل: ① صحیح بخاری میں اس طرح کا ایک واقعہ بنی اسرائیل کی ایک فاحشہ عورت کے متعلق بھی مروی ہے، اسے بھی اللہ تعالیٰ نے اس خدمت کی وجہ سے معاف کر دیا۔[2] ممکن ہے کہ متعدد واقعات ہوں۔ ② یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا کرشمہ

---

1 مجمع الزوائد: 340/8، حديث: 13671، و فتح الباري: 539/10. 2 صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3467.

ہے کہ صرف پیاسے کتے کو پانی پلانے سے انسان مغفرت کا حق دار بن گیا، لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ اچھے کام کو حقیر اور معمولی نہ خیال کرے۔ کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ کو وہ اتنا پسند آجائے کہ اس کے بدلے مغفرت کا پروانہ مل جائے۔ بہر حال ہمیں حیوانات کے متعلق نرم گوشہ رکھنا چاہیے۔ ان پر رحم اور نرمی کرتے ہوئے ان سے کام لیا جائے۔ والله أعلم.

٦٠١٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي صَلَاةٍ وَقُمْنَا مَعَهُ، فَقَالَ أَعْرَابِيٌّ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ: اللَّهُمَّ ارْحَمْنِي وَمُحَمَّدًا وَلَا تَرْحَمْ مَعَنَا أَحَدًا. فَلَمَّا سَلَّمَ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ لِلْأَعْرَابِيِّ: «لَقَدْ حَجَّرْتَ وَاسِعًا». يُرِيدُ رَحْمَةَ اللهِ.

[6010] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ ایک نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہوگئے۔ ایک دیہاتی نے دوران نماز میں کہا: ''اے اللہ! مجھ پر اور حضرت محمد ﷺ پر رحم فرما اور ہمارے ساتھ کسی پر رحم نہ کر۔ جب نبی ﷺ نے سلام پھیرا تو دیہاتی سے فرمایا: ''تو نے ایک وسیع چیز کو تنگ کر دیا۔'' اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی رحمت تھی۔

فوائد ومسائل: ① اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے، اس کی وسعت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے اور اعرابی نے اسے محدود کر دیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کا وصف اس طرح بیان کیا ہے کہ وہ دعا کرتے وقت دوسرے اہل ایمان کو بھی شامل کرتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ امتیازی وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے تھے اور ان کے لیے ہمارے دل میں بغض نہ رہنے دے، اے ہمارے رب! یقیناً تو بے حد شفقت کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[1] ② شاید کہ یہ وہی اعرابی ہو جس نے مسجد میں پیشاب کر دیا تھا جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک اعرابی مسجد میں آیا اور دعا کرنے لگا: اے اللہ! مجھے بخش دے اور محمد ﷺ کو بخش دے، ہمارے ساتھ کسی کو مغفرت عطا نہ فرما، پھر وہ مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ کر پیشاب کرنے لگا......[2] بہر حال رسول اللہ ﷺ نے اعرابی کو غلط دعا کرنے پر ٹوکا، حالانکہ اس غلطی کی وجہ اس کی آپ ﷺ سے محبت وعقیدت تھی۔ والله أعلم.

٦٠١١ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا عَنْ عَامِرٍ قَالَ: سَمِعْتُهُ يَقُولُ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «تَرَى الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ

[6011] حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم اہل ایمان کو ایک دوسرے پر رحم کرنے، آپس میں محبت کرنے اور ایک دوسرے سے شفقت کے ساتھ پیش آنے میں ایک جسم کی

① الحشر 10:59. ② جامع الترمذي، الطهارة، حديث :147.

كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى عُضْوًا تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ جَسَدِهِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى».

مانند دیکھو گے جس کے ایک عضو کو اگر تکلیف پہنچے تو سارا جسم بے قرار ہو جاتا ہے، اس کی نیند اڑ جاتی ہے اور سارا جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"

فائدہ: اس حدیث سے مسلمانوں کے حقوق کی عظمت، ان کی معاونت اور ایک دوسرے پر ان کی شفقت کا پتا چلتا ہے کہ وہ جسد واحد (ایک جسم) کی طرح ہیں، یعنی تکلیف و راحت میں جسم کے تمام اعضاء آپس میں موافقت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو دکھ میں شرکت کی دعوت دیتے ہیں۔ مسلمانوں کی یہی شان ہونی چاہیے کہ کسی ایک مسلمان کو تکلیف میں مبتلا دیکھ کر تڑپ جائیں اور اس کی مدد کے لیے بے قرار ہو جائیں لیکن دور حاضر میں یہ گوہر نایاب ہے۔ واللہ أعلم.

٦٠١٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَا مِنْ مُسْلِمٍ غَرَسَ غَرْسًا، فَأَكَلَ مِنْهُ إِنْسَانٌ أَوْ دَابَّةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ صَدَقَةٌ». [راجع: ٢٣٢٠]

[6012] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "جو مسلمان کوئی پھلدار درخت لگاتا ہے پھر اس سے انسان اور حیوانات کھاتے ہیں تو لگانے والے کے لیے وہ صدقہ بن جاتا ہے۔"

فائدہ: اس حدیث میں انسانوں اور حیوانوں پر شفقت و مہربانی کا بیان ہے کہ ان پر نرمی کرنے سے انسان اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر و ثواب کا حق دار بن جاتا ہے، نیز اس میں مومن کی بلندئ شان کا ذکر ہے کہ وہ اجر و ثواب کا حقدار بن جاتا ہے، اگرچہ اس نے کسی متعین کام کی نیت نہ کی ہو۔ زراعت پیشہ اور باغبانی کرنے والوں کو بھی بشارت ہے۔ یہ کام بہت ہی مبارک ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان بشارات کا حق دار بنائے۔ آمین.

٦٠١٣ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ وَهْبٍ قَالَ: سَمِعْتُ جَرِيرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ». [انظر: ٧٣٧٦]

[6013] حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "جو کسی پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔"

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ کی رحمت و شفقت کا دائرہ اپنے پرائے، چھوٹے بڑے، ماتحت ملازمین اور حیوانات تک کو وسیع ہے۔ صاحب ایمان کو کسی بھی موقع پر کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی کا معاملہ نہیں کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "کسی بدبخت ہی سے رحمت چھینی جاتی ہے۔"[1] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "رحم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا۔ تم اہل زمین پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔"[2] کسی نے خوب کہا ہے:

[1] جامع الترمذي، البر والصلة، حديث: 1923. [2] سنن أبي داود، الأدب، حديث: 4941.

رہو مہرباں تم اہل زمیں پر، اللہ مہرباں ہوگا عرش بریں پر۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اہل ایمان کی رحمت وشفقت سے تمام اہل زمین کو فائدہ پہنچنا چاہیے، جس میں مومن، کافر، حیوان اور پرندے وغیرہ سب شامل ہیں، نیز اس رحمت میں کھانا کھلانا، پانی پلانا، دوسرے کا بوجھ اٹھانا اور تعاون میں ہاتھ بڑھانا سب کام شامل ہیں۔ انسان کو چاہیے کہ وہ خود پر غور وفکر کرتا رہے، اگر کسی کمی یا کوتاہی کا شکار ہے تو اللہ تعالیٰ سے اس کی تلافی کے لیے دعا کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اندر رحمت وشفقت کا جذبہ پیدا فرمائے۔[1] آمین.

(٢٨) بَابُ الْوَصَاءَةِ بِالْجَارِ

باب: 28- ہمسایوں سے خیر خواہی کا بیان

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا۟ بِهِۦ شَيْـًٔا ۖ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَـٰنًا﴾ الْآيَةَ [النساء: ٣٦].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔''

وضاحت: اس آیت کریمہ کے ذکر کرنے کا مقصد ہمسایوں کے حقوق کی اہمیت واضح کرنا ہے۔ عام طور پر ہمسائے کا اطلاق ساتھ والے گھر پر کیا جاتا ہے اور جو اس کے قریب ہو اس پر بھی ہمسائے کا اطلاق ہوتا ہے، عنوان سے یہی مراد ہے۔ ان کی ہمسائیگی کا حق ہے کہ انھیں نفع پہنچائے، ان کی خیر خواہی کرے، انھیں تکلیف نہ دے، ان کے ساتھ مروت اور اخلاص سے پیش آئے اور ان کی ضروریات کا خیال رکھے۔

٦٠١٤ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ».

[6014] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''حضرت جبریل علیہ السلام بار بار مجھے پڑوسی کے متعلق وصیت کرتے رہے تاآنکہ مجھے خیال گزرا کہ شاید وہ اسے وراثت میں شریک کر دیں گے۔''

٦٠١٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِنْهَالٍ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ ابْنُ زُرَيْعٍ: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى

[6015] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حضرت جبریل علیہ السلام ہمیشہ مجھے ہمسائے کے متعلق وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے گمان کر لیا کہ وہ ہمسائے کو وارث بنا دیں گے۔''

① فتح الباري: 541/10.

ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ» .

فوائد ومسائل: ① اسلام میں پڑوس کی بہت اہمیت ہے، خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، عبادت گزار ہو یا فاسق و فاجر، دوست ہو یا دشمن، اپنا ہو یا بیگانہ، قریبی ہو یا اجنبی، خیر خواہ ہو یا بدخواہ ہر قسم کے پڑوسی کے ساتھ خیر خواہی کرنے کا حکم ہے۔ ② پڑوسی تین طرح کے ہوتے ہیں: ایک وہ جو مشرک ہو۔ اس کا صرف ایک حق ہے۔ دوسرا وہ جو مسلمان ہو۔ اس کے دو حق ہیں: ایک پڑوسی ہونے کا دوسرا مسلمان ہونے کا، تیسرا وہ جو رشتے دار بھی ہو۔ اس کے تین حق ہیں: ایک پڑوس کا، دوسرا اسلام کا اور تیسرا رشتے داری کا۔ دور جاہلیت میں بھی لوگ ہمسائیگی کے حق ادا کرتے تھے، اسلام نے بھی اسے برقرار رکھا ہے۔ ③ مذکورہ احادیث سے بھی ہمسائے کی حیثیت کا پتا چلتا ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما جب گھر میں بکری ذبح کرتے تو اپنے ایک یہودی پڑوسی کے گھر اس کا گوشت ضرور بھیجتے۔[1] ان احادیث کا سبب ورود یہ ہے کہ ایک انصاری صحابی اپنے گھر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لیے نکلے تو انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شخص سے محو گفتگو پایا۔ وہ بیٹھ کر انتظار کرتے رہے، حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تادیر کھڑے دیکھ کر اسے آپ پر ترس آنے لگا...... آخر کار جب ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا: ''کیا تجھے علم ہے کہ یہ کون تھے؟'' میں نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''یہ جبریل علیہ السلام تھے جو مجھے پڑوسی کے متعلق وصیت کر رہے تھے، یہاں تک کہ مجھے شک گزرا کہ وہ میرا وارث بن جائے گا۔''[2] اگرچہ پڑوسی مالی ترکے میں وارث نہیں ہوتا، تاہم وہ علمی جائیداد میں وراثت کا حق وار ہے۔ واللہ أعلم.

(٢٩) بَابُ إِثْمِ مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ

باب: 29- اس شخص کا گناہ جس کا پڑوسی اس کی اذیتوں سے محفوظ نہیں رہتا

﴿يُوبِقْهُنَّ﴾ [الشورى: ٣٤]: يُهْلِكْهُنَّ، ﴿مَّوْبِقًا﴾ [الكهف: ٥٢]: مَهْلِكًا.

﴿يُوبِقْهُنَّ﴾ کے معنی ہیں: ان کو ہلاک کرے گا اور ﴿مَوْبِقًا﴾ کے معنی ہیں: ہلاکت کا مقام۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے بوائقہ کی مناسبت سے دو قرآنی الفاظ کی تفسیر بیان فرمائی ہے جو حسب ذیل ہیں: ○ ﴿أَوْ يُوبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوا﴾ ''یا ان کی کمائی کی وجہ سے انھیں ہلاک کر دے گا۔'' ○ ﴿وَجَعَلْنَا بَيْنَهُم مَّوْبِقًا﴾ ''اور ہم نے ان کے درمیان ایک ہلاکت کا مقام کھڑا کر دیا۔''

٦٠١٦ - حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ، وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ، وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ»، قِيلَ: وَمَنْ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ:

[6016] حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''واللہ! وہ ایمان والا نہیں، واللہ! وہ ایمان والا نہیں، واللہ! وہ ایمان والا نہیں۔'' عرض کی گئی: اللہ کے رسول! کون؟ آپ نے فرمایا: ''جس کا ہمسایہ اس کی اذیتوں

---

1 سنن أبي داود، الأدب، حديث: 5152. 2 مسند أحمد: 5/ 32.

«الَّذِي لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ».

سے محفوظ نہ ہو۔"

تَابَعَهُ شَبَابَةُ وَأَسَدُ بْنُ مُوسَى. وَقَالَ حُمَيْدُ ابْنُ الْأَسْوَدِ، وَعُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ، وَشُعَيْبُ بْنُ إِسْحَاقَ عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.

شبابہ اور اسد بن موسیٰ نے عاصم بن علی کی متابعت کی ہے اور حمید بن اسود، عثمان بن عمر، ابوبکر بن عیاش اور شعیب بن اسحاق نے ابن ابی ذئب سے، اس نے سعید مقبری سے، انھوں نے (اس حدیث کو) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے پڑوسی کی عظمت کا پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ ایسے انسان کے ایمان کی نفی کی ہے جس کی اذیتوں اور تکلیفوں نے پڑوسی کی ناک میں دم کر رکھا ہو، اگرچہ ایمان کی نفی سے مراد کمالِ ایمان کی نفی ہے، یعنی وہ شخص کامل ایمان والا نہیں ہے کیونکہ یہ ایک معصیت اور نافرمانی ہے اور معصیت کا مرتکب دائرۂ ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔ ② رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے اپنے پڑوسی کی شکایت کی، آپ نے فرمایا: "جاؤ، صبر کرو۔" وہ پھر آپ کے پاس آیا یا تین مرتبہ آیا تو آپ نے فرمایا: "جا، اپنا سامان راستے میں رکھ دو۔" چنانچہ وہ گیا اور اپنا ساز و سامان راستے میں رکھ دیا۔ لوگ اس سے پوچھنے لگے تو اس نے انھیں اپنے پڑوسی کے کردار سے آگاہ کیا۔ لوگ اس پڑوسی کو طعن و ملامت کرنے لگے: اللہ اس کے ساتھ ایسا کرے، ایسا کرے، چنانچہ وہ ہمسایہ اس کے پاس آیا اور کہنے لگا: اپنے گھر واپس چلے جاؤ، آئندہ میری طرف سے کوئی ناپسندیدہ حرکت نہیں دیکھو گے۔[1] اس حدیث میں ہمسائے کی اذیتوں اور تکلیفوں سے علاج کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ واللہ المستعان.

(٣٠) بَابٌ: لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا

باب: 30- کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو حقیر خیال نہ کرے

٦٠١٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ - هُوَ الْمَقْبُرِيُّ - عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ: «يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ». [راجع: ٢٥٦٦]

[6017] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے: "اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے لیے معمولی اور حقیر خیال نہ کرے اگرچہ بکری کی کھری کا ہدیہ ہو۔"

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کے دو معنی ہیں: ○ کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو ہدیہ دینے میں حقیر خیال نہ کرے اگرچہ وہ بکری کا پایہ ہو، اور اسے خوش رکھنے کی کوشش کرے۔ ○ کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن سے ہدیہ لینے میں حقیر نہ سمجھے اگرچہ وہ بکری کا پایہ ہو، اسے حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ مقصد یہ ہے کہ ہدیہ دینے لینے کا تبادلہ ہوتا رہنا چاہیے، اس سے محبت کے جذبات پروان چڑھتے

1 سنن أبي داود، الأدب، حديث: 5153.

ہیں اور باہمی بغض وعداوت ختم ہوتی ہے۔ ② عورتوں کو اس لیے تلقین کی گئی ہے کہ ان کے جذبات بہت جلد متاثر ہو جاتے ہیں اور ان کا آبگینۂ محبت بہت جلد چور چور ہوتا ہے۔[1]

(٣١) بَابٌ: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ

باب: 31- جو شخص اللہ پر ایمان اور آخرت پر یقین رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے

٦٠١٨ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِي حَصِينٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ». [راجع: ٥١٨٥]

[6018] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی اللہ پر ایمان اور آخرت پر یقین رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔ جو شخص اللہ پر ایمان اور آخرت پر یقین رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔ اور جو کوئی اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اچھی بات کہے یا پھر خاموش رہے۔''

٦٠١٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ، عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْعَدَوِيِّ قَالَ: سَمِعَتْ أُذُنَايَ وَأَبْصَرَتْ عَيْنَايَ حِينَ تَكَلَّمَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ جَائِزَتَهُ»، قَالَ: وَمَا جَائِزَتُهُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ فَقَالَ: «يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ، وَالضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ، وَمَا كَانَ وَرَاءَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ عَلَيْهِ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ». [انظر: ٦١٣٥، ٦٤٧٦]

[6019] حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میرے کانوں نے سنا اور میری آنکھوں نے دیکھا جب نبی ﷺ گفتگو فرما رہے تھے، آپ نے فرمایا: ''جو کوئی اللہ پر ایمان اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہے وہ اپنے ہمسائے کی عزت کرے۔ اور جو شخص اللہ پر ایمان اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی دستور کے مطابق ہر طرح سے عزت کرے۔'' عرض کی: اللہ کے رسول! دستور کے مطابق عزت کرنا کب تک ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ایک دن اور ایک رات اور میزبانی تین دن تک ہے اور جو اس کے بعد ہو وہ اس کے لیے صدقہ ہے۔ اور جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔''

فائدہ: پڑوسی کے اکرام کا حکم اشخاص، حالات اور مقامات کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ اس کا کم از کم مرتبہ اچھے اخلاق سے پیش آنا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث نقل کی ہے، جس سے پڑوسی کے حقوق کا

[1] فتح الباري: 547/10.

پتا چلتا ہے۔ صحابۂ کرام ﷺ نے عرض کی: اللہ کے رسول! ایک پڑوسی کے دوسرے پڑوسی پر کیا حقوق ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ”جب وہ قرض طلب کرے تو اسے قرض دے۔ جب وہ مدد طلب کرے تو اس کا تعاون کرے۔ جب وہ بیمار ہو جائے تو اس کی تیمارداری کرے۔ جب وہ ضرورت مند ہو تو اس کی ضرورت پوری کرے۔ جب وہ محتاج ہو تو اس کی خبر گیری کرے۔ جب اسے کوئی خوشی ملے تو اسے مبارک باد دے۔ اگر اسے کوئی مصیبت پہنچے تو اسے تسلی دے۔ جب وہ فوت ہو جائے تو اس کا جنازہ پڑھے، اس کے گھر سے اپنی دیواریں اونچی نہ کرے تا کہ قدرتی ہوا کی بندش نہ ہو (اس کی اجازت سے کیا جا سکتا ہے) جب گھر میں اچھا کھانا پکائے تو اسے بھی کچھ دے۔ اگر پھل خریدے تو اسے کچھ ہدیہ دے، اگر نہ دے سکے تو اسے پوشیدہ طور پر گھر میں لے جائے تا کہ اس کے بچوں کو تکلیف نہ ہو۔ اگر کوئی کوتاہی دیکھے تو پردہ پوشی سے کام لے۔“[1] اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہے، تاہم معنی کے اعتبار سے صحیح معلوم ہوتی ہے۔ واللہ أعلم.

(٣٢) بَابُ حَقِّ الْجِوَارِ فِي قُرْبِ الْأَبْوَابِ

باب: 32- ہمسائے کا حق دروازے کے قریب ہونے کے اعتبار سے ہے

٦٠٢٠ - حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو عِمْرَانَ قَالَ: سَمِعْتُ طَلْحَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ لِي جَارَيْنِ فَإِلَى أَيِّهِمَا أُهْدِي؟ قَالَ: «إِلَى أَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَابًا». [راجع: ٢٢٥٩]

[6020] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میرے دو ہمسائے ہیں، ان میں سے کس کو ہدیہ بھیجوں؟ آپ نے فرمایا: ”جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو۔“

فوائد ومسائل: ① قریب والے کو ہدیہ دینے میں یہ حکمت ہے کہ وہ اپنے پڑوسی کو پھل فروٹ لے کر آتے جاتے دیکھتا رہتا ہے، لیکن دور والے کو پتا نہیں چلتا، لہٰذا قریب رہنے والے کو ہدیہ دیا جائے۔ ② پڑوس کی حد کیا ہے؟ اس کے متعلق متعدد اقوال مروی ہیں لیکن وہ سارے کے سارے ضعیف ہیں۔ راجح بات یہ معلوم ہوتی ہے پڑوس کی حد بندی میں عرف کا خیال اور لحاظ رکھا جائے۔[2] واللہ أعلم.

(٣٣) بَابٌ: كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ

باب: 33- ہر نیک کام صدقہ ہے

٦٠٢١ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَيَّاشٍ: حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ

[6021] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”ہر اچھا

---

① فتح الباري: 548/10، وسلسلة الأحاديث الضعيفة: 96/6، رقم: 2587. ② فتح الباري: 549/10، وسلسلة الأحاديث الضعيفة: 446/1، رقم: 277، وشرح رياض الصالحين لابن عثيمين: 176/3.

جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ».

کام اور اچھی بات صدقہ ہے۔''

فوائدومسائل: ① معروف ایک ایسا جامع لفظ ہے جو ہر اللہ تعالیٰ کی اطاعت، تقرب الی اللہ اور لوگوں کے ساتھ نیکی اور احسان کرنے کو شامل ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہر اچھا کام یا اچھی بات معروف ہے جس پر ثواب آخرت مرتب ہوتا ہو، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''نیکی کے کسی بھی کام کو حقیر خیال نہ کرو، خواہ تم اپنے بھائی کو خندہ پیشانی سے ملو۔''[1] حضرت جابر ؓ سے مروی ایک روایت میں ہے: ''اپنے ڈول سے کسی دوسرے کے برتن میں پانی ڈالنا بھی معروف نیکی ہے۔''[2] ② احادیث میں اچھے کاموں اور اچھی باتوں کو صدقے سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ آئندہ حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔

٦٠٢٢ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ»، قَالُوا: فَإِنْ لَمْ يَجِدْ؟ قَالَ: «فَيَعْمَلُ بِيَدَيْهِ فَيَنْفَعُ نَفْسَهُ وَيَتَصَدَّقُ»، قَالُوا: فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ أَوْ لَمْ يَفْعَلْ؟ قَالَ: «فَيُعِينُ ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوفَ»، قَالُوا: فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ؟ قَالَ: «فَلْيَأْمُرْ بِالْخَيْرِ، أَوْ قَالَ: بِالْمَعْرُوفِ»، قَالَ: فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ؟ قَالَ: «فَلْيُمْسِكْ عَنِ الشَّرِّ فَإِنَّهُ لَهُ صَدَقَةٌ». [راجع: ١٤٤٥]

[6022] حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ صدقہ کرے۔'' صحابۂ کرام نے عرض کی: اگر وہ صدقہ کرنے کے لیے کوئی چیز نہ پائے تو؟ آپ نے فرمایا: ''وہ اپنے ہاتھ سے کام کرے، اس سے خود بھی فائدہ اٹھائے اور صدقہ بھی کرے۔'' صحابۂ کرام نے عرض کی: اگر اس کی طاقت نہ ہو یا نہ کر سکے تو؟ آپ نے فرمایا: ''پھر کسی پریشان حال ضرورت مند کی مدد کرے۔'' انھوں نے عرض کی: اگر یہ بھی نہ کر سکے تو؟ آپ نے فرمایا: ''پھر وہ بھلائی کی طرف لوگوں کو راغب کرے یا اچھے کاموں کی تلقین کرے۔'' کسی نے کہا: اگر یہ بھی نہ کر سکے تو؟ آپ نے فرمایا: ''پھر لوگوں کو اپنے شر سے بچا کر رکھے یہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے۔''

فوائدومسائل: ① اس حدیث میں مختلف اچھے کاموں کو صدقے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کچھ احادیث میں ہے کہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے۔ بیوی کے منہ میں خوش طبعی کے طور پر لقمہ ڈالنا بھی صدقہ ہے، جس حیلے یا کام کے ذریعے سے اپنی عزت و ناموس کا دفاع کرے وہ بھی صدقہ ہے۔[3] ② ایک حدیث میں اس کی مزید تفصیل ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحيح مسلم، البر والصلة، حديث: 6690 (2626). [2] جامع الترمذي، البر و الصلة، حديث: 1970. [3] فتح الباري: 550/10.

''انسان کے ہر جوڑ کے بدلے ہر روز اس کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ دو آدمیوں کے درمیان عدل کرنا صدقہ ہے، آدمی کسی کو اپنی سواری پر بٹھائے یا اس کا سامان سواری پر رکھ لے یہ بھی صدقہ ہے، اچھی بات کرنا صدقہ ہے، نماز کی طرف ہر قدم اٹھانا صدقہ ہے، راستے سے تکلیف دہ چیز دور کرنا بھی صدقہ ہے۔''[1] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سبحان اللہ، اللہ اکبر، الحمدللہ اور لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے۔ اچھے کام کی رغبت دلانا صدقہ ہے۔ برے کام سے منع کرنا صدقہ ہے۔ تمھارا اپنی اہلیہ سے مباشرت کرنا صدقہ ہے۔'' صحابۂ کرام ؓ نے عرض کی: اللہ کے رسول! کیا ہم میں سے کوئی اپنی شہوت پوری کرتا ہے تو اس پر اسے اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا: ''مجھے بتاؤ، اگر وہ حرام طریقے سے شہوت پوری کرتا ہے تو کیا اس پر گناہ ہوتا ہے؟ اسی طرح اگر وہ حلال طریقے سے پوری کرے گا تو اسے اجر ملے گا۔''[2] حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی مسلمان شجر کاری یا کاشتکاری کرتا ہے، پھر کوئی انسان، حیوان یا کوئی پرندہ اس میں سے کھالیتا ہے تو یہ اس کے لیے صدقہ ہے۔''[3] ایک روایت میں ہے: ''اگر اس میں سے چوری ہو جائے تو وہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے۔''[4] الغرض دین اسلام میں ''المعروف'' کا باب بہت وسیع ہے، اللہ تعالیٰ اسے اختیار کرنے کی ہمیں ہمت دے۔ آمین!

(٣٤) بَابُ طِيبِ الْكَلَامِ

باب: 34- خوش کلامی کا ثواب

وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «الْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ».

حضرت ابو ہریرہ ؓ نے نبی ﷺ سے بیان کرتے ہوئے کہا: ''ہر اچھی بات صدقہ ہے۔''

وضاحت: امام بخاری ؒ نے اس حدیث کو متصل سند سے کتاب الجہاد (حدیث: 2989) میں بیان کیا ہے۔

٦٠٢٣ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرٌو عَنْ خَيْثَمَةَ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ: ذَكَرَ النَّبِيُّ ﷺ النَّارَ، فَتَعَوَّذَ مِنْهَا وَأَشَاحَ بِوَجْهِهِ، ثُمَّ ذَكَرَ النَّارَ فَتَعَوَّذَ مِنْهَا وَأَشَاحَ بِوَجْهِهِ - قَالَ شُعْبَةُ: أَمَّا مَرَّتَيْنِ فَلَا أَشُكُّ - ثُمَّ قَالَ: «اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ». [راجع: ١٤١٣]

[6023] حضرت عدی بن حاتم ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے دوزخ کا ذکر کیا، اس سے پناہ مانگی اور چہرے سے ناگواری کا اظہار کیا، پھر دوزخ کا ذکر کیا، اس سے پناہ طلب کی اور اپنے چہرے سے ناگواری کا تأثر ظاہر کیا...... (راویٔ حدیث) شعبہ نے کہا: (آپ ﷺ کے) دو مرتبہ (جہنم سے پناہ مانگنے) کے متعلق مجھے کوئی شک نہیں...... پھر آپ نے فرمایا: ''جہنم سے بچو، اگرچہ کھجور کا ٹکڑا دینے سے ہو۔ اور اگر کسی کو یہ بھی میسر نہ ہو تو اچھی بات کرکے (اس جہنم سے بچنے کی کوشش کرے)۔''

---

① صحيح البخاري، الجهاد و السير، حديث: 2989. ② صحيح مسلم، الزكاة، حديث: 2329 (1006). ③ صحيح البخاري، الحرث والمزارعة، حديث: 2320. ④ صحيح مسلم، المساقاة، حديث: 3968 (1552).

فوائد ومسائل: ① عربی زبان میں کسی چیز کو مکروہ خیال کرتے ہوئے احتیاط کرنے والے کی طرح اس سے روگردانی کو ''اشاح'' کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی جہنم کو دیکھ کر اس سے اپنی ناگواری کا اظہار کیا اور ہمیں اس سے بچنے کی نہ صرف تلقین کی بلکہ تدبیر بھی بتائی کہ صدقہ کر کے اس سے بچا سکتا ہے۔ اگر کوئی صدقہ نہ دے سکے تو اچھی بات کر کے، اسے اپنے سے دور کر سکتا ہے۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: جس طرح مال خرچ کرنے سے غریب کا دل خوش ہو جاتا ہے اور اس کے دل میں فرحت وانبساط کی لہر دوڑ جاتی ہے، اسی طرح اچھی بات کرنے سے مخاطب خوش ہو جاتا ہے اور اس کے دل کا حسد وبغض نکل جاتا ہے، اس بنا پر ہر اچھی بات کو صدقے سے تعبیر کیا گیا ہے۔[1]

(٣٥) بَابُ الرِّفْقِ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ

باب: 35- ہر کام میں نرمی اختیار کرنے کا بیان

٦٠٢٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ: دَخَلَ رَهْطٌ مِنَ الْيَهُودِ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالُوا: السَّامُ عَلَيْكُمْ، قَالَتْ عَائِشَةُ: فَفَهِمْتُهَا فَقُلْتُ: وَعَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ، قَالَتْ: فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَهْلًا يَا عَائِشَةُ، إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ»، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَوَ لَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا؟ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «قَدْ قُلْتُ: وَعَلَيْكُمْ». [راجع: ٢٩٣٥]

[6024] نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ کچھ یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: السام علیکم، یعنی تمھیں موت آئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اس کا مفہوم سمجھ گئی۔ میں نے جواب دیا: وعلیکم السام واللعنة، یعنی تمھیں موت آئے اور تم پر لعنت ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہ! نرمی کرو۔ اللہ تعالیٰ ہر امر میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔'' میں نے کہا: اللہ کے رسول! کیا آپ نے نہیں سنا، انھوں نے کیا بکواس کی تھی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اس کا جواب دے دیا تھا: ''وعلیکم'' اور تم پر بھی وہی کچھ ہو۔''

فوائد ومسائل: ① یہود کی فطرت میں شرارت تھی، انھوں نے دبے الفاظ میں رسول اللہ ﷺ کو بددعا دی تھی، گویا وہ چاہتے تھے کہ آپ کو ابھی موت آ جائے۔ اس کا جواب رسول اللہ ﷺ نے دیا کہ میں تمھارے لیے وہی کچھ کہتا ہوں جس کے تم حق دار ہو۔ ② رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خلق عظیم سے نوازا تھا، اس لیے آپ نے ایسا انداز اختیار کیا کہ بدزبانی اختیار کیے بغیر انھیں جواب دے دیا۔ نرم مزاجی اور نرم کلامی کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''جس چیز میں نرمی ہوتی ہے وہ اسے خوبصورت بنا دیتی ہے اور جس چیز سے نرمی نکال دی جاتی ہے اسے بدصورت بنا دیتی ہے۔''[2]

1 فتح الباري: 551/10. 2، صحيح مسلم، البر والصلة، حديث: 6602 (2594).

٦٠٢٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ أَعْرَابِيًّا بَالَ فِي الْمَسْجِدِ، فَقَامُوا إِلَيْهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تُزْرِمُوهُ»، ثُمَّ دَعَا بِدَلْوٍ مِنْ مَاءٍ فَصُبَّ عَلَيْهِ. [راجع: ٢١٩]

[6025] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کر دیا تو صحابۂ کرام اس کی طرف دوڑ پڑے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس کے پیشاب کو مت روکو۔'' اس کے بعد آپ نے پانی کا ڈول منگوایا اور پیشاب کی جگہ پر بہا دیا گیا۔

فوائدومسائل: ① رسول اللہ ﷺ کی نرم مزاجی کے متعلق قرآن کریم نے شہادت دی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم مزاج واقع ہوئے ہیں۔ اگر آپ تند مزاج اور سنگدل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے تتر بتر ہو جاتے۔''[1] اسی نرمی کا مظاہرہ آپ نے اس دیہاتی کے ساتھ فرمایا جس نے مسجد میں پیشاب کر دیا تھا۔ آپ نے اخلاق کریمانہ کے سبب اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''اسے پیشاب کر لینے دو بصورت دیگر یہ بیمار ہو جائے گا اور مسجد میں بھی زیادہ آلودگی پھیلے گی۔'' ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس واقعے سے نرمی اختیار کرنے کو ثابت کیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو انسان نرمی سے محروم کر دیا گیا وہ گویا ہر قسم کی خیر و برکت سے محروم ہو گیا۔[2] ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''عائشہ! اللہ تعالیٰ خود بھی نرمی کرنے والا ہے اور نرمی کو پسند کرتا ہے اور نرمی کرنے پر وہ کچھ دیتا ہے جو سختی اختیار کرنے پر نہیں دیتا۔''[3]

(٣٦) بَابُ تَعَاوُنِ الْمُؤْمِنِينَ بَعْضِهِمْ بَعْضًا

باب: 36- اہل ایمان کا ایک دوسرے سے تعاون کرنا

٦٠٢٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ [بْنُ يُوسُفَ]: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بُرَيْدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ: أَخْبَرَ جَدِّي أَبُو بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا»، ثُمَّ شَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ. [راجع: ٤٨١]

[6026] حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''ایک مومن دوسرے مومن کے لیے اس عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔'' پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل فرمایا۔

٦٠٢٧ - وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ جَالِسًا إِذْ جَاءَ رَجُلٌ

[6027] پھر اچانک ایک آدمی آ گیا جبکہ نبی ﷺ ابھی

① آل عمران 3:159. ② صحیح مسلم، البر والصلة، حدیث: 6598 (2592). ③ صحیح مسلم، البر والصلة، حدیث: 6601(2593).

يَسْأَلُ، أَوْ طَالِبُ حَاجَةٍ، أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ، فَقَالَ: «اشْفَعُوا فَلْتُؤْجَرُوا، وَلْيَقْضِ اللهُ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ مَا شَاءَ». [راجع: ١٤٣٢]

بیٹھے ہوئے تھے، اس نے کوئی سوال کیا یا اپنی ضرورت کے لیے کچھ کہا تو آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا: ''سفارش کرو تمھیں اجر دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان کے ذریعے سے جو چاہے گا فیصلہ کر دے گا۔''

فائدہ: تمام مسلمان جسد واحد، یعنی ایک جسم کی طرح ہیں، انھیں ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیے، مسلمانوں کے اخروی امور ہوں یا دنیاوی معاملات، ہر کام میں ایک دوسرے کی مدد کرنا بہت ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کو یہ عمل بہت محبوب ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''اللہ تعالیٰ اس بندے کی مدد کرتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں مصروف رہتا ہے۔''[1] بہرحال مسلمان کا تعاون کرنا اور اس کی ضرورت پوری کرنے کے لیے کوشش کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر و ثواب کا باعث ہے۔

(٣٧) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿مَن يَشْفَعْ شَفَٰعَةً حَسَنَةً يَكُن لَّهُۥ نَصِيبٌ مِّنْهَا﴾ [النساء: ٨٥]

باب: 37- ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جو شخص اچھی سفارش کرے گا، اسے اس میں سے حصہ ملے گا......'' کا بیان

﴿كِفْلٌ﴾: نَصِيبٌ، قَالَ أَبُو مُوسَى: ﴿كِفْلَيْنِ﴾ [الحديد: ٢٨]: أَجْرَيْنِ بِالْحَبَشِيَّةِ.

(اس آیت کریمہ میں) ''کفل'' کے معنی ہیں: حصہ۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حبشی زبان میں ''کفلین'' کے معنی ہیں: دو اجر۔

وضاحت: سفارش کرنے پر اجر کا حق دار ہونا علی الاطلاق نہیں ہے بلکہ اس سفارش پر اجر ملے گا جو اچھے کام کے لیے ہو، اگر کوئی برے کام کے لیے سفارش کرتا ہے تو اسے گناہ حاصل ہوگا۔[2]

٦٠٢٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّهُ كَانَ إِذَا أَتَاهُ السَّائِلُ أَوْ صَاحِبُ الْحَاجَةِ قَالَ: «اشْفَعُوا فَلْتُؤْجَرُوا، وَلْيَقْضِ اللهُ عَلَى لِسَانِ رَسُولِهِ مَا شَاءَ». [راجع: ١٤٣٢]

[6028] حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ کے پاس جب کوئی سائل یا حاجت مند آتا تو فرماتے: ''اس کی سفارش کرو تمھیں اس کا اجر ملے گا، اور اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی زبان کے ذریعے سے جو چاہے فیصلہ کرتا ہے۔''

1 صحيح مسلم، البر والصلة، حديث: 6598 (2699). 2 فتح الباري: 555/10.

فائدہ: آیت کریمہ کے بعد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو دوبارہ اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ بتایا جائے کہ سفارش کی دو قسمیں ہیں، جس سفارش پر اجر وثواب کا وعدہ ہے اس سے مراد اچھے کام کی سفارش ہے۔ سفارش حسنہ، یعنی اچھے کام کی سفارش کا ضابطہ یہ ہے کہ ایسے کام کی سفارش ہو جس کی شرعاً اجازت ہے۔ جس کام کی شرعی طور پر اجازت نہیں، اس کی سفارش کرنا بھی جائز نہیں بلکہ وہ بری سفارش ہے جس پر سفارش کرنے والا گناہ کا حقدار ہوگا۔ والله أعلم.[1]

(٣٨) بَابٌ: لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَاحِشًا

باب: 38- نبی ﷺ نہ تو بدگوئی کرتے تھے اور نہ بے ہودہ باتیں کرنے والے تھے

وضاحت: فَاحِش، سخت گو اور بدزبان کو کہتے ہیں اور مُتَفَحِّش، لوگوں کو ہنسانے کے لیے بے حیائی اور بے ہودگی کرنے والے کو کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ میں اس طرح کی کوئی بری صفت نہ تھی بلکہ آپ ﷺ نرم مزاج، صاف گو اور اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔

٦٠٢٩ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُلَيْمَانَ: سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ: سَمِعْتُ مَسْرُوقًا قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو؛ ح. وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيقِ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ مَسْرُوقٍ، قَالَ: دَخَلْنَا عَلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو حِينَ قَدِمَ مَعَ مُعَاوِيَةَ إِلَى الْكُوفَةِ، فَذَكَرَ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: لَمْ يَكُنْ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا، وَقَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ مِنْ خَيْرِكُمْ أَحْسَنَكُمْ خُلُقًا». [راجع: ٣٥٥٩]

[6029] حضرت مسروق سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ کوفہ تشریف لائے تو ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ بدگوئی کرنے والے اور بے ہودہ باتیں کرنے والے نہ تھے، نیز انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اخلاق کے اعتبار سے اچھا ہو۔“

فوائد ومسائل: ① فُحش وہ بری بات جو حد سے گزری ہوئی ہو، اس طرح کی باتیں کرنے والے کو فَاحِش کہتے ہیں اور مُتَفَحِّش بیہودگی اور یاوہ گوئی کرتا ہے۔ لوگوں کو خوش کرنے کے لیے گندی اور بے حیائی پر مبنی باتیں کرنے والے کو متفحش کہتے ہیں۔ ② نبی ﷺ قرآن کریم کی جیتی جاگتی تصویر تھے، اس لیے آپ نہ تو بدزبانی کرتے اور نہ آپ کو یاوہ گوئی کرنے کی عادت تھی بلکہ قرآن کریم پر عمل کرنا آپ کی جبلت تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے متعلق سوال کیا

1 فتح الباري: 555/10.

تو انھوں نے فرمایا: کیا تو قرآن نہیں پڑھتا؟ آپ کا خلق تو قرآن کریم تھا۔[1] قرآن کریم نے آپ ﷺ کے اخلاق و کردار کی ان الفاظ میں گواہی دی ہے: ''یقیناً آپ اعلیٰ اخلاق پر فائز ہیں۔''[2] رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''اللہ تعالیٰ بدزبانی اور فحش گوئی پسند نہیں کرتا۔''[3]

٦٠٣٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ يَهُودَ أَتَوُا النَّبِيَّ ﷺ فَقَالُوا: السَّامُ عَلَيْكُمْ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: عَلَيْكُمْ وَلَعَنَكُمُ اللهُ وَغَضِبَ اللهُ عَلَيْكُمْ، قَالَ: «مَهْلًا يَا عَائِشَةُ، عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ، وَإِيَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ»، قَالَتْ: أَوَ لَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا؟ قَالَ: «أَوَ لَمْ تَسْمَعِي مَا قُلْتُ؟ رَدَدْتُ عَلَيْهِمْ فَيُسْتَجَابُ لِي فِيهِمْ، وَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ فِيَّ». [راجع: ٢٩٣٥]

[6030] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: کچھ یہودی نبی ﷺ کے پاس آئے اور انھوں نے کہا: ''السام علیکم'' یعنی تم پر موت آئے۔ حضرت عائشہ ؓ نے ان کے جواب میں کہا: تم پر بھی موت آئے۔ تم پر اللہ کی لعنت ہو اور اس کا غضب نازل ہو۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہ! نرمی کرو، سختی اور بدزبانی سے اجتناب کرو۔'' حضرت عائشہ ؓ نے کہا: آپ نے نہیں سنا کہ انھوں نے کیا کہا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے انھیں جو جواب دیا وہ تم نے نہیں سنا؟ میں نے ان کی بات ان پر لوٹا دی تھی۔ ان کے متعلق میری بد دعا قبول ہوگی لیکن میرے حق میں ان کی بدزبانی قبول ہی نہیں ہوگی۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ بدزبان اور بے ہودہ گو نہ تھے۔ آپ خود بھی نرم خو تھے اور نرم گوئی اختیار کرنے کا حکم دیتے تھے، بدگوئی اور کرخت لب و لہجہ اختیار کرنے سے منع کرتے تھے جیسا کہ آپ نے حضرت عائشہ ؓ کو تیز و تند لہجہ اختیار کرنے سے منع فرمایا۔ ② اس وقت یہودیوں نے باطل کہا اور جھوٹ بکا تھا، اس لیے آپ نے فرمایا: ان کی میرے متعلق بد دعا قبول نہیں ہوگی جبکہ آپ حق پر تھے اور حق کہتے تھے، اس لیے فرمایا: ''میری ان کے متعلق بد دعا ضرور قبول ہوگی۔'' بہرحال رسول اللہ ﷺ اخلاق و کردار کے اعتبار سے اعلیٰ صفات کے حامل تھے، اس لیے امام بخاری ؒ نے یہ حدیث بیان کی ہے۔ واللہ أعلم.

٦٠٣١ - حَدَّثَنَا أَصْبَغُ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنَا أَبُو يَحْيَى فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ هِلَالِ بْنِ أُسَامَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ سَبَّابًا وَلَا فَحَّاشًا

[6031] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ گالی گلوچ کرنے والے اور بے ہودہ کام کرنے والے نہیں تھے، اور نہ لعنت ملامت ہی کرنا آپ کی عادت تھی۔ اگر آپ ہم میں سے کسی پر ناراض

1 صحیح مسلم، صلاة المسافرین، حدیث: 1739 (746). 2 القلم 68:4. 3 مسند أحمد: 159/2.

وَلَا لَعَّانًا. كَانَ يَقُولُ لِأَحَدِنَا عِنْدَ الْمَعْتِبَةِ: «مَا لَهُ؟ تَرِبَ جَبِينُهُ». [انظر: ٦٠٤٦]

ہوتے تو اتنا فرماتے: ''اسے کیا ہوگیا ہے؟ اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔''

فوائدومسائل: ① سباب، فحاش اور لعان تینوں مبالغے کے صیغے ہیں، یعنی بہت گالی گلوچ کرنے والا، بہت بے ہودہ بکنے والا اور بہت لعن طعن کرنے والا۔ مبالغے کی نفی سے اصل فعل کی نفی نہیں ہوتی لیکن اس حدیث میں اصل فعل کی نفی مقصود ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ قطعی طور پر گالی گلوچ کرنے والے، بیہودہ باتیں کرنے والے اور لعنت کرنے والے نہ تھے۔ ② ان تینوں میں فرق یہ ہے کہ لعنت کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہونا۔ سب کا تعلق نسب سے جبکہ فحش کا تعلق حسب سے ہے۔ ③ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ''اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔'' اس کے بھی دو معنی ہیں: ○ وہ اپنے چہرے کے بل گرے اور اس کی پیشانی خاک آلود ہو جائے۔ ○ وہ نماز پڑھے تو اس کی پیشانی مٹی سے مل جائے، اس صورت میں یہ نیک دعا ہے، لیکن یہ معنی مقصود نہیں کیونکہ عربوں کے ہاں حکم نماز سے پہلے ہی یہ ضرب المثل رائج اور مشہور تھی۔ بہرحال اس کلمے سے حقیقی معنی مراد نہیں کیونکہ عربوں کی زبان پر یہ کلمہ بے ساختہ جاری ہو جاتا تھا۔ واللہ أعلم.

٦٠٣٢ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عِيسَى: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَوَاءٍ: حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ الْقَاسِمِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رَجُلًا اسْتَأْذَنَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَلَمَّا رَآهُ قَالَ: «بِئْسَ أَخُو الْعَشِيرَةِ وَبِئْسَ ابْنُ الْعَشِيرَةِ»، فَلَمَّا جَلَسَ تَطَلَّقَ النَّبِيُّ ﷺ فِي وَجْهِهِ وَانْبَسَطَ إِلَيْهِ، فَلَمَّا انْطَلَقَ الرَّجُلُ قَالَتْ لَهُ عَائِشَةُ: يَا رَسُولَ اللهِ، حِينَ رَأَيْتَ الرَّجُلَ قُلْتَ لَهُ كَذَا وَكَذَا، ثُمَّ تَطَلَّقْتَ فِي وَجْهِهِ وَانْبَسَطْتَ إِلَيْهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَا عَائِشَةُ مَتَى عَهِدْتِنِي فَاحِشًا؟ إِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ شَرِّهِ». [انظر: ٦٠٥٤، ٦١٣١]

[6032] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ جب آپ نے اسے دیکھا تو فرمایا: ''یہ شخص قبیلے کا برا آدمی اور برا بیٹا ہے۔'' پھر جب وہ بیٹھ گیا تو نبی ﷺ اسے خندہ پیشانی اور کشادہ چہرہ سے ملے۔ جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہ ؓ نے آپ سے کہا: اللہ کے رسول! جب آپ نے اسے دیکھا تو آپ نے اس کے متعلق ایسا ایسا فرمایا اور جب آپ اس سے ملے تو نہایت خندہ پیشانی اور کھلے چہرے سے پیش آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہ! تم نے مجھے بدگو کب دیکھا ہے؟ قیامت کے دن اللہ کے ہاں سب لوگوں سے بدترین وہ آدمی ہوگا جس کے شر اور برائی سے بچنے کے لیے لوگ اس سے میل ملاقات چھوڑ دیں گے۔''

فوائدومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص سے فحش گوئی اور بدکلامی کا خطرہ ہو اس سے حسن خلق، خندہ پیشانی اور کشادہ چہرے سے ملنا چاہیے تاکہ اس کی بے ہودگی سے محفوظ رہا جا سکے اور جو شخص علانیہ فاسق ہو، اس کے فسق کی وجہ

سے اس کی غیبت جائز ہے، تاکہ لوگ اس کے فحش میں گرفتار نہ ہو۔ ② ان تمام احادیث میں رسول اللہ ﷺ کی خوش اخلاقی کا ذکر ہے۔ آپ کے اخلاق کریمانہ کا تعلق صرف مسلمانوں ہی کے ساتھ نہیں بلکہ یہودیوں کے ساتھ بھی یکساں تھا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے دشمنوں سے بھی بد اخلاقی سے پیش نہیں آئے۔ آپ کے پاس یہی ایک ہتھیار تھا جس سے آپ نے تمام عرب کو زیر نگین کیا، لیکن آج مسلمانوں نے اس ہتھیار کو بالائے طلاق رکھ دیا ہے اور بد اخلاقی کا مرض ان میں سرایت کر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ آمین.

(٣٩) بَابُ حُسْنِ الْخُلُقِ وَالسَّخَاءِ، وَمَا يُكْرَهُ مِنَ الْبُخْلِ

باب:39- حسن خلق اور سخاوت کا ذکر، نیز بخل کی کراہت کا بیان

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَجْوَدَ النَّاسِ، وَأَجْوَدُ مَا يَكُونُ فِي رَمَضَانَ.

حضرت ابن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور رمضان المبارک میں آپ ﷺ بہت زیادہ سخاوت کرتے تھے۔

وَقَالَ أَبُو ذَرٍّ لَمَّا بَلَغَهُ مَبْعَثُ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ لِأَخِيهِ: ارْكَبْ إِلَى هٰذَا الْوَادِي فَاسْمَعْ مِنْ قَوْلِهِ، فَرَجَعَ فَقَالَ: رَأَيْتُهُ يَأْمُرُ بِمَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ.

حضرت ابوذر ؓ نے کہا: جب انھیں نبی ﷺ کی بعثت کا علم ہوا تو انھوں نے اپنے بھائی سے کہا کہ سوار ہو کر اس وادی کی طرف جاؤ اور ان کی باتیں سن کر آؤ، (چنانچہ وہ گیا)، پھر واپس آکر کہا: میں نے انھیں دیکھا ہے، وہ تو مکارم اخلاق کی تلقین کرتے ہیں۔

وضاحت: امام بخاری ؒ نے حضرت ابن عباس ؓ سے مروی اثر کو متصل سند سے بھی بیان کیا ہے، چنانچہ اسے کتاب بدء الوحي، حديث: 6 میں دیکھا جا سکتا ہے، اسی طرح حضرت ابوذر ؓ سے متعلقہ واقعہ بھی متصل سند سے ذکر کیا ہے۔[1]

٦٠٣٣ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ - هُوَ ابْنُ زَيْدٍ - عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ، وَأَجْوَدَ النَّاسِ، وَأَشْجَعَ النَّاسِ، وَلَقَدْ فَزِعَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَانْطَلَقَ النَّاسُ قِبَلَ الصَّوْتِ فَاسْتَقْبَلَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ قَدْ سَبَقَ النَّاسَ إِلَى الصَّوْتِ، وَهُوَ

[6033] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ سب سے زیادہ خوبصورت، سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔ اہل مدینہ ایک رات خوف و ہراس میں مبتلا ہوئے تو وہ شور کی طرف بڑھے، لیکن نبی ﷺ ان کو آگے سے ملے کیونکہ آپ اٹھنے والے شور و غل کی طرف سب سے پہلے تشریف لے گئے تھے۔ آپ نے

[1] صحيح البخاري، المناقب، حديث: 3522.

يَقُولُ: «لَمْ تُرَاعُوا، لَمْ تُرَاعُوا»، وَهُوَ عَلَى فَرَسٍ لِأَبِي طَلْحَةَ عُرْيٍ مَا عَلَيْهِ سَرْجٌ، فِي عُنُقِهِ سَيْفٌ، فَقَالَ: «لَقَدْ وَجَدْتُهُ بَحْرًا، أَوْ إِنَّهُ لَبَحْرٌ». [راجع: ٢٦٢٧]

فرمایا: ''گھبراؤ نہیں، کوئی خطرے کی بات نہیں۔'' آپ ﷺ اس وقت ابوطلحہ ؓ کے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار تھے۔ اس پر کوئی زین وغیرہ نہ تھی۔ آپ کی گردن میں تلوار آویزاں تھی، اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اس گھوڑے کو روانی میں سمندر کی طرح پایا۔'' یا فرمایا: ''یہ گھوڑا (تیز رفتاری میں) گویا سمندر ہے۔''

فوائدومسائل: ① حضرت انس ؓ نے رسول اللہ ﷺ کے تین اوصاف بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے کیونکہ یہ اوصاف، جامع اخلاق ہیں۔ انھیں اصول اخلاق بھی کہا جاتا ہے۔ ان میں حسن و جمال تو وہی فضیلت ہے جسے انسان محنت سے حاصل نہیں کر سکتا، باقی شجاعت و سخاوت جیسے اوصاف محنت و کوشش سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ ② رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی مجموعۂ کمالات فطری و کسبی تھی۔ آپ سرتا پا اوصاف حمیدہ اور اخلاق فاضلہ کے جامع تھے۔ شجاعت و سخاوت میں اس قدر بڑھے ہوئے کہ آپ کی نظیر نہیں پیش کی جا سکتی، کسی نے خوب کہا ہے: حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، ید بیضا داری   آنچہ خوباں ہمہ دارند، تو تنہا داری

٦٠٣٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: مَا سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ شَيْءٍ قَطُّ فَقَالَ: لَا.

[6034] حضرت جابر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: کبھی ایسا نہیں ہوا کہ نبی ﷺ سے کسی نے کوئی چیز مانگی ہو اور آپ نے اسے دینے سے انکار کیا ہو۔

فائدہ: رسول اللہ ﷺ سے جب بھی دنیا کا مال و متاع مانگا گیا تو آپ نے دینے سے انکار نہیں کیا، اگر آپ کے پاس کوئی چیز نہ ہوتی تو خاموشی اختیار کرتے، اگر آئندہ جلد یا بدیر ملنے کی امید ہوتی تو دینے کا ارادہ کر لیتے۔

٦٠٣٥ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنِي شَقِيقٌ عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا مَعَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو يُحَدِّثُنَا إِذْ قَالَ: لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا، وَإِنَّهُ كَانَ يَقُولُ: «إِنَّ خِيَارَكُمْ أَحْسَنُكُمْ أَخْلَاقًا». [راجع: ٣٥٥٩]

[6035] حضرت مسروق سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جبکہ وہ ہمیں حدیثیں سنا رہے تھے۔ اس دوران میں انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ بد زبانی نہیں کرتے تھے اور نہ بے ہودہ باتیں ہی کرتے تھے بلکہ آپ فرمایا کرتے تھے: ''تم میں سے زیادہ اچھا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔''

فوائدومسائل: ① حسن خلق بہت بڑی دولت ہے۔ قیامت کے دن میزان اعمال سے سب سے زیادہ وزن حسن اخلاق

کا ہوگا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''کوئی چیز حسن خلق سے بڑھ کر ترازو میں وزنی نہیں ہوگی۔''[1] قیامت کے دن اچھے اخلاق کے حامل اہل ایمان رسول اللہ ﷺ کے محبوب اور آپ کے قریب بیٹھنے والے ہوں گے۔[2] جنت میں اکثر لوگوں کا داخلہ تقویٰ شعاری اور خوش اخلاقی کی بنا پر ہوگا۔[3] ② اس میں شک نہیں کہ حسن خلق ایک فطری عطیہ ہے جیسا کہ حدیث میں ہے، اللہ تعالیٰ نے رزق کی طرح حسن خلق کی تقسیم بھی پہلے سے کر رکھی ہے۔[4] جس انسان میں حسن اخلاق پیدائشی نہ ہو اسے کوشش اور محنت کر کے اسے حاصل کرنا چاہیے کیونکہ بد اخلاقی انسانی وقار کے منافی ہے۔ واللہ أعلم.[5]

٦٠٣٦ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ: حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِبُرْدَةٍ - فَقَالَ سَهْلٌ لِلْقَوْمِ: أَتَدْرُونَ مَا الْبُرْدَةُ؟ فَقَالَ الْقَوْمُ: هِيَ شَمْلَةٌ، فَقَالَ سَهْلٌ: هِيَ شَمْلَةٌ مَنْسُوجَةٌ فِيهَا حَاشِيَتُهَا - فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَكْسُوكَ هٰذِهِ؟ فَأَخَذَهَا النَّبِيُّ ﷺ مُحْتَاجًا إِلَيْهَا فَلَبِسَهَا، فَرَآهَا عَلَيْهِ رَجُلٌ مِنَ الصَّحَابَةِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، مَا أَحْسَنَ هٰذِهِ فَاكْسُنِيهَا، فَقَالَ: «نَعَمْ»، فَلَمَّا قَامَ النَّبِيُّ ﷺ لَامَهُ أَصْحَابُهُ، قَالُوا: مَا أَحْسَنْتَ حِينَ رَأَيْتَ النَّبِيَّ ﷺ أَخَذَهَا مُحْتَاجًا إِلَيْهَا ثُمَّ سَأَلْتَهُ إِيَّاهَا وَقَدْ عَرَفْتَ أَنَّهُ لَا يُسْأَلُ شَيْئًا فَيَمْنَعَهُ، فَقَالَ: رَجَوْتُ بَرَكَتَهَا حِينَ لَبِسَهَا النَّبِيُّ ﷺ لَعَلِّي أُكَفَّنُ فِيهَا. [راجع: ١٢٧٧]

[6036] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک خاتون نبی ﷺ کی خدمت میں ''بردہ'' لے کر حاضر ہوئی...... حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے اس وقت موجود لوگوں سے کہا: تمھیں معلوم ہے کہ ''بردہ'' کیا چیز ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں بردہ کھلی چادر کو کہتے ہیں۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں ''بردہ'' وہ لنگی جس کا حاشیہ بنا ہوتا ہے...... تو اس نے کہا: اللہ کے رسول! میں یہ لنگی آپ کے پہننے کے لیے لائی ہوں۔ نبی ﷺ نے وہ لنگی اس سے قبول کر لی، اس وقت آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی۔ پھر آپ نے اسے زیب تن فرمایا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص نے وہ لنگی دیکھی تو عرض کی: اللہ کے رسول! یہ بڑی عمدہ لنگی ہے۔ آپ یہ مجھے عنایت فرما دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں تم لے لو۔'' جب نبی ﷺ تشریف لے گئے تو اس کے ساتھیوں نے اسے ملامت کی اور کہا کہ تم نے اچھا نہیں کیا، جب تم نے دیکھ لیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے قبول فرمایا اور آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی، اس کے باوجود تم نے وہ چادر آپ سے مانگ لی، حالانکہ تمھیں یہ بھی معلوم تھا کہ جب آپ سے کوئی چیز مانگی جاتی ہے تو آپ دینے سے انکار نہیں کرتے۔ اس صحابی نے کہا: میں تو صرف اس کی

---

1 سنن أبي داود، الأدب، حديث: 4799. 2 الأدب المفرد، حديث: 272. 3 سنن ابن ماجه، الزهد، حديث: 4246.

4 مسند أحمد: 387/1، وسلسلة الأحاديث الصحيحة: 482/6، رقم: 2714. 5 فتح الباري: 564/10.

برکت کا امیدوار ہوں کیونکہ نبی ﷺ اسے زیب تن کر چکے ہیں، میری غرض یہ تھی کہ مجھے اس چادر میں کفن دیا جائے۔

فوائدومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ جب وہ شخص فوت ہوا تو یہ چادر اس کا کفن تھی۔[1] ② واضح رہے کہ سوال کرنے والے بزرگ صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے اس لنگی کا سوال اپنا کفن بنانے کے لیے کیا تھا، چنانچہ فوت ہونے کے بعد ان کی یہ خواہش پوری ہوگئی۔ ③ اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کی سخاوت اور آپ کے حسن خلق کا پتا چلتا ہے۔ سخاوت کا یہ عالم ہے کہ خود ضرورت مند ہونے کے باوجود آپ نے سائل کو محروم نہیں کیا، حسن خلق اس قدر کہ آپ کی پیشانی پر شکن نہیں پڑے بلکہ خوش دلی اور خندہ پیشانی سے آپ ﷺ نے وہ چادر لپیٹ کر سائل کے حوالے کر دی۔

٦٠٣٧ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ، وَيَنْقُصُ الْعَمَلُ، وَيُلْقَى الشُّحُّ، وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ؟» قَالُوا: وَمَا الْهَرْجُ؟ قَالَ: «الْقَتْلُ، الْقَتْلُ». [راجع: ٨٥]

[6037] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”وقت بڑی تیزی سے گزرے گا، عمل کم ہوتے جائیں گے، دلوں میں بخیلی سما جائے گی اور ہرج بہت زیادہ ہو جائے گا۔“ لوگوں نے پوچھا: ہرج کیا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”خونریزی اور قتل و غارت۔“

فوائدومسائل: ① اس حدیث میں بخیلی اور کنجوسی کو قرب قیامت کی علامات قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ بخل سے پناہ مانگا کرتے تھے۔[2] بخل کے ساتھ ساتھ اگر مال و دولت کی حرص ہو تو اسے شح کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مزید کی حرص (الشح) سے ہر حال میں بچنے کی تلقین کی ہے کیونکہ سابقہ قوموں کی تباہی و بربادی میں اس قسم کی حرص ولالچ اور کنجوسی نے مرکزی کردار ادا کیا تھا،[3] نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بخیل آدمی اللہ سے دور، جنت سے دور، لوگوں سے دور اور جہنم کے قریب ہوتا ہے۔“[4] آپ نے یہ بھی فرمایا: ”بخل اور بداخلاقی جیسی خصلتیں ایک مسلمان میں جمع نہیں ہوسکتیں۔“[5]

٦٠٣٨ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: سَمِعَ سَلَّامَ بْنَ مِسْكِينٍ قَالَ: سَمِعْتُ ثَابِتًا يَقُولُ: حَدَّثَنَا أَنَسٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: خَدَمْتُ النَّبِيَّ

[6038] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں دس سال تک نبی ﷺ کی خدمت میں رہا ہوں، لیکن آپ نے کبھی مجھے اف تک نہیں کہا اور نہ کبھی یہ کہا کہ

---

① صحيح البخاري، اللباس، حديث: 5810. ② صحيح البخاري، الدعوات، حديث: 6370. ③ صحيح مسلم، البر والصلة، حديث: 6576 (2578). ④ جامع الترمذي، البر والصلة، حديث: 1961. ⑤ جامع الترمذي، البر والصلة، حديث: 1962.

ﷺ عَشْرَ سِنِينَ فَمَا قَالَ لِي: أُفٍّ، وَلَا: لِمَ صَنَعْتَ؟، وَلَا: أَلَّا صَنَعْتَ. [راجع: ٢٧٦٨]

فلاں کام کیوں کیا اور فلاں کام کیوں نہیں کیا۔

فوائد ومسائل: ① دس سال کی مدت کافی طویل ہوتی ہے، مگر اس مدت میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو کبھی نہیں ڈانٹا اور نہ کبھی آپ نے سخت کلامی کی۔ یہ آپ کے حسن اخلاق کی واضح دلیل ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ دنیا میں آپ سے بڑھ کر کوئی شخص نرم دل، خندہ جبیں اور خوش کلام پیدا نہیں ہوا۔ ② اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کی اخلاقی عظمت ظاہر ہوتی ہے، لیکن آپ ﷺ دینی معاملات میں کبھی مداہنت نہیں کرتے تھے کیونکہ یہ معاملات امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی قبیل سے ہیں۔ بہرحال آپ اپنے خادموں سے حسن سلوک سے پیش آتے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔

(٤٠) بَابٌ: كَيْفَ يَكُونُ الرَّجُلُ فِي أَهْلِهِ

باب:40- آدمی اپنے گھر والوں میں کیسے رہے؟

٦٠٣٩ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ: مَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَصْنَعُ فِي أَهْلِهِ؟ قَالَتْ: كَانَ فِي مِهْنَةِ أَهْلِهِ، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ. [راجع: ٦٧٦]

[6039] حضرت اسود سے روایت ہے، انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی ﷺ اپنے گھر میں کیا کام کرتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آپ ﷺ اپنے گھر کے کام کاج کیا کرتے اور جب نماز کا وقت ہو جاتا تو نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے۔

فائدہ: رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا نجی پہلو کس قدر تابناک ہے کہ آپ گھر میں افسر یا چودھری بن کر نہیں بیٹھتے تھے بلکہ امور خانہ داری میں دلچسپی لیتے۔ اس کی مزید وضاحت دوسری احادیث میں ہے کہ آپ اپنے کپڑوں کو خود پیوند لگا لیتے، جوتا سی لیتے، بکری کا دودھ نکال لیتے اور ہر وہ کام کرتے جو مرد حضرات اپنے گھروں میں کرتے ہیں، گویا اپنے عمل کے ذریعے سے امت کو سبق دے رہے ہیں کہ انسان کو گھریلو کام کاج کرنے میں عار محسوس نہیں کرنی چاہیے بلکہ اہل خانہ کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔[1]

(٤١) بَابٌ: اَلْمِقَةُ مِنَ اللهِ تَعَالَى

باب:41- محبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے

٦٠٤٠ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا أَحَبَّ اللهُ الْعَبْدَ نَادَى جِبْرِيلَ: إِنَّ

[6040] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو حضرت جبریل علیہ السلام کو آواز دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے،

1 فتح الباري: 566/10.

اللهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبَّهُ، فَيُحِبُّهُ جِبْرِيلُ، فَيُنَادِي جِبْرِيلُ فِي أَهْلِ السَّمَاءِ: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوهُ، فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ، ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي أَهْلِ الْأَرْضِ». [راجع: ٣٢٠٩]

لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر جبرئیل علیہ السلام تمام آسمان والوں کو آواز دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں آدمی سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو۔ پھر تمام اہل آسمان اس سے محبت کا دم بھرتے ہیں، اس کے بعد اس شخص کی قبولیت زمین والوں (کے دلوں میں) میں رکھ دی جاتی ہے۔"

فوائد ومسائل: ① اہل زمین کے دلوں میں جو بندے کی محبت ہوتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا کرتا ہے۔ ابوجہل اور ابولہب جیسے بدبخت انسان اس قسم کی محبت سے محروم رہتے ہیں۔ ② بہرحال لوگوں کے دلوں میں کسی شخص کی محبت اللہ تعالیٰ اور اس کے مقربین کی محبت کی علامت ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "یقیناً جو لوگ ایمان لائے ہیں اور اچھے کام کر رہے ہیں عنقریب اللہ تعالیٰ ان کے لیے (لوگوں کے دلوں میں) محبت پیدا کر دے گا۔"[1] ایک روایت میں ہے: "اللہ تعالیٰ جب کسی سے بغض رکھتا ہے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بلا کر کہتا ہے کہ میں فلاں آدمی سے بغض رکھتا ہوں تم بھی اس سے بغض رکھو، جبرئیل علیہ السلام بھی اس سے بغض رکھتے ہیں، پھر اہل آسمان میں آواز دیتا ہے تو آسمان والے بھی اس سے عداوت رکھتے ہیں، پھر اس کے بارے میں نفرت زمین والوں میں اتار دی جاتی ہے۔"[2] ③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: محبت کی تین قسمیں ہیں: ایک الٰہی، دوسری روحانی اور تیسری طبعی۔ اللہ تعالیٰ کا بندے سے محبت کرنا، محبت الٰہی، حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کا اس سے محبت کرنا روحانی اور اللہ کے بندوں کا اس سے محبت کرنا محبت طبعی ہے۔[3]

(٤٢) بَابُ الْحُبِّ فِي اللهِ

باب: 42- اللہ کے لیے محبت کرنا

وضاحت: اللہ تعالیٰ کے لیے محبت رکھنے کا مفہوم یہ ہے کہ کسی سے محبت کے بہت سے اسباب ہیں، لیکن جو لوگ اللہ کی راہ پر چلیں ان سے محبت کی جائے اور اس غرض سے محبت کی جائے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔ اور جو لوگ اللہ کے دین میں بگاڑ کا شکار ہوں، ان سے اللہ کے لیے محبت کی بجائے بغض رکھا جائے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر صرف بغض رکھنا کافی نہیں بلکہ انھیں دعوت حق دینے میں سستی نہ کی جائے۔

٦٠٤١ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا يَجِدُ أَحَدٌ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ حَتَّى

[6041] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "کوئی شخص ایمان کی مٹھاس اس وقت تک نہیں پا سکتا، جب تک وہ اگر کسی سے

1 مريم 19: 96. 2 صحيح مسلم، البر والصلة، حديث: 6705 (2637). 3 فتح الباري: 568/10.

يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ، وَحَتَّى أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللّٰهُ، وَحَتَّى يَكُونَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا». [راجع: ١٦]

محبت کرتا ہے تو صرف اللہ کے لیے اس سے محبت نہ کرے۔ اور حتی کہ اس کو آگ میں ڈالا جانا اس سے زیادہ محبوب ہو کہ وہ کفر کی طرف لوٹ کر جائے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسے آگ سے نکال دیا ہے۔ اور حتی کہ اللہ اور اس کا رسول ان دونوں کے ماسوا سے اسے زیادہ محبوب ہو۔"

فوائدومسائل: ① اس حدیث میں ایمان کو شہد سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ ایمان اور شہد میں میلان قلب زیادہ پایا جاتا ہے، پھر شہد کی خصوصیت "شیرینی" کو ایمان کی طرف منسوب کر کے حلاوۃ الایمان، یعنی ایمان کی مٹھاس فرمایا۔ ② اللہ اور اس کے رسول سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ جس نے ایمان مکمل کر لیا اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا حق اس کے والدین، بیوی بچوں اور تمام لوگوں کے حقوق سے زیادہ اہم ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی علامت یہ ہے کہ شریعت اسلامی کی حمایت کی جائے، اس کی مخالفت کرنے والوں کو دندان شکن جواب دیا جائے اور رسول اللہ ﷺ کی صورت و سیرت کو اپنانے کی پوری پوری کوشش کی جائے۔

(٤٣) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ﴾ الْآيَةَ [الحجرات: ١١]

باب: 43- ارشاد باری تعالیٰ: "اے ایمان والو! کوئی قوم کسی دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے ......" کا بیان

٦٠٤٢ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَمْعَةَ قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَضْحَكَ الرَّجُلُ مِمَّا يَخْرُجُ مِنَ الْأَنْفُسِ وَقَالَ: «بِمَ يَضْرِبُ أَحَدُكُمُ امْرَأَتَهُ ضَرْبَ الْفَحْلِ، ثُمَّ لَعَلَّهُ يُعَانِقُهَا».

[6042] حضرت عبداللہ بن زمعہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے لوگوں کو ہوا خارج ہونے پر ہنسنے سے منع کیا، نیز فرمایا: "تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو نرحیوان جیسی مار کیوں مارتا ہے، پھر شاید اس کو بغل میں لے گا۔"

وَقَالَ الثَّوْرِيُّ وَوُهَيْبُ بْنُ خَالِدٍ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ هِشَامٍ: «جَلْدَ الْعَبْدِ». [راجع: ٣٣٧٧]

ثوری، وہیب اور ابومعاویہ نے ہشام سے نرحیوان کے بجائے "جَلْدَ الْعَبْدِ" بیان کیا ہے، یعنی غلاموں کو مارنے کی طرح نہ مارے۔

فوائدومسائل: ① اس پوری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تین امور ذکر کیے ہیں: حضرت صالح ؑ کی اونٹنی کو مارنے کا

واقعہ، دوسرا ہوا خارج ہونے پر ہنسی کا واقعہ اور تیسرا بیوی کو مارنے پر تنبیہ۔[1] کسی کی ہوا خارج ہونے پر ہنسنے میں استہزا اور مذاق کا پہلو نمایاں ہے اور آیت کریمہ میں بھی استہزا و مذاق کرنے کی ممانعت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر ہنسنے سے منع فرمایا کیونکہ ہوا کا خارج ہونا انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ ② کچھ لوگ اختیار کے ساتھ زور سے ہوا خارج کرتے ہیں، ایسا کرنا بھی بہت معیوب ہے۔ اگرچہ ہوا خارج ہونا ایک فطری امر ہے لیکن اس پر ہنسنا انتہائی حماقت ہے۔ بہرحال یہ حرکت بہت مذموم ہے۔ واللہ المستعان.

٦٠٤٣ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ: أَخْبَرَنَا عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ بِمِنًى: «أَتَدْرُونَ أَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؟» قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: «فَإِنَّ هٰذَا يَوْمٌ حَرَامٌ، أَتَدْرُونَ أَيُّ بَلَدٍ هٰذَا؟» قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: «بَلَدٌ حَرَامٌ، أَتَدْرُونَ أَيُّ شَهْرٍ هٰذَا؟» قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: «شَهْرٌ حَرَامٌ»، قَالَ: «فَإِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ دِمَاءَكُمْ، وَأَمْوَالَكُمْ، وَأَعْرَاضَكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا، فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا». [راجع: ١٧٤٢]

[6043] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے میدان منیٰ میں فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون سا دن ہے؟'' لوگوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ آپ نے فرمایا: ''یہ حرمت والا دن ہے۔ فرمایا: ''تم جانتے ہو یہ کون سا شہر ہے؟'' صحابہ نے عرض کیا۔ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ آپ نے فرمایا: ''یہ حرمت والا شہر ہے۔'' تم جانتے ہو یہ کون سا مہینہ ہے؟'' صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ آپ نے فرمایا: ''یہ حرمت والا مہینہ ہے۔'' پھر فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر ایک دوسرے کا خون، مال اور عزتیں حرام کی ہیں جیسے اس دن کو تمھارے اس مہینے میں اور تمھارے اس شہر میں حرمت والا بنایا ہے۔''

فائدہ: مسلمان کا ناحق خون بہانا، بلاوجہ اس کا مال لوٹنا اور اس کی عزت و ناموس پر حملہ کرنا بہت بڑا جرم ہے، بلکہ اسے حقیر خیال کرنا بھی شریعت کو پسند نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''مسلمان کو اتنا ہی شر کافی ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کو حقیر خیال کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے خون، مال اور عزت کو حرام کیا ہے۔''[2] مذکورہ حدیث کے مطابق ایک مسلمان کی عزت و آبرو مکہ شہر کی حرمت کے برابر ہے۔ کاش! مسلمان ان باتوں کا خیال رکھیں اور ایک دوسرے کا احترام کرنا سیکھیں۔ واللہ المستعان.

(٤٤) بَابُ مَا يُنْهَى مِنَ السِّبَابِ وَاللَّعْنِ

باب: 44- ایک دوسرے کو گالی دینے اور لعنت کرنے سے منع کیا گیا ہے

[1] صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4942. 2 صحيح مسلم، البر والصلة، حديث: 6541 (2564).

٦٠٤٤ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ يُحَدِّثُ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ».

تَابَعَهُ مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ. [راجع: ٤٨]

[6044] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے اور اس کو قتل کرنا کفر ہے۔''

محمد بن جعفر نے شعبہ سے روایت کرنے میں سلیمان کی متابعت کی ہے۔

فوائد ومسائل: ① سبّ کے معنی ہیں: کسی کی شان میں عیب ناک بات کرنا اور فسق کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا اور اس کی اطاعت سے نکل جانا۔ لفظ سباب، باب مفاعلہ ہے جو فریقین کی طرف سے ہوتا ہے، یعنی ایک دوسرے کو گالی دینا۔ اس صورت میں جس نے گالی دینے کی ابتدا کی ہے اسے گناہ ہوگا بشرطیکہ دوسرا حد سے نہ گزرے جیسا کہ حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آپس میں گالی گلوچ کرنے والے جو بھی کہیں، اس کا گناہ ابتدا کرنے والے پر ہوگا، جب تک مظلوم زیادتی نہ کرے۔''[1] ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی گناہ کا سبب بنے تو مقابل کے گناہ کا وبال بھی ابتدا کرنے والے کے سر ہوتا ہے الا یہ کہ مقابل زیادتی کر جائے۔

٦٠٤٥ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنِ الْحُسَيْنِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ يَعْمَرَ: أَنَّ أَبَا الْأَسْوَدِ الدِّيلِيَّ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «لَا يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوقِ، وَلَا يَرْمِيهِ بِالْكُفْرِ إِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ كَذٰلِكَ». [راجع: ٣٥٠٨]

[6045] حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا: ''اگر کوئی شخص دوسرے کو فسق اور کفر سے متہم کرتا ہے اور وہ درحقیقت فاسق یا کافر نہ ہو تو یہ (فسق اور کفر) کہنے والے پر لوٹ آتا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① فسق وکفر سے متہم کرنے سے مراد دوسرے کو اے فاسق اور اے کافر کہنا ہے۔ اگر تہمت زدہ انسان حقیقتاً فاسق یا کافر نہیں تو فسق وکفر کہنے والے پر لوٹ آتا ہے، یعنی وہ فاسق اور کافر بن جاتا ہے۔ کسی کی طرف فسق اور کفر کی نسبت کرنا اسے گالی دینا ہے۔ اس کی سنگینی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر اس میں فسق یا کفر نہیں پایا جاتا تو کہنے والا خود فاسق یا کافر بن جاتا ہے۔ ② اس کا مطلب یہ قطعاً نہیں کہ اگر کسی میں کفر وفسق کا سبب پایا جاتا ہے تو اسے فاسق یا کافر کہنے

1 سنن أبي داود، الأدب، حديث: 4894.

میں کوئی گناہ نہیں بلکہ حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں کہ اس میں کچھ تفصیل ہے: ''اگر اس سے مراد اسے شرمندہ کرنا ہے یا اس کی بری شہرت مقصود ہے اور اسے اذیت دینے کا ارادہ ہے تو ایسا کرنا حرام ہے کیونکہ انسان کو پردہ پوشی کا حکم دیا گیا ہے۔ جب تک کسی کے ساتھ نرم برتاؤ ممکن ہو اس پر سختی کرنا حرام ہے۔ بسا اوقات ایسا اقدام اس کی گمراہی اور اس پر اصرار کا سبب بن جاتا ہے اور اگر اسے یا کسی دوسرے کو اس کا حال بیان کرنے سے اخلاص اور نصیحت مطلوب ہے تو ایسا کرنا جائز ہے۔''[1] واللّٰه أعلم.

٦٠٤٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ: حَدَّثَنَا فُلَيْحُ ابْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنَا هِلَالُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَاحِشًا، وَلَا لَعَّانًا، وَلَا سَبَّابًا، كَانَ يَقُولُ عِنْدَ الْمَعْتَبَةِ: «مَا لَهُ؟ تَرِبَ جَبِينُهُ». [راجع: ٦٠٣١]

[6046] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ فحش گو نہ تھے اور نہ لعنت کرنے والے ہی تھے، نیز گالی گلوچ بھی نہیں کرتے تھے بلکہ کسی کو عتاب و زجر کرتے وقت فرماتے: ''اسے کیا ہو گیا ہے؟ اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔''

فوائد ومسائل: ① کسی کو لعنت کرنا اور گالی گلوچ دینا بہت بڑا جرم ہے، ایسا کرنے سے انسان اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت سے اعزازات سے محروم ہو جاتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''جو بہت زیادہ لعنت کرنے والے ہوں گے وہ قیامت کے دن کسی کے سفارشی یا گواہ نہیں بن سکیں گے۔''[2] ② یہ کس قدر محرومی ہے کہ انسان کسی پر لعن وطعن کرنے سے اس فضیلت سے محروم کر دیا جائے جو قیامت کے دن اس کی عزت افزائی کا باعث ہو، حالانکہ اہل ایمان قیامت کے دن اپنے رشتے داروں اور دوسرے لوگوں کی سفارش بھی کریں گے اور ان کے حق میں گواہی بھی دیں گے۔ واللّٰه المستعان.

٦٠٤٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ: أَنَّ ثَابِتَ ابْنَ الضَّحَّاكِ - وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ - حَدَّثَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ حَلَفَ عَلَى مِلَّةٍ غَيْرِ الْإِسْلَامِ فَهُوَ كَمَا قَالَ، وَلَيْسَ عَلَى ابْنِ آدَمَ نَذْرٌ فِيمَا لَا يَمْلِكُ، وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ فِي الدُّنْيَا، عُذِّبَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ لَعَنَ مُؤْمِنًا فَهُوَ كَقَتْلِهِ، وَمَنْ قَذَفَ مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَتْلِهِ». [راجع: ١٣٦٣]

[6047] حضرت ثابت بن ضحاک ؓ سے روایت ہے...... اور یہ اصحاب شجرہ سے تھے...... انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے ملت اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کی قسم اٹھائی تو وہ اپنے کہنے کے مطابق بن جاتا ہے۔ ابن آدم کا ایسی چیز کے متعلق نذر ماننا صحیح نہیں جس کا وہ مالک نہیں۔ جس نے دنیا میں خود کو کسی چیز کے ساتھ قتل کیا تو قیامت کے دن اسی کے ساتھ اسے سزا دی جائے گی۔ جس نے کسی مومن پر لعنت کی تو یہ اس کو قتل کرنے کے مترادف ہے اور جس نے کسی مسلمان کو کفر سے متہم کیا تو یہ بھی اس کو مار ڈالنے کی طرح ہے۔''

① فتح الباري: 572/10. ② سنن أبي داود، الأدب، حديث: 4907.

فوائد ومسائل: ① ملت اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کی قسم اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں نے فلاں کام کیا تو میں یہودی یا نصرانی ہوں، ایسی صورت میں وہ وہی ہوگا جو اس نے کہا۔ ② اس حدیث میں پانچ احکام بیان ہوئے ہیں جن کی وضاحت ہم آئندہ کریں گے، سردست عنوان کا اعتبار کرتے ہوئے یہ بیان کرتے ہیں کہ مومن پر لعنت کرنا بہت بڑا جرم ہے، گویا اسے قتل کرنا ہے کیونکہ لعنت کے معنی اللہ کی رحمت سے دور کرنا ہیں، اس طرح اسے لعنت کر کے وہ اس سے آخرت کے منافع ختم کرنا چاہتا ہے۔ حدیث میں ہے: ''بندہ جب کسی پر لعنت کرتا ہے تو وہ لعنت آسمان کی طرف چڑھتی ہے، اس کے آگے آسمان کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، پھر وہ زمین کی طرف اترتی ہے تو اس کے آگے زمین کے دروازے بھی بند کر دیے جاتے ہیں، پھر وہ دائیں اور بائیں جاتی ہے، اگر اسے کہیں جگہ نہ ملے تو جس پر لعنت کی گئی ہو اس پر واقع ہو جاتی ہے، بشرطیکہ وہ اس کا حق دار ہو بصورت دیگر وہ لعنت، کہنے والے پر لوٹ جاتی ہے۔''[1]

٦٠٤٨ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنِي عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ قَالَ: سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ بْنَ صُرَدٍ، رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ، فَغَضِبَ أَحَدُهُمَا، فَاشْتَدَّ غَضَبُهُ حَتَّى انْتَفَخَ وَجْهُهُ وَتَغَيَّرَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ الَّذِي يَجِدُ»، فَانْطَلَقَ إِلَيْهِ الرَّجُلُ فَأَخْبَرَهُ بِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ وَقَالَ: تَعَوَّذْ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَقَالَ: أَتُرَى بِي بَأْسٌ؟ أَمَجْنُونٌ أَنَا؟ اذْهَبْ. [راجع: ٣٢٨٢]

[6048] حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، یہ نبی ﷺ کے صحابۂ کرام سے ہیں، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کے سامنے دو آدمیوں نے گالی گلوچ کی۔ ان میں سے ایک کو بہت زیادہ غصہ آیا حتی کہ اس کا چہرہ پھول گیا اور رنگ متغیر ہو گیا۔ اس وقت نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں ایک کلمہ جانتا ہوں، اگر یہ شخص وہ (کلمہ) کہہ دے تو اس کا غصہ جاتا رہے گا۔'' چنانچہ ایک آدمی اس (غصے ہونے والے) کے پاس گیا اور اسے نبی ﷺ کے ارشاد سے مطلع کیا، اور کہا: شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو۔ اس نے کہا: کیا تجھے گمان ہے کہ مجھے کوئی بیماری ہے؟ یا میں دیوانہ ہوں؟ جاؤ، اپنا راستہ لو۔

فوائد ومسائل: ① ایک دوسری روایت میں اس واقعے کی مزید تفصیل ہے، چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو آدمی رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک دوسرے کو گالیاں دینے لگے، ان میں سے ایک اس قدر غضبناک ہو گیا کہ میں نے خیال کیا کہ انتہائی غصے کی وجہ سے اس کی ناک پھٹ جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ مجھے ایک کلمہ معلوم ہے اگر یہ کہہ لے تو اس کا غصہ ختم ہو جائے۔'' حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! وہ کلمہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''وہ کہے: [اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ] ''اے اللہ! میں شیطان مردود کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔'' چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اس شخص کے پاس گئے اور کہنے لگے: یہ کلمہ پڑھ لے مگر اس نے انکار کر دیا بلکہ لڑنے اور غصے میں اور بڑھ گیا۔[2] ② بہر حال

---

① سنن أبي داود، الأدب، حديث: 4905. ② سنن أبي داود، الأدب، حديث: 4781.

گالی گلوچ دینے سے معاملہ اس قدر خراب ہوا کہ اس آدمی کو غصے نے حد اعتدال سے نکال دیا حتی کہ وہ نصیحت کرنے والے کو برا بھلا کہنے لگا۔ واللہ أعلم.

٦٠٤٩ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ: قَالَ أَنَسٌ: حَدَّثَنِي عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِيُخْبِرَ النَّاسَ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ، فَتَلَاحَى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ، فَتَلَاحَى فُلَانٌ وَفُلَانٌ، وَإِنَّهَا رُفِعَتْ، وَعَسَى أَنْ يَكُونَ خَيْرًا لَكُمْ، فَالْتَمِسُوهَا فِي التَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ».

[راجع: ٤٩]

[6049] حضرت عبادہ بن صامت ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو لیلۃ القدر کی بشارت دینے کے لیے گھر سے نکلے۔ اس دوران میں مسلمانوں کے دو آدمی کسی بات پر جھگڑنے لگے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”میں اس لیے گھر سے نکلا تھا کہ تمھیں شب قدر کی بشارت دوں لیکن فلاں فلاں جھگڑنے لگے، اس لیے وہ اٹھا لی گئی۔ ممکن ہے کہ یہی تمھارے لیے اچھا ہو۔ اب تم اسے 29،27،25 رمضان کی راتوں میں تلاش کرو۔“

فوائد ومسائل: ① مسلمانوں میں سے جھگڑنے والے حضرات حضرت کعب بن مالک ؓ اور حضرت عبداللہ بن ابی حدرد ؓ تھے،[1] ان کا جھگڑا قرض لینے دینے کے متعلق تھا۔ شاید لڑتے وقت گالی گلوچ تک نوبت پہنچ گئی ہو۔ اس کی نحوست سے شب قدر کی تعیین کو اٹھا لیا گیا، شب قدر کو نہیں اٹھایا گیا تھا۔ ② بہرحال لڑائی جھگڑا اور گالی گلوچ اس قدر باعث نحوست ہے کہ انسان ان کی وجہ سے بڑی سے بڑی سعادت سے محروم ہوسکتا ہے۔ امام بخاری ؒ نے گالی گلوچ کی نحوست بیان کرنے کے لیے یہ حدیث بیان کی ہے۔ واللہ أعلم.

٦٠٥٠ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنِ الْمَعْرُورِ - هُوَ ابْنُ سُوَيْدٍ - عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: رَأَيْتُ عَلَيْهِ بُرْدًا، وَعَلَى غُلَامِهِ بُرْدًا، فَقُلْتُ: لَوْ أَخَذْتَ هٰذَا فَلَبِسْتَهُ كَانَتْ حُلَّةً، وَأَعْطَيْتَهُ ثَوْبًا آخَرَ، فَقَالَ: كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَ رَجُلٍ كَلَامٌ، وَكَانَتْ أُمُّهُ أَعْجَمِيَّةً فَنِلْتُ مِنْهَا، فَذَكَرَنِي إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ لِي: «أَسَابَبْتَ فُلَانًا؟» قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: «أَفَنِلْتَ

[6050] حضرت معرور سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابو ذر ؓ پر ایک چادر دیکھی اور ان کے غلام نے بھی اسی طرح کی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ میں نے کہا: اگر آپ اپنے غلام کی چادر لے لیں اور اسے زیب تن کریں تو آپ کے لیے ایک رنگ کا جوڑا ہو جائے اور اپنے غلام کو کوئی دوسرا جوڑا پہنا دیں۔ انھوں نے بتایا کہ میرے اور ایک آدمی کے درمیان کچھ تکرار ہو گئی تھی۔ اس کی والدہ عجمیہ تھی۔ میں نے اس کے متعلق اسے طعنہ دے دیا۔ اس

[1] فتح الباري: 574/10.

مِنْ أُمِّهِ؟» قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: «إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ». قُلْتُ: عَلَى سَاعَتِي هٰذِهِ، مِنْ كِبَرِ السِّنِّ؟ قَالَ: «نَعَمْ، هُمْ إِخْوَانُكُم، جَعَلَهُمُ اللهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، فَمَنْ جَعَلَ اللهُ أَخَاهُ تَحْتَ يَدِهِ، فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلَا يُكَلِّفْهُ مِنَ الْعَمَلِ مَا يَغْلِبُهُ، فَإِنْ كَلَّفَهُ مَا يَغْلِبُهُ فَلْيُعِنْهُ عَلَيْهِ». [راجع: ٣٠]

نے یہ بات نبی ﷺ سے کہہ دی تو آپ نے مجھے فرمایا: ''تو نے فلاں شخص کو گالی دی ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''تو نے اس کی ماں کو بھی مطعون کیا ہے؟'' میں نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمھارے اندر ابھی دور جاہلیت کی خو باقی ہے۔'' میں نے عرض کی: اس وقت بھی جبکہ میں بڑھاپے میں پہنچ چکا ہوں؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں، یاد رکھو! یہ غلام بھی تمھارے بھائی ہیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں تمھارے ماتحت کر دیا ہے، لہٰذا جس شخص کے بھائی کو اللہ تعالیٰ نے اس کے زیر دست کر دیا ہو اسے وہ کچھ کھلائے جو وہ خود کھاتا ہے اور اسے وہی پہنائے جو وہ خود پہنتا ہے اور اسے کسی ایسے کام کی تکلیف نہ دے جو اس پر گراں بار ہو۔ اگر ایسا کام اسے کہے جو اس کے بس میں نہ ہو تو وہ کام نمٹانے میں اس کا تعاون کرے۔''

فوائد ومسائل: ① جس آدمی سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی تکرار ہوئی تھی وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے، ان کی والدہ ماجدہ حبشہ کی رہنے والی سیاہ فام تھی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے غصے میں آکر انھیں ماں کا طعنہ دیتے ہوئے کہا: اے سیاہ لونڈی کے بیٹے! رسول اللہ ﷺ نے اسے گالی سے تعبیر فرمایا اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تمھارے اندر ابھی دور جاہلیت کی بو باقی ہے، حالانکہ تم بوڑھے ہو چکے ہو۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ کسی کو اس کی ماں کی وجہ سے طعنہ دینا بہت بری بات ہے، جسے رسول اللہ ﷺ نے پسند نہیں فرمایا بلکہ ایسا کرنے پر برملا اپنی ناراضی کا اظہار کیا۔[1] اس کے بعد حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کا معمول بنا لیا کہ جو خود پہنتے ویسا ہی اپنے غلاموں کو پہناتے، لیکن آج ایسے لوگ نایاب ہیں جو اپنے نوکروں اور ماتحت عملے سے ایسا برتاؤ کریں۔ واللہ المستعان.

(٤٥) بَابُ مَا يَجُوزُ مِنْ ذِكْرِ النَّاسِ، نَحْوَ قَوْلِهِمْ: الطَّوِيلُ وَالْقَصِيرُ

باب: 45- کسی کو پست قد یا طویل کہنا جائز ہے بشرطیکہ اس کی تحقیر مقصود نہ ہو

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَا يَقُولُ ذُو الْيَدَيْنِ؟» وَمَا لَا يُرَادُ بِهِ شَيْنُ الرَّجُلِ.

نبی ﷺ نے فرمایا: ''لمبے ہاتھوں والا کیا کہتا ہے؟'' اور اس طرح کے دیگر القابات سے بھی پکارا جا سکتا ہے جن میں

1 فتح الباري: 574/10.

آدمی کی تحقیر کرنا مقصود نہ ہو۔

وضاحت: یہ عنوان القاب کی شرعی حیثیت بیان کرنے کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ اگر کسی کی شناخت لقب کے بغیر ممکن نہ ہو اور اس کی حقارت یا تنقیص مقصود نہ ہو تو کسی کو طویل کہنا جائز ہے، بصورت دیگر جائز نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے معلق روایت میں ذکر کردہ الفاظ کو متصل سند سے بھی بیان کیا ہے۔[1]

٦٠٥١ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ ابْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ ﷺ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ قَامَ إِلَى خَشَبَةٍ فِي مُقَدَّمِ الْمَسْجِدِ، وَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهَا - وَفِي الْقَوْمِ يَوْمَئِذٍ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، فَهَابَا أَنْ يُكَلِّمَاهُ - وَخَرَجَ سَرَعَانُ النَّاسِ فَقَالُوا: قَصُرَتِ الصَّلَاةُ؟ وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَدْعُوهُ «ذَا الْيَدَيْنِ»، فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللهِ، أَنَسِيتَ أَمْ قَصُرَتْ؟ فَقَالَ: «لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تَقْصُرْ»، قَالُوا: بَلْ نَسِيتَ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «صَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ»، فَقَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ كَبَّرَ، فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَكَبَّرَ، ثُمَّ وَضَعَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَكَبَّرَ. [راجع: ٤٨٢]

[6051] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے ہمیں ظہر کی دو رکعتیں پڑھائیں، پھر سلام پھیر دیا، اس کے بعد مسجد کے صحن میں ایک لکڑی کا سہارا لے کر کھڑے ہو گئے اور اس پر اپنا دست مبارک رکھ لیا۔ حاضرین میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے، وہ آپ کی ہیبت کی وجہ سے کچھ نہ کہہ سکے۔ جلد باز لوگ مسجد سے باہر نکل کر چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ شاید نماز کم کر دی گئی ہے؟ حاضرین میں ایک آدمی تھا جسے نبی ﷺ ذوالیدین (لمبے ہاتھوں والا) کہا کرتے تھے۔ اس نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ بھول گئے ہیں یا نماز کم ہو گئی ہے؟ آپ نے فرمایا: ''نہ تو میں بھولا ہوں اور نہ نماز ہی کم ہوئی ہے۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اللہ کے رسول! آپ بھول گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''ذوالیدین نے صحیح کہا ہے۔'' چنانچہ آپ کھڑے ہوئے، دو رکعتیں پڑھیں اور سلام پھیرا۔ پھر آپ نے اللہ اکبر کہا اور نماز کے سجدے کی طرح سجدہ کیا بلکہ اس سے بھی لمبا سجدہ کیا، پھر اپنا سر اٹھایا، پھر اللہ اکبر کہا اور نماز کے سجدے کی طرح دوسرا سجدہ کیا بلکہ اس سے بھی لمبا سجدہ کیا، پھر اپنا سر مبارک اٹھایا اور اللہ اکبر کہا۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی میں کوئی اضافی صفت ہو تو اس کا ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس کی توہین یا عیب جوئی مقصود نہ ہو جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لمبے ہاتھوں والے کو ذوالیدین کہا اگرچہ کچھ اہل علم اس معاملے میں تشدد کرتے ہیں اور ایسے اوصاف بیان کرنے کو ناجائز کہتے ہیں، چنانچہ حسن بصری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ وہ حمید ''الطویل'' کو

1 صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 482.

غیبت میں شمار کرتے تھے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک عورت آئی تو انھوں نے ہاتھ کے اشارے سے اس کے پست قد کو بیان کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تو نے اس کی غیبت کی ہے۔''[1] لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ اگر ایسا اشارہ یا کنایہ اس کی شناخت کے لیے ہو تو جائز ہے اور اگر شناخت کے بجائے اس کی توہین و تحقیر مقصود ہو تو جائز نہیں۔ واللہ أعلم۔[2]

(٤٦) بَابُ الْغِيبَةِ

باب:46-غیبت کرنا

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا﴾ الآية [الحجرات: ١٢].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت نہ کرے۔''

وضاحت: کسی کی عدم موجودگی میں ایسی بات کرنا جو اس میں پائی جاتی ہو اگر اس کے سامنے وہ بات کی جائے تو اسے ناگوار گزرے، اگر اس میں وہ نہ پائی جاتی ہو تو اسے بہتان کہتے ہیں جو اس سے بھی بڑھ کر جرم ہے۔ غیبت اور نمیمہ میں فرق یہ ہے کہ کسی کی عدم موجودگی میں اس کی معیوب بات کرنا غیبت ہے اور بطور فساد کسی کا کلام نقل کرنا، نمیمہ کہلاتا ہے۔ واضح رہے کہ نمیمہ غیبت ہی کی ایک قسم ہے۔ غیبت اور چغلی کرنا انتہائی گھناؤنا جرم ہے جیسا کہ آئندہ حدیث میں اس کی قباحت بیان ہوگی۔

٦٠٥٢ - حَدَّثَنَا يَحْيَى: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ: سَمِعْتُ مُجَاهِدًا يُحَدِّثُ عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: مَرَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى قَبْرَيْنِ فَقَالَ: «إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، أَمَّا هٰذَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ، وَأَمَّا هٰذَا فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ»، ثُمَّ دَعَا بِعَسِيبٍ رَطْبٍ فَشَقَّهُ بِاثْنَيْنِ، فَغَرَسَ عَلَى هٰذَا وَاحِدًا، وَعَلَى هٰذَا وَاحِدًا، ثُمَّ قَالَ: «لَعَلَّهُ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا». [راجع: ٢١٦]

[6052] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ''ان دونوں کو عذاب دیا جا رہا ہے، اور (بظاہر) یہ کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب میں گرفتار نہیں ہیں، بلکہ ایک اپنے پیشاب سے اجتناب نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا پھرتا تھا۔ پھر آپ نے کھجور کی ایک تازہ شاخ منگوائی اور اسے چیر کر دو ٹکڑے کر دیے اور ایک قبر پر ایک شاخ اور دوسری قبر پر دوسری شاخ گاڑ دی، پھر فرمایا: ''امید ہے کہ جب تک یہ شاخیں خشک نہ ہوں گی ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔''

فوائد ومسائل: (1) احادیث میں رسول اللہ ﷺ سے غیبت کی تعریف مذکور ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمھیں معلوم ہے کہ غیبت کیا ہوتی ہے؟'' صحابۂ کرام نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی کو

1 مسند أحمد: 136/6. 2 فتح الباري: 575/10.

زیادہ علم ہے۔آپ نے فرمایا: ''تو اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرے جو اسے ناگوار ہو۔'' پوچھا گیا: اگر میرے بھائی میں وہ بات پائی جاتی ہے جو میں کہہ رہا ہوں تو پھر؟ آپ نے فرمایا: ''اگر اس میں وہ بات پائی جائے تو تم نے اس کی غیبت کی اور اس میں وہ بات موجود نہ ہو تو تم نے اس پر بہتان لگایا۔''[1] ② یہ تو واضح بات ہے کہ بہتان غیبت سے بھی بڑا جرم ہے اور غیبت، خواہ زندہ انسان کی اس کی عدم موجودگی میں کی جائے یا کسی فوت شدہ انسان کی، جرم کی نوعیت کے لحاظ سے اس میں کوئی فرق نہیں۔ غیبت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا ہے کیونکہ غیبت کرنے والا اس کی غیرت پر حملہ آور ہوتا ہے جیسے اسے کاٹ کاٹ کر کھا رہا ہو اور مردہ اس لیے فرمایا کہ جس کی غیبت کی جارہی ہے وہ پاس موجود نہیں ہوتا۔ ③ اس حدیث میں بھی غیبت کی قباحت اور خرابی کو بیان کیا ہے اگرچہ عنوان میں غیبت کا ذکر ہے اور حدیث میں نمیمہ کا بیان ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ان دونوں میں قدر مشترک یہ ہے کہ ناپسندیدہ بات عدم موجودگی میں کی جاتی ہے، اگرچہ بعض روایات میں غیبت کے الفاظ بھی مروی ہیں۔[2] ایک دوسری حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب مجھے معراج کرائی گئی تو میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے چہروں اور سینوں کو ناخنوں سے چھیل رہے تھے۔ میں نے پوچھا: ''اے جبرئیل! یہ کون لوگ ہیں؟'' انھوں نے بتایا یہ وہ ہیں جو دوسروں کا گوشت کھاتے اور ان کی عزتوں سے کھیلتے تھے۔''[3] ④ واضح رہے کہ اس حدیث میں بڑے گناہ سے مراد وہ جرائم ہیں جن کے ارتکاب پر حد مقرر ہے، جیسے: زنا اور چوری وغیرہ بصورت دیگر غیبت کرنا کوئی چھوٹا کام نہیں، البتہ اس پر کوئی شرعی حد لاگو نہیں ہوتی۔ واللہ أعلم.

(٤٧) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «خَيْرُ دُورِ الْأَنْصَارِ»

باب: 47- نبی ﷺ کے ارشاد گرامی: ''انصار کے گھروں میں سب سے بہتر گھرانے'' کا بیان

وضاحت: اس عنوان سے امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض یہ ہے کہ کسی شخص یا قوم کی فضیلت بیان کرنا اور انھیں دوسرے اشخاص اور دوسری اقوام پر فضیلت دینا غیبت میں داخل نہیں، اگرچہ دوسرے اشخاص یا اقوام کو یہ ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔ واللہ أعلم.

٦٠٥٣ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي أُسَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «خَيْرُ دُورِ الْأَنْصَارِ بَنُو النَّجَّارِ». [راجع: ٣٧٨٩]

[6053] حضرت ابو اسید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''قبیلۂ انصار میں سے بہتر گھرانہ بنونجار کا گھرانہ ہے۔''

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے انصار سے قبیلۂ بنونجار کو اس لیے بہتر قرار دیا کہ انھوں نے اسلام قبول کرنے میں بہت جلدی کی تھی جبکہ دوسرے قبائل کچھ تاخیر سے مسلمان ہوئے تھے۔ غیبت کی عمومی تعریف سے اسے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے

---

① صحیح مسلم، البر والصلة، حدیث: 6593 (2589). ② فتح الباري: 10/577. ③ سنن أبي داود، الأدب، حدیث: 4878.

اگرچہ بنونجار کی فضیلت اور برتری بیان کرنا دوسرے قبائل کو ناگوار تھی۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث کے پیش نظر لوگوں کی ایک دوسرے پر برتری بیان کرنا جائز ہے تاکہ اس امر کی بجا آوری ہو کہ لوگوں کو وہ مرتبہ اور مقام دو جس کے وہ حق دار ہیں، اور ایسا کرنا قطعاً غیبت میں داخل نہیں اگرچہ دوسروں کو یہ بات پسند نہیں ہوتی۔[1]

(٤٨) بَابُ مَا يَجُوزُ مِنِ اغْتِيَابِ أَهْلِ الْفَسَادِ وَالرِّيَبِ

باب: 48- فسادی اور اہل شک کی غیبت جائز ہے

٦٠٥٤ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ: أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ: سَمِعْتُ ابْنَ الْمُنْكَدِرِ: سَمِعَ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَخْبَرَتْهُ قَالَتِ: اسْتَأْذَنَ رَجُلٌ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «ائْذَنُوا لَهُ، بِئْسَ أَخُو الْعَشِيرَةِ، أَوِ ابْنُ الْعَشِيرَةِ»، فَلَمَّا دَخَلَ أَلَانَ لَهُ الْكَلَامَ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، قُلْتَ الَّذِي قُلْتَ، ثُمَّ أَلَنْتَ لَهُ الْكَلَامَ؟ قَالَ: «أَيْ عَائِشَةُ، إِنَّ شَرَّ النَّاسِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ، أَوْ وَدَعَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ فُحْشِهِ».

[راجع: ٦٠٣٢]

[6054] ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا: ''اسے اندر آنے کی اجازت دے دو، یہ قبیلے کا بُرا بھائی یا بُرا بیٹا ہے۔'' جب وہ اندر آیا تو آپ ﷺ نے اس کے ساتھ بڑے اخلاق اور نرمی سے گفتگو فرمائی۔ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ نے اس کے متعلق پہلے تو یہ فرمایا تھا، پھر اس کے ساتھ بہت نرم گفتگو فرمائی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہ! بے شک بدترین آدمی وہ ہے جسے لوگ اس کی بدکلامی سے بچنے کے لیے چھوڑ دیں۔''

فوائد ومسائل: ① یہ حقیقت تھی کہ وہ بُرا آدمی ہے لیکن رسول اللہ ﷺ تو ایسے نہ تھے، آپ نے تو اپنی نیک عادت کے مطابق ہر برے بھلے آدمی سے نرم مزاجی اور اچھے اخلاق سے پیش آنا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں کو اس کے متعلق آگاہ کرنے کے لیے آپ نے ایسا کیا تاکہ کوئی دوسرا اس کے دام فریب میں نہ پھنس جائے، لہٰذا یہ صورت غیبت سے مستثنیٰ ہوگی۔ ② ہمارے رجحان کے مطابق درج ذیل صورتیں غیبت سے مستثنیٰ ہیں: ○ مظلوم آدمی، حاکم کے سامنے ظالم کی غیبت کر کے اپنے ظلم کی فریاد کر سکتا ہے کیونکہ اس کے بغیر عدالتی نظام نہیں چل سکتا، اسی طرح فتویٰ لینے کے لیے مفتی کے سامنے بھی ظلم کی داستان بیان کی جاسکتی ہے۔ ○ کسی شخص کے شر سے بچنے کے لیے اپنے مومن بھائی کو اس کے عیب سے مطلع کیا جاسکتا ہے، مثلاً: اگر کوئی شخص کسی سے رشتہ کرنا چاہتا ہو اور وہ دوسرے سے مشورہ لے تو اسے اس کے عیوب سے مطلع کرنا ضروری ہے۔ ○ محدثین کا قانونِ جرح وتعدیل، جس پر ذخیرۂ احادیث کی جانچ پڑتال کا انحصار ہے، اس صورت میں راویوں کے عیب بیان کرنا ممنوعہ غیبت

1. فتح الباري:10/578.

میں شمار نہیں ہوگا، ایسا کرنا جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے۔ ○ ایسے لوگوں کے خلاف علی الاعلان آواز بلند کرنا اور ان کی برائیوں کو بیان کرنا جو فسق و فجور پھیلا رہے ہوں یا بدعات کی اشاعت کر رہے ہوں یا وہ لوگوں کو بے حیائی اور بے غیرتی میں مبتلا کر رہے ہوں، یہ تمام صورتیں غیبت میں شامل نہیں جس پر وعید آئی ہے۔ واللہ أعلم.

(٤٩) بَابٌ : النَّمِيمَةُ مِنَ الْكَبَائِرِ

باب:49- چغل خوری کبیرہ گناہوں میں سے ہے

٦٠٥٥ - حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ: أَخْبَرَنَا عَبِيدَةُ بْنُ حُمَيْدٍ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ بَعْضِ حِيطَانِ الْمَدِينَةِ، فَسَمِعَ صَوْتَ إِنْسَانَيْنِ يُعَذَّبَانِ فِي قُبُورِهِمَا، فَقَالَ: «يُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرَةٍ وَإِنَّهُ لَكَبِيرٌ، كَانَ أَحَدُهُمَا لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ، وَكَانَ الْآخَرُ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ، ثُمَّ دَعَا بِجَرِيدَةٍ فَكَسَرَهَا بِكِسْرَتَيْنِ - أَوْ ثِنْتَيْنِ - فَجَعَلَ كِسْرَةً فِي قَبْرِ هٰذَا، وَكِسْرَةً فِي قَبْرِ هٰذَا، فَقَالَ: «لَعَلَّهُ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا». [راجع: ٢١٦]

[6055] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ مدینہ طیبہ کے کسی باغ سے تشریف لائے تو آپ نے دو انسانوں کی آواز سنی جنھیں ان کی قبروں میں عذاب دیا جا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان کو عذاب دیا جا رہا ہے لیکن کسی بڑی بات (جس سے بچنا مشکل ہو) کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جا رہا، حالانکہ یہ کبیرہ گناہ ہیں، ان میں سے ایک پیشاب کرتے وقت پردہ نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا پھرتا تھا۔'' پھر آپ نے کھجور کی ایک تازہ شاخ منگوائی اور اس کے دو ٹکڑے کیے۔ ایک ٹکڑا ایک قبر پر اور دوسرا دوسری قبر پر گاڑ دیا، پھر فرمایا: ''ممکن ہے کہ ان کے عذاب میں اس وقت تک تخفیف کر دی جائے جب تک یہ خشک نہ ہو جائیں۔''

فوائد و مسائل: ① پیشاب سے پرہیز نہ کرنا اور چغلی کرتے پھرنا بہت بڑا گناہ ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کبیرہ گناہ ہے لیکن ان سے پرہیز کرنا اتنا مشکل نہیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''انھیں کسی بڑی بات کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جا رہا۔'' ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن حبان کے حوالے سے ایک روایت کے الفاظ بیان کیے ہیں کہ ان میں سے ایک اپنی زبان سے لوگوں کو تکلیف دیتا تھا اور چغلی کرتا پھرتا تھا۔[1] انھوں نے مزید لکھا ہے کہ عالم برزخ، آخرت کے لیے ایک پیش خیمہ ہے۔ قیامت کے دن حقوق العباد میں سب سے پہلے فیصلہ خون ناحق کا ہوگا اور اس کی بنیاد بعض اوقات چغلی اور غیبت ہوتی ہے اور حقوق اللہ میں سب سے پہلے فیصلہ نماز کے متعلق ہوگا اور نماز کی بنیاد ہر قسم کی نجاستوں سے پاک ہونا ہے۔ ان میں فہرست پیشاب کے چھینٹوں سے پرہیز کرنا ہے۔[2]

---

① صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان: 106/3، رقم: 824. ② فتح الباري: 579/10.

(٥٠) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ النَّمِيمَةِ

باب:50- چغل خوری کی برائی کا بیان

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيمٍ﴾ [القلم: ١١] وَ﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ﴾ [الهمزة:١] يَهْمِزُ، وَيَلْمِزُ، وَيَعِيبُ: وَاحِدٌ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''بہت طعنے دینے والا، چغلی کرتے ہوئے پھرنے والا۔ نیز فرمایا: ''ویل ہے اس کے لیے جو عیب تلاش کرنے والا اور طعنہ دینے والا ہے۔'' يَهْمِزُ اور يَلْمِزُ کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی عیب بیان کرنے والا۔

وضاحت: جو انسان دوسروں کی باتیں اِدھر اُدھر نقل کر کے فساد پھیلاتا ہے وہ ایک دن میں اتنا فساد برپا کر دیتا ہے کہ جادوگر ایک ماہ میں نہیں کر سکتا۔ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ جو غائبانہ چغلی کرے وہ ھمز ہے اور جو سامنے چغلی کرے اسے لمز کہا جاتا ہے۔ واللہ أعلم.

٦٠٥٦ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ هَمَّامٍ قَالَ: كُنَّا مَعَ حُذَيْفَةَ فَقِيلَ لَهُ: إِنَّ رَجُلًا يَرْفَعُ الْحَدِيثَ إِلَى عُثْمَانَ، فَقَالَ حُذَيْفَةُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ».

[6056] حضرت ہمام سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے کہ انھیں ایک شخص کے متعلق کہا گیا: وہ یہاں کی باتیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پہنچاتا ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''چغل خور جنت میں نہیں جائے گا۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں قتات کے الفاظ ہیں جبکہ ایک روایت میں نمام مروی ہے۔[1] ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قتات اور نمام کے ایک ہی معنی (چغل خور) ہیں۔ لغت کے اعتبار سے ان میں یہ فرق ہے کہ نمام مجلس میں حاضر رہ کر وہاں کی باتیں دوسروں کو بتاتا ہے جبکہ قتات چوری چھپے سن کر باتیں آگے پہنچاتا ہے۔ ② بہر حال لوگوں میں فساد ڈالنے کی غرض سے ایک دوسرے کی باتیں اِدھر اُدھر نقل کرنا اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے نزدیک بدترین جرم ہے۔ اس قسم کی احادیث کو اسی طرح بغیر تاویل کے بیان کرنا چاہیے جس طرح نقل ہوئی ہیں تاکہ لوگ ایسے جرائم کا ارتکاب نہ کریں، اگرچہ یہ سزا زجر وتہدید پر محمول ہے اور ان کے معنی یہ ہیں کہ اس قسم کے کام کرنے والا ابتدائی طور پر جنت میں نہیں جائے گا، البتہ سزا بھگتنے کے بعد اس کے متعلق جنت کی امید کی جا سکتی ہے کیونکہ قرآن میں جنت میں نہ جانے کی سزا صرف مشرک کے لیے ہے۔ واللہ أعلم.

1. صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 290 (105).

(٥١) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ﴾ [الحج: ٣٠].

باب: 51- ارشاد باری تعالیٰ: ''جھوٹی بات کرنے سے پرہیز کرتے رہو'' کا بیان

٦٠٥٧ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ، وَالْجَهْلَ، فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ».

قَالَ أَحْمَدُ: أَفْهَمَنِي رَجُلٌ إِسْنَادَهُ. [راجع: ١٩٠٣]

[6057] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جو شخص جھوٹ بولنا، اس کے مطابق عمل کرنا اور جہالت کی باتیں ترک نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کو (اس کے روزے کی) کوئی ضرورت نہیں کہ وہ کھانا پینا ترک کرے۔''

احمد بن یونس نے کہا: مجھے اس حدیث کی سند ایک شخص نے سمجھائی تھی۔

فوائد ومسائل: ① روزہ رکھنے کے بعد جھوٹی باتوں اور بری عادتوں سے پرہیز کرنا چاہیے، اس کے علاوہ نفسانی خواہشات کو بھی شریعت اسلامیہ کے تابع کر دینا چاہیے، جو شخص روزہ رکھنے کے بعد جھوٹ، فریب اور بری باتوں کو ترک نہیں کرتا، اس کا کوئی روزہ نہیں بلکہ وہ خواہ مخواہ بھوک برداشت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس قسم کی فاقہ کشی کی کوئی ضرورت نہیں۔ ② بہر حال روزہ رکھنے کے بعد اس کے حقوق وآداب کو پورا کرنا چاہیے بصورت دیگر اس طرح کا روزہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شرف قبولیت سے محروم رہتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ غیبت کرنا کبیرہ گناہ ہے اور اس کے ارتکاب پر ملنے والے گناہ سے روزے کے ثواب میں بہت کمی واقع ہو جاتی ہے، بلکہ بعض اوقات کچھ بھی باقی نہیں رہتا، گویا وہ روزہ افطار کرنے کے حکم میں ہے۔[1]

(٥٢) بَابُ مَا قِيلَ فِي ذِي الْوَجْهَيْنِ

باب: 52- دورُخے پن کا بیان

٦٠٥٨ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «تَجِدُ مِنْ شِرَارِ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ اللهِ، ذَا الْوَجْهَيْنِ الَّذِي يَأْتِي هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ، وَهٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ». [راجع: ٣٤٩٤]

[6058] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم قیامت کے دن لوگوں میں اللہ کے ہاں بدتر اس شخص کو پاؤ گے جو دورُخا ہوگا۔ جو ان لوگوں کے پاس ایک منہ سے آتا ہے اور ان کے پاس دوسرے منہ سے آتا ہے۔''

---

① فتح الباري: 582/10.

فوائدومسائل: ① دورخا وہ آدمی ہے جو ہر فریق کی ہاں میں ہاں ملانے کا عادی ہو جیسا کہ کہا جاتا ہے: با مسلمان اللہ اللہ بابرھمن رام رام۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کے دنیا میں دو چہرے ہوں گے قیامت کے دن اس کی دو زبانیں آگ کی ہوں گی۔''[1] ② اس قسم کے لوگ اپنی سمجھ میں بڑے عقلمند بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے ابن الوقت لوگوں کو قرآنی اصطلاح میں منافق کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ان کی بہت مذمت بیان کی گئی ہے۔ حدیث کے مطابق قرآن میں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''یہ کفر اور ایمان کے درمیان لٹک رہے ہیں، نہ اِدھر کے ہیں اور نہ ادھر کے۔''[2] بہر حال یہ لوگ انتہائی بزدل اور اخلاقی پستی کا شکار ہوتے ہیں۔ اگر کوئی آدمی اصلاح کی نیت سے فریقین کے پاس آتا جاتا ہے تو وہ قابل مذمت نہیں بلکہ وہ نیک لوگوں میں سے ہے۔ واللہ أعلم.

(٥٣) بَابُ مَنْ أَخْبَرَ صَاحِبَهُ بِمَا يُقَالُ فِيهِ

باب: 53- جس نے اپنے ساتھی کو وہ بات بتائی جو اس کے متعلق کہی گئی تھی

٦٠٥٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَسَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قِسْمَةً، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: وَاللهِ مَا أَرَادَ مُحَمَّدٌ بِهٰذَا وَجْهَ اللهِ، فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَأَخْبَرْتُهُ فَتَمَعَّرَ وَجْهُهُ، وَقَالَ: «رَحِمَ اللهُ مُوسَى، لَقَدْ أُوذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ».

[راجع: ٣١٥٠]

[6059] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت تقسیم کیا تو انصار میں سے ایک آدمی نے کہا: اللہ کی قسم! محمد ﷺ نے اس تقسیم سے اللہ کی رضا کا ارادہ نہیں کیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو اس شخص کی بات سے مطلع کیا تو آپ کا چہرۂ انور متغیر ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم کرے، انھیں اس سے بھی زیادہ اذیت دی گئی تھی لیکن انھوں نے صبر سے کام لیا۔''

فوائدومسائل: ① رسول اللہ ﷺ کی امانت و دیانت پر حملہ کرنے والا یہ شخص منافق تھا، حالانکہ آپ ﷺ سے بڑھ کر امین اور دیانت دار کوئی انسان آج تک دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوا۔ آپ کی امانت و دیانت کے قائل تو کفار مکہ بھی تھے۔ بہر حال نیک طینت لوگوں کے حق میں اگر کوئی نازیبا بات کہی جائے تو ان پر بہت گراں گزرتی ہے لیکن وہ اپنے سے پہلے گزرے ہوئے اہل فضل کی اقتدا کرتے ہوئے صبر کرتے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے مصائب و آلام پر صبر کرنے میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی اقتدا کی۔ ② امام بخاری ؒ کا اس عنوان اور حدیث سے مقصود یہ ہے کہ کسی کی بات نقل کرنے سے اگر اصلاح و اخلاص کی نیت ہو تو ایسا کرنا جائز ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی بات نقل کرنے پر خاموش رہے بلکہ جس نے بات کہی تھی

1 سنن أبي داود، الأدب، حديث: 4873. 2 النسآء 4:143.

اس پر اظہار ناراضی فرمایا اور اگر اس کا مقصد فساد ڈالنا اور خرابی پیدا کرنا ہو تو ایسا کرنا جائز نہیں۔[1]

(٥٤) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ التَّمَادُحِ

باب: 54- ایک دوسرے کی مدح سرائی ناپسندیدہ عمل ہے

وضاحت: ایک دوسرے کی بے جا تعریف میں مبالغہ کرنا بری عادت ہے۔ مندرجہ ذیل فارسی کا جملہ اسی پر بولا جاتا ہے: ''من تُرا حاجی بگویم تو مرا ملّا بگو۔'' اس طرح لوگ مدح سرائی اور خوشامد سے اپنا کام نکالتے اور دوسروں کا مال کھاتے ہیں۔ واللّٰہ المستعان.

٦٠٦٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ، عَنِ ابْنِ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: سَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ رَجُلًا يُثْنِي عَلَى رَجُلٍ وَيُطْرِيهِ فِي الْمِدْحَةِ فَقَالَ: «أَهْلَكْتُمْ - أَوْ قَطَعْتُمْ - ظَهْرَ الرَّجُلِ». [راجع: ٢٦٦٣]

[6060] حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو سنا کہ وہ دوسرے کی تعریف کر رہا تھا اور تعریف کرتے وقت خوب مبالغہ آمیزی کر رہا تھا، آپ نے فرمایا: ''تم نے اسے ہلاک کر دیا'' یا فرمایا: ''تم نے اس کی کمر توڑ دی ہے۔''

فوائد ومسائل: ① کسی کی تعریف میں مبالغہ کرنا بے ہودہ شاعروں اور خوشامدی لوگوں کا کام ہے، اس طرح کی تعریف سے دوسرا شخص مغرور ہو جاتا ہے بلکہ وہ جہل مرکب کا شکار ہو کر دنیوی اور دینی کمالات سے محروم رہ جاتا ہے، یہی اس کی ہلاکت اور کمر توڑنا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے منہ پر ان کی تعریف کرنا شروع کر دی تو حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے مٹی اٹھائی اور اس کے منہ پر دے ماری اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''جب تمھارا سامنا ایسے لوگوں سے ہو جو مدح سرائی اور خوشامد کرنے والے ہوں تو ان کے منہ میں مٹی ڈالو۔''[2] ② اگر کسی کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اس کے اچھے کام کی مناسب تعریف کر دی جائے تو ان شاء اللہ جائز ہے، اس پر کوئی پابندی نہیں ہے بلکہ بعض اوقات ایسا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

٦٠٦١ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ خَالِدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ رَجُلًا ذُكِرَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَأَثْنَى عَلَيْهِ رَجُلٌ خَيْرًا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «وَيْحَكَ قَطَعْتَ عُنُقَ

[6061] حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ کی مجلس میں ایک آدمی کا ذکر آیا تو ایک دوسرے شخص نے اس کی خوب تعریف کی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''افسوس! تم نے اپنے ساتھی کی گردن توڑ ڈالی ہے..... آپ

1 فتح الباري:584/10. 2 سنن أبي داود، الأدب، حديث: 4804.

صَاحِبِكَ - يَقُولُهُ مِرَارًا - إِنْ كَانَ أَحَدُكُمْ مَادِحًا لَا مَحَالَةَ فَلْيَقُلْ: أَحْسِبُ كَذَا وَكَذَا، إِنْ كَانَ يُرَى أَنَّهُ كَذٰلِكَ، وَاللهُ حَسِيبُهُ وَلَا يُزَكّٰى عَلَى اللهِ أَحَدٌ». [راجع: ٢٦٦٢]

ﷺ نے یہ جملہ کئی بار دہرایا...... اگر کوئی اپنے ساتھی کی تعریف کرنا ہی چاہتا ہو تو یوں کہے: میں اس کے متعلق ایسا خیال کرتا ہوں (اور یہ بھی اس صورت میں) اگر وہ جانتا ہے کہ دوسرا شخص واقعی ایسا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا محاسبہ کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے میں اس کی صفائی نہیں دیتا (کیونکہ وہ تو سب کو خوب جانتا ہے)۔"

قَالَ وُهَيْبٌ عَنْ خَالِدٍ: «وَيْلَكَ».

وہیب نے خالد سے (وَيْحَكَ کی بجائے) وَيْلَكَ کے الفاظ بیان کیے ہیں۔

فوائد ومسائل: ① انسان کو چاہیے کہ وہ کسی دوسرے کے باطن کی پورے وثوق اور یقین سے صفائی نہ دے اور نہ کسی کی پاکدامنی ہی کا دعویٰ کرے کیونکہ باطن کے حالات اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ اسے کسی کی تعریف کرتے ہوئے صرف یہ کہنے کی اجازت ہے کہ میں اسے ایسا ایسا خیال کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کچھ لوگوں نے کہا: آپ ہمارے سید ہیں۔ آپ نے فرمایا: "سید اللہ ہے۔" لوگوں نے کہا: آپ ہمارے لیے صاحب فضیلت اور صاحب جود وسخا ہیں تو آپ نے فرمایا: "تم اس طرح کی بات تو کہہ سکتے ہو لیکن کہیں شیطان تمھیں اپنا وکیل نہ بنائے کہ ایسی بات کہہ دو جو میری شان کے مطابق نہ ہو۔"[1] ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسلاف سے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی اس کے سامنے تعریف کرے تو اسے درج ذیل دعا پڑھنی چاہیے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي مَالَا يَعْلَمُونَ، وَلَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا يَقُولُونَ، وَاجْعَلْنِي خَيْرًا مِمَّا يَظُنُّونَ. "اے اللہ! میرے متعلق جن امور کا انھیں علم نہیں مجھے معاف کر دے اور جو وہ کہتے ہیں اس کے متعلق میرا مؤاخذہ نہ کر اور مجھے ان کے گمان کے مطابق اچھا بنا دے۔"[2]

(٥٥) بَابُ مَنْ أَثْنَى عَلَى أَخِيهِ بِمَا يَعْلَمُ

باب: 55- جس نے اپنے بھائی کی صرف اتنی تعریف کی جسے وہ جانتا تھا

وَقَالَ سَعْدٌ: مَا سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ لِأَحَدٍ يَمْشِي عَلَى الْأَرْضِ: «إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ» إِلَّا لِعَبْدِ اللهِ بْنِ سَلَامٍ.

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے علاوہ میں نے نبی ﷺ کو زمین پر چلنے والے کسی آدمی کے متعلق یہ کہتے نہیں سنا: "یقیناً وہ جنتی ہے۔"

[1] سنن أبي داود، الأدب، حديث: 4806. [2] شعب الإيمان للبيهقي: 228/4، وصحيح الأدب المفرد للألباني: 282/1، رقم: 589/761.

وضاحت: اس عنوان کا مقصود یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے متعلق اسے بخوبی علم ہے تو اس کی اچھی صفت کے پیش نظر مدح کرنا جائز ہے لیکن اس کی دو شرطیں ہیں: ایک یہ کہ تعریف میں مبالغہ نہ ہو، دوسرے یہ کہ جس کی تعریف کی جائے اس کے فخر و غرور میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔[1] حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے متصل سند سے بھی بیان کیا ہے۔[2]

٦٠٦٢ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ حِينَ ذَكَرَ فِي الْإِزَارِ مَا ذَكَرَ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ إِزَارِي يَسْقُطُ مِنْ أَحَدِ شِقَّيْهِ، قَالَ: «إِنَّكَ لَسْتَ مِنْهُمْ». [راجع: ٣٦٦٥]

[6062] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب تہبند لٹکانے کے متعلق کچھ فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! میرا تہبند ایک طرف سے نیچے ڈھلک جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''تم تکبر کرنے والوں میں سے نہیں ہو۔''

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ چادر لٹکا کر چلنے سے منع فرمایا اور اس پر سخت وعید سنائی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے متعلق وضاحت کی، رسول اللہ ﷺ نے ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ''تم تکبر کرنے والوں سے نہیں ہو۔'' ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص دوسرے کے متعلق جانتا ہو تو اس کی تعریف کرنے میں کوئی حرج نہیں تاکہ دوسرے لوگوں کو اس کی فضیلت اور عظمت کا علم ہو جائے اور وہ اس کے مقام اور مرتبے کے مطابق عزت و احترام سے پیش آئیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے دیگر صحابۂ کرام کے امتیازی اوصاف بیان کیے جیسا کہ متعدد احادیث میں ان کا ذکر ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے انھیں کتاب المناقب میں ذکر کیا ہے۔ بہرحال اگر کسی کے فتنے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو اپنے علم کے مطابق اس کی تعریف کرنے میں کوئی حرج نہیں۔[3]

(٥٦) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾ الْآيَةَ [النحل: ٩٠]، وَقَوْلِهِ ﴿إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰ أَنفُسِكُم﴾ [يونس: ٢٣] وَقَوْلِهِ: ﴿ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنصُرَنَّهُ اللَّهُ﴾ [الحج: ٦٠] وَتَرْكِ إِثَارَةِ الشَّرِّ عَلَى مُسْلِمٍ أَوْ كَافِرٍ

باب: 56- ارشاد باری تعالیٰ: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔'' نیز ''تمھاری سرکشی (کا وبال) تم پر ہی ہے'' اور فرمان الٰہی: ''...... پھر اس پر زیادتی کی جائے تو اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا'' کا بیان، نیز مسلمان یا کافر کے خلاف فساد برپا نہ کرنے کا حکم

① فتح الباري: 10/587. ② صحيح البخاري، مناقب الأنصار، حديث: 3812. ③ فتح الباري: 10/588.

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے ان آیات میں سرکشی اور بغاوت کی حرمت کو بیان کیا ہے کہ مسلمان ہو یا کافر، اس کے خلاف شرارت کرنا، فساد برپا کرنا یا اس پر زیادتی کرنا کسی صورت میں جائز نہیں کیونکہ سرکشی کرنے والے کو دنیا میں اس کی سزا بھگتنا پڑتی ہے اور جس پر زیادتی کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے، خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ درج ذیل حدیث سے بھی اسی امر کو ثابت کیا گیا ہے۔ واللہ أعلم.

٦٠٦٣ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَكَثَ النَّبِيُّ ﷺ كَذَا وَكَذَا، يُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ يَأْتِي أَهْلَهُ وَلَا يَأْتِي، قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقَالَ لِي ذَاتَ يَوْمٍ: «يَا عَائِشَةُ، إِنَّ اللهَ تَعَالَى أَفْتَانِي فِي أَمْرٍ اسْتَفْتَيْتُهُ فِيهِ: أَتَانِي رَجُلَانِ فَجَلَسَ أَحَدُهُمَا عِنْدَ رِجْلَيَّ وَالْآخَرُ عِنْدَ رَأْسِي، فَقَالَ الَّذِي عِنْدَ رِجْلَيَّ لِلَّذِي عِنْدَ رَأْسِي: مَا بَالُ الرَّجُلِ؟ قَالَ: مَطْبُوبٌ - يَعْنِي مَسْحُورًا - قَالَ: وَمَنْ طَبَّهُ؟ قَالَ: لَبِيدُ بْنُ أَعْصَمَ، قَالَ: وَفِيمَ؟ قَالَ: فِي جُفِّ طَلْعَةِ ذَكَرٍ، فِي مُشْطٍ وَمُشَاطَةٍ، تَحْتَ رَعُوفَةٍ فِي بِئْرِ ذَرْوَانَ». فَجَاءَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «هٰذِهِ الْبِئْرُ الَّتِي أُرِيتُهَا، كَأَنَّ رُؤُوسَ نَخْلِهَا رُؤُوسُ الشَّيَاطِينِ، وَكَأَنَّ مَاءَهَا نُقَاعَةُ الْحِنَّاءِ». فَأَمَرَ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ فَأُخْرِجَ قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، فَهَلَّا - تَعْنِي تَنَشَّرْتَ؟ - فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَمَّا اللهُ فَقَدْ شَفَانِي، وَأَمَّا أَنَا فَأَكْرَهُ أَنْ أُثِيرَ عَلَى النَّاسِ شَرًّا»، قَالَتْ: وَلَبِيدُ ابْنُ أَعْصَمَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي زُرَيْقٍ حَلِيفٌ لِيَهُودَ.

[راجع: ٣١٧٥]

[6063] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ اتنے اتنے دن اس حال میں رہے۔ آپ کو خیال ہوتا کہ اپنی بیوی کے پاس گئے ہیں جبکہ ایسا نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے ایک دن مجھ سے فرمایا: ”عائشہ! میں نے اللہ تعالیٰ سے ایک معاملے میں سوال کیا تھا تو اس نے مجھے حقیقت حال سے آگاہ کر دیا ہے: میرے پاس دو آدمی آئے، ان میں سے ایک میرے پاؤں کے پاس اور دوسرا میرے سر کے قریب بیٹھ گیا۔ جو میرے پاؤں کے پاس تھا، اس نے سر کے قریب بیٹھنے والے سے کہا کہ اس آدمی کا حال کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا کہ اس پر جادو کر دیا گیا ہے۔ اس نے پوچھا: کس نے کیا ہے؟ اس نے کہا: لبید بن اعصم نے کیا ہے۔ پوچھا: کس چیز میں کیا ہے؟ بتایا کہ کنگھی کے بالوں کو نر کھجور کے چھلکے میں ڈال کر ذروان نامی کنویں میں ایک پتھر کے نیچے رکھ کر جادو کیا ہے۔“ نبی ﷺ وہاں تشریف لے گئے، آپ نے فرمایا: ”یہی کنواں مجھے دکھایا گیا تھا، گویا اس کی کھجوروں کے سر شیطانوں کے سر ہیں اور اس کا پانی مہندی کے رنگ جیسا ہے۔“ پھر اس جادو کو نبی ﷺ کے حکم سے برآمد کیا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ نے اسے نشر کیوں نہیں کیا؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا دے دی ہے اور میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ لوگوں میں اس شر کی تشہیر کروں۔“

حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: لبید بن اعصم قبیلۂ بنو زریق سے یہودیوں کا حلیف تھا۔

فوائدومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے جادوگر لبید بن اعصم پر قدرت رکھنے کے باوجود اسے سزا نہیں دی بلکہ اس پر صبر کیا اور برائی کو دبا دیا۔ آپ نے فرمایا: ''مجھے پسند نہیں کہ میں لوگوں میں شر کی تشہیر کروں۔'' اس ارشاد کے دو معنی ہیں: ○ مشتہر کرنے سے خطرہ تھا کہ مسلمان اسے پکڑ کر سزا دیں گے خواہ مخواہ ایک شور برپا ہوگا، آپ نے صبر سے کام لیتے ہوئے امن پسندی کا مظاہرہ کیا۔ ○ مشتہر کرنے سے یہ بھی اندیشہ تھا کہ منافقین جادو سیکھ لیں گے اور مسلمانوں کو اس سے نقصان پہنچائیں گے، لہٰذا آپ نے اس معاملے کو دبا دیا۔ ② اس سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات کسی بڑے فساد اور شر کی روک تھام کے لیے مصلحت کو اختیار کیا جاتا ہے۔ مذکورہ آیات سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ظلم سے منع کیا ہے اور وضاحت فرمائی کہ ظلم کا وبال ظالم کو پہنچتا ہے، پھر مظلوم کی مدد اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لے رکھی ہے، لہٰذا مظلوم کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احسان کا شکر ادا کرتے ہوئے خود پر روا رکھے گئے ظلم وستم سے درگزر کرے اور ظالم کو معاف کر دے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے جادوگر کو معاف کر دیا تھا اور اسے کسی قسم کی سزا نہیں دی۔ واللہ أعلم.

(٥٧) بَابُ مَا يُنْهَى عَنِ التَّحَاسُدِ وَالتَّدَابُرِ

باب: 57- ایک دوسرے سے حسد کرنے اور پیٹھ پھیرنے کی ممانعت

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَمِن شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ﴾ [الفلق: ٥].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور حسد کرنے والے کی برائی سے پناہ چاہتا ہوں جب وہ حسد کرے۔''

وضاحت: تحاسد کے معنی ہیں: ایک دوسرے سے حسد کرنا۔ امام بخاری ؒ نے عنوان کے بعد آیت کریمہ لا کر یہ اشارہ کیا ہے کہ حسد دونوں کی طرف سے ہو یا ایک کی طرف سے ہر حال میں قابل مذمت ہے۔ واللہ أعلم.

٦٠٦٤ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ، وَلَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَجَسَّسُوا، وَلَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا». [راجع: ٥١٤٣]

[6064] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''اپنے آپ کو بدگمانی سے بچاؤ کیونکہ بدگمانی کی باتیں اکثر جھوٹی ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے کے عیوب کی جستجو نہ کرو اور نہ کسی کی جاسوسی ہی کرو۔ آپس میں حسد نہ کرو۔ ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو اور نہ باہم بغض ہی رکھو۔ اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔''

٦٠٦٥ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا، وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ». [انظر: ٦٠٧٦]

[6065] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو اور نہ باہم حسد کرو اور نہ ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرو۔ اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو، نیز کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ تین دن سے زیادہ قطع تعلقی کرے۔''

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث سے باہمی حسد اور آپس میں قطع تعلقی کو بیان کیا ہے کہ ایسا کرنا حرام ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حسد ایک انتہائی بری خصلت ہے جو اللہ تعالیٰ کے فیصلوں اور اس پر راضی نہ رہنے کی وجہ سے آتی ہے کیونکہ کسی کے پاس اللہ کی نعمت دیکھ کر جلنے کا نام حسد ہے۔ ② حسد کے بعد انسان میں بغاوت پیدا ہوتی ہے اور یہ دونوں چیزیں افراد، خاندانوں اور قوموں کی تباہی کا باعث ہیں۔ اسی طرح ایک دوسرے سے روگردانی کرنا اور پیٹھ پھیرنا بھی شریعت کو پسند نہیں جیسا کہ حدیث میں ہے: ''جس نے ایک سال تک اپنے بھائی سے روابط توڑے رکھے تو وہ ایسے ہے جیسے اس کا خون بہا دیا ہو۔''[1] اگر کہیں شکر رنجی ہو جائے تو تعلقات کو بالکل ہی منقطع کر لینا جائز نہیں، ہاں اگر مزید تعلقات بڑھانا خلاف مصلحت ہو تو سلام دعا سے بخل نہیں کرنا چاہیے۔ ③ یہ وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ تین دن سے زیادہ قطع تعلقی اس صورت میں ناجائز ہے جب کسی دنیاوی غرض سے یا اپنی ذات کے لیے ہو، اگر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے تو ایسا کرنا اللہ کو محبوب ہے جیسا کہ امام ابو داود رحمہ اللہ نے ایک حدیث کے تحت فرمایا ہے: رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں سے چالیس دن تک میل جول چھوڑ دیا تھا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مرتے دم تک اپنے ایک بیٹے سے بائیکاٹ کیے رکھا تھا۔''[2] ④ بہر حال سلام کرنے اور اس کا جواب دینے سے بائیکاٹ کا گناہ ختم ہو جاتا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ سلام کہنے کے بعد اگر وہ جواب دے دے تو اجر وثواب میں دونوں شریک ہو گئے اور اگر وہ سلام کا جواب نہ دے تو سلام کرنے والا اس بائیکاٹ کے گناہ سے نکل جاتا ہے۔[3]

(٥٨) بَابٌ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱجْتَنِبُواْ كَثِيرًا مِّنَ ٱلظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ ٱلظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُواْ﴾ [الحجرات: ١٢]

باب: 58- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے بچو، یقیناً بعض گمان گناہ ہیں اور جاسوسی نہ کرو'' کا بیان

وضاحت: اللہ تعالیٰ نے مطلق گمان کرنے سے نہیں روکا کیونکہ گمان سے بچنا انسان کے بس میں نہیں بلکہ یہ فرمایا ہے کہ زیادہ گمان کرنے سے پرہیز کرو، پھر ہر گمان گناہ نہیں ہوتا بلکہ کچھ گمان گناہ ہوتے ہیں، مثلاً: ایسی بدظنی جس کا ظاہر اچھا ہو وہ گناہ

1 سنن أبي داود، الأدب، حديث: 4915. 2 سنن أبي داود، الأدب، تحت حديث: 4916. 3 الأدب المفرد، حديث: 414.

ہے مگر ایسی بدگمانی جس کا ظاہر بھی برا ہو اس میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ اگر کوئی شخص غیبت کر رہا ہو تو اس کے متعلق گمان کرنا کہ یہ میری بھی کہیں جا کر غیبت کرے گا، ایسی بدگمانی گناہ نہیں۔ تجسس یہ ہے کہ لوگوں کی باتیں خفیہ طور پر سنی جائیں، ان کے خطوط پڑھنے کی کوشش کی جائے، ایسا کرنا گناہ ہے۔

٦٠٦٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ، وَلَا تَحَسَّسُوا، وَلَا تَجَسَّسُوا، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا». [راجع: ٥١٤٣]

[6066] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی کی باتیں اکثر جھوٹی ہوتی ہیں۔ لوگوں کے عیب نہ ڈھونڈو اور ان کی ٹوہ میں نہ لگے رہو، کسی کے بھاؤ پر بھاؤ نہ بڑھاؤ، باہم حسد نہ کرو، آپس میں رقابت نہ رکھو اور نہ ایک دوسرے سے پیٹھ ہی پھیرو (بلکہ) اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔''

فوائد و مسائل: ① لفظ ظن عربی زبان میں کئی معنی دیتا ہے۔ اس کے ایک معنی گمان کرنا اور دوسرے معنی علم و یقین بھی ہیں لیکن حدیث میں ظن سے مراد وہ غلط اور برے گمان ہیں جو کسی کے متعلق دل میں جگہ پا جاتے ہیں، حالانکہ ان کی کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ شریعت میں ایسے گمانوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے متعلق حسن ظن رکھنے کا حکم ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی لایا گیا اور بتایا گیا کہ یہ فلاں آدمی ہے اور اس کی ڈاڑھی سے شراب کے قطرے ٹپک رہے ہیں تو انھوں نے فرمایا: ہمیں ٹوہ لگانے سے منع کیا گیا ہے۔ ہاں، اگر کوئی بات واضح ہو تو ہم اس کا ضرور مواخذہ کریں گے۔ [1] ② بہر حال بدگمانی اور تجسس سے کئی معاشرتی بیماریاں جنم لیتی ہیں اور معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے، لہٰذا ہر مسلمان کو ان سے بچنا چاہیے۔ واللہ أعلم.

(٥٩) بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الظَّنِّ

باب: 59- جو گمان جائز ہے

وضاحت: بلاوجہ ایک مسلمان کے متعلق بدگمانی میں مبتلا ہونا جائز نہیں جیسا کہ سابقہ احادیث میں اس کی وضاحت ہے، البتہ واضح دلائل کی موجودگی میں بدگمانی کی جا سکتی ہے جیسا کہ آئندہ احادیث میں بیان ہوگا۔

٦٠٦٧ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَا أَظُنُّ فُلَانًا

[6067] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں فلاں فلاں شخص کے متعلق گمان نہیں کرتا کہ وہ ہمارے دین کے بارے میں کچھ

① سنن أبي داود، الأدب، حديث: 4890.

وَفُلَانًا يَعْرِفَانِ مِنْ دِينِنَا شَيْئًا». قَالَ اللَّيْثُ: كَانَا رَجُلَيْنِ مِنَ الْمُنَافِقِينَ. [انظر: ٦٠٦٨]

معلومات رکھتے ہوں۔'' (راوی حدیث) لیث نے کہا: وہ دو آدمی منافق تھے۔

٦٠٦٨ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بِهٰذَا، وَقَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمًا وَقَالَ: «يَا عَائِشَةُ، مَا أَظُنُّ فُلَانًا وَفُلَانًا يَعْرِفَانِ دِينَنَا الَّذِي نَحْنُ عَلَيْهِ». [راجع: ٦٠٦٧]

[6068] حضرت عائشہ ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک دن نبی ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''اے عائشہ! میں فلاں فلاں شخص کو گمان نہیں کرتا کہ وہ ہمارے دین کے متعلق کچھ جانتے ہوں جس پر ہم قائم ہیں۔''

فوائدومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے ان دو آدمیوں کے اخلاق و کردار کو دیکھ کر فرمایا: ''وہ میرے گمان کے مطابق ہمارے دین اسلام کے متعلق کچھ بھی معلومات نہیں رکھتے۔'' ② واضح رہے کہ اس طرح کی بدگمانی اس زمرے میں نہیں آتی جو گناہ اور خلاف شریعت ہے کیونکہ بعض اوقات ہمیں کسی سے اچھا فعل معلوم نہیں ہوتا تو اس کے متعلق بدگمانی سی پیدا ہو جاتی ہے، مثلاً: کوئی عشاء اور صبح کی نماز میں حاضر نہیں ہوتا تو اس کے متعلق ہم بدگمانی کر لیتے ہیں کہ وہ بیمار ہے یا اپنے دین میں کمزور ہے۔[1] اس بدگمانی کی بنیاد وہ مشہور حدیث بھی ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عشاء اور صبح کی نماز منافقین پر بہت بھاری ہوتی ہے۔''[2]

(٦٠) بَابُ سَتْرِ الْمُؤْمِنِ عَلَى نَفْسِهِ

باب:60- مومن کا اپنے گناہ پر پردہ ڈالنا

٦٠٦٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «كُلُّ أُمَّتِي مُعَافًى إِلَّا الْمُجَاهِرِينَ، وَإِنَّ مِنَ الْمُجَاهَرَةِ أَنْ يَعْمَلَ الرَّجُلُ بِاللَّيْلِ عَمَلًا، ثُمَّ يُصْبِحُ وَقَدْ سَتَرَهُ اللهُ فَيَقُولُ: يَا فُلَانُ عَمِلْتُ الْبَارِحَةَ كَذَا وَكَذَا، وَقَدْ بَاتَ يَسْتُرُهُ رَبُّهُ وَيُصْبِحُ يَكْشِفُ سِتْرَ اللهِ عَنْهُ».

[6069] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا: ''میری تمام امت کو معاف کر دیا جائے گا مگر جو علانیہ گناہ کرتے ہیں۔ علانیہ گناہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص رات کے وقت گناہ کرتا ہے باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ پر پردہ ڈالا ہوتا ہے لیکن صبح ہوتے ہی وہ کہنے لگتا ہے: اے فلاں! میں نے گزشتہ رات فلاں فلاں برا کام کیا تھا۔ رات گزر گئی تھی اور اس کے رب نے اس کا گناہ چھپا رکھا تھا لیکن جب صبح ہوئی تو وہ خود پر دیے گئے اللہ کے پردے کو کھولنے لگا۔''

1 فتح الباري:596/10. 2 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 657.

فوائد ومسائل: ① اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ''سِتِّیر'' بھی ہے کہ وہ پردہ پوشی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں بندے کے بہت سے گناہوں پر پردہ ڈالتا ہے، اسی طرح آخرت میں بھی وہ اپنے بندوں کو ذلیل و رسوا نہیں کرے گا لیکن کچھ آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ خود اپنی پردہ دری کرتے ہیں، وہ چوری پھر سینہ زوری کرتے ہوئے اپنے گناہوں کا چرچا کرتے ہیں کہ ہم نے آج رات فلاں فلاں گناہ کیا ہے۔ یہ تو بے حیائی اور بے باکی ہے جسے اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا۔ ② اللہ تعالیٰ بندے کے گناہ پر پردہ اسی صورت میں ڈالتا ہے کہ بندہ اپنے گناہ پر خود بھی پردہ ڈالنے والا ہو۔ اس کے برعکس جو انسان اپنے گناہوں کا چرچا کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اس کے گناہوں پر پردہ نہیں ڈالے گا۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اور لوگوں سے حیا کرتے ہوئے اپنے گناہوں کی تشہیر نہ کرے تاکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے پناہ میں رکھے اور اسے ذلیل و خوار نہ کرے۔

٦٠٧٠ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزٍ: أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ ابْنَ عُمَرَ: كَيْفَ سَمِعْتَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ فِي النَّجْوَى؟ قَالَ: «يَدْنُو أَحَدُكُمْ مِنْ رَبِّهِ حَتَّى يَضَعَ كَنَفَهُ عَلَيْهِ، فَيَقُولُ: عَمِلْتَ كَذَا وَكَذَا؟ فَيَقُولُ: نَعَمْ، وَيَقُولُ: عَمِلْتَ كَذَا وَكَذَا؟ فَيَقُولُ: نَعَمْ، فَيُقَرِّرُهُ، ثُمَّ يَقُولُ: إِنِّي سَتَرْتُ عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا، فَأَنَا أَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ».

[راجع: ٢٤٤١]

[6070] حضرت صفوان بن محرز سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: آپ نے رسول اللہ ﷺ کو سرگوشی کے متعلق کیا فرماتے سنا ہے؟ انھوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ''تم میں سے ایک شخص اللہ کے قریب ہوگا، اللہ تعالیٰ اپنا بازو اس پر رکھ کر فرمائے گا: تو نے فلاں فلاں برے کام کیے تھے؟ وہ عرض کرے گا: جی ہاں۔ اللہ تعالیٰ، پھر فرمائے گا: تو نے یہ یہ برے کام کیے تھے؟ وہ عرض کرے گا: جی ہاں۔ اللہ تعالیٰ اس سے اقرار کرانے کے بعد فرمائے گا: میں نے دنیا میں تیرے گناہوں پر پردہ دیے رکھا اور آج میں تیرے وہ گناہ معاف کرتا ہوں۔''

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اس سے گناہوں کا اقرار کرائے گا تو وہ یقین کرے گا کہ میں تو ہلاک ہوگیا، اس وقت اللہ تعالیٰ گناہوں پر پردہ پوشی بلکہ اپنی طرف سے معافی کی بشارت دے گا، نیز لوگوں کے سامنے اسے رسوائی سے بچانے کے لیے صرف نیکیوں کا اعمال نامہ اسے دیا جائے گا۔ اس کے برعکس کافر اور منافق کو سرعام ذلیل و رسوا کرے گا اور اس کے خلاف گواہی دینے والے کہیں گے: ''یہی وہ لوگ تھے جو اپنے رب پر جھوٹ باندھتے تھے۔ سن لو! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔''[1] ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تمام احادیث پر نظر رکھتے ہوئے بڑی جامع بحث کی ہے کہ اہل ایمان میں سے گناہ گاروں کی دو قسمیں ہوں گی: ایک وہ گناہ گار جن کے گناہ صرف اللہ تعالیٰ کے حقوق سے متعلق ہوں گے اور دوسرے وہ گناہ گار جنھوں نے حقوق العباد میں کوتاہی کی ہوگی۔ جن کے گناہ صرف حقوق اللہ سے متعلق ہوں گے ان کی پھر دو قسمیں ہیں: ایک وہ

[1] صحيح البخاري، المظالم، حديث: 2441.

جن پر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پردہ ڈالا ہوگا، انھیں تو معاف کر دیا جائے گا۔ اور دوسرے وہ جنھوں نے اپنے گناہوں کو نشر کیا ہوگا، انھیں معاف نہیں کیا جائے گا۔ جن کے گناہ حقوق العباد سے متعلق ہوں گے، ان کی بھی دو قسمیں ہوں گی: ایک وہ جن کی برائیاں، نیکیوں سے زیادہ ہوں گی تو انھیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ وہ سزا پا کر یا سفارش سے جہنم سے نکل آئیں گے۔ دوسرے وہ جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی، ان سے بدلہ لے کر جنت میں داخلے کی اجازت مل جائے گی جیسا کہ ایک حدیث میں اس کی صراحت ہے۔[1] ③ بہرحال انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے گناہوں کی خود ہی پردہ دری نہ کرے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''جن برائیوں سے اللہ نے منع کیا ہے ان سے پرہیز کرو اگر کوئی ان کا ارتکاب کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ انھیں نشر نہ کرے بلکہ اللہ کے پردے میں انھیں چھپائے رکھے۔''[2]

(٦١) بَابُ الْكِبْرِ

باب: 61- تکبر کی مذمت کا بیان

وَقَالَ مُجَاهِدٌ ﴿ثَانِيَ عِطْفِهِ﴾ [الحج: ٩] مُسْتَكْبِرًا فِي نَفْسِهِ. عِطْفُهُ: رَقَبَتُهُ.

امام مجاہد نے ثَانِيَ عِطْفِهِ کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ اس سے مراد ہے: تکبر کرتے ہوئے اپنی گردن موڑنے والا۔ عِطْفُهُ کے معنی ہیں: اپنی گردن۔

وضاحت: تکبر یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا خیال کرے اور اس سے بڑا تکبر یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ پر تکبر کرے۔ وہ یہ ہے کہ حق قبول کرنے سے انکار کرے اور اس کی توحید و اطاعت پر یقین نہ رکھے۔ تکبر کی ان دونوں قسموں کو ایک حدیث میں جمع کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تکبر یہ ہے کہ انسان لوگوں کو حقیر سمجھے اور حق کا انکار کر دے۔''[3]

٦٠٧١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا مَعْبَدُ بْنُ خَالِدٍ الْقَيْسِيُّ عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ الْخُزَاعِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ الْجَنَّةِ؟ كُلُّ ضَعِيفٍ مُتَضَاعِفٍ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ، أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ؟ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ». [راجع: ٤٩١٨]

[6071] حضرت حارثہ بن وہب خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں اہل جنت کی خبر نہ دوں؟ وہ ہر ناتواں اور تواضع کرنے والا ہے۔ اگر وہ اللہ کی قسم اٹھا لے تو وہ اس کی قسم پوری کر دیتا ہے۔ اور کیا میں تمھیں اہل جہنم کی خبر نہ دوں؟ وہ ہر تندخو، اکڑ کر چلنے والا اور متکبر انسان ہے۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کے مطابق فخر و غرور اور تکبر کرنا اہل جہنم کی علامت ہے، یعنی دوزخ میں متکبرین کی کثرت

1 فتح الباري: 600/10، وصحيح البخاري، المظالم، حديث: 2440. 2 المستدرك للحاكم: 272/4. 3 صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 265 (91).

ہوگی۔ ② حافظ ابن حجر نے تکبر کی دو قسمیں ذکر کی ہیں: ○ جس کے افعال حسنہ دوسروں کے محاسن سے زیادہ ہوں، اللہ تعالیٰ کی صفت متکبر اسی معنی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام افعال اچھے اور قابل مدح ہیں۔ ○ اس سلسلے میں تکلف سے کام لیتے ہوئے کوئی اپنے افعال اچھے ظاہر کرے، حالانکہ حقیقت میں وہ ایسا نہ ہو، حدیث میں متکبر اسی معنی میں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ تعالیٰ ہر متکبر، سخت گیر کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔''[1] اگر کوئی اپنے دل میں خود کو بڑا خیال کرتا ہے تو اسے کبر (عُجب) کہا جاتا ہے اور اگر یہ برائی اعضاء اور جوارح پر ظاہر ہو تو اسے تکبر سے تعبیر کرتے ہیں۔[2]

٦٠٧٢ - وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ: أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ الطَّوِيلُ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ: كَانَتِ الْأَمَةُ مِنْ إِمَاءِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ لَتَأْخُذُ بِيَدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَتَنْطَلِقُ بِهِ حَيْثُ شَاءَتْ.

[6072] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: (آپ ﷺ کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ) مدینہ طیبہ کی لونڈیوں میں سے کوئی لونڈی رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیتی اور اپنے کسی بھی کام کے لیے جہاں چاہتی لے جاتی۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ ہر قسم کے تکبر سے پاک تھے بلکہ آپ میں انتہا درجے کی تواضع اور انکساری تھی جس کی دلیل یہ ہے کہ ادنیٰ سی لونڈی جب چاہتی، جس کام کے لیے جہاں چاہتی آپ کو لے جاتی، آپ انکار نہ کرتے تھے۔ ② تکبر کی مذمت میں بہت سی احادیث وارد ہیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس انسان کے دل میں ذرا بھر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔'' پوچھا گیا: ایک آدمی کی خواہش ہے کہ اس کے کپڑے اور جوتا اچھا ہو، کیا یہ بھی تکبر ہے؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں بلکہ تکبر یہ ہے کہ حق کو ٹھکرا دے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔''[3] ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی کی ہے کہ تم تواضع اور انکساری اختیار کرو حتی کہ کوئی آدمی دوسرے پر سرکشی نہ کرے۔''[4]

(٦٢) بَابُ الْهِجْرَةِ

باب: 62- قطع تعلقی کا بیان

وَقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ».

نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلقی کرے۔''

وضاحت: ہجرت سے مراد ملاقات کے وقت سلام و کلام ترک کرنا ہے۔ یہ اس وقت باعث مذمت ہے جب ترک ملاقات دنیاوی جھگڑوں اور ذاتی معاملات کی وجہ سے ہو کیونکہ منافقین، فجار اور اہل بدعت سے ملاقات نہ کرنا جائز ہے جب تک

---

1 المؤمن 40:35. 2 فتح الباري: 601/10. 3 صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 265 (91). 4 صحيح مسلم، الجنة ونعيمها، حديث: 7110 (2865).

وہ توبہ نہ کرلیں۔ مسلمانوں کے درمیان تین دن سے زیادہ ترک ملاقات کا حرام ہونا تو نص سے ثابت ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ تین دن تک قطع تعلقی جائز ہے کیونکہ انسان کی فطرت میں غصہ ہے، اس لیے تین دن تک غصہ کرنے کی اجازت ہے تاکہ غصے کا عارضہ جاتا رہے۔[1]

٦٠٧٣، ٦٠٧٤، ٦٠٧٥ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي عَوْفُ بْنُ الطُّفَيْلِ - وَهُوَ ابْنُ أَخِي عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ لِأُمِّهَا -: أَنَّ عَائِشَةَ حُدِّثَتْ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ قَالَ فِي بَيْعٍ أَوْ عَطَاءٍ أَعْطَتْهُ عَائِشَةُ: وَاللهِ لَتَنْتَهِيَنَّ عَائِشَةُ أَوْ لَأَحْجُرَنَّ عَلَيْهَا، فَقَالَتْ: أَهُوَ قَالَ هٰذَا؟ قَالُوا: نَعَمْ، قَالَتْ: هُوَ لِلّٰهِ عَلَيَّ نَذْرٌ، أَنْ لَا أُكَلِّمَ ابْنَ الزُّبَيْرِ أَبَدًا، فَاسْتَشْفَعَ ابْنُ الزُّبَيْرِ إِلَيْهَا حِينَ طَالَتِ الْهِجْرَةُ، فَقَالَتْ: لَا وَاللهِ لَا أُشَفِّعُ فِيهِ أَحَدًا، وَلَا أَتَحَنَّثُ إِلَى نَذْرِي، فَلَمَّا طَالَ ذٰلِكَ عَلَى ابْنِ الزُّبَيْرِ، كَلَّمَ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْأَسْوَدِ بْنِ عَبْدِ يَغُوثَ، وَهُمَا مِنْ بَنِي زُهْرَةَ، وَقَالَ لَهُمَا: أَنْشُدُكُمَا بِاللهِ لَمَّا أَدْخَلْتُمَانِي عَلَى عَائِشَةَ، فَإِنَّهَا لَا يَحِلُّ لَهَا أَنْ تَنْذِرَ قَطِيعَتِي، فَأَقْبَلَ بِهِ الْمِسْوَرُ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ مُشْتَمِلَيْنِ بِأَرْدِيَتِهِمَا، حَتّٰى اسْتَأْذَنَا عَلَى عَائِشَةَ فَقَالَا: السَّلَامُ عَلَيْكِ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، أَنَدْخُلُ؟ قَالَتْ عَائِشَةُ: ادْخُلُوا. قَالُوا: كُلُّنَا؟ قَالَتْ: نَعَمْ، ادْخُلُوا كُلُّكُمْ - لَا تَعْلَمُ أَنَّ مَعَهُمَا ابْنَ الزُّبَيْرِ - فَلَمَّا دَخَلُوا دَخَلَ ابْنُ الزُّبَيْرِ الْحِجَابَ، فَاعْتَنَقَ

[6075،6074،6073] نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہ ؓ کے مادری بھتیجے عوف بن طفیل سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ ؓ نے کوئی چیز بیچی یا خیرات کی، انھیں خبر پہنچی کہ عبداللہ بن زبیر ؓ نے ان کے متعلق کہا ہے: اللہ کی قسم! ام المومنین حضرت عائشہ ؓ (خرید وفروخت کرنے یا خیرات کرنے سے) اگر باز نہ آئیں تو میں ان کے تصرفات پر پابندی لگا دوں گا۔ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: کیا عبداللہ نے یہ بات کہی ہے؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں۔ انھوں نے فرمایا: پھر اللہ کے لیے مجھ پر نذر ہے کہ میں ابن زبیر سے کبھی بات نہیں کروں گی۔ اس کے بعد جب قطع تعلقی پر عرصہ گزر گیا تو حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ نے ان (حضرت عائشہ ؓ) کے ہاں سفارش کرائی لیکن انھوں نے فرمایا: نہیں، اللہ کی قسم! میں اس کے متعلق کسی کی کوئی سفارش قبول نہیں کروں گی اور اپنی نذر ختم نہیں کروں گی۔ جب عبداللہ بن زبیر ؓ کے لیے سلام وکلام کی بندش بہت تکلیف دہ ہو گئی تو انھوں نے مسور بن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن اسود بن عبد یغوث ؓ سے اس سلسلے میں گفتگو کی۔ وہ دونوں بنو زہرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ (عبداللہ بن زبیر ؓ نے) ان سے کہا: میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں مجھے تم کسی طرح حضرت عائشہ ؓ کے پاس لے جاؤ کیونکہ ان کے لیے جائز نہیں کہ میرے ساتھ قطع رحمی کی نذر مانیں، چنانچہ حضرت مسور اور عبدالرحمٰن ؓ دونوں اپنی چادریں اوڑھے ہوئے حضرت

[1] فتح الباري: 604/10.

عَائِشَةَ وَطَفِقَ يُنَاشِدُهَا وَيَبْكِي، وَطَفِقَ الْمِسْوَرُ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ يُنَاشِدَانِهَا إِلَّا مَا كَلَّمَتْهُ وَقَبِلَتْ مِنْهُ، وَيَقُولَانِ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَدْ نَهَى عَمَّا قَدْ عَلِمْتِ مِنَ الْهِجْرَةِ، وَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، فَلَمَّا أَكْثَرُوا عَلَى عَائِشَةَ مِنَ التَّذْكِرَةِ وَالتَّحْرِيجِ طَفِقَتْ تُذَكِّرُهُمَا وَتَبْكِي وَتَقُولُ: إِنِّي نَذَرْتُ، وَالنَّذْرُ شَدِيدٌ، فَلَمْ يَزَالَا بِهَا حَتَّى كَلَّمَتِ ابْنَ الزُّبَيْرِ، وَأَعْتَقَتْ فِي نَذْرِهَا ذٰلِكَ أَرْبَعِينَ رَقَبَةً، وَكَانَتْ تَذْكُرُ نَذْرَهَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَتَبْكِي، حَتَّى تَبُلَّ دُمُوعُهَا خِمَارَهَا. [راجع: ٣٥٠٣]

ابن زبیر ؓ کو ساتھ لائے اور حضرت عائشہ ؓ سے اندر آنے کی اجازت طلب کی اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہتے ہوئے عرض کی: ہم اندر آسکتے ہیں؟ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: آجاؤ۔ انھوں نے پھر عرض کی: ہم سب آجائیں۔ فرمایا: ہاں، سب آجاؤ۔ آپ کو علم نہیں تھا کہ ابن زبیر ؓ بھی ان کے ساتھ ہیں۔ جب وہ داخل ہوئے تو حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ پردے کے اندر چلے گئے (کیونکہ وہ بھانجے تھے) اور حضرت عائشہ ؓ سے لپٹ کر اللہ کا واسطہ دینے لگے اور رونے لگے۔ حضرت مسور اور عبدالرحمٰن ؓ بھی (پردے کے باہر سے) آپ کو اللہ کا واسطہ دینے لگے کہ عبداللہ بن زبیر ؓ سے گفتگو کریں اور ان سے درگزر فرمائیں۔ ان حضرات نے یہ بھی کہا: آپ کو معلوم ہے کہ نبی ﷺ نے قطع تعلقی سے منع فرمایا ہے، چنانچہ آپ کا ارشاد ہے کہ کسی مسلمان کو اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق رہنا جائز نہیں۔ جب انھوں نے کثرت کے ساتھ حضرت عائشہ ؓ کو صلہ رحمی کی اہمیت یاد دلائی اور اس کے نقصانات سے آگاہ کیا تو انھوں نے بھی انھیں وعظ و نصیحت فرمائی اور روتے ہوئے کہنے لگیں: میں نے تو نذر مانی ہے اور اس کی رعایت نہ کرنا سخت دشوار ہے، لیکن یہ دونوں بزرگ برابر کوشش کرتے رہے حتی کہ ام المومنین (حضرت عائشہ ؓ) نے حضرت ابن زبیر ؓ سے گفتگو فرمائی اور اپنی نذر میں چالیس غلام آزاد کیے۔ اس کے بعد جب بھی آپ یہ قسم یاد کرتیں تو روتیں حتی کہ آپ کا دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا۔

فوائد ومسائل: ① حضرت عائشہ ؓ نے حضرت ابن زبیر ؓ کو بیٹے کی حیثیت دی تھی اور وہ آپ کے حقیقی بھانجے بھی تھے۔ ایک روایت میں مزید وضاحت ہے کہ حضرت عائشہ ؓ کو رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر ؓ کے بعد سب سے زیادہ محبت عبداللہ بن زبیر ؓ سے تھی اور وہ بھی تمام لوگوں سے بڑھ کر آپ سے حسن سلوک کرتے تھے۔ ② حضرت عائشہ ؓ کی

عادت تھی کہ اللہ تعالیٰ کے مال سے جو بھی ان کے ہاتھ آتا اسے فی سبیل اللہ خرچ کر دیتیں حتی کہ انھوں نے انفاق فی سبیل اللہ کے لیے مکہ مکرمہ میں ایک حویلی فروخت کردی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو اس بات کا افسوس ہوا تو انھوں نے کہہ دیا کہ اگر آپ نے اپنی ''دریا دلی'' پر نظر ثانی نہ کی تو میں ان کے تصرفات پر پابندی لگا دوں گا۔ بس اتنی بات پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ناراض ہوئیں اور بات چیت نہ کرنے کا عہد کرلیا۔ ایک مہربان ماں کے لیے اپنے بیٹے کو ادب سکھانے کی خاطر ایسا کرنا ضروری بھی تھا، لیکن یہ قطع تعلقی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو بہت گراں گزری۔ انھوں نے اپنی ماں کو راضی کرنے کے لیے بہت کوشش کی، مہاجرین کو درمیان میں لائے لیکن معاملہ جوں کا توں رہا، آخر رسول اللہ ﷺ کے رشتے داروں کو درمیان میں لائے تو معاملہ حل ہوا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے رشتہ داروں کا بہت لحاظ رکھتی تھیں۔ ان حضرات کی وساطت سے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ گئے۔ آخر کار فرمانبردار بیٹے نے اپنی ماں کو راضی کر ہی لیا۔ نذر کا کفارہ دینے کے لیے دس غلام بھیجے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں آزاد کردیا۔ غلاموں کو آزاد کرتے کرتے ان کی تعداد چالیس تک پہنچ گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کاش! میں کوئی کام کرنے کی نذر مان لیتی، جب نذر ختم ہوتی تو میں وہ کام کرکے فارغ ہو جاتی۔[1] ③ بہرحال ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے کے لیے ہر تدبیر بروئے کار لانی چاہیے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نامناسب قسم کو کفارہ ادا کر کے توڑنا ضروری ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ترک تعلق حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی تعلیم و تأدیب کے لیے تھا اور خطا کار حضرات سے ایسا ترک تعلق جائز ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے سوشل بائیکاٹ فرمایا تھا۔[2]

٦٠٧٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا، وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ». [راجع: ٦٠٦٥]

[6076] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آپس میں غصہ نہ کیا کرو اور نہ ایک دوسرے سے حسد کرو، ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرا کرو (بلکہ) اللہ کے بندو بھائی بھائی بن کر رہو۔ کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین رات سے زیادہ میل جول چھوڑ دے۔''

٦٠٧٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، يَلْتَقِيَانِ، فَيُعْرِضُ هٰذَا وَيُعْرِضُ هٰذَا، وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ».

[6077] حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی آدمی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ تین دن سے زیادہ میل ملاقات چھوڑے رہے، اس طرح کہ جب دونوں کا سامنا ہو جائے تو یہ بھی منہ پھیر لے اور وہ بھی منہ پھیر لے۔ اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔''

1 صحيح البخاري، المناقب، حديث: 3505. 2 فتح الباري: 610/10.

[انظر : ٦٢٣٧]

فوائدومسائل: ① ان احادیث کے مطابق تین دن سے زیادہ قطع تعلقی کرنا اور میل جول چھوڑ دینا جائز نہیں ہے۔ اگر کہیں ناراضی ہوجائے تو تعلقات کو بالکل ہی ختم کر لینا کسی صورت میں روا نہیں ہے۔ اگر مزید روابط بڑھانا خلاف مصلحت ہو تو سلام و دعا سے بخل کرنا درست نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے تین دن سے زیادہ قطع تعلقی کی اور اسی حالت میں مرگیا تو وہ آگ میں جائے گا۔''[1] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے: ''اگر تین دن قطع تعلقی پر گزر جائیں تو چاہیے کہ ان میں سے ایک دوسرے سے ملے اور اسے سلام کہے۔ اگر وہ سلام کا جواب دے دے تو اجروثواب میں دونوں شریک ہوگئے۔ اگر وہ جواب نہ دے تو اس کا گناہ اسی دوسرے پر ہے اور سلام کرنے والا قطع تعلقی کے گناہ سے نکل جاتا ہے۔''[2] ② واضح رہے کہ تین دن سے زیادہ قطع تعلقی اس صورت میں ناجائز ہے جب دنیاوی مفادات اور ذاتی معاملات کے پیش نظر ہو اور اگر یہ قطع تعلقی اللہ تعالیٰ کے لیے ہو تو قابل تعریف ہے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے آئندہ عنوان میں بیان کیا ہے۔ واللہ أعلم.

(٦٣) بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الْهِجْرَانِ لِمَنْ عَصَى

باب: 63- نافرمانی کرنے والے سے قطع تعلقی کرنے کا جواز

وَقَالَ كَعْبٌ حِينَ تَخَلَّفَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: وَنَهَى النَّبِيُّ ﷺ الْمُسْلِمِينَ عَنْ كَلَامِنَا، وَذَكَرَ خَمْسِينَ لَيْلَةً.

حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ (غزوۂ تبوک میں) نبی ﷺ کے ساتھ شریک نہ ہوئے تو نبی ﷺ نے دیگر مسلمانوں کو ہم سے بات چیت کرنے سے منع کر دیا تھا، اور یہ مقاطعہ پچاس راتوں تک جاری رہا۔

وضاحت: اس عنوان کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے جائز قطع تعلقی کی صورت بیان کی ہے کہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہے تو اس سے بائیکاٹ کرنا جائز ہے، جس وقت تک وہ توبہ نہ کرے، جب اسے اپنے جرم کا احساس ہوجائے اور اپنے گناہ سے توبہ کرلے تو بائیکاٹ ختم کر دینا چاہیے جیسا کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے واقعے سے معلوم ہوتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا واقعہ دوسرے مقام پر بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔[3] اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں اس کا ذکر کیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ اس واقعے کو کسی مستند تفسیر یا صحیح بخاری کی مذکورہ حدیث سے دوبارہ پڑھ لیں کیونکہ اس میں بہت سامان عبرت ہے۔

٦٠٧٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ

[6078] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے

① مسند أحمد: 2/392، و إرواء الغليل للألباني: 7/92، رقم: 2029. ② سنن أبي داود، الأدب، حديث: 4912.
③ صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4418.

هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنِّي لَأَعْرِفُ غَضَبَكِ وَرِضَاكِ»، قَالَتْ: قُلْتُ: وَكَيْفَ تَعْرِفُ ذَاكَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «إِنَّكِ إِذَا كُنْتِ رَاضِيَةً قُلْتِ: بَلَى وَرَبِّ مُحَمَّدٍ، وَإِذَا كُنْتِ سَاخِطَةً قُلْتِ: لَا وَرَبِّ إِبْرَاهِيمَ»، قَالَتْ: قُلْتُ: أَجَلْ، لَا أَهْجُرُ إِلَّا اسْمَكَ.

[راجع: ٥٢٢٨]

کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمھاری ناراضی اور خوشی کو خوب پہچانتا ہوں۔'' میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ کیسے پہچانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''جب تم خوش ہوتی ہو تو کہتی ہو: کیوں نہیں، مجھے رب محمد ﷺ کی قسم ہے اور جب ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو: نہیں نہیں، مجھے رب ابراہیم علیہ السلام کی قسم ہے۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے عرض کی: ہاں ایسا ہی ہے، میں صرف آپ کا نام لینا چھوڑ دیتی ہوں۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی طبعی امر کی وجہ سے ناراضی کی جا سکتی ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بعض اوقات رسول اللہ ﷺ سے خفا ہو جاتی تھیں اور آپ کا غصہ صرف طبعی غیرت کی وجہ سے ہوتا تھا جو عورتوں کے لیے معاف ہے کیونکہ یہ غیرت خاوند سے زیادہ محبت کی بنا پر ہوتی ہے۔ جب کسی طبعی امر کی بنا پر ناراضی کی جا سکتی ہے تو مخالف شرع کام پر بطریق اولیٰ جائز ہے۔ مخالف شریعت کام اگر زیادہ سنگین ہے تو بائیکاٹ اور ناراضی بھی زیادہ ہونی چاہیے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے پچاس رات تک قطع تعلق کیا تھا اور اگر کسی معاشرتی وجہ سے ناراضی ہو تو خندہ پیشانی ترک ہونی چاہیے، دل میں ناراضی نہیں ہونی چاہیے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعے سے معلوم ہوتا ہے۔ آپ صرف رسول اللہ ﷺ کا نام لینا ترک کر دیتی تھیں، دل میں رسول اللہ ﷺ کی محبت بدستور باقی رہتی تھی۔ واللہ أعلم.[1] ② امام ابوداود رحمہ اللہ میل ملاپ چھوڑنے کی وعید ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اگر یہ قطع تعلقی اللہ تعالیٰ کے لیے ہو تو اس پر یہ وعیدیں نہیں ہیں کیونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ایک آدمی سے اپناہ چہرہ ڈھانپ لیا تھا۔[2]

(٦٤) بَابٌ: هَلْ يَزُورُ صَاحِبَهُ كُلَّ يَوْمٍ، أَوْ بُكْرَةً وَعَشِيًّا؟

باب: 64- کیا اپنے ساتھی سے ہر روز یا صبح شام ملاقات کی جا سکتی ہے؟

وضاحت: ایک مشہور حدیث ہے: ''دیر سے ملاقات کیا کرو، ایسا کرنے سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔''[3] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان سے اس حدیث کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ مہربان دوست کی زیارت، اس کی محبت کے باعث بقدر ضرورت ہر روز کی جا سکتی ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ أعلم.[4]

---

1 فتح الباري: 611/10. 2 سنن أبي داود، الأدب، تحت حديث: 4916. 3 صحيح الترغيب والترهيب، حديث: 2583. شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ 4 فتح الباري: 612/10.

٦٠٧٩ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ مَعْمَرٍ، وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ: قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَأَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ: لَمْ أَعْقِلْ أَبَوَيَّ إِلَّا وَهُمَا يَدِينَانِ الدِّينَ، وَلَمْ يَمُرَّ عَلَيْهِمَا يَوْمٌ إِلَّا يَأْتِينَا فِيهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ طَرَفَيِ النَّهَارِ بُكْرَةً وَعَشِيَّةً، فَبَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوسٌ فِي بَيْتِ أَبِي بَكْرٍ فِي نَحْرِ الظَّهِيرَةِ قَالَ قَائِلٌ: هٰذَا رَسُولُ اللهِ ﷺ، فِي سَاعَةٍ لَمْ يَكُنْ يَأْتِينَا فِيهَا. قَالَ أَبُو بَكْرٍ: مَا جَاءَ بِهِ فِي هٰذِهِ السَّاعَةِ إِلَّا أَمْرٌ. قَالَ: «إِنِّي قَدْ أُذِنَ لِي بِالْخُرُوجِ». [راجع: ٤٧٦]

[6079] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے جب ہوش سنبھالا تو اپنے والدین کو دین اسلام کے تابع پایا۔ ان پر کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا جس میں رسول اللہ ﷺ صبح شام ہمارے پاس تشریف نہ لاتے ہوں۔ ایک مرتبہ ہم سخت دوپہر کے وقت سیدنا ابوبکر ؓ کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ یہ ایسا وقت تھا کہ آپ ﷺ اس وقت تشریف نہیں لاتے تھے، حضرت ابوبکر ؓ نے فرمایا: آپ ﷺ کا اس وقت تشریف لانا کسی خاص وجہ ہی سے ہو سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے مکہ مکرمہ سے باہر چلے جانے کی اجازت مل گئی ہے۔''

فوائد ومسائل: ① مذکورہ حدیث ''حدیث ہجرت'' کے نام سے مشہور ہے۔ امام بخاری ؒ نے اس سے ثابت کیا ہے کہ کسی خاص مقصد کے لیے ہر روز یا صبح شام ملاقات کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس سلسلے میں جو حدیث پیش کی جاتی ہے کہ دیر سے ملاقات کرو اس سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے، یہ صحیح نہیں۔ ② حافظ ابن حجر نے اس کے تمام طرق کو ایک ''جز'' میں جمع کیا ہے، فرماتے ہیں: اگر اسے صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو ان دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ ہر حدیث کا ایک الگ مقصد ہے اور معارض حدیث کے عموم کو خاص کیا جا سکتا ہے کہ ایک مہربان اور مخلص دوست کی زیارت اس کی محبت کی وجہ سے ضرورت کے مطابق ہر روز کی جا سکتی ہے کیونکہ دونوں کے مل بیٹھنے سے کسی نفع کی امید کی جا سکتی ہے لیکن اگر کسی شخص سے کوئی خاص محبت نہیں ہے تو کثرت زیارت بعض اوقات بغض وعناد کا باعث ہو سکتی ہے، پھر قطع تعلقی کا اندیشہ بھی باقی رہتا ہے۔ مہربان دوست سے بار بار ملاقات کرنا محبت والفت میں اضافے کا باعث ہے۔ واللہ أعلم.[1]

(٦٥) بَابُ الزِّيَارَةِ

باب: 65- ملاقات کے لیے جانا

وَمَنْ زَارَ قَوْمًا فَطَعِمَ عِنْدَهُمْ، وَزَارَ سَلْمَانُ أَبَا الدَّرْدَاءِ فِي عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَأَكَلَ عِنْدَهُ.

جس نے احباب کی زیارت کی اور ان کے ہاں کھانا تناول کیا۔ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں حضرت سلمان فارسی ؓ نے حضرت ابو درداء ؓ کی زیارت کی اور ان کے ہاں کھانا کھایا۔

1 فتح الباري: 613/10.

وضاحت: دوست احباب کی ملاقات کے لیے جانا مستحب ہے اور جس سے ملاقات کی جائے اسے چاہیے کہ مہمانوں کی میزبانی کے لیے جو کچھ گھر میں ہے وہ پیش کردے۔ اس سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے اور تعلقات گہرے ہوتے ہیں۔ امام بخاری ؒ نے حضرت سلمان فارسی ؓ کا واقعہ تفصیل کے ساتھ متصل سند سے بھی بیان کیا ہے۔[1]

٦٠٨٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ زَارَ أَهْلَ بَيْتٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَطَعِمَ عِنْدَهُمْ طَعَامًا، فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ، أَمَرَ بِمَكَانٍ مِنَ الْبَيْتِ فَنُضِحَ لَهُ عَلَى بِسَاطٍ فَصَلَّى عَلَيْهِ وَدَعَا لَهُمْ. [راجع: ٦٧٠]

[6080] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلۂ انصار کے ایک گھرانے کی زیارت کی اور ان کے ہاں کھانا تناول فرمایا، جب آپ واپس تشریف لانے لگے تو گھر میں ایک جگہ کے متعلق حکم دیا تو آپ کے لیے چٹائی دھوکر صاف کردی گئی۔ آپ ﷺ نے اس پر نماز پڑھی اور اہل خانہ کے لیے دعا فرمائی۔

فوائدومسائل: ① اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ کسی کی ملاقات کے لیے اس کے گھر جانا، وہاں کھانا تناول کرنا اور اہل خانہ کے لیے دعا کرنا سنت نبوی ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ حضرت عتبان بن مالک ؓ کے گھر تشریف لے گئے، وہاں کھانا کھایا اور اہل خانہ کے لیے دعا فرمائی۔ صحابۂ کرام کا بھی یہی معمول تھا۔[2] ② اللہ تعالیٰ کے لیے کسی سے ملاقات کرنا بھی باعث برکت ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کسی مریض کی تیمارداری کی یا اپنے بھائی کی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ملاقات کی تو فرشتہ آواز دیتا ہے: تیرا آنا خوشگوار ہو، تیرے قدم مبارک ہوں اور تو نے جنت میں اپنا گھر بنالیا ہے۔''[3]

(٦٦) بَابُ مَنْ تَجَمَّلَ لِلْوُفُودِ

باب:66- جس نے وفد کی آمد پر خود کو آراستہ کیا

٦٠٨١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: قَالَ لِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: مَا الْإِسْتَبْرَقُ؟ قُلْتُ: مَا غَلُظَ مِنَ الدِّيبَاجِ وَخَشُنَ مِنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ يَقُولُ: رَأَى عُمَرُ عَلَى رَجُلٍ حُلَّةً مِنِ اسْتَبْرَقٍ،

[6081] حضرت یحییٰ بن ابی اسحاق سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ مجھ سے حضرت سالم بن عبداللہ نے پوچھا کہ استبرق کیا ہوتا ہے؟ میں نے کہا: دیبا سے بنا ہوا موٹا اور خوبصورت کپڑا۔ پھر انھوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے سنا، انھوں نے کہا کہ حضرت عمر ؓ نے ایک شخص کو استبرق کا جوڑا پہنے ہوئے دیکھا تو نبی ﷺ

1 صحيح البخاري، الصوم، حديث: 1968. 2 فتح الباري: 10/613. 3 جامع الترمذي، البر والصلة، حديث: 2008.

فَأَتَى بِهَا النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، اشْتَرِ هٰذِهِ فَالْبَسْهَا لِوَفْدِ النَّاسِ إِذَا قَدِمُوا عَلَيْكَ، فَقَالَ: «إِنَّمَا يَلْبَسُ الْحَرِيرَ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ»، فَمَضَى فِي ذٰلِكَ مَا مَضَى، ثُمَّ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ إِلَيْهِ بِحُلَّةٍ، فَأَتَى بِهَا النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: بَعَثْتَ إِلَيَّ بِهٰذِهِ، وَقَدْ قُلْتَ فِي مِثْلِهَا مَا قُلْتَ؟ قَالَ: «إِنَّمَا بَعَثْتُ إِلَيْكَ لِتُصِيبَ بِهَا مَالًا».

[راجع: ٨٨٦]

کی خدمت میں اسے لے کر حاضر ہوئے اور عرض کی: اللہ کے رسول! آپ اسے خرید لیں اور جب لوگوں کے وفد آپ کے پاس آئیں تو اسے زیب تن کر لیا کریں۔ آپ نے فرمایا: ''اسے تو صرف وہ شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔'' اس کے بعد کچھ مدت گزری تو نبی ﷺ نے خود انھیں ایک ریشمی جوڑا بھیجا، چنانچہ وہ اسے لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اللہ کے رسول! آپ نے یہ جوڑا میرے لیے بھیجا ہے، حالانکہ آپ اس کے متعلق جو ارشاد فرمانا تھا وہ فرما چکے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے یہ تمھارے پاس اس لیے بھیجا ہے کہ تم اس کے ذریعے سے مال حاصل کرو۔''

فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَكْرَهُ الْعَلَمَ فِي الثَّوْبِ لِهٰذَا الْحَدِيثِ.

حضرت ابن عمر ؓ اس حدیث کی وجہ سے کپڑوں پر بیل بوٹے اور نقش و نگار ناپسند کرتے تھے۔

فائدہ: امام بخاری ؒ کے استدلال کی بنیاد وہ الفاظ ہیں جو دوسری روایات میں آئے ہیں، کہ آپ اس ریشمی جوڑے کو خرید لیں تاکہ عید اور وفود کے آمد کے موقع پر خود کو اس سے آراستہ کر لیا کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس امر کا انکار نہیں کیا، بلکہ یہ فرمایا: اس قسم کے ریشمی لباس تو وہ پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا، مطلق طور پر وفد کی آمد پر زیبائش کا انکار نہیں کیا۔ علماء نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ وفود کی آمد پر نفیس تر لباس زیب تن کرنا چاہیے، اس سے انسان کا وقار و احترام دوبالا ہو جاتا ہے۔ واللہ أعلم.

(٦٧) بَابُ الْإِخَاءِ وَالْحِلْفِ

باب: 67- بھائی چارہ قائم کرنا اور قسم اٹھا کر کوئی معاہدہ کرنا

وَقَالَ أَبُو جُحَيْفَةَ: آخَى النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ سَلْمَانَ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ، وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ: لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ آخَى النَّبِيُّ ﷺ بَيْنِي وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ.

حضرت ابو جحیفہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت سلمان فارسی اور حضرت ابو درداء ؓ کے مابین بھائی چارہ قائم کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے کہا: جب ہم مدینہ طیبہ آئے تو نبی ﷺ نے میرے اور سعد بن ربیع ؓ کے درمیان مواخات کا سلسلہ جاری فرمایا۔

وضاحت: رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ پہنچ کر صحابۂ کرام کے درمیان دو مرتبہ بھائی چارہ قائم کیا: ایک تو صرف مہاجرین کے درمیان تھا اور دوسرا مہاجرین اور انصار کے مابین تھا۔ دور جاہلیت میں حلف وہ معاہدہ ہوتا تھا جس کے ذریعے سے وہ ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے، اسلام نے اسے ختم کردیا اور صرف تعاون باہمی کی صورت کو باقی رکھا ہے، یعنی نیکی میں ایک دوسرے کی مدد کا عہد کریں، البتہ حلف وراثت منسوخ ہے۔[1]

٦٠٨٢ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: لَمَّا قَدِمَ عَلَيْنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ فَآخَى النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَهُ وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ».

[راجع: ٢٠٤٩]

[6082] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ ہمارے پاس مدینہ طیبہ آئے تو نبی ﷺ نے ان کے اور سعد بن ربیع ؓ کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا۔ نبی ﷺ نے (حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ سے) فرمایا: ”ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری سے ہو۔“

فائدہ: رسول اللہ ﷺ کے قائم کردہ بھائی چارے کے نتیجے میں انصار کی طرف سے جو ہمدردی اور ایثار کا مظاہرہ ہوا، اس کی مثال اقوام عالم میں نہیں ملتی، چنانچہ حضرت سعد بن ربیع ؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ کو نصف جائیداد دینے کی پیش کش کی بلکہ ان کی دو بیویاں تھیں، انھوں نے مزید کہا: تم کسی ایک بیوی کو پسند کرلو میں اسے طلاق دے کر فارغ کردیتا ہوں تاکہ تم اس سے نکاح کرلو، لیکن انھوں نے ان کی پیش کش سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا بلکہ ان سے بازار کا راستہ پوچھا، محنت و مزدوری کر کے اپنا اور اہل و عیال کا پیٹ پالا، بالآخر ان کی شادی ایک انصاری عورت سے ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ذبح کرو۔“ امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے سلسلۂ مؤاخات کو ثابت کیا ہے۔

٦٠٨٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ صَبَّاحٍ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّا: حَدَّثَنَا عَاصِمٌ قَالَ: قُلْتُ لِأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَبَلَغَكَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «لَا حِلْفَ فِي الْإِسْلَامِ؟» فَقَالَ: قَدْ حَالَفَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ قُرَيْشٍ وَالْأَنْصَارِ فِي دَارِي.

[راجع: ٢٢٩٤]

[6083] حضرت عاصم سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت انس ؓ سے پوچھا: کیا تمھیں یہ خبر پہنچی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اسلام میں عقد حلف نہیں ہے؟“ انھوں نے جواب دیا کہ نبی ﷺ نے خود میرے گھر میں انصار اور قریش کے درمیان عقد حلف منعقد کیا تھا۔

فوائد و مسائل: ① اسلام میں عقد حلف نہیں ہے کیونکہ اس عقد سے باہمی اتفاق کی صورت مطلوب ہوتی ہے اور اسلام نے تمام مسلمانوں کو جمع اور یکجا کردیا ہے اور ان کے دل جوڑ دیے ہیں، اب عقد حلف کی ضرورت نہیں ہے، البتہ اس حدیث سے

1 فتح الباري: 616/10.

معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں عقد حلف کا وجود ہے، بہر حال جس عقد حلف کی نفی ہے اس سے مراد دور جاہلیت کا عہد ہے جس کے ذریعے سے وہ ایک دوسرے کے وارث بھی بنتے تھے، اسلام نے اسے ختم کر دیا ہے، اور جس عقد حلف کا اس حدیث میں ذکر ہے اس سے مراد سلسلۂ مؤاخات ہے اور باہمی تعاون کے لیے عقد حلف کا جواز ہے۔ اسلامی اخوت اور بھائی چارے کا عقد حلف اب بھی موجود ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اسلام نے غیر شرعی حلف عقد کو ختم کیا ہے اور وہ حلف توارث، یعنی ایک دوسرے کا وارث بننے کا عہد ہے، البتہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کا حلف اور عہد جائز ہے کیونکہ اسلامی اخوت اور مظلوم کی مدد کرنا وغیرہ اسلام میں پسندیدہ امر ہے، لہٰذا یہ منسوخ نہیں۔ واللہ أعلم۔ [1]

(٦٨) بَابُ التَّبَسُّمِ وَالضَّحِكِ

باب: 68- مسکرانا اور ہنسنا

وَقَالَتْ فَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ: أَسَرَّ إِلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ فَضَحِكْتُ، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: إِنَّ اللهَ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَى.

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ نبی ﷺ نے مجھ سے راز داری کے طور پر ایک بات کی تو میں ہنس پڑی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ ہی ہنساتا اور رلاتا ہے۔

٦٠٨٤ - حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ مُوسَى: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيَّ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ فَبَتَّ طَلَاقَهَا فَتَزَوَّجَهَا بَعْدَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الزَّبِيرِ فَجَاءَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ رِفَاعَةَ فَطَلَّقَهَا آخِرَ ثَلَاثِ تَطْلِيقَاتٍ فَتَزَوَّجَهَا بَعْدَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الزَّبِيرِ، وَإِنَّهُ وَاللهِ مَا مَعَهُ يَا رَسُولَ اللهِ إِلَّا مِثْلُ هٰذِهِ الْهُدْبَةِ - لِهُدْبَةٍ أَخَذَتْهَا مِنْ جِلْبَابِهَا - قَالَ: وَأَبُو بَكْرٍ جَالِسٌ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ وَابْنُ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ جَالِسٌ بِبَابِ الْحُجْرَةِ لِيُؤْذَنَ لَهُ، فَطَفِقَ خَالِدٌ يُنَادِي أَبَا بَكْرٍ: يَا أَبَا بَكْرٍ، أَلَا تَزْجُرُ هٰذِهِ عَمَّا تَجْهَرُ بِهِ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ وَمَا يَزِيدُ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى

[6084] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور وہ طلاق فیصلہ کن تھی۔ طلاق کے بعد اس عورت سے عبدالرحمٰن بن زبیر رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا۔ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: اللہ کے رسول! میں حضرت رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھی، انھوں نے مجھے تین طلاقوں میں سے آخری طلاق بھی دے دی، پھر مجھ سے عبدالرحمٰن بن زبیر رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا لیکن اللہ کی قسم! اس کے پاس تو اس پھندنے کی طرح ہے۔ اس نے اپنی چادر کا پلو پکڑ کر بتایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور سعید بن عاص کے بیٹے حجرے کے صحن میں بیٹھے تھے تاکہ انھیں اندر آنے کی اجازت دی جائے۔ حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آواز دی: اے ابوبکر! تم اس عورت کو روکتے نہیں ہو کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کس طرح بے

[1] فتح الباري: 617/10.

التَّبَسُّم، ثُمَّ قَالَ: «لَعَلَّكِ تُرِيدِينَ أَنْ تَرْجِعِي إِلَى رِفَاعَةَ، لَا، حَتَّى تَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ وَيَذُوقَ عُسَيْلَتَكِ». [راجع: ٢٦٣٩]

باک ہوکر باتیں کر رہی ہے؟ لیکن رسول اللہ ﷺ یہ باتیں سن کر تبسم کے علاوہ کچھ نہ کرتے تھے۔ پھر آپ نے فرمایا: ''غالبًا تو رفاعہ کے پاس دوبارہ جانا چاہتی ہے، لیکن یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک تو اس کا مزہ نہ چکھ لے اور وہ تیرا مزہ نہ چکھ لے۔''

٦٠٨٥ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ زَيْدِ بْنِ الْخَطَّابِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: اسْتَأْذَنَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ وَعِنْدَهُ نِسْوَةٌ مِنْ قُرَيْشٍ يَسْأَلْنَهُ وَيَسْتَكْثِرْنَهُ، عَالِيَةً أَصْوَاتُهُنَّ عَلَى صَوْتِهِ، فَلَمَّا اسْتَأْذَنَ عُمَرُ تَبَادَرْنَ الْحِجَابَ، فَأَذِنَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَدَخَلَ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَضْحَكُ، فَقَالَ: أَضْحَكَ اللهُ سِنَّكَ يَا رَسُولَ اللهِ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، فَقَالَ: «عَجِبْتُ مِنْ هٰؤُلَاءِ اللَّاتِي كُنَّ عِنْدِي لَمَّا سَمِعْنَ صَوْتَكَ تَبَادَرْنَ الْحِجَابَ»، فَقَالَ: أَنْتَ أَحَقُّ أَنْ يَهَبْنَ يَا رَسُولَ اللهِ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْهِنَّ فَقَالَ: يَا عَدُوَّاتِ أَنْفُسِهِنَّ، أَتَهَبْنَنِي وَلَمْ تَهَبْنَ رَسُولَ اللهِ ﷺ؟ فَقُلْنَ: إِنَّكَ أَفَظُّ وَأَغْلَظُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ. قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِيهٍ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا لَقِيَكَ الشَّيْطَانُ سَالِكًا فَجًّا إِلَّا سَلَكَ فَجًّا غَيْرَ فَجِّكَ». [راجع: ٣٢٩٤]

[6085] حضرت عمر بن خطاب ؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ اس وقت آپ کے پاس ازواج مطہرات جو قریش سے تعلق رکھتی تھیں، آپ سے اخراجات کا تقاضا کر رہی تھیں اور بآواز بلند باتیں کر رہی تھیں۔ جب حضرت عمر ؓ نے اجازت طلب کی تو وہ جلدی سے پس پردہ چلی گئیں۔ نبی ﷺ نے انھیں اجازت دی تو وہ اندر آ گئے۔ نبی ﷺ اس وقت ہنس رہے تھے۔ حضرت عمر ؓ نے کہا: اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اور اللہ تعالیٰ آپ کو ہنساتا رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان پر مجھے حیرت ہوئی جو ابھی میرے پاس (اخراجات کا تقاضا کر رہی) تھیں۔ جب انھوں نے تمھاری آواز سنی تو جلدی سے پس پردہ چلی گئیں۔'' حضرت عمر ؓ نے کہا: اللہ کے رسول! آپ زیادہ حقدار ہیں کہ وہ آپ سے ہیبت زدہ ہوں۔ پھر انھوں نے عورتوں کی طرف متوجہ ہوکر کہا: اے اپنی جانوں کی دشمنو! مجھ سے ڈرتی ہو اور رسول اللہ ﷺ سے نہیں ڈرتی؟ انھوں نے کہا: بلاشبہ تم رسول اللہ ﷺ سے زیادہ سخت گیر اور درشت خو ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابن خطاب! مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر شیطان تمھیں کسی راستے پر آتا دیکھ لے تو وہ تمھارا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے پر چلا جائے گا۔''

٦٠٨٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي الْعَبَّاسِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: لَمَّا كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِالطَّائِفِ قَالَ: «إِنَّا قَافِلُونَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللهُ». فَقَالَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ: لَا نَبْرَحُ أَوْ نَفْتَحَهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «فَاغْدُوا عَلَى الْقِتَالِ»، قَالَ: فَغَدَوْا فَقَاتَلُوهُمْ قِتَالًا شَدِيدًا وَكَثُرَ فِيهِمُ الْجِرَاحَاتُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّا قَافِلُونَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللهُ»، قَالَ: فَسَكَتُوا، فَضَحِكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ.

[6086] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ طائف میں تھے تو آپ نے فرمایا: ''اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو کل ہم واپس چلے جائیں گے۔'' آپ کے کچھ صحابۂ کرام نے کہا: جب تک ہم طائف کو فتح نہ کرلیں واپس نہیں جائیں گے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر یہی بات ہے تو صبح لڑائی کرو۔'' چنانچہ دوسرے دن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جنگ کرنے گئے اور گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اس میں بکثرت صحابۂ کرام زخمی ہوئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان شاء اللہ کل ہم واپس ہوں گے۔'' آپ ﷺ کے اس فیصلے پر تمام صحابۂ کرام خاموش رہے، تو آپ ان کی خاموشی پر ہنس پڑے۔

قَالَ الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بِالْخَبَرِ كُلِّهِ. [راجع: ٤٣٢٥]

حمیدی نے کہا: ہمیں سفیان نے پوری سند کے ساتھ یہ حدیث بیان کی۔

٦٠٨٧ - حَدَّثَنَا مُوسَى: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ: أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: هَلَكْتُ، وَقَعْتُ عَلَى أَهْلِي فِي رَمَضَانَ، قَالَ: «أَعْتِقْ رَقَبَةً»، قَالَ: لَيْسَ لِي، قَالَ: «فَصُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ»، قَالَ: لَا أَسْتَطِيعُ، قَالَ: «فَأَطْعِمْ سِتِّينَ مِسْكِينًا» قَالَ: لَا أَجِدُ. فَأُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِعَرَقٍ فِيهِ تَمْرٌ - قَالَ إِبْرَاهِيمُ: الْعَرَقُ الْمِكْتَلُ - فَقَالَ: «أَيْنَ السَّائِلُ؟ تَصَدَّقْ بِهَا». قَالَ: عَلَى أَفْقَرَ مِنِّي؟ وَاللهِ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا أَهْلُ بَيْتٍ أَفْقَرُ مِنَّا. فَضَحِكَ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ، قَالَ: «فَأَنْتُمْ إِذًا». [راجع: ١٩٣٦]

[6087] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ میں تو تباہ ہوگیا۔ میں نے ماہ رمضان میں اپنی بیوی کے ساتھ جماع کرلیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایک غلام آزاد کر۔'' اس نے کہا: میرے پاس غلام نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''پھر دو ماہ کے مسلسل روزے رکھو۔'' اس نے کہا: ان روزوں کی مجھ میں ہمت نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔'' اس نے کہا: یہ کام بھی میری استطاعت سے باہر ہے۔ اس دوران میں نبی ﷺ کے پاس ایک بڑا ٹوکرا لایا گیا جس میں کھجوریں تھیں...... (راویٔ حدیث) ابراہیم نے کہا ''عرق'' ایک طرح کا پیمانہ ہے...... آپ ﷺ نے فرمایا: ''سائل کہاں ہے؟ لو اسے صدقہ کردو۔'' اس نے کہا: مجھ سے زیادہ جو

ضرورت مند ہوا سے دوں؟ اللہ کی قسم! مدینہ طیبہ کے دونوں کناروں کے درمیان کوئی گھرانہ ہم سے زیادہ محتاج نہیں ہے۔ یہ بات سن کر نبی ﷺ ہنس پڑے حتی کہ آپ کے آخری دانت کھل گئے، پھر فرمایا: ”اچھا پھر اس وقت تم ہی انھیں کھا لو۔“

٦٠٨٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأُوَيْسِيُّ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كُنْتُ أَمْشِي مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَعَلَيْهِ بُرْدٌ نَجْرَانِيٌّ غَلِيظُ الْحَاشِيَةِ فَأَدْرَكَهُ أَعْرَابِيٌّ فَجَبَذَ بِرِدَائِهِ جَبْذَةً شَدِيدَةً، قَالَ أَنَسٌ: فَنَظَرْتُ إِلَى صَفْحَةِ عَاتِقِ النَّبِيِّ ﷺ وَقَدْ أَثَّرَتْ فِيهَا حَاشِيَةُ الرِّدَاءِ مِنْ شِدَّةِ جَبْذَتِهِ، ثُمَّ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ، مُرْ لِي مِنْ مَالِ اللهِ الَّذِي عِنْدَكَ، فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ فَضَحِكَ ثُمَّ أَمَرَ لَهُ بِعَطَاءٍ. [راجع: ٣١٤٩]

[6088] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا اور آپ نے موٹے کنارے والی نجرانی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ اس دوران میں ایک دیہاتی آیا اور اس نے آپ کی چادر بڑے زور سے کھینچی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کے شانہ مبارک کو دیکھا کہ چادر کو زور سے کھینچنے کی بنا پر اس پر نشان پڑ گئے تھے، پھر اس نے کہا: اے محمد! اللہ کا جو مال آپ کے پاس ہے، اس میں سے مجھے دینے کا حکم دیجیے۔ آپ ﷺ نے مڑ کر اسے دیکھا تو آپ ہنس پڑے، پھر آپ نے اس کے لیے مال دینے کا حکم دیا۔

٦٠٨٩ - حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ قَيْسٍ، عَنْ جَرِيرٍ قَالَ: مَا حَجَبَنِي النَّبِيُّ ﷺ مُنْذُ أَسْلَمْتُ وَلَا رَآنِي إِلَّا تَبَسَّمَ فِي وَجْهِي. [راجع: ٣٠٢٠]

[6089] حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے نبی ﷺ نے کبھی مجھے اپنے پاس آنے سے نہیں روکا، نیز آپ جب بھی مجھے دیکھتے تو تبسم فرماتے۔

٦٠٩٠ - وَلَقَدْ شَكَوْتُ إِلَيْهِ أَنِّي لَا أَثْبُتُ عَلَى الْخَيْلِ، فَضَرَبَ بِيَدِهِ فِي صَدْرِي وَقَالَ: «اَللَّهُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا». [راجع: ٣٠٢٠]

[6090] (حضرت جریر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) میں نے آپ ﷺ سے شکایت کی کہ میں گھوڑے پر جم کر نہیں بیٹھ سکتا۔ آپ نے اپنا ہاتھ مبارک میرے سینے پر مارا اور دعا فرمائی: ”اے اللہ! اسے ثابت قدم رکھ، اسے ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا دے۔“

٦٠٩١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا

[6091] حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت

يَحْيَى عَنْ هِشَامٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ: أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ اللهَ لَا يَسْتَحِي مِنَ الْحَقِّ، هَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ غُسْلٌ إِذَا احْتَلَمَتْ؟ قَالَ: «نَعَمْ، إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ». فَضَحِكَتْ أُمُّ سَلَمَةَ فَقَالَتْ: أَتَحْتَلِمُ الْمَرْأَةُ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «فَبِمَ شَبَهُ الْوَلَدِ؟». [راجع: ١٣٠]

ام سلیم ؓ نے عرض کی: اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے نہیں شرماتا، عورت کو جب احتلام ہو جائے تو کیا اس پر بھی غسل واجب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، جب وہ پانی دیکھے۔'' حضرت ام سلمہ ؓ یہ سن کر ہنس پڑیں اور پوچھا: کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''(اگر یہ نہیں ہے تو) پھر بچے کی شکل و صورت (ماں سے) کیوں ملتی جلتی ہے؟''

فوائد و مسائل: ① اسلام ہمیں تمام معاملات میں افراط و تفریط سے ہٹ کر اعتدال پسندی کا حکم دیتا ہے۔ خوشی کے موقع پر ہمیں باچھیں کھول کر ہنسنے کے بجائے مسکراہٹ کا حکم دیتا ہے۔ ہمیں یہ بھی نہیں کہتا کہ ہر وقت ''عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا'' (منہ بنائے رکھنا) کی تصویر پیش کریں۔ ② امام بخاری ؒ نے ان احادیث میں رسول اللہ ﷺ کے ہنسنے اور مسکراہٹ کے انداز کو پیش کیا ہے۔ ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اکثر حالات میں خوشی یا تعجب کے موقع پر ہلکی سی مسکراہٹ پر اکتفا کرتے تھے۔ کبھی کبھی آپ ہنس پڑتے تھے حتی کہ آپ کے اگلے دانت کھل جاتے۔ کثرت سے ہنستے رہنا یا ہاتھوں پر ہاتھ مار کر لوٹ پوٹ ہونا شریعت کو پسند نہیں کیونکہ اس سے انسان کا وقار مجروح ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ ہمارے لیے بہترین نمونہ ہیں، آپ کی اقتدا کو اختیار کیا جائے۔ قرآن کریم نے اس سلسلے میں ان الفاظ میں رہنمائی کی ہے: ''انھیں چاہیے کہ ہنسیں کم اور روئیں زیادہ۔''[1] رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''ہنسا کم کرو کیونکہ زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔''[2] حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابۂ کرام کے پاس آئے جبکہ وہ ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے، آپ نے فرمایا: ''مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تمھیں ان حقائق کا پتا چل جائے جن کا مجھے علم ہے تو تم بہت کم ہنسا کرو اور زیادہ رویا کرو۔''[3]

٦٠٩٢ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنَا عَمْرٌو أَنَّ أَبَا النَّضْرِ حَدَّثَهُ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ مُسْتَجْمِعًا قَطُّ ضَاحِكًا حَتَّى أَرَى مِنْهُ لَهَوَاتِهِ، إِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ. [راجع: ٤٨٢٨]

[6092] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے کبھی نبی ﷺ کو اس طرح کھل کر ہنستے نہیں دیکھا کہ آپ کے تالو کا گوشت نظر آتا ہو۔ آپ صرف تبسم فرمایا کرتے تھے۔

---

[1] التوبة 9:82. [2] سنن ابن ماجه، الزهد، حديث: 4217. [3] الأدب المفرد، حديث: 284.

٦٠٩٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوبٍ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ. وَقَالَ لِي خَلِيفَةُ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَهُوَ يَخْطُبُ بِالْمَدِينَةِ. فَقَالَ: قَحَطَ الْمَطَرُ فَاسْتَسْقِ رَبَّكَ، فَنَظَرَ إِلَى السَّمَاءِ وَمَا نَرَى مِنْ سَحَابٍ فَاسْتَسْقَى، فَنَشَأَ السَّحَابُ بَعْضُهُ إِلَى بَعْضٍ، ثُمَّ مُطِرُوا حَتَّى سَالَتْ مَثَاعِبُ الْمَدِينَةِ، فَمَا زَالَتْ إِلَى الْجُمُعَةِ الْمُقْبِلَةِ مَا تُقْلِعُ، ثُمَّ قَامَ ذٰلِكَ الرَّجُلُ أَوْ غَيْرُهُ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ فَقَالَ: غَرِقْنَا، فَادْعُ رَبَّكَ يَحْبِسْهَا عَنَّا، فَضَحِكَ ثُمَّ قَالَ: «اللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا»، مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، فَجَعَلَ السَّحَابُ يَتَصَدَّعُ عَنِ الْمَدِينَةِ يَمِينًا وَشِمَالًا يُمْطَرُ مَا حَوَالَيْنَا وَلَا يُمْطَرُ فِيهَا شَيْءٌ، يُرِيهِمُ اللّٰهُ كَرَامَةَ نَبِيِّهِ ﷺ وَإِجَابَةَ دَعْوَتِهِ. [راجع: ٩٣٢]

[6093] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی جمعہ کے دن نبی ﷺ کے پاس آیا جبکہ آپ مدینہ طیبہ میں خطبہ دے رہے تھے۔ اس نے عرض کی: بارش کا قحط پڑ گیا ہے، لہٰذا آپ اپنے رب سے بارش کی دعا کریں۔ آپ ﷺ نے آسمان کی طرف دیکھا۔ ہمیں کہیں بھی بادل نظر نہیں آ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے بارش کی دعا کی تو بادل اٹھے اور ایک دوسرے کی طرف جانے لگے، پھر بارش ہونے لگی یہاں تک کہ مدینہ طیبہ کے نالے بہنے لگے۔ اگلے جمعے تک اسی طرح بارش ہوتی رہی اور وہ رکنے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ آئندہ جمعہ وہی شخص یا کوئی اور کھڑا ہوا جبکہ نبی ﷺ خطبہ دے رہے تھے، اس نے کہا: ہم ڈوب گئے، اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ اب بارش بند کر دے۔ آپ ﷺ ہنس پڑے پھر دعا کی: ''اے اللہ! ہمارے اردگرد بارش ہو، ہم پر نہ برسے۔'' دو یا تین مرتبہ آپ نے اس طرح فرمایا، چنانچہ مدینہ طیبہ سے دائیں بائیں بادل چھٹنے لگے۔ ہمارے اردگرد دوسرے مقامات پر بارش ہوتی تھی اور ہمارے ہاں بارش یکدم بند ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اپنے نبی ﷺ کا معجزہ اور دعا کی قبولیت کا منظر دکھایا۔

فوائد ومسائل: ① اس روایت میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ہنسنے کا ذکر ہے مگر رسول اللہ ﷺ کا ہنسنا اکثر طور پر تبسم کے طور پر ہوتا تھا، لیکن ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس قدر کھل کر ہنسے کہ آپ کے آخری دانت (نواجذ) ظاہر ہوگئے۔[1] اور قبل ازیں ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی کھل کر نہیں ہنسے تھے یہاں تک کہ آپ کے تالو کا گوشت نظر آ جاتا، آپ صرف تبسم فرماتے تھے۔ ان احادیث میں کوئی تضاد نہیں، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنا چشم دید واقعہ بیان کیا ہے، الگ الگ مقامات کا بیان ہے۔ ② بہرحال ہمارے ہاں جس طرح مجالس کو کشت زعفران بنانے کا رواج چل نکلا ہے، یہ اسلام کے مزاج کے خلاف ہے۔ ہمیں چاہیے کہ افراط وتفریط کے درمیان اعتدال کا راستہ اختیار کریں۔ واللہ أعلم.

1 صحيح البخاري، الأدب، حديث: 6087.

(٦٩) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى : ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَكُونُوا۟ مَعَ ٱلصَّـٰدِقِينَ﴾ [التوبة: ١١٩] وَمَا يُنْهَى عَنِ الْكَذِبِ

باب: 69- ارشاد باری تعالیٰ: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچ بولنے والوں کے ساتھ ہو جاؤ'' اور جھوٹ بولنے کی ممانعت کا بیان

وضاحت: مذکورہ آیت کریمہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے واقعے کے بعد نتیجے کے طور پر ذکر ہوئی ہے، چنانچہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ خود کہتے ہیں کہ اسلام لانے کے بعد مجھ پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے مجھے سچ بولنے کی توفیق دی بصورت دیگر میں بھی ہلاک ہو جاتا جس طرح دوسرے لوگ جھوٹ بولنے کی بنا پر ہلاک ہو گئے۔[1]

٦٠٩٤ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ، وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ حَتَّى يَكُونَ صِدِّيقًا، وَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ كَذَّابًا».

[6094] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''سچائی، نیکی کا راستہ دکھاتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ اور آدمی سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک وہ صدیق کا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے۔ اور جھوٹ برائی کا راستہ دکھاتا ہے اور برائی دوزخ کی طرف لے جاتی ہے۔ آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ کے ہاں کذّاب (بہت جھوٹا) لکھا جاتا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① انسان سچ بولتے بولتے سچ کا عادی بن جاتا ہے اور اسے سچائی کا ملکہ حاصل ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ صدیق کے درجے پر فائز ہو جاتا ہے جو نبوت سے نچلا مرتبہ ہے، اور جھوٹ کا عادی انسان اللہ تعالیٰ کے ہاں کذاب لکھا جاتا ہے اور تمام مخلوق پر اس کے کذاب ہونے کا القا کیا جاتا ہے۔ ② رسول اللہ ﷺ نے جن تعلیمات پر اپنی دعوت کی بنیاد رکھی تھی ان میں ایک سچائی کو اختیار کرنا بھی ہے، چنانچہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے ہرقل کے دربار میں اس بات کا اقرار کیا تھا،[2] نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایمان وکفر، سچ اور جھوٹ اور امانت وخیانت ایک مسلمان کے دل میں جمع نہیں ہو سکتیں۔''[3]

٦٠٩٥ - حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ ابْنُ جَعْفَرٍ عَنْ أَبِي سُهَيْلٍ نَافِعِ بْنِ مَالِكِ بْنِ أَبِي عَامِرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ

[6095] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب کلام کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور جب اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائے تو

[1] صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4418. [2] صحيح البخاري، بدء الوحي، حديث: 7. [3] مسند أحمد: 349/2.

كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ». (اس میں) خیانت کرے۔''

[راجع: ٣٣]

فوائد ومسائل: ① حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث میں منافق کی چوتھی علامت بھی بیان ہوئی ہے کہ جب کسی سے جھگڑے تو گالی گلوچ پر اتر آئے۔[1] ② اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ مذکورہ صفات جس شخص میں پائی جائیں اور وہ ان کا عادی ہو جائے اس کے منافق ہونے میں کوئی شک نہیں رہتا، لیکن یہ عملی منافق ہے کیونکہ اعتقادی منافق کی شناخت ہم نہیں کر سکتے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد وہ منافق ہوں جو رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں تھے۔ بہرحال اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ ایک مسلمان آدمی اپنے قول وعمل میں جھوٹ کو اختیار نہیں کرتا کیونکہ بات بات پر جھوٹ بولنا یہ منافق کی علامت ہے، لہٰذا اس عادت سے بچنا چاہیے۔

٦٠٩٦ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ: حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «رَأَيْتُ رَجُلَيْنِ أَتَيَانِي، قَالَا: الَّذِي رَأَيْتَهُ يُشَقُّ شِدْقُهُ فَكَذَّابٌ يَكْذِبُ بِالْكَذْبَةِ تُحْمَلُ عَنْهُ حَتَّى تَبْلُغَ الْآفَاقَ فَيُصْنَعُ بِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ». [راجع: ٨٤٥]

[6096] حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میرے پاس (گزشتہ رات خواب میں) دو آدمی آئے، انھوں نے کہا: جسے آپ نے دیکھا کہ اس کے جبڑے چیرے جا رہے تھے، وہ بہت جھوٹ بکنے والا تھا۔ اس کی جھوٹی باتیں اس حد تک نقل کی جاتیں کہ پوری دنیا میں پھیل جاتی تھیں۔ قیامت تک اس کو یہی سزا ملتی رہے گی۔''

فوائد ومسائل: ① یہ حدیث ایک لمبے خواب کا حصہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کو دکھایا گیا تھا، جس میں قیامت کے دن مجرموں کو دی جانے والی سزاؤں کا نقشہ پیش کیا گیا تھا۔ کذاب انسان کو ملنے والی سزا اس طرح تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا جبکہ دوسرا آدمی کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں لوہے کی کنڈی تھی جسے وہ بیٹھنے والے کے جبڑے میں داخل کرتا پھر اسے چیرتا ہوا اس کی گدی تک لے جاتا، اس طرح اس کے دوسرے جبڑے سے کرتا پھر پہلا جبڑا صحیح ہو جاتا، قیامت تک اس کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا رہے گا۔[2] ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس شخص کو منہ میں عذاب دیا جائے گا کیونکہ اس کے جرم کا محل اس کا منہ تھا، وہ اس کے ذریعے سے جھوٹ بولا کرتا تھا۔ پہلی حدیث میں جھوٹے انسان کے انجام کو بیان کیا گیا تھا اور اس حدیث میں اس انجام کی تفصیل ذکر کی گئی ہے۔[3]

(٧٠) بَابُ الْهَدْيِ الصَّالِحِ

باب:70- اچھی سیرت کا بیان

[1] صحيح البخاري، الإيمان، حديث: 34. [2] صحيح البخاري، الجنائز، حديث: 1386. [3] فتح الباري: 625/10.

وضاحت: هَدْي سے مراد وہ اچھا چال چلن ہے جو سنت نبوی کے عین مطابق ہو۔

٦٠٩٧ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي أُسَامَةَ: أَحَدَّثَكُمُ الْأَعْمَشُ: سَمِعْتُ شَقِيقًا قَالَ: سَمِعْتُ حُذَيْفَةَ يَقُولُ: إِنَّ أَشْبَهَ النَّاسِ دَلًّا وَسَمْتًا وَهَدْيًا بِرَسُولِ اللهِ ﷺ لَابْنُ أُمِّ عَبْدٍ مِنْ حِينِ يَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهِ إِلَى أَنْ يَرْجِعَ إِلَيْهِ لَا نَدْرِي مَا يَصْنَعُ فِي أَهْلِهِ إِذَا خَلَا. [راجع: ٣٧٦٢]

[6097] حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ سب لوگوں میں سے اپنی چال ڈھال، وضع قطع اور سیرت و کردار میں رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مشابہت رکھنے والے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔ جب وہ اپنے گھر سے باہر نکلتے اور اس کے بعد دوبارہ اپنے گھر واپس آنے تک ان کا یہی حال رہتا لیکن جب وہ اکیلے گھر میں رہتے تو معلوم نہیں کیا کرتے تھے۔

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کا قائم کردہ عنوان ایک حدیث سے ماخوذ ہے جسے انھوں نے خود ہی بیان کیا ہے، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اچھا کردار، اچھی وضع قطع اور میانہ روی نبوت کا پچیسواں حصہ ہے۔''[1] ② حافظ ابن حجر نے غریب الحدیث کے حوالے سے لکھا ہے: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد ان کے پاس جاتے اور ان کے اقوال و افعال اور حرکات و سکنات دیکھتے تو ان کی مشابہت اختیار کرنے کی کوشش کرتے۔[2] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کو باکمال اور اچھے لوگوں کی سیرت اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ واللہ أعلم.

٦٠٩٨ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُخَارِقٍ قَالَ: سَمِعْتُ طَارِقًا قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: إِنَّ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ، وَأَحْسَنَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ. [انظر: ٧٢٧٧]

[6098] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: یقیناً سب سے اچھا کلام اللہ کی کتاب ہے اور بہترین سیرت، محمد ﷺ کی سیرت ہے۔

فوائد ومسائل: ① یہ حدیث موقوف ہے، بعض روایات میں رسول اللہ ﷺ سے ان الفاظ میں مروی ہے: ''اچھی بات تو کتاب اللہ ہے اور بہترین سیرت رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہے۔''[3] ② اصل دین یہی ہے کہ تمام معاملات میں رسول اللہ ﷺ کے کردار کو اختیار کیا جائے، اس کے علاوہ دین محمدی نہیں بلکہ ابولہب کا طریقہ ہے، علامہ اقبال نے خوب کہا ہے:

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

(٧١) بَابُ الصَّبْرِ فِي الْأَذَى

باب: 71- اذیت و تکلیف پر صبر کرنا

① الأدب المفرد، حديث: 468. ② فتح الباري: 627/10. ③ مسند أحمد: 319/3.

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّمَا يُوَفَّى ٱلصَّٰبِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ [الزمر: ١٠]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''صبر کرنے والوں کو ان کا اجرو ثواب بے حد وحساب دیا جائے گا۔''

وضاحت: صبر کے معنی رکنا ہیں۔ روزے کو صبر کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں اپنے نفس کو کھانے پینے اور میاں بیوی کے تعلقات سے روکا جاتا ہے۔ اذیت پر صبر کرنا نفس کا جہاد ہے۔ آیت کریمہ میں صابرین سے مراد وہ لوگ ہیں جو مصائب وآلام کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں۔ صبر کرنا انبیاء ﷺ اور صلحاء کے اخلاق میں شامل ہے، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ مومن جو لوگوں میں گھل مل کر رہتا اور ان کی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے اس مومن سے کہیں بہتر ہے جو لوگوں میں گھل مل کر نہیں رہتا اور ان کی تکلیفوں پر صبر نہیں کرتا۔''[1]

٦٠٩٩ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي الْأَعْمَشُ عَنْ سَعِيدِ ابْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ، عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَيْسَ أَحَدٌ - أَوْ لَيْسَ شَيْءٌ - أَصْبَرَ عَلَى أَذًى سَمِعَهُ مِنَ اللهِ، إِنَّهُمْ لَيَدْعُونَ لَهُ وَلَدًا، وَإِنَّهُ لَيُعَافِيهِمْ وَيَرْزُقُهُمْ». [انظر: ٧٣٧٨]

[6099] حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''کوئی شخص جو کسی سے اذیت سنے وہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر کرنے والا نہیں ہے۔ لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ٹھہراتے ہیں اور وہ انھیں تندرستی دیتا ہے بلکہ روزی بھی عطا کرتا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں صبر کے معنی حلم وبردباری کے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا جو اس کی طرف اولاد منسوب کرتے ہیں۔ دنیا میں سب سے بڑا الزام وہ ہے جو عیسائیوں نے اللہ تعالیٰ کے ذمے لگایا ہے کہ حضرت مریم ؑ اللہ تعالیٰ کی بیوی اور حضرت عیسیٰ ؑ اس کے بیٹے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ اس قدر حلیم اور بردبار ہے کہ وہ ایسے ظلم پیشہ لوگوں کو جلدی نہیں پکڑتا بلکہ فراوانی کے ساتھ رزق مہیا کرتا ہے۔

٦١٠٠ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: سَمِعْتُ شَقِيقًا يَقُولُ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: قَسَمَ النَّبِيُّ ﷺ قِسْمَةً كَبَعْضِ مَا كَانَ يَقْسِمُ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: وَاللهِ إِنَّهَا لَقِسْمَةٌ مَا أُرِيدَ بِهَا وَجْهُ اللهِ، قُلْتُ: أَمَا

[6100] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے مال غنیمت تقسیم کیا جیسا کہ آپ پہلے بھی کیا کرتے تھے۔ ایک انصاری آدمی نے کہا: اس تقسیم میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا خیال نہیں رکھا گیا۔ میں نے (دل میں) کہا کہ یہ بات میں نبی ﷺ سے ضرور

[1] جامع الترمذي، صفة القيامة، حديث: 2507.

لَأَقُولَنَّ لِلنَّبِيِّ ﷺ. فَأَتَيْتُهُ وَهُوَ فِي أَصْحَابِهِ فَسَارَرْتُهُ، فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَتَغَيَّرَ وَجْهُهُ وَغَضِبَ، حَتَّى وَدِدْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ أَخْبَرْتُهُ، ثُمَّ قَالَ: «قَدْ أُوذِيَ مُوسَى بِأَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَصَبَرَ». [راجع: ٣١٥٠]

ذکر کروں گا، چنانچہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ دیگر صحابۂ کرام ؓ بھی وہاں موجود تھے۔ میں نے چپکے سے یہ بات آپ کے گوش گزار کر دی۔ نبی ﷺ کو یہ بات بہت ناگوار گزری، چہرۂ انور متغیر ہو گیا اور آپ بہت غضب ناک ہوئے یہاں تک کہ میں نے خواہش کی: کاش! میں آپ کو یہ خبر نہ دیتا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: ''موسیٰ ؑ کو اس سے بھی زیادہ اذیت پہنچائی گئی تھی، لیکن انھوں نے صبر سے کام لیا۔''

فوائد ومسائل: ① غزوۂ حنین کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے نئے مسلمانوں کی تالیف قلبی کے لیے اقرع بن حابس کو سو اونٹ، عیینہ بن حصن کو سو اونٹ اور قریش کے سرداروں کو سو، سو اونٹ دیے تو حاضرین میں سے ایک آدمی نے اعتراض کیا کہ اس تقسیم میں عدل وانصاف سے کام نہیں لیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر اللہ اور اس کا رسول عدل وانصاف نہیں کریں گے تو دنیا میں عدل کا علمبردار کون ہوگا۔''[1] ② رسول اللہ ﷺ نے موسیٰ ؑ کو دی جانے والی اذیت سے درج ذیل آیت کی طرف اشارہ فرمایا: ''اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے موسیٰ (ؑ) کو تکلیف دی تھی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (ؑ) کو ان کی بتائی ہوئی باتوں سے بری کر دیا کیونکہ وہ اللہ کے ہاں بڑی عزت والے تھے۔''[2] ③ حافظ ابن حجر نے حضرت موسیٰ ؑ کی اذیت کے متعلق تین قصوں کا ذکر کیا ہے: ایک یہ کہ موسیٰ ؑ ایک جسمانی نقص کا شکار تھے، دوسرا ہارون ؑ کی موت اور تیسرا قارون کے ساتھ ان کا واقعہ تھا۔[3] رسول اللہ ﷺ نے بھی حضرت موسیٰ ؑ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے صبر سے کام لیا اور بے ہودہ بات کہنے والے کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ ﷺ

(٧٢) بَابُ مَنْ لَمْ يُوَاجِهِ النَّاسَ بِالْعِتَابِ

باب: 72- زیر عتاب لوگوں کو مخاطب نہ کرنا

وضاحت: رسول اللہ ﷺ کی سیرت تھی کہ آپ جن پر ناراض ہوتے تو خطاب کے وقت ان کا نام نہیں لیتے تھے بلکہ ایسے حالات میں آپ کا خطاب عمومی ہوتا تھا تاکہ انھیں کسی قسم کی ذلت کا سامنا نہ کرنا پڑے، اس کے علاوہ آپ ﷺ کی صفت حیا کا بھی تقاضا یہی ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کا برسرِ عام نام لے کر ان کی تشہیر نہ کرتے۔

٦١٠١ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ عَنْ مَسْرُوقٍ:

[6101] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے کوئی کام کیا اور لوگوں کو بھی وہ کرنے کی

① صحيح البخاري، فرض الخمس، حديث: 3150. ② الأحزاب 33: 69. ③ فتح الباري: 630/10.

قَالَتْ عَائِشَةُ: صَنَعَ النَّبِيُّ ﷺ شَيْئًا فَرَخَّصَ فِيهِ فَتَنَزَّهَ عَنْهُ قَوْمٌ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ ﷺ فَخَطَبَ فَحَمِدَ اللهَ، ثُمَّ قَالَ: «مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَتَنَزَّهُونَ عَنِ الشَّيْءِ أَصْنَعُهُ؟ فَوَاللهِ إِنِّي لَأَعْلَمُهُمْ بِاللهِ وَأَشَدُّهُمْ لَهُ خَشْيَةً». [انظر: ٧٣٠١]

اجازت دی لیکن کچھ لوگوں نے اس سے پرہیز کرنا اچھا خیال کیا۔ ان کا یہ رویہ نبی ﷺ کو پہنچا تو آپ نے خطبہ دیا، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی، پھر فرمایا: ''ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے جو اس کام سے پرہیز کرتے ہیں جسے میں نے خود کیا ہے؟ اللہ کی قسم! میں اللہ تعالیٰ کو ان سے زیادہ جاننے والا ہوں اور ان سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں۔''

فوائدومسائل: ① رسول اللہ ﷺ جاہلوں کی جہالت پر صبر کرتے، بدویوں کی سختی برداشت کرتے اور ان سے درگزر فرماتے تھے۔ اگر کسی سے کوئی قصور سرزد ہوتا تو اس کا نام لیے بغیر اصلاح کی کوشش فرماتے۔ آپ کی نرمی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سرے سے باز پرس نہ کرتے بلکہ برسرعام ان لوگوں کی تشہیر نہ کرتے تھے۔ ② کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو مباح چیزوں سے پرہیز کو تقویٰ کی بلندی خیال کرتے تھے، حدیث میں اس قسم کے لوگوں کا ذکر ہے جیسا کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ میں صبح جنابت کی حالت میں ہوتا ہوں، میں نے روزہ بھی رکھنا ہوتا ہے، کیا میں پہلے غسل کروں پھر روزہ رکھوں؟ آپ نے فرمایا: ''بعض اوقات میں خود بھی ایسی حالت سے دوچار ہوتا ہوں تو روزہ رکھنے کے بعد غسل کر کے نماز پڑھتا ہوں۔'' اس نے کہا: اللہ کے رسول! آپ ہماری طرح نہیں ہیں۔ آپ کے اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کردیے ہیں۔ اس پر آپ ناراض ہوئے اور فرمایا: ''میں تمھاری نسبت اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔''[1] ③ رخصت پر عمل کرنا تقوی کے خلاف نہیں بلکہ عین تقویٰ ہے۔ بہرحال علماء اور واعظین کو چاہیے کہ وہ وعظ ونصیحت کے وقت رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ مبارکہ کو ضرور پیش نظر رکھا کریں۔

٦١٠٢ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ - هُوَ ابْنُ أَبِي عُتْبَةَ مَوْلَى أَنَسٍ -، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَشَدَّ حَيَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِي خِدْرِهَا، فَإِذَا رَأَى شَيْئًا يَكْرَهُهُ عَرَفْنَاهُ فِي وَجْهِهِ. [راجع: ٣٥٦٢]

[6102] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ پردہ نشین کنواری لڑکیوں سے کہیں زیادہ حیادار تھے۔ جب آپ کوئی ایسی چیز دیکھتے جو آپ کو ناگوار ہوتی تو ہم اسے آپ کے چہرۂ انور سے معلوم کر لیتے تھے۔

فائدہ: رسول اللہ ﷺ اگر کوئی ناگوار کام یا بات ملاحظہ کرتے تھے تو مروت اور شرم کی وجہ سے آپ زبان سے کچھ نہ فرماتے بلکہ ناگواری آپ کے چہرے کی تبدیلی سے معلوم ہوتی تھی، اسی طرح جب کسی کو تنبیہ کرنا مقصود ہوتا تو اس کو معین کر کے

1 صحیح مسلم، الصیام، حدیث: 2593 (1110).

تنبیہ نہ فرماتے اور نہ اس کا سرعام نام ہی لیتے بلکہ آپ کا خطاب عام ہوتا تھا۔ اس شخص کا نام لینے سے حیا مانع ہوتی، اس لیے آپ نام لیے بغیر اصلاح کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔

(٧٣) بَابُ مَنْ أَكْفَرَ أَخَاهُ بِغَيْرِ تَأْوِيلٍ فَهُوَ كَمَا قَالَ

باب: 73- جو اپنے بھائی کو بلا تاویل کافر کہتا ہے وہ اپنے کہنے کے مطابق (خود کافر) ہو جاتا ہے

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے مسئلۂ تکفیر میں وہی موقف اختیار کیا ہے جو عام اہل سنت کا ہے کہ لوگ دیندار ہیں اور شرائع اسلام پر عمل کرتے ہیں، اس کے علاوہ وہ تمام انبیاء علیہم السلام کو ماننے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کتابوں پر یقین رکھنے والے ہیں لیکن عقائد و نظریات میں سنگین قسم کی خرابیوں کے مرتکب ہیں اور عقائد کی خرابی کسی انکار و تکذیب کی وجہ سے نہیں بلکہ معقول تاویل یا جہالت کی وجہ سے ہے تو ایسے لوگوں کو دین اسلام سے خارج قرار نہ دیا جائے اور نہ کسی کو کافر کہا جائے بلکہ اس قسم کے لوگوں سے روایات لینے میں بھی نرم گوشہ رکھا جائے بشرطیکہ وہ عدالت و امانت والے ہوں اور صداقت و پرہیزگاری میں مشہور ہوں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس موقف کی تائید کرتے ہوئے اپنی صحیح میں کئی ایک اسلوب اور انداز اختیار کیے ہیں جن میں ایک درج بالا اور آئندہ عنوان ہے۔ اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ اگر کوئی انسان ایمان کے منافی کسی بات یا عمل کا مرتکب ہوتا ہے اگر اس کا ارتکاب معقول تاویل یا جہالت کی وجہ سے ہے تو اسے دین اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جا سکتا ہاں، اگر کوئی دیدہ دانستہ تاویل و جہالت کے بغیر کسی کفر پر مبنی بات یا کام کا مرتکب ہے تو بلاشبہ وہ کافر اور دین اسلام سے خارج ہے۔ اب اس عنوان کو ثابت کرنے کے لیے چند احادیث پیش کی ہیں۔

٦١٠٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ وَأَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَا: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ: أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِأَخِيهِ: يَا كَافِرُ؛ فَقَدْ بَاءَ بِهِ أَحَدُهُمَا».

[6103] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب کوئی شخص اپنے بھائی کو کہے: اے کافر! تو ان دونوں میں سے ایک ضرور کافر ہو جاتا ہے۔“

وَقَالَ عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ عَنْ يَحْيَى، عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ يَزِيدَ: سَمِعَ أَبَا سَلَمَةَ: سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٦١٠٣]

عکرمہ بن عمار نے یحییٰ سے، انھوں نے عبداللہ بن یزید سے، انھوں نے ابوسلمہ سے، انھوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا۔

٦١٠٤ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ

[6104] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «أَيُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِأَخِيهِ: يَا كَافِرُ، فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا».

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے اپنے کسی بھائی کو کہا: اے کافر! تو ان دونوں میں سے ایک کافر ہو گیا۔''

فوائد ومسائل: ① کسی کو کافر کہنا یا اسے کافر قرار دینا ''تکفیر'' کہلاتا ہے۔ اہل حدیث حضرات نے مسئلۂ تکفیر میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے کیونکہ یہ مسئلہ بہت نزاکت کا حامل ہے۔ یہ ایک دودھاری تلوار ہے جس نے ایک کو ضرور کاٹ دینا ہے۔ جس انسان کو کافر کہا گیا ہے اگر وہ فی الحقیقت کافر نہیں تو یہ کفر، کہنے والے پر لوٹ آئے گا، یعنی کہنے والا کافر ہو جائے گا لیکن یہ اس صورت میں ہوگا جب کہنے والا کسی قسم کی تاویل کے بغیر اسے کافر کہتا ہے۔ اگر وہ دوسرے کو کافر کہنے کے لیے اپنے پاس کوئی معقول وجہ رکھتا ہے تو پھر کسی کو کافر کہنے والا خود کافر نہیں ہوگا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کے اطلاق کو ''معقول تاویل'' کے ساتھ مقید کیا ہے۔ ③ ہمارے اسلاف اس سلسلے میں بڑے محتاط تھے۔ وہ کسی کلمہ گو کو کافر نہیں کہتے تھے۔ انھوں نے مسئلۂ تکفیر کے کچھ قواعد وضوابط مقرر کیے ہیں، اس کے اسباب وشرائط سے ہمیں آگاہ کیا ہے اور موانع کی بھی نشاندہی کی ہے۔ جب تک کسی میں ایسی شرائط نہ پائی جائیں کہ اسے کافر قرار دیا جا سکے اور وہاں کوئی مانع بھی نہ ہو تو قطعی طور پر کسی کو کافر کہنے سے گریز کرنا چاہیے۔

٦١٠٥ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ حَلَفَ بِمِلَّةٍ غَيْرِ الْإِسْلَامِ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ. وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ عُذِّبَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ، وَلَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ، وَمَنْ رَمَى مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَتْلِهِ». [راجع: ١٣٦٣]

[6105] حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جس نے اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کی جھوٹی قسم اٹھائی تو وہ ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسا اس نے کہا ہے۔ اور جس نے کسی چیز سے اپنے آپ کو قتل کر لیا تو اسے جہنم میں اسی چیز سے عذاب دیا جائے گا۔ اور مومن پر لعنت بھیجنا اسے قتل کرنے کے مترادف ہے۔ اور جس نے کسی مومن پر کفر کی تہمت لگائی تو یہ اس کے قتل کے برابر ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اسلام کے سوا کسی مذہب وملت کی قسم یہ ہے کہ وہ یوں کہے: اگر میں نے ایسا کیا تو میں یہودی یا عیسائی ہوا۔ اگر وہ اس قسم میں جھوٹا ہے تو بھی یہودی یا عیسائی ہو جائے گا کیونکہ ایسا کرنا یہودیت یا نصرانیت کی تعظیم ہے اور اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کی تعظیم کرنا کفر ہے۔ ② اس حدیث کا دوسرا جملہ کہ مومن پر لعنت کرنا اسے قتل کرنے کی طرح ہے کیونکہ لعنت کے معنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنا ہے اور کسی کو قتل کرنا بھی دنیاوی زندگی سے دور کرنے کا باعث ہے۔ ③ آخری جملہ یہ ہے کہ مسلمان کو کفر کی طرف منسوب کرنا اسے قتل کرنے کی مانند ہے۔ اس تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ کفر، قتل کا موجب ہے گویا

کفر کی طرف نسبت کرنے والے نے قتل کے سبب کی طرف نسبت کی گویا اسے قتل کر دیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر کسی کی طرف کفر کی نسبت معقول تاویل کی وجہ سے ہے تو وہ قتل کے مانند نہیں ہوگا، یعنی وہ اس وعید کا سزاوار نہیں ہوگا جو حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ واللہ أعلم.

(٧٤) بَابُ مَنْ لَمْ يَرَ إِكْفَارَ مَنْ قَالَ ذٰلِكَ مُتَأَوِّلًا أَوْ جَاهِلًا

باب: 74- جس شخص نے کسی کو تاویل یا جہالت کی وجہ سے کافر کہا تو اس صورت میں خود کافر نہیں ہوگا

وَقَالَ عُمَرُ لِحَاطِبِ بْنِ أَبِي بَلْتَعَةَ: إِنَّهُ نَافَقَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللهَ قَدِ اطَّلَعَ إِلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ: قَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ؟».

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا: وہ منافق ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا: ”تمھیں کیا معلوم، اللہ تعالیٰ نے تو اہل بدر کو عرش پر سے دیکھا اور فرمایا: میں نے تمھیں بخش دیا ہے؟“

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے پہلے یہ وضاحت کی تھی کہ اگر کوئی تاویل کے بغیر کسی کو کافر کہتا ہے تو اگر وہ درحقیقت کافر نہیں تو کہنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ اب اس مسئلے کا دوسرا پہلو بیان کیا ہے کہ اگر اس میں کوئی مانع حائل ہو تو کافر نہیں ہوگا۔ بعض دفعہ تکفیر کے اسباب و شرائط کے باوجود کسی متعین شخص کو کافر قرار دینے میں کوئی رکاوٹ حائل ہو جاتی ہے، اس رکاوٹ کو مانع کہا جاتا ہے۔ وہ موانع اور رکاوٹیں حسب ذیل ہیں: ○ اکراہ ○ تقیہ ○ معقول تاویل ○ جہالت ○ شدت جذبات ○ حالت نشہ ○ مرفوع القلم ○ نقل و حکایت۔ ان تمام موانع کی تفصیل ہم نے اپنی تالیف مسئلۂ ایمان و کفر میں بیان کی ہے، اس کا مطالعہ مفید رہے گا۔ ان شاء اللہ۔ البتہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان میں دو موانع ذکر کیے ہیں: ایک تاویل اور دوسرا جہالت۔ ان کی ہم یہاں تفصیل بیان کرتے ہیں: ○ معقول تاویل: کسی کفریہ کام یا بات کا مرتکب شخص اپنے پاس اگر کوئی معقول تاویل رکھتا ہے تو اسے معذور تصور کیا جائے گا لیکن تاویل کے لیے ضروری ہے کہ الفاظ میں عربی قاعدے کے مطابق اس کی گنجائش ہو اور علمی طور پر اس عمل یا بات کی توجیہ ممکن ہو۔ اگر کسی کو اس کی تاویل سے اتفاق نہ ہو تو اسے کافر کہنے کے بجائے اس تاویل کا بودا پن واضح کیا جائے۔ واضح رہے کہ ہر تاویل تکفیر کے لیے مانع نہیں بن سکتی بلکہ وہ تاویل، تکفیر کے لیے رکاوٹ کا باعث ہوگی جس کی بنیاد کسی شرعی دلیل میں غور و فکر پر ہو لیکن اس شرعی دلیل کو سمجھنے میں اسے غلطی لگ جائے۔ اس قسم کی تاویل کرنے والا معذور ہوگا اور اسے کافر نہیں کہا جائے گا، ہاں اگر تاویل کی بنیاد کوئی شرعی دلیل نہیں بلکہ محض عقل و قیاس اور خواہشات نفس ہیں تو اس قسم کی تاویل کرنے والا معذور نہیں ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے لعین ابلیس سے سوال کیا کہ تو نے آدم کو سجدہ کیوں نہیں کیا؟ تو اس نے جواب دیا: ”میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔“[1] اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی اس تاویل کو کوئی اہمیت ہی نہ دی بلکہ اس کا بودا پن واضح کر کے اسے ہمیشہ کے لیے اپنی رحمت سے دور

---

[1] الأعراف 12:7.

کر دیا۔ اسی طرح باطنی حضرات کی تاویلات ہیں جن کی بنیاد پر انھوں نے شرعی واجبات سے راہ فرار اختیار کی ہے۔ قادیانی حضرات نے تاویلات کا سہارا لے کر مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی تسلیم کیا ہے لیکن انھیں کسی شرعی دلیل کو سمجھنے میں غلطی نہیں لگی کہ انھیں معذور خیال کرتے ہوئے کافر قرار نہ دیا جائے بلکہ یہ مرتدین کا ٹولہ ہے اور ان کی تاویلات محض خواہشات نفس کا پلندہ ہیں، پھر علمائے امت نے ان تاویلات کا بودا پن ان پر واضح کر دیا ہے اور حکومت پاکستان نے بھی قانونی طور پر انھیں خارج از اسلام قرار دیا ہے۔

○ **جہالت اور لاعلمی:** اگر کسی انسان سے جہالت و لاعلمی کی بنا پر کوئی کفریہ کام یا بات سرزد ہو جائے تو اسے بھی معذور تصور کیا جائے گا اور اسے کافر قرار دینے کے بجائے اس کی جہالت دور کی جائے، لیکن اس جہالت کی کچھ حدود و قیود ہیں۔ مطلق جہل کو مانع قرار نہیں دیا جا سکتا، بلکہ اس سے مراد وہ جہالت و لاعلمی ہے جسے کسی وجہ سے انسان دور نہ کر سکتا ہو، خواہ وہ خود مجبور و لاچار ہو یا مصادر علم تک اس کی رسائی ناممکن ہو۔ لیکن اگر کسی انسان میں جہالت دور کرنے کی صلاحیت ہے اور اسے اس قدر ذرائع اور وسائل میسر ہیں کہ وہ اپنی جہالت دور کر سکتا ہے اس کے باوجود وہ کوتاہی کا مرتکب ہے تو ایسے انسان کی جہالت کو کفر سے مانع قرار نہیں دیا جا سکتا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ہم اس وقت تک عذاب نہیں دیا کرتے جب تک اپنا رسول نہ بھیج لیں۔''[1] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت کی ہے کہ جب تک ہم انبیاء ﷺ کے ذریعے سے لوگوں کی جہالت کو دور نہیں کرتے انھیں عذاب سے دوچار کرنا ہمارا دستور نہیں ہے۔ اس آیت کے تحت امام ابن تیمیہ ؒ لکھتے ہیں کہ بندوں پر اتمام حجت کے لیے دو چیزوں کا ہونا لازمی ہے: ○ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ تعلیمات کو حاصل کرنے کی ہمت و استعداد رکھتے ہوں۔ ○ ان پر عمل کرنے کی قدرت ہو، یعنی وہ عاقل، بالغ ہوں۔[2] اس سے معلوم ہوا کہ جہالت و لاعلمی کو اتمام حجت کے سلسلے میں ایک رکاوٹ شمار کیا گیا ہے۔ اس عنوان کو ثابت کرنے کے لیے امام بخاری ؒ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ پیش کیا ہے جسے آپ نے متصل سند کے ساتھ دوسرے مقام پر تفصیل سے بیان کیا ہے۔[3] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو منافق قرار دیا تھا رسول اللہ ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا دفاع تو کیا لیکن ردعمل کے طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کافر یا منافق قرار نہیں دیا کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں ایک معقول تاویل کی بنا پر منافق کہا تھا کہ انھوں نے اہل مکہ کے نام ایک خط لکھا تھا جس میں اسلام اور اہل اسلام کے متعلق ایک اہم راز کی اطلاع دی تھی۔ ایسا کرنا کفار سے دوستی رکھنے کے مترادف ہے۔

٦١٠٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَادَةَ: أَخْبَرَنَا يَزِيدُ: أَخْبَرَنَا سَلِيمٌ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ: حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَانَ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ يَأْتِي قَوْمَهُ فَيُصَلِّي بِهِمُ الصَّلَاةَ، فَقَرَأَ بِهِمُ الْبَقَرَةَ، قَالَ: فَتَجَوَّزَ رَجُلٌ فَصَلَّى صَلَاةً خَفِيفَةً، فَبَلَغَ

[6106] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے ہمراہ نماز (عشاء) پڑھتے، پھر اپنی قوم کے پاس آتے اور انھیں نماز پڑھاتے تھے۔ انھوں نے ایک مرتبہ نماز میں سورۂ بقرہ پڑھی تو ایک صاحب جماعت سے الگ ہو گئے اور ہلکی سی نماز پڑھ لی۔ جب اس بات کا علم حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ہوا تو انھوں نے کہا:

---

[1] بني إسرآئيل 17:15. [2] فتاوی ابن تیمیة: 12/478. [3] صحيح البخاري، المغازي، حديث: 3983.

ذٰلِكَ مُعَاذًا فَقَالَ: إِنَّهُ مُنَافِقٌ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ الرَّجُلَ فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّا قَوْمٌ نَعْمَلُ بِأَيْدِينَا، وَنَسْقِي بِنَوَاضِحِنَا، وَإِنَّ مُعَاذًا صَلَّى بِنَا الْبَارِحَةَ فَقَرَأَ الْبَقَرَةَ، فَتَجَوَّزْتُ فَزَعَمَ أَنِّي مُنَافِقٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَا مُعَاذُ أَفَتَّانٌ أَنْتَ؟ - ثَلَاثًا - اِقْرَأْ ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا﴾ وَ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ وَنَحْوَهُمَا». [راجع: ٧٠٠]

یہ شخص منافق ہے۔ اس آدمی کو معلوم ہوا تو وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اللہ کے رسول! ہم لوگ اپنے ہاتھوں سے محنت و مشقت کرتے ہیں اور اپنے اونٹوں پر پانی بھر کر لاتے ہیں، حضرت معاذ ؓ نے ہمیں کل رات نماز پڑھائی اور سورۂ بقرہ پڑھنا شروع کر دی۔ میں نماز توڑ کر الگ ہو گیا اور ہلکی سی نماز ادا کر لی۔ اس پر حضرت معاذ ؓ نے مجھے منافق خیال کیا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''اے معاذ! کیا تم فتنہ انگیزی کرتے ہو؟ یہ الفاظ آپ نے تین مرتبہ دہرائے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: ''تم ﴿وَالشَّمْسِ وَ ضُحٰهَا﴾ اور ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى﴾ جیسی سورتیں پڑھا کرو۔''

فوائد و مسائل: ① حضرت معاذ ؓ نے مذکورہ شخص کو منافق کہا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کی تکفیر کرنے کے بجائے حضرت معاذ ؓ کو یہ کلمہ کہنے میں معذور خیال کیا کیونکہ حضرت معاذ ؓ اسے منافق کہنے کی ایک معقول وجہ رکھتے تھے کہ جماعت کا تارک منافق ہوتا ہے اور مذکورہ شخص نے جماعت چھوڑ دی تھی، اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ ؓ کو سمجھایا اور سمجھاتے وقت ذرا سخت رویہ اختیار کیا اور آپ کا مقصد یہ تھا کہ اس آدمی کو منافق نہیں کہنا چاہیے تھا، اگرچہ اس بات میں یہ تاویل کی جائے کہ تارک جماعت منافق ہے۔ ② امام کو چاہیے کہ وہ مقتدی حضرات کا خیال رکھے کیونکہ ان میں کمزور، ناتواں، ضرورت مند اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں، جماعت کراتے وقت چھوٹی چھوٹی سورتوں کا انتخاب کیا جائے۔ لمبی سورتیں پڑھ کر لوگوں کو فتنے میں مبتلا نہ کیا جائے۔ امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ اگر کسی کو منافق کہنے میں کوئی معقول تاویل پیش نظر ہے تو کہنے والا منافق نہیں ہوگا بلکہ اسے تاویل کی وجہ سے معذور تصور کیا جائے گا۔

٦١٠٧ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا أَبُو الْمُغِيرَةِ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ حَلَفَ مِنْكُمْ فَقَالَ فِي حَلِفِهِ: بِاللَّاتِ وَالْعُزَّى، فَلْيَقُلْ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ: تَعَالَ أُقَامِرْكَ، فَلْيَتَصَدَّقْ». [راجع: ٤٨٦٠]

[6107] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے جس نے لات اور عزیٰ کی قسم اٹھائی تو اسے لا إله إلا الله پڑھنا چاہیے۔ اور جس نے اپنے ساتھی سے کہا: آؤ! جوا کھیلیں تو اسے بطور کفارہ صدقہ کرنا چاہیے۔''

فوائد ومسائل: ① لات وعزیٰ اور دیگر بتوں کی قسم وہی لوگ اٹھاتے ہیں جو انھیں معبود مانتے ہیں، لیکن ایک مسلمان کے لائق نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ معبودان باطلہ کی قسم اٹھائے۔ اگر لاعلمی یا جلدی سے اس نے ایسا کر لیا ہے تو کلمۂ توحید پڑھ کر اس کی تلافی کرے اور باطل کی نفی کرے کیونکہ لات وعزیٰ بتوں کے نام ہیں اور ان کی قسم اٹھانا گویا ان کی تعظیم بجا لانا ہے۔ ② اگر کوئی انسان کسی بت کی قسم جان بوجھ کر اٹھاتا ہے اور اس کی تعظیم اللہ تعالیٰ کی طرح بجا لاتا ہے تو اس کے مشرک ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ ③ اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ کلمۂ توحید پڑھ کر دوبارہ اسلام میں داخل ہو۔ واللہ المستعان. ④ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اگر کوئی بھول کر یا لاعلمی میں لات وعزیٰ کی قسم اٹھاتا ہے تو اسے جلدی سے ''کلمۂ کفر'' کی تلافی ''کلمۂ توحید'' سے کرنی چاہیے کیونکہ ایمان کے بعد کلمۂ کفر کہنے سے اس کے اعمال ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔[1]

٦١٠٨ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّهُ أَدْرَكَ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ فِي رَكْبٍ وَهُوَ يَحْلِفُ بِأَبِيهِ، فَنَادَاهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَلَا إِنَّ اللهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ، فَمَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللهِ وَإِلَّا فَلْيَصْمُتْ». [راجع: ٢٦٧٩]

[6108] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک قافلے میں پایا جبکہ وہ اپنے باپ کی قسم اٹھا رہے تھے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے انھیں آواز دے کر فرمایا: ''خبردار! اللہ تعالیٰ نے تمھیں اپنے آباؤ اجداد کی قسم کھانے سے منع کیا ہے، لہٰذا اگر کسی نے قسم کھانی ہو تو وہ صرف اللہ کی قسم کھائے یا پھر خاموش رہے۔''

فوائد ومسائل: ① غیر اللہ کی قسم اٹھانا کفر یا شرک ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''جس نے اللہ کے سوا کسی اور چیز کی قسم اٹھائی اس نے کفر یا شرک کا ارتکاب کیا۔''[2] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوران سفر میں اپنے باپ کی قسم اٹھائی لیکن ان کا یہ اقدام لاعلمی کی وجہ سے تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کی لاعلمی اور جہالت کے پیش نظر انھیں کافر یا مشرک قرار نہیں دیا اور نہ انھیں تجدید ایمان ہی کے متعلق کہا بلکہ ان کی لاعلمی دور کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کی قسم اٹھانے سے منع فرمایا ہے۔ ② ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص معقول تاویل یا جہالت کی وجہ سے کافرانہ کام کرتا ہے یا کفریہ بات کہتا ہے تو اسے معذور خیال کرتے ہوئے کافر نہیں کہا جائے گا۔ اس سلسلے میں ہم نے ایک مضمون ''امام بخاری اور فتنۂ تکفیر'' کے عنوان سے لکھا ہے جو ہماری تالیف ''مسئلۂ ایمان وکفر'' کے آخر میں مطبوع ہے، قارئین کرام اس کا ضرور مطالعہ کریں۔ واللہ المستعان.

(٧٥) بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الْغَضَبِ وَالشِّدَّةِ لِأَمْرِ اللهِ تَعَالَى

باب: 75- اللہ تعالیٰ کی خاطر غصہ اور سختی کرنا جائز ہے

وَقَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿جَٰهِدِ ٱلْكُفَّارَ

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''(اے نبی!) کفار ومنافقین کے

1 فتح الباري: 634/10. 2 مسند أحمد: 125/2.

وَالْمُنٰفِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ﴾ [التوبة: ٧٣]. خلاف جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔"

وضاحت: اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل درآمد کرنے کے لیے غصے میں آنا اور سختی کرنا جائز ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا اذیت پر صبر کرنا آپ کے اپنے حق کے متعلق تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے حقوق کی پاسداری کے لیے وہی کچھ کیا جو اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا کہ کفار کے خلاف تلوار اٹھائی اور منافقین پر حجت قائم کر کے ان سے جہاد کیا۔[1]

٦١٠٩ - حَدَّثَنَا يَسَرَةُ بْنُ صَفْوَانَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ وَفِي الْبَيْتِ قِرَامٌ فِيهِ صُوَرٌ، فَتَلَوَّنَ وَجْهُهُ ثُمَّ تَنَاوَلَ السِّتْرَ فَهَتَكَهُ، وَقَالَتْ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مِنْ أَشَدِّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِينَ يُصَوِّرُونَ هٰذِهِ الصُّوَرَ». [راجع: ٢٤٧٩]

[6109] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ میرے ہاں تشریف لائے اور گھر میں ایک پردہ لٹکا ہوا تھا جس پر تصویریں تھیں۔ (اسے دیکھ کر) آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک متغیر ہو گیا۔ پھر آپ نے وہ پردہ پکڑا اور اسے پھاڑ دیا۔ ام المومنین نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن ان لوگوں کو سخت عذاب دیا جائے گا جو یہ تصویریں بناتے ہیں۔"

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے تصویروں والا پردہ دیکھ کر اسے ٹھنڈے پیٹ برداشت نہیں کیا اور نہ کسی قسم کی نرمی ہی کا مظاہرہ کیا بلکہ آپ غصے میں آئے، پردے کو پکڑا اور اسے پھاڑ کر رکھ دیا، پھر آپ نے اس پر وعید بھی سنائی کہ قیامت کے دن ایسے لوگوں کو سخت عذاب دیا جائے گا جو اس طرح کی تصویریں بناتے ہیں۔ ② اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح تصویر کشی حرام اور کبیرہ گناہ ہے، اسی طرح اسے شوق سے گھر میں رکھنا اور دیواروں پر لٹکانا بھی سخت جرم ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ گھر میں ایسی چیزوں پر کڑی نظر رکھیں جو اللہ تعالیٰ کے غضب کا باعث ہیں۔ واللہ المستعان.

٦١١٠ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ: حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: إِنِّي لَأَتَأَخَّرُ عَنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مِنْ أَجْلِ فُلَانٍ مِمَّا يُطِيلُ بِنَا، قَالَ: فَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَطُّ أَشَدَّ غَضَبًا فِي مَوْعِظَةٍ مِنْهُ يَوْمَئِذٍ، قَالَ: فَقَالَ: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ

[6110] حضرت ابو مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: میں فلاں (امام) کی وجہ سے صبح کی نماز با جماعت سے پیچھے رہتا ہوں کیونکہ وہ بہت لمبی نماز پڑھاتا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس دن سے زیادہ وعظ ونصیحت کرتے ہوئے غصے میں کبھی نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے لوگو! تم میں سے کچھ لوگ دوسروں

① فتح الباري: 636/10.

مِنكُمْ مُنَفِّرِينَ، فَأَيُّكُمْ مَا صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيَتَجَوَّزْ فَإِنَّ فِيهِمُ الْمَرِيضَ وَالْكَبِيرَ وَذَا الْحَاجَةِ». [راجع: ٩٠]

کو نفرت دلانے والے ہیں۔ تم میں سے اگر کوئی دوسروں کو نماز پڑھائے تو نماز میں تخفیف کرے کیونکہ نمازیوں میں کوئی بیمار ہوتا ہے، کوئی بوڑھا ہوتا ہے اور کوئی کام کاج کرنے والا ہوتا ہے۔''

فائدہ: اس حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ان ائمۂ مساجد کا بڑی سختی سے نوٹس لیا ہے جو دوران نماز میں اپنے نمازیوں کا خیال نہیں رکھتے بلکہ لمبی لمبی نمازیں پڑھا کر انھیں اس دینی فریضے سے متنفر کرتے ہیں۔ اس میں ہمارے لیے بہت بڑا سبق ہے کہ ہمیں دوران جماعت میں اپنے مقتدی حضرات کا خیال رکھنا چاہیے اور اپنی قراءت کو مختصر کرنا چاہیے، ہاں اگر کوئی اکیلا نماز پڑھ رہا ہو تو وہ لمبی قراءت کر کے اپنا شوق پورا کر سکتا ہے لیکن اسے دوران جماعت میں ایسا کرنے کی اجازت نہیں۔

٦١١١ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: بَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي رَأَى فِي قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ نُخَامَةً فَحَكَّهَا بِيَدِهِ فَتَغَيَّظَ ثُمَّ قَالَ: «إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا كَانَ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّ اللهَ حِيَالَ وَجْهِهِ فَلَا يَتَنَخَّمَنَّ حِيَالَ وَجْهِهِ فِي الصَّلَاةِ». [راجع: ٤٠٦]

[6111] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ اس اثنا میں آپ نے مسجد میں قبلے کی جانب بلغم دیکھا، آپ نے اسے اپنے دست مبارک سے صاف کیا اور غصے ہوئے، پھر فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی آدمی نماز میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ہوتا ہے، لہٰذا کوئی شخص دوران نماز میں اپنے سامنے نہ تھوکے۔''

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے مساجد کو صاف ستھرا اور خوشبودار رکھنے کا حکم دیا ہے۔[1] کیونکہ مساجد، اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ جگہیں ہیں۔[2] ایک اور حدیث میں مسجد میں تھوکنے کو گناہ قرار دیا گیا ہے اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے دفن کر دیا جائے۔[3] ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں قبلے کی جانب تھوک دیکھا تو آپ نے ایک شاخ سے اسے صاف کر دیا، پھر آپ نے اس بلغم والی جگہ پر خوشبو لگائی۔[4] ② رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو صرف اس لیے امامت سے الگ کر دیا تھا کہ اس نے مسجد میں قبلے کی جانب تھوک دیا تھا۔[5] ایسے حالات میں مسجد کے تقدس کو پامال ہوتا دیکھ کر آپ کیسے خاموش رہ سکتے تھے، آپ کا غصہ برمحل اور اللہ تعالیٰ کے لیے تھا۔ جسے آپ نے امامت سے الگ کیا تھا، اسے فرمایا: ''اس کام سے تو نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دی ہے۔''

٦١١٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ

[6112] حضرت زید بن خالد جہنی ؓ سے روایت ہے

1 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 455. 2 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1528 (671). 3 صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 415. 4 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 485. 5 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 481.

جَعْفَرٍ: أَخْبَرَنَا رَبِيعَةُ بْنُ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ: أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ: «عَرِّفْهَا سَنَةً ثُمَّ اعْرِفْ وِكَاءَهَا وَعِفَاصَهَا ثُمَّ اسْتَنْفِقْ بِهَا، فَإِنْ جَاءَ رَبُّهَا فَأَدِّهَا إِلَيْهِ». قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، فَضَالَّةُ الْغَنَمِ؟ قَالَ: «خُذْهَا فَإِنَّمَا هِيَ لَكَ أَوْ لِأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ». قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، فَضَالَّةُ الْإِبِلِ؟ قَالَ: فَغَضِبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَتَّى احْمَرَّتْ وَجْنَتَاهُ - أَوِ احْمَرَّ وَجْهُهُ - ثُمَّ قَالَ: «مَا لَكَ وَلَهَا؟ مَعَهَا حِذَاؤُهَا وَسِقَاؤُهَا حَتَّى يَلْقَاهَا رَبُّهَا». [راجع: ٩١]

کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے گم شدہ چیز کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: ''اس کا ایک سال تک اعلان کرو، پھر اس کے سر بندھن اور توشہ دان کی پہچان رکھو اور اسے استعمال کر لو۔ اگر اس کا مالک آ جائے تو وہ چیز اسے واپس کر دو۔'' پھر اس نے عرض کی: اللہ کے رسول! بھولی بھٹکی بکری کے متعلق کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اسے پکڑ لو۔ وہ تمھارے لیے ہے یا تمھارے بھائی کے لیے یا پھر بھیڑیے کے لیے ہوگی۔'' اس نے کہا: اللہ کے رسول! گم شدہ اونٹ کے متعلق کیا فرمان ہے؟ رسول اللہ ﷺ اس سوال پر اس قدر ناراض ہوئے کہ آپ کے رخسار سرخ ہو گئے یا آپ کا چہرۂ انور سرخ ہو گیا، پھر آپ نے فرمایا: ''تمھیں اس اونٹ سے کیا غرض ہے؟ اس کے ساتھ اس کی جوتی ہے اور پانی کا مشکیزہ ہے۔ کبھی نہ کبھی اس کا مالک اس کو پا لے گا۔''

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ اس لیے ناراض ہوئے کہ سائل کا سوال بے محل تھا۔ اونٹ کے متعلق اسے سوال کرنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اسے کسی چور کے پکڑنے یا کسی درندے کے کھانے کا وہاں کوئی خطرہ نہ تھا۔ ② واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ کا اونٹ کے متعلق مذکورہ فرمان اس وقت کے پر امن حالات کے مطابق ہے، لیکن آج کل حالات یکسر بدل گئے ہیں، چور ڈاکو گلی کوچوں میں دندناتے پھرتے ہیں، ایسے حالات میں اگر اونٹ کو کھلا چھوڑ دیا جائے گا تو ان کے ہتھے چڑھ جائے گا، لہٰذا گم شدہ اونٹ کو باندھ لیا جائے حتی کہ اس کا مالک آئے اور اسے بحفاظت لے جائے۔ واللہ أعلم.

٦١١٣ - وَقَالَ الْمَكِّيُّ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ؛ ح. وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنِي سَالِمٌ أَبُو النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: احْتَجَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حُجَيْرَةً بِخَصَفَةٍ - أَوْ حَصِيرًا - فَخَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي إِلَيْهَا فَتَتَبَّعَ إِلَيْهِ رِجَالٌ جَاءُوا

[6113] حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے کھجور کی شاخوں یا بوریے سے چھوٹا سا حجرہ بنایا۔ وہاں آپ (تہجد کی) نماز پڑھا کرتے تھے۔ چند لوگ وہاں آ گئے اور انھوں نے آپ کی اقتدا میں نماز پڑھنا شروع کر دی۔ پھر وہ دوسری رات آئے اور ٹھہرے رہے لیکن آپ نے ان سے تاخیر کی اور باہر ان کے پاس تشریف نہ لائے۔ لوگ آوازیں بلند کرنے لگے اور دروازے کو کنکریاں مارنا شروع کر دیں۔ رسول اللہ

يُصَلُّونَ بِصَلَاتِهِ، ثُمَّ جَاءُوا لَيْلَةً فَحَضَرُوا، وَأَبْطَأَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْهُمْ فَلَمْ يَخْرُجْ إِلَيْهِمْ، فَرَفَعُوا أَصْوَاتَهُمْ وَحَصَبُوا الْبَابَ فَخَرَجَ إِلَيْهِمْ مُغْضَبًا فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا زَالَ بِكُمْ صَنِيعُكُمْ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُكْتَبُ عَلَيْكُمْ، فَعَلَيْكُمْ بِالصَّلَاةِ فِي بُيُوتِكُمْ؛ فَإِنَّ خَيْرَ صَلَاةِ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ». [راجع: ٧٣١]

ﷺ غصے کی حالت میں باہر تشریف لائے اور فرمایا: ''تمھارے اس انداز سے مجھے خدشہ پیدا ہو گیا تھا کہ یہ نماز تم پر فرض ہو جائے گی۔ تم پر لازم ہے کہ نفل نماز اپنے گھروں میں پڑھو کیونکہ آدمی کی فرض نماز کے علاوہ بہترین نماز وہ ہے جو وہ اپنے گھر میں پڑھے۔''

فوائد ومسائل: ① فرض نماز کا محل تو مساجد ہیں، اس کے علاوہ نوافل کی ادائیگی گھروں میں کی جائے۔ اگر کوئی انسان فرض نماز بھی اپنے گھر میں پڑھتا ہے تو وہ بہت سے ثواب سے محروم رہ جاتا ہے۔ ② صحابۂ کرام ﷺ کی خواہش تھی کہ نماز تہجد آپ کی اقتدا میں ادا کریں، اس لیے انھوں نے اپنی آوازیں بلند کیں اور دروازے کو کنکریاں ماریں، لیکن اس طرح آوازیں بلند کرنا آپ ﷺ کی نماز میں خلل انداز ہوا اور کنکریاں مارنا تو بہت ہی ادب کے خلاف تھا، اس لیے آپ کو غصہ آیا۔ آپ کا یہ اقدام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے قبیل سے تھا، اس لیے آپ کا غصہ اللہ کے لیے تھا، آپ کی ذات کو اس میں کوئی دخل نہیں کیونکہ آپ ذاتی معاملات کے متعلق غصہ نہیں کرتے تھے۔

(٧٦) بَابُ الْحَذَرِ مِنَ الْغَضَبِ

باب: 76- غصے سے اجتناب کرنا

لِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ﴾ [الشورى: ٣٧]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وہ لوگ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں اور جب بھی غصے میں آتے ہیں تو وہ معاف کر دیتے ہیں۔''

وَقَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ﴾ الْآيَةَ [آل عمران: ١٣٤].

اللہ عزوجل کا ایک اور ارشاد ہے: ''جو لوگ خوشحالی اور تنگی میں خرچ کرتے ہیں اور غصے کو پی جانے والے ہیں۔''

٦١١٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ

[6114] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پہلوان وہ نہیں جو کشتی کرتے وقت دوسرے کو بہت زیادہ پچھاڑنے والا ہو بلکہ پہلوان وہ ہے جو

رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرَعَةِ، إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ».

غصے کی حالت میں اپنے آپ پر کنٹرول کرلے۔‘‘

فوائدومسائل: ① نفس، انسان کا بہت بڑا دشمن ہے، جب کوئی اپنے نفس کو کنٹرول کرلیتا ہے اور اس پر قابو پالیتا ہے تو گویا اس نے قوی ترین دشمن پر غلبہ حاصل کرلیا ہے۔ ② آیات میں بھی غصے کے وقت اسے پی جانے والوں کی تعریف کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی درگزر کرنے والوں اور تحمل مزاج لوگوں کو پسند کرتا ہے۔ اس سے مراد ذاتی قسم کا غصہ ہے، اسے پی جانے کا حکم ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ’’اصل پہلوانی یہ ہے کہ جب انسان کو غصہ آئے، جس سے اس کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں اور چہرہ سرخ ہوجائے تو اس وقت وہ اپنے غصے پر کنٹرول کرے۔‘‘[1]

٦١١٥ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ صُرَدٍ قَالَ: اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ وَنَحْنُ عِنْدَهُ جُلُوسٌ، وَأَحَدُهُمَا يَسُبُّ صَاحِبَهُ مُغْضَبًا قَدِ احْمَرَّ وَجْهُهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ، لَوْ قَالَ: أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ». فَقَالُوا لِلرَّجُلِ: أَلَا تَسْمَعُ مَا يَقُولُ النَّبِيُّ ﷺ؟ قَالَ: إِنِّي لَسْتُ بِمَجْنُونٍ. [راجع: ٣٢٨٢]

[6115] حضرت سلیمان بن صرد ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس دو آدمی لڑ پڑے۔ اس وقت ہم بھی آپ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص دوسرے کو گالیاں دے رہا تھا اور اس کا چہرہ سرخ تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ’’میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں اگر یہ شخص اسے کہہ دے تو اس کا غصہ کافور ہوجائے گا۔ کاش! یہ ”أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“ پڑھتا۔‘‘ صحابہ نے کہا: تم سنتے نہیں کہ نبی ﷺ کیا فرمارہے ہیں؟ اس نے کہا: میں دیوانہ نہیں ہوں۔

فوائدومسائل: ① غصے کو دور کرنے والی سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ بندہ توحید حقیقی کو اپنے ذہن میں لائے کہ ہر چیز کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے، اگر اسے کسی کی طرف سے تکلیف پہنچتی ہے تو اس بات کو مستحضر کرے کہ اگر اللہ چاہے تو کوئی غیر مجھ پر مسلط نہیں ہوسکتا۔ اس سے غصہ ختم ہوجائے گا۔ أعوذ بالله من الشيطان الرجيم پڑھنے میں یہی حکمت ہے کہ شیطان اس سے الگ ہوجائے جس کی وسوسہ اندازی سے غصہ پروان چڑھا ہوا ہے۔[2] ② اس شخص نے کہا کہ کیا میں دیوانہ ہوں، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے میرے غصے کا علاج تجویز کیا ہے تو اسے پڑھنے میں کوئی چیز حائل نہیں ہوگی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سن لیا ہے اور وہ کلمہ پڑھ لیا ہے۔ میں پاگل نہیں ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی بات سنوں لیکن اس پر عمل نہ کروں۔ واللہ أعلم.

① مسند أحمد: 367/5. ② فتح الباري: 640/10.

٦١١٦ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ - هُوَ ابْنُ عَيَّاشٍ - عَنْ أَبِي حَصِينٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ: أَوْصِنِي، قَالَ: «لَا تَغْضَبْ»، فَرَدَّدَ مِرَارًا، قَالَ: «لَا تَغْضَبْ».

[6116] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے عرض کی: آپ مجھے کوئی وصیت کریں۔ آپ نے فرمایا: ''غصہ نہ کیا کر۔'' اس نے بار بار اپنے سوال کو دہرایا لیکن آپ یہی جواب دیتے رہے: ''غصے میں نہ آیا کر۔''

فوائد ومسائل: ① تجربہ کار طبیب وہ ہوتا ہے جو مرض کی تشخیص کر کے دوا تجویز کرے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی تشخیص یہ کی کہ وہ بڑا غصہ رکھنے والا آدمی ہے اور اس سے بہت روحانی بیماریاں جنم لیتی ہیں، اس لیے آپ نے فرمایا: ''غصے نہ ہوا کر۔'' ② بعض اہل علم نے یہ معنی کیے ہیں کہ غصے کے اسباب سے بچنے کی کوشش کیا کر اور وہ امور اختیار نہ کیا کر جو غصے کا باعث ہیں کیونکہ غصہ تو ایک فطری چیز ہے، اسے بالکل ختم کرنا ممکن نہیں ہے۔ بہر حال رسول اللہ ﷺ نے اس کی حالت کو ملحوظ رکھتے ہوئے غصہ اور غصے کے اسباب چھوڑ دینے کی وصیت فرمائی۔[1]

(٧٧) بَابُ الْحَيَاءِ

باب: 77- شرم وحیا کا بیان

وضاحت: حیا، انسان پر طاری ہونے والی ایسی کیفیت کا نام ہے جو اسے ایسی چیز کے خوف سے لاحق ہوتی ہے کہ اگر کسی انسان کی نسبت اس کی طرف ہو جائے تو اس انسان کے لیے عیب کی بات ہو اور اس کی مذمت کی جائے۔[2]

٦١١٧ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي السَّوَّارِ الْعَدَوِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ عِمْرَانَ ابْنَ حُصَيْنٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَلْحَيَاءُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِخَيْرٍ»، فَقَالَ بُشَيْرُ بْنُ كَعْبٍ: مَكْتُوبٌ فِي الْحِكْمَةِ: إِنَّ مِنَ الْحَيَاءِ وَقَارًا، وَإِنَّ مِنَ الْحَيَاءِ سَكِينَةً، فَقَالَ لَهُ عِمْرَانُ: أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَتُحَدِّثُنِي عَنْ صَحِيفَتِكَ؟.

[6117] حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''حیا سے ہمیشہ بھلائی پیدا ہوتی ہے۔'' یہ سن کر بشیر بن کعب نے کہا: حکمت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حیا سے وقار پیدا ہوتا ہے اور حیا سے سکون قلب میسر آتا ہے۔ حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تجھے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تو مجھے اپنی (دو ورقی) کتاب کی باتیں سناتا ہے۔

فوائد ومسائل: ① جو شخص حیا کی صفت سے متصف ہوگا اور وہ لوگوں سے حیا کرے گا کہ اگر لوگ اسے فسق و فجور میں مبتلا دیکھیں گے تو کیا کہیں گے ایسا انسان اللہ تعالیٰ سے بہت حیا کرے گا۔ جو انسان اللہ تعالیٰ سے حیا کرتا ہو تو حیا اسے حقوق وواجبات کے ضائع کرنے اور گناہوں کے ارتکاب سے روکے گی کیونکہ حیا فواحش ومنکرات سے منع کرتی ہے اور نیکی پر ابھارتی

1 فتح الباري: 639/10. 2 عمدة القاري: 256/15.

ہے، جیسے ایمان، اہل ایمان کو فسق و فجور سے منع کرتا ہے اور گناہوں سے دور رکھتا ہے، لہٰذا ان امور میں حیا، ایمان کے مساوی ہے اگرچہ حیا ایک طبعی چیز ہے اور ایمان، مومن کا کسبی فعل ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''حیا ایمان کا حصہ ہے۔''[1] ② حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ اس لیے ناراض ہوئے کہ حدیث سننے کے بعد دوسروں کا کلام سننے کی کوئی ضرورت نہیں جبکہ بشیر بن کعب نے حدیث سننے کے بعد حکماء کی حکمت بیان کرنا شروع کر دی۔

٦١١٨ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ: حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَالِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى رَجُلٍ وَهُوَ يُعَاتِبُ أَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ يَقُولُ: إِنَّكَ لَتَسْتَحْيِي - حَتَّى كَأَنَّهُ يَقُولُ: قَدْ أَضَرَّ بِكَ - فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «دَعْهُ، فَإِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْإِيمَانِ». [راجع: ٢٤]

[6118] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو اپنے بھائی پر حیا کی وجہ سے ناراض ہو رہا تھا اور اسے کہہ رہا تھا کہ تو حیا کرتا ہے اور حیا تجھے نقصان پہنچائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: ''اسے چھوڑ دو کیونکہ حیا ایمان کا حصہ ہے۔''

فائدہ: حیا کامل ایمان کا حصہ ہے، اور حیا ایمان سے حاصل ہوتی ہے۔ جس طرح ایمان، مومن کو نافرمانی سے روکتا ہے اور اللہ کی اطاعت پر ابھارتا ہے، اسی طرح حیا فواحش و منکرات سے روکتی ہے اور نیک اعمال کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ جب انسان میں حیا نہ ہو تو بے حیا بن کر اللہ تعالیٰ سے بغاوت پر اتر آتا ہے۔

٦١١٩ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ مَوْلَى أَنَسٍ - قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: اسْمُهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي عُتْبَةَ -: سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ يَقُولُ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَشَدَّ حَيَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِي خِدْرِهَا. [راجع: ٣٥٦٢]

[6119] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ پردہ نشین کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ حیادار تھے۔

فوائد و مسائل: ① حیا کی دو قسمیں ہیں: ایک طبعی اور دوسری کسبی، طبعی حیا انسان کی فطرت اور جبلت میں ہوتی ہے۔ کچھ لوگ طبعًا شرمیلے ہوتے ہیں۔ اور حیا کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ انسان محنت کر کے اسے اپنے اندر پیدا کرتا ہے۔ بعض اوقات طبعی حیا اکتسابی حیا کے لیے معاون بن جاتی ہے اور بعض اوقات اکتسابی حیا انسان کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جس حیا کو ایمان کا حصہ قرار دیا ہے اس سے مراد اکتسابی حیا ہے۔ ② رسول اللہ ﷺ میں حیا کی دونوں قسمیں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی جس حیا کا ذکر ہے وہ طبعی اور فطری ہے اور اکتسابی حیا بھی بہت اعلیٰ درجے کی تھی۔

---

① صحيح البخاري، الإيمان، حديث: 24.

③ شاید امام بخاری رحمہ اللہ نے حیا کے باب میں اس آخری حدیث کو اس لیے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ میں حیا کی دونوں قسموں کو ثابت کیا جائے کہ وہ دونوں آپ ﷺ میں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔[1]

(٧٨) بَابٌ: إِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ

باب: 78- بے حیا باش ہر چہ خواہی کن

٦١٢٠ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ: حَدَّثَنَا أَبُو مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأُولَى: إِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ». [راجع: ٣٤٨٣]

[6120] حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''سابقہ انبیاء کا کلام جو لوگوں کو ملا اس میں یہ بھی ہے کہ جب شرم ہی نہ رہی تو پھر جو دل چاہے وہ کرو۔''

فوائد و مسائل: ① حیا داری ایک ایسی چیز ہے جس پر سابقہ شریعتوں کا اتفاق ہے اور اس شریعت میں بھی یہ منسوخ نہیں ہوئی۔ سابقہ شریعتوں کا یہ کلام ابھی تک باقی ہے کہ ''جب تو بے حیا ہے تو جو چاہے کر'' اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اور پچھلے لوگ حیا کے مستحسن ہونے پر متفق ہیں۔ ② اس کلام نبوت میں صیغۂ امر تہدید (دھمکی) کے لیے ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''تم جو چاہو کرتے چلے جاؤ۔''[2] اس آیت میں کفر و شرک کرنے کی اجازت نہیں بلکہ اس سے مقصود وعید و تہدید ہے، اسی طرح کلام نبوت میں بے حیا کو ہر کام کرنے کا حکم وعید اور ڈانٹ و تنبیہ کے طور پر ہے۔ واللہ أعلم.

(٧٩) بَابُ مَا لَا يُسْتَحْيَا مِنَ الْحَقِّ لِلتَّفَقُّهِ فِي الدِّينِ

باب: 79- دین میں سمجھ حاصل کرنے کے لیے حق پوچھنے سے حیا نہ کی جائے

وضاحت: اس میں کوئی شک نہیں کہ حیا خیر ہی خیر ہے لیکن دینی مسائل اور حقائق کے متعلق سوال کرنے سے حیا کرنا انتہائی قابل مذمت ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس قسم کی حیا کو اس عنوان کے تحت بیان کیا ہے اور اس کے قابل مذمت ہونے کو احادیث سے ثابت کیا ہے۔ گویا حیا کے قابل تعریف ہونے سے کچھ صورتیں مستثنیٰ ہیں جو اس عنوان کے تحت بیان کی جائیں گی۔ واللہ المستعان.

٦١٢١ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ زَيْنَبَ ابْنَةِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا

[6121] حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ حق (کے

1 فتح الباري: 642/10. 2 حٰمٓ السجدة 40:41.

قَالَتْ: جَاءَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ اللهَ لَا يَسْتَحِي مِنَ الْحَقِّ، فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ غُسْلٌ، إِذَا احْتَلَمَتْ؟ فَقَالَ: «نَعَمْ، إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ». [راجع: ١٣٠]

اظہار) سے نہیں شرماتا، کیا عورت کو جب احتلام ہو تو اس پر غسل واجب ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں اگر وہ پانی (مادہ منویہ کی تری) دیکھے تو غسل واجب ہے۔''

فائدہ: دینی امور کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے حیا مانع نہیں ہونی چاہیے، چنانچہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے بطور تعریف وحمد پہلے اللہ تعالیٰ کی صفت بیان کی کہ وہ حق بات بیان کرنے سے حیا نہیں کرتا، پھر ہمیں بھی حق کے متعلق سوال کرنے سے نہیں شرمانا چاہیے، پھر انھوں نے زندگی میں پیش آنے والا ایک سوال کیا جو سراسر شرم و حیا پر مبنی ہے لیکن انھوں نے اس قسم کی حیا کو ایک طرف رکھا، پھر سوال کیا کیونکہ اس قسم کا سوال حصول دین کا ذریعہ تھا۔ اگر وہ حیا کو مدنظر رکھتے ہوئے سوال نہ کرتیں تو ہم اس دینی امر سے محروم رہتے۔

٦١٢٢ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا مُحَارِبُ بْنُ دِثَارٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ شَجَرَةٍ خَضْرَاءَ لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَلَا يَتَحَاتُّ»، فَقَالَ الْقَوْمُ: هِيَ شَجَرَةُ كَذَا، هِيَ شَجَرَةُ كَذَا، فَأَرَدْتُ أَنْ أَقُولَ: هِيَ النَّخْلَةُ - وَأَنَا غُلَامٌ شَابٌّ - فَاسْتَحْيَيْتُ، فَقَالَ: «هِيَ النَّخْلَةُ». [راجع: ٦١]

[6122] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''مومن کی مثال اس سرسبز درخت کی طرح ہے جس کے پتے نہ گرتے ہیں نہ جھڑتے ہیں۔'' صحابۂ کرام نے کہا: یہ فلاں درخت ہے یہ فلاں درخت ہے۔ میں نے کھجور کا درخت بتانے کا ارادہ کیا، میں چونکہ کمسن نوخیز تھا، اس لیے میں نے بتانے سے شرم محسوس کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ درخت کھجور کا ہے۔''

وَعَنْ شُعْبَةَ: حَدَّثَنَا خُبَيْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ مِثْلَهُ. وَزَادَ: فَحَدَّثْتُ بِهِ عُمَرَ، فَقَالَ: لَوْ كُنْتَ قُلْتَهَا لَكَانَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ كَذَا وَكَذَا.

ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے اس بات کا تذکرہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیا تو انھوں نے فرمایا: اگر تم جواب دے دیتے تو مجھے اتنا اتنا مال ملنے سے بھی زیادہ خوشی ہوتی۔

فوائد و مسائل: ① کھجور کے درخت کی مسلمان سے مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ یہ درخت مسلمان کی طرح بہت نفع آور ہے اس کی کوئی چیز رائیگاں نہیں جاتی۔ ② اس حدیث میں وضاحت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما شرم کے مارے خاموش رہے اور صحیح جواب ذہن میں آجانے کے باوجود بتانے سے حیا مانع رہی جس کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بے حد افسوس ہوا اور اپنے لخت جگر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی شرم کو انھوں نے پسند نہ فرمایا کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے سوال کا جواب دینے میں بے محل حیا سے کام لیا، اگر

بتا دیتے تو ہونہار بیٹے کی رسول اللہ ﷺ تحسین فرماتے۔ بہر حال اس قسم کی حیا اچھی نہیں جو کسی کی نیک نامی کے لیے رکاوٹ بن جائے۔ واللہ المستعان.

٦١٢٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا مَرْحُومٌ: سَمِعْتُ ثَابِتًا: أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ تَعْرِضُ عَلَيْهِ نَفْسَهَا، فَقَالَتْ: هَلْ لَكَ حَاجَةٌ فِيَّ؟ فَقَالَتِ ابْنَتُهُ: مَا أَقَلَّ حَيَاءَهَا! فَقَالَ: هِيَ خَيْرٌ مِنْكِ، عَرَضَتْ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ نَفْسَهَا. [راجع: ٥١٢٠]

[6123] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک خاتون نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور خود کو آپ ﷺ سے نکاح کے لیے پیش کرتے ہوئے کہا: کیا آپ کو میری ضرورت ہے؟ اس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بیٹی نے کہا: وہ عورت کس قدر بے حیا تھی! حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ خاتون تم سے تو بہت اچھی تھی، اس نے خود کو رسول اللہ ﷺ سے نکاح کے لیے پیش کیا تھا۔

فائدہ: اس خاتون کا جذبہ کس قدر قابل تعریف ہے کہ اس نے رسمی شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر خود کو رسول اللہ ﷺ سے نکاح کے لیے پیش کیا تاکہ وہ ام المومنین کی سعادت حاصل کر سکے اور اسے دنیا و آخرت میں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت اور آپ کا ساتھ نصیب ہو۔ اس نے یہ اعزاز و شرف حاصل کرنے کے لیے طبعی حیا کی پروا نہیں کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی کو جواب دیا کہ یہ عورت کی بے حیائی نہیں کہ اس نے خود کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا بلکہ اس اعتبار سے تیری نسبت اس کا مقام بہت اونچا ہے، اگر وہ حیا سے کام لیتی تو اسے یہ شرف کیونکر حاصل ہوتا۔

(٨٠) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا»

باب: 80- نبی ﷺ کے ارشاد گرامی: ''آسانی کرو، سختی نہ کرو'' کا بیان

وَكَانَ يُحِبُّ التَّخْفِيفَ وَالْيُسْرَ عَلَى النَّاسِ.

آپ ﷺ لوگوں پر تخفیف اور آسانی کو پسند فرماتے تھے۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پیش کیا جو اس ارشاد باری تعالیٰ سے ماخوذ ہے: ''اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے وہ تمھارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا۔''[1]

٦١٢٤ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ: حَدَّثَنَا النَّضْرُ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ قَالَ: لَمَّا بَعَثَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَمُعَاذَ

[6124] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے انھیں اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو (یمن) بھیجا تو ان سے فرمایا: ''لوگوں کے

1 البقرة 2:185.

ابْنَ جَبَلٍ قَالَ لَهُمَا: «يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا، وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَتَطَاوَعَا». قَالَ أَبُو مُوسَى: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّا بِأَرْضٍ يُصْنَعُ فِيهَا شَرَابٌ مِنَ الْعَسَلِ يُقَالُ لَهُ: الْبِتْعُ، وَشَرَابٌ مِنَ الشَّعِيرِ يُقَالُ لَهُ: الْمِزْرُ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ». [راجع: ٢٢٦١]

لیے آسانیاں پیدا کرنا، انھیں تنگی میں نہ ڈالنا، انھیں خوشخبری سنانا اور نفرت نہ دلانا اور آپس میں اتفاق سے کام کرنا۔" حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! ہم ایسی سرزمین میں جا رہے ہیں جہاں شہد سے شراب تیار کی جاتی ہے جسے "بتع" کہا جاتا ہے اور جو سے بھی شراب کشید کی جاتی ہے جسے مزر کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نشہ لانے والی ہر چیز حرام ہے۔"

٦١٢٥ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا، وَسَكِّنُوا وَلَا تُنَفِّرُوا».

[6125] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "آسانی کرو، تنگی میں نہ ڈالو۔ لوگوں کو تسلی دو، ان کے لیے نفرت کی فضا پیدا نہ کرو۔"

فوائد و مسائل: ① دین اسلام کی بنیاد آسانی پر رکھی گئی ہے جیسا کہ درج ذیل آیات سے معلوم ہوتا ہے: ○ "اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے وہ تمھارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا۔"[1] ○ "اللہ چاہتا ہے کہ تم سے تخفیف کرے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔"[2] ○ "اس نے تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ڈالی۔"[3] اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اسلام قبول کرے تو ابتدائے اسلام میں اس کی تالیف کرو اور اس قدر سختی نہ کرو کہ وہ اس سے نفرت کرتے ہوئے بھاگ جائے۔ ② ابتدا میں جس انسان کے لیے آسانی ہو وہ بعد کی سختی کو بخوشی قبول کر لیتا ہے اور شروع میں اس پر سختی کی جائے تو نتیجہ برعکس نکلتا ہے۔

٦١٢٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ: مَا خُيِّرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْنَ أَمْرَيْنِ قَطُّ إِلَّا أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ إِثْمًا، فَإِنْ كَانَ إِثْمًا كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ، وَمَا انْتَقَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِنَفْسِهِ فِي شَيْءٍ قَطُّ إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللهِ فَيَنْتَقِمُ بِهَا لِلّٰهِ. [راجع: ٣٥٦٠]

[6126] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کو دو کاموں میں اختیار دیا جاتا تو آپ ان دونوں میں سے آسان کو اختیار کرتے بشرطیکہ گناہ نہ ہوتا۔ اگر اس میں گناہ کا کوئی پہلو ہوتا تو آپ اس سے سب لوگوں کی نسبت زیادہ دور رہنے والے ہوتے، نیز رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کریمہ کے لیے کبھی کسی سے کوئی انتقام نہیں لیا، البتہ اگر اللہ کی حرمت کو پامال کیا جاتا تو محض اللہ کی رضا کے لیے اس کا انتقام لیتے تھے۔

[1] البقرۃ 2:185. [2] النسآء 4:28. [3] الحج 22:78.

فائدہ: گناہوں کے کاموں میں اختیار دیے جانے کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کی طرف سے اگر کسی گناہ کے کام کا اختیار دیا جاتا تو آپ اس سے دور رہتے اور اللہ تعالیٰ یا مسلمانوں کی طرف سے اختیار دیے جانے کا مطلب ہے کہ وہ آسانی گناہ تک پہنچانے والی نہ ہوتی، مثلاً: عبادت میں مشقت اور میانہ روی کے درمیان اختیار دیا جائے اور اگر وہ مشقت ہلاکت تک پہنچانے والی ہوتی تو آپ میانہ روی کو پسند کرتے۔ بہر حال رسول اللہ ﷺ اپنی امت پر آسانی اور تخفیف کو پسند فرماتے تھے۔

٦١٢٧ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنِ الْأَزْرَقِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ: كُنَّا عَلَى شَاطِئِ نَهَرٍ بِالْأَهْوَازِ قَدْ نَضَبَ عَنْهُ الْمَاءُ فَجَاءَ أَبُو بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيُّ عَلَى فَرَسٍ فَصَلَّى وَخَلَّى فَرَسَهُ فَانْطَلَقَتِ الْفَرَسُ فَتَرَكَ صَلَاتَهُ وَتَبِعَهَا حَتَّى أَدْرَكَهَا فَأَخَذَهَا، ثُمَّ جَاءَ فَقَضَى صَلَاتَهُ، وَفِينَا رَجُلٌ لَهُ رَأْيٌ، فَأَقْبَلَ يَقُولُ: انْظُرُوا إِلَى هٰذَا الشَّيْخِ، تَرَكَ صَلَاتَهُ مِنْ أَجْلِ فَرَسٍ، فَأَقْبَلَ فَقَالَ: مَا عَنَّفَنِي أَحَدٌ مُنْذُ فَارَقْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ، وَقَالَ: إِنَّ مَنْزِلِي مُتَرَاخٍ فَلَوْ صَلَّيْتُ وَتَرَكْتُ لَمْ آتِ أَهْلِي إِلَى اللَّيْلِ وَذَكَرَ أَنَّهُ صَحِبَ النَّبِيَّ ﷺ فَرَأَى مِنْ تَيْسِيرِهِ. [راجع: ١٢١١]

[6127] حضرت ازرق بن قیس سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم اہواز شہر میں ایک نہر کے کنارے پر تھے جو خشک پڑی تھی۔ وہاں حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور نماز پڑھنے لگے اور گھوڑے کو چھوڑ دیا۔ گھوڑا بھاگنے لگا تو انھوں نے نماز توڑ دی اور اس کا پیچھا کیا حتی کہ اس کو پکڑ لیا، پھر واپس آئے اور نماز ادا کی۔ ہم میں سے ایک آدمی تھا جو خارجیوں کا عقیدہ رکھتا تھا وہ آیا اور کہنے لگا: اس بوڑھے کو دیکھو، اس نے گھوڑے کی وجہ سے نماز چھوڑ دی۔ حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا: جب سے میں رسول اللہ ﷺ سے جدا ہوا ہوں کسی نے مجھے سخت بات نہیں کی۔ مزید فرمایا کہ میرا گھر دور ہے، اگر میں نماز پڑھتا رہتا اور گھوڑے کو چھوڑ دیتا تو اپنے گھر رات تک بھی نہ پہنچ پاتا۔ اور کہا کہ میں نبی ﷺ کی صحبت میں رہا ہوں، میں نے آپ ﷺ کو آسانی کی صورت اختیار کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر دوران نماز میں کسی کی سواری بھاگ جائے تو نماز چھوڑ کر اس کا پیچھا کر سکتا ہے، اسی طرح اگر دوران نماز میں اپنا مال ضائع ہوتا دیکھے تو نماز ترک کر کے اس کی حفاظت کر سکتا ہے، حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق رسول اللہ ﷺ آسان صورت کو اختیار فرماتے خواہ مخواہ مشقت میں نہ پڑتے تھے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے قائم کردہ عنوان ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ آسانی کو پسند کرتے تھے اور جو لوگ دینی معاملات میں سختی کرتے ہیں، ان کا کردار کسی صورت بھی قابل تحسین نہیں ہے۔ واللہ المستعان.

٦١٢٨ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ

[6128] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک

عَنِ الزُّهْرِيِّ؛ ح: وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عُتْبَةَ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُ: أَنَّ أَعْرَابِيًّا بَالَ فِي الْمَسْجِدِ، فَثَارَ إِلَيْهِ النَّاسُ لِيَقَعُوا بِهِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «دَعُوهُ وَأَهْرِيقُوا عَلَى بَوْلِهِ ذَنُوبًا مِنْ مَاءٍ، أَوْ سَجْلًا مِنْ مَاءٍ، فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ». [راجع: ٢٢٠]

دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ لوگ اس کی طرف اسے زجر و توبیخ کرنے کے لیے بڑھے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں فرمایا: ''اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی بہا دو۔ تم تو صرف آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو۔ تم تنگی کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے۔''

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ اگر تم دیہاتی کو دوران پیشاب میں ڈانٹ ڈپٹ کرو گے تو اس کے کپڑے اور بدن پیشاب سے آلودہ ہوں گے، نیز مسجد کی جگہ بھی زیادہ پلید ہو گی، پھر پیشاب رک جانے سے اسے نقصان پہنچنے کا بھی خطرہ ہے، لہٰذا آپ نے آسانی کرتے ہوئے اسے پیشاب کرنے دیا، جب وہ فارغ ہوا تو اسے سمجھایا اور پانی کا ڈول منگوا کر پیشاب کی جگہ پر بہا دیا۔ اس سے دینی معاملات میں آسانی ثابت ہوتی ہے۔ ② بہرحال اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق و کردار پر روشنی پڑتی ہے۔

(٨١) بَابُ الْإِنْبِسَاطِ إِلَى النَّاسِ

باب: 81- لوگوں کے ساتھ خوش مزاجی سے پیش آنا اور اپنے اہل خانہ سے خوش طبعی کرنا

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: خَالِطِ النَّاسَ وَدِينَكَ لَا تَكْلِمَنَّهُ، وَالدُّعَابَةِ مَعَ الْأَهْلِ.

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہو (لیکن اس کی وجہ سے) اپنے دین کو مجروح نہ کرنا۔

وضاحت: شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے لوگوں سے خوش طبعی کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن ہر وقت خوش طبعی اور مذاق میں مصروف رہنا اور اس میں حد سے گزر جانا ممنوع ہے کیونکہ بکثرت ایسا کرنے سے انسان کا رعب اور وقار ختم ہو جاتا ہے۔ جس خوش طبعی میں اس قسم کا خطرہ نہ ہو اسے اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

٦١٢٩ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا أَبُو التَّيَّاحِ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: إِنْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَيُخَالِطُنَا حَتَّى يَقُولَ لِأَخٍ لِي صَغِيرٍ: «يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ

[6129] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ ہم میں گھل مل جاتے تھے یہاں تک کہ میرے چھوٹے بھائی سے فرماتے: ''اے ابو عمیر! تیری نغیر نامی چڑیا نے کیا کیا؟''

النُّغَيْرُ؟». [راجع: ٦٢٠٣]

فوائدومسائل: ① ابوعمیر رضی اللہ عنہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مادری بھائی ہیں۔ ان دونوں کی والدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا ہیں۔ ابوعمیر رضی اللہ عنہ نے گھر میں ایک چڑیا پال رکھی تھی جس سے وہ کھیلا کرتے تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں انتقال کر گئے تھے۔ ② رسول اللہ ﷺ جب ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لاتے تو ابوعمیر رضی اللہ عنہ سے خوش طبعی کرتے ہوئے ان سے چڑیا کا حال چال پوچھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بچوں سے خوش طبعی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ انسان کو خوش مزاج ہونا چاہیے لیکن یہ خوش طبعی شریعت کے اندر ہو۔ واللہ أعلم.

٦١٣٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كُنْتُ أَلْعَبُ بِالْبَنَاتِ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ وَكَانَ لِي صَوَاحِبُ يَلْعَبْنَ مَعِيَ، فَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ يَتَقَمَّعْنَ مِنْهُ فَيُسَرِّبُهُنَّ إِلَيَّ فَيَلْعَبْنَ مَعِي.

[6130] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نبی ﷺ کی موجودگی میں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی۔ میری بہت سی سہیلیاں تھیں جو میرے ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔ جب رسول اللہ ﷺ گھر میں داخل ہوتے تو وہ چھپ جاتیں۔ آپ ﷺ انھیں میرے پاس بھیجتے، پھر وہ میرے ساتھ کھیل میں مصروف ہو جاتیں۔

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ کے قائم کردہ عنوان کے دو جز ہیں: پہلا لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا اور دوسرا اپنے اہل خانہ سے خوش طبعی کرنا۔ اس حدیث میں اپنے اہل خانہ سے خوش طبعی کا بیان ہے۔ اس کی مزید وضاحت ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک یا خیبر سے واپس گھر آئے تو میرے طاقچے کے آگے پردہ لٹکا ہوا تھا۔ ہوا چلی تو اس نے پردے کی ایک جانب اٹھا دی۔ اس وقت سامنے میرے کھلونے اور گڑیاں نظر آئیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''عائشہ! یہ کیا ہے؟'' میں نے کہا: یہ میری گڑیاں ہیں۔ آپ نے ان میں کپڑے کا ایک گھوڑا بھی دیکھا جس کے دو پر تھے۔ آپ نے پوچھا: ''میں ان کے درمیان یہ کیا دیکھ رہا ہوں؟'' میں نے کہا: یہ گھوڑا ہے۔ آپ نے پوچھا: ''اس کے اوپر کیا ہے؟'' میں نے کہا: اس کے دو پر ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''کیا گھوڑے کے بھی پر ہوتے ہیں؟'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے کے پر تھے؟ رسول اللہ ﷺ اس جواب پر اس قدر ہنسے کہ میں نے آپ کی ڈاڑھیں دیکھیں۔[1] رسول اللہ ﷺ کی اپنے اہل خانہ کے ساتھ خوش طبعی کا یہ ایک نمونہ ہے۔ کتب احادیث میں بیسیوں مثالیں موجود ہیں۔

نوٹ: بچوں اور بچیوں کو گڑیوں سے کھیلنے کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ یہ ان کا فطری حق ہے مگر ضروری ہے کہ ان کی تفریحات شریعت کے مزاج کے خلاف نہ ہوں۔ بچیاں اگر اپنے طور پر ہاتھ سے گڑیاں گڈے بنائیں تو جائز ہے، تاہم خیال رہے کہ دور حاضر میں ان کھلونوں کی جو ترقی یافتہ جدید صورت ہے کہ پلاسٹک وغیرہ سے بنے ہوئے کھلونے نقل مطابق اصل

1 سنن أبي داود، الأدب، حديث: 4932.

ہوتے ہیں ان کے متعلق ہمارا رجحان ہے کہ یہ جائز نہیں۔ البتہ یہ ہے کہ انھیں گھروں میں بطور آرائش نمایاں کر کے رکھا جاتا ہے، اس کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ واللہ المستعان.

(٨٢) بَابُ الْمُدَارَاةِ مَعَ النَّاسِ

باب:82-لوگوں کے ساتھ رواداری سے پیش آنا

وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ: إِنَّا لَنَكْشِرُ فِي وُجُوهِ أَقْوَامٍ، وَإِنَّ قُلُوبَنَا لَتَلْعَنُهُمْ.

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا جاتا ہے، انھوں نے کہا: ہم کچھ لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملتے ہیں لیکن ہمارے دل ان پر لعنت کرتے ہیں۔

وضاحت: مروّت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان دوست و دشمن کی تمیز کیے بغیر تمام لوگوں سے حسن اخلاق اور رواداری کا مظاہرہ کرے یہ نفاق نہیں بلکہ نفاق یہ ہے کہ لوگوں سے کہا جائے کہ ہم دل سے محبت کرتے ہیں، حالانکہ دلوں میں حسد و بغض اور کینہ ہو۔ ہمیں مدارات (حسن اخلاق) سے پیش آنا چاہیے لیکن مداہنت نہ کی جائے۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ فسق و فجور میں سرعام مبتلا لوگوں سے نرم مزاجی کی جائے اور دل میں ان کے متعلق برے جذبات ہوں، اسے مداہنت کہتے ہیں جبکہ مدارات یہ ہے کہ بدعمل جہلاء سے نرمی کی جائے اور حسن سلوک کا مظاہرہ کیا جائے تاکہ وہ گناہوں سے رک جائیں۔ مدارات حسن خلق کا حصہ ہے۔ واللہ أعلم.

٦١٣١ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ: حَدَّثَهُ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ: أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّهُ اسْتَأْذَنَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ رَجُلٌ، فَقَالَ: «ائْذَنُوا لَهُ فَبِئْسَ ابْنُ الْعَشِيرَةِ - أَوْ: بِئْسَ أَخُو الْعَشِيرَةِ». فَلَمَّا دَخَلَ أَلَانَ لَهُ الْكَلَامَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، قُلْتَ مَا قُلْتَ ثُمَّ أَلَنْتَ لَهُ فِي الْقَوْلِ؟ فَقَالَ: «أَيْ عَائِشَةُ، إِنَّ شَرَّ النَّاسِ مَنْزِلَةً عِنْدَ اللهِ مَنْ تَرَكَهُ، أَوْ وَدَعَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ فُحْشِهِ». [راجع: ٦٠٣٢]

[6131] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا: ''اسے اجازت دے دو، یہ اپنی قوم کا انتہائی برا آدمی ہے۔'' جب وہ اندر آیا تو آپ نے اس کے ساتھ بڑی نرمی سے گفتگو فرمائی۔ میں نے کہا: اللہ کے رسول! آپ نے اس کے متعلق کیا فرمایا تھا، پھر اتنی نرمی کے ساتھ گفتگو فرمائی؟ آپ نے فرمایا: ''اے عائشہ! اللہ کے نزدیک مرتبے کے اعتبار سے بدترین شخص وہ ہے جسے لوگ اس کی بد زبانی سے محفوظ رہنے کے لیے چھوڑ دیں۔''

فوائد ومسائل: ① ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ منافق انسان ہے۔ میں اس کے نفاق کی وجہ سے رواداری سے کام لیتا ہوں تاکہ وہ میرے خلاف پروپیگنڈا کر کے دوسروں کو خراب نہ کرے۔''[1] واقعی وہ ایسا ہی تھا۔

① مسند الحارث، حديث: 800، والمطالب العالية:66/3، حديث: 2806.

رسول اللہ ﷺ کے بعد وہ مرتد ہوگیا تھا۔[1] ② رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے متعلق جو فرمایا وہ مسلمانوں کے اعتبار سے تھا کہ مسلمانوں میں ایسا شخص اچھا نہیں جس کی فحش کلامی سے بچنے کے لیے اسے چھوڑ دیا جائے ورنہ کافر اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین مقام والا ہے۔ ③ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص علانیہ طور پر فسق و فجور میں مبتلا ہو اس کی غیبت کرنے میں کوئی حرج نہیں تاکہ لوگ اس کے ساتھ کوئی معاملہ کرنے سے پرہیز کریں۔

٦١٣٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ: أَخْبَرَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ: أَخْبَرَنَا أَيُّوبُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُهْدِيَتْ لَهُ أَقْبِيَةٌ مِنْ دِيبَاجٍ مُزَرَّرَةٌ بِالذَّهَبِ فَقَسَمَهَا فِي أُنَاسٍ مِنْ أَصْحَابِهِ وَعَزَلَ مِنْهَا وَاحِدًا لِمَخْرَمَةَ، فَلَمَّا جَاءَ قَالَ: «خَبَّأْتُ هٰذَا لَكَ»، قَالَ أَيُّوبُ بِثَوْبِهِ أَنَّهُ يُرِيهِ إِيَّاهُ، وَكَانَ فِي خُلُقِهِ شَيْءٌ.

[6132] حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کو ریشمی کوٹ بطور ہدیہ پیش کیے گئے جنھیں سونے کے بٹن لگے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے وہ کوٹ اپنے صحابۂ کرام میں تقسیم کر دیے اور ان میں سے ایک حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ کے لیے علیحدہ کر لیا۔ جب حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ آئے تو آپ نے فرمایا: ''میں نے تیرے لیے یہ کوٹ چھپا رکھا تھا۔'' (راوئ حدیث) ایوب نے کہا کہ آپ ﷺ نے وہ کوٹ اپنے کپڑے میں چھپا رکھا تھا اور اسے سونے کے بٹن دکھا رہے تھے کیونکہ وہ ذرا سخت مزاج آدمی تھے۔

وَرَوَاهُ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ. وَقَالَ حَاتِمُ بْنُ وَرْدَانَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنِ الْمِسْوَرِ: قَدِمَتْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ أَقْبِيَةٌ. [راجع: ٢٥٩٩]

اس حدیث کو حماد بن زید نے بھی ایوب کے واسطے سے روایت کیا ہے۔ حاتم بن وردان نے کہا: ہمیں ایوب نے ابن ابی ملیکہ سے بیان کیا، انھوں نے حضرت مسور رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی ﷺ کے پاس چند کوٹ بطور تحفہ آئے ...... (پھر اسی طرح حدیث بیان کی)۔

فائدہ: رسول اللہ ﷺ کا لوگوں کے ساتھ برتاؤ بہت اچھا ہوتا تھا، اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا تو بہت خیال رکھتے تھے۔ حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ کی طبیعت میں کچھ سختی تھی، اس سختی کے اثرات ان کی زبان پر تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس چند ریشمی کوٹ آئے تو آپ نے انھیں اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم کر دیا۔ چونکہ حضرت مخرمہ کی طبیعت سے واقف تھے، اس لیے آپ نے ان کے لیے ایک کوٹ علیحدہ کر دیا، ادھر حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ کو پتا چلا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ریشمی کوٹ آئے ہیں لیکن مجھے محروم کر دیا گیا ہے تو اپنے بیٹے حضرت مسور رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر نبی ﷺ کے گھر آئے اور اپنے بیٹے سے کہا: جاؤ، رسول اللہ ﷺ کو بلا کر لاؤ۔ حضرت مسور رضی اللہ عنہ پر یہ بات بہت گراں گزری کہ میں ان کے لیے رسول اللہ ﷺ کو بلا کر لاؤں۔ رسول اللہ ﷺ گھر میں بیٹھے باپ بیٹے کی گفتگو سن رہے تھے۔ آپ اٹھے اور کوٹ لے کر باہر آئے اور حضرت مخرمہ رضی اللہ عنہ کو اس کے محاسن دکھائے پھر انھیں

[1] عمدة القاري: 266/15.

عنایت کر دیا اور فرمایا: ''میں نے آپ کے لیے اسے پہلے ہی علیحدہ کر دیا تھا۔'' چنانچہ حضرت مخرمہ راضی ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ کی رواداری کی یہ بہت اعلیٰ مثال ہے۔

(٨٣) بَابٌ: لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ مَرَّتَيْنِ

باب: 83- مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا

وَقَالَ مُعَاوِيَةُ: لَا حَكِيمَ إِلَّا ذُو تَجْرِبَةٍ.

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آدمی تجربے سے دانا بنتا ہے۔

وضاحت: مسلمان کو جب ایک بار کسی چیز کا تجربہ ہو جائے اور تجربے کے بعد پتا چلے کہ یہ میرے لیے نقصان دہ ہے تو پھر دوبارہ دھوکا نہیں کھاتا بلکہ ہوشیار رہتا ہے جیسا کہ مشہور ضرب المثل ہے: ''دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک کر پیتا ہے۔''

٦١٣٣ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: «لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ».

[6133] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''مومن کو ایک سوراخ سے دوبارہ ڈنگ نہیں لگ سکتا۔''

فوائد و مسائل: ① ایک پختہ کار اور زیرک مسلمان تو ایک دفعہ دھوکا کھانے کے بعد ہوشیار ہو جاتا ہے لیکن غفلت شعار مسلمان بار بار دھوکا کھا لیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ الفاظ اس وقت استعمال فرمائے جب ابو عزہ جمحی جنگ بدر میں مسلمانوں کا قیدی بنا تو اس نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنے اہل و عیال اور تنگ دستی کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے اس پر احسان کرتے ہوئے فدیے کے بغیر اسے آزاد کر دیا، پھر وہ جنگ احد میں مسلمانوں سے لڑنے کے لیے آ گیا تو مسلمانوں نے اسے گرفتار کر لیا اس نے پھر عذر کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اب تو مکے نہیں جا سکتا۔ مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا، اس کے بعد آپ نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔[1]

(٨٤) بَابُ حَقِّ الضَّيْفِ

باب: 84- مہمان کا حق

٦١٣٤ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ: حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ: حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ

[6134] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے

① فتح الباري: 651/10.

أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَقُومُ اللَّيْلَ وَتَصُومُ النَّهَارَ؟» قُلْتُ: بَلَى، قَالَ «فَلَا تَفْعَلْ، قُمْ وَنَمْ وَصُمْ وَأَفْطِرْ، فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّكَ عَسَى أَنْ يَطُولَ بِكَ عُمُرٌ، وَإِنَّ مِنْ حَسْبِكَ أَنْ تَصُومَ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَإِنَّ بِكُلِّ حَسَنَةٍ عَشْرَ أَمْثَالِهَا، فَذٰلِكَ الدَّهْرُ كُلُّهُ». قَالَ: فَشَدَّدْتُ فَشُدِّدَ عَلَيَّ فَقُلْتُ: فَإِنِّي أُطِيقُ غَيْرَ ذٰلِكَ، قَالَ: «فَصُمْ مِنْ كُلِّ جُمُعَةٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ»، قَالَ: فَشَدَّدْتُ فَشُدِّدَ عَلَيَّ، قُلْتُ: إِنِّي أُطِيقُ غَيْرَ ذٰلِكَ، قَالَ: «فَصُمْ صَوْمَ نَبِيِّ اللهِ دَاوُدَ»، قُلْتُ: وَمَا صَوْمُ نَبِيِّ اللهِ دَاوُدَ؟ قَالَ: «نِصْفُ الدَّهْرِ». [راجع: ١١٣١]

تو فرمایا: ''کیا میری خبر صحیح ہے کہ تم رات بھر قیام کرتے ہو اور دن کا روزہ رکھتے ہو؟'' میں نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''ایسا نہ کرو، نماز پڑھو اور آرام بھی کرو، روزہ رکھو اور افطار بھی کرو۔ بے شک تمھارے جسم کا تم پر حق ہے، تمھاری آنکھوں کا تم پر حق ہے، تم سے ملاقات کے لیے آنے والوں کا بھی تم پر حق ہے، تمھاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔ امید ہے کہ تمھاری عمر لمبی ہوگی۔ تمھارے لیے یہی کافی ہے کہ ہر مہینے میں تین روزے رکھو کیونکہ ہر نیکی کا بدلہ دس گناہ ملتا ہے اس طرح زندگی بھر کے روزوں کا ثواب ہوگا۔'' حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے اپنی جان پر سختی کی تو مجھ پر سختی کر دی گئی، میں نے کہا: میں اس سے بھی زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر تم اللہ کے نبی حضرت داود علیہ السلام کی طرح روزے رکھو۔'' میں نے عرض کی: اللہ کے نبی داود علیہ السلام کا روزہ کیا تھا؟ آپ نے فرمایا: ''نصف زمانے (آدھی زندگی) کے روزے، یعنی ایک دن روزہ اور ایک دن افطار۔''

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں تعلیم دی ہے کہ انسان کو اعتدال کی پالیسی اختیار کرنی چاہیے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرے اور دنیا کی زندگی سے جائز حد تک لطف اندوز بھی ہوتا رہے۔ سنت نبوی یہی ہے کہ بیوی بچوں کے حقوق بھی ادا کیے جائیں اور اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی پامال نہ ہونے پائیں۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ مہمان کا حق ادا کرنا بھی ضروری ہے، وہ صرف کھانا دینا ہی نہیں بلکہ اس کے پاس بیٹھنا، اس سے مانوس ہونا، اس کی احوال اور مزاج پرسی کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر دن کا روزہ اور رات کا قیام کرے گا تو مہمان کا حق کیسے ادا کر سکے گا۔ واللہ أعلم.

(٨٥) بَابُ إِكْرَامِ الضَّيْفِ وَخِدْمَتِهِ إِيَّاهُ بِنَفْسِهِ

باب: 85- مہمان کی عزت کرنا اور بذات خود اس کی خدمت کرنا

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ﴾ [الذاريات: ٢٤]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ابراہیم کے معزز مہمان۔''

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: يُقَالُ: هُوَ زَوْرٌ، وَهٰؤُلَاءِ زَوْرٌ، وَضَيْفٌ؛ وَمَعْنَاهُ: أَضْيَافُهُ وَزُوَّارُهُ، لِأَنَّهَا مَصْدَرٌ مِثْلُ: قَوْمٍ رِضًا وَعَدْلٍ، يُقَالُ: مَاءٌ غَوْرٌ وَبِئْرٌ غَوْرٌ، وَمَاءَانِ غَوْرٌ وَمِيَاهٌ غَوْرٌ. وَيُقَالُ: الْغَوْرُ الْغَائِرُ لَا تَنَالُهُ الدِّلَاءُ، كُلُّ شَيْءٍ غُرْتَ فِيهِ فَهُوَ مَغَارَةٌ.

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے کہا: هُوَزَوْرٌ وَ هٰؤُلَاءِ زَوْرٌ وَضَيْفٌ کے معنی ہیں: اضیاف اور زوّار کیونکہ یہ مصدر ہیں، جیسے قَوْمٍ رِضًا اور عَدْلٍ ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: مَاءٌ غَوْرٌ اور بِئْرٌ غَوْرٌ و مَاءَانِ غَوْرٌ اور مِيَاهٌ غَوْرٌ، نیز کہا جاتا ہے کہ الغور کے معنی ہیں: الغائِر، یعنی گہرا پانی جہاں ڈول نہ پہنچ سکے اور ہر چیز جس میں تو گھس جائے وہ مغارہ ہے۔

﴿تَزَاوَرُ﴾ [الكهف:١٧]: تَمِيلُ مِنَ الزَّوَرِ، وَالْأَزْوَرُ: الْأَمْيَلُ.

تَزَاوَرُ کے معنی ہیں: ایک طرف جھک جانا۔ یہ زَوْر سے مشتق ہے۔ اور أَزْوَر کے معنی ہیں: بہت جھکا ہوا۔

وضاحت: مہمانوں کے سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”کیا تیرے پاس ابراہیم (علیہ السلام) کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی ہے۔“[1] اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ مہمان قابل احترام ہوتا ہے۔ اس کا اکرام و احترام کرنا چاہیے کیونکہ آیت کریمہ میں مہمانوں کی صفت ”مکرمین“ کے الفاظ سے بیان ہوئی ہے، پھر ان کی مہمان نوازی خود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی، اس لیے میزبان کو بذات خود یہ خدمت بجالانا چاہیے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے لغوی بحث بھی کی ہے جس کا عوام الناس کو کوئی فائدہ نہیں، اس لیے ہم اس کی وضاحت کو نظر انداز کرتے ہیں۔

٦١٣٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْكَعْبِيِّ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، جَائِزَتُهُ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ، وَالضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ فَمَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ، وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَثْوِيَ عِنْدَهُ حَتَّى يُحْرِجَهُ». [راجع: ٦٠١٩]

[6135] حضرت ابوشریح کعبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اللہ پر ایمان اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔ اس کی خاطر مدارات ایک دن رات ہے اور میزبانی تین دن تک ہے اور جو اس کے بعد ہو وہ صدقہ ہے۔ اس (مہمان) کے لیے جائز نہیں کہ اس (میزبان) کے پاس اتنا ٹھہرے کہ اسے تنگ کر دے۔“

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ مِثْلَهُ، وَزَادَ: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ».

امام مالک کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ جو کوئی اللہ پر ایمان اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اچھی بات کرے ورنہ خاموش ہی رہے۔

٦١٣٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ

[6136] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی

[1] الذاريات 24:51.

مَهْدِيٍّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي حَصِينٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ». [راجع: ٥١٨٥]

ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ پر ایمان اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے۔ جو شخص اللہ پر ایمان اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔ اور جو شخص اللہ پر ایمان اور آخرت پر یقین رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اچھی بات کہے یا پھر چپ رہے۔''

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں وضاحت ہے کہ میزبان کو اپنے خاص عطیے سے مہمان کا اکرام کرنا چاہیے۔ صحابۂ کرام ﷺ نے عرض کی: اللہ کے رسول! عطیے سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ایک دن اور ایک رات اور مہمان نوازی تین دن تک، اس سے زائد صدقہ ہے۔''[1] ایک دوسری حدیث میں ہے: ''مہمان کی ایک رات ضیافت تو ہر مسلمان پر واجب ہے۔ اگر اس نے محرومی کی حالت میں اس کے ہاں صبح کی تو اس کے لیے میزبان پر قرض ہوگا، اگر چاہے تو اس سے مطالبہ کر لے اور اگر چاہے تو اسے چھوڑ دے۔''[2] ② ہمارے رجحان کے مطابق چند وجوہات کی بنا پر مہمان کی ضیافت کرنا واجب ہے: ○ ضیافت کو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان کی فرع قرار دیا گیا ہے۔ ○ تین دن سے زائد صدقہ ہے کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے واجب ہے۔ ○ مذکورہ بالا ابن ماجہ کی روایت میں اس کے واجب ہونے کی صراحت ہے۔

٦١٣٧ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ ابْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّكَ تَبْعَثُنَا فَنَنْزِلُ بِقَوْمٍ فَلَا يَقْرُونَنَا، فَمَا تَرَى فِيهِ؟ فَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنْ نَزَلْتُمْ بِقَوْمٍ فَأَمَرُوا لَكُمْ بِمَا يَنْبَغِي لِلضَّيْفِ فَاقْبَلُوا، فَإِنْ لَمْ يَفْعَلُوا فَخُذُوا مِنْهُمْ حَقَّ الضَّيْفِ الَّذِي يَنْبَغِي لَهُمْ» [راجع: ٢٤٦١].

[6137] حضرت عقبہ بن عامر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! آپ ہمیں (تبلیغ وغیرہ کے لیے) بھیجتے ہیں، ہم لوگوں کے پاس جاتے ہیں تو وہ ہماری میزبانی نہیں کرتے، اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا: ''اگر تم کسی ایسی قوم کے پاس پڑاؤ کرو جو تمھارے لیے مہمان کے شایان شان اہتمام کریں تو وہ قبول کرو، اگر وہ ایسا نہ کریں تو مہمانی کا حق دستور کے مطابق ان سے وصول کر لو۔''

٦١٣٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ

[6138] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ پر ایمان اور قیامت پر یقین رکھتا ہے اسے چاہیے کہ مہمان کی

1 صحیح مسلم، اللقطة، حدیث: 4513 (48). 2 سنن ابن ماجه، الأدب، حدیث: 3677.

ﷺ قَالَ: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ». [راجع: ٥١٨٥]

عزت کرے۔ اور جو اللہ پر ایمان اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ صلہ رحمی کرے۔ اور جو اللہ پر ایمان اور قیامت پر یقین رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اچھی بات کرے یا پھر خاموش رہے۔“

فوائد ومسائل: ① بعض حضرات کا خیال ہے کہ میزبانی وصول کرنے کا حکم ابتدائے اسلام میں عربوں کے ہاں رائج دستور کے مطابق تھا کہ مہمان، میزبان سے اپنا حق چھین لے۔ آج کل ہوٹلوں کا دور ہے، مسافر کو کھانے پینے کے معاملے میں کسی قسم کی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا لیکن حدیث کا تقاضا یہی ہے کہ مہمانوں کی خبر گیری کی جائے اور ایسا کرنا اہل اسلام کے لیے ضروری ہے۔ ② مذکورہ بالا حدیث کے مطابق اگر مہمان نوازی نہ کی جائے تو مہمان کو اپنا حق چھین لینے کی اجازت ہے، اس کے عدم وجوب پر جو تاویل پیش کی گئی ہے اس کی کتاب وسنت میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ واللہ أعلم.

(٨٦) بَابُ صُنْعِ الطَّعَامِ وَالتَّكَلُّفِ لِلضَّيْفِ

باب: 86- مہمان کے لیے پرتکلف کھانا تیار کرنا

٦١٣٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا جَعْفَرُ ابْنُ عَوْنٍ: حَدَّثَنَا أَبُو الْعُمَيْسِ عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: آخَى النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ سَلْمَانَ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ، فَزَارَ سَلْمَانُ أَبَا الدَّرْدَاءِ، فَرَأَى أُمَّ الدَّرْدَاءِ مُتَبَذِّلَةً، فَقَالَ لَهَا: مَا شَأْنُكِ؟ قَالَتْ: أَخُوكَ أَبُو الدَّرْدَاءِ لَيْسَ لَهُ حَاجَةٌ فِي الدُّنْيَا، فَجَاءَ أَبُو الدَّرْدَاءِ فَصَنَعَ لَهُ طَعَامًا فَقَالَ: كُلْ فَإِنِّي صَائِمٌ. قَالَ: مَا أَنَا بِآكِلٍ حَتَّى تَأْكُلَ، فَأَكَلَ، فَلَمَّا كَانَ اللَّيْلُ ذَهَبَ أَبُو الدَّرْدَاءِ يَقُومُ فَقَالَ: نَمْ، فَنَامَ، ثُمَّ ذَهَبَ يَقُومُ فَقَالَ: نَمْ، فَلَمَّا كَانَ آخِرُ اللَّيْلِ قَالَ سَلْمَانُ: قُمِ الْآنَ، قَالَ: فَصَلَّيَا، فَقَالَ لَهُ سَلْمَانُ: إِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَلِأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، فَأَعْطِ كُلَّ ذِي

[6139] حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے حضرت سلمان اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہما کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ کی ملاقات کے لیے تشریف لائے تو حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا کو بڑی خستہ حالت میں دیکھا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تمھارا یہ حال کیوں ہے؟ حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا نے کہا: تمھارے بھائی ابو درداء رضی اللہ عنہ کو تو دنیا سے کوئی سروکار ہی نہیں۔ اتنے میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بھی آ گئے اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے لیے کھانا تیار کیا اور کہا: آپ کھائیں میں تو روزے سے ہوں۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک آپ بھی نہ کھائیں، چنانچہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے کھانا کھایا۔ جب رات ہوئی تو حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نماز کی تیاری کے لیے اٹھے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

حَقٌّ حَقَّهُ، فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «صَدَقَ سَلْمَانُ».

سو جاؤ، چنانچہ وہ سو گئے۔ پھر اٹھ کر نماز پڑھنے لگے تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ابھی سو جاؤ۔ پھر جب آخر رات ہوئی تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اب اٹھیے۔ پھر دونوں نے نماز پڑھی۔ پھر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: تمھارے رب کا تم پر حق ہے۔ تیرا اپنا بھی تجھ پر حق ہے اور تمھاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، اس لیے تمام حق داروں کے حقوق ادا کرو۔ پھر حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اس واقعے کا ذکر کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''سلمان نے سچ کہا ہے۔''

أَبُو جُحَيْفَةَ وَهْبٌ السُّوَائِيُّ يُقَالُ: وَهْبُ الْخَيْرِ. [راجع: ١٩٦٨]

ابوجحیفہ کا نام وہب السوائی ہے۔ انھیں وہب الخیر بھی کہا جاتا ہے۔

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الأطعمة میں ایک عنوان ان الفاظ میں قائم کیا تھا: [بَابُ الرَّجُلِ يَتَكَلَّفُ الطَّعَامَ لِإِخْوَانِهِ] ''آدمی اپنے بھائیوں کے لیے پرتکلف کھانا تیار کرتا ہے۔''[1] وہاں بھی یہ مسئلہ بیان کیا تھا کہ انسان کو اپنے مہمان کے لیے پرتکلف کھانا تیار کرنا چاہیے۔ اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے لیے خود کھانا تیار کیا تاکہ ان کی میزبانی میں کوئی کمی نہ رہ جائے کیونکہ مہمانوں کے لیے پرتکلف کھانا تیار کرنا حضرات انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مہمانوں کے لیے موٹا تازہ بچھڑا ذبح کیا، پھر خود ہی بھون کر لائے اور مہمانوں کو پیش کیا جیسا کہ قرآن کریم میں صراحت ہے لیکن یہ تکلف اپنی حیثیت کے مطابق ہونا چاہیے۔ ہمت سے بڑھ کر تکلف کرنے کی ممانعت ہے جیسا کہ ایک روایت ہے، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اپنے مہمانوں سے فرمایا: اگر یہ بات نہ ہوتی کہ رسول اللہ ﷺ نے مہمان کے لیے تکلف کرنے سے منع کیا ہے تو میں تمھارے لیے ضرور تکلف کرتا۔[2] بہرحال اعتدال میں رہتے ہوئے میزبانی کا فریضہ ادا کرنا چاہیے۔

(٨٧) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ الْغَضَبِ وَالْجَزَعِ عِنْدَ الضَّيْفِ

باب: 87- مہمان کے سامنے غصہ کرنا اور گھبراہٹ کا اظہار کرنا مکروہ ہے

٦١٤٠ - حَدَّثَنَا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْجُرَيْرِيُّ عَنْ أَبِي

[6140] حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چند لوگوں کو مہمان بنایا اور

[1] صحيح البخاري، الأطعمة، باب: 34. [2] مسند أحمد: 441/5.

عُثْمَانَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، أَنَّ أَبَا بَكْرٍ تَضَيَّفَ رَهْطًا فَقَالَ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ: دُونَكَ أَضْيَافَكَ فَإِنِّي مُنْطَلِقٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَافْرُغْ مِنْ قِرَاهُمْ قَبْلَ أَنْ أَجِيءَ، فَانْطَلَقَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ فَأَتَاهُمْ بِمَا عِنْدَهُ فَقَالَ: اطْعَمُوا، فَقَالُوا: أَيْنَ رَبُّ مَنْزِلِنَا؟ قَالَ: اطْعَمُوا، قَالُوا: مَا نَحْنُ بِآكِلِينَ حَتَّى يَجِيءَ رَبُّ مَنْزِلِنَا؟ قَالَ: اقْبَلُوا عَنَّا قِرَاكُمْ فَإِنَّهُ إِنْ جَاءَ وَلَمْ تَطْعَمُوا لَنَلْقَيَنَّ مِنْهُ، فَأَبَوْا فَعَرَفْتُ أَنَّهُ يَجِدُ عَلَيَّ، فَلَمَّا جَاءَ تَنَحَّيْتُ عَنْهُ فَقَالَ: مَا صَنَعْتُمْ؟ فَأَخْبَرُوهُ فَقَالَ: يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ، فَسَكَتُّ ثُمَّ قَالَ: يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ، فَسَكَتُّ، فَقَالَ: يَا غُنْثَرُ، أَقْسَمْتُ عَلَيْكَ إِنْ كُنْتَ تَسْمَعُ صَوْتِي لَمَّا جِئْتَ، فَخَرَجْتُ فَقُلْتُ: سَلْ أَضْيَافَكَ، فَقَالُوا: صَدَقَ، أَتَانَا بِهِ، قَالَ: فَإِنَّمَا انْتَظَرْتُمُونِي، وَاللهِ لَا أَطْعَمُهُ اللَّيْلَةَ، فَقَالَ الْآخَرُونَ: وَاللهِ لَا نَطْعَمُهُ حَتَّى تَطْعَمَهُ، قَالَ: لَمْ أَرَ فِي الشَّرِّ كَاللَّيْلَةِ، وَيْلَكُمْ مَا أَنْتُمْ؟ لِمَ لَا تَقْبَلُونَ عَنَّا قِرَاكُمْ، هَاتِ طَعَامَكَ، فَجَاءَهُ فَوَضَعَ يَدَهُ فَقَالَ: بِاسْمِ اللهِ، الْأُولَى لِلشَّيْطَانِ؛ فَأَكَلَ وَأَكَلُوا. [راجع: ٦٠٢]

عبدالرحمٰن سے کہا: ان مہمانوں کا پوری طرح خیال رکھنا کیونکہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں جا رہا ہوں۔ میرے آنے سے پہلے پہلے انھیں کھانا کھلا دینا، چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن ؓ گئے اور جو کھانا حاضر تھا وہ مہمانوں کے سامنے پیش کر دیا اور کہا کہ کھانا تناول فرمائیں۔ مہمانوں نے کہا: صاحب خانہ کہاں ہیں؟ عبدالرحمٰن ؓ نے کہا: آپ کھانا کھائیں۔ انھوں نے کہا: جب تک صاحب خانہ نہ آ جائیں ہم کھانا نہیں کھائیں گے۔ حضرت عبدالرحمٰن ؓ نے کہا: آپ ہماری درخواست قبول کریں کیونکہ حضرت ابوبکر ؓ کے واپس آنے تک اگر آپ حضرات کھانے سے فارغ نہ ہوئے تو مجھے ان کی طرف سے خفگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ انھوں نے کھانے سے انکار ہی کیا۔ میں جانتا تھا کہ حضرت ابوبکر ؓ مجھ پر ناراض ہوں گے، اس لیے جب وہ تشریف لائے تو میں ایک طرف ہو گیا۔ انھوں نے پوچھا: تم لوگوں نے کیا کیا ہے؟ گھر والوں نے انھیں صورت حال سے آگاہ کیا تو انھوں نے عبدالرحمٰن کہہ کر آواز دی۔ میں خاموش رہا۔ پھر انھوں نے آواز دی، عبدالرحمٰن! میں اس مرتبہ بھی خاموش رہا۔ پھر انھوں نے فرمایا: اے جاہل! میں تمھیں قسم دیتا ہوں کہ اگر تو میری آواز سنتا ہے تو میرے پاس آ جا، چنانچہ میں باہر نکلا اور کہا: آپ اپنے مہمانوں سے پوچھ لیں۔ مہمانوں نے کہا: عبدالرحمٰن سچ کہہ رہا ہے، وہ کھانا ہمارے پاس لایا تھا۔ آخر کار انھوں نے فرمایا: تم نے صرف میرے انتظار میں کھانا لیٹ کیا، اللہ کی قسم! میں آج رات کھانا نہیں کھاؤں گا۔ مہمانوں نے بھی قسم اٹھائی: واللہ! جب تک آپ نہیں کھائیں گے ہم بھی نہیں کھائیں گے۔ حضرت ابوبکر ؓ نے کہا: میں نے آج رات جیسی تکلیف دہ رات نہیں دیکھی۔ مہمانو! افسوس ہے تم لوگ ہماری میزبانی

سے کیوں انکار کرتے ہو؟ اے عبدالرحمٰن! کھانا لاؤ، چنانچہ وہ کھانا لائے تو آپ نے اس پر ہاتھ رکھ کر کہا: اللہ کا نام لے کر شروع کرتا ہوں، پہلی حالت شیطان کی طرف سے تھی۔ پھر انھوں نے کھانا کھایا تو مہمانوں نے بھی (ان کے ساتھ) تناول کیا۔

فوائد ومسائل: ① یہ بات اخلاق سے ہے کہ مہمانوں کے سامنے اپنے اہل خانہ پر کسی قسم کی ناراضی کا اظہار نہ کیا جائے بلکہ خوش مزاجی اور خوش طبعی کو اختیار کیا جائے، اس سلسلے میں جو کچھ ہوا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے شیطان کی طرف منسوب کیا بلکہ آپ نے اس امر کا برملا اظہار کیا کہ آج رات ہمیں نحوست کا سامنا کرنا پڑا۔ ② بہر حال میزبان کا فرض ہے کہ وہ امکانی حد تک مہمان کا اکرام کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑے اور مہمان کا بھی فرض ہے کہ وہ میزبان کے لیے کسی قسم کی پریشانی کا باعث نہ بنے۔ یہ اسلامی آداب واخلاق اور دینی معاشرت کی باتیں ہیں، ہمیں انھیں اختیار کر کے دوسروں کے لیے اچھا نمونہ پیش کرنا ہوگا۔

(٨٨) بَابُ قَوْلِ الضَّيْفِ لِصَاحِبِهِ: وَاللهِ لَا آكُلُ حَتَّى تَأْكُلَ

باب: 88- مہمان کا اپنے میزبان سے کہنا: واللہ! جب تک تم نہیں کھاؤ گے میں نہیں کھاؤں گا۔

فِيهِ حَدِيثُ أَبِي جُحَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اس سلسلے میں حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ہے جو انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کی ہے۔

وضاحت: مہمان اگر بے تکلفی کے انداز میں میزبان سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائے، اگر وہ اس سلسلے میں قسم بھی اٹھا لیتا ہے تو کوئی حرج نہیں، میزبان کو چاہیے کہ وہ مہمان کی خواہش کو پورا کرے۔ اگر کوئی معقول عذر نہ ہو تو اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانے میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا بھی اسی نوعیت کا ایک واقعہ بیان ہوا ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1]

٦١٤١ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ قَالَ: قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: جَاءَ أَبُو بَكْرٍ بِضَيْفٍ لَهُ - أَوْ بِأَضْيَافٍ لَهُ - فَأَمْسَى عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ، فَلَمَّا جَاءَ قَالَتْ

[6141] حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک یا کئی مہمان لے کر گھر آئے، پھر آپ شام ہی سے نبی ﷺ کی خدمت میں چلے گئے۔ جب وہ لوٹ کر آئے تو ان سے میری والدہ نے کہا: آج اپنے مہمانوں کو چھوڑ کر آپ کہاں رہ گئے تھے؟ حضرت

1. صحيح البخاري، الأدب، حديث: 6139.

أُمِّي: احْتَبَسْتَ عَنْ ضَيْفِكَ - أَوْ أَضْيَافِكَ - اللَّيْلَةَ! قَالَ: أَوَ مَا عَشَّيْتِهِمْ؟ فَقَالَتْ: عَرَضْنَا عَلَيْهِ - أَوْ عَلَيْهِمْ - فَأَبَوْا أَوْ فَأَبَى، فَغَضِبَ أَبُو بَكْرٍ فَسَبَّ وَجَدَّعَ، وَحَلَفَ لَا يَطْعَمُهُ، فَاخْتَبَأْتُ أَنَا فَقَالَ: يَا غُنْثَرُ، فَحَلَفَتِ الْمَرْأَةُ لَا تَطْعَمُهُ حَتَّى يَطْعَمَهُ، فَحَلَفَ الضَّيْفُ أَوِ الْأَضْيَافُ أَنْ لَا يَطْعَمَهُ - أَوْ يَطْعَمُوهُ - حَتَّى يَطْعَمَهُ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: كَأَنَّ هٰذِهِ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَدَعَا بِالطَّعَامِ فَأَكَلَ وَأَكَلُوا، فَجَعَلُوا لَا يَرْفَعُونَ لُقْمَةً إِلَّا رَبَا مِنْ أَسْفَلِهَا أَكْثَرُ مِنْهَا فَقَالَ: يَا أُخْتَ بَنِي فِرَاسٍ، مَا هٰذَا؟ فَقَالَتْ: وَقُرَّةِ عَيْنِي إِنَّهَا الْآنَ لَأَكْثَرُ قَبْلَ أَنْ نَأْكُلَ، فَأَكَلُوا، وَبَعَثَ بِهَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَذَكَرَ أَنَّهُ أَكَلَ مِنْهَا. [راجع: ٦٠٢]

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم نے انھیں کھانا نہیں کھلایا؟ انھوں نے کہا: ہم نے تو کھانا پیش کیا تھا لیکن انھوں نے کھانے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ سن کر بہت غصہ آیا اور اہل خانہ کو برا بھلا کہا، پھر قسم اٹھائی کہ وہ کھانا نہیں کھائیں گے۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں تو (مارے ڈر کے) چھپ گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آواز دی: اے جاہل! (تو کدھر ہے؟) میری والدہ نے بھی قسم اٹھالی کہ اگر آپ کھانا نہیں کھائیں گے تو وہ بھی نہیں کھائے گی۔ ادھر مہمانوں نے بھی قسم اٹھالی کہ جب تک ابوبکر رضی اللہ عنہ کھانا نہیں کھائیں گے وہ (مہمان) بھی نہیں کھائیں گے۔ آخر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ غصہ اور برہمی شیطان کی طرف سے تھی۔ پھر آپ نے کھانا منگوایا، خود بھی کھایا اور مہمانوں کو بھی کھلایا۔ اس دوران میں جب وہ لقمہ اٹھاتے تو نیچے سے کھانا اور بڑھ جاتا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھ کر کہا: اے قبیلۂ بنو فراس کی بہن! یہ کیا ہو رہا ہے؟ انھوں نے کہا: میری آنکھوں کی ٹھنڈک! بلاشبہ اب تو یہ اس سے بھی زیادہ ہو چکا ہے جتنا یہ ہمارے کھانے سے پہلے تھا پھر ان سب نے کھایا اور بچا ہوا کھانا نبی ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا۔ انھوں نے ذکر کیا کہ آپ ﷺ نے بھی اس کھانے میں سے کھایا۔

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں وضاحت ہے کہ وہ کھانا اللہ کے فضل و کرم سے تین گنا زیادہ ہو گیا۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم وہ کھانا رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے تو وہاں بہت سے لوگ جمع تھے کیونکہ ہمارا ایک قوم سے معاہدہ تھا جس کی مدت ختم ہو چکی تھی، وہاں بارہ سرکردہ لوگ تھے اور ہر سربراہ کے ساتھ بہت سے لوگ موجود تھے، ان کی تعداد اللہ ہی جانتا ہے، بہرحال وہ بچا ہوا کھانا وہاں موجود تمام لوگوں نے سیر ہو کر کھایا۔[1] ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر کسی موقع پر بے تکلفی کے انداز میں کوئی مہمان اپنے میزبان سے کہہ دے کہ آپ میرے ساتھ کھانا کھائیں گے تو میں کھاؤں گا اور اس پر قسم اٹھالے تو اخلاقاً ایسا کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس کے برعکس میزبان کے لیے بھی یہی حکم ہے۔ واللہ أعلم.

① صحيح البخاري، الأذان، حديث: 602.

(٨٩) بَابُ إِكْرَامِ الْكَبِيرِ، وَيَبْدَأُ الْأَكْبَرُ بِالْكَلَامِ وَالسُّؤَالِ

باب: 89- بڑے کی عزت کرنا، نیز گفتگو یا سوال کرنے میں بڑے کو مقدم کرنا

وضاحت: بڑوں کی عزت کرنا آداب اسلام اور محاسن اخلاق میں سے ہے۔ بڑوں کی عزت کا تقاضا ہے کہ اپنے سے بڑے آدمی کو ہر کام میں مقدم رکھا جائے ہاں، اگر چھوٹے کے پاس کوئی علمی بات ہے جو بڑے کو معلوم نہیں تو اس وقت چھوٹا ہی گفتگو کرے گا۔ اسے سوئے ادب سے تعبیر نہیں کیا جائے گا اور نہ بڑے کی اس میں کوئی حق تلفی ہی ہے۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا عمومی ارشاد ہے: ''جو شخص ہمارے چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی عزت نہیں کرتا وہ ہم سے نہیں ہے۔''[1]

٦١٤٢، ٦١٤٣ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ - هُوَ ابْنُ زَيْدٍ - عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ مَوْلَى الْأَنْصَارِ، عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ وَسَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ أَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ سَهْلٍ وَمُحَيِّصَةَ بْنَ مَسْعُودٍ أَتَيَا خَيْبَرَ فَتَفَرَّقَا فِي النَّخْلِ فَقُتِلَ عَبْدُاللهِ ابْنُ سَهْلٍ، فَجَاءَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سَهْلٍ وَحُوَيِّصَةُ وَمُحَيِّصَةُ ابْنَا مَسْعُودٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَتَكَلَّمُوا فِي أَمْرِ صَاحِبِهِمْ، فَبَدَأَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ - وَكَانَ أَصْغَرَ الْقَوْمِ - فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «كَبِّرِ الْكُبْرَ». - قَالَ يَحْيَى: لِيَلِيَ الْكَلَامَ الْأَكْبَرُ - فَتَكَلَّمُوا فِي أَمْرِ صَاحِبِهِمْ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَتَسْتَحِقُّونَ قَتِيلَكُمْ - أَوْ قَالَ: صَاحِبَكُمْ - بِأَيْمَانِ خَمْسِينَ مِنْكُمْ؟» قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، أَمْرٌ لَمْ نَرَهُ. قَالَ: «فَتُبْرِئُكُمْ يَهُودُ فِي أَيْمَانِ خَمْسِينَ مِنْهُمْ». قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، قَوْمٌ كُفَّارٌ، فَوَدَاهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ قِبَلِهِ. قَالَ سَهْلٌ: فَأَدْرَكْتُ نَاقَةً مِنْ تِلْكَ الْإِبِلِ فَدَخَلَتْ

[6143,6142] حضرت رافع بن خدیج اور حضرت سہل بن ابی حثمہ ؓ سے روایت ہے، ان دونوں نے کہا کہ عبداللہ بن سہل ؓ اور محیصہ بن مسعود ؓ خیبر میں آئے اور کھجوروں کے باغ میں جدا جدا ہو گئے۔ وہاں حضرت عبداللہ بن سہل ؓ کو قتل کر دیا گیا، پھر عبدالرحمٰن بن سہل ؓ اور مسعود کے دونوں بیٹے حویصہ اور محیصہ ؓ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے ساتھی کے متعلق گفتگو کرنے لگے۔ عبدالرحمٰن ؓ نے پہلے بات کرنا چاہی اور وہ سب سے چھوٹے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''بڑے کو بات کرنے دو۔'' مقصد یہ ہے کہ جو بڑا ہے وہ بات کرے۔ پھر انھوں نے اپنے ساتھی کے قتل کے متعلق بات کی تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم میں سے پچاس آدمی قسم اٹھا لیں تو تم دیت کے مستحق ہو سکتے ہو؟'' انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! ہم نے خود تو اس معاملے کو نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر یہودیوں میں سے پچاس آدمی قسمیں اٹھا کر تم سے چھٹکارا حاصل کر لیں گے۔'' انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! وہ تو کافر لوگ ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنی طرف سے دیت ادا کر دی۔ حضرت سہل ؓ کہتے ہیں کہ میں نے ان

1 مسند أحمد: 207/2.

مِرْبَدًا لَهُمْ فَرَكَضَتْنِي بِرِجْلِهَا .

اونٹوں میں سے ایک اونٹنی کو پکڑا جو باڑے میں گھس گئی تھی تو اس نے مجھے لات ماری تھی۔

قَالَ اللَّيْثُ : حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ بُشَيْرٍ، عَنْ سَهْلٍ قَالَ يَحْيَى : حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ : مَعَ رَافِعِ ابْنِ خَدِيجٍ .

لیث نے کہا: مجھے یحییٰ نے بشیر سے بیان کیا، اور ان سے سہل نے بیان کیا۔ یحییٰ نے کہا: میرا خیال ہے کہ بشیر نے مع رافع بن خدیج کے الفاظ کہے تھے۔

وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ : حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ بُشَيْرٍ، عَنْ سَهْلٍ وَحْدَهُ . [راجع: ٢٧٠٢]

ابن عیینہ نے کہا: ہم سے یحییٰ نے بیان کیا بشیر سے، انھوں نے صرف حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

فوائد ومسائل: ① کسی مقتول کے متعلق عینی گواہ موجود نہ ہو تو اس کی قوم کے پچاس آدمی گواہی دیں کہ اس کا قاتل فلاں شخص ہے تو وہ دیت کے حق دار ہو سکتے ہیں، یہی قسامت ہے۔ اس کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے بڑے کا اکرام ثابت کیا ہے کہ اسے بات کرنے کا موقع دینا چاہیے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے عمر میں بڑے آدمی کو اس لیے گفتگو کرنے کا حکم دیا کہ واقعے کی پوری طرح صورت و کیفیت واضح ہو جائے بصورت دیگر اصل دعوے دار تو مقتول کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن تھے لیکن وہ عمر میں چھوٹے تھے۔ بہرحال ہر معاملے میں بڑوں کو مقدم رکھنے کا حکم ہے ہاں، اگر چھوٹے کے پاس ایسی معلومات ہوں جو بڑوں کے پاس نہیں ہیں تو اسے بات کرنے کا سب سے پہلے موقع دیا جائے گا جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٦١٤٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ : حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : «أَخْبِرُونِي بِشَجَرَةٍ مَثَلُهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ، تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا، وَلَا تَحُتُّ وَرَقَهَا»، فَوَقَعَ فِي نَفْسِي النَّخْلَةُ فَكَرِهْتُ أَنْ أَتَكَلَّمَ وَثَمَّ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، فَلَمَّا لَمْ يَتَكَلَّمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : «هِيَ النَّخْلَةُ» . فَلَمَّا خَرَجْتُ مَعَ أَبِي قُلْتُ: يَا أَبَتَاهُ، وَقَعَ فِي نَفْسِي النَّخْلَةُ . قَالَ: مَا مَنَعَكَ أَنْ تَقُولَهَا؟ لَوْ كُنْتَ قُلْتَهَا كَانَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ كَذَا وَكَذَا . قَالَ : مَا مَنَعَنِي إِلَّا أَنِّي لَمْ أَرَكَ وَلَا أَبَا

[6144] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اس درخت کا نام بتاؤ جس کی مثال مسلمان جیسی ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے رب کے حکم سے پھل دیتا ہے اور اس کے پتے نہیں گرتے۔'' میرے دل میں خیال آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے لیکن میں نے اس کا جواب دینا مناسب خیال نہ کیا کیونکہ مجلس میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما (جیسے اکابر صحابہ) موجود تھے۔ پھر جب ان دونوں بزرگوں نے کچھ نہ کہا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''وہ کھجور کا درخت ہے۔'' چنانچہ جب میں اپنے والد کے ہمراہ وہاں سے باہر نکلا تو میں نے کہا: اے ابو جان! میرے دل میں آیا تھا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔ انھوں نے

بَكْرٍ تَكَلَّمْتُمَا فَكَرِهْتُ. [راجع: ٦١]

فرمایا: پھر تمھیں جواب دینے سے کس چیز نے منع کیا تھا؟ اگر تم کہہ دیتے تو مجھے اتنا اتنا مال ملنے سے بھی زیادہ خوشی ہوتی۔ ابن عمر ؓ نے کہا: مجھے صرف اس امر نے منع کیا کہ آپ اور حضرت ابوبکر ؓ خاموش ہیں تو میں نے آپ (بزرگوں) کے سامنے بات کرنا برا خیال کیا۔

فائدہ: شارحین کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر ؓ نے بڑوں کے احترام میں رسول اللہ ﷺ کے سوال کا جواب نہ دیا کہ اکابر اور بزرگوں کی موجودگی میں چھوٹوں کو گفتگو کرنا زیب نہیں دیتا، لیکن حافظ ابن حجر نے گہرائی میں اتر کر امام بخاری ؒ کا مقصد بیان کیا ہے، آپ فرماتے ہیں: بڑوں کو اس وقت مقدم کیا جائے جب علم و فضل میں سب برابر ہوں لیکن جب چھوٹے کے پاس ایسی معلومات ہوں جو بڑے نہیں جانتے تو چھوٹا آدمی بڑوں کی موجودگی میں کلام کر سکتا ہے کیونکہ حضرت عمر ؓ نے اپنے بیٹے کی خاموشی پر اظہار افسوس کیا، حالانکہ ان کے بیٹے نے اکابر کی موجودگی کی بنا پر معذرت کی تھی۔[1] امام بخاری ؒ کی فقاہت کے پیش نظر حافظ ابن حجر ؒ کا موقف زیادہ وزنی معلوم ہوتا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(٩٠) بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الشِّعْرِ وَالرَّجَزِ وَالْحُدَاءِ وَمَا يُكْرَهُ مِنْهُ

باب: 90- کس قسم کے شعر، رجز اور حدی خوانی جائز ہے اور کس قسم کے مکروہ ہیں؟

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَٱلشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ ٱلْغَاوُۥنَ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِى كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ﴾ [الشعراء: ٢٢٤، ٢٢٥]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور شعراء کے پیچھے تو گمراہ لوگ لگتے ہیں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔''

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فِي كُلِّ لَغْوٍ يَخُوضُونَ.

حضرت ابن عباس ؓ نے ﴿فِیْ کُلِّ وَادٍ......﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ہر لغو اور بے ہودہ بات میں جا گھستے ہیں۔

وضاحت: رجز وہ شعر ہیں جو میدان جنگ میں اپنی بہادری جتانے کے لیے پڑھے جاتے ہیں اور حُدی وہ ہم وزن و ہم قافیہ کلام ہے جو اونٹوں کو ہانکتے وقت پڑھا جاتا ہے تاکہ یہ کلام سن کر وہ مست ہو جائیں اور تیز چلیں۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اشعار پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے جو کفار کے جواب میں اسلام کی سربلندی کے لیے کہے جائیں۔ حضرت حسان بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ کے شعر اسی قسم کے تھے۔

1 فتح الباري: 659/10.

٦١٤٥ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ [قَالَ]: أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ أَخْبَرَهُ: أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْأَسْوَدِ بْنِ عَبْدِ يَغُوثَ أَخْبَرَهُ أَنَّ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةً».

[6145] حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کچھ اشعار بہت حکمت بھرے ہوتے ہیں۔''

فوائدومسائل: ① حکمت سے مراد وہ سچی بات ہے جو واقع کے مطابق ہو۔ جو اشعار وعظ ونصیحت اور حق وصداقت پر مبنی ہوں انھیں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ وہ اشعار جو یاوہ گوئی، جھوٹ اور باطل سے ہم آہنگ ہوں انھیں پڑھنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام، رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں دور جاہلیت کی باتوں کا تذکرہ کرتے، شعر پڑھا کرتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ انھیں منع نہیں کرتے تھے بلکہ بعض اوقات تبسم فرما کر محظوظ ہوتے تھے۔[1] ② شارح صحیح بخاری ابن بطال نے کہا کہ جو شعر اللہ تعالیٰ کے ذکر، اس کی تعظیم وتکریم اور اس کی توحید واطاعت پر مشتمل ہوں انھی کو حدیث میں ''حکمت'' سے تعبیر کیا گیا ہے اور جو فحش، بے ہودہ اور جھوٹ ہوں وہ قابل مذمت ہیں، ایسے اشعار نہیں پڑھنے چاہئیں۔[2]

٦١٤٦ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ: سَمِعْتُ جُنْدَبًا يَقُولُ: بَيْنَمَا النَّبِيُّ ﷺ يَمْشِي إِذْ أَصَابَهُ حَجَرٌ فَعَثَرَ فَدَمِيَتْ إِصْبَعُهُ، فَقَالَ:

«هَلْ أَنْتِ إِلَّا إِصْبَعٌ دَمِيتِ
وَفِي سَبِيلِ اللهِ مَا لَقِيتِ».

[راجع: ٢٨٠٢]

[6146] حضرت اسود بن قیس سے روایت ہے کہ میں نے حضرت جندب رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ایک مرتبہ نبی ﷺ چل رہے تھے کہ اچانک آپ کو پتھر سے ٹھوکر لگی۔ آپ گر پڑے اور آپ کی انگلی سے خون بہنے لگا تو آپ نے فرمایا:

''تو تو اک انگلی ہے اور کیا ہے جو زخمی ہوگئی، کیا ہوا اگر راہ مولیٰ میں تو زخمی ہوگئی۔''

فائدہ: یہ شعر نہیں بلکہ ایک رجزیہ کلام ہے جو اتفاق سے ہم وزن ہوگیا ہے، آپ ﷺ نے کبھی کوئی شعر نہیں بنایا کیونکہ شعر بنانے میں غور وفکر اور تکلف ہوتا ہے، ایسا کرنا رسول اللہ ﷺ کے شایان شان نہیں، البتہ بعض اوقات آپ سے شعراء کا کلام پڑھنا مروی ہے جیسا کہ آپ نے لبید کا یہ شعر پڑھا تھا: [أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ] خبردار! اللہ کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی

[1] مسند أحمد: 91/5. [2] فتح الباري: 663/10.

ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شاعر کا یہ شعر بہت عمدہ اور سچائی پر مبنی ہے جیسا کہ اگلی حدیث میں ہے۔

٦١٤٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ: حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لَبِيدٍ:

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللهَ بَاطِلُ
وَكَادَ أُمَيَّةُ بْنُ أَبِي الصَّلْتِ أَنْ يُسْلِمَ».

[راجع: ٣٨٤١]

[6147] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''شاعر نے جو سچی بات کہی ہے وہ لبید کا یہ قول ہے:

''آگاہ رہو! اللہ کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ اور قریب تھا کہ امیہ بن ابی صلت مسلمان ہو جاتا۔''

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ شاعر نہیں تھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ہم نے اس نبی کو شعر کہنا نہیں سکھائے اور نہ یہ اس کے شایان شان تھا۔''[1] کیونکہ شاعر عموماً زمین و آسمان کے قلابے ملاتے پھرتے ہیں، البتہ رسول اللہ ﷺ اچھے اشعار پسند کرتے تھے اور بعض اوقات انھیں پڑھا بھی کرتے تھے جیسا کہ آپ نے لبید کے اشعار کی تعریف فرمائی۔ ② یاد رہے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے سامنے جب لبید نے اس شعر کا دوسرا مصرعہ ''ہر نعمت ضروری طور پر ختم ہونے والی ہے'' پڑھا تو عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ جھوٹ ہے کیونکہ جنت کی نعمتیں ختم نہیں ہوں گی۔''[2] ③ لبید کا پورا نام لبید بن ربیعہ بن عامر ہے یہ مسلمان ہو گئے تھے اور اسلام لانے کے بعد انھوں نے شعر کہنے موقوف کر دیے تھے۔ واللہ أعلم. ④ امیہ بن ابوصلت کے اشعار بھی توحید، آخرت اور معاشرتی اصلاح پر مبنی ہوتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت شرید رضی اللہ عنہ سے امیہ بن ابوصلت کے سو شعر سنے تھے اور ان کی تحسین فرمائی تھی۔[3]

٦١٤٨ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِلَى خَيْبَرَ فَسِرْنَا لَيْلًا، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ لِعَامِرِ بْنِ الْأَكْوَعِ: أَلَا تُسْمِعُنَا مِنْ هُنَيْهَاتِكَ؟ قَالَ: وَكَانَ عَامِرٌ رَجُلًا شَاعِرًا، فَنَزَلَ يَحْدُو بِالْقَوْمِ يَقُولُ:

[6148] حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ خیبر کی طرف گئے تو رات بھر چلتے رہے۔ اس دوران میں صحابۂ کرام میں سے کسی نے حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا تم ہمیں اپنے اشعار نہیں سناتے؟ حضرت عامر شاعر تھے، وہ اپنی سواری سے اترے اور لوگوں کو یہ شعر سنانے لگے:

---

[1] يٰسٓ 36:69. [2] فتح الباري: 193/7. [3] صحيح مسلم، الشعر، حديث: 5885 (2255).

اَللّٰهُمَّ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَاغْفِرْ فِدَاءً لَكَ مَا اقْتَفَيْنَا
وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا
وَأَلْقِيَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا
إِنَّا إِذَا صِيحَ بِنَا أَتَيْنَا
وَبِالصِّيَاحِ عَوَّلُوا عَلَيْنَا

اے اللہ! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے، نہ صدقہ کرتے اور نہ نماز پڑھتے، ہم تجھ پر فدا ہیں، ہم نے پہلے جو کچھ گناہ کیے ہیں انھیں معاف کر دے اور جب دشمن سے ہمارا پالا پڑے تو ہمیں ثابت قدم رکھنا اور ہم پر سکون و اطمینان نازل فرما، جب ہمیں جنگ کے لیے بلایا جاتا ہے تو ہم وہاں پہنچ جاتے ہیں، اور وہ بلند آوازوں سے ہم پر حملہ آور ہوتے ہیں۔

فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ هٰذَا السَّائِقُ؟» قَالُوا: عَامِرُ بْنُ الْأَكْوَعِ، فَقَالَ: «يَرْحَمُهُ اللهُ»، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: وَجَبَتْ يَا نَبِيَّ اللهِ لَوْلَا أَمْتَعْتَنَا بِهِ، قَالَ: فَأَتَيْنَا خَيْبَرَ فَحَاصَرْنَاهُمْ حَتَّى أَصَابَتْنَا مَخْمَصَةٌ شَدِيدَةٌ، ثُمَّ إِنَّ اللهَ فَتَحَهَا عَلَيْهِمْ، فَلَمَّا أَمْسَى النَّاسُ الْيَوْمَ الَّذِي فُتِحَتْ عَلَيْهِمْ أَوْقَدُوا نِيرَانًا كَثِيرَةً، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا هٰذِهِ النِّيرَانُ؟ عَلَى أَيِّ شَيْءٍ تُوقِدُونَ؟» قَالُوا: عَلَى لَحْمٍ، قَالَ: «عَلَى أَيِّ لَحْمٍ؟» قَالُوا: عَلَى لَحْمِ حُمُرٍ إِنْسِيَّةٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَهْرِقُوهَا وَاكْسِرُوهَا» فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَوْ نُهْرِيقُهَا وَنَغْسِلُهَا؟ قَالَ: «أَوْ ذَاكَ»، فَلَمَّا تَصَافَّ الْقَوْمُ كَانَ سَيْفُ عَامِرٍ فِيهِ قِصَرٌ، فَتَنَاوَلَ بِهِ يَهُودِيًّا لِيَضْرِبَهُ وَيَرْجِعُ ذُبَابُ سَيْفِهِ، فَأَصَابَ رُكْبَةَ عَامِرٍ فَمَاتَ مِنْهُ، فَلَمَّا قَفَلُوا قَالَ سَلَمَةُ: رَآنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ شَاحِبًا فَقَالَ لِي: «مَا لَكَ؟» فَقُلْتُ: فِدًى لَكَ أَبِي وَأُمِّي، زَعَمُوا أَنَّ عَامِرًا حَبِطَ عَمَلُهُ، قَالَ: «مَنْ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اونٹوں کو چلانے والا یہ شخص کون ہے؟'' صحابۂ کرام نے کہا: یہ عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اس پر رحم کرے!'' صحابۂ کرام میں سے ایک نے کہا: اللہ کے رسول! اب تو ان کے لیے شہادت ضروری ہوگئی ہے۔ کاش! آپ چند روز تک ہمیں ان کی زندگی سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیتے۔ راوی نے کہا: پھر ہم خیبر آئے اور وہاں یہودیوں کا محاصرہ کیا حتی کہ ہمیں بھوک نے بہت تنگ کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اہل خیبر پر فتح عطا کی۔ جب فتح کے روز شام ہوئی تو لوگوں نے جگہ جگہ آگ جلائی۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''یہ آگ کیسی ہے؟ تم لوگ کس چیز پر آگ جلا رہے ہو؟'' لوگوں نے عرض کیا: گوشت پکا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''کون سا گوشت؟'' انھوں نے کہا: پالتو گدھوں کا گوشت پکا رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''گوشت پھینک دو اور برتنوں کو توڑ دو۔'' ایک آدمی نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم گوشت پھینک دیں اور برتنوں کو دھو لیں تو؟ آپ نے فرمایا: ''چلو ایسا کرلو۔'' جب صحابۂ کرام نے جنگ کے لیے صف بندی کرلی تو حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار سے ایک یہودی پر حملہ کیا۔ چونکہ تلوار چھوٹی تھی، اس لیے اس کی نوک

قَالَهُ؟» قُلْتُ: قَالَهُ فُلَانٌ وَفُلَانٌ وَفُلَانٌ وَأُسَيْدُ ابْنُ الْحُضَيْرِ الْأَنْصَارِيُّ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «كَذَبَ مَنْ قَالَهُ، إِنَّ لَهُ لَأَجْرَيْنِ - وَجَمَعَ بَيْنَ إِصْبَعَيْهِ - إِنَّهُ لَجَاهِدٌ مُجَاهِدٌ، قَلَّ عَرَبِيٌّ نَشَأَ بِهَا مِثْلَهُ». [راجع: ٢٤٧٧]

پلٹ کر ان کے گھٹنے پر آ لگی، اس وجہ سے ان کی شہادت ہو گئی۔ جب لوگ واپس آنے لگے تو حضرت سلمہ ؓ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے افسردہ دیکھ کر فرمایا: ''کیا بات ہے؟'' میں نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں! لوگ کہتے ہیں کہ عامر ؓ کے اعمال برباد ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کس نے کہا ہے؟'' میں نے کہا: فلاں فلاں فلاں اور حضرت اسید بن حضیر انصاری ؓ نے ایسا کہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے یہ بات کہی ہے، اس نے غلط کہا ہے، انھیں تو دوگنا اجر ملے گا...... آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیوں کو جمع کر کے اشارہ فرمایا...... وہ عابد بھی تھا اور مجاہد بھی تھا۔ عامر کی طرح تو بہت کم بہادر پیدا ہوتے ہیں۔''

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے حضرت عامر بن اکوع ؓ کے لیے دو قسم کے ثواب ملنے کی بشارت دی: ایک ثواب اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوشش کرنے کا اور دوسرا ثواب اللہ کی راہ میں جان کا نذرانہ دینے کا۔ عنوان کی مناسبت سے دو ثواب یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ایک ثواب تو اللہ کی راہ میں شہید ہونے کا، دوسرا اشعار کے ذریعے سے لوگوں کو کفار سے لڑنے کے لیے آمادہ کرنے کا۔ ② رسول اللہ ﷺ نے حضرت عامر ؓ کی تحسین فرمائی کہ ایسے اوصاف رکھنے والے عربوں میں کم ہی پیدا ہوتے ہیں۔ عنوان میں حُدی خوانی اور اشعار پڑھنے کا ذکر تھا جسے امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے، پھر یہ اشعار رسول اللہ ﷺ کے سامنے پڑھے گئے، اس لیے ان کے صحیح ہونے پر آپ کی طرف سے تائید حاصل ہو گئی۔ ③ واضح رہے کہ حُدی ایک خاص طرز پر اشعار پڑھنا ہے جنھیں سن کر ایک تھکا ماندہ اونٹ بھی تازہ دم ہو جاتا ہے اور مست ہو کر تیز چلنے لگتا ہے جیسا کہ آئندہ حدیث سے معلوم ہوگا۔ واللہ أعلم.

٦١٤٩ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَتَى النَّبِيُّ ﷺ عَلَى بَعْضِ نِسَائِهِ - وَمَعَهُنَّ أُمُّ سُلَيْمٍ - فَقَالَ: «وَيْحَكَ يَا أَنْجَشَةُ! رُوَيْدَكَ سَوْقًا بِالْقَوَارِيرِ»، قَالَ أَبُو قِلَابَةَ: فَتَكَلَّمَ النَّبِيُّ ﷺ بِكَلِمَةٍ لَوْ تَكَلَّمَ بِهَا بَعْضُكُمْ لَعِبْتُمُوهَا عَلَيْهِ قَوْلَهُ: «سَوْقَكَ

[6149] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ اپنی بعض بیویوں کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے ساتھ حضرت ام سلیم ؓ بھی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے انجشہ! تجھ پر افسوس ہو ان آبگینوں کو ذرا آہستگی سے لے کر چل۔'' ابو قلابہ نے کہا: نبی ﷺ نے عورتوں کے متعلق ایسے الفاظ کا استعمال فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص ان الفاظ کو استعمال کرے تو تم اسے معیوب خیال

بِالْقَوَارِيرِ». [انظر: ٦١٦١، ٦٢٠٢، ٦٢٠٩، ٦٢١٠، ٦٢١١]

کرو، یعنی آپ ﷺ کا یہ ارشاد: ''ان آبگینوں کو آہستگی سے لے کر چل۔''

فوائد و مسائل: ① انجشہ سیاہ فام حبشی نژاد ایک غلام تھا جو بڑی خوش آوازی کے ساتھ حُدی پڑھتا اور اونٹوں کو چلاتا تھا۔ اس کی خوش الحانی سے متاثر ہو کر اونٹ مستی کے ساتھ دوڑ رہے تھے۔ ان اونٹوں پر خواتین تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کو خطرہ محسوس ہوا کہیں ایسا نہ ہو کہ عورتیں گر جائیں، اس لیے آپ نے فرمایا: ''انھیں آہستہ لے کر چل۔'' ② رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کی نازک مزاجی کی وجہ سے انھیں آبگینوں سے تشبیہ دی کیونکہ عورتیں اگر شکستہ دل ہو جائیں تو ان کا پھر طبعی حالت پر آنا بہت مشکل ہوتا ہے، جیسے شیشہ جلدی ٹوٹ جاتا ہے پھر درست نہیں ہوتا۔ چونکہ عورتوں کے دل کمزور ہوتے ہیں اور خوش الحانی سے جلدی متاثر ہو جاتے ہیں، گانا سننے کی طرف ان کا میلان بڑھ جاتا ہے اور گانا، ذہنی آوارگی کا پیش خیمہ ہوتا ہے، اس لیے آپ نے انجشہ کو تنبیہ فرمائی۔ ③ بہر حال رسول اللہ ﷺ کا اس صنف نازک پر بڑا احسان ہے کہ آپ نے ان کی کمزوری اور نزاکت کا مردوں کو قدم قدم پر احساس دلایا۔ حدیث کے آخر میں ابوقلابہ کی بات کا مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ چونکہ فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ مراتب پر فائز تھے، اس لیے آپ ﷺ کو اس طرح کا کلام زیب دیتا تھا۔ اگر عام شخص اس قسم کا استعارہ استعمال کرے تو تم اس پر عیب لگانا شروع کر دو گے۔[1]

(٩١) بَابُ هِجَاءِ الْمُشْرِكِينَ

باب: 91- مشرکین کی ہجو کرنا

وضاحت: ہجا اور ہجو کے ایک ہی معنی ہیں کہ اشعار کے ذریعے سے کسی کی مذمت کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''اپنی زبانوں کے ساتھ مشرکین سے جہاد کرو۔''[2] یعنی اگر مشرکین اپنے اشعار سے تمھاری ہجو کریں تو تم بھی ایسا کرو۔ اپنے اشعار سے ان کی ہجو کرنے کی تمھیں اجازت ہے۔

٦١٥٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتِ: اسْتَأْذَنَ حَسَّانُ بْنُ ثَابِتٍ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي هِجَاءِ الْمُشْرِكِينَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «فَكَيْفَ بِنَسَبِي؟» فَقَالَ حَسَّانُ: لَأَسُلَّنَّكَ مِنْهُمْ كَمَا تُسَلُّ الشَّعْرَةُ مِنَ الْعَجِينِ.

[6150] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت حسان بن ثابت ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کی ہجو کرنے کی اجازت طلب کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(مشرکین اور میرا خاندان تو ایک ہے) پھر میرے نسب کا کیا حال ہو گا؟'' حضرت حسان ؓ نے کہا: میں آپ کو ان سے اس طرح نکالوں گا جیسے بال آٹے سے نکالا جاتا ہے۔

---

① فتح الباري: 669/10. ② مسند أحمد: 153/3.

وَعَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: ذَهَبْتُ أَسُبُّ حَسَّانَ عِنْدَ عَائِشَةَ فَقَالَتْ: لَا تَسُبَّهُ فَإِنَّهُ كَانَ يُنَافِحُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ. [راجع: ٣٥٣١]

ہشام بن عروہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس سب وشتم کرنے لگا تو انھوں نے فرمایا: حسان کو برا بھلا نہ کہو کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کا دفاع کیا کرتا تھا۔

فائدہ: حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے مداح تھے اور مشرکین کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر جو ہجو و مذمت کا حملہ ہوتا وہ اس کا جواب دیتے تھے لیکن بدقسمتی سے وہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں میں شامل تھے، اس لیے حضرت عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کی، آپ انھیں اپنی مجلس میں کیوں بیٹھنے دیتی ہیں؟ انھوں نے فرمایا: وہ جیسا بھی ہے لیکن وہ رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرتا تھا، اس حدیث سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک نفسی، دین پروری اور پرہیزگاری کا پتا چلتا ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی طرف سے انھیں جو تکلیف پہنچی تھی انھوں نے اس کی ذرا پروا نہ کی اور انھیں برا بھلا کہنے سے منع فرمایا۔[1]

٦١٥١ - حَدَّثَنَا أَصْبَغُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَنَّ الْهَيْثَمَ بْنَ أَبِي سِنَانٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ فِي قَصَصِهِ، يَذْكُرُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ أَخًا لَكُمْ لَا يَقُولُ الرَّفَثَ» - يَعْنِي بِذَلِكَ ابْنَ رَوَاحَةَ - قَالَ:

[6151] حضرت ہیثم بن ابو سنان سے روایت ہے، انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ واقعات بیان کرتے ہوئے نبی ﷺ کا تذکرہ کر رہے تھے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمھارے بھائی نے کوئی بری بات نہیں کہی۔'' آپ کا اشارہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی طرف تھا۔ انھوں نے یہ شعر کہے تھے:

فِينَا رَسُولُ اللهِ يَتْلُو كِتَابَهُ
إِذَا انْشَقَّ مَعْرُوفٌ مِنَ الْفَجْرِ سَاطِعُ
أَرَانَا الْهُدَى بَعْدَ الْعَمَى فَقُلُوبُنَا
بِهِ مُوقِنَاتٌ أَنَّ مَا قَالَ وَاقِعُ
يَبِيتُ يُجَافِي جَنْبَهُ عَنْ فِرَاشِهِ
إِذَا اسْتَثْقَلَتْ بِالْكَافِرِينَ الْمَضَاجِعُ

یہ ہیں اللہ کے رسول جو اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، جس وقت فجر کے وقت روشنی کھل جاتی ہے۔ انھوں نے ہمیں گمراہی کے بعد ہدایت کا راستہ دکھایا، ہمارے دل یقین کرتے ہیں کہ آپ نے جو کچھ فرمایا وہ ہو کر رہے گا۔ آپ رات اس طرح گزارتے ہیں کہ آپ کا پہلو بستر سے جدا رہتا ہے جبکہ کافروں کی خواب گاہیں ان کے بوجھ سے بوجھل ہوتی ہیں۔

تَابَعَهُ عُقَيْلٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ. وَقَالَ الزُّبَيْدِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدٍ وَالْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي

عقیل نے زہری سے روایت کرنے میں یونس کی متابعت کی ہے۔ زبیدی نے زہری سے، انھوں نے سعید اور اعرج

1 فتح الباري: 671/10.

هُرَيْرَةَ. [راجع: ١١٥٥]

سے، انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو روایت کیا۔

فائدہ: مشرکین کے خلاف زبان سے جہاد کرنے کی عملی صورت اس حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے ایک ہی شعر میں رسول اللہ ﷺ کی تعریف اور مشرکین کی مذمت فرمائی ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انھیں شعر گوئی پر بہت دسترس اور قدرت حاصل تھی۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے پہلے شعر میں رسول اللہ ﷺ کی علمی حالت کو بیان کیا ہے کہ آپ کو کتاب اللہ سے بہت دلچسپی ہے جبکہ تیسرے شعر میں آپ کی عملی کیفیت کا ذکر ہے کہ آپ رات کو اٹھ کر اپنے رب کے حضور راز و نیاز کرتے ہیں۔ دوسرے شعر میں یہ اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ دوسروں کو بھی کامل کرتے ہیں، یعنی رسول اللہ ﷺ علم و عمل میں کامل اور دوسروں کو مکمل کرنے والے ہیں۔

٦١٥٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ؛ ح: وَحَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَتِيقٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ: أَنَّهُ سَمِعَ حَسَّانَ بْنَ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيَّ يَسْتَشْهِدُ أَبَا هُرَيْرَةَ فَيَقُولُ: يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، نَشَدْتُكَ اللهَ، هَلْ سَمِعْتَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «يَا حَسَّانُ أَجِبْ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، اللَّهُمَّ أَيِّدْهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ»: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: نَعَمْ. [راجع: ٤٥٣]

[6152] حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت ہے، انھوں نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو گواہ بنا کر کہہ رہے تھے: اے ابوہریرہ! میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں، کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا: ”اے حسان! رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مشرکین کو جواب دو: ”اے اللہ! روح القدس، یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے سے ان کی مدد فرما۔“ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں (رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا)۔

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں اس کی مزید وضاحت ہے کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں شعر پڑھ رہے تھے کہ وہاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا تو انھوں نے گویا ناگواری کا اظہار فرمایا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تو اس ہستی کی موجودگی میں شعر پڑھا کرتا تھا جو آپ سے بہتر تھے۔ اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی تھی۔ پھر حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر ان سے اس بارے میں شہادت طلب کی۔[1] ② رسول ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا: ”اشعار کے ذریعے سے مشرکین کی مذمت، تیروں کی بارش سے زیادہ کاٹ کرتی ہے۔“[2] اس لیے رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں

1 صحيح البخاري، بدء الخلق، حديث: 3212. 2 جامع الترمذي، الأدب، حديث: 2847.

سے جو شعراء تھے وہ شعر گوئی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ واللہ أعلم.

٦١٥٣ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِحَسَّانَ: «اهْجُهُمْ - أَوْ قَالَ: هَاجِهِمْ - وَجِبْرِيلُ مَعَكَ». [راجع: ٣٢١٣]

[6153] حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''مشرکین کی ہجو کرو حضرت جبرئیل علیہ السلام تیرے ساتھ ہیں۔''

فوائدومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریظہ کے دن حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''مشرکین کی مذمت کرو، حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے ساتھ ہیں۔''[1] ② شارح صحیح بخاری، ابن بطال نے کہا ہے کہ جب کفار و مشرکین مسلمانوں کو برا بھلا کہیں تو اس وقت ان کی ہجو کرنا افضل عمل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا: ''اے اللہ! حسان کی مدد فرما۔'' یہ اس عمل اور عامل کے شرف کے لیے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے موقع پر مسلمانوں کا دفاع کرنے والوں کی مدد کرتا ہے۔ ③ ان احادیث سے ثابت ہوا کہ حمایت اسلام اور مذمت کفر میں شعر کہنا اللہ تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ اور رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی کا باعث ہے۔ واللہ أعلم.

(٩٢) بَابُ مَا يُكْرَهُ أَنْ يَكُونَ الْغَالِبَ عَلَى الْإِنْسَانِ الشِّعْرُ حَتَّى يَصُدَّهُ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَالْعِلْمِ وَالْقُرْآنِ

باب: 92- شعروشاعری کا اس حد تک غلبہ مکروہ ہے کہ وہ انسان کو اللہ کے ذکر، دینی تعلیم اور تلاوت قرآن سے روک دے

٦١٥٤ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى: أَخْبَرَنَا حَنْظَلَةُ عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَأَنْ يَمْتَلِئَ جَوْفُ أَحَدِكُمْ قَيْحًا خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَمْتَلِئَ شِعْرًا».

[6154] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''اگر تم میں سے کوئی اپنا پیٹ پیپ سے بھر لے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ اسے شعروں سے بھرے۔''

٦١٥٥ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ

[6155] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی آدمی کے پیٹ کا پیپ سے بھر کر خراب ہو جانا اس سے بہتر ہے کہ وہ

1 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4123.

ﷺ: «لَأَنْ يَمْتَلِيءَ جَوْفُ رَجُلٍ قَيْحًا يَرِيهِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَمْتَلِيءَ شِعْرًا».

پیٹ) شعروں سے بھر جائے۔"

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کا مذکورہ عنوان کوئی مسئلہ ثابت کرنے کے لیے نہیں بلکہ ایک حدیث کی وضاحت کرنے کے لیے ہے کیونکہ حدیث کے ظاہری الفاظ مطلق طور پر اشعار کی مذمت پر دلالت کرتے ہیں، حالانکہ اس سے مراد ایسے اشعار ہیں جو فحش اور اخلاق کو خراب کرنے والے ہوں یا ایسے شاعر مراد ہیں جو رات دن شعر گوئی میں مست رہیں اور شعروں کے علاوہ انھیں کسی کام سے کوئی سروکار نہ ہو، نہ قرآن پڑھیں نہ حدیث یاد کریں اور اللہ کے ذکر سے غافل رہیں یا اس سے مراد وہ شعر ہیں جو ظالم و جابر حکمرانوں کی تعریف میں کہے گئے ہوں یا جن میں عورتوں کے محاسن بیان کیے گئے ہوں۔ ② اس حدیث کا سبب ورود یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ یمن کے علاقے عرج میں سفر کر رہے تھے کہ ایک شاعر سامنے آیا اور اشعار پڑھنے لگا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس شیطان کو پکڑو یا اس شیطان کو شعر کہنے سے روکو۔" اس کے بعد آپ نے مذکورہ حدیث بیان فرمائی۔[1]

(٩٣) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «تَرِبَتْ يَمِينُكَ»، وَ«عَقْرَى حَلْقَى»

باب: 93- نبی ﷺ کے ارشاد گرامی: "تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں" اور "تجھ کو زخم پہنچے یا تیرے حلق میں درد ہو" کا بیان

وضاحت: مذکورہ الفاظ عربوں کی زبان پر بے ساختہ جاری ہو جاتے تھے۔ ان سے بددعا مقصود نہیں ہوتی بلکہ غصے اور پیار دونوں حالتوں میں ان الفاظ کو استعمال کیا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ تو پیار محبت سے انھیں استعمال کرتے تھے۔ بہر حال عربوں میں تعجب کے موقع پر ان الفاظ کو استعمال کرنے کا عام رواج تھا۔ واللہ أعلم.

٦١٥٦ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: إِنَّ أَفْلَحَ أَخَا أَبِي الْقُعَيْسِ اسْتَأْذَنَ عَلَيَّ بَعْدَ مَا نَزَلَ الْحِجَابُ فَقُلْتُ: وَاللهِ لَا آذَنُ لَهُ حَتَّى أَسْتَأْذِنَ رَسُولَ اللهِ ﷺ، فَإِنَّ أَخَا أَبِي الْقُعَيْسِ لَيْسَ هُوَ أَرْضَعَنِي، وَلٰكِنْ أَرْضَعَتْنِي امْرَأَةُ أَبِي الْقُعَيْسِ، فَدَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ

[6156] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ پردے کی آیات کے نزول کے بعد ابوقعیس کے بھائی افلح نے مجھ سے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں اسے اندر آنے کی اجازت نہیں دوں گی، جب تک میں رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق اجازت نہ لے لوں کیونکہ ابوقعیس کے بھائی نے مجھے دودھ نہیں پلایا بلکہ ابوقعیس کی بیوی نے مجھے دودھ پلایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ میرے ہاں تشریف لائے تو میں نے کہا: اللہ کے رسول!

[1] صحيح مسلم، الشعر، حديث: 5895 (2259).

الرَّجُلَ لَيْسَ هُوَ أَرْضَعَنِي وَلٰكِنْ أَرْضَعَتْنِي امْرَأَتُهُ، قَالَ: «ائْذَنِي لَهُ فَإِنَّهُ عَمُّكِ، تَرِبَتْ يَمِينُكِ»، قَالَ عُرْوَةُ: فَبِذٰلِكَ كَانَتْ عَائِشَةُ تَقُولُ: حَرِّمُوا مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ. [راجع: ٢٦٤٤]

مرد نے مجھے دودھ نہیں پلایا تھا بلکہ دودھ تو اس کی بیوی نے پلایا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمھارے ہاتھ خاک آلود ہوں! انھیں اندر آنے کی اجازت دے دو کیونکہ وہ تمھارے چچا ہیں۔'' حضرت عروہ نے کہا کہ اسی وجہ سے ام المومنین سیدہ عائشہ ؓ کہتی تھیں: جتنے رشتے خون کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں، دودھ کی وجہ سے بھی انھیں حرام ہی قرار دو۔

٦١٥٧ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا الْحَكَمُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: أَرَادَ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَنْفِرَ فَرَأَى صَفِيَّةَ عَلَى بَابِ خِبَائِهَا كَئِيبَةً حَزِينَةً، لِأَنَّهَا حَاضَتْ فَقَالَ: «عَقْرَى حَلْقَى - لُغَةُ قُرَيْشٍ - إِنَّكِ لَحَابِسَتُنَا»، ثُمَّ قَالَ: «أَكُنْتِ أَفَضْتِ يَوْمَ النَّحْرِ؟» يَعْنِي الطَّوَافَ، قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَ: «فَانْفِرِي إِذًا». [راجع: ٢٩٤]

[6157] حضرت عائشہ ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے حج سے واپسی کا ارادہ کیا تو خیمے کے دروازے پر حضرت صفیہ ؓ کو بہت غمناک دیکھا کیونکہ انھیں حیض آ گیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''کاٹی مونڈی ...... یہ قریش کا محاورہ ہے ...... اب تم ہمیں روکنا چاہتی ہو۔'' پھر آپ نے دریافت فرمایا: ''کیا تم نے قربانی کے دن طواف زیارت کر لیا تھا؟'' انھوں نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''اگر ایسا ہے تو پھر سفر کا آغاز کرو۔''

فائدہ: پہلی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ ؓ کے لیے تَرِبَتْ يَمِينُكِ ''تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں'' اور دوسری حدیث میں حضرت صفیہ ؓ کے لیے عَقْرَى حلقى، یعنی کاٹی مونڈی کے الفاظ استعمال کیے، ان الفاظ کے اصل معنی مقصود نہیں بلکہ عربوں کے ہاں اظہار تعجب کے لیے یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کا ایک ارشاد گرامی ہے جو امت کے لیے بہت امید افزا ہے: ''اے اللہ! میں نے تجھ سے ایک عہد لیا ہے جس کا تو خلاف نہیں کرے گا، آخر میں بھی ایک انسان ہوں، میں نے جس مومن کو کوئی اذیت پہنچائی ہو، میں نے اسے برا بھلا کہا ہو، لعن وطعن کی ہو، اسے مارا ہو تو اسے اس کے لیے باعث طہارت ورحمت اور قربت کا ذریعہ بنا دے اور قیامت کے دن تو اس وجہ سے اسے اپنا مقرب بنا لے۔''[1]

(٩٤) بَابُ مَا جَاءَ فِي: زَعَمُوا

باب: 94- لفظ ''زَعَمُوا'' کے استعمال کا بیان

1 صحیح مسلم، البر والصلة، حدیث: 6619 (2601).

وضاحت: ایک حدیث میں لفظ "زَعَمُوا" کو آدمی کی بہت بری سواری کہا گیا ہے۔[1] کیونکہ یہ لفظ اکثر وہاں بولا جاتا ہے جہاں کہنے والے کو اپنی سچائی کا یقین نہ ہو۔ ہماری زبان میں "لوگوں کا خیال ہے" باور کیا جاتا ہے یا "کہا جاتا ہے" کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں، موجودہ لادینی صحافت کا یہ طرۂ امتیاز ہے کہ وہ جھوٹ کو لاگ لپیٹ کر آگے بڑھانے میں بڑی شاطر ہے۔ بہر حال لوگوں سے سنی سنائی باتوں کو بلا تحقیق آگے نقل کرنا بہت بڑا اخلاقی جرم ہے۔ بعض دفعہ یہ لفظ یقین یا ظن غالب کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان ہے کہ یقینی امور میں اسے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

٦١٥٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ: أَنَّ أَبَا مُرَّةَ مَوْلَى أُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ سَمِعَ أُمَّ هَانِئٍ بِنْتَ أَبِي طَالِبٍ تَقُولُ: ذَهَبْتُ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ عَامَ الْفَتْحِ، فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ ابْنَتُهُ تَسْتُرُهُ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ: «مَنْ هٰذِهِ؟» فَقُلْتُ: أَنَا أُمُّ هَانِئٍ بِنْتُ أَبِي طَالِبٍ، فَقَالَ: «مَرْحَبًا بِأُمِّ هَانِئٍ»، فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهِ قَامَ فَصَلَّى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ مُلْتَحِفًا فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، زَعَمَ ابْنُ أُمِّي أَنَّهُ قَاتِلٌ رَجُلًا قَدْ أَجَرْتُهُ، فُلَانُ ابْنُ هُبَيْرَةَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ يَا أُمَّ هَانِئٍ»، قَالَتْ أُمُّ هَانِئٍ: وَذَاكَ ضُحًى. [راجع: ٢٨٠]

[6158] حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ فتح مکہ کے موقع پر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو میں نے دیکھا کہ آپ غسل کر رہے تھے جبکہ آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کو پردہ کیے ہوئے ہے۔ میں نے سلام عرض کیا تو آپ نے دریافت فرمایا: "یہ کون ہے؟" میں نے کہا: ام ہانی بنت ابی طالب ہوں۔ آپ نے فرمایا: "ام ہانی کو خوش آمدید۔" جب آپ غسل سے فارغ ہوئے تو کھڑے ہوئے اور آٹھ رکعات ادا کیں۔ آپ اس وقت اپنا جسم ایک ہی کپڑے میں لپیٹے ہوئے تھے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے کہا: اللہ کے رسول! میرا بھائی اپنے خیال کے مطابق ایک ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتا ہے جسے میں نے پناہ دے رکھی ہے، یعنی فلاں بن ہبیرہ کو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے ام ہانی! جسے تم نے پناہ دی ہے اسے ہم نے بھی امان دی۔" حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے کہا: اور یہ چاشت کا وقت تھا۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں "زَعَمَ ابْنُ أُمِّي" کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ لفظ "زَعَمُوا" استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر اس کا استعمال ناجائز ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس کی اصلاح فرما دیتے۔ ② لفظ زَعَمَ قول کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا: اے محمد! ہمارے پاس آپ کا قاصد آیا اور اس نے کہا کہ آپ خود کو اللہ کے رسول کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "اس نے سچ کہا ہے۔"[2] الفاظ یہ ہیں: [أَتَانَا رَسُولُكَ فَزَعَمَ لَنَا أَنَّكَ تَزْعُمُ أَنَّ اللهَ أَرْسَلَكَ؟ قَالَ: صَدَقَ] بہر حال لفظ زعم کے استعمال میں کوئی حرج نہیں

① سنن أبي داود، الأدب، حديث: 4972. 2 صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 102 (12).

ہے۔ واللہ أعلم.

(٩٥) بَابُ مَا جَاءَ فِي قَوْلِ الرَّجُلِ : وَيْلَكَ

باب: 95- لفظ ”ويلك“ تجھ پر افسوس ہے کہنے کی حیثیت

وضاحت: اکثر اہل لغت کی رائے ہے کہ کلمۂ ویل ہلاکت کے لیے اور لفظ ویح کلمۂ ترحم ہے جبکہ کچھ حضرات کا خیال ہے کہ ویل اور ویح دونوں ہم معنی ہیں۔ امام بخاری رضی اللہ عنہ کا یہی رجحان معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ہم آئندہ اس کی وضاحت کریں گے۔

٦١٥٩ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ : حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى رَجُلًا يَسُوقُ بَدَنَةً فَقَالَ: «ارْكَبْهَا»، قَالَ: إِنَّهَا بَدَنَةٌ، قَالَ: «ارْكَبْهَا»، قَالَ: إِنَّهَا بَدَنَةٌ، قَالَ: «ارْكَبْهَا وَيْلَكَ». [راجع: ١٦٩٠]

[6159] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ اپنی قربانی کی اونٹنی کو ہانک کر لیے جا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: ”اس پر سوار ہو جاؤ۔“ اس نے کہا: یہ تو قربانی کا جانور ہے۔ آپ نے فرمایا: ”اس پر سواری کر لو۔“ اس نے پھر کہا: یہ تو قربانی کے لیے ہے۔ آپ نے فرمایا: ”تیری خرابی ہو، اس پر سوار ہو جاؤ۔“

٦١٦٠ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ رَأَى رَجُلًا يَسُوقُ بَدَنَةً، فَقَالَ لَهُ: «ارْكَبْهَا»، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّهَا بَدَنَةٌ، قَالَ: «ارْكَبْهَا وَيْلَكَ»، فِي الثَّانِيَةِ أَوْ فِي الثَّالِثَةِ. [راجع: ١٦٨٩]

[6160] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا جو قربانی کے اونٹ کو ہانک کر لے جا رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: ”اس پر سوار ہو جاؤ۔“ اس نے کہا: اللہ کے رسول! یہ تو قربانی کا جانور ہے۔ آپ نے فرمایا: ”تیرے لیے ہلاکت ہو، اس پر سوار ہو جاؤ۔“ دوسری یا تیسری مرتبہ یہ فرمایا۔

٦١٦١ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ؛ ح: وَأَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي سَفَرٍ، وَكَانَ مَعَهُ غُلَامٌ لَهُ أَسْوَدُ يُقَالُ لَهُ: أَنْجَشَةُ، يَحْدُو، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «وَيْحَكَ يَا أَنْجَشَةُ، رُوَيْدَكَ

[6161] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے اور آپ کے ساتھ آپ کا ایک سیاہ فام غلام تھا۔ اسے انجشہ کہا جاتا تھا۔ وہ حدی پڑھ کر اونٹ چلا رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے انجشہ! افسوس تجھ پر، آبگینوں کو آہستہ آہستہ لے کر چلو۔“

بِالْقَوَارِيرِ». [راجع: ١٦٤٩]

٦١٦٢ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ خَالِدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: أَثْنَى رَجُلٌ عَلَى رَجُلٍ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «وَيْلَكَ قَطَعْتَ عُنُقَ أَخِيكَ - ثَلَاثًا - مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَادِحًا لَا مَحَالَةَ فَلْيَقُلْ: أَحْسِبُ فُلَانًا وَاللهُ حَسِيبُهُ، وَلَا أُزَكِّي عَلَى اللهِ أَحَدًا، إِنْ كَانَ يَعْلَمُ». [راجع: ٢٦٦٢]

[6162] حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ کے سامنے ایک آدمی نے کسی دوسرے آدمی کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا: ''افسوس تجھ پر! تم نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی...... آپ نے تین مرتبہ یہ الفاظ دہرائے...... اگر تمھیں کسی کی تعریف کرنا ہی ہو اور وہ اس کے متعلق جانتا بھی ہو تو اس طرح کہو: فلاں کے متعلق میرا خیال یہ ہے یقینی طور پر تو اللہ ہی اس کا حساب جانتا ہے۔ میں تو اللہ کے مقابلے میں کسی کو نیک نہیں کہہ سکتا۔''

٦١٦٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ وَالضَّحَّاكِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: بَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يَقْسِمُ ذَاتَ يَوْمٍ قَسْمًا، فَقَالَ ذُو الْخُوَيْصِرَةِ - رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ - يَا رَسُولَ اللهِ اعْدِلْ، قَالَ: «وَيْلَكَ، مَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ أَعْدِلْ؟» فَقَالَ عُمَرُ: ائْذَنْ لِي فَلِأَضْرِبْ عُنُقَهُ، قَالَ: «لَا، إِنَّ لَهُ أَصْحَابًا يَحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلَاتَهُ مَعَ صَلَاتِهِمْ، وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمُرُوقِ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ، يُنْظَرُ إِلَى نَصْلِهِ فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ، [ثُمَّ يُنْظَرُ إِلَى رِصَافِهِ فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ]، ثُمَّ يُنْظَرُ إِلَى نَضِيِّهِ فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ، ثُمَّ يُنْظَرُ إِلَى قُذَذِهِ فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ، سَبَقَ الْفَرْثَ وَالدَّمَ، يَخْرُجُونَ عَلَى حِينِ فُرْقَةٍ مِنَ النَّاسِ، آيَتُهُمْ رَجُلٌ إِحْدَى يَدَيْهِ مِثْلُ ثَدْيِ الْمَرْأَةِ، أَوْ مِثْلُ الْبَضْعَةِ تَدَرْدَرُ». قَالَ أَبُو

[6163] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک دن نبی ﷺ کچھ تقسیم کر رہے تھے کہ بنوتمیم کے ایک شخص ذوالخویصرہ نے کہا: اللہ کے رسول! آپ عدل وانصاف کریں۔ آپ نے فرمایا: ''افسوس تجھ پر! اگر میں ہی انصاف نہیں کروں گا تو پھر کون کرے گا؟'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: آپ مجھے اجازت دیں تو میں اس کی گردن اڑا دوں۔ آپ نے فرمایا: ''ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے، اس کے کچھ ساتھی ہوں گے، تم ان کی نماز کے مقابلے میں اپنی نماز کو معمولی خیال کرو گے اور ان کے روزوں کے مقابلے میں اپنے روزوں کو حقیر سمجھو گے۔ وہ دین سے اس طرح نکل چکے ہوں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ تیر کے پھل کو دیکھا جائے تو اس پر کوئی نشان نہیں ملے گا، اس کی لکڑی کو دیکھا جائے تو وہاں کوئی نشان نہیں ہوگا، اس کے دندانوں کو دیکھا جائے تو اس میں بھی کچھ نہیں ملے گا، پھر اس کے پر کو دیکھا جائے تو اس پر بھی کوئی نشان نہیں ملے گا، حالانکہ وہ تیر شکار کے خون اور غلاظت سے گزر کر باہر آیا ہے۔ یہ لوگ اس وقت ظاہر ہوں

سَعِيدٍ: أَشْهَدُ لَسَمِعْتُهُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ، وَأَشْهَدُ أَنِّي كُنْتُ مَعَ عَلِيٍّ حِينَ قَاتَلَهُمْ، فَالْتُمِسَ فِي الْقَتْلَى، فَأُتِيَ بِهِ عَلَى النَّعْتِ الَّذِي نَعَتَ النَّبِيُّ ﷺ. [راجع: ٣٣٤٤]

گے جب لوگوں میں پھوٹ پڑ چکی ہوگی۔ ان کی نشانی یہ ہوگی کہ ان میں ایک آدمی ہوگا جس کا ایک بازو عورت کے پستان کی طرح ہوگا یا گوشت کے لوتھڑے کی طرح حرکت کرے گا۔'' حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے نبی ﷺ سے یہ حدیث سنی اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب ان سے جنگ کی تھی تو میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ مقتولین میں وہ شخص تلاش کیا گیا تو وہ انھی صفات کا حامل تھا جو نبی ﷺ نے بیان کی تھیں۔

٦١٦٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ [أَبُو الْحَسَنِ]: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ شِهَابٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَجُلًا أَتَى رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ هَلَكْتُ، قَالَ: «وَيْحَكَ؟» قَالَ: وَقَعْتُ عَلَى أَهْلِي فِي رَمَضَانَ، قَالَ: «أَعْتِقْ رَقَبَةً»، قَالَ: مَا أَجِدُهَا، قَالَ: «فَصُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ»، قَالَ: لَا أَسْتَطِيعُ، قَالَ: «فَأَطْعِمْ سِتِّينَ مِسْكِينًا»، قَالَ: مَا أَجِدُ، فَأُتِيَ بِعَرَقٍ فَقَالَ: «خُذْهُ فَتَصَدَّقْ بِهِ». فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَعَلَى غَيْرِ أَهْلِي؟ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا بَيْنَ طُنُبَيِ الْمَدِينَةِ أَحْوَجُ مِنِّي، فَضَحِكَ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى بَدَتْ أَنْيَابُهُ، قَالَ: «خُذْهُ». [راجع: ١٩٣٦]

[6164] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: اللہ کے رسول! میں تو ہلاک ہوگیا۔ آپ نے فرمایا: ''تیری خرابی ہو! کیا ہوا؟ اس نے کہا: میں نے رمضان میں (بحالت روزہ) اپنی بیوی سے صحبت کرلی ہے۔ آپ نے فرمایا: ''ایک غلام آزاد کرو۔'' اس نے کہا: میرے پاس غلام نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: ''پھر مسلسل دو ماہ کے روزے رکھ۔'' اس نے کہا: اس کی مجھ میں طاقت نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا۔'' اس نے کہا: میں اس قدر کھانا نہیں پاتا۔ اس دوران میں کھجوروں کا ایک ٹوکرا لایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ لے لو اور اسے صدقہ کردو۔'' اس نے عرض کی: اللہ کے رسول! کیا (میں) اپنے بال بچوں کے علاوہ دوسروں پر (صدقہ کروں؟) اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! مدینہ طیبہ کے دونوں کناروں کے درمیان مجھ سے زیادہ کوئی محتاج نہیں ہے۔ نبی ﷺ ہنس پڑے یہاں تک آپ کے دندان مبارک دکھائی دینے لگے، آپ نے فرمایا: ''جاؤ اسے تم ہی لے لو۔''

تَابَعَهُ يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ، وَقَالَ عَبْدُ

زہری سے روایت کرنے میں یونس نے اوزاعی کی

الرَّحْمٰنِ بْنُ خَالِدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ: «وَيْلَكَ».

متابعت کی ہے۔ عبدالرحمٰن بن خالد نے زہری سے روایت کی کہ آپ ﷺ نے وَیْحَكَ کے بجائے وَیْلَكَ فرمایا۔

٦١٦٥ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ: حَدَّثَنَا أَبُو عَمْرٍو الْأَوْزَاعِيُّ [قَالَ]: حَدَّثَنِي ابْنُ شِهَابٍ الزُّهْرِيُّ عَنْ عَطَاءِ ابْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ أَعْرَابِيًّا قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَخْبِرْنِي عَنِ الْهِجْرَةِ، فَقَالَ: «وَيْحَكَ إِنَّ شَأْنَ الْهِجْرَةِ شَدِيدٌ فَهَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ؟» قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «فَهَلْ تُؤَدِّي صَدَقَتَهَا؟» قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «فَاعْمَلْ مِنْ وَرَاءِ الْبِحَارِ، فَإِنَّ اللهَ لَنْ يَتِرَكَ مِنْ عَمَلِكَ شَيْئًا». [راجع: ١٤٥٢]

[6165] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے عرض کی: اللہ کے رسول! مجھے ہجرت کے متعلق کچھ بتائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تیری خرابی ہو، ہجرت کا معاملہ تو بہت سخت ہے۔ کیا تمھارے پاس کچھ اونٹ ہیں؟“ اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ”کیا تم ان کی زکاۃ ادا کرتے ہو؟“ اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ”پھر تم شہروں اور بستیوں سے ورے اپنا کاروبار کرتے رہو، اللہ تمھارے کسی عمل کے ثواب کو ضائع نہیں کرے گا۔“

٦١٦٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ وَاقِدِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «وَيْلَكُمْ - أَوْ وَيْحَكُمْ، قَالَ شُعْبَةُ: شَكَّ هُوَ - لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ». [راجع: ١٧٤٢]

[6166] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”تم پر افسوس! میرے بعد تم کافروں کی طرح نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں اڑانے لگو۔“

وَقَالَ النَّضْرُ عَنْ شُعْبَةَ: «وَيْحَكُمْ». وَقَالَ عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ: «وَيْلَكُمْ، أَوْ وَيْحَكُمْ».

نضر نے شعبہ سے وَیْحَكُمْ روایت کیا ہے جبکہ عمر بن محمد نے اپنے باپ سے وَیْلَكُمْ یا وَیْحَكُمْ کے الفاظ نقل کیے ہیں۔

٦١٦٧ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ،

[6167] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دیہاتیوں سے ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا: اللہ کے رسول! قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا:

مَتَى السَّاعَةُ قَائِمَةٌ؟ قَالَ: «وَيْلَكَ، وَمَا أَعْدَدْتَ لَهَا؟» قَالَ: مَا أَعْدَدْتُ لَهَا إِلَّا أَنِّي أُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ، قَالَ: «إِنَّكَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ»، فَقُلْنَا: وَنَحْنُ كَذٰلِكَ؟ قَالَ: «نَعَمْ»، فَفَرِحْنَا يَوْمَئِذٍ فَرَحًا شَدِيدًا، فَمَرَّ غُلَامٌ لِلْمُغِيرَةِ وَكَانَ مِنْ أَقْرَانِي، فَقَالَ: «إِنْ أُخِّرَ هٰذَا فَلَمْ يُدْرِكْهُ الْهَرَمُ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ».

''تیرے لیے خرابی ہو! تو نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟'' اس نے کہا: میں نے اس کے لیے تو کوئی خاص تیاری نہیں کی، البتہ میں اللہ اور اس کے رسول سے ضرور محبت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر تم قیامت کے دن ان کے ساتھ ہوگے جن سے تم محبت رکھتے ہو۔'' ہم نے پوچھا: ہمارے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں۔'' ہم اس دن بہت زیادہ خوش ہوئے۔ پھر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کا ایک غلام وہاں سے گزرا جو میرا ہم عمر تھا، آپ نے فرمایا: ''اگر یہ زندہ رہا تو اس کو بڑھاپا نہیں آئے گا حتی کہ قیامت آجائے گی۔''

وَاخْتَصَرَهُ شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ: سَمِعْتُ أَنَسًا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٣٦٨٨]

اس حدیث کو شعبہ نے قتادہ سے مختصر ذکر کرتے ہوئے کہا کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ سے بیان کرتے ہوئے سنا ہے۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں اضافہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ اس محبت کی وجہ سے میں قیامت کے دن ان حضرات کے ساتھ ہوں گا اگرچہ میں ان جیسے اعمال نہیں کر سکا ہوں۔[1] ② واضح رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت نو روایات مختلف انداز سے بیان کی ہیں، کچھ روایات میں حتمی طور پر وَيْلَكَ کے الفاظ ہیں جیسا کہ حدیث: 6163،1662،6160،6159 اور 6167 میں ہے اور کچھ روایات میں حتمی طور پر وَيْحَكَ کے الفاظ ہیں جیسا کہ حدیث: 6161 اور 6165 میں ہے۔ ایک روایت میں حتمی طور پر کچھ راوی وَيْلَكَ اور کچھ دوسرے وَيْحَكَ سے بیان کرتے ہیں جیسا کہ حدیث: 6164 میں ہے، جبکہ ایک روایت شک کے ساتھ بیان ہوئی ہے، پھر کچھ نے وَيْحَكُم کہا اور کچھ نے وَيْلَكُم ذکر کیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک وَيْل اور وَيح کے ایک ہی معنی ہیں۔ ③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس انداز سے ایک روایت کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ روایت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''تم لفظ ويح سے نہ گھبراؤ کیونکہ یہ تو رحمت کا کلمہ ہے، البتہ لفظ الویل پریشان کن کلمہ ضرور ہے۔''[2]

---

1 صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، حديث: 3688. 2 مساوئ الأخلاق: 389/5، رقم: 872، وفتح الباري: 679/10.

(٩٦) بَابُ عَلَامَةِ الْحُبِّ فِي اللهِ

باب:96-اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامت

لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ [آل عمران: ٣١]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔“

وضاحت: حب اللہ سے مراد اللہ کے بندوں سے محبت کرنا، لہٰذا اللہ محبّ اور بندے محبوب ہوئے۔ اس صورت میں حب کی اضافت اپنے فاعل کی طرف ہوگی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ بندوں کا اللہ سے محبت کرنا گویا بندے محبّ اور اللہ محبوب ہوا، اس صورت میں حب کی اضافت مفعول کی طرف ہوگی۔ تیسرا یہ بھی احتمال ہے کہ بندے آپس میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے محبت کریں جس میں ریا کاری، ذاتی مفادات اور نفسانی خواہشات کا دخل نہ ہو۔ لیکن آیت کریمہ پہلی دو قسموں کے موافق معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع کو حب اللہ کی علامت ٹھہرایا گیا ہے۔ پہلی قسم میں علامت اس طرح ہے کہ اتباع کی مسبب ہے اور دوسری صورت میں یہ اتباع کا سبب ہے۔ بہرحال جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کا دم بھرتا ہے لیکن سنت رسول کی مخالفت میں پیش پیش ہے تو وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے اور قرآن اس کی تکذیب کرتا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

٦١٦٨ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: «الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ». [انظر: ٦١٦٩]

[6168] حضرت عبداللہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”(جنت میں) آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ (دنیا میں) محبت رکھتا ہے۔“

٦١٦٩ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ ابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، كَيْفَ تَقُولُ فِي رَجُلٍ أَحَبَّ قَوْمًا وَلَمْ يَلْحَقْ بِهِمْ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ». [راجع: ٦١٦٨]

[6169] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اللہ کے رسول! آپ اس آدمی کے متعلق کیا فرماتے ہیں جو لوگوں سے محبت رکھتا ہے لیکن (عمل و کردار میں) ان میں سے نہیں ہو سکا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔“

تَابَعَهُ جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ، وَسُلَيْمَانُ بْنُ قَرْمٍ، وَأَبُو عَوَانَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

جریر بن حازم، سلیمان بن قرم اور ابوعوانہ نے اعمش سے روایت کرنے میں جریر بن عبدالحمید کی متابعت کی ہے۔

٦١٧٠ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: قِيلَ لِلنَّبِيِّ ﷺ: اَلرَّجُلُ يُحِبُّ الْقَوْمَ وَلَمَّا يَلْحَقْ بِهِمْ؟ قَالَ: «اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ».

[6170] حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ سے عرض کیا گیا: ایک آدمی لوگوں سے محبت کرتا ہے جبکہ وہ (عمل و کردار میں) ان میں سے نہیں ہو سکا تو؟ آپ نے فرمایا: ''آدمی اس کے ساتھ ہو گا جس سے محبت رکھتا ہے۔''

تَابَعَهُ أَبُو مُعَاوِيَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ.

ابو معاویہ اور محمد بن عبید نے اعمش سے روایت کرنے میں سفیان کی متابعت کی ہے۔

٦١٧١ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنَا أَبِي عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ: مَتَى السَّاعَةُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «مَا أَعْدَدْتَ لَهَا؟» قَالَ: مَا أَعْدَدْتُ لَهَا مِنْ كَثِيرِ صَلَاةٍ وَلَا صَوْمٍ وَلَا صَدَقَةٍ، وَلٰكِنِّي أُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ، قَالَ: «أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ». [راجع: ٣٦٨٨]

[6171] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے سوال کیا: اللہ کے رسول! قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا: ''تو نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟'' اس نے عرض کی: میں نے قیامت کی تیاری میں نہ زیادہ نمازیں پڑھی ہیں اور نہ زیادہ صدقات ہی دیے ہیں، البتہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ضرور کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو اسی کے ساتھ ہو گا جس سے محبت رکھتا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① ان روایات میں [مَنْ أَحَبَّ] عام ہے، اللہ تعالیٰ سے محبت کرے اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرے اور لوگوں سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے محبت کرے، یعنی وہ مخلص ہو، ریا کار نہ ہو، ذاتی مفادات اور نفسانی خواہشات اس محبت کے پس منظر میں نہ ہوں تو جن سے محبت کرے گا قیامت کے دن انھی کے ساتھ ہو گا۔ مطلب یہ ہے کہ حسن نیت کے ساتھ عمل کی زیادتی کے بغیر وہ جنت میں ان کے ساتھ ہو گا اور ان کے ساتھ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ درجات میں بھی ان کے برابر ہو گا۔ ② بہر حال جو شخص اللہ کے لیے نیک لوگوں سے محبت کرے گا اللہ تعالیٰ ان سب کو جنت میں جمع کر دے گا اگرچہ عمل و کردار میں ان سے کم ہو جیسا کہ آخری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے بدنی اور مالی عبادات سے فرائض کے علاوہ کچھ نہیں کیا تھا لیکن اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت تھی، اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چونکہ تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہے، لہٰذا تیرا مقام عام لوگوں سے بلند ہو گا۔''

(٩٧) بَابُ قَوْلِ الرَّجُلِ لِلرَّجُلِ: اخْسَأْ

باب: 97- ایک آدمی دوسرے سے کہے: چل دفع ہو جا

وضاحت: عربوں کے ہاں کتے کو ڈانٹنے اور دور کرنے کے لیے لفظ [اِخسَأ] بولا جاتا ہے اور اس شخص کے لیے یہ لفظ استعمال کرتے ہیں جو ایسا نامناسب کام یا ایسی نہ زیبا بات کہے جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہو۔ قرآن کریم میں بدکردار لوگوں کے لیے یہ لفظ اسی طور پر استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل جہنم سے فرمائے گا: ''مجھ سے دفع ہی رہو، آگ میں پڑے رہو اور مجھ سے بات بھی نہ کرو۔'' بہر حال لفظ اِخسَأ کتے کو دھتکارنے کے لیے استعمال ہوتا ہے جسے پنجابی میں دُر، دُر کہتے ہیں۔

٦١٧٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا سَلْمُ بْنُ زَرِيرٍ: سَمِعْتُ أَبَا رَجَاءٍ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِابْنِ صَائِدٍ: «قَدْ خَبَأْتُ لَكَ خَبْأً فَمَا هُوَ؟» قَالَ: الدُّخُّ، قَالَ: «اخْسَأْ».

[6172] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن صائد سے فرمایا: ''میں نے (اس وقت) اپنے دل میں ایک بات چھپا رکھی ہے وہ کیا ہے؟'' وہ بولا: ''الدخ'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''چل دفع ہو جا۔''

فائدہ: رسول اللہ ﷺ کو ابن صیاد کے متعلق دجال ہونے کا اندیشہ تھا۔ حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنے دل میں سورۃ الدخان تصور کیا، پھر ابن صیاد سے فرمایا: تو رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، اگر تو سچا ہے تو بتا میں نے اپنے دل میں کیا چھپا رکھا ہے؟ شیطان نے لفظ درخ تک اس کی رہنمائی کی تو وہ بھی دُخ دُخ کہنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ذلیل انسان دور ہو جا، اب تو اپنی حیثیت سے آگے نہیں بڑھ سکے گا۔'' اب تو انسانی وقار کے قابل نہیں رہا، بلکہ تو حیوانات سے بھی آگے بڑھ گیا ہے۔ اس واقعے کی مزید تفصیل درج ذیل حدیث میں ہے۔

٦١٧٣ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ أَخْبَرَهُ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ انْطَلَقَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي رَهْطٍ مِنْ أَصْحَابِهِ قِبَلَ ابْنِ صَيَّادٍ حَتَّى وَجَدَهُ يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ فِي أُطُمِ بَنِي مَغَالَةَ - وَقَدْ قَارَبَ ابْنُ صَيَّادٍ يَوْمَئِذٍ الْحُلُمَ - فَلَمْ يَشْعُرْ حَتَّى ضَرَبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ظَهْرَهُ بِيَدِهِ، ثُمَّ قَالَ: «أَتَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللهِ؟» فَنَظَرَ إِلَيْهِ فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ الْأُمِّيِّينَ، ثُمَّ قَالَ ابْنُ صَيَّادٍ: أَتَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللهِ؟ فَرَضَّهُ النَّبِيُّ ﷺ، ثُمَّ

[6173] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب ؓ، رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ابن صیاد کی طرف گئے، آپ کے ہمراہ صحابۂ کرام کا ایک گروہ بھی تھا۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہ بنو مغالہ کے محلہ میں چند بچوں کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ ان دنوں ابن صیاد بلوغ کے قریب تھا۔ اسے (آپ ﷺ کی آمد کا) احساس نہ ہوا حتی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک اس کی پشت پر مار کر فرمایا: ''تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟'' اس نے آپ کی طرف دیکھ کر کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ امیوں، یعنی عربوں کے رسول ہیں۔ پھر ابن صیاد نے کہا: کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟

قَالَ: «آمَنْتُ بِاللهِ وَرُسُلِهِ»، ثُمَّ قَالَ لِابْنِ صَيَّادٍ: «مَاذَا تَرَى؟» قَالَ: يَأْتِينِي صَادِقٌ وَكَاذِبٌ، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «خُلِّطَ عَلَيْكَ الْأَمْرُ». قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنِّي خَبَّأْتُ لَكَ خَبِيئًا»، قَالَ: هُوَ الدُّخُّ، قَالَ: «اخْسَأْ، فَلَنْ تَعْدُوَ قَدْرَكَ». قَالَ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللهِ، لِتَأْذَنْ لِي فِيهِ أَضْرِبْ عُنُقَهُ، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنْ يَكُنْ هُوَ لَا تُسَلَّطْ عَلَيْهِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ هُوَ فَلَا خَيْرَ لَكَ فِي قَتْلِهِ». [راجع: ١٣٥٤]

نبی ﷺ نے اسے دھکا دے کر فرمایا: ”میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا۔“ پھر آپ نے ابن صیاد سے فرمایا: ”تو کیا دیکھتا ہے؟“ اس نے کہا: میرے پاس سچا اور جھوٹا دونوں آتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تیرے لیے معاملہ مشتبہ کر دیا گیا ہے۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے تیرے لیے ایک بات اپنے دل میں چھپا رکھی ہے (وہ کیا ہے؟)۔“ اس نے کہا: وہ ”الدخ“ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”چل، دفع ہو جا تو اپنی حیثیت سے آگے ہرگز نہیں بڑھ سکے گا۔“ حضرت عمر ؓ نے عرض کی: اللہ کے رسول! کیا آپ مجھے اس کے قتل کی اجازت دیتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر یہ وہی (دجال) ہے تو تم اس پر غالب نہیں آسکتے اور اگر یہ وہ (دجال) نہیں ہے تو اسے قتل کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔“

٦١٧٤ - قَالَ سَالِمٌ: فَسَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ يَقُولُ: انْطَلَقَ بَعْدَ ذٰلِكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأُبَيُّ ابْنُ كَعْبٍ الْأَنْصَارِيُّ يَؤُمَّانِ النَّخْلَ الَّتِي فِيهَا ابْنُ صَيَّادٍ حَتَّى إِذَا دَخَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ طَفِقَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَتَّقِي بِجُذُوعِ النَّخْلِ وَهُوَ يَخْتِلُ أَنْ يَسْمَعَ مِنِ ابْنِ صَيَّادٍ شَيْئًا قَبْلَ أَنْ يَرَاهُ، وَابْنُ صَيَّادٍ مُضْطَجِعٌ عَلَى فِرَاشِهِ فِي قَطِيفَةٍ لَهُ فِيهَا رَمْرَمَةٌ - أَوْ زَمْزَمَةٌ - فَرَأَتْ أُمُّ ابْنِ صَيَّادٍ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ يَتَّقِي بِجُذُوعِ النَّخْلِ، فَقَالَتْ لِابْنِ صَيَّادٍ: أَيْ صَافِ - وَهُوَ اسْمُهُ - هٰذَا مُحَمَّدٌ، فَتَنَاهَى ابْنُ صَيَّادٍ، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَوْ تَرَكَتْهُ بَيَّنَ». [راجع: ١١٥٥]

[6174] حضرت سالم ؒ نے کہا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے سنا، وہ فرما رہے تھے کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ حضرت ابی بن کعب انصاری ؓ کو ساتھ لے کر نخلستان کی طرف گئے جہاں ابن صیاد رہتا تھا، جب آپ باغ میں پہنچے تو آپ نے کھجور کے تنوں (کی اوٹ) میں چھپنا شروع کر دیا۔ یہ حیلہ آپ نے اس لیے کیا کہ آپ اس کی کوئی بات سن سکیں اور وہ آپ کو دیکھ نہ پائے۔ اس وقت ابن صیاد ایک مخملی چادر کے بستر پر لیٹا کچھ گنگنا رہا تھا۔ ابن صیاد کی ماں نے نبی ﷺ کو کھجور کے تنوں (کی اوٹ) میں چھپ کر آتے ہوئے دیکھ لیا تو اسے کہنے لگی: اے صاف! (یہ اس کا نام ہے) محمد آ رہے ہیں، چنانچہ ابن صیاد چوکس ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر اس کی ماں اسے خبردار نہ کرتی تو بات صاف ہو جاتی۔“

٦١٧٥ - قَالَ سَالِمٌ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي النَّاسِ فَأَثْنَى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ ذَكَرَ الدَّجَّالَ فَقَالَ: «إِنِّي أُنْذِرُكُمُوهُ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَقَدْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ، لَقَدْ أَنْذَرَهُ نُوحٌ قَوْمَهُ، وَلٰكِنِّي سَأَقُولُ لَكُمْ فِيهِ قَوْلًا لَمْ يَقُلْهُ نَبِيٌّ لِقَوْمِهِ: تَعْلَمُونَ أَنَّهُ أَعْوَرُ، وَأَنَّ اللهَ لَيْسَ بِأَعْوَرَ». [راجع: ٣٠٥٧]

[6175] حضرت سالم ؒ نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے مجمعے میں کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے شایان شان تعریف کرنے کے بعد آپ نے دجال کا ذکر کیا اور فرمایا: ''میں تمھیں اس کے بارے میں خبردار کرتا ہوں اور کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے اپنی قوم کو اس سے متنبہ نہ کیا ہو۔ بلاشبہ نوح ؑ نے بھی اپنی قوم کو اس سے ڈرایا تھا لیکن میں تمھیں اس کی ایک ایسی نشانی بتاتا ہوں جو کسی نبی نے اپنی قوم کو نہیں بتائی: یقین کرو کہ دجال کانا ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ یک چشم نہیں ہے۔''

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: خَسَأْتُ الْكَلْبَ: بَعَّدْتُهُ. ﴿خَٰسِـِٔينَ﴾ [البقرة:٦٥]: مُبْعَدِينَ.

ابو عبداللہ (امام بخاری) ؒ کہتے ہیں کہ خَسَأْتُ الْكَلْبَ کے معنی ہیں: میں نے کتے کو دور کیا۔ قرآن میں ہے ﴿خَاسِئِينَ﴾ جس کے معنی ہیں: اللہ کی رحمت سے دور کیے ہوئے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ نے ابن صیاد کی حدیث کو صرف اس لیے بیان کیا ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ نے ابن صیاد کے لیے کلمہ ''اِخسَأ'' بیان کیا ہے جو کتے کو دھتکارنے کے لیے کہا جاتا ہے۔ چونکہ اس نے بڑی بری حرکت کی تھی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے توہین آمیز کلمہ استعمال کیا۔ ② اس سے معلوم ہوا کہ جو انسان اللہ اور اس کے رسول کا وفادار نہیں ہے وہ انسان تکریم کا سزاوار نہیں، اللہ کے ہاں تو وہ جانوروں جیسا بلکہ ان سے بھی بڑھ کر ذلیل و خوار ہے۔ اگر ایسے انسان کے لیے وہ الفاظ استعمال کیے جائیں جو کتوں کو دھتکارنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں تو کوئی حرج والی بات نہیں۔ واللہ أعلم.

(٩٨) بَابُ قَوْلِ الرَّجُلِ: مَرْحَبًا

باب: 98- ایک شخص کا دوسرے کو مرحبا کہنا

وَقَالَتْ عَائِشَةُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِفَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ: «مَرْحَبًا بِابْنَتِي». وَقَالَتْ أُمُّ هَانِئٍ: جِئْتُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «مَرْحَبًا بِأُمِّ هَانِئٍ».

حضرت عائشہ ؓ نے کہا: نبی ﷺ نے سیدہ فاطمہ ؓ سے فرمایا: ''بیٹی! خوش آمدید۔'' حضرت ام ہانی ؓ نے کہا: میں نبی ﷺ کے پاس آئی تو آپ نے فرمایا: ''ام ہانی! خوش آمدید۔''

وضاحت: مرحبًا کا لفظ رحبه سے ماخوذ ہے جس کے معنی کشادہ زمین کے ہیں۔ گویا مرحبا کے معنی یہ ہیں تو تنگ و

تاریک زمین میں نہیں بلکہ فراخ اور کھلی جگہ آیا ہے۔ یہاں تجھے کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

٦١٧٦ - حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ: حَدَّثَنَا أَبُو التَّيَّاحِ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَمَّا قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَرْحَبًا بِالْوَفْدِ الَّذِينَ جَاءُوا غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامَى»، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّا حَيٌّ مِنْ رَبِيعَةَ وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مُضَرُ، وَإِنَّا لَا نَصِلُ إِلَيْكَ إِلَّا فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ، فَمُرْنَا بِأَمْرٍ فَصْلٍ نَدْخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ، وَنَدْعُو بِهِ مَنْ وَرَاءَنَا، فَقَالَ: «أَرْبَعٌ وَأَرْبَعٌ: أَقِيمُوا الصَّلَاةَ، وَآتُوا الزَّكَاةَ، وَصُومُوا رَمَضَانَ، وَأَعْطُوا خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ، وَلَا تَشْرَبُوا فِي الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالنَّقِيرِ وَالْمُزَفَّتِ».

[راجع: ٥٣]

[6176] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ جب عبدالقیس کا وفد نبی ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے انھیں فرمایا: ''مرحبا! تمھیں یہاں کسی قسم کی رسوائی یا ندامت نہیں ہوگی۔'' انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! ہم قبیلۂ ربیعہ کے لوگ ہیں، ہمارے اور آپ کے درمیان قبیلۂ مضر کے کفار ہیں، لہٰذا ہم آپ کے پاس صرف حرمت والے مہینے میں آسکتے ہیں۔ آپ ہمیں کوئی ایسی فیصلہ کن بات بتائیں جس پر عمل کر کے ہم جنت میں داخل ہو جائیں اور جو لوگ نہیں آسکے ہم انھیں بھی اس کی دعوت دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''چار (امور کا تمھیں حکم دیتا ہوں) اور چار (سے روکتا ہوں): نماز قائم کرو، زکاۃ دو، رمضان کے روزے رکھو اور مال غنیمت سے پانچواں حصہ ادا کرو اور کدو، سفید مٹکوں، لکڑی کرید کر بنائے ہوئے برتنوں اور روغنی مرتبانوں میں کچھ نہ کھاؤ پیو۔''

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے وفد عبدالقیس کی آمد کے موقع پر انھیں خوش آمدید کہا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی مہمان یا معزز وفد آئے تو استقبال کے طور پر انھیں مرحبا کہنا چاہیے تاکہ انھیں اجنبیت کے بجائے اپنائیت کا احساس ہو اور وہ بے تکلفی کے انداز میں اپنا مافی الضمیر ظاہر کر سکیں۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی مقصد سے اس حدیث کو بیان کیا ہے۔ اسلام ایک زندہ مذہب ہے، لہٰذا جو لوگ اسے اختیار کرتے ہیں، انھیں دوسروں سے خندہ پیشانی کا برتاؤ کرنا چاہیے۔ اپنے قول و کردار سے ایسا رویہ نہیں اختیار کرنا چاہیے جس سے دوسروں کو نفرت ہو اور وہ اسلام اور اہل اسلام کے قریب آنے سے ہچکچاہٹ محسوس کریں۔

(٩٩) بَابُ مَا يُدْعَى النَّاسُ بِآبَائِهِمْ

باب: 99- (قیامت کے دن) لوگوں کو ان کے باپ کا نام لے کر بلایا جائے گا

وضاحت: کچھ لوگوں کا موقف ہے کہ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احترام کے پیش نظر لوگوں کو ان کی ماں کے نام سے پکارا جائے گا، نیز زنا کی پیداوار بچوں کو خجالت اور شرمندگی سے بچانے کے لیے بھی ان کو ان کی ماں کے نام سے بلایا جائے گا لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے اس موقف کی تردید فرمائی اور مذکورہ عنوان قائم کیا ہے۔

٦١٧٧ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ الْغَادِرَ يُرْفَعُ لَهُ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُقَالُ: هٰذِهِ غَدْرَةُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ». [راجع: ٣١٨٨]

[6177] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''قیامت کے دن عہد شکنی کرنے والے کے لیے ایک جھنڈا بلند کیا جائے گا اور کہا جائے گا: ''یہ فلاں بن فلاں کی دغا بازی کا نشان ہے۔''

٦١٧٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ الْغَادِرَ يُنْصَبُ لَهُ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيُقَالُ: هٰذِهِ غَدْرَةُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ». [راجع: ٣١٨٨]

[6178] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عہد توڑنے والے کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور اعلان کیا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی دغا بازی کا نشان ہے۔''

فوائد ومسائل: ① دور جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ اگر کوئی عہد شکنی کرتا تو اسے ذلیل وخوار کرنے کے لیے بھرے مجمع میں اس کے پاس ایک جھنڈا گاڑا جاتا تھا تاکہ لوگوں کے ہاں اس کی پہچان ہو جائے اور وہ اس قسم کی غداری اور عہد شکنی سے احتراز کریں۔ ② بہرحال امام بخاری ؒ نے لفظ ''فلاں بن فلاں'' سے ثابت کیا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو ان کے باپ کے نام سے پکارا جائے گا، اس لیے اس سلسلے میں ایک واضح حدیث بھی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن تمھیں تمھارے ناموں اور تمھارے باپ کے ناموں سے بلایا جائے گا، لہٰذا تم اچھے نام رکھا کرو۔''[1] چونکہ یہ حدیث امام بخاری ؒ کی شرط کے مطابق نہ تھی، اس لیے انھوں نے اسے نظر انداز کر دیا ہے۔ ③ حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں: آباء سے مراد وہ ہیں جن کی طرف وہ دنیا میں منسوب ہوتے تھے، حقیقی باپ مراد نہیں ہے۔[2]

(١٠٠) بَابٌ: لَا يَقُلْ: خَبُثَتْ نَفْسِي

باب: 100- کوئی یہ نہ کہے: میرا نفس خبیث ہو گیا ہے

وضاحت: خباثت اور پلیدی جیسے الفاظ برے ہیں۔ اہل ایمان کے لیے اس قسم کے الفاظ کا استعمال بے ادبی ہے۔ یہ ممانعت ضروری نہیں محض ادب واحترام کے طور پر ہے کیونکہ بعض حالات میں مومن کے لیے یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

٦١٧٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا يَقُولَنَّ

[6179] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ میرا نفس پلید ہو گیا ہے بلکہ یوں کہے کہ میرا نفس

1 سنن أبي داود، الأدب، حديث: 4849. 2 فتح الباري: 691/10.

أَحَدُكُمْ: خَبُثَتْ نَفْسِي، وَلٰكِنْ لِيَقُلْ: لَقِسَتْ نَفْسِي».

(دل) سست یا پریشان ہو گیا ہے۔"

٦١٨٠ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ عَنْ يُونُسَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلٍ، عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ: خَبُثَتْ نَفْسِي، وَلٰكِنْ لِيَقُلْ: لَقِسَتْ نَفْسِي». تَابَعَهُ عُقَيْلٌ.

[6180] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی ہرگز یہ نہ کہے کہ میرا دل خبیث ہو گیا ہے بلکہ یوں کہے کہ میرا دل کاہل ہو گیا ہے۔" عقیل نے ابن شہاب سے روایت کرنے میں یونس بن یزید کی متابعت کی ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنے لیے ایسے الفاظ کا انتخاب کرنا چاہیے جو اس کی عزت و کرامت کے منافی نہ ہوں، ایسے برے الفاظ اور برے ناموں سے بچنا چاہیے جو انسانی وقار کے خلاف ہوں۔ ② حدیث میں لفظ خبیث کے بجائے لقس کے لفظ کو اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے، حالانکہ دونوں کا مفہوم ایک ہے لیکن خبیث کا لفظ اور ظاہری معنی انسانی وقار کے خلاف تھے، اس لیے اس سے باز رہنے کا کہا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ خود بھی برے ناموں کے بجائے اچھے نام رکھ دیتے تھے۔[1]

(١٠١) بَابٌ: لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ

باب: 101- زمانے کو برا بھلا نہ کہو

٦١٨١ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ قَالَ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «قَالَ اللهُ: يَسُبُّ بَنُو آدَمَ الدَّهْرَ، وَأَنَا الدَّهْرُ بِيَدِي اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ».

[راجع: ٤٨٢٦]

[6181] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ آدم کے بیٹے زمانے کو گالیاں دیتے ہیں، حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں۔ میرے ہی ہاتھ میں رات اور دن ہیں۔"

٦١٨٢ - حَدَّثَنَا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا تُسَمُّوا الْعِنَبَ الْكَرْمَ، وَلَا تَقُولُوا: خَيْبَةَ

[6182] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: "تم انگور کا نام کرم نہ رکھو اور یہ بھی نہ کہو: ہائے زمانے کی نامرادی، کیونکہ اللہ ہی زمانہ ہے۔"

1 فتح الباري: 692/10.

الدَّهْرِ، فَإِنَّ اللهَ هُوَ الدَّهْرُ». [انظر: ٦١٨٣]

فائدہ: اکثر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کسی ناگوار بات یا نازیبا کام کو دیکھ کر بلاوجہ ہی کہہ دیتے ہیں کہ زمانہ برا ہے۔ وقت اچھا نہیں، حالانکہ اس میں وقت اور زمانے کا کیا قصور ہے، جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس لیے زمانے کو برا کہنا گویا اللہ تعالیٰ کو برا کہنا ہے۔ اسی طرح عرب لوگ انگور کو کرم کہتے تھے کہ انگور سے شراب کشید کی جاتی ہے اور شراب نوشی سے ان کے کہنے کے مطابق سخاوت اور بزرگی پیدا ہوتی ہے، اس بنا پر انگور کے لیے اس لفظ کا استعمال منع قرار دیا گیا ہے۔ واللہ أعلم.

(١٠٢) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «إِنَّمَا الْكَرْمُ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ»

باب: 102- نبی ﷺ کے ارشاد گرامی: ”کرم تو صرف مومن کا دل ہے“ کا بیان

وَقَدْ قَالَ: «إِنَّمَا الْمُفْلِسُ الَّذِي يُفْلِسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»، كَقَوْلِهِ: «إِنَّمَا الصُّرَعَةُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ»، كَقَوْلِهِ: «لَا مُلْكَ إِلَّا لِلّٰهِ»، فَوَصَفَهُ بِانْتِهَاءِ الْمُلْكِ، ثُمَّ ذَكَرَ الْمُلُوكَ أَيْضًا فَقَالَ: ﴿إِنَّ ٱلْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا۟ قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا﴾ [النمل: ٣٤].

آپ ﷺ نے فرمایا: ”مفلس تو وہ ہے جو قیامت کے دن افلاس زدہ ہوگا۔“ اور فرمایا: ”حقیقی پہلوان تو وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر کنٹرول کرے۔“ نیز آپ نے فرمایا: ”اللہ کے سوا اور کوئی بادشاہ نہیں، یعنی آخر میں صرف اللہ کی حکومت رہ جائے گی۔“ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے: ”بادشاہ لوگ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے (لوٹ کھسوٹ کر) خراب کر دیتے ہیں۔“

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ یہ عبارات حصر کے لیے ہیں اور ان کا تقاضا یہ ہے کہ لفظ کرم کا اطلاق صرف قلب مومن پر ہو، اسی طرح بادشاہ کا اطلاق صرف اللہ تعالیٰ پر ہو لیکن بادشاہ کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں پر بھی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ حصر حقیقی نہیں بلکہ بطور ادعا ہے۔ گویا کرم حقیقی مومن کا دل ہے، درخت انگور یا انگور کا پھل کرم نہیں۔ اسے مجازی طور پر کرم کہا جا سکتا ہے لیکن حقیقی کرم قلب مومن ہے۔ اس ممانعت سے لوگوں کا ایک وہم دور کیا ہے کہ شراب پینے میں تکرم ہے، اس لیے فرمایا: انگور کرم نہیں جس سے شراب کشید کی جاتی ہے بلکہ کرم صرف مومن کا دل ہے جو نور ایمان کا سرچشمہ اور رشد و ہدایت کا منبع ہے۔ واللہ أعلم.

٦١٨٣ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ

[6183] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لوگ کرم (انگور کو) کہتے ہیں، حالانکہ کرم تو صرف مومن کا دل ہے۔“

ﷺ: «وَيَقُولُونَ: الْكَرْمُ، إِنَّمَا الْكَرْمُ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ». [راجع: ٦١٨٢]

فائدہ: جب اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام قرار دیا تو ان ناموں کو بھی حرام کر دیا جن کے سامنے آنے سے شراب نوشی کا جذبہ پیدا ہوتا تھا۔ ایک حدیث میں اس کی مزید وضاحت ہے، مومن آدمی کا نام سابقہ کتب میں کرم ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے تمام مخلوق پر برتری اور عزت بخشی ہے لیکن تم لوگ دیواروں پر پروان چڑھنے والے انگوروں کو کرم کہتے ہو۔[1] اس سے مراد حرمت شراب کی تاکید ہے کہ اس کے تمام ایسے نام حرام کر دیے ہیں جو انسان کو شراب نوشی پر آمادہ کرتے ہیں۔ واللہ أعلم.

(١٠٣) بَابُ قَوْلِ الرَّجُلِ: فَدَاكَ أَبِي وَأُمِّي

باب: 103- کسی آدمی کا یہ کہنا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں

فِيهِ الزُّبَيْرُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اس کے متعلق حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے ایک روایت بیان کی ہے۔

وضاحت: غزوۂ احزاب کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔''[2]

٦١٨٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ: حَدَّثَنِي سَعْدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ شَدَّادٍ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: مَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يُفَدِّي أَحَدًا غَيْرَ سَعْدٍ، سَمِعْتُهُ يَقُولُ: «ارْمِ فَدَاكَ أَبِي وَأُمِّي»، أَظُنُّهُ يَوْمَ أُحُدٍ. [راجع: ٢٩٠٥]

[6184] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کسی کے لیے اپنے آپ کو قربان کرنے کا لفظ کہتے نہیں سنا، البتہ سعد بن ابی وقاص کے لیے آپ نے فرمایا: ''تیر مارو، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔'' میرا خیال ہے آپ نے یہ غزوۂ اُحد کے دن فرمایا تھا۔

فوائد ومسائل: ① حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا علم اور مشاہدہ بیان کیا ہے ورنہ رسول اللہ ﷺ نے یہ الفاظ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے لیے بھی استعمال کیے تھے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی

[1] المعجم الكبير للطبراني: 266/7، رقم: 7087، و فتح الباري: 696/10. [2] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، حديث: 3720.

بہادری اور جانبازی کے موقع پر ایسے الفاظ استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس سے دوسرے کی حوصلہ افزائی مقصود ہوتی ہے۔ واللہ أعلم.

(١٠٤) بَابُ قَوْلِ الرَّجُلِ: جَعَلَنِي اللهُ فِدَاكَ

باب: 104- کسی آدمی کا دوسرے کو کہنا: اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے

وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ لِلنَّبِيِّ ﷺ: فَدَيْنَاكَ بِآبَائِنَا وَأُمَّهَاتِنَا.

حضرت ابوبکر ؓ نے (ایک موقع پر) نبی ﷺ سے کہا تھا: ہمارے باپ اور ہماری مائیں آپ پر قربان ہوں۔

وضاحت: امام بخاری ؒ نے سیدنا ابوبکر ؓ کا واقعہ متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1]

٦١٨٥ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا بِشْرُ ابْنُ الْمُفَضَّلِ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ أَقْبَلَ هُوَ وَأَبُو طَلْحَةَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، وَمَعَ النَّبِيِّ ﷺ صَفِيَّةُ مُرْدِفُهَا عَلَى رَاحِلَتِهِ، فَلَمَّا كَانُوا بِبَعْضِ الطَّرِيقِ عَثَرَتِ النَّاقَةُ، فَصُرِعَ النَّبِيُّ ﷺ وَالْمَرْأَةُ، وَأَنَّ أَبَا طَلْحَةَ - قَالَ: أَحْسِبُ - اقْتَحَمَ عَنْ بَعِيرِهِ، فَأَتَى رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللهِ، جَعَلَنِي اللهُ فِدَاكَ، هَلْ أَصَابَكَ مِنْ شَيْءٍ؟ قَالَ: «لَا، وَلٰكِنْ عَلَيْكَ بِالْمَرْأَةِ»، فَأَلْقَى أَبُو طَلْحَةَ ثَوْبَهُ عَلَى وَجْهِهِ، فَقَصَدَ قَصْدَهَا، فَأَلْقَى ثَوْبَهُ عَلَيْهَا، فَقَامَتِ الْمَرْأَةُ فَشَدَّ لَهُمَا عَلَى رَاحِلَتِهِمَا فَرَكِبَا، فَسَارُوا حَتَّى إِذَا كَانُوا بِظَهْرِ الْمَدِينَةِ، - أَوْ قَالَ: أَشْرَفُوا عَلَى الْمَدِينَةِ - قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «آيِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ، لِرَبِّنَا حَامِدُونَ»، فَلَمْ يَزَلْ يَقُولُهَا حَتَّى دَخَلَ الْمَدِينَةَ. [راجع: ٣٧١]

[6185] حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ وہ اور حضرت ابوطلحہ ؓ نبی ﷺ کے ہمراہ روانہ ہوئے جبکہ ام المومنین صفیہ ؓ رسول اللہ ﷺ کی سواری پر پیچھے بیٹھی تھیں۔ راستے میں کسی جگہ اونٹنی کا پاؤں پھسلا تو نبی ﷺ اور حضرت صفیہ ؓ دونوں گر پڑے۔ حضرت ابوطلحہ ؓ نے اپنے اونٹ سے چھلانگ لگائی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کی: اللہ کے نبی! اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے! کیا چوٹ تو نہیں آئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں، لیکن عورت کا پتہ کرو۔“ چنانچہ حضرت ابوطلحہ ؓ نے اپنے چہرے پر کپڑا ڈال لیا، پھر حضرت صفیہ ؓ کی طرف بڑھے اور وہ کپڑا ان پر ڈال دیا۔ اس کے بعد وہ کھڑی ہوگئیں۔ پھر انھوں نے دونوں کے لیے پالان مضبوط کر کے باندھا تو وہ سوار ہو کر پھر چل پڑے حتی کہ جب وہ مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے یا مدینہ طیبہ پر ان کی نظر پڑی تو نبی ﷺ نے فرمایا: ”ہم لوٹنے والے ہیں، توبہ کرتے ہوئے اپنے رب کی عبادت کرنے والے اور اس کی حمد وثنا کرنے والے ہیں۔“ آپ مسلسل یہ کلمات کہتے رہے

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، حديث: 3904.

یہاں تک کہ مدینہ طیبہ میں داخل ہوگئے۔

فوائدومسائل: ① اس حدیث میں صراحت ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: ''اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے!'' اگر ایسا کہنا جائز نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اسے منع فرما دیتے۔ ہمارے رجحان کے مطابق اگر کوئی اپنے سے بڑے صاحب علم وفضل کو عزت افزائی کے لیے کہے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ثواب بھی دے گا کیونکہ یہ اس توقیر واحترام سے ہے جس کا شریعت نے ہمیں حکم دیا ہے۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ذکر کی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی عیادت کے لیے گئے تو انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! آپ کا کیا حال ہے؟ اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابھی تک تم نے اپنی بدویت کو نہیں چھوڑا۔''[1] لیکن یہ حدیث ضعیف ہے اور صحیح روایات کے مقابلے میں پیش نہیں کی جاسکتی۔ اگر صحیح بھی ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مریض کو اس طرح کے کلمات نہیں کہنے چاہئیں بلکہ اس کے لیے انس ونرمی اور دعائے شفا کرنی چاہیے۔[2]

(١٠٥) بَابُ أَحَبِّ الْأَسْمَاءِ إِلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ

باب: 105- اللہ عزوجل کے ہاں پسندیدہ نام

٦١٨٦ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ: أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: وُلِدَ لِرَجُلٍ مِنَّا غُلَامٌ فَسَمَّاهُ الْقَاسِمَ، فَقُلْنَا: لَا نَكْنِيكَ أَبَا الْقَاسِمِ وَلَا كَرَامَةَ، فَأُخْبِرَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «سَمِّ ابْنَكَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ».

[راجع: ٣١١٤]

[6186] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم میں سے ایک آدمی کے گھر بچہ پیدا ہوا تو اس نے اس کا نام قاسم رکھا۔ ہم نے اسے کہا: ہم تجھے ابوالقاسم کہہ کر نہیں پکاریں گے اور نہ تیرا اکرام کریں گے۔ نبی ﷺ کو بتایا گیا تو آپ نے (اسے) فرمایا: ''تم اپنے بیٹے کا نام عبدالرحمٰن رکھ لو۔''

فوائدومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان میں ایک حدیث کا حصہ منتخب کیا ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے ہاں پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔''[3] ان ناموں کے پسندیدہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی طرف بندگی کی نسبت ہے۔ کسی بھی آدمی کے لیے بہت بڑی سعادت ہے کہ اسے ہر وقت اس عالی نسبت سے پکارا جائے۔ ② ان دونوں ناموں کی خصوصیت یہ ہے کہ قرآن کریم میں عبد کی اضافت اللہ اور الرحمٰن کی طرف ہوئی ہے۔ ان کے علاوہ وہ نام بھی ان سے ملحق ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے کسی نام کی طرف عبدیت کی نسبت ہو، جیسے عبدالقیوم، عبدالجبار اور عبدالرب وغیرہ۔ واللہ أعلم.

---

1 شعب الإيمان للبيهقي: 459/6، رقم: 8892. 2 فتح الباري: 698/10. 3 صحيح مسلم، الأدب، حديث: 5587 (2132).

(١٠٦) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «سَمُّوا بِاسْمِي وَلَا تَكَنَّوْا بِكُنْيَتِي»

باب: 106- نبی ﷺ کے ارشاد گرامی: ''میرے نام پر نام رکھو لیکن میری کنیت پر کنیت نہ رکھو'' کا بیان

قَالَهُ أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا۔

وضاحت: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کی ہے۔[1]

٦١٨٧ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ: حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ عَنْ سَالِمٍ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: وُلِدَ لِرَجُلٍ مِنَّا غُلَامٌ فَسَمَّاهُ الْقَاسِمَ فَقَالُوا: لَا نَكْنِيهِ حَتَّى نَسْأَلَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: «سَمُّوا بِاسْمِي وَلَا تَكَنَّوْا بِكُنْيَتِي» [راجع: ٣١١٤].

[6187] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم میں سے ایک آدمی کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو اس نے اس کا نام قاسم رکھا۔ صحابۂ کرام نے کہا: ہم اسے کنیت سے (ابو القاسم کہہ کر) نہیں پکاریں گے تاوقتیکہ ہم نبی ﷺ سے پوچھ نہ لیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے نام پر نام تو رکھ لو لیکن میری کنیت اختیار نہ کرو۔''

٦١٨٨ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَيُّوبَ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ: قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ: «سَمُّوا بِاسْمِي وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي». [راجع: ١١٠]

[6188] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ابوالقاسم ﷺ نے فرمایا: ''میرے نام پر نام رکھ لو لیکن میری کنیت پر کنیت نہ رکھو۔''

٦١٨٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ الْمُنْكَدِرِ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: وُلِدَ لِرَجُلٍ مِنَّا غُلَامٌ فَسَمَّاهُ الْقَاسِمَ، فَقَالُوا: لَا نَكْنِيكَ بِأَبِي الْقَاسِمِ وَلَا نُنْعِمُكَ عَيْنًا، فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ: «سَمِّ ابْنَكَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ». [راجع: ٣١١٤]

[6189] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم میں سے ایک آدمی کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو اس نے اس کا نام قاسم رکھا۔ صحابۂ کرام نے کہا: ہم تیری کنیت ابوالقاسم نہیں رکھیں گے اور نہ تیری آنکھیں اس وجہ سے ٹھنڈی کریں گے۔ وہ شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے یہ واقعہ ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ''اپنے بیٹے کا نام عبدالرحمٰن رکھ لو۔''

فائدہ: رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ابو القاسم کنیت اختیار کرنا جائز نہ تھا۔ اس ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ ایک مرتبہ رسول

[1] صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2121.

اللہ ﷺ بازار میں تھے، ایک شخص نے ابوالقاسم کہہ کر آواز دی تو آپ نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ آواز دینے والے نے کہا: میں نے آواز آپ کو نہیں دی بلکہ فلاں شخص کو دی ہے۔ اس وقت آپ نے یہ کنیت رکھنے سے منع فرما دیا۔[1] رخصت کے متعلق ایک حدیث بھی مروی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! اگر آپ کے بعد میرے ہاں بچہ پیدا ہو تو کیا میں اس کا نام اور کنیت آپ کے نام اور کنیت پر رکھ سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں رکھ سکتے ہو۔''[2]

(١٠٧) بَابُ اسْمِ الْحَزْنِ

باب: 107- حزن نام رکھنا

٦١٩٠ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ أَبَاهُ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «مَا اسْمُكَ؟» قَالَ: حَزْنٌ، قَالَ: «أَنْتَ سَهْلٌ»، قَالَ: لَا أُغَيِّرُ اسْمًا سَمَّانِيهِ أَبِي، قَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ: فَمَا زَالَتِ الْحُزُونَةُ فِينَا بَعْدُ.

[6190] حضرت میسب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے والد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دریافت فرمایا: ''تمھارا نام کیا ہے؟'' انھوں نے کہا: میرا نام حزن ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم سہل ہو۔'' انھوں نے کہا: میں اس نام کو تبدیل نہیں کروں گا جو میرے والد رکھ گئے ہیں۔ ابن میسب نے کہا: اس کے بعد ہمارے خاندان میں ہمیشہ سختی اور مصیبت کا دور رہا۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ وَمَحْمُودٌ - هُوَ ابْنُ غَيْلَانَ - قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ بِهٰذَا. [انظر: ٦١٩٣]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کی ایک اور سند بھی بیان کی ہے۔

فوائد ومسائل: ① حضرت حزن رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا درست مشورہ قبول نہ کیا جس کی سزا یہ ملی جوان کے پوتے ابن میسب بیان کرتے ہیں کیوں کہ حزن کے معنی ہیں: دشوار اور سخت ہے جبکہ سہل کے معنی ہیں: نرمی اور لطافت۔ ② اس سے معلوم ہوا کہ نام کا اثر مسمی پر ضرور ہوتا ہے۔ اگر والدین جہالت کی وجہ سے غلط نام رکھ دیں تو اسے بعد میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ بہتر نام وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف عبدیت منسوب ہو، پھر انبیائے کرام علیہم السلام کے نام پر نام بھی رکھے جا سکتے ہیں۔ شرکیہ اور غلط ناموں سے بچنا ضروری ہے۔ واللہ أعلم.

(١٠٨) بَابُ تَحْوِيلِ الْاِسْمِ إِلَى اسْمٍ أَحْسَنَ مِنْهُ

باب: 108- کسی (برے) نام کو بدل کر اچھا نام رکھنا

---

1 صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2121. 2 سنن أبي داود، الأدب، حديث: 4967.

وضاحت: رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ آپ برا نام تبدیل کر دیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت عائشہ ؓ نے آپ کا معمول بیان کیا ہے۔[1]

٦١٩١ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ: حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلٍ قَالَ: أُتِيَ بِالْمُنْذِرِ بْنِ أَبِي أُسَيْدٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ حِينَ وُلِدَ، فَوَضَعَهُ عَلَى فَخِذِهِ - وَأَبُو أُسَيْدٍ جَالِسٌ - فَلَهَا النَّبِيُّ ﷺ بِشَيْءٍ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَأَمَرَ أَبُو أُسَيْدٍ بِابْنِهِ فَاحْتُمِلَ مِنْ فَخِذِ النَّبِيِّ ﷺ، فَاسْتَفَاقَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «أَيْنَ الصَّبِيُّ؟» فَقَالَ أَبُو أُسَيْدٍ: قَلَبْنَاهُ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «مَا اسْمُهُ؟» قَالَ: فُلَانٌ، قَالَ: «وَلٰكِنِ اسْمُهُ الْمُنْذِرُ»، فَسَمَّاهُ يَوْمَئِذٍ الْمُنْذِرَ.

[6191] حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ منذر بن ابو اسید ؓ جب پیدا ہوئے تو انھیں نبی ﷺ کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ ﷺ نے اسے اپنی رانوں پر رکھ لیا اور حضرت ابو اسید ؓ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ نبی ﷺ کسی کام میں مشغول ہوگئے تو حضرت ابو اسید ؓ نے اپنے بیٹے کے متعلق حکم دیا کہ اسے اٹھا لیا جائے، چنانچہ بچے کو آپ کی ران سے اٹھا لیا گیا۔ پھر نبی ﷺ اس کام سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ''بچہ کہاں ہے؟'' حضرت ابو اسید ؓ نے کہا: اللہ کے رسول! ہم نے اسے گھر بھیج دیا ہے۔ آپ نے پوچھا: ''اس کا نام کیا ہے؟'' عرض کی: فلاں ہے۔ آپ نے فرمایا: ''لیکن اس کا نام منذر ہے۔'' چنانچہ اسی دن آپ نے اس کا نام منذر رکھ دیا۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے نیک فالی کے طور پر بچے کا نام منذر رکھا تا کہ اللہ تعالیٰ اسے علم کی دولت عطا فرمائے اور وہ اپنی قوم کو برے انجام سے آگاہ کرے۔ ② روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بئر معونہ میں اس کے خاندان کے ایک بزرگ منذر بن عمرو ساعدی ؓ شہید کر دیے گئے تھے تو انھی کے نام پر ان کا نام رکھ دیا گیا تھا۔[2]

٦١٩٢ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي مَيْمُونَةَ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ زَيْنَبَ كَانَ اسْمُهَا بَرَّةَ، فَقِيلَ: تُزَكِّي نَفْسَهَا. فَسَمَّاهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ زَيْنَبَ.

[6192] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ حضرت زینب ؓ کا نام برّہ تھا۔ کہا گیا کہ وہ اپنی پاکی ظاہر کرتی ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام زینب رکھ دیا۔

فائدہ: ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش ؓ کا نام تبدیل کیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ زینب

1 جامع الترمذي، الأدب، حديث: 2839. 2 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4093.

بنت ابی سلمہ ؓ ہوں جیسا کہ بعض روایات میں اس کی صراحت ہے۔[1] حضرت جویریہ ؓ کا نام بھی برہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام بدل کر جویریہ رکھا اور آپ یہ ناپسند کرتے تھے کہ یوں کہا جائے: وہ برہ کے پاس سے چلے گئے۔[2] حضرت میمونہ ؓ کا نام بھی برہ تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام میمونہ رکھا۔[3] حضرت عمر ؓ کی ایک بیٹی کا نام عاصیہ تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام جمیلہ رکھا۔[4] بہر حال رسول اللہ ﷺ نے کئی صحابہ اور صحابیات کے نام تبدیل کیے جن کی فہرست کتب حدیث میں دیکھی جا سکتی ہے۔[5]

٦١٩٣ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى: حَدَّثَنَا هِشَامٌ: أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ شَيْبَةَ قَالَ: جَلَسْتُ إِلَى سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ فَحَدَّثَنِي أَنَّ جَدَّهُ حَزْنًا قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «مَا اسْمُكَ؟» قَالَ: اسْمِي حَزْنٌ، قَالَ: «بَلْ أَنْتَ سَهْلٌ»، قَالَ: مَا أَنَا بِمُغَيِّرٍ اسْمًا سَمَّانِيهِ أَبِي، قَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ: فَمَا زَالَتْ فِينَا الْحُزُونَةُ بَعْدُ. [راجع: ٦١٩٠]

[6193] حضرت سعید بن میتب سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میرے دادا حزن نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے پوچھا: ''تمھارا نام کیا ہے؟'' انھوں نے کہا: میرا نام حزن ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم تو سہل ہو۔'' انھوں نے کہا: میں اپنے باپ کا رکھا ہوا نام نہیں بدلوں گا۔ حضرت سعید بن میتب نے کہا: اس کے بعد سے اب تک ہمارے خاندان میں سختی اور مصیبت ہی رہی۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں نام نہ بدلنے کی یہ وجہ بیان کی گئی ہے کہ سہل کو تو روندا جاتا ہے اور حقیر سمجھا جاتا ② بہر حال اپنا نام تبدیل نہ کرنے کی جو وجہ بھی ہو اس سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی زندگی پر نام کا بہت اثر ہوتا ہے جس کا اعتراف خود سعید بن میتب نے کیا کہ ہمارے دادا نے رسول اللہ ﷺ کی بات جو قبول نہ کی، اس وجہ سے ہمارے خاندان پر غمگینی کے اثرات نمایاں رہے ہیں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ اس لیے بچوں کے نام عمدہ رکھنے چاہئیں، دارالسلام نے ''قرآنی و اسلامی ناموں کی ڈکشنری'' کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے جو اس موضوع پر بہت عمدہ کتاب ہے۔

(١٠٩) بَابُ مَنْ سَمَّى بِأَسْمَاءِ الْأَنْبِيَاءِ

باب: 109- جس نے انبیاء ؑ کے نام پر نام رکھے

وَقَالَ أَنَسٌ: قَبَّلَ النَّبِيُّ ﷺ إِبْرَاهِيمَ، يَعْنِي ابْنَهُ.

حضرت انس ؓ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے اپنے صاحبزادے ابراہیم کو بوسہ دیا۔

1 صحيح مسلم، الآداب، حديث: 5609 (2142). 2 صحيح مسلم، الآداب، حديث: 5606 (2140). 3 الأدب المفرد، حديث: 832. 4 صحيح مسلم، الآداب، حديث: 5605 (2139). 5 سنن أبي داود، الأدب، حديث: 4956.

وضاحت: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''انبیاء ؊ کے ناموں پر نام رکھا کرو۔''[1] اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنے بیٹے کا نام ابراہیم رکھا جو سیدہ ماریہ قبطیہ ؓ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ حضرت انس ؓ سے مروی مذکورہ حدیث کو امام بخاری ؒ نے متصل سند سے بھی بیان کیا ہے۔[2]

٦١٩٤ - حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قُلْتُ لِابْنِ أَبِي أَوْفَى: رَأَيْتَ إِبْرَاهِيمَ ابْنَ النَّبِيِّ ﷺ؟ قَالَ: مَاتَ صَغِيرًا وَلَوْ قُضِيَ أَنْ يَكُونَ بَعْدَ مُحَمَّدٍ ﷺ نَبِيٌّ عَاشَ ابْنُهُ، وَلٰكِنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ.

[6194] حضرت اسماعیل بن ابو خالد سے روایت ہے، میں نے ابن ابی اوفی ؓ سے پوچھا: کیا تم نے نبی ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم ؓ کو دیکھا تھا؟ انھوں نے کہا: ہاں، ان کی وفات بچپن میں ہوگئی تھی۔ اگر محمد ﷺ کے بعد کسی بھی نبی کی آمد کا فیصلہ ہوتا تو آپ کے صاحبزادے زندہ رہتے لیکن آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

٦١٩٥ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ قَالَ: لَمَّا مَاتَ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ لَهُ مُرْضِعًا فِي الْجَنَّةِ».

[راجع: ١٣٨٢]

[6195] حضرت براء ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب (رسول اللہ ﷺ کے فرزند) ابراہیم ؓ فوت ہوئے تو آپ نے فرمایا: ''اس کے لیے جنت میں ایک دودھ پلانے والی مقرر ہوگئی ہے۔''

فائدہ: ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء ؊ کے نام پر بچوں کے نام رکھے جاسکتے ہیں۔ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے لخت جگر کا نام ''جداعلیٰ'' حضرت ابراہیم ؑ کے نام پر ابراہیم رکھا تھا۔ حضرت عبداللہ بن سلام کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو انھوں نے نام یوسف رکھا تھا اور اسے اپنی گود میں بٹھایا۔[3] سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ انھیں انبیاء ؊ کے نام پر نام رکھنے بہت محبوب ہیں۔[4]

٦١٩٦ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ حُصَيْنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «سَمُّوا بِاسْمِي وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي، فَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ أَقْسِمُ بَيْنَكُمْ».

[6196] حضرت جابر بن عبداللہ انصاری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے نام پر نام رکھو لیکن میری کنیت اختیار نہ کرو۔ میں تو قاسم ہوں اور تمھارے درمیان تقسیم کرنے والا ہوں۔''

---

[1] سنن أبي داود، الأدب، حديث: 4950. [2] صحيح البخاري، الجنائز، حديث: 1303. [3] الأدب المفرد، حديث: 838.

[4] فتح الباري: 709/10.

وَرَوَاهُ أَنَسٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٣١١٤]

اس روایت کو حضرت انس ؓ نے بھی نبی ﷺ سے بیان کیا ہے۔

٦١٩٧ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ: حَدَّثَنَا أَبُو حَصِينٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «سَمُّوا بِاسْمِي وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي، وَمَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ صُورَتِي، وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ». [راجع: ١١٠]

[6197] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''میرے نام پر نام رکھو لیکن میری کنیت اختیار نہ کرو۔ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ اور جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے۔''

فوائد ومسائل: ① کچھ اہل علم کا خیال ہے کہ کسی بچے کا نام محمد نہیں رکھنا چاہیے۔ انھوں نے بطور دلیل یہ روایت پیش کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنے بچوں کا نام محمد رکھتے ہو پھر انھیں گالیاں دیتے ہو۔''[1] اسی طرح حضرت عمر ؓ نے اپنے دور حکومت میں ایک سرکاری حکم جاری کیا کہ کسی نبی کے نام پر اپنے بچوں کے نام نہ رکھو، پھر انھوں نے اس بنا پر چند بچوں کے نام تبدیل کیے، لیکن یہ موقف محل نظر ہے کیونکہ پیش کردہ روایت صحیح نہیں اور حضرت عمر ؓ کا اس موقف سے رجوع ثابت ہے۔ جب انھیں پتا چلا کہ رسول اللہ ﷺ نے خود ابوطلحہ کے ایک بیٹے کا نام محمد رکھا تھا۔[2] ② امام بخاری ؒ نے مذکورہ روایات سے یہی ثابت کیا ہے کہ انبیاء ؑ کے ناموں پر بچوں کے نام رکھنے کی کوئی ممانعت نہیں ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے نام پر بچوں کے نام رکھنے کی تو خود اجازت دی ہے۔ واللہ أعلم.

٦١٩٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: وُلِدَ لِي غُلَامٌ فَأَتَيْتُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ فَسَمَّاهُ إِبْرَاهِيمَ فَحَنَّكَهُ بِتَمْرَةٍ وَدَعَا لَهُ بِالْبَرَكَةِ وَدَفَعَهُ إِلَيَّ، وَكَانَ أَكْبَرَ وَلَدِ أَبِي مُوسَى. [راجع: ٥٤٦٧]

[6198] حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میرے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا تو میں اسے لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور ایک کھجور چبا کر اسے گھٹی دی، نیز اس کے لیے خیر و برکت کی دعا فرمائی، پھر میرے حوالے کر دیا۔ وہ حضرت ابو موسیٰ ؓ کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔

٦١٩٩ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ: حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ عِلَاقَةَ: سَمِعْتُ الْمُغِيرَةَ بْنَ

[6199] حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ جس دن ابراہیم کی وفات ہوئی، اس دن

1 مسند البزار: 318/2، رقم: 6895. 2 المعجم الكبير للطبراني: 242/19، رقم: 544، و فتح الباري: 702/10.

شُعْبَةَ قَالَ: انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيمُ. [راجع: ١٠٤٣]

سورج گرہن ہوا تھا۔

رَوَاهُ أَبُو بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

یہ حدیث حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے بھی نبی ﷺ سے بیان کی ہے۔

فوائد ومسائل: ① ان روایات سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے نام پر اپنے بچوں کے نام رکھے جاسکتے ہیں۔ خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بچے کا نام ابراہیم رکھا تھا اور اپنے لخت جگر کا نام بھی ابراہیم تجویز کیا تھا، پھر اس سلسلے میں ایک صریح روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم سے پہلے لوگ اپنے بچوں کے نام اپنے انبیاء اور بزرگوں کے نام پر رکھتے تھے۔''[1] ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے بچوں کے نام حضرات انبیاء علیہم السلام کے ناموں پر تھے۔[2]

(١١٠) بَابُ تَسْمِيَةِ الْوَلِيدِ

باب:110- بچے کا نام ولید رکھنا

٦٢٠٠ - أَخْبَرَنَا أَبُو نُعَيْمٍ الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: لَمَّا رَفَعَ النَّبِيُّ ﷺ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ: «اللَّهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ، وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ، وَعَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ، وَالْمُسْتَضْعَفِينَ بِمَكَّةَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ، اللَّهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلَى مُضَرَ، اللَّهُمَّ اجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ». [راجع: ٧٩٧]

[6200] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے جب رکوع سے اپنا سر اٹھایا تو یہ دعا فرمائی: ''اے اللہ! ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام، عیاش بن ابو ربیعہ اور مکہ میں موجود دیگر ناتواں مسلمانوں کو نجات دے۔ اے اللہ! مضر کے کفار پر سختی کر۔ اے اللہ! ان پر یوسف علیہ السلام کے زمانے جیسا قحط نازل فرما۔''

فوائد ومسائل: ① کتب حدیث میں مروی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ولید نام کو پسند نہیں کیا بلکہ اسے تبدیل کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے ہاں ایسی تمام روایات معیار صحت پر پوری نہیں اترتیں بلکہ انھوں نے اس نام کا جواز ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ خود ولید بن ولید رضی اللہ عنہ کے لیے نماز میں دعا کرتے تھے، پھر جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے تو آپ ﷺ نے اس کا نام تبدیل نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ولید نام رکھنے میں کوئی خرابی اور حرج نہیں۔ ② بہرحال ولید نام رکھا جاسکتا ہے اور اس کی ممانعت سے متعلق جتنی روایات ہیں وہ صحیح نہیں بلکہ سخت ضعیف ہیں۔[3]

① صحيح مسلم، الآداب، حديث: 5598 (2135). ② فتح الباري: 709/10. ③ فتح الباري: 711/10، 712.

(١١١) بَابُ مَنْ دَعَا صَاحِبَهُ فَنَقَصَ مِنِ اسْمِهِ حَرْفًا

باب: 111- جس نے اپنے ساتھی کو بلایا اور اس کے نام سے کوئی حرف کم کر دیا

وَقَالَ أَبُو حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لِي النَّبِيُّ ﷺ: «يَا أَبَا هِرٍّ».

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مجھے (ایک مرتبہ) ''اے ابو ہر!'' کہا تھا۔

وضاحت: مذکورہ لفظ میں اگرچہ الفاظ کے اعتبار سے کمی ہے لیکن معنوی حیثیت سے اضافے کا باعث ہے۔ اس روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1]

٦٢٠١ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ [قَالَ]: حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَا عَائِشُ، هٰذَا جِبْرِيلُ يُقْرِئُكِ السَّلَامَ»، قُلْتُ: وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ، قَالَتْ: وَهُوَ يَرَى مَا لَا نَرَى. [راجع: ٣٢١٧]

[6201] نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عائش! یہ جبرئیل علیہ السلام ہیں اور تمھیں سلام کہتے ہیں۔'' میں نے کہا: ان پر سلام اور اللہ کی رحمت ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مزید کہا: آپ ﷺ وہ چیزیں دیکھتے تھے جو ہم نہیں دیکھ سکتے۔

٦٢٠٢ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ فِي الثَّقَلِ وَأَنْجَشَةُ غُلَامُ النَّبِيِّ ﷺ يَسُوقُ بِهِنَّ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَا أَنْجَشُ، رُوَيْدَكَ سَوْقَكَ بِالْقَوَارِيرِ». [راجع: ٦١٤٩]

[6202] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سامان سفر کے ساتھ تھیں اور نبی ﷺ کے غلام انجشہ رضی اللہ عنہ عورتوں کے اونٹ ہانک رہے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اے انجش! ان آبگینوں کے ساتھ نرمی کرو۔''

فائدہ: پہلی حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام تخفیف کے ساتھ عائش اور دوسری حدیث میں انجشہ کا نام صرف انجش لیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے محبت اور پیار سے ان ناموں سے آخری حرف حذف کر کے انھیں بلایا ہے اور ایسا کرنا جائز ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ''یا عثم'' کہہ کر پکارا تھا۔[2]

1 صحيح البخاري، الأطعمة، حديث: 5375. 2 الأدب المفرد، حديث: 828.

(١١٢) بَابُ الْكُنْيَةِ لِلصَّبِيِّ، وَقَبْلَ أَنْ يُولَدَ لِلرَّجُلِ

باب: 112- چھوٹے بچے کی کنیت رکھنا اور بچہ پیدا ہونے سے پہلے کسی کی کنیت رکھنا

٦٢٠٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ خُلُقًا، وَكَانَ لِي أَخٌ يُقَالُ لَهُ: أَبُو عُمَيْرٍ، قَالَ: أَحْسِبُهُ فَطِيمًا، وَكَانَ إِذَا جَاءَ قَالَ: «يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ؟» نُغَيْرٌ كَانَ يَلْعَبُ بِهِ، فَرُبَّمَا حَضَرَ الصَّلَاةَ وَهُوَ فِي بَيْتِنَا فَيَأْمُرُ بِالْبِسَاطِ الَّذِي تَحْتَهُ فَيُكْنَسُ وَيُنْضَحُ ثُمَّ يَقُومُ وَنَقُومُ خَلْفَهُ فَيُصَلِّي بِنَا. [راجع: ٦١٢٩]

[6203] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ اخلاق کے اعتبار سے تمام لوگوں سے اچھے تھے۔ میرا ایک بھائی ابوعمیر نامی تھا۔ میرا خیال ہے وہ دودھ چھوڑ چکا تھا۔ آپ ﷺ جب ہمارے ہاں تشریف لاتے تو اسے فرماتے: ”اے ابوعمیر! تیری نغیر (چڑیا) تو بخیر ہے؟“ وہ اس چڑیا کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ بسا اوقات نماز کا وقت ہو جاتا جبکہ آپ ہمارے گھر میں تشریف فرما ہوتے تو آپ وہ چٹائی بچھانے کا حکم دیتے جس پر آپ بیٹھے ہوتے تھے، اسے صاف کر کے اس پر پانی چھڑک دیا جاتا، پھر آپ کھڑے ہو جاتے اور ہم آپ کے پیچھے کھڑے ہوتے تو آپ ہمیں نماز پڑھاتے۔

فوائد ومسائل: ① ابوعمیر رضی اللہ عنہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مادری بھائی تھے۔ رسول اللہ ﷺ اسے ابوعمیر کی کنیت سے پکارتے۔ اس کے معنی ہیں: عمیر کا باپ، حالانکہ وہ ابھی خود بچے تھے اور عمیر نامی ان کا کوئی بچہ نہ تھا۔ اس سے بچے کی کنیت رکھنا ثابت ہوا۔ ② جب چھوٹے بچے کی کنیت رکھنا جائز ہے تو کسی آدمی کی اولاد ہونے سے پہلے اس کی کنیت رکھنا بالاولیٰ جائز ہوا۔ عربوں کے ہاں بچوں کی اور قبل از اولاد لوگوں کی کنیت رکھنے کا عام دستور تھا۔ بچوں کی کنیت نیک فال کے طور پر رکھی جاتی کہ یہ بچہ جوان ہو اور صاحب اولاد ہو۔ بہر حال بچوں اور اولاد پیدا ہونے سے پہلے لوگوں کی کنیت رکھنا جائز ہے، چنانچہ حضرت ہلال کہتے ہیں کہ حضرت عروہ بن زبیر نے میری کنیت رکھ دی تھی، حالانکہ میں صاحب اولاد نہ تھا۔[1]

(١١٣) بَابُ التَّكَنِّي بِأَبِي تُرَابٍ وَإِنْ كَانَتْ لَهُ كُنْيَةٌ أُخْرَى

باب: 113- ابوتراب کنیت رکھنا اگرچہ دوسری کنیت بھی ہو

٦٢٠٤ - حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ: حَدَّثَنَا

[6204] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

[1] صحيح البخاري، الجنائز، حديث: 1390.

سُلَيْمَانُ: حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: إِنْ كَانَتْ أَحَبَّ أَسْمَاءِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ إِلَيْهِ لَأَبُو تُرَابٍ، وَإِنْ كَانَ لَيَفْرَحُ أَنْ نَدْعُوَهَا، وَمَا سَمَّاهُ أَبُو تُرَابٍ إِلَّا النَّبِيُّ ﷺ، غَاضَبَ يَوْمًا فَاطِمَةَ فَخَرَجَ فَاضْطَجَعَ إِلَى الْجِدَارِ فِي الْمَسْجِدِ فَجَاءَهُ النَّبِيُّ ﷺ يَتْبَعُهُ فَقَالَ: هُوَ ذَا مُضْطَجِعٌ فِي الْجِدَارِ، فَجَاءَهُ النَّبِيُّ ﷺ وَامْتَلَأَ ظَهْرُهُ تُرَابًا، فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ يَمْسَحُ التُّرَابَ عَنْ ظَهْرِهِ وَيَقُولُ: «اجْلِسْ يَا أَبَا تُرَابٍ». [راجع: ٤٤١]

انھوں نے کہا کہ حضرت علی ؓ کو ان کی کنیت، ابو تراب، بہت پیاری لگتی تھی۔ ہم جب انھیں اس کنیت سے آواز دیتے تو بہت خوش ہوتے کیونکہ ابو تراب کی کنیت خود نبی ﷺ نے رکھی تھی۔ ایک دن وہ سیدہ فاطمہ ؓ سے خفا ہو کر باہر چلے گئے اور مسجد کی دیوار کے پاس لیٹ گئے۔ نبی ﷺ انھیں تلاش کرتے ہوئے ان کے پیچھے آئے تو فرمایا کہ یہ تو دیوار کے پاس لیٹے ہوئے ہیں۔ جب نبی ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تو ان کی پشت مٹی سے بھری ہوئی تھی۔ آپ ان کی پشت سے مٹی جھاڑتے ہوئے فرمانے لگے: ''اے ابوتراب! اٹھ جاؤ۔''

فوائدومسائل: ① حضرت علی ؓ کی پہلی کنیت ابوالحسن مشہور تھی لیکن رسول اللہ ﷺ نے جب انھیں ابوتراب کنیت سے پکارا تو بہت خوش ہوئے۔ ② اس سے معلوم ہوا کہ بیک وقت دو کنیت رکھنا جائز ہے۔ چونکہ حضرت علی ؓ کی کمر پر نیچے لیٹنے کی وجہ سے کافی مٹی لگ چکی تھی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے پیار و شفقت سے ابوتراب (مٹی کا باوا) کنیت سے یاد فرمایا۔ حضرت علی ؓ سے نبی ﷺ کو محبت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ میاں بیوی کی شکر رنجی دور کرنے کے لیے خود تشریف لے گئے، جب گھر میں نہ ملے تو تلاش کرنے کے لیے خود مسجد میں گئے اور انھیں راضی کر کے گھر لائے۔

(١١٤) بَابُ أَبْغَضِ الْأَسْمَاءِ إِلَى اللهِ

باب: 114- اللہ کے ہاں انتہائی ناپسندیدہ نام

٦٢٠٥ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَخْنَى الْأَسْمَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ اللهِ رَجُلٌ تَسَمَّى مَلِكَ الْأَمْلَاكِ». [انظر: ٦٢٠٦]

[6205] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن اللہ کے ہاں سب سے برا نام اس شخص کا ہو گا جس نے اپنا نام ملک الاملاک (شہنشاہ، مہاراج) رکھا۔''

٦٢٠٦ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رِوَايَةً قَالَ: «أَخْنَعُ اسْمٍ عِنْدَ اللهِ - وَقَالَ

[6206] حضرت ابو ہریرہ ؓ ہی سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''اللہ کے نزدیک سب سے بدترین نام اس شخص کا ہو گا جو

سُفْيَانُ غَيْرَ مَرَّةٍ: أَخْنَعُ الْأَسْمَاءِ عِنْدَ اللهِ - رَجُلٌ تَسَمَّى بِمَلِكِ الْأَمْلَاكِ». [راجع: ٦٢٠٥]

اپنا نام ملک الاملاک رکھے گا۔"

قَالَ سُفْيَانُ: يَقُولُ غَيْرُهُ: تَفْسِيرُهُ: شَاهَانْ شَاهْ.

سفیان بیان کرتے ہیں کہ ابوالزناد کے غیر نے کہا: ملک الاملاک کا مفہوم شاہان شاہ ہے۔

فوائدومسائل: ① اصل ملک الاملاک، یعنی شاہان شاہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے اور جو لوگ خود کو شہنشاہ کہلاتے ہیں وہ اللہ کے نزدیک انتہائی حقیر ہیں۔ اسی طرح اس نام کا ہم معنی نام بھی حرام ہے جیسے کسی کا نام احکم الحاکمین، سلطان السلاطین یا امیر الامراء رکھ دیا جائے۔ ② علمائے کرام نے مندرجہ بالا ترکیب کے اعتبار سے "قاضی القضاۃ" کہنے کہلانے کو بھی ناجائز کہا ہے اگرچہ کچھ اہل علم اس کے متعلق نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ واللہ أعلم.

(١١٥) بَابُ كُنْيَةِ الْمُشْرِكِ

باب:115-مشرک کی کنیت کا بیان

وَقَالَ مِسْوَرٌ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «إِلَّا أَنْ يُرِيدَ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ».

حضرت مسور رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "مگر یہ کہ ابن ابی طالب چاہے۔"

وضاحت: مشرک انسان کو اس کی کنیت سے یاد کیا جاسکتا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابوطالب کا بیٹا کہا اور ابوطالب شرک کی حالت میں مرا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ الفاظ اس وقت فرمائے تھے جب انھوں نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ کیا تھا۔[1]

٦٢٠٧ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: وَحَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَتِيقٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ: أَنَّ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ رَكِبَ عَلَى حِمَارٍ عَلَيْهِ قَطِيفَةٌ فَدَكِيَّةٌ، وَأُسَامَةُ وَرَاءَهُ، يَعُودُ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ فِي بَنِي حَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ قَبْلَ وَقْعَةِ بَدْرٍ،

[6207] حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ گدھے پر سوار ہوئے جس پر فدک کی بنی ہوئی چادر بچھی تھی جبکہ اسامہ آپ کے پیچھے سوار تھے۔ آپ ﷺ قبیلۂ حارث بن خزرج میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت (بیمار پرسی) کے لیے تشریف لے جارہے تھے، یہ واقعہ غزوہ بدر سے پہلے کا ہے۔ دونوں حضرات چلتے رہے حتی کہ ایک مجلس کے پاس سے گزرے جس میں عبداللہ بن ابی ابن سلول بھی تھا جبکہ وہ

[1] صحیح البخاري، النكاح، حدیث: 5230.

فَسَارَا حَتَّى مَرَّا بِمَجْلِسٍ فِيهِ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ وَذٰلِكَ قَبْلَ أَنْ يُسْلِمَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ، فَإِذَا فِي الْمَجْلِسِ أَخْلَاطٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُشْرِكِينَ عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ وَالْيَهُودِ، وَفِي الْمُسْلِمِينَ عَبْدُاللهِ بْنُ رَوَاحَةَ، فَلَمَّا غَشِيَتِ الْمَجْلِسَ عَجَاجَةُ الدَّابَّةِ خَمَّرَ ابْنُ أُبَيٍّ أَنْفَهُ بِرِدَائِهِ وَقَالَ: لَا تُغَبِّرُوا عَلَيْنَا، فَسَلَّمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَيْهِمْ ثُمَّ وَقَفَ، فَنَزَلَ فَدَعَاهُمْ إِلَى اللهِ وَقَرَأَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنَ، فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ: أَيُّهَا الْمَرْءُ، لَا أَحْسَنَ مِمَّا تَقُولُ إِنْ كَانَ حَقًّا، فَلَا تُؤْذِنَا بِهِ فِي مَجَالِسِنَا، فَمَنْ جَاءَكَ فَاقْصُصْ عَلَيْهِ. قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ رَوَاحَةَ: بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ، فَاغْشَنَا فِي مَجَالِسِنَا فَإِنَّا نُحِبُّ ذٰلِكَ، فَاسْتَبَّ الْمُسْلِمُونَ وَالْمُشْرِكُونَ وَالْيَهُودُ حَتَّى كَادُوا يَتَثَاوَرُونَ، فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُخَفِّضُهُمْ حَتَّى سَكَتُوا، ثُمَّ رَكِبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ دَابَّتَهُ فَسَارَ حَتَّى دَخَلَ عَلَى سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَيْ سَعْدُ، أَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالَ أَبُو حُبَابٍ؟- يُرِيدُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أُبَيٍّ - قَالَ كَذَا وَكَذَا»، فَقَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ: أَيْ رَسُولَ اللهِ، بِأَبِي أَنْتَ، اعْفُ عَنْهُ، وَاصْفَحْ، فَوَالَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ لَقَدْ جَاءَ اللهُ بِالْحَقِّ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ، وَلَقَدِ اصْطَلَحَ أَهْلُ هٰذِهِ الْبَحْرَةِ عَلَى أَنْ يُتَوِّجُوهُ [وَيُعَصِّبُوهُ بِالْعِصَابَةِ]، فَلَمَّا رَدَّ اللهُ ذٰلِكَ بِالْحَقِّ الَّذِي أَعْطَاكَ شَرِقَ بِذٰلِكَ، فَذٰلِكَ فَعَلَ بِهِ مَا رَأَيْتَ، فَعَفَا عَنْهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ،

ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا۔ اس مجلس میں کچھ مسلمان بھی تھے، بتوں کی پرستش کرنے والے مشرک اور یہودی بھی تھے۔ مسلمانوں میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، جب مجلس پر سواری کا غبار اڑ کر پڑا تو عبداللہ بن ابی نے چادر سے اپنی ناک ڈھانپ لی اور کہنے لگا: ہم پر غبار نہ اڑاؤ۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل مجلس کو سلام کہا، پھر وہاں ٹھہر گئے اور سواری سے اترے اور انھیں اللہ کے دین کی دعوت دی، نیز انھیں قرآن پڑھ کر سنایا۔ عبداللہ بن ابی نے کہا: بھلے آدمی! جو کچھ تم نے پڑھ کر سنایا ہے اس سے بہتر کوئی کلام نہیں ہوسکتا اگرچہ حق ہے مگر ہماری مجالس میں آ کر اس کی وجہ سے ہمیں اذیت نہ دیا کرو، ہاں جو تمھارے پاس آئے اسے یہ قصے سنا دیا کرو۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں: اللہ کے رسول! آپ ہماری مجالس میں تشریف لایا کریں، ہم اسے پسند کرتے ہیں۔ اس معاملے میں مسلمانوں، مشرکین اور یہودیوں کا باہمی جھگڑا ہوگیا۔ قریب تھا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی پر اتر آئیں لیکن رسول اللہ ﷺ انھیں خاموش کراتے رہے۔ آخر جب تمام لوگ خاموش ہوگئے تو رسول اللہ ﷺ اپنی سواری پر بیٹھ کر (وہاں سے) تشریف لے گئے۔ جب سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں فرمایا: ''اے سعد! تم نے نہیں سنا کہ آج ابو حباب نے کس طرح کی باتیں کی ہیں؟ آپ کا اشارہ عبداللہ بن ابی کی طرف تھا۔ اس نے ایسا ایسا کہا ہے۔'' سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ اسے معاف کردیں اور اس سے درگزر فرمائیں۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل کی ہے! اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق دیا ہے جو آپ پر اتارا ہے، آپ کے تشریف لانے سے پہلے

وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَصْحَابُهُ يَعْفُونَ عَنِ الْمُشْرِكِينَ وَأَهْلِ الْكِتَابِ كَمَا أَمَرَهُمُ اللهُ وَيَصْبِرُونَ عَلَى الْأَذَى. قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا ٱلْكِتَٰبَ﴾ الْآيَةَ [آل عمران:١٨٦]، وَقَالَ: ﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ﴾ [البقرة:١٠٩] فَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَتَأَوَّلُ فِي الْعَفْوِ عَنْهُمْ مَا أَمَرَهُ اللهُ بِهِ حَتَّى أَذِنَ لَهُ فِيهِمْ، فَلَمَّا غَزَا رَسُولُ اللهِ ﷺ بَدْرًا، فَقَتَلَ اللهُ بِهَا مَنْ قَتَلَ مِنْ صَنَادِيدِ الْكُفَّارِ وَسَادَةِ قُرَيْشٍ، فَقَفَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَصْحَابُهُ مَنْصُورِينَ غَانِمِينَ، مَعَهُمْ أُسَارَى مِنْ صَنَادِيدِ الْكُفَّارِ وَسَادَةِ قُرَيْشٍ، قَالَ ابْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ وَمَنْ مَعَهُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ: هٰذَا أَمْرٌ قَدْ تَوَجَّهَ، فَبَايَعُوا رَسُولَ اللهِ ﷺ عَلَى الْإِسْلَامِ فَأَسْلَمُوا. [راجع: ٢٩٨٧]

اس بستی (مدینہ طیبہ) کے باشندے اس امر پر متفق ہو گئے تھے کہ اس کے سر پر تاج رکھیں اور اسے سرداروں کی سی پگڑی باندھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے سچا کلام دے کر آپ کو یہاں بھیج دیا۔ وہ اس بات سے چڑ گیا اور جو کچھ آپ نے آج ملاحظہ فرمایا ہے وہ اس جلن کی وجہ سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے (عبداللہ بن ابی کو) معاف کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام اللہ کے حکم کے مطابق مشرکین اور اہل کتاب سے اسی طرح درگزر کیا کرتے تھے اور ان کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر کیا کرتے تھے جس طرح انھیں اللہ نے حکم دیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''تم یقیناً ان لوگوں سے جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے (تکلیف دہ باتیں) ضرور سنو گے۔'' دوسرے مقام پر فرمایا: ''اہل کتاب یہ خواہش کرتے ہیں (کہ تم کو ایمان لانے کے بعد کافر بنا دیں)۔'' چنانچہ رسول اللہ ﷺ انھیں معاف کرنے کے لیے اللہ کے حکم کے مطابق عمل کیا کرتے تھے حتی کہ آپ کو ان کے خلاف جہاد کرنے کی اجازت دی گئی۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر لڑا اور اللہ کے حکم سے اس میں کفار کے بڑے بڑے بہادر اور قریش کے سردار قتل کیے گئے تو رسول اللہ ﷺ اپنے صحابۂ کرام کے ساتھ فتح مند ہو کر اور مال غنیمت لے کر لوٹے، ان کے ساتھ کافروں کے بڑے بڑے سرغنے اور قریش کے سردار قیدی بھی تھے۔ اس وقت عبداللہ بن ابی اور اس کے مشرک ساتھیوں اور دیگر بت پرستوں نے کہا: اب اسلام کا معاملہ کامیاب ہو گیا ہے، چنانچہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اسلام پر بیعت کر لی اور (بظاہر) مسلمان ہو گئے۔

٦٢٠٨ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا

[6208] حضرت عباس بن عبدالمطلب ؓ سے روایت

أَبُو عَوَانَةَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ نَوْفَلٍ، عَنْ عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، هَلْ نَفَعْتَ أَبَا طَالِبٍ بِشَيْءٍ فَإِنَّهُ كَانَ يَحُوطُكَ وَيَغْضَبُ لَكَ؟ قَالَ: «نَعَمْ، هُوَ فِي ضَحْضَاحٍ مِنْ نَارٍ، لَوْلَا أَنَا لَكَانَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ». [راجع: ٣٨٨٣]

ہے، انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! کیا آپ نے ابوطالب کو کوئی فائدہ پہنچایا کیونکہ وہ آپ کی حفاظت کرتا تھا اور آپ کی خاطر لوگوں سے ناراض ہوتا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، میری وجہ سے وہ اس جگہ میں ہے جہاں ٹخنوں تک آگ ہے۔ اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے نچلے طبقے میں ہوتا۔

فوائدومسائل: ① ایک روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''امید ہے کہ اسے میری سفارش کی وجہ سے جہنم میں ایسی جگہ پر رکھا جائے جہاں اس کے ٹخنوں تک آگ ہوگی جس سے اس کے دماغ کا مغز جوش مارے گا۔''[1] ② امام بخاری ؒ نے ان دونوں حدیثوں سے ثابت کیا ہے کہ مشرکین وکفار کو ان کی کنیت سے یاد کیا جا سکتا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں عبداللہ بن ابی کی کنیت ابوحباب اور دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے چچا کی کنیت ابوطالب ذکر ہوئی ہے۔ ان کی شہرت اسی کنیت سے تھی، اس لیے انھیں نام کے بجائے کنیت سے یاد کیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ابولہب کو اس کی کنیت سے ذکر کیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ خود بھی ہلاک ہوگیا۔''[2] وہ ابولہب کی کنیت سے مشہور تھا، اس لیے اس کا ذکر کر دیا گیا۔ ایسا کرنا ان کے احترام یا وقار کی وجہ سے نہیں بلکہ شہرت کی وجہ سے ہے۔ ③ واضح رہے کہ ابوطالب کا نام عبدمناف اور ابولہب کا نام عبدالعزیٰ تھا۔[3]

(١١٦) بَابٌ: الْمَعَارِيضُ مَنْدُوحَةٌ عَنِ الْكَذِبِ

باب: 116- ذو معنی بات کہنے میں جھوٹ سے بچاؤ ہے

وَقَالَ إِسْحَاقُ: سَمِعْتُ أَنَسًا: مَاتَ ابْنٌ لِأَبِي طَلْحَةَ فَقَالَ: كَيْفَ الْغُلَامُ؟ قَالَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ: هَدَأَ نَفَسُهُ، وَأَرْجُو أَنْ يَكُونَ قَدِ اسْتَرَاحَ، وَظَنَّ أَنَّهَا صَادِقَةٌ.

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوطلحہ ؓ کا بیٹا فوت ہوگیا، انھوں نے پوچھا بچہ کیسا ہے؟ ام سلیم ؓ نے کہا: اس کی جان کو سکون ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ آرام میں ہے۔ حضرت ابوطلحہ ؓ نے انھیں سچا گمان کیا۔

وضاحت: ذو معنی بات سے وہ گفتگو مراد ہے جس کے دو پہلو ہوں: ظاہر اور باطن یا سچ اور جھوٹ۔ دشمن کے مقابلے میں جہاں شرعی مصلحت ہو وہاں ایسا انداز اختیار کرنا جائز ہے۔ مسلمانوں کے درمیان بھی کسی شرعی ضرورت کے پیش نظر ذو معنی بات کی

1 صحيح البخاري، الرقاق، حديث: 6564. 2 اللهب 1:111. 3 فتح الباري: 726/10.

جاسکتی ہے لیکن اس کے ذریعے سے حق کا انکار یا کسی کا حق مارنا جھوٹ اور دھوکا دہی ہے، شریعت نے اسے ناجائز قرار دیا ہے۔
② حضرت ابوطلحہ ؓ کے واقعہ کو امام بخاری ؒ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1] ام سلیم ؓ کے کلام سے حضرت ابوطلحہ ؓ یہ سمجھے کہ بچے کو بیماری سے آرام آ گیا ہے جبکہ ام سلیم ؓ کا اس کلام سے مطلب یہ تھا کہ بچہ دنیا کی مصیبت سے آرام پا چکا ہے۔ انھوں نے اپنے خاوند کو راحت اور آرام پہنچانے کے لیے ذو معنی بات کی۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب اس کا ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے ام سلیم ؓ کی تعریف کی۔ معلوم ہوا ضرورت کے وقت ذو معنی بات کی جاسکتی ہے۔[2] واللّٰه أعلم.

٦٢٠٩ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ فِي مَسِيرٍ لَهُ فَحَدَا الْحَادِي، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «ارْفُقْ يَا أَنْجَشَةُ - وَيْحَكَ - بِالْقَوَارِيرِ».
[راجع: ٦١٤٩]

[6209] حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک سفر میں تھے۔ ایک غلام نے سواری کے اونٹوں کو تیزی سے چلایا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ”اے انجشہ! تیری خرابی ہو! ان آبگینوں کے ساتھ نرمی کرو۔“

٦٢١٠ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ وَأَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ فِي سَفَرٍ، وَكَانَ غُلَامٌ يَحْدُو بِهِنَّ يُقَالُ لَهُ: أَنْجَشَةُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «رُوَيْدَكَ يَا أَنْجَشَةُ سَوْقَكَ بِالْقَوَارِيرِ».

[6210] حضرت انس ؓ ہی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک سفر میں تھے جبکہ انجشہ نامی ایک غلام عورتوں کی سواریوں کو حدی پڑھتا ہوا لے جا رہا تھا۔ نبی ﷺ نے اس سے فرمایا: ”اے انجشہ! شیشوں کے ساتھ نرمی کر۔“

قَالَ أَبُو قِلَابَةَ: يَعْنِي النِّسَاءَ. [راجع: ٦١٤٩]

ابو قلابہ نے کہا: قواریر سے مراد عورتیں ہیں۔

٦٢١١ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا حَبَّانُ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ لِلنَّبِيِّ ﷺ حَادٍ يُقَالُ لَهُ: أَنْجَشَةُ، وَكَانَ حَسَنَ الصَّوْتِ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: «رُوَيْدَكَ يَا أَنْجَشَةُ، لَا تَكْسِرِ الْقَوَارِيرَ»، قَالَ قَتَادَةُ: يَعْنِي ضَعَفَةَ النِّسَاءِ. [راجع: ٦١٤٩]

[6211] حضرت انس بن مالک ؓ سے ایک اور روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ کا ایک حدی خواں تھا جسے انجشہ کہا جاتا تھا۔ اس کی آواز بہت سریلی تھی۔ نبی ﷺ نے اسے فرمایا: ”اے انجشہ! نرمی کرو، آبگینوں کو چور نہ کرو۔“ حضرت ابوقتادہ نے کہا: اس سے مراد کمزور عورتیں ہیں۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے ظاہری طور پر شیشے کے الفاظ استعمال کیے لیکن اس سے مراد یہ تھی کہ عورتیں کمزور

---

① صحیح البخاري، الجنائز، حدیث: 1301. ② فتح الباري: 728/10.

ہیں۔ اور شیشوں کو توڑنے سے مراد ان کا نیچے گر کر چوٹ کھانا ہے، لیکن درحقیقت آپ کی مراد یہ تھی کہ جس طرح چوٹ لگنے سے شیشہ ٹوٹ جاتا ہے اور پھر اس کی اصلاح نہیں ہوتی، اسی طرح حُدی کی آواز سے عورتوں کے دل میں گانے کی محبت پیدا ہوگی اور اس سے ان کے اخلاق بگڑنے کا اندیشہ ہے پھر ان کی اصلاح بہت مشکل ہوگی۔ ② بہر حال رسول اللہ ﷺ نے الفاظ بول کر ظاہری معنی کے بجائے باطنی معنی مراد لیے، اور ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ واللّٰہ أعلم.

٦٢١٢ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي قَتَادَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ بِالْمَدِينَةِ فَزَعٌ، فَرَكِبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَرَسًا لِأَبِي طَلْحَةَ، فَقَالَ: «مَا رَأَيْنَا مِنْ شَيْءٍ، وَإِنْ وَجَدْنَاهُ لَبَحْرًا». [راجع: ٢٦٢٧]

[6212] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک دفعہ مدینہ طیبہ میں گھبراہٹ پیدا ہوئی تو نبی ﷺ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار ہوئے اور فرمایا: ''ہمیں تو خوف و ہراس کی کوئی چیز نظر نہیں آئی، البتہ ہم نے اس گھوڑے کو سمندر پایا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے گھوڑے کی رفتار کو سمندر سے تشبیہ دی کہ یہ بڑی روانی اور سکون سے دوڑتا ہے، پھر اس کی روانی کی صفت کو مجازی طور پر گھوڑے پر بولا گیا۔ ② بہر حال رسول اللہ ﷺ نے ایسے الفاظ استعمال کیے جن کے ظاہری معنی مراد نہیں تھے۔ بعض اوقات ایسا کرنا جائز ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(١١٧) بَابُ قَوْلِ الرَّجُلِ لِلشَّيْءِ: لَيْسَ بِشَيْءٍ، وَهُوَ يَنْوِي أَنَّهُ لَيْسَ بِحَقٍّ

باب: 117- کسی چیز کو لا شیئ کہنا اور اس سے مراد یہ ہو کہ مبنی برحقیقت نہیں

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِلْقَبْرَيْنِ: «يُعَذَّبَانِ بِلَا كَبِيرٍ وَإِنَّهُ لَكَبِيرٌ».

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی ﷺ نے دو قبر والوں کے متعلق فرمایا: ''انھیں کسی بڑی بات کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جا رہا، حالانکہ وہ کبیرہ گناہ تھا۔''

وضاحت: کسی چیز کو لا شَیئ کہنے سے مراد اس چیز کی نفی نہیں بلکہ اس کے مبنی برحقیقت ہونے کی نفی ہے۔ قبر والوں کو عذاب پر مشتمل حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کی ہے۔[1] رسول اللہ ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا: انھیں عذاب دیا جا رہا ہے لیکن کسی بڑی بات میں نہیں، یعنی اگر ان سے بچنا اور پرہیز کرنا چاہتے تو کوئی ایسی بڑی بات نہ تھی اگرچہ سنگینی اور انجام کے اعتبار سے وہ کبیرہ گناہ ہیں۔ اس کی نفی ایک الگ حیثیت سے ہے اور اثبات ایک دوسرے اعتبار سے ہے۔ واللّٰہ أعلم.

---

1 صحيح البخاري، الأدب، حديث: 6055.

٦٢١٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ: أَخْبَرَنَا مَخْلَدُ بْنُ يَزِيدَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ: قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ عُرْوَةَ: أَنَّهُ سَمِعَ عُرْوَةَ يَقُولُ: قَالَتْ عَائِشَةُ: سَأَلَ أُنَاسٌ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الْكُهَّانِ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَيْسُوا بِشَيْءٍ»، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ فَإِنَّهُمْ يُحَدِّثُونَ أَحْيَانًا بِالشَّيْءِ يَكُونُ حَقًّا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «تِلْكَ الْكَلِمَةُ مِنَ الْحَقِّ يَخْطَفُهَا الْجِنِّيُّ فَيَقُرُّهَا فِي أُذُنِ وَلِيِّهِ قَرَّ الدَّجَاجَةِ فَيَخْلِطُونَ فِيهَا أَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ كَذْبَةٍ».

[راجع: ٣٢١٠]

[6213] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے کاہنوں کے متعلق پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''وہ کوئی شے نہیں۔'' انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! بعض اوقات یہ کاہن ایسی باتیں بتاتے ہیں جو صحیح ثابت ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ باتیں جو صحیح ثابت ہوتی ہیں انھیں کوئی جن فرشتوں سے سن کر اڑا لیتا ہے، پھر اپنے دوست کے کان میں مرغ کی آواز کی طرح ڈالتا ہے، پھر اس سچی بات میں کاہن سو جھوٹ ملا دیتا ہے۔''

فائدہ: رسول اللہ ﷺ نے کاہنوں کے متعلق فرمایا: وہ کچھ بھی نہیں ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی باتیں قابل اعتماد نہیں ہیں جیسا کہ ہم کسی بدکردار شخص کو کہتے ہیں کہ وہ انسان نہیں ہے۔ اس کے انسان ہونے کی نفی سے مراد ذات کی نفی نہیں بلکہ کردار کی نفی ہے، یعنی اس میں انسانیت نہیں ہے۔ اسی طرح ہم اس شخص کو کہتے ہیں جس نے مضبوط کام نہ کیا ہو، تو نے کچھ نہیں کیا، حالانکہ اس نے کچھ نہ کچھ تو کیا ہوتا ہے۔ کام کی نفی سے مراد قابل اعتماد اور مضبوط کام کی نفی ہے۔ واللہ أعلم.

(١١٨) بَابُ رَفْعِ الْبَصَرِ إِلَى السَّمَاءِ

باب: 118- آسمان کی طرف نظر اٹھانا

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ﴾ [الغاشية: ١٧]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''کیا یہ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے پیدا کیا گیا۔''

وَقَالَ أَيُّوبُ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: رَفَعَ النَّبِيُّ ﷺ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ.

حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا۔

وضاحت: کچھ اہل زہد کا خیال ہے کہ آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا خشیت اور عاجزی کے منافی ہے، چنانچہ ابراہیم تیمی اور عطاء سلمی سے روایت ہے کہ انھوں نے چالیس سال تک آسمان کی طرف اپنی نظر بلند نہ کی تھی۔ امام بخاری ؒ نے انھی حضرات کی تردید کے لیے مذکورہ عنوان قائم کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اونٹوں اور آسمان کی طرف دیکھنے کی رغبت دلائی ہے۔ انھیں دیکھنے کے لیے اوپر کی طرف نظر کو اٹھانا پڑتا ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے خود مرض وفات میں آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا تھا:

"اے میرے اللہ! میں رفیق اعلیٰ کی رفاقت چاہتا ہوں۔"[1]

٦٢١٤ - حَدَّثَنَا ابْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ ابْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ يَقُولُ: أَخْبَرَنِي جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «ثُمَّ فَتَرَ عَنِّي الْوَحْيُ، فَبَيْنَمَا أَنَا أَمْشِي سَمِعْتُ صَوْتًا مِنَ السَّمَاءِ، فَرَفَعْتُ بَصَرِي إِلَى السَّمَاءِ فَإِذَا الْمَلَكُ الَّذِي جَاءَنِي بِحِرَاءٍ قَاعِدٌ عَلَى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ». [راجع: ٤]

[6214] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "پھر میرے پاس وحی آنے کا سلسلہ بند ہوگیا۔ ایک دن میں جارہا تھا کہ میں نے آسمان کی طرف سے ایک آواز سنی۔ میں نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو غار حرا میں میرے پاس آیا تھا آسمان و زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔"

٦٢١٥ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي شَرِيكٌ عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: بِتُّ فِي بَيْتِ مَيْمُونَةَ وَالنَّبِيُّ ﷺ عِنْدَهَا، فَلَمَّا كَانَ ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ أَوْ بَعْضُهُ قَعَدَ فَنَظَرَ إِلَى السَّمَاءِ فَقَرَأَ: ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱخْتِلَٰفِ ٱلَّيْلِ وَٱلنَّهَارِ لَءَايَٰتٍ لِّأُو۟لِى ٱلْأَلْبَٰبِ﴾ [آل عمران: ١٩٠]. [راجع: ١١٧]

[6215] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے ایک رات حضرت میمونہ ؓ کے گھر بسر کی۔ نبی ﷺ نے اس رات وہیں قیام فرمایا۔ جب رات کا آخری تہائی حصہ رہ گیا تو آپ ﷺ اٹھ کر بیٹھ گئے اور آسمان کی طرف نظر اٹھا کر یہ آیات پڑھنے لگے: "بلاشبہ زمین و آسمان کی پیدائش میں اور رات دن کے بدلتے رہنے میں عقل والوں کے لیے عظیم نشانیاں ہیں۔"

فائدہ: ان دونوں حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ کا آسمان کی طرف نظر اٹھانا ثابت ہے، لہٰذا اہل زہد کا یہ کہنا غلط ہے کہ اللہ سے خوف کرتے ہوئے عجز وانکسار کا تقاضا ہے کہ آسمان کی طرف نہ دیکھا جائے، ہاں دوران نماز میں آسمان کی طرف دیکھنے کی سخت ممانعت ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "لوگوں کو چاہیے کہ وہ دوران نماز میں آسمان کی طرف دیکھنے سے رک جائیں بصورت دیگر ان کی آنکھوں کو اچک لیا جائے گا۔"[2]

(١١٩) بَابُ مَنْ نَكَتَ الْعُودَ فِي الْمَاءِ وَالطِّينِ

باب: 119- کیچڑ اور پانی میں لکڑی مارنا

---

[1] فتح الباري: 730/10. [2] صحيح البخاري، الأذان، حديث: 750.

وضاحت: انسان کسی چیز میں غور وفکر کرتے ہوئے یہ حرکت کرتا ہے کہ چھوٹی سی لکڑی سے پانی یا مٹی میں نکتے لگانا شروع کر دیتا ہے، یہ کوئی فضول حرکت نہیں کہ اس سے منع کیا جائے۔ واللہ أعلم.

٦٢١٦ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُثْمَانَ بْنِ غِيَاثٍ: حَدَّثَنَا أَبُو عُثْمَانَ عَنْ أَبِي مُوسَى أَنَّهُ كَانَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي حَائِطٍ مِنْ حِيطَانِ الْمَدِينَةِ وَفِي يَدِ النَّبِيِّ ﷺ عُودٌ يَضْرِبُ بِهِ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ، فَجَاءَ رَجُلٌ يَسْتَفْتِحُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «افْتَحْ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ»، فَذَهَبْتُ فَإِذَا أَبُو بَكْرٍ فَفَتَحْتُ لَهُ وَبَشَّرْتُهُ بِالْجَنَّةِ، فَاسْتَفْتَحَ رَجُلٌ آخَرُ فَقَالَ: «افْتَحْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ»، فَإِذَا عُمَرُ فَفَتَحْتُ لَهُ وَبَشَّرْتُهُ بِالْجَنَّةِ. ثُمَّ اسْتَفْتَحَ رَجُلٌ آخَرُ - وَكَانَ مُتَّكِئًا فَجَلَسَ - فَقَالَ: «افْتَحْ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ عَلَى بَلْوَى تُصِيبُهُ - أَوْ تَكُونُ -»، فَذَهَبْتُ فَإِذَا عُثْمَانُ فَفَتَحْتُ لَهُ وَبَشَّرْتُهُ بِالْجَنَّةِ، فَأَخْبَرْتُهُ بِالَّذِي قَالَ، قَالَ: اللهُ الْمُسْتَعَانُ. [راجع: ٣٦٧٤]

[6216] حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے کہ وہ مدینہ طیبہ کے باغوں میں سے کسی باغ میں نبی ﷺ کے ہمراہ تھے۔ نبی ﷺ کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی جسے آپ پانی اور مٹی میں مار رہے تھے۔ اس دوران میں ایک آدمی آیا اور اس نے دروازہ کھلوانا چاہا۔ نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''دروازہ کھول دو اور انھیں جنت کی خوشخبری سنا دو۔'' میں گیا تو وہاں حضرت ابوبکر ؓ موجود تھے۔ میں نے ان کے لیے دروازہ کھولا اور انھیں جنت کی خوشخبری سنائی۔ پھر ایک اور آدمی نے دروازہ کھلوانا چاہا تو آپ نے فرمایا: ''اس کے لیے دروازہ کھول دو اور اسے بھی جنت کی خوشخبری دو۔'' اس مرتبہ حضرت عمر ؓ تھے۔ میں نے ان کے لیے دروازہ کھولا اور انھیں جنت کی بشارت دی۔ پھر ایک تیسرے آدمی نے دروازہ کھلوانا چاہا۔ اس وقت آپ ﷺ ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے تھے، اب سیدھے ہوکر بیٹھ گئے، پھر فرمایا: ''ان کے لیے دروازہ کھول دو اور انھیں جنت کی خوشخبری سنا دو لیکن انھیں دنیا میں آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔'' میں گیا تو وہاں حضرت عثمان ؓ تھے۔ میں نے ان کے لیے دروازہ کھولا اور جنت کی بشارت دی اور وہ بات بھی بتائی جو آپ ﷺ نے کہی تھی۔ حضرت عثمان ؓ نے کہا: خیر اللہ مددگار ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ایک بہت بڑا معجزہ بیان ہوا ہے کیونکہ آپ نے جیسا فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔ حضرت عثمان ؓ کو اپنی خلافت کے آخری دور میں کڑی آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا لیکن انھوں نے صبر کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔ ② حافظ ابن حجر ؒ اس عنوان کی فقاہت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ پانی یا کیچڑ میں لکڑی مارنا کوئی فضول حرکت نہیں کیونکہ یہ کام وہ عقلمند کرتا ہے جو کسی چیز میں غور وفکر کر رہا ہو۔ بعض دفعہ انسان سوچ بچار کے موقع پر بھی فضول

حرکت کرتا ہے جیسا کہ انسان کے ہاتھ میں چھری ہو اور وہ کسی لکڑی کو کریدنا شروع کر دے، اس طرح اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ ایسی حرکت بے فائدہ اور فضول شمار ہو گی۔[1]

(١٢٠) بَابُ الرَّجُلِ يَنْكُتُ الشَّيْءَ بِيَدِهِ فِي الْأَرْضِ

باب: 120- اپنے ہاتھ سے زمین میں کوئی چیز کریدنا

٦٢١٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ وَمَنْصُورٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي جَنَازَةٍ فَجَعَلَ يَنْكُتُ الْأَرْضَ بِعُودٍ فَقَالَ: «لَيْسَ مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ فُرِغَ مِنْ مَقْعَدِهِ مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ». فَقَالُوا: أَفَلَا نَتَّكِلُ؟ قَالَ: «اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ﴾ الْآيَةَ [الليل:٥]». [راجع: ١٣٦٢]

[6217] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم ایک جنازے میں نبی ﷺ کے ہمراہ تھے۔ (آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔) آپ چھڑی سے زمین کریدنے لگے۔ پھر آپ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کا جنت یا دوزخ میں ٹھکانا طے نہ ہو چکا ہو۔'' صحابۂ کرام نے عرض کی: کیا ہم اس پر توکل نہ کر لیں؟ آپ نے فرمایا: ''عمل کرو کیونکہ ہر شخص جس ٹھکانے کے لیے پیدا کیا گیا ہے، اسے ویسی ہی توفیق دی جائے گی۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے:) ''بہر حال جس نے دیا اور اللہ سے ڈر گیا......''

فائدہ: وعظ و نصیحت کرتے وقت زمین پر چھڑی مارنا یا اسے کریدنا بھی فضول حرکت نہیں ہے کہ انسان کو اس سے منع کیا جائے۔ ایسا کرنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں اس کی صراحت ہے، لہٰذا اسے بھی فضول حرکت نہ کہا جائے۔ واللہ المستعان.

(١٢١) بَابُ التَّكْبِيرِ وَالتَّسْبِيحِ عِنْدَ التَّعَجُّبِ

باب: 121- تعجب کے وقت اللہ اکبر اور سبحان اللہ کہنا

٦٢١٨ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: حَدَّثَتْنِي هِنْدُ بِنْتُ الْحَارِثِ: أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: اسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ

[6218] حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ ایک رات بیدار ہوئے تو فرمایا: ''سبحان اللہ! اللہ کی رحمت کے کتنے خزانے آج رات نازل کیے گئے

1 فتح الباري: 732/10.

ﷺ فَقَالَ: «سُبْحَانَ اللهِ، مَاذَا أُنْزِلَ مِنَ الْخَزَائِنِ؟ وَمَاذَا أُنْزِلَ مِنَ الْفِتَنِ؟ مَنْ يُوقِظُ صَوَاحِبَ الْحُجَرِ؟ - يُرِيدُ بِهِ أَزْوَاجَهُ حَتَّى يُصَلِّينَ - رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٍ فِي الْآخِرَةِ». [راجع: ١١٥]

ہیں؟ اور کس قدر فتنوں کا نزول ہوا ہے؟ کون ہے جو ان حجروں میں سوئی ہوئی عورتوں کو بیدار کرے؟ اس سے آپ کی مراد ازواج مطہرات تھیں، تاکہ وہ نماز پڑھیں۔ دنیا میں بہت سی لباس پہننے والی خواتین آخرت میں ننگی ہوں گی۔"

وَقَالَ ابْنُ أَبِي ثَوْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ عُمَرَ قَالَ: قُلْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ: طَلَّقْتَ نِسَاءَكَ؟ قَالَ: «لَا»، قُلْتُ: اللهُ أَكْبَرُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ سے عرض کی: کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟ آپ نے فرمایا: "نہیں۔" میں نے کہا: اللہ اکبر۔

فوائد ومسائل: ① اللہ اکبر سے مراد اللہ تعالیٰ کی تعظیم و کبریائی بجالانا اور سبحان اللہ سے مراد اس ذات کو ہر قسم کے عیوب سے پاک قرار دینا ہے۔ کسی بڑے کام کے وقوع پر اللہ اکبر یا سبحان اللہ کہنا اس کام کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے اور ایسے موقع پر سبحان اللہ یا اللہ اکبر کہنا مسنون امر ہے۔ ② حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک دوسرے مقام پر متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1]

٦٢١٩ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ؛ ح: وَحَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَتِيقٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ: أَنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا جَاءَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ تَزُورُهُ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فِي الْمَسْجِدِ، فِي الْعَشْرِ الْغَوَابِرِ مِنْ رَمَضَانَ فَتَحَدَّثَتْ عِنْدَهُ سَاعَةً مِنَ الْعِشَاءِ، ثُمَّ قَامَتْ تَنْقَلِبُ، فَقَامَ مَعَهَا النَّبِيُّ ﷺ يَقْلِبُهَا حَتَّى إِذَا بَلَغَتْ بَابَ الْمَسْجِدِ الَّذِي عِنْدَ مَسْكَنِ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ مَرَّ بِهِمَا رَجُلَانِ مِنَ

[6219] نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت کرنے کے لیے آئیں جبکہ آپ رمضان کے آخری عشرے میں مسجد میں معتکف تھے۔ انھوں نے عشاء کے وقت تھوڑی دیر تک آپ ﷺ سے باتیں کیں، پھر واپس جانے کے لیے اٹھیں تو نبی ﷺ بھی ان کے ساتھ کھڑے ہوگئے تاکہ انھیں واپس چھوڑنے جائیں۔ جب وہ مسجد کے اس دروازے کے پاس پہنچیں جہاں نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا گھر تھا تو ان دونوں کے پاس سے دو انصاری آدمی گزرے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا اور آگے بڑھ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں

① صحيح البخاري، العلم، حديث: 89.

الْأَنْصَارِ فَسَلَّمَا عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ ثُمَّ نَفَذَا، فَقَالَ لَهُمَا رَسُولُ اللهِ ﷺ: «عَلَى رِسْلِكُمَا، إِنَّمَا هِيَ صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ»، قَالَا: سُبْحَانَ اللهِ يَا رَسُولَ اللهِ، وَكَبُرَ عَلَيْهِمَا مَا قَالَ. قَالَ: «إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنِ ابْنِ آدَمَ مَبْلَغَ الدَّمِ، وَإِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَقْذِفَ فِي قُلُوبِكُمَا». [راجع: ٢٠٣٥]

فرمایا: ''تھوڑی دیر کے لیے رک جاؤ، دیکھو! یہ میری بیوی حضرت صفیہ بنت حیی ہے۔'' انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! سبحان اللہ۔ ان حضرات پر یہ بات بہت گراں گزری۔ آپ نے فرمایا: ''شیطان، انسان کے اندر اس طرح دوڑتا ہے جس طرح رگوں میں خون گردش کرتا ہے، مجھے خطرہ محسوس ہوا مبادا تمھارے دلوں میں کوئی چیز ڈال دے۔''

فوائد ومسائل: ① دونوں انصاری بزرگوں نے تعجب کے وقت سبحان اللہ کہا۔ اگر ایسے موقع پر یہ کہنا درست نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ انھیں منع فرما دیتے۔ ② اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ متوقع غلط فہمی کو قبل از وقت دور کرنا سنت نبوی ہے۔ واللہ أعلم. چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے انصاری صحابہ کے دلوں سے متوقع غلط فہمی کو دور فرمایا کہ یہ میری بیوی صفیہ ؓ ہیں، کوئی اجنبی عورت نہیں جس کے پاس میں رات کے وقت کھڑا ہوں۔

(١٢٢) بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْخَذْفِ

باب: 122- انگلیوں سے کنکری مارنے کی ممانعت

٦٢٢٠ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: سَمِعْتُ عُقْبَةَ بْنَ صُهْبَانَ الْأَزْدِيَّ يُحَدِّثُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ الْمُزَنِيِّ قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الْخَذْفِ وَقَالَ: «إِنَّهُ لَا يَقْتُلُ الصَّيْدَ، وَلَا يَنْكَأُ الْعَدُوَّ، وَإِنَّهُ يَفْقَأُ الْعَيْنَ وَيَكْسِرُ السِّنَّ». [راجع: ٤٨٤١]

[6220] حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے کنکری پھینکنے سے منع کیا۔ آپ نے فرمایا: ''یہ کنکری شکار نہیں کرسکتی اور نہ دشمن ہی کو ہلاک کرسکتی ہے، البتہ یہ آنکھ پھوڑ سکتی ہے اور دانت توڑ سکتی ہے۔''

فائدہ: مسلمان ایک دوسرے کے لیے جسد واحد کی طرح ہیں۔ وہ باہمی مددگار تو ہوسکتے ہیں لیکن وہ ایک دوسرے کو تکلیف نہیں پہنچا سکتے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمان کی تعریف یہ کی ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ اس حدیث میں بھی ایک ادب کی تعلیم دی گئی ہے کہ مسلمانوں کو کسی طرح بھی تکلیف نہیں پہنچانی چاہیے۔

(١٢٣) بَابُ الْحَمْدِ لِلْعَاطِسِ

باب: 123- چھینک مارنے والے کا الحمد للہ کہنا

٦٢٢١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: حَدَّثَنَا

[6221] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے،

سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: عَطَسَ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ، فَشَمَّتَ أَحَدَهُمَا وَلَمْ يُشَمِّتِ الْآخَرَ، فَقِيلَ لَهُ، فَقَالَ: «هٰذَا حَمِدَ اللهَ، وَهٰذَا لَمْ يَحْمَدِ [اللهَ]». [انظر: ٦٢٢٥]

انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ کے پاس دو آدمیوں کو چھینک آئی۔ آپ ﷺ نے ایک کی چھینک کا جواب دیا اور دوسرے کی چھینک کا جواب نہ دیا، آپ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''اس نے الحمد للہ کہا تھا اور دوسرے نے الحمد للہ نہیں کہا تھا۔''

فوائد ومسائل: ① چھینک مارنے والا الحمد للہ کہنے کے بعد ہی جواب کا مستحق ہوتا ہے۔ ایک آدمی نے الحمد للہ کہا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے جواب دیا اور دوسرے نے اس سے پہلوتہی کی تو اس کا آپ نے جواب نہ دیا۔ ② چھینک صحت، مزاج اور دماغ کی صفائی کی موجب ہے، اس پر اللہ کا شکر، یعنی الحمد للہ کہنا مسنون ہے اور سننے والے کو اس کا جواب دینا، اس کے لیے دعا کرنا اور اسے آگاہ کرنا ہوتا ہے کہ واجبات وحقوق کی ادائیگی کے باعث تو اس عطیے کا حق دار ہوا ہے۔

(١٢٤) بَابُ تَشْمِيتِ الْعَاطِسِ إِذَا حَمِدَ اللهَ

باب: 124- چھینک مارنے والا جب الحمد للہ کہے تو اسے جواب دینا

فِيهِ أَبُو هُرَيْرَةَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں ایک حدیث بیان کی ہے۔

وضاحت: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق بتائے گئے ہیں، ان میں سے ایک چھینک مارنے والے کو جواب دینا ہے۔[1]

٦٢٢٢ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَشْعَثِ بْنِ سُلَيْمٍ قَالَ: سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ بْنَ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ، عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَمَرَنَا النَّبِيُّ ﷺ بِسَبْعٍ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ: أَمَرَنَا بِعِيَادَةِ الْمَرِيضِ، وَاتِّبَاعِ الْجَنَازَةِ، وَتَشْمِيتِ الْعَاطِسِ، وَإِجَابَةِ الدَّاعِي، وَرَدِّ السَّلَامِ، وَنَصْرِ الْمَظْلُومِ، وَإِبْرَارِ الْمُقْسِمِ. وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ: عَنْ خَاتَمِ الذَّهَبِ - أَوْ قَالَ:

[6222] حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا تھا اور سات کاموں سے روکا تھا۔ آپ نے ہمیں عیادت (بیمار پرسی) کرنے، جنازے کے پیچھے چلنے، چھینک مارے والے کو جواب دینے، دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرنے، سلام کا جواب دینے، مظلوم کی مدد کرنے اور قسم کو پورا کرنے کا حکم دیا۔ اور آپ نے ہمیں سات کاموں، یعنی سونے کی انگوٹھی یا چھلا پہننے، ریشم، دیبا، سندس اور ریشمی زین پوش سے

① صحيح البخاري، الجنائز، حديث: 1240.

حَلْقَةِ الذَّهَبِ - وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ وَالدِّيبَاجِ وَالسُّنْدُسِ وَالْمَيَاثِرِ. [راجع: ١٢٣٩]

منع فرمایا تھا۔

فائدہ: اس حدیث میں مطلق طور پر چھینک مارنے والے کو جواب دینے کا حکم ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان میں اسے مشروط کیا ہے کہ جب وہ الحمدللہ کہے تو جواب دیا جائے جیسا کہ حدیث: 6221 میں ہے، نیز اس شخص کو بھی چھینک کا جواب نہ دیا جائے جو تین مرتبہ سے زیادہ چھینک مارے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ چھینکنے والے کو تین بار دعا دی جائے، اس سے زیادہ ہو تو اس شخص کو زکام ہے۔[1] نیز آپ نے فرمایا: جب کوئی چھینک مارے تو الحمد للہ کہے اور جو افراد اس کے پاس ہوں وہ اسے ''يَرْحَمُكَ اللّٰه'' سے جواب دیں، یعنی اللہ تجھ پر رحمتیں نازل فرمائے، پھر وہ جواب میں انھیں کہے: [يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ] ''اللہ تمھیں ہدایت پر دے اور تمھارے حالات درست کرے۔''[2] نیز اس کی وضاحت آگے آ رہی ہے۔

(١٢٥) بَابُ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْعُطَاسِ، وَمَا يُكْرَهُ مِنَ التَّثَاؤُبِ

باب: 125- چھینک کے مستحب اور جماہی کے ناپسندیدہ ہونے کا بیان

٦٢٢٣ - حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعُطَاسَ وَيَكْرَهُ التَّثَاؤُبَ، فَإِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَحَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ سَمِعَهُ أَنْ يُشَمِّتَهُ، وَأَمَّا التَّثَاؤُبُ فَإِنَّمَا هُوَ مِنَ الشَّيْطَانِ فَلْيَرُدَّهُ مَا اسْتَطَاعَ، فَإِذَا قَالَ: هَاءَ، ضَحِكَ مِنْهُ الشَّيْطَانُ». [راجع: ٣٢٨٩]

[6223] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند اور جماہی کو ناپسند کرتا ہے۔ جب کسی کو چھینک آئے اور وہ الحمد للّٰہ کہے تو ہر مسلمان پر جو اسے سنے فرض ہے کہ اس کا جواب دے، البتہ جماہی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے، اس لیے جہاں تک ممکن ہو اسے روکے۔ جب کوئی جماہی کے وقت ''ہا'' کی آواز نکالتا ہے تو اس سے شیطان ہنستا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① چھینک آنا صحت مندی اور طبیعت کے ہلکے ہونے کی علامت ہے، نیز یہ چستی، ہوشیاری اور دماغ کی صفائی کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس لیے پسند ہے کہ انسان چھینک آنے پر الحمد للہ کہتا ہے۔ ② اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس چھینک کو پسند کرتا ہے جو زکام کی وجہ سے نہ ہو کیونکہ زکام والے شخص کی چھینک پر جواب دینا ضروری نہیں۔ شریعت کا قاعدہ ہے کہ ہر اچھی اور بہتر چیز کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے اور ہر بری کیفیت شیطان کی طرف منسوب ہوتی ہے، اس لیے جماہی کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے۔ جماہی کو بند کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ انسان جماہی آنے ہی نہ دے، اگر آئے

---

[1] صحيح مسلم، الزهد، حديث: 7489 (2993). [2] جامع الترمذي، الأدب، حديث: 2741.

تو اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لے بالخصوص نماز کے دوران میں اسے روکنے کا خاص اہتمام کرے۔

(١٢٦) بَابٌ: إِذَا عَطَسَ كَيْفَ يُشَمَّتُ؟

باب: 126- جب چھینک مارے تو اس کا جواب کیسے دیا جائے؟

٦٢٢٤ - حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلِ: الْحَمْدُ لِلّهِ، وَلْيَقُلْ لَهُ أَخُوهُ - أَوْ صَاحِبُهُ -: يَرْحَمُكَ اللهُ، فَإِذَا قَالَ لَهُ: يَرْحَمُكَ اللهُ، فَلْيَقُلْ: يَهْدِيكُمُ اللهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ».

[6224] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی چھینک مارے تو وہ الحمد لله کہے۔ اس کا بھائی یا ساتھی يرحمك الله کہے۔ جب اس کا ساتھی يرحمك الله کہے تو چھینکنے والا جواب میں: يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ کہے۔''

فوائد ومسائل: ① چھینک مارنے والے کے لیے پہلا ادب یہ ہے کہ وہ اپنی آواز کو پست رکھے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب چھینک آتی تو آپ اپنے منہ پر ہاتھ یا کپڑا رکھ لیتے اور اپنی آواز پست رکھتے۔[1] ② بعض لوگ چھینک آنے پر جان بوجھ کر زور لگاتے ہیں اور کہرام برپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو خلاف ادب اور غیر مسنون عمل ہے۔ دوسرا ادب یہ ہے کہ وہ الحمدللہ کہے۔ تیسرا ادب یہ ہے کہ وہ جواب دینے والے کو [يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُم] کے الفاظ سے دعا دے، یعنی اللہ تمھیں ہدایت دے اور تمھارے حالات درست کر دے لیکن جو شخص خود الحمدللہ نہ کہے تو وہ اپنے بھائی سے دعا کی توقع نہ رکھے۔ ③ ایک حدیث میں [يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ] سے جواب دینے کے الفاظ بھی مروی ہیں۔[2] لیکن یہ روایت سند کے اعتبار سے ضعیف ہے۔

(١٢٧) بَابٌ: لَا يُشَمَّتُ الْعَاطِسُ إِذَا لَمْ يَحْمَدِ اللهَ

باب: 127- جب چھینک لینے والا الحمدللہ نہ کہے تو اس کو جواب نہ دیا جائے

٦٢٢٥ - حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: عَطَسَ رَجُلَانِ عِنْدَ

[6225] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ دو آدمیوں کو نبی ﷺ کی موجودگی میں چھینک آئی تو آپ نے ایک کو جواب دیا اور دوسرے کو جواب نہ دیا۔

① سنن أبي داود، الأدب، حديث: 5029. ② سنن أبي داود، الأدب، حديث: 5031.

النَّبِيِّ ﷺ فَشَمَّتَ أَحَدَهُمَا وَلَمْ يُشَمِّتِ الْآخَرَ، فَقَالَ الرَّجُلُ: يَا رَسُولَ اللهِ، شَمَّتَّ هٰذَا وَلَمْ تُشَمِّتْنِي، قَالَ: «إِنَّ هٰذَا حَمِدَ اللهَ وَلَمْ تَحْمَدِ اللهَ». [راجع: ٦٢٢١]

دوسرے آدمی نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ نے اس کی چھینک کا جواب دیا ہے لیکن میرے چھینک مارنے پر جواب نہیں دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس نے الحمدللہ کہا تھا اور تو نے نہیں کہا تھا۔''

فائدہ: چھینک کا جواب دینے میں مندرجہ ذیل صورتیں مستثنیٰ ہیں: ○ جو شخص چھینک کر الحمدللہ نہ کہے، اسے جواب نہ دیا جائے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں ہے۔ ○ کفار و مشرکین کی چھینک کا بھی جواب نہیں دینا چاہیے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ یہودیوں کو جواب نہیں دیتے تھے۔ ○ جو زکام کی وجہ سے چھینک مارے وہ بھی جواب کا حقدار نہیں جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے۔ ○ خطبۂ جمعہ کے وقت چھینک کا جواب نہیں دینا چاہیے کیونکہ اس وقت خطبہ سننا فرض ہے۔ ○ حالت جماع اور قضائے حاجت کے وقت کسی کو چھینک آئے تو اس کے جواب میں تاخیر کی جا سکتی ہے۔[1]

(١٢٨) بَابٌ: إِذَا تَثَاءَبَ فَلْيَضَعْ يَدَهُ عَلَى فِيهِ

باب: 128- جب جماہی آئے تو اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لے

٦٢٢٦ - حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْعُطَاسَ وَيَكْرَهُ التَّثَاؤُبَ، فَإِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ وَحَمِدَ اللهَ كَانَ حَقًّا عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ سَمِعَهُ أَنْ يَقُولَ لَهُ: يَرْحَمُكَ اللهُ، وَأَمَّا التَّثَاؤُبُ فَإِنَّمَا هُوَ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَإِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَرُدَّهُ مَا اسْتَطَاعَ، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا تَثَاءَبَ ضَحِكَ مِنْهُ الشَّيْطَانُ». [راجع: ٣٢٨٩]

[6226] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند اور جماہی کو ناپسند کرتا ہے۔ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو الحمد للہ کہے۔ ہر مسلمان جو الحمد للہ سنے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ يَرْحَمُكَ اللهُ کہے۔ جماہی شیطان کی طرف سے ہے۔ جب تم میں سے کسی کو جماہی آئے تو اسے ممکن حد تک روکے کیونکہ جب کوئی جماہی لیتا ہے تو شیطان اس سے ہنستا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① جب انسان سیر ہو کر کھاتا ہے تو زیادہ کھانے کی وجہ سے معدے میں گرانی آجاتی ہے، اس سے جماہی آتی ہے، اس سے بدن میں سستی پیدا ہوتی ہے۔ حضرات انبیائے کرام ؑ کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے کیونکہ ان کی یہ حالت نہیں ہوتی۔ ② بعض روایات میں نماز کا ذکر ہے کہ دوران نماز میں انگڑائی کو روکنا چاہیے کیونکہ نماز بندے کی بہترین حالت

1 فتح الباري: 739/10.

ہے، اس میں بندے کو خاص طور پر اسے روکنے کا اہتمام کرنا چاہیے بصورت دیگر ہر حال میں جماہی کو روکا جائے۔[1] ③ ایک روایت میں ہے: ''جماہی لیتے وقت جانور کی طرح آواز نہ نکالے کیونکہ شیطان اس سے ہنستا ہے۔''[2] شیطان کے ہنسنے کی دو وجہیں ہیں: ○ جماہی آنے سے چہرہ بگڑتا ہے اور انسان ھاھا کی آواز نکالتا ہے، شیطان اس صورت میں انسان کا مذاق اڑاتا ہے کہ کائنات کے چودھری کی شکل وصورت کیسی ہے اور یہ کس طرح حیوانات کی آواز نکال رہا ہے۔ ○ وہ خوشی سے ہنستا ہے کیونکہ جماہی سستی اور کاہلی کی علامت ہے جو شیطان کو پسند ہے، اس لیے کہ کاہلی کی وجہ سے انسان بہت سی نیکیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

1 فتح الباري: 750/10. 2 سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، حديث: 968.

استئذان کے معنی ومفہوم اور اجازت کے آداب واحکام

لغت کے اعتبار سے ''الاستئذان'' کے معنی اجازت طلب کرنا ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے اصطلاحی معنی ان الفاظ میں بیان کیے ہیں: ایسی جگہ آنے کی اجازت لینا کہ اجازت لینے والا اس کا مالک نہیں ہے۔[1] عرب معاشرے میں یہ عام دستور تھا کہ لوگ ایک دوسرے کے گھروں میں بلا جھجک داخل ہو جاتے تھے۔ اسلام نے ایسی آزاد آمد ورفت پر پابندی لگائی ہے جیسا کہ درج ذیل واقعے سے ظاہر ہوتا ہے:

حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ نے حضرت کلدہ بن حنبل رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دودھ، ہرن کا بچہ اور ککڑیاں دے کر بھیجا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی بالائی جانب رہائش رکھے ہوئے تھے۔ وہ آپ کی رہائش گاہ میں اجازت اور سلام کے بغیر جا داخل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پیچھے ہٹو اور السلام علیکم کہو۔'' یہ واقعہ صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کے بعد کا ہے۔[2]

شریعت نے اس سلسلے میں کچھ فرائض وواجبات کی نشاندہی کی ہے۔ اس عنوان کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے تین قسم کے آداب سے امت مسلمہ کو آگاہ کیا ہے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

- **گھروں میں آنے جانے کے آداب:** قرآن کریم میں اس کے متعلق ایک ہدایت بیان کی گئی ہے: ''اے ایمان والو! اپنے گھروں کے علاوہ (دوسروں کے) گھروں میں جاؤ تو جب تک تم اہل خانہ سے اجازت نہ لے لو اور انھیں سلام نہ کر لو وہاں داخل نہ ہوا کرو۔''[3] آیت کریمہ میں اپنے گھروں سے مراد صرف وہ گھر ہے جہاں اس کی بیوی رہتی ہو۔ وہاں شوہر ہر وقت بلا جھجک داخل ہو سکتا ہے، لیکن اپنی ماں اور بیٹیوں کے گھروں میں داخل ہونے سے پہلے استیناس ضروری ہے۔ اس استیناس کے معنی کسی سے مانوس ہونا یا اسے مانوس کرنا یا اس سے اجازت لینا ہیں۔ اس کا مطلب کوئی بھی ایسا کام کرنا ہے جس سے اہل خانہ کو علم ہو جائے کہ دروازے پر فلاں شخص کھڑا اندر آنے کی اجازت طلب کر رہا ہے۔
- **ملاقات کے آداب:** دنیا کی تمام مہذب قوموں میں ملاقات کے وقت جذبات کے اظہار اور ایک دوسرے کو مانوس کرنے کے لیے کوئی خاص کلمہ کہنے کا رواج رہا ہے اور آج بھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت

---

1 فتح الباري: 11/5. 2 سنن أبي داود، الأدب، حديث: 5176. 3 النور 24: 27.

عربوں میں بھی ملاقات کے وقت اسی قسم کے مختلف کلمات کہنے کا رواج تھا لیکن جب اسلام آیا تو ان کلمات کے بجائے اہل ایمان کو السلام علیکم کی تعلیم دی گئی۔ اس جامع دعائیہ کلمے میں چھوٹوں کے لیے شفقت و محبت بھی ہے اور بڑوں کے لیے اس میں اکرام و احترام اور تعظیم بھی ہے۔

❂ آداب مجلس: کسی خاص مسئلے پر غور و فکر اور سوچ بچار کرنے کے لیے مخصوص لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے۔ اس قسم کی مجالس کے کچھ آداب ہوتے ہیں۔ پھر یہ مجالس کئی قسم کی ہیں: کچھ سر عام ہوتی ہیں اور ہر ایک کو وہاں آنے کی دعوت ہوتی ہے اور کچھ خاص ہوتی ہیں جس میں ہر ایرے غیرے کو آنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ مجالس میں زیر بحث مسائل عام بھی ہو سکتے ہیں اور کچھ مسائل بطور امانت خاص ہوتے ہیں۔ اس قسم کے بیسیوں آداب ہیں جو مجالس سے متعلق ہیں۔

ہم آداب زیارت و ملاقات اور آداب مجلس کو معاشرتی آداب کا نام دیتے ہیں جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ان آداب کی مناسبت سے معانقہ (گلے ملنا)، مصافحہ (ہاتھ ملانا) اور استقبال وغیرہ کے آداب بھی بیان ہوئے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان آداب کو بیان کرنے کے لیے پچاسی (85) مرفوع احادیث کا انتخاب کیا ہے۔ ان میں بارہ (12) احادیث معلق اور باقی تہتر (73) احادیث متصل سند سے بیان کی ہیں، پھر ان میں پینسٹھ (65) احادیث مکرر اور بیس (20) احادیث خالص ہیں۔ ان احادیث میں سے پانچ (5) کو امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ مرفوع احادیث کے علاوہ مختلف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سے مروی سات آثار بھی بیان کیے ہیں، پھر ان احادیث و آثار پر امام صاحب نے ترپن (53) چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کیے ہیں جو ان کی فقاہت و باریک بینی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان احادیث کی وضاحت کرتے ہوئے مختلف فوائد سے قارئین کو آگاہ کریں گے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان معاشرتی آداب پر عمل کرنے کی توفیق دے تاکہ ہم معاشرے میں بہترین انسان اور اچھے مسلمان ثابت ہوں۔ آمین ثم آمین.

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

79 - كِتَابُ الِاسْتِئْذَانِ

اجازت لینے کے آداب واحکام

(١) بَابُ بَدْءِ السَّلَامِ

باب:1- سلام کی ابتدا

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے الاستئذان کے متصل بعد سلام کہنے کے متعلق عنوان قائم کیا ہے۔ شاید امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہو کہ جو سلام نہ کہے اسے اندر آنے کی اجازت نہ دی جائے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ گھر میں تشریف فرما تھے تو ایک آدمی نے آپ سے اندر آنے کی اجازت طلب کی اور کہا: کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ تو نبی ﷺ نے اپنے خادم سے فرمایا: ''اس کی طرف جاؤ اور اسے اجازت مانگنے کا ادب سکھاؤ اسے کہو کہ پہلے سلام کہے، پھر اندر آنے کی اجازت طلب کرے۔''[1]

٦٢٢٧ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «خَلَقَ اللهُ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ، طُولُهُ سِتُّونَ ذِرَاعًا، فَلَمَّا خَلَقَهُ قَالَ: اذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلَى أُولَئِكَ النَّفَرِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ جُلُوسٌ فَاسْتَمِعْ مَا يُحَيُّونَكَ، فَإِنَّهَا تَحِيَّتُكَ وَتَحِيَّةُ ذُرِّيَّتِكَ، فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ، فَقَالُوا: السَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللهِ، فَزَادُوهُ: وَرَحْمَةُ اللهِ، فَكُلُّ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلَى صُورَةِ آدَمَ، فَلَمْ يَزَلِ الْخَلْقُ يَنْقُصُ بَعْدُ حَتَّى الْآنَ».

[6227] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی صورت پر بنایا۔ ان کی لمبائی ساٹھ ہاتھ تھی۔ جب انھیں پیدا کیا تو فرمایا: جاؤ ان بیٹھے ہوئے فرشتوں کو سلام کرو اور سنو وہ تمھارے سلام کا کیا جواب دیتے ہیں؟ کیونکہ وہ تمھارا اور تمھاری اولاد کا سلام ہوگا، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا ''السلام علیکم'' انھوں نے جواب دیا: ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' انھوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے سلام پر ''ورحمۃ اللہ'' کا اضافہ کیا۔ اب جو شخص بھی جنت میں جائے گا وہ آدم کی صورت کے مطابق ہو کر جائے

[1] سنن أبي داود، الأدب، حديث: 5177.

[راجع : ٣٣٢٦]

گا، اس کے بعد خلقت کا قد کم ہوتا گیا، اب تک ایسا ہی ہو رہا ہے۔"

فوائدومسائل: ① [خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ عَلٰى صُورَتِهٖ] کے دو مفہوم حسب ذیل ہیں: ○ حضرت آدم علیہ السلام پیدائش سے اسی شکل وصورت پر تھے جس صورت پر وہ ہمیشہ رہے۔ ایسا نہیں ہوا کہ پیدائش کے وقت وہ چھوٹے ہوں پھر آہستہ آہستہ بڑے ہوتے گئے جیسا کہ ان کی اولاد میں ہوتا ہے۔ ○ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی ذاتی صورت پر پیدا کیا جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی دوسرے کو مارے تو اس کے چہرے پر مارنے سے بچے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔"[1] اس کی تائید ایک دوسری روایت سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "چہروں کو برا بھلا نہ کہو کیونکہ آدم کو رحمٰن کی صورت پر پیدا کیا گیا ہے۔"[2] یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے، تاہم تائید میں پیش کی جاسکتی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "صورة الرحمٰن" کی تاویل کی ہے کہ اس سے مراد صفت رحمٰن ہے۔[3] لیکن یہ طریقہ اسلاف کے منہج کے خلاف ہے۔ سلف کے نزدیک کسی قسم کی تاویل کرنے تکییف اور تمثیل، یعنی کیفیت بیان کرنے یا مخلوق کی صورت کے مشابہ قرار دینے کے بغیر اللہ تعالیٰ کے لیے صفت صورت ثابت ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک دوسرے مقام پر امام اہل سنت احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔[4] اللہ تعالیٰ کی توحید اسماء وصفات کے متعلق مکمل بحث ہم نے آگے کتاب التوحید میں کی ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے سلام کی ابتدا ثابت کی ہے کہ اس کا آغاز کہاں سے اور کیسے ہوا۔ بہر حال بوقت ملاقات "السلام علیکم" سے بہتر کوئی کلمہ نہیں ہے۔ اگر ملنے والے ایک دوسرے کو جانتے ہیں اور ان میں محبت و اخوت یا قرابت کا کوئی تعلق ہے تو اس کلمے میں محبت و مسرت اور اکرام واحترام کا پورا پورا اظہار ہے اور اگر پہلے سے کوئی تعارف نہیں تو یہ کلمہ اعتماد وخیرسگالی کا ذریعہ بنتا ہے اور اس کے ذریعے سے ہر ایک دوسرے کو اطمینان دلاتا ہے کہ میں تمھارا خیرخواہ ہوں اور ہمارے درمیان ایک روحانی رشتہ اور تعلق ہے۔

(٢) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى : ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿وَمَا تَكْتُمُونَ﴾ [النور: ٢٧-٢٩]

باب:2- ارشاد باری تعالیٰ: "اے ایمان والو! اپنے گھر کے علاوہ دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو...... اور جو کچھ تم چھپاتے ہو" کا بیان

وَقَالَ سَعِيدُ بْنُ أَبِي الْحَسَنِ لِلْحَسَنِ : إِنَّ نِسَاءَ الْعَجَمِ يَكْشِفْنَ صُدُورَهُنَّ وَرُؤُوسَهُنَّ، قَالَ : اصْرِفْ بَصَرَكَ عَنْهُنَّ، يَقُولُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ : ﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ

حضرت سعید بن ابوحسن نے حضرت حسن بصری سے کہا کہ عجمی عورتیں اپنے سینے اور سر کو برہنہ رکھتی ہیں۔ حسن بصری نے فرمایا: تم اپنی نظران سے پھیر لو، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "آپ اہل ایمان سے کہہ دیں کہ وہ اپنی نظریں نیچی

① مسند أحمد : 251/2. ② السنة لابن أبي عاصم، حديث : 517. ③ فتح الباري : 6/11. ④ فتح الباري : 226/5.

﴿وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ﴾ [النور: ٣٠] قَالَ قَتَادَةُ: عَمَّا لَا يَحِلُّ لَهُمْ ﴿وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ﴾ [النور: ٣١] ﴿خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ﴾ [غافر: ١٩]: مِنَ النَّظَرِ إِلَى مَا نُهِيَ عَنْهُ.

رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔" حضرت قتادہ نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ جو ان کے لیے حلال نہیں ان سے شرمگاہوں کی حفاظت کریں، نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "آپ اہل ایمان خواتین سے کہہ دیں کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔" ﴿خَآئِنَةَ الْأَعْيُنِ﴾ آنکھوں کی خیانت سے مراد اس چیز کو دیکھنا ہے جس سے منع کیا گیا۔

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِي النَّظَرِ إِلَى الَّتِي لَمْ تَحِضْ مِنَ النِّسَاءِ: لَا يَصْلُحُ النَّظَرُ إِلَى شَيْءٍ مِنْهُنَّ مِمَّنْ يُشْتَهَى النَّظَرُ إِلَيْهِ وَإِنْ كَانَتْ صَغِيرَةً.

امام زہری نے نابالغ لڑکیوں کو دیکھنے کی بابت فرمایا کہ ان کی بھی کسی ایسی چیز کو نہیں دیکھنا چاہیے جسے دیکھنے سے شہوت نفسانی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو، خواہ وہ چھوٹی ہی کیوں نہ ہوں۔

وَكَرِهَ عَطَاءٌ النَّظَرَ إِلَى الْجَوَارِي الَّتِي يُبَعْنَ بِمَكَّةَ إِلَّا أَنْ يُرِيدَ أَنْ يَشْتَرِيَ.

حضرت عطاء نے ان لونڈیوں کو دیکھنا مکروہ کہا جو مکہ مکرمہ میں فروخت کی جاتی تھیں ہاں، اگر انھیں خریدنے کا ارادہ ہو تو انھیں دیکھنا جائز ہے۔

وضاحت: عنوان میں ذکر کردہ پوری آیات کا ترجمہ یہ ہے: "اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو حتی کہ تم اجازت لے لو اور گھر والوں کو سلام کرو۔ یہ بات تمھارے لیے بہتر ہے۔ توقع ہے کہ تم اسے یاد رکھو گے۔ پھر اگر ان میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں داخل نہ ہو حتی کہ تمھیں اجازت دے دی جائے اور اگر تمھیں کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آؤ، یہ تمھارے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے اور جو تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ البتہ بے آباد گھروں میں داخل ہونے پر تم پر کوئی گناہ نہیں اور ان میں تمھارے فائدے کی کوئی چیز ہو اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔"[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے مختلف اقوال اس لیے ذکر کیے ہیں تاکہ اجازت طلب کرنے کا مقصد بیان کیا جائے۔ وہ یہ ہے کہ اگر صاحب خانہ کے گھر میں اجازت لے کر داخل ہو تو جس کی طرف صاحب خانہ نظر کرنا پسند نہیں کرتا اسے نہ دیکھا جائے، اگر نظر بازی سے نہیں بچنا تو اجازت لینے کا کوئی فائدہ نہیں۔

٦٢٢٨ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ يَسَارٍ:

[6228] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو قربانی کے دن اپنے

[1] النور 24:27-29.

أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَرْدَفَ النَّبِيُّ ﷺ الْفَضْلَ بْنَ عَبَّاسٍ يَوْمَ النَّحْرِ خَلْفَهُ عَلَى عَجُزِ رَاحِلَتِهِ، وَكَانَ الْفَضْلُ رَجُلًا وَضِيئًا، فَوَقَفَ النَّبِيُّ ﷺ لِلنَّاسِ يُفْتِيهِمْ، وَأَقْبَلَتِ امْرَأَةٌ مِنْ خَثْعَمَ وَضِيئَةٌ تَسْتَفْتِي رَسُولَ اللهِ ﷺ فَطَفِقَ الْفَضْلُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا، وَأَعْجَبَهُ حُسْنُهَا، فَالْتَفَتَ النَّبِيُّ ﷺ وَالْفَضْلُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا، فَأَخْلَفَ بِيَدِهِ فَأَخَذَ بِذَقَنِ الْفَضْلِ، فَعَدَلَ وَجْهَهُ عَنِ النَّظَرِ إِلَيْهَا، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ فَرِيضَةَ اللهِ فِي الْحَجِّ عَلَى عِبَادِهِ أَدْرَكَتْ أَبِي شَيْخًا كَبِيرًا لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَسْتَوِيَ عَلَى الرَّاحِلَةِ، فَهَلْ يَقْضِي عَنْهُ أَنْ أَحُجَّ عَنْهُ؟ قَالَ: «نَعَمْ». [راجع: ١٥١٣]

پیچھے سواری کی پشت پر بٹھایا۔ حضرت فضل ؓ بہت خوبصورت نوجوان تھے۔ نبی ﷺ لوگوں کو مسائل کا جواب دینے کے لیے ٹھہرے ہوئے تھے کہ اس دوران میں قبیلۂ خثعم کی ایک خوبرو عورت بھی رسول اللہ ﷺ سے کوئی مسئلہ پوچھنے آئی تو فضل بن عباس ؓ نے اسے دیکھنا شروع کر دیا کیونکہ اس کا حسن و جمال انھیں بہت پسند آ رہا تھا۔ نبی ﷺ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو فضل بن عباس ؓ اسے دیکھ رہے تھے۔ آپ نے پیچھے کی طرف سے ہاتھ لے جا کر فضل ؓ کی ٹھوڑی پکڑی اور ان کا چہرہ اسے دیکھنے سے دوسری طرف کر دیا۔ اس عورت نے عرض کی: اللہ کے رسول! اللہ کی طرف سے عائد کردہ فریضۂ حج نے میرے بوڑھے باپ کو پا لیا ہے جبکہ وہ سواری پر سیدھا نہیں بیٹھ سکتا، کیا اگر میں اس کی طرف سے حج کر لوں تو اس کی طرف سے یہ فریضہ ادا ہو جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں۔“

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کی عنوان سے مطابقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فضل بن عباس ؓ کو عملی طور پر ایک غیر محرم عورت کو دیکھنے سے منع فرمایا۔ بہرحال اہل ایمان کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ وہ نظر بازی کے زہریلے اور خطرناک فتنے سے محفوظ رہیں۔ ② اس حدیث سے کچھ اہل علم نے یہ مسئلہ کشید کیا ہے کہ عورت کے لیے چہرے کا پردہ ضروری نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کو پردہ کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ حضرت فضل بن عباس ؓ کا چہرہ دوسری طرف پھیرا ہے۔ اگر چہرے کا پردہ واجب ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اسے چہرہ ڈھانپنے کا ضرور حکم دیتے جیسا کہ شارح صحیح بخاری ابن بطال کے انداز سے معلوم ہوتا ہے۔[1] لیکن یہ موقف عقلی اور نقلی لحاظ سے محل نظر ہے کیونکہ عورت کا چہرہ ہی وہ چیز ہے جو مرد کے لیے عورت کے تمام بدن سے زیادہ پرکشش ہے۔ اگر چہرے ہی کو حجاب سے مستثنیٰ قرار دیا جائے تو پھر حجاب کے دوسرے احکام کا کیا فائدہ ہے؟ اور نقلی لحاظ سے اس لیے غلط ہے کہ حضرت عائشہ ؓ کا عمل اس توجیہ کے خلاف ہے، چنانچہ واقعۂ افک سے متعلق حضرت عائشہ ؓ کا بیان حسب ذیل ہے: ”میں اسی جگہ بیٹھی رہی۔ اتنے میں میری آنکھ لگ گئی۔ اچانک ایک آدمی صفوان بن معطل ؓ اس مقام پر آیا اور دیکھا کہ کوئی سو رہا ہے۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی پہچان لیا کیونکہ حجاب کا حکم نازل ہونے سے پہلے اس نے مجھے دیکھا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی إنا لله و إنا إليه راجعون پڑھا تو میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے فوراً اپنا چہرہ اپنی چادر

[1] فتح الباري: 14/11.

سے ڈھانپ لیا۔[1] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو پردے کے معاملے میں اس قدر سخت تھیں کہ حالت احرام میں بھی اجنبی لوگوں سے اپنا چہرہ چھپا لیتی تھیں، چنانچہ بیان کرتی ہیں کہ مردوں کے قافلے ہمارے پاس سے گزرتے تھے جبکہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حالتِ احرام میں ہوتی تھیں۔ جب وہ ہمارے برابر آتے تو ہم اپنے سروں پر سے اوڑھنیاں اپنے چہروں پر گرا لیتی تھیں اور جب وہ گزر جاتے تو ہم پھر چہروں کو کھول لیتی تھیں۔[2] اس حدیث پر امام ابوداود رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں عنوان قائم کیا ہے:[باب في المحرمة تغطي وجهها] ''عورت حالت احرام میں اپنے چہرے کو ڈھانپے۔''[3] امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یوں عنوان قائم کیا ہے:[باب المحرمة تسدل الثوب علی وجهها] ''محرمہ عورت بھی اپنے چہرے پر کپڑا لٹکائے۔''[4] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی طرح کا بیان مروی ہے کہ ہم حالت احرام میں اجنبی لوگوں سے چہرہ ڈھانپ لیتی تھیں۔[5] حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ حالت احرام میں اجنبی مردوں سے اپنے چہرے کو چھپاتی تھیں۔[6] قرآن کریم نے ایک پیغمبر زادی کے متعلق فرمایا ہے:''ان دونوں میں سے ایک باحیا طریقے سے چلتی ہوئی آئی۔''[7] باحیا طریقے سے چلنے کی کیفیت ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے کہ وہ اپنا ہاتھ چہرے پر رکھے ہوئے آئی تھی۔[8] ③اس سلسلے میں قرآن کریم کی ایک واضح نص ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:''اے نبی! اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور ایمانداروں کی خواتین سے کہہ دیں کہ وہ اپنی چادروں کے پلو اپنے اوپر لٹکا لیا کریں اس طرح زیادہ توقع ہے کہ وہ پہچان لی جائیں اور انھیں ایذا نہ دی جائے۔''[9] اس آیت کریمہ میں تمام اہل ایمان خواتین سے کہا گیا ہے کہ وہ باہر نکلتے وقت اپنی چادریں اپنے سر کے اوپر سے نیچے لٹکا لیا کریں، یعنی گھونگھٹ نکال لیا کریں۔ لغوی اعتبار سے اس آیت کے یہی معنی ہیں کیونکہ ''ادنیٰ'' کے لغوی معنی ہیں: قریب کرنا، جھکانا اور لٹکانا ہے۔ جب اس کے بعد ''عَلٰی'' آ جائے تو اس کے معنی ارخاء، یعنی اوپر سے نیچے لٹکانے کے لیے مختص ہو جاتا ہے اور جب نیچے لٹکانا معنی ہوں تو اس کا مطلب سر سے نیچے لٹکانا ہوگا جس میں چہرے کا پردہ خود بخود آ جاتا ہے۔ ④مذکورہ حدیث سے چہرے کے پردے کا عدم وجوب ثابت کرنا اس لیے محل نظر ہے کہ خثعمیہ عورت کا چہرہ نہ چھپانا کسی ضرورت وافادیت کی بنا پر تھا جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک حدیث کے حوالے سے اس کی وضاحت کی ہے، وہ لکھتے ہیں: ''فضل بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک ایک دیہاتی سامنے آیا جس کے ساتھ اس کی خوبصورت لڑکی تھی اور وہ اسے رسول اللہ ﷺ کے ہاں پیش کرنا چاہتا تھا تاکہ آپ اس سے نکاح کر لیں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ اس کی گفتگو سنیں اور اسے خود دیکھ لیں۔''[10] ایسی ضرورت وافادیت کے لیے عورت کا چہرہ ننگا کرنا جائز ہے۔ چونکہ حضرت فضل رضی اللہ عنہ کا دیکھنا جائز نہ تھا، اس لیے انھیں نبی ﷺ نے عملی طور پر منع کر دیا۔ واللہ أعلم. ⑤ ستر وحجاب کے سلسلے میں چند استثنائی صورتیں حسب ذیل ہیں: * اتفاقات: یہ کئی طرح کے ہو سکتے ہیں، مثلاً: (ا) راستے میں مرد وغیرہ نہ ہونے کی صورت میں عورت کا پردہ اٹھا لینا، پھر اتفاقاً کسی مرد کا سامنے آ جانا۔ (ب) ہوا کے جھونکے سے عورت کا کپڑا اڑ جانا اور اس کی زینت یا

---

1 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4141. 2 مسند أحمد: 30/6. 3 سنن أبي داود، المناسك، باب: 33. 4 سنن ابن ماجه، المناسك، باب: 23. 5 سنن الدار قطني: 295/2، الحج، حديث: 263. 6 المستدرك للحاكم: 454/1. 7 القصص 25:22. 8 المستدرك للحاكم: 441/2. 9 الأحزاب 59:33. 10 فتح الباري: 89/4.

چہرے کا ننگا ہو جانا۔ (ج) چھت پر چڑھتے وقت اچانک کسی دوسرے گھر کے صحن میں نظر پڑ جانا۔ ایسے حالات میں اتفاقاً پہلی نظر معاف ہے۔ اس کے بعد دوسری نظر قابل گرفت ہے۔ * افادیت: کسی افادیت کے پیش نظر عورت کا چہرہ ننگا کرنا جائز ہے، مثلاً: منگنی سے پیشتر، ہونے والے میاں بیوی کو ایک نظر دیکھ لینا شرعاً جائز ہے۔ اس افادیت کی بنا پر عورت اپنا چہرہ ننگا کر سکتی ہے۔ * ضرورت: کسی خاص ضرورت کی وجہ سے چہرہ ننگا کرنا، مثلاً: طبیب کے سامنے علاج کی غرض سے چہرہ یا ہاتھ یا جسم کا کوئی بھی حصہ بے نقاب کرنا، اسی طرح جنگ کے وقت اگر عورتوں کی ضرورت ہو تو حسب ضرورت ستر وحجاب (پردے) کے احکام میں نرمی ہو سکتی ہے۔ * اضطرار: کسی مجبوری کی بنا پر چہرہ کھولنا جائز ہے، مثلاً: کسی کے گھر میں آگ لگ جائے یا سیلاب کی صورت ہو یا مکان کی چھت گر جائے تو ایسی صورت میں ستر وحجاب کے احکام ختم ہو جاتے ہیں۔ واللہ أعلم.

٦٢٢٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: أَخْبَرَنَا أَبُو عَامِرٍ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوسَ بِالطُّرُقَاتِ»، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، مَا لَنَا مِنْ مَجَالِسِنَا بُدٌّ نَتَحَدَّثُ فِيهَا، فَقَالَ: «فَإِذَا أَبَيْتُمْ إِلَّا الْمَجْلِسَ فَأَعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهُ»، قَالُوا: وَمَا حَقُّ الطَّرِيقِ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «غَضُّ الْبَصَرِ، وَكَفُّ الْأَذَى، وَرَدُّ السَّلَامِ، وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ، وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ». [راجع: ٢٤٦٥]

[6229] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”تم خود کو راستوں پر بیٹھنے سے دور رکھو۔“ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اللہ کے رسول! ہمارے لیے راستوں میں بیٹھنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ ہم وہاں روزمرہ کی گفتگو کیا کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اچھا جب تم ان مجالس میں بیٹھنا ہی چاہتے ہو تو راستے کا حق ادا کیا کرو۔“ صحابہ نے پوچھا: اللہ کے رسول! راستے کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”(غیر محرم سے) نظر جھکائے رکھنا، (لوگوں کی) اذیت رسانی سے باز رہنا، سلام کا جواب دینا، اچھے کاموں کا حکم دینا اور برے کاموں سے روکنا۔“

فوائد ومسائل: ① انسان کی یہ فطرت ہے کہ جب وہ کھانے پینے کی پسندیدہ چیز دیکھتا ہے تو اسے کھانے کی اس میں خواہش پیدا ہوتی ہے، اسی طرح یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی غیر محرم عورت کو دیکھنے سے شہوانی تقاضا پیدا ہو جاتا ہے یا کم از کم انسان اس وقت بے چینی میں ضرور مبتلا ہو جاتا ہے، اس لیے ایسے حالات میں بندۂ مسلم کو نگاہ بچا کر رکھنے کا حکم ہے۔ قرآن مجید میں عورتوں اور مردوں کو الگ الگ نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر کسی کی اچانک نظر پڑ جائے تو نگاہیں دوسری جانب پھیر لینے کا حکم ہے، چنانچہ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اچانک نظر پڑ جانے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ادھر سے نگاہیں

دوسری طرف پھیرلوں۔''[1] کسی کے گھر میں تاک جھانک کرنا اتنا شدید جرم ہے کہ اگر صاحب خانہ اس جرم کی پاداش میں کسی بھی چیز سے نظر باز کی آنکھ پھوڑ دے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے۔[2] ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے دیگر روایات کے پیش نظر چودہ امور کی نشاندہی کی ہے جو راستے کے حقوق سے متعلق ہیں، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے: * نگاہیں نیچی رکھنا۔ * دوسروں کو تکلیف دینے سے باز رہنا۔ * سلام کا جواب دینا۔ * بھلے کاموں کا حکم دینا۔ * برے کاموں سے روکنا۔ * پریشان حال لوگوں کی مدد کرنا۔ * بھٹکے مسافر کو راستہ بتانا۔ * چھینک کا جواب دینا۔ * مظلوم کی مدد کرنا۔ * سلام کو عام کرنا۔ * بوجھ اٹھانے والے کا ہاتھ بٹانا۔ * اچھی گفتگو کرنا۔ * بکثرت ذکر الٰہی میں مصروف رہنا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان امور کو تین عربی ابیات میں جمع کیا ہے۔[3]

(٣) بَابٌ: السَّلَامُ اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللهِ تَعَالَى

باب:3- السلام، اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے

﴿وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَآ أَوْ رُدُّوهَآ﴾ [النساء: ٨٦]

(ارشاد باری تعالیٰ ہے:) ''اور جب تمھیں سلام کا تحفہ دیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا کم از کم اتنا ہی کہہ دو۔''

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک مرفوع حدیث کو عنوان قرار دیا ہے جسے انھوں نے اپنی دوسری تالیف ''الادب المفرد'' میں بیان کیا ہے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''السلام، اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کے لیے منتخب کیا ہے، لہٰذا تم اسے آپس میں بکثرت استعمال کیا کرو۔''[4] بہر حال السلام، اللہ تعالیٰ کے مقدس ناموں میں سے ہے۔ قرآن کریم میں بھی یہ نام آیا ہے۔[5] اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر نقص وعیب سے پاک ہے، نیز وہ اپنے بندوں کو سلامتی و عافیت دینے والا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اگرچہ آیت کریمہ میں ایک عام حکم دیا گیا ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان سے ثابت کیا ہے کہ تحیہ سے مراد عام تحفہ نہیں بلکہ سلام ہے جیسا کہ اس کے متعلق متعدد احادیث وارد ہیں۔[6]

٦٢٣٠ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنِي شَقِيقٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ قُلْنَا:

[6230] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ جب ہم نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تو اس طرح کہتے تھے: اللہ کے بندوں کی طرف سے اللہ پر

[1] مسند أحمد: 358/4. ② مسند أحمد: 181/5. ③ فتح الباري: 16/11. ④ الأدب المفرد، حديث: 989. ⑤ الحشر 23:59. ⑥ فتح الباري: 18/11.

السَّلَامُ عَلَى اللهِ قَبْلَ عِبَادِهِ، السَّلَامُ عَلَى جِبْرِيلَ، السَّلَامُ عَلَى مِيكَائِيلَ، السَّلَامُ عَلَى فُلَانٍ وَفُلَانٍ، فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ فَقَالَ: «إِنَّ اللهَ هُوَ السَّلَامُ، فَإِذَا جَلَسَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَقُلِ: التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ - فَإِنَّهُ إِذَا قَالَ ذٰلِكَ أَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ - أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، ثُمَّ يَتَخَيَّرُ بَعْدُ مِنَ الْكَلَامِ مَا شَاءَ».

[راجع: ٨٣١]

سلام ہو۔ حضرت جبریل اور حضرت میکائیل ؑ پر سلامتی ہو، فلاں پر سلام ہو۔ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز پوری کر لی تو ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تو خود سلام ہے۔ جب تم میں سے کوئی نماز میں بیٹھے تو کہے: تمام عبادتیں، نمازیں اور پاکیزہ کلمات اللہ کے لیے ہیں۔ اے نبی! آپ پر سلام ہو، آپ پر اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکات نازل ہوں، ہم پر بھی سلام ہو اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر بھی۔ جب نمازی یہ کہے گا تو زمین و آسمان کے ہر نیک بندے کو یہ سلام پہنچ جائے گا۔ پھر یہ کہو: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، نیز میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اس کے بعد جو دعا نمازی کو پسند ہو وہ پڑھے۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری ؒ نے یہ عنوان قائم کیا تھا کہ السلام، اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، پھر اسے ثابت کرنے کے لیے مذکورہ حدیث پیش کی جس میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ تو خود سلام ہے۔ ایک دوسری حدیث میں مزید صراحت ہے، حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سلام پھیرتے تو اتنی دیر قبلہ رخ ہو کر بیٹھتے جتنی دیر آپ کو یہ کلمات پڑھنے میں لگتی ہے: ''یا اللہ! تو ہی سلامتی والا ہے اور سلامتی تیری ہی طرف سے ہے، اے بزرگی اور جاہ و جلال کے مالک! تیری ذات بڑی بابرکت ہے۔''[1] صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ تم یہ نہ کہو: ''اللہ پر سلام ہو، اللہ تو خود سلام ہے، اس کے لیے سلامتی کی دعا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔''[2] ② سلام کے معنی ہیں: ظاہری اور باطنی آفات و عیوب سے پاک اور محفوظ رہنا۔ اور سلم ایسی چیز کو کہتے ہیں جو اپنی ذات میں درست بھی ہو اور اس پر کسی دوسرے کا حق بھی نہ ہو، جب اس لفظ سے لفظ سلام بنتا ہے تو اس میں از خود مبالغہ پیدا ہو جاتا ہے جیسا کہ کسی خوبصورت انسان کو کہہ دیا جائے کہ تو سراپا حسن ہے۔ اس لفظ کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ وہ دوسروں کو بھی سلامتی عطا کرنے والا ہے۔ حافظ ابن حجر ؒ نے شعب الایمان کے حوالے سے حضرت ابن عباس ؓ کا قول نقل کیا ہے، انھوں نے فرمایا: سلام اللہ تعالیٰ کا مقدس نام ہے اور اہل جنت کا سلام ہے۔[3]

---

[1] صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1335 (592). [2] صحيح البخاري، الأذان، حديث: 835. [3] شعب الإيمان للبيهقي، رقم الحديث: 8449، و فتح الباري: 17/11.

(٤) بَابُ تَسْلِيمِ الْقَلِيلِ عَلَى الْكَثِيرِ

باب:4- تھوڑے لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کریں

وضاحت: دین اسلام میں سلام کہنے اور اسے عام کرنے کی بہت اہمیت بیان ہوئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس انسان سے تمھاری جان پہچان ہے اسے اور جس سے جان پہچان نہیں ہے اسے بھی سلام کرو۔''[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے سلام اور جواب سلام کے کچھ ضابطے اور احکام بیان کرنا شروع کیے ہیں۔

٦٢٣١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «يُسَلِّمُ الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ، وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ، وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ». [انظر: ٦٢٣٢، ٦٢٣٣، ٦٢٣٤]

[6231] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''چھوٹا بڑے کو سلام کرے، چلنے والا بیٹھنے والے کو سلام کہے اور چھوٹی جماعت، بڑی جماعت کو سلام کرنے میں پہل کرے۔''

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر دو جماعتوں کی ملاقات ہو تو جس جماعت میں کم آدمی ہوں وہ زیادہ آدمیوں والی جماعت کو سلام کرنے میں پہل کرے۔ اس کے متعلق ایک مزید ہدایت دوسری حدیث میں بیان ہوئی ہے کہ اگر گزرنے والی جماعت میں سے ایک آدمی سلام کہہ دے تو پوری جماعت کی طرف سے کافی ہے۔ اسی طرح بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کوئی ایک جواب دے دے تو سب کی طرف سے جواب ہو جائے گا۔[2]

(٥) بَابٌ: يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِي

باب: 5- سوار، پیدل چلنے والے کو سلام کرے

٦٢٣٢ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ: أَخْبَرَنَا مَخْلَدٌ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي زِيَادٌ أَنَّهُ سَمِعَ ثَابِتًا مَوْلَى ابْنِ يَزِيدَ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِي، وَالْمَاشِي عَلَى الْقَاعِدِ، وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ». [راجع: ٦٢٣١]

[6232] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سوار پیدل چلنے والے کو اور پیدل چلنے والا بیٹھنے والے کو اور کم تعداد والے زیادہ تعداد والوں کو سلام کریں۔''

---

1 صحيح البخاري، الاستئذان، حديث: 6236. 2 سنن أبي داود، الأدب، حديث: 5210.

فائدہ: جو شخص کسی سواری پر جا رہا ہو وہ پہل کر کے پیدل چلنے والوں کو سلام کرے۔ اس ہدایت میں یہ حکمت ہے کہ سوار کو بظاہر ایک دنیوی بلندی اور بڑائی حاصل ہے، لہٰذا اسے حکم دیا گیا کہ وہ پیدل چلنے والوں کو سلام کر کے اپنی بڑائی کی نفی کرے، نیز اس انداز میں اس کی تواضع اور خاکساری کا اظہار بھی ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(٦) بَابٌ: يُسَلِّمُ الْمَاشِي عَلَى الْقَاعِدِ

باب: 6- پیدل چلنے والا بیٹھنے والے کو سلام کرے

٦٢٣٣ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: أَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ: حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي زِيَادٌ أَنَّ ثَابِتًا أَخْبَرَهُ - وَهُوَ مَوْلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ زَيْدٍ - عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: «يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِي، وَالْمَاشِي عَلَى الْقَاعِدِ، وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ». [راجع: ٦٢٣١]

[6233] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”سوار، پیادہ کو، پیادہ بیٹھنے والے کو اور تھوڑے، زیادہ کو سلام کریں۔“

فائدہ: سلام میں پہل کرنے کی بہت فضیلت ہے جیسا کہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لوگوں میں اللہ کے ہاں سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہے جو انھیں سلام کہنے میں ابتدا کرے۔“[1] مگر مذکورہ بالا حدیث میں بیان شدہ آداب کو ملحوظ رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ ہاں پیدل چلنے والے اگر باہمی ملاقات کریں تو ان میں افضل وہ ہے جو سلام کہنے میں ابتدا کرتا ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیدل چلنے والوں میں جو کوئی سلام کہنے میں ابتدا کرتا ہے وہ افضل ہے۔[2] ایک حدیث میں مزید وضاحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سوار، پیدل کو اور پیدل بیٹھنے والے کو، تعداد میں کم لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کریں۔ جو سلام کا جواب دے گا اسے اجر ملے گا اور جو جواب نہیں دے گا وہ ثواب سے محروم رہے گا۔“[3]

(٧) بَابٌ: يُسَلِّمُ الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ

باب: 7- چھوٹا، بڑے کو سلام کرے

٦٢٣٤ - وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يُسَلِّمُ الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ، وَالْمَارُّ عَلَى

[6234] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”چھوٹا بڑے کو، گزرنے والا، بیٹھنے والے کو اور تعداد میں کم، زیادہ لوگوں کو سلام کریں۔“

① سنن أبي داود، الأدب، حديث: 5197. ② الأدب المفرد، حديث: 983. ③ مسند أحمد: 444/3.

الْقَاعِدِ، وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ». [راجع: ٦٢٣١]

فوائد ومسائل: ① ان احکام میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ چھوٹے کو بڑوں کے سامنے تواضع اور عاجزی کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور ان کی عزت و تعظیم کرنی چاہیے۔ اسی طرح تعداد میں کم لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے سے زیادہ لوگوں کا ادب کریں کیونکہ زیادہ تعداد کا حق بھی عظیم تر ہوتا ہے، نیز گزرنے والا، بیٹھنے والوں کو سلام کرے۔ ② اس میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ گزرنے والا لوگوں کے پاس آتا ہے اسے جلدی سلام کرنے کا حکم ہے تاکہ انھیں سلامتی سے مطلع کرے اور سلامتی کی دعا کی وجہ سے لوگ اس کے شر سے امن میں رہیں۔ جب چلنے والے زیادہ ہوں اور بیٹھنے والے کم ہوں تو پیدل ہونے کے اعتبار سے سلام کہنا ان کی ذمے داری ہے لیکن تعداد میں زیادہ ہونے کی وجہ سے ان سے سلام ساقط ہے۔ ایسے حالات میں دو آدمیوں والا حکم ہے جو آپس میں ملاقات کرتے ہیں، ان میں سے جو بھی سلام کہنے میں پہل کرے گا وہ بہتر اور افضل ہے۔[1] والله أعلم.

(٨) بَابُ إِفْشَاءِ السَّلَامِ

باب: 8- سلام کو زیادہ رواج دینا

٦٢٣٥ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ أَشْعَثَ بْنِ أَبِي الشَّعْثَاءِ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَمَرَنَا النَّبِيُّ ﷺ بِسَبْعٍ: بِعِيَادَةِ الْمَرِيضِ، وَاتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ، وَتَشْمِيتِ الْعَاطِسِ، وَنَصْرِ الضَّعِيفِ، وَعَوْنِ الْمَظْلُومِ، وَإِفْشَاءِ السَّلَامِ، وَإِبْرَارِ الْمُقْسِمِ. وَنَهَى عَنِ الشُّرْبِ فِي الْفِضَّةِ، وَنَهَى عَنْ تَخَتُّمِ الذَّهَبِ، وَعَنْ رُكُوبِ الْمَيَاثِرِ وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ وَالدِّيبَاجِ وَالْقَسِّيِّ وَالْإِسْتَبْرَقِ. [راجع: ١٢٣٩]

[6235] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا تھا: بیمار کی تیمارداری کرنے کا، جنازے کے پیچھے چلنے کا، چھینک لینے والے کو جواب دینے کا، ناتواں کی مدد کرنے کا، مظلوم کی دادرسی کرنے کا، بکثرت سلام کہنے کا اور قسم کھانے والے کی قسم کو پورا کرنے کا، نیز آپ نے ہمیں چاندی کے برتنوں میں پانی پینے، سونے کی انگوٹھی پہننے، ریشم کی زین پر سوار ہونے، ریشم اور دیبا پہننے، باریک اور موٹا ریشم زیب تن کرنے سے منع فرمایا تھا۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں سلام کو عام کرنے کا حکم ہے کیونکہ اس سے اسلام کی شان و شوکت کا اظہار ہوتا ہے لیکن جب کوئی شخص قضائے حاجت میں مصروف ہو تو اسے سلام نہیں کہنا چاہیے۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کو اس حالت میں سلام کیا جب آپ پیشاب کے لیے بیٹھے ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔[2] ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسی حالت میں سلام نہیں کرنا چاہیے اور اگر کوئی جہالت کی بنا پر سلام کہہ دے تو اس کے سلام کا جواب نہ

[1] فتح الباري: 22/11. [2] جامع الترمذي، الطهارة، حديث: 90.

دیا جائے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس طرح آہستہ اور احتیاط سے سلام کہتے تھے کہ بیدار آدمی اسے سن لیتا اور سونے والا اس سے بیدار نہ ہوتا۔[1] اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سلام کرنے والے کو اس امر کا خیال رکھنا چاہیے کہ اس کے سلام سے کسی سونے والے کی آنکھ نہ کھل جائے یا اس سے کسی دوسرے کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔ ③ بہر حال سلام کہنا ایک اسلامی شعار ہے۔ اسے خوب پھیلانا چاہیے اور ایسی کثرت سے رواج دیا جائے کہ اسلامی دنیا کی فضا اس کی دلربا آواز سے گونج اٹھے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ سلام کو عام کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ جب انسان کسی ایسے گھر میں جائے جہاں کوئی بھی نہیں ہے تو اپنے آپ کو سلام کہہ کر اس میں داخل ہو۔[2] واللہ أعلم.

(٩) بَابُ السَّلَامِ لِلْمَعْرِفَةِ وَغَيْرِ الْمَعْرِفَةِ

باب: 9- سلام کہا جائے، خواہ جان پہچان ہو یا نہ ہو

٦٢٣٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي يَزِيدُ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو: أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ: أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ؟ قَالَ: «تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ، عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَعَلَى مَنْ لَمْ تَعْرِفْ». [راجع: ١٢]

[6236] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، ایک آدمی نے نبی ﷺ سے سوال کیا کہ اسلام کی کون سی بات زیادہ بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: ”تم کھانا کھلاؤ اور ہر شخص کو سلام کہو، خواہ تم اسے پہچانو یا نہ پہچانو۔“

فوائد ومسائل: ① ایک دوسری حدیث میں ہے کہ سلام کو عام کرنا آپس کی محبت کا ذریعہ ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم جنت میں نہیں جا سکتے جب تک پورے مومن نہ بن جاؤ اور تم مومن نہیں بن سکتے جب تک آپس میں محبت نہ کرو۔ کیا میں تمھیں ایک ایسے عمل سے آگاہ نہ کروں جس کے کرنے سے تمھارے درمیان محبت و الفت پیدا ہوگی، وہ یہ ہے کہ سلام کو آپس میں خوب پھیلاؤ۔“[3] اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بڑے اہتمام کے ساتھ اس حقیقت سے ہی آگاہ فرمایا ہے کہ ایک دوسرے کو سلام کرنے اور اس کا جواب دینے سے محبت و الفت پیدا ہوتی ہے۔ اگر یہ سلام دل کے اخلاص اور ایمانی رشتے کی بنیاد پر ہو تو پھر محبت و الفت پیدا ہونے کا یہ بہترین ذریعہ ہے لیکن اسے جان پہچان کی حد تک نہ رکھا جائے بلکہ بلا امتیاز ہر مسلمان کو سلام کرنا چاہیے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ایک نشانی ہے کہ آدمی مسجد کے پاس سے گزرے گا اور اس میں نماز نہیں پڑھے گا اور صرف اس شخص کو سلام کرے گا جسے وہ پہچانتا ہوگا۔[4] اس حدیث سے بعض حضرات نے یہ مسئلہ کشید کیا ہے کہ کافر کو سلام کرنا جائز ہے، حالانکہ ایسا کرنا شرعاً درست نہیں کیونکہ کافر انسان مومن کے سلام کا قطعاً حق دار نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سلام کے اس عمومی انداز سے کافر مستثنیٰ ہے۔

---

① صحيح مسلم، الأشربة، حديث: 5362(2055). ② فتح الباري: 25/11. ③ صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 194(54).

④ مسند أحمد: 387/1، بذكر السلام، و ابن خزيمة في صحيحه بذكر الصلاة كما في الصحيحة للألباني، حديث: 649.

اسے ابتداءً سلام کرنے سے گریز کیا جائے۔[1] واللہ أعلم.

٦٢٣٧ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ، يَلْتَقِيَانِ فَيَصُدُّ هٰذَا، وَيَصُدُّ هٰذَا، وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ»، وَذَكَرَ سُفْيَانُ أَنَّهُ سَمِعَهُ مِنْهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ. [راجع: ٦٠٧٧]

[6237] حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ ترک سلام وکلام کرے۔ (وہ ایسے کہ) وہ دونوں ملیں تو ایک اِدھر منہ پھیر لے دوسرا اُدھر منہ پھیر لے۔ اور دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔“ سفیان نے کہا کہ انھوں نے یہ حدیث امام زہری سے تین مرتبہ سنی ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس عنوان کے دو اجزاء ہیں۔ یہ حدیث پہلے حصے پر دلالت کرتی ہے کہ جان پہچان والے کو بھی سلام کیا جائے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے پاس سے ایک آدمی گزرا تو اس نے یوں سلام کہا: اے عبدالرحمٰن! آپ پر سلام ہو۔ انھوں نے اسے جواب دینے کے بعد فرمایا: لوگوں پر وہ وقت بھی آئے گا کہ سلام صرف خاص لوگوں ہی کو کیا جائے گا۔[2] ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تین دن سے زیادہ قطع تعلقی حرام ہے، چنانچہ انسان میں موجود غصے کے پیش تین دن تک کے لیے ناراضی کی اجازت دی گئی ہے تاکہ اس مدت میں اس کا غصہ جاتا رہے۔ بہرحال سلام کرنا اسلام کا ایک شعار ہے جسے عام کرنا چاہیے۔

(١٠) بَابُ آيَةِ الْحِجَابِ

باب: 10- آیت پردہ کا بیان

وضاحت: آیت حجاب سے درج ذیل آیت کریمہ مراد ہے: ”اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں مت داخل ہو، مگر جب تمھیں کھانے کی دعوت دی جائے۔“[3] یہ آیت کریمہ بھی ان آیات میں سے ہے جو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول کے موافق نازل ہوئی تھی جیسا کہ ہم آئندہ اس کی وضاحت کریں گے۔

٦٢٣٨ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّهُ قَالَ: كَانَ ابْنَ عَشْرِ سِنِينَ مَقْدَمَ النَّبِيِّ ﷺ الْمَدِينَةَ، فَخَدَمْتُ

[6238] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ جب نبی ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ان کی عمر دس برس تھی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں آپ کی دس سال تک خدمت کی۔ میں پردے کے

[1] فتح الباري: 27/11. [2] الأدب المفرد، حديث: 1049. [3] الأحزاب 53:33.

رَسُولَ اللهِ ﷺ عَشْرًا حَيَاتَهُ، وَكُنْتُ أَعْلَمَ النَّاسِ بِشَأْنِ الْحِجَابِ حِينَ أُنْزِلَ، وَقَدْ كَانَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ يَسْأَلُنِي عَنْهُ، وَكَانَ أَوَّلَ مَا نَزَلَ فِي مُبْتَنَى رَسُولِ اللهِ ﷺ بِزَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ، أَصْبَحَ النَّبِيُّ ﷺ بِهَا عَرُوسًا، فَدَعَا الْقَوْمَ فَأَصَابُوا مِنَ الطَّعَامِ، ثُمَّ خَرَجُوا وَبَقِيَ مِنْهُمْ رَهْطٌ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَأَطَالُوا الْمُكْثَ، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَخَرَجَ وَخَرَجْتُ مَعَهُ كَيْ يَخْرُجُوا، فَمَشَى رَسُولُ اللهِ ﷺ وَمَشَيْتُ مَعَهُ حَتَّى جَاءَ عَتَبَةَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ ثُمَّ ظَنَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنَّهُمْ خَرَجُوا، فَرَجَعَ وَرَجَعْتُ مَعَهُ حَتَّى دَخَلَ عَلَى زَيْنَبَ فَإِذَا هُمْ جُلُوسٌ لَمْ يَتَفَرَّقُوا، فَرَجَعَ النَّبِيُّ ﷺ وَرَجَعْتُ مَعَهُ حَتَّى بَلَغَ عَتَبَةَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ فَظَنَّ أَنْ قَدْ خَرَجُوا فَرَجَعَ وَرَجَعْتُ، فَإِذَا هُمْ قَدْ خَرَجُوا، فَأُنْزِلَ آيَةُ الْحِجَابِ فَضَرَبَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ سِتْرًا. [راجع: ٤٧٩١]

حکم کے متعلق تمام لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں کہ کب نازل ہوا تھا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مجھ سے اس کے متعلق پوچھا کرتے تھے۔ آیت حجاب کا نزول سب سے پہلے اس وقت ہوا جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ خلوت کی تھی۔ نبی ﷺ نے ان کے دولھا کی حیثیت سے صبح کی تھی اور آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دعوت ولیمہ پر بلایا تھا، چنانچہ انھوں نے کھانا کھایا اور واپس چلے گئے لیکن چند لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے رہے اور بہت دیر تک وہاں قیام کیا۔ رسول اللہ ﷺ اٹھ کر باہر تشریف لے گئے اور میں بھی آپ کے ہمراہ باہر نکلا تاکہ وہ لوگ بھی چلے جائیں! آپ چلتے رہے اور میں بھی آپ کے ہمراہ تھا یہاں تک کہ آپ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کی چوکھٹ تک پہنچ گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے خیال فرمایا کہ وہ لوگ چلے گئے ہوں گے، اس لیے آپ واپس آ گئے۔ میں بھی آپ کے ساتھ واپس آ گیا حتی کہ آپ ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے مکان میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہ ابھی بیٹھے ہوئے ہیں واپس نہیں گئے۔ نبی ﷺ وہاں سے دوبارہ تشریف لے گئے اور میں بھی آپ کے ساتھ واپس آ گیا۔ جب آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کی چوکھٹ تک پہنچے تو آپ نے سمجھا کہ اب وہ لوگ جا چکے ہوں گے، اس لیے آپ پھر لوٹ گئے اور میں بھی آپ کے ساتھ واپس آ گیا، دیکھا کہ واقعی وہ لوگ جا چکے ہیں۔ اس وقت آیت حجاب نازل ہوئی، چنانچہ آپ ﷺ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ لٹکا لیا۔

٦٢٣٩ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ: قَالَ أَبِي: حَدَّثَنَا أَبُو مِجْلَزٍ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ

[6239] حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب نبی ﷺ نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو

عَنْهُ قَالَ: لَمَّا تَزَوَّجَ النَّبِيُّ ﷺ زَيْنَبَ دَخَلَ الْقَوْمُ فَطَعِمُوا ثُمَّ جَلَسُوا يَتَحَدَّثُونَ فَأَخَذَ كَأَنَّهُ يَتَهَيَّأُ لِلْقِيَامِ فَلَمْ يَقُومُوا، فَلَمَّا رَأَى ذٰلِكَ قَامَ، فَلَمَّا قَامَ قَامَ مَنْ قَامَ مِنَ الْقَوْمِ وَقَعَدَ بَقِيَّةُ الْقَوْمِ، وَأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَاءَ لِيَدْخُلَ، فَإِذَا الْقَوْمُ جُلُوسٌ، ثُمَّ إِنَّهُمْ قَامُوا فَانْطَلَقُوا، فَأَخْبَرْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَجَاءَ حَتَّى دَخَلَ فَذَهَبْتُ أَدْخُلُ فَأَلْقَى الْحِجَابَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ وَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَدْخُلُوا۟ بُيُوتَ ٱلنَّبِيِّ﴾ الْآيَةَ.

لوگ دعوت ولیمہ کے لیے آئے، کھانا کھایا پھر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ آپ ﷺ نے اس طرح اظہار کیا گویا آپ اٹھنے لگے ہیں لیکن لوگ نہ اٹھے۔ جب آپ نے یہ صورت حال دیکھی تو آپ کھڑے ہو گئے۔ جب آپ اٹھے تو کچھ لوگ کھڑے ہو کر چلے گئے لیکن بعض لوگ پھر بھی بیٹھے رہے۔ بہر حال نبی ﷺ گھر میں داخل ہونے کے لیے تشریف لائے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ ابھی تک بیٹھے ہوئے ہیں، پھر وہ بھی اٹھ کر چلے گئے۔ میں نے نبی ﷺ کو اس امر کی اطلاع دی تو آپ اندر داخل ہو گئے۔ میں نے بھی اندر جانا چاہا لیکن آپ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال لیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا: ''اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو......''

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: فِيهِ مِنَ الْفِقْهِ أَنَّهُ لَمْ يَسْتَأْذِنْهُمْ حِينَ قَامَ وَخَرَجَ. وَفِيهِ أَنَّهُ تَهَيَّأَ لِلْقِيَامِ وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يَقُومُوا. [راجع: ٤٧٩١]

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے کہا: اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ آپ ﷺ جب اٹھے اور باہر تشریف لے گئے تو ان سے اس کی اجازت نہ لی اور یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ نے ان کے سامنے اٹھنے کی تیاری کی اور آپ یہ چاہتے تھے کہ لوگ اٹھ کر چلے جائیں۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں آیت حجاب کا سبب نزول بیان ہوا ہے۔ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے بھی رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو مخاطب کر کے کہا گیا تھا کہ تمھارا اصل مقام گھر کی چار دیواری ہے۔ تمھیں بلاضرورت گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔ یہ حکم ان کے باہر نکلنے پر پابندی تک موقوف تھا لیکن لوگ سب گھروں میں بلا روک ٹوک آتے جاتے تھے۔ اس آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہونے پر پابندی لگا دی گئی، پھر سورۂ نور کی آیت:27 کی رو سے یہ حکم تمام مسلم گھرانوں پر نافذ کر دیا گیا کہ کوئی شخص بھی کسی دوسرے کے گھر میں بلا اجازت داخل نہ ہوا کرے۔ ② بہر حال ان آیات کے نازل ہونے کے بعد تمام ازواج مطہرات کے گھروں کے باہر پردہ لٹکا دیا گیا، پھر دوسرے مسلمانوں نے بھی اپنے گھروں کے سامنے پردے لٹکا لیے حتی کہ یہ دستور اسلامی طرز معاشرت کا ایک حصہ بن گیا۔ ③ مردوں اور عورتوں کے آزادانہ میل جول اور فحاشی کی روک تھام کے لیے یہ ایک مؤثر اقدام ہے کہ کوئی غیر مرد کسی اجنبی عورت کو نہ دیکھے اور نہ کسی کے دل میں کوئی برا خیال یا وسوسہ ہی پیدا ہو، گویا معاشرے سے بے حیائی اور فحاشی کے خاتمے کے لیے پردہ نہایت

ضروری چیز ہے۔اب جولوگ کہتے ہیں کہ اصل پردہ تو دل کا پردہ ہے کیونکہ شرم وحیااور برے خیالات کاتعلق دل سے ہے، ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ④ حدیث کے آخر میں امام بخاری رحمہ اللہ کا ایک قول نقل ہوا ہے جو صحیح بخاری کے تمام نسخوں میں نہیں ہے، اس کی یہاں کوئی خاص ضرورت نہیں کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں خود ایک باب ان الفاظ میں قائم کیا ہے:[بَابُ مَن قَامَ مِنْ مَجْلِسِهِ أَوْ بَيْتِهِ وَلَمْ يَسْتَأْذِنْ أَصْحَابَهُ، أَوْ تَهَيَّأَ لِلْقِيَامِ لِيَقُومَ النَّاسُ] ”جو شخص اپنے ساتھیوں کی اجازت کے بغیر مجلس یا گھر سے اٹھ کر چلا جائے یا کھڑا ہونے کی تیاری کرلے تا کہ دوسرے لوگ بھی اٹھ کر چلے جائیں“ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس قول کے متعلق اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔[1]

٦٢٤٠ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ: كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَقُولُ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ: احْجُبْ نِسَاءَكَ. قَالَتْ: فَلَمْ يَفْعَلْ، وَكَانَ أَزْوَاجُ النَّبِيِّ ﷺ يَخْرُجْنَ لَيْلًا إِلَى لَيْلٍ قِبَلَ الْمَنَاصِعِ، فَخَرَجَتْ سَوْدَةُ بِنْتُ زَمْعَةَ - وَكَانَتِ امْرَأَةً طَوِيلَةً - فَرَآهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَهُوَ فِي الْمَجْلِسِ فَقَالَ: عَرَفْنَاكِ يَا سَوْدَةُ - حِرْصًا عَلَى أَنْ يُنْزَلَ الْحِجَابُ - قَالَتْ: فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ آيَةَ الْحِجَابِ. [راجع: ١٤٦]

[6240] نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے اکثر عرض کیا کرتے تھے: آپ اپنی ازواج مطہرات کو پردہ کرائیں، لیکن آپ انھیں یہ حکم نہیں دیتے تھے۔ واقعہ یہ تھا کہ ازواج مطہرات رفع حاجت کے لیے صرف رات کے وقت ہی وسیع میدان میں جاتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لیے باہر نکلیں جبکہ وہ قدرے قدر آور خاتون تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت ایک مجلس میں تھے، وہاں سے انھیں دیکھا اور کہا: ”اے سودہ! ہم نے تمھیں پہچان لیا ہے۔ یہ انھوں نے اس لیے کہا کہ وہ نزول حجاب کے بڑے متمنی تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد پردے کی آیت نازل فرمائی۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں آیت حجاب کا ایک دوسرا پس منظر بیان ہوا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خواہش کے پیش نظر اس حکم کو نازل فرمایا، چنانچہ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! کاش، آپ اپنی بیویوں کو پردے کا حکم دے دیں کیونکہ ان سے اچھے اور برے ہر قسم کے لوگ (مسائل پوچھنے کے لیے) بات کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آیت حجاب نازل فرمائی۔[2] ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ قصۂ نکاح زینب اور خواہش سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ دونوں واقعات، اس آیت حجاب کی شان نزول ہیں۔[3] واللہ أعلم.

---

(1) فتح الباري:29/11. (2) صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 402. (3) فتح الباري: 30/11.

(١١) بَابٌ: اَلْاِسْتِئْذَانُ مِنْ أَجْلِ الْبَصَرِ

باب: 11- اجازت طلب کرنا تو نظربازی سے تحفظ کے لیے ہے

وضاحت: کسی کے گھر میں آنے کے لیے اجازت طلب کرنا نظر کی وجہ سے ہے کیونکہ اجازت طلب کرنے والا اگر اچانک اجازت کے بغیر گھر میں آ جائے تو بسا اوقات اس کی نظر ایسی چیز پر پڑنے کا امکان ہے جس پر اطلاع پانا صاحب خانہ کے لیے ناگوار ہوتا ہے، اس لیے کسی کے گھر میں جانے کے لیے اجازت لینے کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔

٦٢٤١ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: قَالَ الزُّهْرِيُّ: حَفِظْتُهُ كَمَا أَنَّكَ هَاهُنَا عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: اطَّلَعَ رَجُلٌ مِنْ جُحْرٍ فِي حُجَرِ النَّبِيِّ ﷺ وَمَعَ النَّبِيِّ ﷺ مِدْرًى يَحُكُّ بِهِ رَأْسَهُ، فَقَالَ: «لَوْ أَعْلَمُ أَنَّكَ تَنْتَظِرُ لَطَعَنْتُ بِهِ فِي عَيْنِكَ، إِنَّمَا جُعِلَ الْاِسْتِئْذَانُ مِنْ أَجْلِ الْبَصَرِ». [راجع: ٥٩٢٤]

[6241] حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کے حجرۂ مبارکہ میں سوراخ سے دیکھا۔ نبی ﷺ کے ہاتھ مبارک میں اس وقت ایک کنگھا تھا جس سے آپ سر مبارک کھجلا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم جھانک رہے ہو تو میں تمھاری آنکھ میں اسے چبھو دیتا، نظربازی کی روک تھام کے لیے تو اجازت طلبی کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① کسی کے گھر یا اس کی مجلس میں آنے کے لیے اجازت لینا ضروری ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے سلام کرے، پھر اجازت طلب کرے، اس کے بغیر اچانک کسی کے گھر میں جانے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ معلوم نہیں وہ اس وقت کس حالت میں ہو اور کس کام میں مصروف ہو۔ ممکن ہے کہ اس وقت اس سے ملاقات ناگواری کا باعث ہو۔ ② رسول اللہ ﷺ کے گھر میں ایک شخص تحائف لے کر اجازت کے بغیر چلا آیا تو آپ نے اسے واپس کرتے ہوئے فرمایا: ''واپس جاؤ اور السلام علیکم کہنے کے بعد اندر آنے کی اجازت طلب کرو، جب اجازت ملے تو اندر آ جاؤ۔''[1] رسول اللہ ﷺ نے اجازت طلب کرنے کا طریقہ صرف زبانی بتا دینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس پر عمل کرایا ہے۔ ظاہر ہے جو شخص اس طرح سبق یاد کرتا ہے وہ اسے بھول نہیں پاتا۔

٦٢٤٢ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَجُلًا اطَّلَعَ مِنْ بَعْضِ حُجَرِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَامَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ بِمِشْقَصٍ أَوْ بِمَشَاقِصَ، فَكَأَنِّي

[6242] حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کے کسی گھر میں جھانکا تو نبی ﷺ ایک لمبے نیزے کا پھل لیے ہوئے اس کی طرف اٹھے۔ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ اس کی طرف چپکے چپکے تشریف لے گئے

1 جامع الترمذي، الاستئذان، حديث: 2710.

أَنْظُرُ إِلَيْهِ يَخْتِلُ الرَّجُلَ لِيَطْعُنَهُ. [انظر: ٦٨٨٩، ٦٩٠٠] تاکہ بے خبری میں اسے ماریں۔

فوائد ومسائل: ① کسی کے گھر میں اجازت کے بغیر جھانکنا حرام اور انتہائی بری حرکت ہے کیونکہ اجازت لینے کا حکم نظر ہی کی وجہ سے ہوتا ہے، اگر بلا اجازت تاک جھانک کرنا ہے تو اجازت لینے کے کیا معنی؟ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب نظر اندر چلی گئی تو پھر اجازت کیسی۔''[1] یہی وجہ ہے کہ انسان کسی کے دروازے پر دستک دے تو ایک جانب کھڑا ہو کر دے جیسا کہ ایک حدیث میں اس کی صراحت ہے۔[2] ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کسی کے گھر میں جھانکتا ہے تو گھر والا اسے سزا دے سکتا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کسی کے گھر میں اجازت کے بغیر جھانکا، اہل خانہ نے اس کی آنکھ پھوڑ دی تو اس کا کوئی تاوان نہیں بلکہ یہ ضائع ہے۔''[3]

(١٢) بَابُ زِنَا الْجَوَارِحِ دُونَ الْفَرْجِ

باب: 12- شرمگاہ کے علاوہ دوسرے اعضا کا زنا کرنا

وضاحت: زنا صرف شرمگاہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ بدکار انسان کا ایک ایک عضو بے حیائی اور بدکاری کا مرتکب ہوتا ہے۔

٦٢٤٣ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: لَمْ أَرَ شَيْئًا أَشْبَهَ بِاللَّمَمِ مِنْ قَوْلِ أَبِي هُرَيْرَةَ.

[6243] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابوہریرہ ؓ کی بات سے زیادہ صغیرہ گناہوں سے ملتی جلتی چیز کوئی نہیں دیکھی۔

وَحَدَّثَنِي مَحْمُودٌ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: مَا رَأَيْتُ شَيْئًا أَشْبَهَ بِاللَّمَمِ مِمَّا قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «إِنَّ اللهَ كَتَبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ حَظَّهُ مِنَ الزِّنَا، أَدْرَكَ ذٰلِكَ لَا مَحَالَةَ، فَزِنَا الْعَيْنِ: النَّظَرُ، وَزِنَا اللِّسَانِ: الْمَنْطِقُ، وَالنَّفْسُ تَمَنَّى وَتَشْتَهِي، وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذٰلِكَ كُلَّهُ وَيُكَذِّبُهُ». [انظر: ٦٦١٢]

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس ؓ نے کہا: میں نے اس حدیث سے زیادہ چھوٹے گناہوں سے مشابہ کوئی چیز نہیں دیکھی جسے ابوہریرہ ؓ نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے ابن آدم پر اس کے زنا کا حصہ رکھا ہے جس سے وہ لامحالہ دوچار ہوگا۔ (وہ یہ ہے کہ) آنکھ کا زنا دیکھنا ہے، زبان کا زنا بولنا ہے۔ اور دل اس کی خواہش اور تمنا کرتا ہے، پھر شرمگاہ اس خواہش کو سچا کر دکھاتی ہے یا اسے جھٹلا دیتی ہے۔''

---

(1) سنن أبي داود، الأدب، حديث: 5173. (2) سنن أبي داود، الأدب، حديث: 5174. (3) صحيح مسلم، الآداب، حديث: 5642(2158).

فوائدومسائل: ① اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ''اَللَّمَمَ'' کے متعلق سوال ہوا جو قرآن کریم کی درج ذیل آیت میں آیا ہے: ''وہ لوگ جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں سوائے ان گناہوں کے جو صغیرہ ہیں۔''[1] انھوں نے اس کے جواب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث بیان کر دی جس میں زنا جیسے بڑے گناہ کی مبادیات (ابتدائی باتوں) کا ذکر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ''لَمَم'' نظر بازی، بات کرنا اور بدکاری کی خواہش کا پیدا ہونا ہے۔ یہ بدکاری کی مبادیات ہیں۔ آخر کار شرمگاہ اس کے ارتکاب کرنے یا چھوڑ دینے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ ② اللہ تعالیٰ نے ازل میں انسان کے لیے جو گناہ لکھ دیا ہے وہ اس سے خلاصی نہیں پا سکتا، البتہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے مبادیاتِ زنا کو ''لمم'' اور صغیرہ گناہ بنا دیا ہے۔ جب تک شرمگاہ اس کی تصدیق نہ کرے انسان سے اس کے متعلق باز پرس نہ ہوگی اور جب شرمگاہ اس کی تصدیق کر دے تو تمام صغیرہ گناہ اور مبادیات کبیرہ گناہ کی شکل اختیار کر لیں گے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں اس حکمت کی طرف اشارہ ہے جس کی بنا پر گھروں میں اجازت کے بغیر تاک جھانک کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس سے گزشتہ عنوان کے ساتھ مناسبت بھی ظاہر ہوتی ہے۔[2] واللہ أعلم. ③ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دل میں زنا کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اس خواہش کی تکمیل کے لیے انسان نظر بازی اور محبت بھری گفتگو بھی کرتا ہے، اب اگر شرمگاہ نے عملاً زنا کر لیا تو بدکاری کا گناہ لکھا جائے گا اور اگر اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اس کے ارتکاب سے باز رہا تو خواہش غلط اور جھوٹ ہو گئی، اس صورت میں گناہ نہیں لکھا جائے گا۔ واللہ أعلم.

(١٣) بَابُ التَّسْلِيمِ وَالْاِسْتِئْذَانِ ثَلَاثًا

باب: 13- سلام اور اجازت طلبی تین بار ہونی چاہیے

وضاحت: سلام اور اجازت طلبی بیک وقت ہو یا الگ الگ، دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ حدیث انس رضی اللہ عنہ میں سلام کا بیان ہے جبکہ حدیث ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ میں صرف اجازت طلبی کا ذکر ہے، اگرچہ بعض روایات میں سلام اور اجازت طلبی دونوں کا یکجا ذکر بھی آیا ہے۔[3]

٦٢٤٤ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا ثُمَامَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ إِذَا سَلَّمَ سَلَّمَ ثَلَاثًا، وَإِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلَاثًا. [راجع: ٩٤]

[6244] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کو سلام کرتے تو تین مرتبہ سلام کرتے تھے اور جب کوئی بات کرتے تو اسے تین مرتبہ دہراتے تھے۔

فوائدومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سلام و کلام میں تکرار فرماتے تھے لیکن اس سے مراد

---

[1] النجم 53:32. [2] فتح الباري: 32/11. [3] فتح الباري: 34/11.

اکثر اوقات ہیں، یعنی افہام وتفہیم کے لیے اکثر ایسا کرتے تھے تاکہ سلام عام ہو اور بات دلوں میں راسخ ہو جائے۔[1] ② تین دفعہ سلام کرنے کی حسب ذیل توجیہات ممکن ہیں: * جب مجمع زیادہ ہوتا اور لوگ منتشر ہوتے تو تمام حاضرین کو سلام پہنچانے کے لیے تین مرتبہ سلام کرتے۔ ایک سامنے، دوسرا دائیں جانب اور تیسرا بائیں طرف کیونکہ آپ ﷺ کے سلام کے تمام حاضرین مشتاق ہوتے تھے۔ * اگر کہیں جم غفیر ہوتا تو ایک سلام داخل ہوتے ہی کرتے، دوسرا درمیان میں پہنچ کر اور تیسرا سلام آخر میں پہنچ کر فرماتے۔ * یہ سلام، سلام اجازت ہے جو زیادہ سے زیادہ تین مرتبہ کہا جا سکتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی یہی مقصد معلوم ہوتا ہے کیونکہ انھوں نے اس کے بعد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا ہے جو سلام اجازت سے متعلق ہے۔ ③ یہ بھی ممکن ہے کہ پہلا سلام اجازت کے لیے، دوسرا جب ان کے پاس جاتے اور تیسرا جب ان سے رخصت ہوتے کیونکہ عام حالات میں تین مرتبہ سلام کرنا آپ کے معمولات سے ثابت نہیں۔ پہلا سلام اجازت، دوسرا سلام ملاقات اور تیسرا سلام وداع۔[2] واللّٰہ أعلم.

٦٢٤٥ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ خُصَيْفَةَ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: كُنْتُ فِي مَجْلِسٍ مِنْ مَجَالِسِ الْأَنْصَارِ إِذْ جَاءَ أَبُو مُوسَى كَأَنَّهُ مَذْعُورٌ فَقَالَ: اسْتَأْذَنْتُ عَلَى عُمَرَ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لِي فَرَجَعْتُ، قَالَ: مَا مَنَعَكَ؟ قُلْتُ: اسْتَأْذَنْتُ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لِي فَرَجَعْتُ. وَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا اسْتَأْذَنَ أَحَدُكُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُ فَلْيَرْجِعْ» فَقَالَ: وَاللهِ لَتُقِيمَنَّ عَلَيْهِ بَيِّنَةً، أَمِنْكُمْ أَحَدٌ سَمِعَهُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ؟ فَقَالَ أُبَيٌّ: وَاللهِ لَا يَقُومُ مَعَكَ إِلَّا أَصْغَرُ الْقَوْمِ، فَكُنْتُ أَصْغَرَ الْقَوْمِ فَقُمْتُ مَعَهُ فَأَخْبَرْتُ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ ذٰلِكَ. [راجع: ٢٠٦٢]

[6245] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں انصار کی ایک مجلس میں تھا کہ اچانک وہاں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تشریف لائے گویا وہ گھبرائے ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں تین مرتبہ اندر آنے کی اجازت طلب کی لیکن مجھے اجازت نہ دی گئی تو میں واپس چلا آیا۔ اب انھوں نے دریافت کیا ہے کہ تمھارے لیے اندر آنے میں کیا بات مانع تھی؟ میں نے کہا: میں نے تین بار اجازت مانگی تھی، مجھے اجازت نہ دی گئی تو میں واپس چلا آیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''جب تم میں سے کوئی کسی سے تین مرتبہ اجازت طلب کرے اور اجازت نہ ملے تو واپس چلا جائے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! تمھیں اس حدیث کے متعلق کوئی گواہ پیش کرنا ہوگا۔ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے یہ حدیث نبی ﷺ سے سنی ہو؟ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! تمھارے ساتھ اس قوم کا سب سے چھوٹا (کم عمر) آدمی جائے گا۔ چونکہ میں سب سے چھوٹا تھا، اس لیے میں اٹھ کر ان کے ساتھ چلا گیا اور حضرت

① عمدة القاري: 361/15. ② شرح الكرماني: 86/2.

عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: واقعی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے۔

وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ: أَخْبَرَنِي ابْنُ عُيَيْنَةَ: حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ خُصَيْفَةَ عَنْ بُسْرٍ: سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ بِهٰذَا.

حضرت عبداللہ بن مبارک نے کہا: مجھے سفیان بن عیینہ نے خبر دی، انھوں نے کہا: مجھ سے یزید بن خصیفہ نے حضرت بسر بن سعد سے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی۔

فوائد ومسائل: ① کسی کے گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کرنے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ دروازے کے ایک طرف کھڑے ہو کر تین مرتبہ سلام کہے، پھر اجازت طلب کرے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کا اہتمام کرتے تھے۔[1] دستک کے جواب میں دستک دینے والا اپنا نام یا عرف بتائے "میں، میں" کہنا خلاف ادب اور ناکافی تعارف ہے۔ دستک دینے یا گھنٹی بجانے میں بے ادبی اور بدتمیزی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ اگر اجازت یا جواب نہ ملے تو بلاوجہ ناراض ہونے کے بجائے واپس آجانا چاہیے جیسا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے واقعے سے معلوم ہوتا ہے۔ ② حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سختی بھی برموقع تھی تاکہ لوگ یقین واعتماد کے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کچھ منسوب نہ کرنے لگیں اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی کمی کا اعتراف کیا اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہونے والے مناقشے کی تلافی بھی فرما دی تھی، چنانچہ انھوں نے فرمایا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مجھ سے مخفی رہا ہے، ہاں مجھے بازار کے تجارتی مشاغل نے مصروف رکھا، بہرحال اے ابوموسیٰ! تم جب چاہو سلام کہہ کر آجایا کرو اور اجازت نہ مانگا کرو۔[2] ③ ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفے میں لوگ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے دروازے پر کھڑے رہتے تھے جب وہ کوفہ کے گورنر تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس انداز سے ان کی تربیت کرنا چاہی کہ جس طرح تجھے باہر کھڑا رہنے سے تکلیف ہوئی ہے اسی طرح تجھے لوگوں کی تکلیف کا احساس کرنا چاہیے۔[3] اس کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت اپنے خلافت کے معاملات میں مصروف بھی تھے۔[4]

(١٤) بَابٌ: إِذَا دُعِيَ الرَّجُلُ فَجَاءَ، هَلْ يَسْتَأْذِنُ؟

باب: 14- جب کوئی آدمی کسی کے بلانے پر آئے تو کیا وہ بھی اجازت طلب کرے؟

وَقَالَ سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «هُوَ إِذْنُهُ».

سعید نے قتادہ سے بیان کیا، وہ حضرت ابورافع سے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بلانا ہی اجازت ہے۔"

---

1 سنن أبي داود، الأدب، حديث: 5186. 2 سنن أبي داود، الأدب، حديث: 5182. 3 الأدب المفرد، حديث: 1073. 4 فتح الباري: 35/11.

وضاحت: جب کسی کو بلایا جاتا ہے تو اس کے آنے پر دوبارہ اندر آنے کی اجازت لینا ضروری نہیں، تاہم احوال وظروف کی روشنی میں دیکھا جا سکتا ہے کہ دوبارہ اجازت کی ضرورت ہے یا نہیں۔ جب پردے کا معاملہ نہ ہو یا مجلس عام ہو تو دوبارہ اجازت کی ضرورت نہیں بصورت دیگر خواتین خانہ کی وجہ سے اطلاع تو دینی ہوگی۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی پیش کردہ معلق حدیث کو امام ابوداود رحمہ اللہ نے متصل سند سے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ''جب کسی کو کھانے پر بلایا جائے اور وہ بلانے والے کے ساتھ چلا آئے تو یہی اس کے لیے اجازت ہے۔''[1] امام ابوداود رحمہ اللہ نے اس حدیث کے ضعف کی طرف بھی اشارہ کیا ہے لیکن علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔[2]

٦٢٤٦ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ ذَرٍّ: وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ ذَرٍّ: أَخْبَرَنَا مُجَاهِدٌ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: دَخَلْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَوَجَدَ لَبَنًا فِي قَدَحٍ فَقَالَ: «أَبَا هِرٍّ، اِلْحَقْ أَهْلَ الصُّفَّةِ فَادْعُهُمْ إِلَيَّ»، قَالَ: فَأَتَيْتُهُمْ فَدَعَوْتُهُمْ فَأَقْبَلُوا فَاسْتَأْذَنُوا فَأُذِنَ لَهُمْ فَدَخَلُوا.

[راجع: ٥٣٧٥]

[6246] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ اندر داخل ہوا تو آپ نے پیالے میں دودھ دیکھا۔ آپ نے فرمایا: ''اے ابوہر! اہل صفہ کے پاس جاؤ اور انھیں میرے پاس بلا لاؤ۔'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ان کے پاس آیا اور انھیں بلا لایا، چنانچہ وہ سب آئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ جب انھیں اجازت مل گئی تو وہ اندر چلے آئے۔

فوائد ومسائل: ① جب کسی کو بلایا جائے تو اس کے آنے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ وہ قاصد کے ساتھ ہی آ جائے تو اس صورت میں اجازت لینے کی ضرورت نہیں جیسا کہ عنوان سے معلوم ہوتا ہے۔ اگر وہ قاصد کے ساتھ نہیں آتا بلکہ تنہا آتا ہے تو اسے اجازت لے کر اندر آنا ہوگا جیسا کہ پیش کردہ حدیث میں وضاحت ہے کہ اہل صفہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہیں آئے بلکہ وہ لوگ ان کے بعد اکیلے آئے ہیں کیونکہ حدیث کے الفاظ ہیں ''وہ آئے'' اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بلانے کے بعد اہل صفہ تنہا آئے ہیں، اس لیے انھیں اجازت لینی پڑی۔ اس کی وضاحت ایک حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کسی کو دعوت دی جائے اور وہ قاصد کے ساتھ ہی آ جائے تو یہی اس کے لیے اجازت ہے۔''[3] ② ہمارے رجحان کے مطابق یہ مسئلہ پیش آمدہ احوال وظروف کی روشنی میں حل کیا جا سکتا ہے، تاہم احتیاط کا تقاضا ہے کہ اندر آنے کے لیے اجازت طلب کی جائے۔ واللہ أعلم.

(١٥) بَابُ التَّسْلِيمِ عَلَى الصِّبْيَانِ

باب:15- بچوں کو سلام کرنا

① سنن أبي داود، الأدب، حديث: 5190. ② إرواء الغليل، حديث: 1955. ③ الأدب المفرد، حديث: 1075.

٦٢٤٧ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَيَّارٍ، عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّهُ مَرَّ عَلَى صِبْيَانٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ وَقَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَفْعَلُهُ.

[6247] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، وہ بچوں کے پاس سے گزرے تو انھیں سلام کیا اور فرمایا کہ نبی ﷺ بھی ایسا کیا کرتے تھے۔

فوائد ومسائل: ① بچوں کو سلام کہنے میں بڑے آدمی کے لیے کوئی ہتک والی بات نہیں بلکہ ان کی تعلیم وتربیت کا ایک حصہ اور ان کے ساتھ انس و پیار کا اظہار ہے۔ حضرت انس ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ بچوں کے پاس سے گزرے جبکہ وہ کھیل رہے تھے تو آپ نے انھیں سلام کیا۔[1] بلکہ ایک روایت میں مزید وضاحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ انصار کی ملاقات کے لیے جاتے تو ان کے بچوں کو سلام کہتے اور ان کے سروں پر محبت بھرا ہاتھ پھیرتے، نیز ان کے لیے خیر و برکت کی دعا فرماتے۔[2] ② حافظ ابن حجر ؒ نے لکھا ہے کہ اگر فتنے میں پڑنے کا اندیشہ ہو تو خوبصورت بچے کو سلام نہ کرے خاص طور پر جب وہ نوخیز اور اکیلا ہو۔[3] حضرت ابن عمر ؓ مدرسے میں زیر تعلیم بچوں کو سلام کہتے تھے۔[4]

(١٦) بَابُ تَسْلِيمِ الرِّجَالِ عَلَى النِّسَاءِ، وَالنِّسَاءِ عَلَى الرِّجَالِ

باب: 16- مردوں کا عورتوں کو اور عورتوں کا مردوں کو سلام کرنا

وضاحت: بعض اسلاف نے مردوں کا عورتوں کو اور عورتوں کا مردوں کو سلام کرنا مکروہ کہا ہے۔ امام بخاری ؒ کے ہاں یہ موقف محل نظر ہے، اس لیے آپ نے یہ عنوان قائم کیا ہے۔ حضرت اسماء بنت یزید ؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہم عورتوں کے پاس سے گزرے تو آپ نے ہمیں سلام کہا۔[5] بہر حال جہاں فتنے اور شبہے کا اندیشہ نہ ہو اجنبی عورتوں کو سلام کہنا سنت ہے بالخصوص قوم کے بڑوں اور بزرگوں کے لیے یہ ایک مستحب عمل ہے۔

٦٢٤٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سَهْلٍ قَالَ: كُنَّا نَفْرَحُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، قُلْتُ لِسَهْلٍ: وَلِمَ؟ قَالَ: كَانَتْ لَنَا عَجُوزٌ تُرْسِلُ إِلَى بُضَاعَةَ - قَالَ ابْنُ مَسْلَمَةَ: نَخْلٍ بِالْمَدِينَةِ - فَتَأْخُذُ مِنْ أُصُولِ السِّلْقِ فَتَطْرَحُهُ فِي قِدْرٍ وَتُكَرْكِرُ حَبَّاتٍ مِنْ

[6248] حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم جمعہ کے دن بہت خوش ہوتے تھے۔ میں نے پوچھا: کیوں؟ انھوں نے فرمایا کہ ہماری ایک بڑھیا تھیں جو مقام بضاعہ کی طرف کسی کو بھیجا کرتی تھیں۔ بضاعہ، مدینہ طیبہ میں کھجوروں کا ایک باغ تھا، پھر وہ وہاں سے چقندر منگواتیں اور انھیں ہانڈی میں ڈال کر ان میں جو کے

---

1 سنن أبي داود، الأدب، حديث: 5202. 2 السنن الكبرىٰ للنسائي، حديث: 8349. 3 فتح الباري: 41/11. 4 الأدب المفرد، حديث: 1044. 5 سنن أبي داود، الأدب، حديث: 5204.

شَعِيرٍ، فَإِذَا صَلَّيْنَا الْجُمُعَةَ انْصَرَفْنَا وَنُسَلِّمُ عَلَيْهَا فَتُقَدِّمُهُ إِلَيْنَا فَنَفْرَحُ مِنْ أَجْلِهِ، وَمَا كُنَّا نَقِيلُ وَلَا نَتَغَدَّى إِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ. [راجع: ٩٣٨]

دانے پیس کر ملاتیں۔ جب ہم جمعہ پڑھ کر واپس ہوتے تو انھیں سلام کرنے کے لیے آتے۔ وہ ہمیں اپنا تیار کردہ کھانا پیش کرتیں، ہم اس وجہ سے جمعہ کے دن بہت خوش ہوتے تھے۔ ہم جمعہ کی نماز کے بعد ہی دوپہر کا کھانا کھاتے اور آرام کرتے تھے۔

فائدہ: سلام عام کرنے کا تقاضا یہی ہے کہ مرد حضرات عورتوں کو بھی سلام کریں جیسا کہ اسماء بنت یزید ؓ کے حوالے سے ہم نے بیان کیا ہے اور عورتیں مردوں کو سلام کہیں جیسا کہ حضرت ام ہانی ؓ نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا تھا۔[1] حالانکہ آپ حضرت ام ہانی ؓ کے لیے غیر محرم تھے، تاہم فتنہ و فساد سے خود کو محفوظ رکھنا بھی بہت ضروری ہے، اس لیے اگر کسی فتنے کا اندیشہ ہو تو عورتوں کو سلام کہنے سے پرہیز کیا جائے بصورت دیگر سلام پھیلانے کا تقاضا یہی ہے کہ مرد، عورتوں کو اور عورتیں، مردوں کو سلام کریں۔ واللہ أعلم.

٦٢٤٩ - حَدَّثَنَا ابْنُ مُقَاتِلٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَا عَائِشَةُ، هٰذَا جِبْرِيلُ يَقْرَأُ عَلَيْكِ السَّلَامَ»، قَالَتْ: قُلْتُ: وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ، تَرَى مَا لَا نَرَى، تُرِيدُ رَسُولَ اللهِ ﷺ.

[6249] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے عائشہ! یہ جبرئیل ہیں اور تمھیں سلام کہتے ہیں۔“ میں نے کہا: ان پر بھی سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔ آپ وہ دیکھتے ہیں جو ہم نہیں دیکھ سکتے۔

تَابَعَهُ شُعَيْبٌ، وَقَالَ يُونُسُ وَالنُّعْمَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ: وَبَرَكَاتُهُ. [راجع: ٣٢١٧]

امام زہری سے یہ حدیث بیان کرنے میں شعیب نے معمر کی متابعت کی ہے۔ امام زہری سے بیان کردہ یونس اور نعمان کی روایتوں میں ”وبرکاتہ“ کے الفاظ بھی ہیں۔

فوائد و مسائل: ① حضرت جبریل علیہ السلام رسول اکرم ﷺ کے پاس حضرت دحیہ کلبی ؓ کی صورت میں آیا کرتے تھے، اس اعتبار سے ان کا حکم مردوں کا ہے۔ معلوم ہوا کہ مرد، عورت کو اور عورت، مرد کو سلام کر سکتی ہے، خواہ وہ اجنبی ہی کیوں نہ ہو لیکن پردے کے احکام اپنی جگہ پر ہیں جن کا بجا لانا ضروری ہے۔ ② بہر حال جب عورتوں سے بوقت ضرورت گفتگو جائز ہے تو اسلام کہنے میں کیا حرج ہے جبکہ سلام کہنا تو ایک شرعی حق ہے۔ مزعومہ فتنے کی بنیاد پر اسے نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ حافظ ابن حجر ؒ

[1] صحيح البخاري، الأدب، حديث: 6158.

نے لکھا ہے کہ اگر مجلس میں مرد اور عورتیں دونوں ہوں تو بالاتفاق سلام کہنا جائز ہے۔[1] واللہ أعلم.

(١٧) بَابٌ: إِذَا قَالَ: مَنْ ذَا؟ فَقَالَ: أَنَا

باب: 17- اگر گھر والا پوچھے: ''کون ہے'' وہ جواب دے ''میں ہوں'' (اور نام نہ لے)

٦٢٥٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي دَيْنٍ كَانَ عَلَى أَبِي فَدَقَقْتُ الْبَابَ، فَقَالَ: «مَنْ ذَا؟» فَقُلْتُ: أَنَا، فَقَالَ: «أَنَا أَنَا»، كَأَنَّهُ كَرِهَهَا. [راجع: ٢١٢٧]

[6250] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں اس قرض کے متعلق حاضر ہوا جو میرے والد گرامی کے ذمے تھا۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ نے دریافت فرمایا: ''کون ہو؟'' میں نے عرض کی: میں ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''میں ہوں، میں ہوں۔'' گویا آپ نے اس انداز کو ناپسند فرمایا۔

فوائدومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دروازہ کھٹکھٹانا یہی اجازت طلب کرنے کے مفہوم میں ہے، پھر کسی کے سامنے آنے پر السلام علیکم کہا جائے۔ گھنٹی بجانے کو اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے، نیز دستک دینے والے کو اپنا نام یا عرف بتانا چاہیے۔ دریافت کرنے پر میں، میں کہنا خلاف ادب اور ناکافی تعارف ہے۔ ② حدیث میں مذکورہ کلمہ ''میں، میں'' اس لیے پسند نہ آیا کہ اس میں سوال کا جواب نہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے تھا: میں جابر ہوں، چنانچہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے دریافت کرنے پر کہا تھا: قربان جاؤں! میں بریدہ ہوں۔[2]

(١٨) بَابُ مَنْ رَدَّ فَقَالَ: عَلَيْكَ السَّلَامُ

باب: 18- جس نے سلام کا جواب دیتے وقت ''علیک السلام'' کہا

وَقَالَتْ عَائِشَةُ: وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا: وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ''ان پر بھی اللہ کا سلام ہو، اللہ کی رحمت اور اس کی برکات ہوں۔''

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «رَدَّ الْمَلَائِكَةُ عَلَى آدَمَ: السَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللهِ».

نبی ﷺ نے فرمایا: ''فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو بایں الفاظ سلام کا جواب دیا: السلام علیک ورحمۃ اللہ'' آپ پر اللہ کا سلام اور اس کی رحمت ہو۔''

---

1 فتح الباري: 43/11. 2 الأدب المفرد، حديث: 803.

وضاحت: بعض اہل علم کا خیال ہے کہ سلام اللہ کا نام ہے، لہٰذا اس سے پہلے کوئی اور لفظ نہیں لانا چاہیے، یعنی جواب دیتے اور ابتدا کرتے وقت السلام علیک کہا جائے۔ کچھ حضرات کہتے ہیں کہ سلام میں مفرد کا صیغہ استعمال نہ کیا جائے بلکہ جمع کے لفظ کے ساتھ سلام کا کہا جائے۔ بعض اسلاف کا موقف ہے کہ سلام کا جواب دیتے وقت واؤ کا استعمال ہونا چاہیے، یعنی وعلیک السلام کہنا چاہیے اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سلام کا جواب دیتے وقت صرف علیک ہی کہا جائے اور بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ جواب میں زیادہ الفاظ استعمال کیے جائیں صرف علیک السلام نہ کہا جائے بلکہ اس کے ساتھ ورحمۃ اللہ کا اضافہ کیا جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان سے ان تمام حضرات کی تردید فرمائی ہے کہ جواب میں علیک السلام کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔[1]

٦٢٥١ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ - وَرَسُولُ اللهِ ﷺ جَالِسٌ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ - فَصَلَّى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «وَعَلَيْكَ السَّلَامُ، ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ»، فَرَجَعَ فَصَلَّى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ فَقَالَ: «وَعَلَيْكَ السَّلَامُ فَارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ»، فَقَالَ فِي الثَّانِيَةِ أَوْ فِي الَّتِي بَعْدَهَا: عَلِّمْنِي يَا رَسُولَ اللهِ، فَقَالَ: «إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوءَ، ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ، ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ، ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَسْتَوِيَ قَائِمًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا، ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا». وَقَالَ أَبُو أُسَامَةَ فِي الْأَخِيرِ: «حَتَّى تَسْتَوِيَ قَائِمًا».

[6251] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا جبکہ رسول اللہ مسجد کے ایک کونے میں تشریف فرما تھے۔ اس نے نماز پڑھی، پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو سلام کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: "وعليك السلام، واپس جا اور دوبارہ نماز پڑھ کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔" وہ واپس گیا اور نماز پڑھ کر پھر حاضر خدمت ہو کر سلام کہا تو آپ نے فرمایا: "وعليك السلام، واپس جا پھر نماز پڑھ کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔" اس نے دوسری مرتبہ یا اس کے بعد عرض کی: اللہ کے رسول! مجھے (نماز) سکھا دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب تو نماز کے لیے کھڑا ہو تو پہلے اچھی طرح وضو کر، پھر قبلہ رو ہو کر اللہ اکبر کہہ، اس کے بعد جو قرآن تجھے میسر ہو اسے پڑھ، پھر رکوع کر حتی کہ پورے اطمینان سے رکوع کرنے کے بعد سر اٹھا یہاں تک کہ سیدھا کھڑا ہو جا، پھر سجدہ کر حتی کہ پوری طرح سجدہ کر کے پھر سر اٹھا حتی کہ اطمینان سے بیٹھ جا۔ پھر یہی عمل اپنی ساری نماز میں ادا کر۔" (راوئ حدیث) ابو اسامہ نے دوسرے سجدے کے بعد یوں کہا: "پھر سر اٹھا یہاں تک کہ سیدھا کھڑا ہو جا۔"

[1] فتح الباري: 11/45.

[راجع: ٧٥٧]

٦٢٥٢ - حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنِي يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ: حَدَّثَنِي سَعِيدٌ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا». [راجع: ٧٥٧]

[6252] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''پھر سجدے سے اپنا سر اٹھا حتی کہ اطمینان سے بیٹھ جا۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کو ''حدیث مُسیء الصلاۃ'' کہتے ہیں۔ یہ شخص جلدی جلدی نماز پڑھتا تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اسے آہستہ آہستہ نماز پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ اس سے پوری نماز کی تعلیم مقصود نہیں بلکہ جو چیزیں قابل اصلاح تھیں ان کی اصلاح فرمائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں جلسۂ استراحت اور تشہد وغیرہ کا ذکر نہیں ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے اپنا مدعا ثابت کیا ہے کیونکہ اس میں سلام کے جواب میں ''وعلیک السلام'' کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ پہلی حدیث میں جلسۂ استراحت کا ذکر نہیں تھا، دوسری حدیث میں اس کو ثابت کیا ہے کیونکہ اس حدیث میں اس کی صراحت ہے۔ واللہ أعلم.

(١٩) بَابٌ: إِذَا قَالَ: فُلَانٌ يُقْرِئُكَ السَّلَامَ

باب: 19- جب کوئی شخص کہے: فلاں نے تجھے سلام کہا ہے تو!

٦٢٥٣ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا قَالَ: سَمِعْتُ عَامِرًا يَقُولُ: حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا حَدَّثَتْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهَا: «إِنَّ جِبْرِيلَ يَقْرَأُ عَلَيْكِ السَّلَامَ»، قَالَتْ: وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ. [راجع: ٣٢١٧]

[6253] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: ''حضرت جبریل علیہ السلام تجھے سلام کہتے ہیں۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں کہا: ''وعلیه السلام ورحمة اللّٰه'' یعنی ان پر بھی سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔

فائدہ: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غائبانہ سلام متعلقہ آدمی تک پہنچانا چاہیے اور جسے سلام پہنچایا جائے وہ اس کا فوراً جواب دے، پھر غائبانہ سلام کا جواب دو طرح سے دیا جا سکتا ہے: ✱ صرف سلام کہنے والے کو دعا میں شامل کیا جائے جیسا کہ اس حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سلامتی کی دعا میں صرف حضرت جبریل علیہ السلام ہی کو شامل کیا ہے۔ ✱ سلام کہنے والے کے ساتھ پہنچانے والے کو بھی شامل کیا جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے جب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حضرت جبریل علیہ السلام کا سلام پہنچایا تو انھوں نے جواب دیتے وقت رسول اللہ ﷺ کو بھی سلامتی کی دعا میں شامل کیا۔[1]

1 المعجم الكبير للطبراني: 15/23.

(٢٠) بَابُ التَّسْلِيمِ فِي مَجْلِسٍ فِيهِ أَخْلَاطٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُشْرِكِينَ

باب:20- ایسی مجلس والوں کو سلام کہنا جہاں مسلمان اور مشرک ملے جلے بیٹھے ہوں

٦٢٥٤ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ: أَخْبَرَنِي أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَكِبَ حِمَارًا عَلَيْهِ إِكَافٌ تَحْتَهُ قَطِيفَةٌ فَدَكِيَّةٌ، وَأَرْدَفَ وَرَاءَهُ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ وَهُوَ يَعُودُ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ فِي بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ، وَذٰلِكَ قَبْلَ وَقْعَةِ بَدْرٍ، حَتَّى مَرَّ فِي مَجْلِسٍ فِيهِ أَخْلَاطٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُشْرِكِينَ عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ وَالْيَهُودِ، وَفِيهِمْ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ، وَفِي الْمَجْلِسِ عَبْدُاللهِ بْنُ رَوَاحَةَ، فَلَمَّا غَشِيَتِ الْمَجْلِسَ عَجَاجَةُ الدَّابَّةِ خَمَّرَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ أَنْفَهُ بِرِدَائِهِ ثُمَّ قَالَ: لَا تُغَبِّرُوا عَلَيْنَا، فَسَلَّمَ عَلَيْهِمُ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ وَقَفَ فَنَزَلَ فَدَعَاهُمْ إِلَى اللهِ، وَقَرَأَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنَ، فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ ابْنُ سَلُولَ: أَيُّهَا الْمَرْءُ لَا أَحْسَنَ مِنْ هٰذَا إِنْ كَانَ مَا تَقُولُ حَقًّا، فَلَا تُؤْذِنَا فِي مَجَالِسِنَا وَارْجِعْ إِلَى رَحْلِكَ، فَمَنْ جَاءَكَ مِنَّا فَاقْصُصْ عَلَيْهِ، قَالَ ابْنُ رَوَاحَةَ: اغْشَنَا فِي مَجَالِسِنَا فَإِنَّا نُحِبُّ ذٰلِكَ، فَاسْتَبَّ الْمُسْلِمُونَ وَالْمُشْرِكُونَ وَالْيَهُودُ حَتَّى هَمُّوا أَنْ يَتَوَاثَبُوا، فَلَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ ﷺ يُخَفِّضُهُمْ [حَتَّى سَكَتُوا]، ثُمَّ رَكِبَ دَابَّتَهُ حَتَّى دَخَلَ عَلَى سَعْدِ ابْنِ عُبَادَةَ فَقَالَ: «أَيْ سَعْدُ، أَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالَ أَبُو حُبَابٍ؟- يُرِيدُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أُبَيٍّ - قَالَ كَذَا

[6254] حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک گدھے پر سوار ہوئے جس پر پالان رکھا ہوا تھا اور نیچے فدک کی بنی ہوئی ایک مخملی چادر بچھی ہوئی تھی۔ آپ نے اپنے پیچھے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بٹھایا تھا اور آپ بنو حارث بن خزرج میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔ اور یہ غزوۂ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے۔ آپ ایک ایسی مجلس کے پاس سے گزرے جس میں مسلمان، بت پرست مشرک اور یہودی سب ہی شریک تھے۔ ان میں عبداللہ بن ابی ابن سلول بھی تھا۔ اس مجلس میں سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ جب مجلس پر سواری کا گرد و غبار پڑا تو عبداللہ بن ابی نے اپنی چادر سے اپنی ناک ڈھانپ لی اور کہنے لگا: ہمارے اوپر غبار نہ اڑاؤ۔ نبی ﷺ نے اہل مجلس کو سلام کیا اور وہاں رک گئے۔ آپ نے سواری سے اتر کر انھیں اللہ کے دین کی دعوت دی اور قرآن مجید کی تلاوت فرمائی۔ عبداللہ بن ابی کہنے لگا: اے آدمی! اس سے اچھی کوئی دوسری چیز نہیں ہے جو آپ کہتے ہیں۔ اگر یہ حق ہے تو ہماری مجالس میں آ کر ہماری اذیت کا باعث نہ بنو، اپنے گھر چلے جاؤ، جو کوئی ہم میں سے تمھارے پاس آئے اسے بیان کیا کرو۔ حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ ہماری مجالس میں تشریف لایا کریں کیونکہ ہم اسے پسند کرتے ہیں۔ پھر مسلمانوں، مشرکوں اور یہودیوں میں اس بات پر تو تو، میں میں ہونے لگی۔ قریب تھا کہ وہ آپس میں لڑ پڑیں۔ نبی ﷺ انھیں مسلسل خاموش کراتے رہے۔ جب وہ چپ ہو گئے تو آپ ﷺ

وَكَذَا»، قَالَ: اعْفُ عَنْهُ يَا رَسُولَ اللهِ وَاصْفَحْ، فَوَاللهِ لَقَدْ أَعْطَاكَ اللهُ الَّذِي أَعْطَاكَ، وَلَقَدِ اصْطَلَحَ أَهْلُ هٰذِهِ الْبَحْرَةِ عَلَى أَنْ يُتَوِّجُوهُ فَيُعَصِّبُونَهُ بِالْعِصَابَةِ، فَلَمَّا رَدَّ اللهُ ذٰلِكَ بِالْحَقِّ الَّذِي أَعْطَاكَ شَرِقَ بِذٰلِكَ، فَذٰلِكَ فَعَلَ بِهِ مَا رَأَيْتَ، فَعَفَا عَنْهُ النَّبِيُّ ﷺ.

اپنی سواری پر بیٹھ کر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے اور فرمایا: ''اے سعد! کیا تم نے سنا ہے آج ابوحباب نے کیا بات کہی ہے؟ اس نے یہ یہ باتیں کی ہیں؟ آپ کا اشارہ عبداللہ بن ابی کی طرف تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! اسے معاف کر دیں اور اس سے درگزر فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ کو دیا ہے وہ حق ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ اس بستی کے لوگ اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ اس کی تاج پوشی کریں اور اس کے سر پر سرداری کی پگڑی باندھیں، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اس منصوبے کو اس حق کی وجہ سے ختم کر دیا ہے جو اس نے آپ کو عطا فرمایا ہے تو یہ بھڑک اٹھا ہے، اسی وجہ سے اس نے یہ کردار ادا کیا ہے جو آپ نے مشاہدہ کیا ہے، چنانچہ نبی ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو معاف کر کے کمال دانائی اور دور اندیشی کی ایک شاندار روایت برقرار رکھی۔ اللہ تعالیٰ آپ پر ان گنت درود وسلام نازل فرمائے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا اس حدیث سے یہ مقصود معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی مجلس میں مسلمان اور کافر اکٹھے ہوں تو انھیں سلام کہا جا سکتا ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جب انسان کسی ایسی مجلس سے گزرے جہاں کافر اور مسلمان دونوں قسم کے لوگ موجود ہوں تو عام الفاظ سے سلام کیا جا سکتا ہے لیکن اس کی نیت مسلمانوں کو سلام کہنے کی ہو کیونکہ حدیث میں کافر اور اہل کتاب کو ابتداءً سلام کہنے سے منع کیا گیا ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں اس امر کی صراحت ہے۔[1] اور جواباً بھی صرف وعلیکم کہنے کا حکم ہے اگرچہ بعض اہل علم نے اس کے متعلق نرم گوشہ رکھا ہے اور بطور دلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سلام کا حوالہ دیا ہے جو انھوں نے گھر سے رخصت ہوتے وقت اپنے باپ کو کہا تھا۔[2] لیکن یہ سلام شرعی نہیں اور نہ بطور دعا ہی تھا بلکہ اسے ہمیشہ کے لیے چھوڑ دینے کے ارادے سے کہا تھا۔[3] والله أعلم.

(٢١) بَابُ مَنْ لَمْ يُسَلِّمْ عَلَى مَنِ اقْتَرَفَ ذَنْبًا، وَلَمْ يَرُدَّ سَلَامَهُ حَتَّى تَتَبَيَّنَ تَوْبَتُهُ، وَإِلَى مَتَى تَتَبَيَّنُ تَوْبَةُ الْعَاصِي؟

باب: 21- جس نے گناہ کے مرتکب کو سلام نہیں کیا اور نہ اس کی توبہ ظاہر ہونے تک اس کے سلام کا جواب دیا، نیز (اس کا بیان کہ) گناہ گار کی توبہ کتنے عرصے تک ظاہر ہو سکتی ہے؟

1 مسند أحمد: 143/4. 2 مريم 19: 47. 3 فتح الباري: 48/11.

وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو: لَا تُسَلِّمُوا عَلَى شَرَبَةِ الْخَمْرِ.

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا: شراب پینے والوں کو سلام نہ کہو۔

وضاحت: اس عنوان کے دو جز ہیں: ٭ فاسق اور بدعتی کو سلام نہ کیا جائے اور نہ اس کے سلام ہی کا جواب دیا جائے۔ ٭ گناہ گار کی توبہ کے ظاہر ہونے کے لیے کتنی مدت درکار ہے؟ توبہ کے ظہور کے لیے مدت کا تعین گناہ اور گناہ گار کے حالات و ظروف پر موقوف ہے محض توبہ کرنا کافی نہیں بلکہ اتنی مدت کا گزرنا ضروری ہے جس سے پتا چل جائے کہ گناہ کرنے والے نے واقعی توبہ کی ہے اور وہ اپنے کیے ہوئے پر نادم ہو، نیز وہ اس کے تدارک کے لیے کوشاں ہو۔ واللّٰہ أعلم. امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا ایک اثر بیان کیا ہے جسے انھوں نے خود ہی الادب المفرد (حدیث: 1017) میں متصل سند سے بیان کیا ہے لیکن اس کی سند میں عبیداللہ بن زحر راوی ضعیف ہے۔ بہر حال جو انسان ڈھٹائی کے ساتھ گناہ کرتا ہے اسے سلام کہنے یا اس کے سلام کا جواب دینے سے گریز کرنا چاہیے۔ واللّٰہ أعلم.

٦٢٥٥ - حَدَّثَنَا ابْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَعْبٍ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ كَعْبٍ قَالَ: سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ يُحَدِّثُ حِينَ تَخَلَّفَ عَنْ تَبُوكَ، وَنَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ كَلَامِنَا وَآتِي رَسُولَ اللهِ ﷺ فَأُسَلِّمُ عَلَيْهِ فَأَقُولُ فِي نَفْسِي: هَلْ حَرَّكَ شَفَتَيْهِ بِرَدِّ السَّلَامِ أَمْ لَا؟ حَتَّى كَمَلَتْ خَمْسُونَ لَيْلَةً، وَآذَنَ النَّبِيُّ ﷺ بِتَوْبَةِ اللهِ عَلَيْنَا حِينَ صَلَّى الْفَجْرَ. [راجع: ٢٧٥٧]

[6255] حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب وہ غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہو سکے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بات چیت کرنے کی ممانعت کر دی تھی، بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کرتا تھا پھر دل میں کہتا تھا کہ دیکھوں، آپ نے ہونٹ مبارک ہلائے ہیں یا نہیں؟ آخر پورے پچاس دن گزر گئے تو نبی ﷺ نے اللہ کی بارگاہ میں ہماری توبہ قبول کیے جانے کا اعلان نماز فجر پڑھنے کے بعد کیا۔

فوائد و مسائل: ① ابتلاء و آزمائش کا یہ عظیم واقعہ تھا جس سے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ دو چار ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کی اس دعوت جہاد کی اہمیت کے پیش نظر حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جیسے جاں نثار اور اسلام کے فدائی کے لیے قطعاً یہ مناسب نہ تھا کہ وہ اس موقع پر سستی کا مظاہرہ کرتے، جیسے وہ خود عظیم المرتبت تھے، ان کی کوتاہی کو بھی وہی درجہ دیا گیا، ان سے سلام و کلام ختم کر دیا گیا حتی کہ ان کے جگری دوست حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے سلام کا جواب نہ دیا اور ان سے بات کرنا بھی گوارا نہ کی۔ ② اگرچہ اسلام میں سلام عام کرنے کا حکم ہے لیکن جمہور اہل علم نے سلام کے اس عام حکم سے فاسق و فاجر کے ساتھ سلام و کلام ختم کرنے کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام نووی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اگر فاسق و فاجر سے کسی فتنہ و فساد کا اندیشہ ہو تو سلام کہنے یا سلام کا جواب دینے میں کوئی حرج نہیں اور سلام کرتے وقت یہ نیت کرے کہ سلام اللہ تعالیٰ کا نام

ہے، گویا وہ سلام کے وقت یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے۔[1] واللہ أعلم.

(٢٢) بَابٌ: كَيْفَ الرَّدُّ عَلَى أَهْلِ الذِّمَّةِ بِالسَّلَامِ؟

باب: 22- اہل ذمہ کو سلام کا جواب کیسے دیا جائے؟

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ کے عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل ذمہ کے سلام کا جواب دینا ممنوع نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ جب تمھیں سلام کیا جائے تو اچھا جواب دو یا کم از کم اس جیسا ہی کہہ دو۔[2] ابن بطال نے بعض علماء کے حوالے سے لکھا ہے کہ مذکورہ آیت کے پیش نظر اہل ذمہ کے سلام کا جواب دینا ضروری ہے۔[3] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب تمھیں کوئی سلام کہے تو اسے جواب دو اگرچہ وہ مجوسی ہو،[4] البتہ امام عطاء کہتے ہیں کہ مذکورہ آیت کریمہ اہل اسلام کے ساتھ خاص ہے، لہٰذا کافر کے سلام کا مطلق طور پر جواب نہ دیا جائے۔[5]

٦٢٥٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: دَخَلَ رَهْطٌ مِنَ الْيَهُودِ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالُوا: السَّامُ عَلَيْكَ، فَفَهِمْتُهَا فَقُلْتُ: عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَهْلًا يَا عَائِشَةُ، فَإِنَّ اللهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ»، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَوَ لَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا؟ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «فَقَدْ قُلْتُ: عَلَيْكُمْ». [راجع: ٢٩٣٥]

[6256] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ کچھ یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: السام علیک۔ ''تمھیں موت آئے۔'' میں ان کی بات سمجھ گئی، میں نے جواب میں کہا: تم پر موت اور لعنت ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہ! صبر و تحمل سے کام لیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام معاملات میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔'' میں نے کہا: اللہ کے رسول! کیا آپ نے نہیں سنا کہ انھوں نے کیا کہا تھا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے ان کا جواب ''علیکم'' سے دے دیا تھا، یعنی تم پر موت آئے۔''

فوائد ومسائل: ① یہ ایک خاص واقعہ ہے کہ یہودیوں نے بڑے بھونڈے الفاظ میں اپنے خبث باطن کا اظہار کیا تھا اور سلام کے بجائے کھلے طور پر بددعا کے الفاظ استعمال کیے تھے، اس لیے انھیں اسی طرح کا جواب دیا گیا، یعنی اگر تم ہماری موت چاہتے ہو تو ہم بھی تمھاری موت کے طالب ہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ کے جواب میں بھونڈا پن نہیں ہے جو یہودیوں کی طرف سے تھا۔ اگر کوئی غیر مسلم اچھے الفاظ میں دعا سلام کرتا ہے تو اس کا جواب بھی اچھا دینا چاہیے۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس لیے تنبیہ فرمائی تاکہ فحش گوئی ان کی عادت نہ بن جائے اور یہودیوں کو برا بھلا کہنے میں مبالغہ آمیزی سے کام نہ لیا جائے۔[6]

---

1 فتح الباري: 49/11. 2 النساء 4:86. 3 عمدة القاري: 371/15. 4 مسند أبي يعلى الموصلي: 100/3، رقم: 1530.

5 فتح الباري: 51/11. 6 فتح الباري: 53/11.

٦٢٥٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمُ الْيَهُودُ فَإِنَّمَا يَقُولُ أَحَدُهُمْ: اَلسَّامُ عَلَيْكَ، فَقُلْ: وَعَلَيْكَ».

[انظر: ٦٩٢٨]

[6257] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب یہودی تمھیں سلام کرتے ہیں تو ان میں سے کوئی السام علیك ''تم پر موت آئے'' ہی کہتا ہے، لہٰذا تم اس کے جواب میں صرف وعلیک کہو، یعنی تمھیں بھی ایسا ہی پیش آئے۔''

فائدہ: اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ صحابۂ کرام ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اہل کتاب ہمیں سلام کہتے ہیں تو ہم انھیں کس طرح جواب دیں؟ آپ نے فرمایا: ''تم انھیں ''وعلیکم'' کہا کرو۔'' یعنی السلام کا لفظ نہ بولا کرو۔[1] بلکہ حضرت انس ؓ سے مروی ایک حدیث میں مزید وضاحت ہے کہ ایک یہودی، رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا تو اس نے ''السام علیك'' کہا، یعنی آپ پر ہلاکت ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں صرف ''وعلیك'' کہا، یعنی تجھ پر بھی، پھر آپ ﷺ نے صحابۂ کرام ؓ سے فرمایا: ''تمھیں معلوم ہے کہ اس نے کیا کہا تھا؟ اس نے ''السام علیك'' کہا تھا۔'' صحابۂ کرام ؓ نے عرض کی: ہم اسے قتل نہ کر دیں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ جب تم پر اہل کتاب اس انداز سے سلام کہیں تو تم جواب میں ''وعلیکم'' کہہ دیا کرو۔''[2] اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ یہودی کو پکڑ کر پوچھا تو اس نے اس بات کا اقرار کر لیا تو آپ نے فرمایا: ''اس نے جو کہا تھا وہی اسے واپس کر دو۔''[3]

٦٢٥٨ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ: أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَنَسٍ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ فَقُولُوا: وَعَلَيْكُمْ». [انظر: ٦٩٢٦]

[6258] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب اہل کتاب تمھیں سلام کہیں تو تم اس کے جواب میں صرف ''وعلیکم'' کہو۔''

فوائد ومسائل: ① بعض دیگر احادیث میں کفار کے سلام کے جواب میں صرف ''علیکم'' آیا ہے، یعنی واؤ کے بغیر۔ بعض اہل علم نے واؤ عاطفہ اور اس کے بغیر سلام کا جواب دینے میں نکتہ آفرینی کی ہے، تاہم دونوں طرح صحیح ہے اور روایات اس کی تائید کرتی ہیں۔ بعض اوقات صحابۂ کرام ؓ کے سلام کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے بھی یہ انداز اختیار کیا ہے جیسا کہ مسیئ الصلاۃ نے جب آپ کو سلام کیا تو آپ نے ''وعلیك'' کہا تھا۔[4] ② اب یہ انداز اہل کتاب کو جواب دینے کے لیے مشہور ہو چکا ہے، اس لیے مسلمان کے جواب میں اس انداز کو اختیار نہیں کرنا چاہیے، چنانچہ حضرت انس ؓ کا بیان ہے: ''ہمیں

---

① سنن أبي داود، الأدب، حديث: 5207. ② صحيح البخاري، استتابة المرتدين، حديث: 6926. ③ الأدب المفرد، حديث: 1105. ④ جامع الترمذي، الاستئذان، حديث: 2692.

حکم دیا گیا تھا کہ اہل کتاب کے سلام کے جواب میں ''وعلیکم'' کے الفاظ پر کسی چیز کا اضافہ نہ کریں۔[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس امر کو بیان کیا ہے۔[2]

(٢٣) بَابُ مَنْ نَظَرَ فِي كِتَابِ مَنْ يُحْذَرُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ لِيَسْتَبِينَ أَمْرُهُ

باب: 23- جس نے حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے ایسے شخص کے خط کو پڑھا جس میں مسلمانوں کے خلاف کوئی بات لکھی تھی

وضاحت: کسی کا خط اجازت کے بغیر پڑھنا، گھر میں اجازت کے بغیر داخل ہونے کے مترادف ہے، اس لیے کسی کے خط کو اس کی اجازت کے بغیر پڑھنا شرعاً جائز نہیں۔ اس سلسلے میں ایک حدیث بھی مروی ہے اگرچہ وہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہے، تاہم اس کے معنی صحیح ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے بھائی کے مکتوب میں بلا اجازت نظر ڈالتا ہے وہ آگ میں نظر ڈالتا ہے۔''[3] امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک استثنائی صورت بیان کی ہے کہ اگر کوئی مصلحت کسی کے خط کو بلا اجازت دیکھنے سے وابستہ ہے تو ایسے خط کو اجازت کے بغیر پڑھا جا سکتا ہے لیکن بلاوجہ اس قسم کی عادت اختیار کرنا قطعاً مستحسن نہیں۔ اس کی مزید وضاحت درج ذیل حدیث میں ہے۔

٦٢٥٩ - حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ بُهْلُولٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ: حَدَّثَنِي حُصَيْنُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ وَالزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَّامِ وَأَبَا مَرْثَدٍ الْغَنَوِيَّ وَكُلُّنَا فَارِسٌ فَقَالَ: «انْطَلِقُوا حَتَّى تَأْتُوا رَوْضَةَ خَاخٍ فَإِنَّ بِهَا امْرَأَةً مِنَ الْمُشْرِكِينَ مَعَهَا صَحِيفَةٌ مِنْ حَاطِبِ بْنِ أَبِي بَلْتَعَةَ إِلَى الْمُشْرِكِينَ»، قَالَ: فَأَدْرَكْنَاهَا تَسِيرُ عَلَى جَمَلٍ لَهَا حَيْثُ قَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ، قَالَ: قُلْنَا: أَيْنَ الْكِتَابُ الَّذِي مَعَكِ؟ قَالَتْ: مَا مَعِي كِتَابٌ، فَأَنَخْنَا بِهَا فَابْتَغَيْنَا فِي رَحْلِهَا فَمَا

[6259] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ ہم تینوں گھوڑوں پر سوار تھے۔ آپ نے فرمایا: ''تم جاؤ اور روضۂ خاخ پہنچو، وہاں تمھیں ایک مشرکہ عورت ملے گی۔ اس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کا ایک خط ہے جو انھوں نے مشرکین کے نام لکھا ہے۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نے وہاں ایک عورت کو پا لیا جو اپنے اونٹ پر سوار ہو کر جا رہی تھی۔ وہ ہمیں اسی مقام پر ملی جہاں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ ہم نے اس سے کہا: جو خط تم اپنے ساتھ لے جا رہی ہو وہ کہاں ہے؟ اس نے کہا: میرے پاس کوئی خط نہیں۔ ہم نے اس کے اونٹ کو بٹھایا اور اس کے کجاوے میں اسے تلاش کرنا

[1] مسند أحمد: 113/3. [2] فتح الباري: 56/13. [3] سنن أبي داود، الوتر، حديث: 1485.

وَجدْنَا شَيْئًا. قَالَ صَاحِبَايَ: مَا نَرَى كِتَابًا، قَالَ: قُلْتُ: لَقَدْ عَلِمْتُ مَا كَذَبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، وَالَّذِي يُحْلَفُ بِهِ لَتُخْرِجِنَّ الْكِتَابَ أَوْ لَأُجَرِّدَنَّكِ، قَالَ: فَلَمَّا رَأَتِ الْجِدَّ مِنِّي أَهْوَتْ بِيَدِهَا إِلَى حُجْزَتِهَا وَهِيَ مُحْتَجِزَةٌ بِكِسَاءٍ فَأَخْرَجَتِ الْكِتَابَ، قَالَ: فَانْطَلَقْنَا بِهِ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «مَا حَمَلَكَ يَا حَاطِبُ عَلَى مَا صَنَعْتَ؟» قَالَ: مَا بِي إِلَّا أَنْ أَكُونَ مُؤْمِنًا بِاللهِ وَرَسُولِهِ، وَمَا غَيَّرْتُ وَلَا بَدَّلْتُ، أَرَدْتُ أَنْ تَكُونَ لِي عِنْدَ الْقَوْمِ يَدٌ يَدْفَعُ اللهُ بِهَا عَنْ أَهْلِي وَمَالِي، وَلَيْسَ مِنْ أَصْحَابِكَ هُنَاكَ إِلَّا وَلَهُ مَنْ يَدْفَعُ اللهُ بِهِ عَنْ أَهْلِهِ وَمَالِهِ. قَالَ: «صَدَقَ، فَلَا تَقُولُوا لَهُ إِلَّا خَيْرًا»، قَالَ: فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: إِنَّهُ قَدْ خَانَ اللهَ وَرَسُولَهُ وَالْمُؤْمِنِينَ، فَدَعْنِي فَأَضْرِبَ عُنُقَهُ، قَالَ: فَقَالَ: «يَا عُمَرُ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللهَ قَدِ اطَّلَعَ عَلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ: اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ وَجَبَتْ لَكُمُ الْجَنَّةُ؟». قَالَ: فَدَمَعَتْ عَيْنَا عُمَرَ وَقَالَ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. [راجع: ٣٠٠٧]

شروع کر دیا لیکن تلاش بسیار کے باوجود وہ دستیاب نہ ہو سکا۔ میرے دونوں ساتھیوں نے کہا کہ ہمیں تو کوئی خط وغیرہ نظر نہیں آیا۔ میں نے کہا: مجھے یقین ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غلط بات نہیں کہی، اس ذات کی قسم جس کے نام پر قسم اٹھائی جاتی ہے! تم خط نکالو بصورت دیگر ہم تجھے ننگا کر کے خط برآمد کریں گے۔ جب اس عورت نے دیکھا کہ میں اپنے عزم میں پختہ ہوں تو اس نے ازار باندھنے کی جگہ پر اپنا ہاتھ بڑھایا جبکہ وہ چادر باندھے ہوئے تھی اور خط نکال کر دے دیا۔ حضرت علی ؓ نے کہا: ہم وہ خط لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے حاطب! تم نے ایسا کیوں کیا؟'' انھوں نے عرض کی: میں اب بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہوں، میرے اندر کوئی تغیر وتبدیلی نہیں آئی۔ میرا مقصد صرف یہ تھا کہ میرا اہل مکہ پر کچھ احسان ہو جائے تاکہ اس کے سبب اللہ تعالیٰ میرے اہل و عیال اور مال و متاع کی نگرانی فرمائے۔ آپ کے جتنے اصحاب ہیں، ان کے مکہ مکرمہ میں ایسے افراد موجود ہیں جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ان کے مال اور اہل وعیال کی حفاظت فرماتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس نے سچ کہا ہے، اب تم لوگ اس کے متعلق بھلائی اور خیرسگالی کے علاوہ کچھ نہ کہو۔'' یہ سن کر حضرت عمر ؓ نے کہا: اس شخص نے اللہ، اس کے رسول اور اہل ایمان سے خیانت کی ہے۔ آپ مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن اڑا دوں۔ آپ نے فرمایا: اے عمر! تمھیں کیا معلوم، یقیناً اللہ تعالیٰ اہل بدر کی زندگی پر مطلع تھا، اس کے باوجود اس نے کہا: تم جو چاہو کرو، تمھارے لیے جنت واجب ہو چکی ہے۔'' اس پر حضرت عمر ؓ کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں اور انھوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی بہتر

جانتے ہیں۔

فوائدومسائل: ① حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی صاف گوئی نے سارا معاملہ ہی صاف کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک اہم دلیل پیش کر کے حضرت عمر اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مطمئن کر دیا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ اگرچہ کسی کا خط بلا اجازت پڑھنا بہت بڑی خیانت ہے لیکن اگر کسی خط میں مسلمانوں کی غیبت ہو یا ان کے خلاف سازش کی گئی ہو تو ایسا خط بلا اجازت پڑھنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ایسے حالات میں خط اور خط والے کا کوئی احترام نہیں۔ ③ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دشمن کی عورت کو کسی اہم ضرورت کے پیش نظر برہنہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

(٢٤) بَابٌ: كَيْفَ يُكْتَبُ الْكِتَابُ إِلَى أَهْلِ الْكِتَابِ؟

باب: 24- اہل کتاب کو کس انداز سے خط لکھا جائے؟

٦٢٦٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ: أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ بْنَ حَرْبٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ هِرَقْلَ أَرْسَلَ إِلَيْهِ فِي نَفَرٍ مِنْ قُرَيْشٍ - وَكَانُوا تِجَارًا بِالشَّأْمِ - فَأَتَوْهُ - فَذَكَرَ الْحَدِيثَ - قَالَ: ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقُرِئَ فَإِذَا فِيهِ: «بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللهِ وَرَسُولِهِ إِلَى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ، السَّلَامُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى، أَمَّا بَعْدُ». [راجع: ٧]

[6260] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ نے انھیں بتایا کہ ہرقل نے قریش کے چند افراد کے ساتھ انھیں بھی بلا بھیجا۔ یہ حضرات شام کے علاقے میں بغرض تجارت گئے تھے، چنانچہ سب لوگ ہرقل کے پاس آئے، پھر پورا واقعہ بیان کیا۔ اس کے بعد اس (ہرقل) نے رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک منگوایا اور اسے پڑھا گیا۔ خط کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''یہ خط محمد ﷺ کی طرف سے، جو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے، روم کے بادشاہ ہرقل کی طرف ہے۔ سلام اس پر ہو جو ہدایت کے راستے پر چلنے والا ہے۔ اما بعد!''

فوائدومسائل: ① خط لکھنے کا یہ انداز رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک کا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خط کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہونا چاہیے، نیز کاتب کا نام پہلے اور مکتوب الیہ کا نام بعد میں لکھا جائے۔ ② یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک خاص انداز سے اہل کتاب کو خط لکھتے وقت سلام لکھا جا سکتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے لکھا کہ سلام اس شخص پر ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔ مطلق طور پر اہل کتاب کو سلام میں پہل نہیں کرنی چاہیے بلکہ ہدایت کی اتباع اور حق سے تمسک کے ساتھ مشروط کر کے سلام لکھا جائے۔[1]

1 فتح الباري: 56/11.

(٢٥) بَابُ بِمَنْ يُبْدَأُ فِي الْكِتَابِ

باب:25- خط کا آغاز کس نام سے کیا جائے؟

وضاحت: خط لکھتے وقت کس کا نام پہلے لکھا جائے، لکھنے والے کا یا مکتوب الیہ کا؟ مسنون یہ ہے کہ لکھنے والے کا نام پہلے اور مکتوب الیہ کا نام بعد میں لکھا جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے شاہانِ عجم کے نام خط لکھتے وقت یہ اسلوب اختیار کیا تھا: ''مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِاللّٰهِ وَ رَسُولِهِ إِلٰى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ.''

٦٢٦١ - وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: أَنَّهُ ذَكَرَ رَجُلًا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَخَذَ خَشَبَةً فَنَقَرَهَا فَأَدْخَلَ فِيهَا أَلْفَ دِينَارٍ وَصَحِيفَةً مِنْهُ إِلَى صَاحِبِهِ.

[6261] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر کیا کہ اس نے ایک لکڑی لے کر اسے کریدا، پھر اس میں ایک ہزار دینار رکھے اور اپنے قرض خواہ کے نام ایک خط لکھ کر بھی رکھ دیا۔

وَقَالَ عُمَرُ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «نَجَرَ خَشَبَةً فَجَعَلَ الْمَالَ فِي جَوْفِهَا وَكَتَبَ إِلَيْهِ صَحِيفَةً مِنْ فُلَانٍ إِلَى فُلَانٍ». [راجع: ١٤٩٨]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اس نے ایک لکڑی میں سوراخ کیا، پھر اس کے اندر مال رکھ دیا اور ایک خط بھی لکھ کر اس میں رکھ دیا کہ یہ فلاں کی طرف سے فلاں کو ملے۔''

فوائد ومسائل: ① امام بخاری ؒ کا محل استدلال یہ لفظ ہے: ''مِنْ فُلَانٍ إِلٰى فُلَانٍ'' یعنی خط کا آغاز لکھنے والے کے نام سے ہو، پھر مکتوب الیہ جس کو خط لکھا گیا ہو کا نام لکھا جائے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت ابوالعلاء بن حضرمی ؓ نے رسول اللہ ﷺ کو خط لکھا تو انھوں نے اپنے نام سے خط کا آغاز کیا۔[1] ② حضرت زید بن ثابت ؓ سے اس کے برعکس بھی ثابت ہے، چنانچہ وہ سیدنا امیر معاویہ ؓ کو خط لکھتے تو آغاز سیدنا امیر معاویہ ؓ سے کرتے: ''لِعَبْدِ اللّٰهِ مُعَاوِيَةَ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ مِنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ''[2] اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر ؓ جب عبدالملک کو خط لکھتے تو درج ذیل انداز اختیار کرتے: ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ لِعَبْدِ الْمَلِكِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ مِنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ.'' ③ حافظ ابن حجر ؒ نے امام مہلب کے حوالے سے لکھا ہے کہ خط لکھتے وقت انسان کو اپنے نام سے شروع کرنا چاہیے۔[3] رسول اللہ ﷺ کے جملہ خطوط میں یہی انداز اختیار کیا گیا ہے۔ واللّٰه أعلم.

① سنن أبي داود، الأدب، حديث: 5135. ② الأدب المفرد، حديث: 1122. ③ فتح الباري: 11/58.

(٢٦) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «قُومُوا إِلَى سَيِّدِكُمْ»

باب:26- نبی ﷺ کے ارشاد گرامی: "اپنے سردار کو لینے کے لیے اٹھو" کا بیان

٦٢٦٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ: أَنَّ أَهْلَ قُرَيْظَةَ نَزَلُوا عَلَى حُكْمِ سَعْدٍ، فَأَرْسَلَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَيْهِ فَجَاءَ، فَقَالَ: «قُومُوا إِلَى سَيِّدِكُمْ - أَوْ قَالَ: خَيْرِكُمْ -»، فَقَعَدَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «هٰؤُلَاءِ نَزَلُوا عَلَى حُكْمِكَ» قَالَ: فَإِنِّي أَحْكُمُ أَنْ تُقْتَلَ مُقَاتِلَتُهُمْ وَتُسْبَى ذَرَارِيُّهُمْ، فَقَالَ: «لَقَدْ حَكَمْتَ بِمَا حَكَمَ بِهِ الْمَلِكُ».

[6262] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل قریظہ، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ثالث بنانے پر تیار ہو گئے تو نبی ﷺ نے انھیں پیغام بھیجا۔ جب وہ آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنے سردار یا اپنی بہتر شخصیت کو لینے کے لیے اٹھو۔" بہرحال وہ نبی ﷺ کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ لوگ (بنو قریظہ کے یہودی) تمھارے فیصلے پر راضی ہو کر قلعے سے اتر آئے ہیں۔" حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: میں یہ فیصلہ دیتا ہوں کہ ان میں سے جو جنگجو ہیں، انھیں قتل کر دیا جائے اور ان کے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنا لیا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "آپ نے وہی فیصلہ کیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے کیا تھا۔"

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: أَفْهَمَنِي بَعْضُ أَصْحَابِي عَنْ أَبِي الْوَلِيدِ مِنْ قَوْلِ أَبِي سَعِيدٍ «إِلَى حُكْمِكَ». [راجع: ٣٠٤٣]

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے کہا: میرے بعض ساتھیوں نے ابوالولید کے واسطے سے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کے قول سے إِلٰى حُكْمِكَ تک بیان کیا ہے، یعنی شروع سے لے کر إِلٰى حُكْمِكَ تک روایت نقل کی ہے بعد والا حصہ نہیں۔

فوائد ومسائل: ① حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ قبیلۂ اوس کے سردار تھے اور یہ قبیلۂ بنوقریظہ کا حلیف تھا جبکہ انصار کا دوسرا قبیلہ خزرج بنونضیر کا حلیف تھا۔ چونکہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بنوقریظہ کے حلیف تھے، اس لیے انھوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ثالث بنایا۔ ② غزوۂ احزاب میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ تیر لگنے سے زخمی ہو گئے تھے، اس لیے وہ گدھے پر سوار ہو کر فیصلہ کرنے کے لیے آئے۔ ان حالات میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو جاؤ اور انھیں آرام کے ساتھ سواری سے اتارو۔" امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث میں کسی کی آمد پر احتراماً کھڑے ہونے کی شرعی حیثیت بیان کی ہے۔ ہمارے رجحان کے مطابق قیام، یعنی کھڑے ہونے کی تین قسمیں ہیں: * قیام لَهٗ: کوئی بڑا آدمی آئے اور بیٹھے ہوئے لوگ اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو جائیں، پھر جب وہ اجازت دے یا خود بیٹھ جائے تو دوسرے بیٹھیں۔ اس قسم کی تعظیم بجالانا ایک عجمی انداز ہے جس سے رسول اللہ ﷺ

نے منع فرمایا ہے، حدیث میں ہے: ''جو شخص یہ پسند کرتا ہو کہ لوگ اس کے لیے سراپا کھڑے رہیں تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔''[1] ✱ قیام علیہ: بڑا آدمی بیٹھا ہوا ہو اور لوگ دست بستہ، یعنی ہاتھ باندھے اس کے احترام میں کھڑے رہیں اور بڑا آدمی اس انداز سے کھڑے رہنے کو اپنی عظمت خیال کرتا ہو، ایسا کرنا بھی ناجائز اور حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''اہل فارس اور اہل روم اپنے بادشاہوں کے لیے دست بستہ کھڑے رہتے ہیں جبکہ وہ بیٹھے ہوتے ہیں، ایسا مت کیا کرو۔''[2] ✱ قیام الیہ: آگے بڑھ کر استقبال کرنا۔ شریعت نے اسے جائز قرار دیا ہے، چنانچہ سیدہ فاطمہ ؓ جب بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس آتیں تو آپ ﷺ آگے بڑھ کر ان کا استقبال کرتے اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی جب کبھی ان کے ہاں جاتے تو وہ بھی آپ کا آگے بڑھ کر استقبال کرتیں۔[3] رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد ؓ کے متعلق جو انصار سے فرمایا تھا تو اس کا مطلب بھی آگے بڑھ کر ان کا استقبال کرنا اور انھیں سواری سے اترنے میں مدد دینا تھا جیسا کہ ایک روایت میں اس کی صراحت ہے۔[4] ③ ہمارے ہاں سکولوں میں اساتذہ کی آمد پر لڑکوں اور لڑکیوں کا کھڑے ہونا اور حکم عدولی کرنے والے کو سزا دینا قیام، یعنی کھڑے ہونے کی پہلی قسم ہے جو شرعاً جائز نہیں۔ اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

(٢٧) بَابُ الْمُصَافَحَةِ

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: عَلَّمَنِي النَّبِيُّ ﷺ التَّشَهُّدَ وَكَفِّي بَيْنَ كَفَّيْهِ. وَقَالَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ: دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فَإِذَا بِرَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَامَ إِلَيَّ طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ يُهَرْوِلُ حَتَّى صَافَحَنِي وَهَنَّأَنِي.

باب: 27- مصافحہ کا بیان

حضرت ابن مسعود ؓ نے کہا کہ نبی ﷺ نے مجھے تشہد کی تعلیم دی جبکہ میری ہتھیلی، آپ ﷺ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی۔ حضرت کعب بن مالک ؓ نے کہا: میں مسجد میں داخل ہوا تو رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف فرما تھے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ ؓ میرے پاس دوڑتے ہوئے آئے، انھوں نے مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے مبارکباد دی۔

وضاحت: ملاقات کے وقت محبت اور احترام کے اظہار کے لیے سلام کے علاوہ مصافحہ بھی مسنون ہے جو عموماً سلام کے ساتھ اور اس کے بعد ہوتا ہے اور اس سے سلام کے مقاصد کی تکمیل ہوتی ہے جیسا کہ حضرت براء بن عازب ؓ کا فرمان ہے: سلام کی تکمیل مصافحہ کرنے سے ہوتی ہے۔[5] کچھ اہل علم سے مصافحہ کرنے کی کراہت منقول ہے، اس لیے امام بخاری ؒ نے ان کی تردید کرتے ہوئے اس کی مشروعیت کو بیان کیا ہے۔ محدثین کے ہاں پڑھنے پڑھانے کے وقت وقار واحترام کے جذبات سے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑنا بھی مصافحے کی ایک صورت ہے، اس لیے امام بخاری ؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی حدیث بیان کی ہے۔ حضرت کعب بن مالک ؓ کی حدیث کو امام بخاری ؒ نے دوسرے مقام پر متصل سند سے بیان کیا

---

1 جامع الترمذي، الاستيذان، حديث: 2755. 2 صحيح مسلم، الصلاة، حديث: 928 (413). 3 سنن أبي داود، الأدب، حديث: 5217. ④ مسند أحمد: 6/142,141. 5 الأدب المفرد، حديث: 968.

ہے۔[1] خود رسول اللہ ﷺ سے بھی مصافحہ کا عمل ثابت ہے۔[2]

٦٢٦٣ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ: قُلْتُ لِأَنَسٍ: أَكَانَتِ الْمُصَافَحَةُ فِي أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ؟ قَالَ: نَعَمْ.

[6263] حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا نبی ﷺ کے صحابۂ کرام میں مصافحہ (کرنے کا دستور) تھا؟ انھوں نے فرمایا: ہاں۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ملاقات کے وقت مصافحہ کرنے کا عمل ثابت ہوتا ہے کہ جب وہ آپس میں ملتے تھے تو مصافحہ کرتے تھے۔ حدیث میں اس کی بہت فضیلت بیان ہوئی ہے، چنانچہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی دو مسلمان ملاقات کرتے اور پھر مصافحہ کرتے ہیں تو جدا ہونے سے پہلے ہی ان دونوں کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔''[3] ② بہر حال مسلمانوں کا ایک دوسرے کے ساتھ خوشی سے ملنا اور مصافحہ کرنا آپس میں محبت کے اضافے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مصافحے کے اس عمومی عمل سے اجنبی عورت اور خوبصورت بے ریش لڑکا مستثنیٰ ہے۔ اس سے مصافحہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس سے بے شمار فتنے جنم لیتے ہیں۔[4]

٦٢٦٤ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي حَيْوَةُ: قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو عَقِيلٍ زُهْرَةُ بْنُ مَعْبَدٍ: سَمِعَ جَدَّهُ عَبْدَ اللهِ بْنَ هِشَامٍ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ. [راجع: ٣٦٩٤]

[6264] حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نبی ﷺ کے ہمراہ تھے جبکہ آپ ﷺ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے دوسرے مقام پر اس حدیث کو مفصل طور پر بیان کیا ہے۔[5] اہل لغت نے مصافحہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: مصافحہ، باب مُفاعَلَہ سے ہے۔ اس سے مراد ہتھیلی کا اندرونی حصہ دوسرے کی ہتھیلی کے اندرونی حصے سے ملانا ہے۔[6] امام بخاری رحمہ اللہ کی پیش کردہ حدیث سے بھی یہی صورت سامنے آتی ہے کیونکہ جب ہاتھ پکڑا جاتا ہے تو ایک ہاتھ کی ہتھیلی دوسرے کی ہتھیلی سے مل جاتی ہے۔[7] ② رسول اللہ ﷺ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو پکڑنا مصافحہ ہی کی ایک صورت ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو مصافحہ کے عنوان کے تحت بیان کیا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں اس کی

---

1 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4418. 2 سنن أبي داود، الأدب، حديث: 5214. 3 سنن أبي داود، الأدب، حديث: 5212. 4 فتح الباري: 66/11. 5 صحيح البخاري، الأيمان والنذور، حديث: 6632. 6 النهاية: 43/3. 7 فتح الباري: 67/11.

مزید وضاحت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں اور ان میں ایک، اپنے دوسرے ساتھی کا ہاتھ پکڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ ان کی دعاؤں پر توجہ دے اور ان کے ہاتھ الگ الگ ہونے سے پہلے پہلے انھیں معاف کر دے۔“[1]

(۲۸) بَابُ الْأَخْذِ بِالْيَدَيْنِ

باب: 28- دونوں ہاتھوں کو پکڑنا

وَصَافَحَ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ابْنَ الْمُبَارَكِ بِيَدَيْهِ.

حضرت حماد بن زید نے حضرت عبداللہ بن مبارک سے دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کیا تھا۔

وضاحت: اس عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کی طرف ہے کیونکہ انھوں نے اس کے بعد حماد بن زید کا عمل پیش کیا ہے کہ انھوں نے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کیا اگرچہ ہم اہل حدیث ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کو مسنون خیال کرتے ہیں، جس کی تفصیل آئندہ بیان ہوگی۔ واللہ أعلم. لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ بعض اوقات ہاتھوں کو پکڑنا معروف مصافحہ کے بغیر بھی ہوتا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے۔[2] لیکن اس توجیہ پر دل مطمئن نہیں ہوتا کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں حماد بن زید کا ایک عمل پیش کیا ہے جو مصافحے سے متعلق ہے۔ واللہ أعلم.

٦٢٦٥ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سَيْفٌ قَالَ: سَمِعْتُ مُجَاهِدًا يَقُولُ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ سَخْبَرَةَ أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ يَقُولُ: عَلَّمَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ - وَكَفِّي بَيْنَ كَفَّيْهِ - التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنِي السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ: «التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ، وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ»، وَهُوَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْنَا، فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا: السَّلَامُ - يَعْنِي -

[6265] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے تشہد سکھایا، اس وقت میرا ہاتھ آپ ﷺ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھا۔ یہ تشہد آپ نے اس انداز سے سکھایا جس طرح قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ (وہ یہ ہے): ”تمام زبانی، بدنی اور مالی عبادات اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں۔ اے نبی! آپ پر سلام، اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں، ہم پر سلام ہو اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“ آپ ﷺ اس وقت ہم میں موجود تھے، جب آپ وفات پا

[1] مسند أحمد: 142/3. [2] فتح الباري: 67/11.

عَلَى النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٨٣١]

گئے تو ہم (خطاب کے صیغے کے بجائے) اس طرح پڑھنے لگے: "السلام علی النبی ﷺ"

فوائد ومسائل: ① محدثین کے ہاں دوران تعلیم میں اگر استاد اپنے کسی شاگرد کا ہاتھ پکڑتا ہے تو یہ بھی مصافحہ کی ایک شکل ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث میں دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کو ثابت کیا ہے، لیکن اس میں افضل رتبے والے کے دونوں ہاتھ اور کم رتبے والے، یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک ہاتھ ہے، جبکہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کی مروجہ صورت یہ نہیں بلکہ اس کے لیے دونوں طرف سے دونوں ہاتھوں کا ہونا ضروری ہے۔ ② ہمارے رجحان کے مطابق دونوں جانب سے ایک ایک ہاتھ سے مصافحہ مسنون عمل ہے اگرچہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا ناجائز نہیں بلکہ ہم اس میں وسعت کے قائل ہیں اور ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کو مستحب کہتے ہیں جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ جب کسی سے ملتے اور مصافحہ کرنے کے بعد اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نہ کھینچتے حتی کہ وہ خود ہی اپنا ہاتھ کھینچ لیتا اور اپنا چہرہ بھی اس کی جانب سے نہ پھیرتے حتی کہ وہ خود ہی اپنا چہرہ پھیر لیتا۔[1] اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مجھے ملے جبکہ میں اس وقت جنبی تھا، آپ نے میری طرف ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا اور عرض کی: میں جنابت سے ہوں تو آپ نے فرمایا: ''مسلمان نجس نہیں ہوتا۔''[2] یہ حدیث نص قطعی کی حیثیت رکھتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ملاقات کے وقت مصافحے کے لیے اپنا ایک ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔ حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تم لوگ میری اس ہتھیلی کو دیکھتے ہو، میں نے اس ہتھیلی کو رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی پر رکھا تھا۔[3] یہ حدیث پہلے بیان ہو چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کا ہاتھ پکڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ ان کی دعاؤں پر توجہ دے اور ان کے ہاتھ علیحدہ ہونے سے پہلے انھیں معاف کر دے۔''[4] ③ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مسنون مصافحہ ایک ہاتھ سے ہے۔ اگرچہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا بھی جائز ہے لیکن اسے مسنون ہونے کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ واللہ أعلم.

(٢٩) بَابُ الْمُعَانَقَةِ، وَقَوْلِ الرَّجُلِ: كَيْفَ أَصْبَحْتَ؟

باب: 29- بغل گیر ہونا اور آدمی کا دوسرے سے پوچھنا کہ تم نے صبح کیسے کی؟

وضاحت: دلی محبت اور قلبی تعلق کا آخری اور پرجوش مظاہرہ گلے ملنا ہے۔ اسے شرعی اصطلاح میں معانقہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے یہ عمل بھی ثابت ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ اپنی لخت جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آئے، آپ ﷺ نے انھیں گلے لگایا اور بوسہ دیا۔[5] صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی اس کا معمول تھا، چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے ملک شام میں ملنے

---

[1] الزهد لابن المبارك، حديث: 392، وفتح الباري: 68/11. [2] شرح معاني الآثار للطحاوي: 13/1، حديث: 6. [3] مسند أحمد: 189/4. [4] مسند أحمد: 142/3. [5] صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2122.

گئے تو وہ ان کے گلے ملے۔[1] حضرت انس رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل بیان کیا ہے کہ جب وہ آپس میں ملتے تو مصافحہ کرتے اور جب سفر سے واپس آتے تو بغل گیر ہوتے۔[2] سلام، مصافحہ اور معانقہ کے بعد مزاج پرسی کرتے ہوئے کَیْفَ أَصْبَحْتَ (تمھارا کیا حال ہے؟) کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی مزاج پرسی کرتے تو کَیْفَ أَصْبَحْتَ اور کَیْفَ أَمْسَیْتَ کہتے۔[3] امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی تالیف الأدب المفرد میں معانقے اور مزاج پرسی کے متعلق دو الگ الگ عنوان قائم کیے ہیں، ملاحظہ ہوں: (باب: 442 اور باب: 529)

٦٢٦٦ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا بِشْرُ بْنُ شُعَيْبٍ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ كَعْبٍ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَلِيًّا - يَعْنِي ابْنَ أَبِي طَالِبٍ - خَرَجَ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ ﷺ ح: وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ: حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ: حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ خَرَجَ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ ﷺ فِي وَجَعِهِ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ، فَقَالَ النَّاسُ: يَا أَبَا حَسَنٍ، كَيْفَ أَصْبَحَ رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ قَالَ: أَصْبَحَ بِحَمْدِ اللهِ بَارِئًا، فَأَخَذَ بِيَدِهِ الْعَبَّاسُ فَقَالَ: أَلَا تَرَاهُ؟ أَنْتَ وَاللهِ بَعْدَ ثَلَاثٍ عَبْدُ الْعَصَا، وَاللهِ إِنِّي لَأُرَى رَسُولَ اللهِ ﷺ سَيُتَوَفَّى فِي وَجَعِهِ، وَإِنِّي لَأَعْرِفُ فِي وُجُوهِ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ الْمَوْتَ، فَاذْهَبْ بِنَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَنَسْأَلَهُ فِيمَنْ يَكُونُ الْأَمْرُ، فَإِنْ كَانَ فِينَا عَلِمْنَا ذٰلِكَ، وَإِنْ كَانَ فِي غَيْرِنَا أَمَرْنَاهُ فَأَوْصَى بِنَا. قَالَ عَلِيٌّ: وَاللهِ لَئِنْ سَأَلْنَاهَا رَسُولَ اللهِ ﷺ فَمَنَعَنَاهَا لَا يُعْطِينَاهَا النَّاسُ أَبَدًا، وَإِنِّي لَا

[6266] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس سے باہر آئے۔ یہ اس مرض کا واقعہ ہے جس میں آپ ﷺ کی وفات ہوئی تھی۔ لوگوں نے پوچھا: ابوالحسن! رسول اللہ ﷺ نے صبح کیسے کی؟ انھوں نے بتایا کہ الحمد للہ! آپ ﷺ نے اچھے حال میں صبح کی ہے۔ اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: کیا تم آپ ﷺ کو دیکھتے نہیں ہو؟ اللہ کی قسم! تین دن کے بعد تمھیں لاٹھی کا بندہ بننا پڑے گا۔ اللہ کی قسم! میں سمجھتا ہوں کہ آپ اس مرض میں وفات پا جائیں گے۔ میں بنو عبدالمطلب کے چہروں پر موت کے اثرات کو خوب پہچانتا ہوں، لہٰذا تم ہمارے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس چلو تاکہ ہم آپ سے دریافت کر لیں کہ آپ کے بعد خلافت کس کے ہاتھ میں ہوگی۔ اگر ہمارے پاس ہوگی تو ہمیں اس کا علم ہو جائے گا اور اگر ہمارے علاوہ کسی اور کے ہاتھ میں ہو تو ہم آپ سے عرض کریں گے کہ آپ ہمارے بارے میں کچھ وصیت کر دیں۔ حضرت علی نے کہا: اللہ کی قسم! اگر ہم نے رسول اللہ ﷺ سے خلافت کی درخواست کی اور آپ نے انکار کر دیا تو لوگ ہمیں کبھی خلافت نہیں دیں گے، اس لیے میں تو رسول اللہ ﷺ سے کبھی اس قسم کا سوال نہیں کروں گا۔

---

① مسند أحمد: 495/3. ② الترغيب والترهيب، حديث: 2719. ③ الأدب المفرد، حديث: 1129.

أَسْأَلُهَا رَسُولَ اللهِ ﷺ أَبَدًا . [راجع: ٤٤٤٧]

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کی عنوان سے مطابقت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے كَيْفَ أَصْبَحَ کے الفاظ سے رسول اللہ ﷺ کی مزاج پرسی کی اور انھوں نے "بِحَمْدِ للهِ بَارِئًا" کہہ کر جواب دیا، لیکن اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دو آدمی جب ملاقات کریں تو ایک دوسرے سے کہے كَيْفَ أَصْبَحْتَ (تو نے صبح کیسے کی؟)، البتہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الأدب المفرد کے حوالے سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کی گئی: كَيْفَ أَصْبَحْتَ (آپ نے صبح کیسے کی؟) تو آپ نے فرمایا: "میں خیریت سے ہوں۔"[1] لیکن اس میں معانقے کا ذکر نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ عربوں کی عادت سے اس بات کو اخذ کیا گیا ہو، چنانچہ وہ معانقہ کرنے کے بعد كَيْفَ أَصْبَحْتَ کے الفاظ سے مزاج پرسی کرتے تھے۔ واللّٰہ أعلم. ② بہرحال معانقے کا ثبوت دیگر احادیث سے ملتا ہے، چنانچہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ اس وقت اپنی چارپائی پر تشریف فرما تھے تو آپ نے مجھ سے معانقہ فرمایا۔[2] اسی طرح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے متعلق حدیث میں ہے کہ جب وہ مدینہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے معانقہ فرمایا اور انھیں بوسہ دیا۔[3] لیکن یہ دونوں حدیثیں سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں۔[4]

(٣٠) بَابُ مَنْ أَجَابَ بِلَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ

باب: 30- جس نے لبيك و سعديك کے الفاظ سے جواب دیا

وضاحت: کسی شخص کے بلانے پر لَبَّيْكَ اور سَعْدَيْكَ کے الفاظ کہنا جائز ہے۔ ان کے معانی ہیں: میں خدمت کے لیے حاضر و مستعد ہوں اور اسے اپنے لیے باعث سعادت سمجھتا ہوں۔

٦٢٦٧ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ : حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، عَنْ مُعَاذٍ قَالَ : أَنَا رَدِيفُ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ : «يَا مُعَاذُ»، قُلْتُ : لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ - ثُمَّ قَالَ مِثْلَهُ ثَلَاثًا -: «هَلْ تَدْرِي مَا حَقُّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ؟»، قُلْتُ : لَا ، قَالَ : «حَقُّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا»، ثُمَّ سَارَ سَاعَةً فَقَالَ : «يَا مُعَاذُ»، قُلْتُ : لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ ، قَالَ : «هَلْ

[6267] حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نبی ﷺ کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا، آپ نے آواز دی: "اے معاذ!" میں نے عرض کی: میں حاضر ہوں اور آپ کی خدمت کے لیے مستعد ہوں۔ پھر آپ نے تین مرتبہ مجھے اسی طرح مخاطب کیا، اس کے بعد فرمایا: "تمھیں معلوم ہے کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟" میں نے کہا: نہیں۔ پھر آپ نے خود ہی فرمایا: "اللہ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ بندے صرف اسی کی عبادت کریں اور اس

1 فتح الباري: 71/11. 2 مسند أحمد: 162/5. 3 جامع الترمذي، الاستئذان، حديث: 2732. 4 فتح الباري: 71/11.

تَدْرِي مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ إِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ؟ أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ».

کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔" پھر تھوڑی دیر چلتے رہے اور فرمایا: "اے معاذ!" میں نے عرض کی: میں حاضر ہوں اور آپ کی خدمت کے لیے مستعد ہوں۔ آپ نے فرمایا: "کیا تمھیں معلوم ہے کہ اللہ پر بندوں کا کیا حق ہے جب وہ یہ کرلیں؟ کہ وہ انھیں عذاب نہ دے۔"

حَدَّثَنَا هُدْبَةُ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ، عَنْ مُعَاذٍ بِهٰذَا. [راجع: ٢٨٥٦]

امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا کہ ہدبہ نے بھی ہمام کے واسطے سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث ہم سے بیان کی۔

فوائدومسائل: ① اس حدیث میں توحید اختیار کرنے پر بہت بڑی بشارت دی گئی ہے اور شرک کرنے کی مذمت کی گئی ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے جواب سے امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان ثابت کیا ہے۔ ② اللہ تعالیٰ پر حق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے اس بات کو اپنے ذمے لے لیا ہے بصورت دیگر اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں، وہ جو چاہے کر گزرتا ہے۔ اس کی مرضی کے خلاف کسی کو دم مارنے کی جرأت نہیں ہے۔ جو لوگ بحق فلاں بحق فلاں کہہ کر دعا کرتے ہیں، ان کا یہ طریقہ غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق واجب نہیں ہے۔

٦٢٦٨ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ وَهْبٍ: حَدَّثَنَا وَاللهِ أَبُو ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ قَالَ: كُنْتُ أَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي حَرَّةِ الْمَدِينَةِ عِشَاءً، اسْتَقْبَلَنَا أُحُدٌ، فَقَالَ: «يَا أَبَا ذَرٍّ، مَا أُحِبُّ أَنَّ أُحُدًا لِي ذَهَبًا، تَأْتِي عَلَيَّ لَيْلَةٌ أَوْ ثَلَاثٌ عِنْدِي مِنْهُ دِينَارٌ إِلَّا أَرْصُدُهُ لِدَيْنٍ، إِلَّا أَنْ أَقُولَ بِهِ فِي عِبَادِ اللهِ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا» - وَأَرَانَا بِيَدِهِ - ثُمَّ قَالَ: «يَا أَبَا ذَرٍّ»، قُلْتُ: لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «الْأَكْثَرُونَ هُمُ الْأَقَلُّونَ إِلَّا مَنْ قَالَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا»، ثُمَّ قَالَ لِي: «مَكَانَكَ لَا تَبْرَحْ يَا أَبَا ذَرٍّ حَتَّى أَرْجِعَ»، فَانْطَلَقَ حَتَّى غَابَ عَنِّي فَسَمِعْتُ صَوْتًا فَتَخَوَّفْتُ أَنْ يَكُونَ

[6268] حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے مقام ربذہ میں بیان کیا کہ میں عشاء کے وقت نبی ﷺ کے ہمراہ مدینہ طیبہ کے پتھریلے میدان میں چل رہا تھا کہ اچانک احد پہاڑ دکھائی دیا۔ آپ نے فرمایا: "اے ابوذر! میں نہیں چاہتا کہ احد پہاڑ کے برابر میرے پاس سونا ہو اور مجھ پر ایک رات یا تین راتیں اس طرح گزر جائیں کہ اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس باقی رہ جائے مگر وہ جو قرض ادا کرنے کے لیے محفوظ رکھوں، میں اس سارے سونے کو اللہ کی مخلوق میں اس اس طرح تقسیم کر دوں۔" ابو ذر رضی اللہ عنہ نے اس کی کیفیت اپنے ہاتھ سے لپ بھر کر بیان کی۔ پھر آپ نے فرمایا: "اے ابوذر!" میں نے عرض کی: لبیک و سعدیک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: "بہت سے لوگ جو دنیا میں مالدار ہیں، آخرت میں تنگ دست ہوں گے مگر

عُرِضَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ فَأَرَدْتُ أَنْ أَذْهَبَ، ثُمَّ ذَكَرْتُ قَوْلَ رَسُولِ اللهِ ﷺ: «لَا تَبْرَحْ»، فَمَكَثْتُ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، سَمِعْتُ صَوْتًا حَسِبْتُ أَنْ يَكُونَ عُرِضَ لَكَ ثُمَّ ذَكَرْتُ قَوْلَكَ فَقُمْتُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «ذَاكَ جِبْرِيلُ أَتَانِي فَأَخْبَرَنِي أَنَّهُ مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِي لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ»، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: «وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ».

جس نے ایسا ایسا کیا۔'' یعنی کثرت کے ساتھ خرچ کیا۔ پھر آپ نے فرمایا: ''تم یہاں ہی رہو حتی کہ میں واپس آ جاؤں۔'' چنانچہ آپ چلتے رہے حتی کہ مجھ سے غائب ہو گئے، اس کے بعد میں نے ایک آواز سنی: مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں رسول اللہ ﷺ کو کوئی پریشانی نہ پیش آ گئی ہو، اس لیے میں نے وہاں سے جانا چاہا لیکن مجھے فوراً آپ کی بات یاد آ گئی کہ ''تم نے یہاں سے نہیں جانا'' چنانچہ میں وہیں رک گیا۔ (جب آپ تشریف لائے تو) میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں نے ایک آواز سنی تو مجھے خدشہ لاحق ہوا کہ آپ کو کوئی حادثہ نہ پیش آ گیا ہو، پھر مجھے آپ کا حکم یاد آ گیا تو میں رک گیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ جبرئیل تھے جو میرے پاس آئے تھے اور انھوں نے مجھے خبر دی کہ میری امت کا جو شخص بھی اس حال میں مرے گا کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا ہوگا وہ جنت میں جائے گا۔'' میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! اگرچہ وہ زنا اور چوری کا مرتکب ہو، آپ نے فرمایا: ''اگرچہ وہ زنا اور چوری کا مرتکب ہو۔''

قُلْتُ لِزَيْدٍ: إِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّهُ أَبُو الدَّرْدَاءِ فَقَالَ: أَشْهَدُ لَحَدَّثَنِيهِ أَبُو ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ.

(اعمش نے کہا کہ) میں نے زید بن وہب سے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت ابودرداء ؓ ہیں۔ انھوں (زید بن وہب) نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ مجھ سے یہ حدیث مقام ربذہ میں حضرت ابوذر ؓ نے بیان کی تھی۔

قَالَ الْأَعْمَشُ: وَحَدَّثَنِي أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ نَحْوَهُ.

اعمش نے کہا: مجھے ابوصالح نے حضرت ابودرداء ؓ نے اسی طرح حدیث بیان کی تھی۔

وَقَالَ أَبُو شِهَابٍ عَنِ الْأَعْمَشِ: «يَمْكُثُ عِنْدِي فَوْقَ ثَلَاثٍ». [راجع: ١٢٣٧]

ابوشہاب نے اعمش سے یہ الفاظ مزید بیان کیے: ''(اگر سونا احد پہاڑ کے برابر بھی ہو تو میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ) میرے پاس تین دن سے زیادہ رہے۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں ایک اصولی بات بیان ہوئی ہے کہ جو شخص خالص توحید اختیار کرنے والا ہو اور شرک سے کنارہ کشی کرتے ہوئے فوت ہو جائے وہ کسی بھی کبیرہ گناہ کی وجہ سے دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ توحید کی برکت سے اس کے تمام گناہ معاف کر دے اور دوزخ میں جانے کے بغیر ہی اسے جنت میں داخل کر دے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگرچہ کلمۂ "لبیک" تعبدی ہے مگر جب کوئی صاحب فضل بلائے تو انسان یہ لفظ جواب میں بول سکتا ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے یہ کلمہ رسول اللہ ﷺ کے بلانے پر استعمال کیا تھا۔ ③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک عورت کے بلانے پر "لبيك و سعديك" کے الفاظ بولے تھے۔[1]

(٣١) بَابٌ: لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهِ

باب: 31- کوئی آدمی کسی دوسرے کو اس کے بیٹھنے کی جگہ سے نہ اٹھائے

وضاحت: آداب مجلس میں سے ہے کہ کسی شخص کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود نہ بیٹھا جائے کیونکہ بیٹھنے کی جگہ کسی کی ملکیت نہیں، جو وہاں بیٹھا ہے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے، اس لیے اسے اٹھا کر خود وہاں بیٹھنا انتہائی معیوب ہے۔

٦٢٦٩ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيهِ». [راجع: ٩١١]

[6269] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اس کے بیٹھنے کی جگہ سے نہ اٹھائے کہ پھر خود وہاں بیٹھ جائے۔"

فائدہ: اس حدیث میں کسی شخص کو اس کی جگہ سے اٹھانے کی ممانعت بیان ہوئی ہے۔ اگر وہ دوبارہ آنے کی نیت سے خود اٹھ کر چلا جاتا ہے تو بھی کسی دوسرے کو وہاں بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "جو شخص اپنی جگہ سے اٹھ کر جائے اور پھر واپس لوٹ آئے تو وہی اس جگہ کا زیادہ حق دار ہے۔"[2] لیکن جانے والے کو چاہیے کہ جگہ پر کوئی علامت کپڑا وغیرہ چھوڑ جائے تاکہ دوسروں کو معلوم ہو جائے کہ وہ واپس آنا چاہتا ہے بصورت دیگر اس کی جگہ پر کوئی دوسرا بیٹھ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

(٣٢) بَابٌ: ﴿إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا﴾ الْآيَةَ [المجادلة: ١١]

باب: 32- ارشاد باری تعالیٰ: "(اے ایمان والو!) جب تمھیں کہا جائے کہ مجلسوں میں کشادگی کرو تو کشادگی کر لیا کرو......" کا بیان

[1] سنن النسائي الكبرى: 254/6، رقم: 10864، وفتح الباري: 74/11. [2] سنن أبي داود، الأدب، حديث: 4853.

وضاحت: اس سے پہلے ایک ممانعت کا ذکر ہوا تھا کہ کسی کو اس کی جگہ سے نہ اٹھایا جائے۔ اب اہل مجلس کو ایک اور ہدایت دی جارہی ہے کہ وہ مجلس میں کشادگی پیدا کر کے، آنے والے کے لیے بیٹھنے کی جگہ پیدا کریں۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ آیت کریمہ میں ذکر کردہ حکم مجلس نبوی کے ساتھ خاص ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ مذکورہ حکم عام ہے۔ واللّٰہ أعلم.

٦٢٧٠ - حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ نَهَى أَنْ يُقَامَ الرَّجُلُ مِنْ مَجْلِسِهِ وَيَجْلِسَ فِيهِ آخَرُ، وَلٰكِنْ تَفَسَّحُوا وَتَوَسَّعُوا، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَكْرَهُ أَنْ يَقُومَ الرَّجُلُ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ يَجْلِسَ مَكَانَهُ. [راجع: ٩١١]

[6270] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے اس سے منع فرمایا تھا کہ کسی شخص کو اس کی نشست سے اٹھایا جائے کہ کوئی دوسرا اس کی جگہ پر بیٹھے لیکن وسعت اور کشادگی پیدا کر کے دوسرے کو بیٹھنے کا موقع دو۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ کوئی آدمی اپنی جگہ سے اٹھے، پھر وہ (دوسرا) اس جگہ پر بیٹھے۔

فوائدومسائل: ① پہلے سے بیٹھا ہوا شخص ہی زیادہ حق دار ہے کہ وہ اپنی جگہ پر بیٹھے۔ ہاں، اگر اٹھنے والا اپنی خوشی سے ایسا کرے تو جائز ہے کہ دوسرا وہاں بیٹھ جائے جیسا کہ حدیث میں ہے: ''کسی کی عزت کی جگہ پر بیٹھنا جائز نہیں الا یہ کہ وہ خود اجازت دے۔''[1] ② اجازت ملنے کے باوجود تقویٰ اور پرہیز گاری کا تقاضا ہے کہ وہاں نہ بیٹھے بلکہ اسی کو وہاں بیٹھنے کا موقع دے جیسا کہ عبداللہ بن عمر ؓ کے متعلق حدیث میں ہے کہ اگر کوئی ان کے لیے مجلس میں اٹھتا اور انھیں وہاں بیٹھنے کا کہتا تو وہ وہاں نہ بیٹھتے۔[2] اسی طرح حضرت ابوبکرہ ؓ کے متعلق روایات میں ہے کہ ایک دفعہ وہ گواہی دینے کے لیے تشریف لائے تو ایک آدمی مجلس میں ان کے لیے اٹھ کھڑا ہوا تو انھوں نے اس جگہ بیٹھنے سے انکار کر دیا اور حدیث بیان کی رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔[3]

(٣٣) بَابُ مَنْ قَامَ مِنْ مَجْلِسِهِ أَوْ بَيْتِهِ وَلَمْ يَسْتَأْذِنْ أَصْحَابَهُ، أَوْ تَهَيَّأَ لِلْقِيَامِ لِيَقُومَ النَّاسُ

باب: 33- جو شخص اپنی نشست یا گھر سے اٹھ کر چلا جائے اور اپنے ساتھیوں سے اجازت نہ لے یا کھڑا ہونے کے لیے تیار ہوتا کہ لوگ اٹھ کر چلے جائیں

وضاحت: جب کوئی شخص کسی دوسرے سے ملاقات کے لیے جائے تو تہذیب و شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی آمد کی غرض بیان کر کے اٹھ کھڑا ہو۔ اگر اہل خانہ اسے بیٹھنے کے لیے کہیں تو بیٹھے بصورت دیگر وہاں بے کار بیٹھ کر اپنا یا اہل خانہ کا وقت ضائع کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اہل خانہ کو اسے اٹھانے کے لیے کوئی معقول حیلہ کرنا پڑے جیسا کہ آئندہ حدیث

1 صحيح مسلم، المساجد، حديث:1534(673). 2 الأدب المفرد، حديث: 1153. 3 سنن أبي داود، الأدب، حديث:4827.

سے معلوم ہوگا۔

٦٢٧١ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ: سَمِعْتُ أَبِي يَذْكُرُ عَنْ أَبِي مِجْلَزٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا تَزَوَّجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ دَعَا النَّاسَ، طَعِمُوا ثُمَّ جَلَسُوا يَتَحَدَّثُونَ، قَالَ: فَأَخَذَ كَأَنَّهُ يَتَهَيَّأُ لِلْقِيَامِ فَلَمْ يَقُومُوا، فَلَمَّا رَأَى ذَلِكَ قَامَ فَلَمَّا قَامَ قَامَ مَنْ قَامَ مَعَهُ مِنَ النَّاسِ وَبَقِيَ ثَلَاثَةٌ، وَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَاءَ لِيَدْخُلَ فَإِذَا الْقَوْمُ جُلُوسٌ، ثُمَّ إِنَّهُمْ قَامُوا فَانْطَلَقُوا، قَالَ: فَجِئْتُ فَأَخْبَرْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَنَّهُمْ قَدِ انْطَلَقُوا فَجَاءَ حَتَّى دَخَلَ فَذَهَبْتُ أَدْخُلُ فَأَرْخَى الْحِجَابَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ، وَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَدْخُلُوا۟ بُيُوتَ ٱلنَّبِىِّ إِلَّآ أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِندَ ٱللَّهِ عَظِيمًا﴾ [الأحزاب: ٥٣]. [راجع: ٤٧٩١]

[6271] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو لوگوں کو دعوت ولیمہ کے لیے بلایا۔ انھوں نے کھانا کھایا، پھر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے انھیں اٹھانے کے لیے ایسا کیا گویا خود اٹھنا چاہتے ہیں لیکن لوگ پھر بھی کھڑے نہ ہوئے۔ جب آپ نے ان کی یہ حالت دیکھی تو خود کھڑے ہو گئے، جب آپ کھڑے ہوئے تو آپ کے ساتھ اور بھی بہت سے صحابہ کھڑے ہو گئے لیکن تین آدمی اب بھی باقی رہ گئے۔ اس کے بعد نبی ﷺ آئے تاکہ گھر میں داخل ہوں لیکن وہ لوگ اب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے بعد وہ لوگ بھی چلے گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں آیا اور نبی ﷺ کو ان کے جانے کی خبر دی تو آپ تشریف لائے اور اندر داخل ہو گئے۔ میں نے بھی اندر جانا چاہا لیکن آپ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال لیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو مگر جب تم کو اجازت دی جائے...... یہ اللہ کے ہاں بہت بڑی بات ہے۔''

فوائد ومسائل: ① خانگی ضروریات کے پیش نظر آداب کا تقاضا یہی ہے کہ دعوت سے فارغ ہونے کے بعد فوراً وہاں سے رخصت ہو جانا چاہیے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ مجلس سے اگر کوئی جانا چاہتا ہے تو اسے اجازت لینی چاہیے لیکن اگر کوئی ہنگامی ضرورت کے پیش نظر اہل مجلس سے اجازت نہیں لیتا اور چلا جاتا ہے یا جانے کی تیاری کرتا ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے الادب المفرد میں ایک عنوان ان الفاظ میں قائم کیا ہے: ''جب کوئی آدمی کسی کے پاس جاتا ہے تو اٹھنے والے کو اجازت لینی چاہیے۔ پھر ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی آیا تو انھوں نے اسے فرمایا: تو اس وقت آیا ہے جب ہم مجلس ختم کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے کہا: جیسے آپ کی مرضی ہو، چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اجازت لینے کے بعد کھڑے ہوئے اور جانے کی تیاری کرنے لگے۔[1]

[1] الأدب المفرد، ص: 428، حديث: 1173.

(٣٤) بَابُ الْاِحْتِبَاءِ بِالْيَدِ، وَهُوَ الْقُرْفُصَاءُ

باب: 34- ہاتھ سے احتباء کرنا اسے قرفصاء بھی کہتے ہیں

وضاحت: احتباء یہ ہے کہ انسان اپنے سرین زمین پر لگا کر بیٹھے اور دونوں رانوں کو پیٹ کے ساتھ ملا لے، پھر دونوں ہاتھوں کے ساتھ پنڈلیوں کا حلقہ سا بنا لے۔ بیٹھنے کے اس انداز کو قرفصاء بھی کہتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ احتباء کی ہر صورت قرفصاء نہیں ہوتی۔[1]

٦٢٧٢ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي غَالِبٍ: أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الْحِزَامِيُّ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ بِفِنَاءِ الْكَعْبَةِ مُحْتَبِيًا بِيَدِهِ هٰكَذَا.

[6272] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو کعبہ کے صحن میں دیکھا کہ آپ اپنے سرین پر بیٹھے ہوئے دونوں رانوں کو شکم مبارک سے ملائے ہوئے، پھر اپنے ہاتھوں سے پنڈلیاں پکڑ کر بیٹھے ہوئے تھے۔

فوائد ومسائل: ① احتباء اور قرفصاء دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ یہ بیٹھنے کا ایک انداز ہے۔ اس میں تواضع و انکسار اور خشوع و عاجزی کا اظہار ہوتا ہے۔ حضرت قیلہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو خشوع اور انکسار کی اس کیفیت میں دیکھا تو خوف سے کانپ اٹھی۔[2] ان کی یہ کیفیت اس وجہ سے تھی کہ جب رسول اللہ ﷺ جیسی عظیم ہستی کا ظاہری بیٹھنا اس قدر خشوع اور انکسار کا مظہر ہے تو باطنی طور پر آپ ﷺ کی کیا کیفیت ہو گی لیکن ہم لوگ اس نعمت سے کس قدر محروم ہیں۔ ② لیکن خطبۂ جمعہ میں اس طرح بیٹھنا ممنوع ہے۔[3] کیونکہ اس طرح بیٹھنا بے پروائی اور عدم توجہ کی علامت خیال کی جاتی ہے، نیز اس سے نیند بھی آنا شروع ہو جاتی ہے۔ واللّٰه أعلم.

(٣٥) بَابُ مَنِ اتَّكَأَ بَيْنَ يَدَيْ أَصْحَابِهِ

باب: 35- جو اپنے ساتھیوں کے سامنے ٹیک لگا کر بیٹھے

وَقَالَ خَبَّابٌ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بِبُرْدِهِ، قُلْتُ: أَلَا تَدْعُو اللّٰهَ؟ فَقَعَدَ.

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ایک چادر پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ میں نے عرض کی: آپ اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرتے؟ تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے۔

1 فتح الباري: 78/11. 2 سنن أبي داود، الأدب، حديث: 4847. 3 سنن أبي داود، الصلاة، حديث: 1110.

وضاحت: لوگوں کے سامنے کسی مجلس میں جسمانی درد یا بیماری یا آرام کی غرض سے ٹیک لگا کر بیٹھنا جائز ہے مگر عام مجالس میں ایسا کرنا درست نہیں۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے متصل سند سے بھی بیان کی ہے۔[1]

٦٢٧٣ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا بِشْرُ ابْنُ الْمُفَضَّلِ: حَدَّثَنَا الْجُرَيْرِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟» قَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «الْإِشْرَاكُ بِاللهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ». [راجع: ٢٦٥٣]

[6273] حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں سب سے بڑے گناہ کی خبر نہ دوں؟'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: کیوں نہیں اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: ''اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔''

٦٢٧٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا بِشْرٌ مِثْلَهُ: وَكَانَ مُتَّكِئًا فَجَلَسَ، فَقَالَ: «أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ»، فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتَّى قُلْنَا: لَيْتَهُ سَكَتَ. [راجع: ٢٦٥٤]

[6274] دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ اس وقت ٹیک لگائے ہوئے تھے، پھر آپ سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا: ''ہاں اور جھوٹی بات بھی۔'' یہ بات آپ بار بار دہراتے رہے حتی کہ ہم نے کہا: کاش! آپ خاموش ہو جائیں۔

فوائد ومسائل: ① جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی کی سنگینی کو آپ ﷺ نے بار بار اس لیے دہرایا تاکہ اس کی برائی اور قباحت واضح ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا ٹیک لگا کر بیٹھنا دیگر احادیث میں بھی بیان ہوا ہے جیسا کہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک تکیے پر ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے دیکھا تھا۔[2] ② بعض اطباء نے اسے جسمانی صحت کے لیے نقصان دہ قرار دیا ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی تردید فرماتے ہوئے اس کا جواز ثابت کیا ہے کہ شرعاً ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔[3]

(٣٦) بَابُ مَنْ أَسْرَعَ فِي مَشْيِهِ لِحَاجَةٍ أَوْ قَصْدٍ

باب: 36- کسی حاجت یا مقصد کے لیے تیز تیز چلنا

٦٢٧٥ - حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ: أَنَّ عُقْبَةَ بْنَ الْحَارِثِ حَدَّثَهُ قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ الْعَصْرَ فَأَسْرَعَ ثُمَّ دَخَلَ الْبَيْتَ. [راجع: ٨٥١]

[6275] حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے نماز عصر پڑھی، پھر آپ تیزی سے چل کر گھر میں داخل ہو گئے۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ کا گھر میں تیزی سے چل کر داخل ہونا کسی ضرورت کی وجہ سے تھا۔ اس کی تفصیل

① صحيح البخاري، المناقب، حديث: 3612. ② جامع الترمذي، الأدب، حديث: 2771. ③ فتح الباري: 80/11.

دوسری روایت میں ہے کہ جب صحابۂ کرام ؓ کو خلاف معمول جلدی جلدی چلنے پر تعجب ہوا تو آپ نے بتایا کہ رات گھر میں سونا آیا تھا جو تقسیم نہ ہو سکا، اس لیے جلدی جلدی گھر گیا تھا تا کہ اسے تقسیم کر دوں۔ میں نے گھر میں اس کا یوں ہی پڑے رہنا پسند نہ کیا۔[1] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی عالم یا حاکم کا اپنے ضروری کام کے لیے جلدی کرنا جائز ہے بلکہ نیک کام جلدی سے سرانجام دینا افضل ہے، بلاوجہ ڈگ ڈگ کرتے ہوئے تیز چلنا معاشرتی طور پر بھی معیوب ہے۔ واللّٰه أعلم.

(٣٧) بَابُ السَّرِيرِ

باب: 37- چارپائی یا تخت کا بیان

وضاحت: مذکورہ عنوانات کو کتاب الاستئذان میں لانے کا مقصد یہ ہے کہ استئذان سے مقصود گھر میں داخل ہونا ہے، لہٰذا اس مناسبت سے گھر کے متعلقات کو بیان کیا جا رہا ہے۔

٦٢٧٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي الضُّحَى، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي وَسْطَ السَّرِيرِ وَأَنَا مُضْطَجِعَةٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ، تَكُونُ لِيَ الْحَاجَةُ فَأَكْرَهُ أَنْ أَقُومَ فَأَسْتَقْبِلَهُ فَأَنْسَلُّ انْسِلَالًا. [راجع: ٣٨٢]

[6276] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ چارپائی یا تخت کے درمیان میں نماز پڑھتے تھے جبکہ میں آپ کے اور قبلے کے درمیان لیٹی ہوتی تھی۔ مجھے کوئی ضرورت ہوتی تو میں یہ پسند نہ کرتی کہ میں کھڑی ہوں اور آپ کے سامنے آؤں، اس لیے میں آہستہ سے سرک جاتی تھی۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھر میں تخت رکھنا اور اس پر نماز پڑھنا جائز ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کا اپنے شوہر کی موجودگی میں لیٹنا جائز ہے، اس کے علاوہ یہ بھی پتا چلا کہ عورت کا قبلے رخ میں لیٹنا آدمی کی نماز کو باطل نہیں کرتا۔ واللّٰه أعلم. ② سیدہ عائشہ ؓ کے رسول اللہ ﷺ کے سامنے لیٹنے کے دو مختلف واقعات ہیں، ایک تو یہی واقعہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سجدہ کرتے تھے تو سیدہ عائشہ ؓ کے پاؤں کو ہاتھ لگاتے تو وہ اپنے پاؤں سمیٹ لیتیں[2] اور دوسرا واقعہ یہ ہے کہ سیدہ عائشہ ؓ جنازہ کی طرح آپ کے سامنے لیٹی ہوتیں، اس صورت میں پاؤں سمیٹنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔[3]

(٣٨) بَابُ مَنْ أُلْقِيَ لَهُ وِسَادَةٌ

باب: 38- جس کے لیے گاؤ تکیہ لگایا گیا

٦٢٧٧ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ؛ ح: وَحَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ

[6277] حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ کے پاس میرے روزہ رکھنے

---

1 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 851. 2 صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 382. 3 صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 383.

عَوْنٍ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ خَالِدٍ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو الْمَلِيحِ قَالَ: دَخَلْتُ مَعَ أَبِيكَ زَيْدٍ عَلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو فَحَدَّثَنَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ذُكِرَ لَهُ صَوْمِي، فَدَخَلَ عَلَيَّ فَأَلْقَيْتُ لَهُ وِسَادَةً مِنْ أَدَمٍ حَشْوُهَا لِيفٌ فَجَلَسَ عَلَى الْأَرْضِ وَصَارَتِ الْوِسَادَةُ بَيْنِي وَبَيْنَهُ، فَقَالَ لِي: «أَمَا يَكْفِيكَ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ؟» قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «خَمْسًا»، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «سَبْعًا»، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «تِسْعًا»، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «إِحْدَى عَشْرَةَ»، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «لَا صَوْمَ فَوْقَ صَوْمِ دَاوُدَ شَطْرَ الدَّهْرِ: صِيَامُ يَوْمٍ، وَإِفْطَارُ يَوْمٍ». [راجع: ١١٣١]

کا ذکر کیا گیا، آپ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے آپ کے لیے ایک تکیہ لگایا جو چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ آپ ﷺ زمین پر ہی بیٹھ گئے اور تکیہ میرے اور آپ کے درمیان ویسے ہی پڑا رہا، پھر آپ نے مجھ سے فرمایا: ”کیا تمھارے لیے ہر مہینے کے تین روزے کافی نہیں؟“ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! (میں زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں)۔ آپ نے فرمایا: ”چلو پانچ دن رکھ لیا کرو۔“ میں نے کہا: اللہ کے رسول! (میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں)۔ آپ نے فرمایا: ”سات دن۔“ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! (میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں) آپ نے فرمایا: ”نو دن۔“ میں نے کہا: اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: ”گیارہ دن کے روزے رکھ لیا کرو۔“ میں نے کہا: اللہ کے رسول! (میں اس سے زیادہ رکھ سکتا ہوں۔) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”داود علیہ السلام کے روزے سے بڑھ کر کوئی روزہ نہیں جو نصف دہر کے ہیں، یعنی ایک دن کا روزہ رکھنا اور ایک دن افطار کرنا۔“

٦٢٧٨ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ مُغِيرَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ: أَنَّهُ قَدِمَ الشَّأْمَ؛ ح: وَحَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُغِيرَةَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: ذَهَبَ عَلْقَمَةُ إِلَى الشَّامِ، فَأَتَى الْمَسْجِدَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ: اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي جَلِيسًا، فَقَعَدَ إِلَى أَبِي الدَّرْدَاءِ فَقَالَ: مِمَّنْ أَنْتَ؟ قَالَ: مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ، قَالَ: أَلَيْسَ فِيكُمْ صَاحِبُ السِّرِّ الَّذِي كَانَ لَا يَعْلَمُهُ غَيْرُهُ؟ - يَعْنِي حُذَيْفَةَ - أَلَيْسَ فِيكُمْ أَوْ كَانَ فِيكُمُ الَّذِي أَجَارَهُ اللهُ عَلَى لِسَانِ رَسُولِهِ ﷺ مِنَ الشَّيْطَانِ؟ - يَعْنِي

[6278] حضرت علقمہ سے روایت ہے کہ وہ ایک مرتبہ ملک شام گئے وہاں مسجد میں جا کر دو رکعتیں ادا کیں، پھر یہ دعا کی: اے اللہ! مجھے کوئی (اچھا) ہم نشین عطا فرما، چنانچہ وہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی مجلس میں پہنچے تو انھوں نے دریافت کیا: تم کہاں سے آئے ہو؟ میں نے کہا: میں کوفہ سے آیا ہوں۔ انھوں نے فرمایا: کیا تمھارے ہاں راز دان نہیں، جن کو ان کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، یعنی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ؟ کیا تمھارے اندر وہ شخص نہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی زبانی شیطان سے پناہ دی تھی؟ اشارہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی طرف تھا۔ اور کیا تمھارے پاس صاحب مسواک اور صاحب وسادہ (تکیہ) نہیں ہیں؟ اس سے مقصود

عَمَّارًا - أَوَلَيْسَ فِيكُمْ صَاحِبُ السِّوَاكِ وَالْوِسَادِ؟ - يَعْنِي ابْنَ مَسْعُودٍ - كَيْفَ كَانَ عَبْدُ اللهِ يَقْرَأُ ﴿وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى﴾ قَالَ (وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى) فَقَالَ: مَا زَالَ هٰؤُلَاءِ حَتَّى كَادُوا يُشَكِّكُونِي وَقَدْ سَمِعْتُهَا مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ﴿وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى﴾ کس طرح پڑھتے تھے؟ حضرت علقمہ رحمہ اللہ نے کہا: وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى پڑھتے تھے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ لوگ ہمیشہ مجھے شک میں ڈالتے رہے ہیں، حالانکہ یہ قراءت میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی۔

فوائد ومسائل: ① ان دونوں حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ کے لیے تکیہ لگانے یا گدا بچھانے کا ذکر ہے، لہٰذا اسے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ شارح مہلب نے کہا ہے کہ اس حدیث سے بڑے شخص کا احترام ثابت ہوتا ہے، نیز بڑا آدمی اپنے شاگرد کے گھر جا کر اسے دینی تعلیم دے سکتا ہے۔ ② اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر صاحب خانہ برا محسوس نہ کرے تو اس کے اکرام واحترام کو نظرانداز کر کے مہمان تواضع اختیار کر سکتا ہے۔[1] حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے تینوں بزرگوں، یعنی حضرت حذیفہ، حضرت عمار اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے مختلف ایسے فضائل ومناقب بیان کیے ہیں جو ان کے ساتھ مخصوص تھے۔

(٣٩) بَابُ الْقَائِلَةِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ

باب:39- جمعہ کے بعد قیلولہ کرنا

٦٢٧٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: كُنَّا نَقِيلُ وَنَتَغَدَّى بَعْدَ الْجُمُعَةِ. [راجع: ٩٣٨]

[6279] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم نماز جمعہ کے بعد دوپہر کا کھانا کھاتے اور قیلولہ کیا کرتے تھے۔

فائدہ: دوپہر کے بعد کھانے کو غداء اور سونے کو قیلولہ کہتے ہیں۔ عربوں کی عادت تھی کہ وہ دوپہر کا کھانا کھا کر قیلولہ کرتے تھے۔ ایسا کرنے سے طبیعت ہشاش بشاش اور ہلکی ہو جاتی ہے۔ ② قیلولہ مسنون امر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم قیلولہ کیا کرو کیونکہ شیاطین قیلولہ نہیں کرتے۔'' اس روایت کی سند میں کلام ہے لیکن راجح بات یہی ہے کہ یہ حدیث قابل اعتبار ہے۔[2] اسی طرح خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول صحیح سند سے منقول ہے کہ دن کے پہلے حصے میں سونا جلن کا باعث، دوپہر کو سونا صحت کا موجب اور آخری پہر سونا بے وقوفی کی علامت ہے۔[3]

(٤٠) بَابُ الْقَائِلَةِ فِي الْمَسْجِدِ

باب:40- مسجد میں قیلولہ کرنا

٦٢٨٠ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ

[6280] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

1 فتح الباري: 82/11. 2 سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني، حديث: 1647. 3 فتح الباري: 84/11.

الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدٍ قَالَ: مَا كَانَ لِعَلِيٍّ اسْمٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَبِي تُرَابٍ، وَإِنْ كَانَ لَيَفْرَحُ بِهِ إِذَا دُعِيَ بِهَا، جَاءَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْتَ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ، فَلَمْ يَجِدْ عَلِيًّا فِي الْبَيْتِ، فَقَالَ: «أَيْنَ ابْنُ عَمِّكِ؟» فَقَالَتْ: كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ شَيْءٌ فَغَاضَبَنِي فَخَرَجَ فَلَمْ يَقِلْ عِنْدِي، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِإِنْسَانٍ: «انْظُرْ أَيْنَ هُوَ؟» فَجَاءَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ هُوَ فِي الْمَسْجِدِ رَاقِدٌ، فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهُوَ مُضْطَجِعٌ قَدْ سَقَطَ رِدَاؤُهُ عَنْ شِقِّهِ فَأَصَابَهُ تُرَابٌ فَجَعَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَمْسَحُهُ عَنْهُ وَهُوَ يَقُولُ: «قُمْ أَبَا تُرَابٍ، قُمْ أَبَا تُرَابٍ». [راجع: ٤٤١]

انھوں نے فرمایا کہ حضرت علی ؓ کو کوئی نام ابوتراب سے زیادہ پسند نہیں تھا۔ جب انھیں ابوتراب کہا جاتا تو بہت خوش ہوتے تھے۔ ہوا یوں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ، سیدہ فاطمہ ؓ کے گھر تشریف لے گئے تو حضرت علی ؓ کو گھر میں نہ پایا۔ آپ نے دریافت کیا: (بیٹی!) تمھارے چچا کے بیٹے (شوہر نامدار) کدھر گئے ہیں؟'' انھوں نے بتایا کہ میرے اور ان کے درمیان کچھ تلخ کلامی ہو گئی تھی، اس لیے وہ مجھ سے ناراض ہو کر باہر چلے گئے ہیں۔ انھوں نے میرے ہاں قیلولہ بھی نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا: ''دیکھو وہ (علی) کہاں ہیں؟'' وہ شخص گیا اور واپس آ کر کہنے لگا: : اللہ کے رسول! وہ تو مسجد میں سو رہے ہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو حضرت علی ؓ وہاں لیٹے ہوئے تھے جبکہ ایک طرف سے ان کی چادر گری ہوئی تھی اور آپ کا وہ پہلو گرد آلود ہو چکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ ان سے مٹی صاف کرنے لگے اور فرمانے لگے: ''ابوتراب! اٹھو۔ ابوتراب! اٹھو۔''

فوائد ومسائل: ① حضرت علی ؓ نے دوپہر کے وقت مسجد میں آرام کیا، اسی سے امام بخاری ؒ نے یہ مسئلہ اخذ کیا کہ مسجد میں بھی قیلولہ جائز ہے۔ شارح صحیح بخاری امام مہلب ؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث سے ضرورت کے بغیر بھی مسجد میں قیلولہ کرنا ثابت ہوتا ہے لیکن بعض دیگر علماء کی رائے ہے کہ سیاق حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں ضرورت کے بغیر سونا درست نہیں کیونکہ ایسا کرنے سے مسجد کا تقدس مجروح ہوتا ہے۔[1] ② اس حدیث سے دور نبوی کے معاشرے کی ایک خوبصورت جھلک بھی نظر آتی ہے کہ جب کسی نوجوان کی اپنے گھر میں شکر رنجی ہو جاتی تو وہ کسی نیٹ کیفے، کلب، سینما یا تھیٹر کا رخ کرنے کی بجائے مسجد کا رخ کرتا تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ سکون واطمینان کی یہی ایک جگہ ہے۔ واللّٰہ المستعان.

(٤١) بَابُ مَنْ زَارَ قَوْمًا فَقَالَ عِنْدَهُمْ

باب: 41- اگر کوئی شخص کہیں ملاقات کے لیے جائے اور وہیں دوپہر کو آرام کرے

[1] فتح الباري: 11/84.

٦٢٨١ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا [مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِاللهِ] الْأَنْصَارِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ ثُمَامَةَ، عَنْ أَنَسٍ أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ كَانَتْ تَبْسُطُ لِلنَّبِيِّ ﷺ نِطَعًا فَيَقِيلُ عِنْدَهَا عَلَى ذٰلِكَ النِّطَعِ. قَالَ: فَإِذَا نَامَ النَّبِيُّ ﷺ أَخَذَتْ مِنْ عَرَقِهِ وَشَعْرِهِ، فَجَمَعَتْهُ فِي قَارُورَةٍ، ثُمَّ جَمَعَتْهُ فِي سُكٍّ وَهُوَ نَائِمٌ. قَالَ: فَلَمَّا حَضَرَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ الْوَفَاةُ أَوْصَى إِلَيَّ أَنْ يُجْعَلَ فِي حَنُوطِهِ مِنْ ذٰلِكَ السُّكِّ، قَالَ: فَجُعِلَ فِي حَنُوطِهِ.

[6281] حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ حضرت ام سلیم ؓ نبی ﷺ کے لیے چمڑے کا بستر بچھا دیتی تھی اور آپ ﷺ ان کے ہاں اسی پر قیلولہ کر لیتے تھے۔ جب نبی ﷺ سو جاتے تو ام سلیم ؓ آپ ﷺ کا پسینہ اور گرے ہوئے بال جمع کر لیتیں اور انھیں ایک شیشی میں ڈال لیتیں، پھر انھیں کسی خوشبو میں ملا لیتیں۔ جب حضرت انس ؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے وصیت کی کہ اس خوشبو میں سے بھی کچھ حنوط میں ملا دیا جائے، چنانچہ اسے حنوط میں ملا دیا گیا۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بزرگانِ دین کا اپنے عقیدت مندوں، رشتے داروں اور معتبر دوست احباب کے ہاں قیلولہ کرنا جائز ہے۔ اس سے محبت بڑھتی ہے۔ ② حضرت ام سلیم ؓ، حضرت انس ؓ کی والدہ اور رسول اللہ ﷺ کی رضاعی خالہ تھیں۔ حضرت انس ؓ سے مروی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے اور آپ نے ہمارے ہاں قیلولہ فرمایا تو آپ کو پسینا آ گیا۔ حضرت ام سلیم ؓ شیشی لے کر آئیں اور اس پسینے کو جمع کرنا شروع کر دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے تو فرمایا: ''ام سلیم! تم یہ کیا کر رہی ہو؟'' انھوں نے کہا: آپ کا پسینا جمع کر رہی ہوں، ہم اسے خوشبو میں ڈالیں گے تو یہ تمام خوشبوؤں میں سے اعلیٰ خوشبو ہو گی۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ ہمارے بچوں کے لیے باعث خیر و برکت ہو گا۔[1]

٦٢٨٢، ٦٢٨٣ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا ذَهَبَ إِلَى قُبَاءٍ يَدْخُلُ عَلَى أُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ فَتُطْعِمُهُ، - وَكَانَتْ تَحْتَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ - فَدَخَلَ يَوْمًا فَأَطْعَمَتْهُ فَنَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ يَضْحَكُ، قَالَتْ: فَقُلْتُ: مَا يُضْحِكُكَ يَا

[6283,6282] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ قباء جاتے تو حضرت ام حرام بنت ملحان ؓ کے گھر بھی جاتے تھے۔ وہ آپ کو کھانا کھلاتی تھیں۔ اور حضرت ام حرام ؓ حضرت عبادہ بن صامت ؓ کی بیوی تھیں۔ ایک دن آپ ان کے گھر تشریف لے گئے، انھوں نے آپ کو کھانا پیش کیا جسے تناول فرما کر رسول اللہ ﷺ سو گئے، پھر آپ اٹھے تو مسکرا رہے تھے۔ حضرت ام حرام ؓ کہتی ہیں کہ میں نے

1 صحیح مسلم، الفضائل، حدیث: 6056 (2331).

رَسُولَ اللهِ؟ فَقَالَ: «نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللهِ، يَرْكَبُونَ ثَبَجَ هٰذَا الْبَحْرِ، مُلُوكًا عَلَى الْأَسِرَّةِ - أَوْ قَالَ: مِثْلَ الْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ، يَشُكُّ إِسْحَاقُ -» فَقُلْتُ: ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ، فَدَعَا، ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهُ فَنَامَ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ يَضْحَكُ فَقُلْتُ: مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللهِ يَرْكَبُونَ ثَبَجَ هٰذَا الْبَحْرِ، مُلُوكًا عَلَى الْأَسِرَّةِ - أَوْ مِثْلَ الْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ -» فَقُلْتُ: ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ، قَالَ: «أَنْتِ مِنَ الْأَوَّلِينَ»، فَرَكِبَتِ الْبَحْرَ فِي زَمَانِ مُعَاوِيَةَ فَصُرِعَتْ عَنْ دَابَّتِهَا حِينَ خَرَجَتْ مِنَ الْبَحْرِ فَهَلَكَتْ.

[راجع: ۲۷۸۸، ۲۷۸۹]

پوچھا: اللہ کے رسول! آپ کس بات پر ہنس رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے پیش کیے گئے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں۔ وہ اس سمندر کے اوپر سوار ہوں گے جیسے بادشاہ تخت پر ہوتے ہیں۔“ یا فرمایا: ”وہ بادشاہوں کی طرح تختوں پر ہیں۔“ اسحاق راوی کو ان الفاظ میں شک ہے۔ میں نے عرض کی: دعا کریں کہ اللہ مجھے بھی ان میں کر دے تو آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی۔ پھر آپ اپنا سر مبارک رکھ کر سو گئے۔ جب بیدار ہوئے تو پھر مسکرا رہے تھے۔ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ کس بات پر ہنس رہے تھے؟ آپ نے فرمایا: ”میری امت سے کچھ لوگ مجھ پر پیش کیے گئے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں۔ وہ اس سمندر پر سوار ہوں گے جیسے بادشاہ تخت پر ہوتے ہیں، یا وہ بادشاہوں کی طرح تختوں پر ہیں۔“ میں نے عرض کی: آپ اللہ سے میرے لیے دعا کر دیں کہ مجھے بھی ان میں کر دے۔ آپ نے فرمایا: ”تم پہلے لوگوں میں سے ہو۔“ چنانچہ حضرت ام حرام ؓ نے سیدنا معاویہ ؓ کے دورِ حکومت میں سمندری سفر کیا اور خشکی پر اترنے کے بعد اپنی سواری سے گر پڑیں اور وفات پا گئیں۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ام حرام بنت ملحان ؓ کے گھر تشریف لے گئے تو وہیں قیلولہ فرمایا۔ امام بخاری ؒ کا مقصود اس حدیث کے بیان کرنے سے یہی ہے۔ ② حضرت ام حرام ؓ حضرت عبادہ بن صامت ؓ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ ہجرت کے بیسویں سال حضرت امیر معاویہ ؓ کے عہد حکومت میں ایک لشکر کے ساتھ نکل گئیں تو سمندر سے باہر نکلتے وقت سواری سے گر کر فوت ہوئیں۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ اس حدیث سے سمندری سفر کرنا جائز ثابت ہوا۔ حافظ ابن حجر ؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ام حرام ؓ بھی رسول اللہ ﷺ کی رضاعی خالہ تھیں، اس لیے آپ ﷺ ان کے ہاں قیلولہ کرتے تھے۔[1] واللہ أعلم.

[1] فتح الباري: 93/11.

(٤٢) بَابُ الْجُلُوسِ كَيْفَمَا تَيَسَّرَ

باب:42- جس طرح آسان ہو آدمی اسی طرح بیٹھ سکتا ہے

٦٢٨٤ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ لِبْسَتَيْنِ، وَعَنْ بَيْعَتَيْنِ: اشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ وَالْاِحْتِبَاءِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ لَيْسَ عَلَى فَرْجِ الْإِنْسَانِ مِنْهُ شَيْءٌ، وَالْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ. [راجع: ٣٦٧]

[6284] حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے دو قسم کے ملبوسات اور دو طرح کی خرید وفروخت سے منع فرمایا تھا: اشتمال صماء (بولی بکل) اور ایک ہی کپڑے میں گوٹھ مار کر بیٹھنے سے منع فرمایا جبکہ آدمی کی شرمگاہ پر کوئی چیز نہ ہو۔ اور دو قسم کی خرید وفروخت یہ ہے کہ محض کوئی چیز پھینکنے یا اسے ہاتھ سے چھونے سے بیع پختہ ہو جائے، اس سے بھی آپ نے منع فرمایا ہے۔

تَابَعَهُ مَعْمَرٌ وَمُحَمَّدُ بْنُ أَبِي حَفْصٍ وَعَبْدُاللهِ ابْنُ بُدَيْلٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ.

حضرت معمر، محمد بن ابی حفص اور عبداللہ بن بدیل نے زہری سے روایت کرنے میں سفیان کی متابعت کی ہے۔

فوائد ومسائل: ① اشتمال صماء یہ ہے کہ انسان اپنے آپ پر اس طرح کپڑا اوڑھ لے کہ ہاتھ بالکل بند ہو جائیں۔ ایسے حالات میں انسان معمولی سی ٹھوکر لگنے سے گر پڑتا ہے۔ اسے پتھر سے تشبیہ دی گئی ہے جس میں کسی طرف سے کوئی سوراخ یا شگاف نہیں ہوتا۔ اس احتباء کی یہ صورت ہے کہ انسان اس طرح گوٹھ مار کر بیٹھ جائے کہ اس کی شرمگاہ ننگی ہو، اگر ستر کھلنے کا اندیشہ نہ ہو تو اسے اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ② امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ ان ممنوع صورتوں کے علاوہ انسان جس طرح چاہے بیٹھ سکتا ہے۔ اس پر کوئی پابندی نہیں ہے کہ وہ بیٹھتے وقت فلاں قسم کا انداز اختیار کرے۔ واللہ أعلم.

(٤٣) بَابُ مَنْ نَاجَى بَيْنَ يَدَيِ النَّاسِ وَلَمْ يُخْبِرْ بِسِرِّ صَاحِبِهِ فَإِذَا مَاتَ أَخْبَرَ بِهِ

باب: 43- جو لوگوں کے سامنے سرگوشی کرے اور جس نے زندگی بھر اپنے ساتھی کا راز نہ بتایا اور جب وہ فوت ہوا تو اس کی اطلاع دی

وضاحت: ایک دو آدمیوں کے سامنے راز داری کی بات کرنا درست نہیں کیونکہ اس سے شکوک وشبہات جنم لیتے ہیں، البتہ عام لوگوں یا کسی جماعت کی موجودگی میں سرگوشی کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس سے بدظنی پیدا ہونے کا احتمال نہیں ہوتا۔ امام بخاری ؒ نے یہ مسئلہ درج ذیل حدیث سے ثابت کیا ہے۔

٦٢٨٥، ٦٢٨٦ - حَدَّثَنَا مُوسَى عَنْ أَبِي

[6286،6285] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے،

عَوَانَةَ: حَدَّثَنَا فِرَاسٌ عَنْ عَامِرٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ: حَدَّثَتْنِي عَائِشَةُ أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ قَالَتْ: إِنَّا كُنَّا أَزْوَاجَ النَّبِيِّ ﷺ عِنْدَهُ جَمِيعًا لَمْ تُغَادَرْ مِنَّا وَاحِدَةٌ، فَأَقْبَلَتْ فَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ تَمْشِي وَلَا وَاللهِ مَا تَخْفَى مِشْيَتُهَا مِنْ مِشْيَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَلَمَّا رَآهَا رَحَّبَ وَقَالَ: «مَرْحَبًا بِابْنَتِي»، ثُمَّ أَجْلَسَهَا عَنْ يَمِينِهِ - أَوْ عَنْ شِمَالِهِ - ثُمَّ سَارَّهَا فَبَكَتْ بُكَاءً شَدِيدًا، فَلَمَّا رَأَى حُزْنَهَا سَارَّهَا الثَّانِيَةَ فَإِذَا هِيَ تَضْحَكُ، فَقُلْتُ لَهَا - أَنَا مِنْ بَيْنِ نِسَائِهِ -: خَصَّكِ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِالسِّرِّ مِنْ بَيْنِنَا، ثُمَّ أَنْتِ تَبْكِينَ، فَلَمَّا قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ سَأَلْتُهَا عَمَّ سَارَّكِ، قَالَتْ: مَا كُنْتُ لِأُفْشِيَ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ سِرَّهُ، فَلَمَّا تُوُفِّيَ، قُلْتُ لَهَا: عَزَمْتُ عَلَيْكِ - بِمَا لِي عَلَيْكِ مِنَ الْحَقِّ - لَمَّا أَخْبَرْتِنِي، قَالَتْ: أَمَّا الْآنَ فَنَعَمْ، فَأَخْبَرَتْنِي، قَالَتْ: أَمَّا حِينَ سَارَّنِي فِي الْأَمْرِ الْأَوَّلِ فَإِنَّهُ أَخْبَرَنِي «أَنَّ جِبْرِيلَ كَانَ يُعَارِضُهُ بِالْقُرْآنِ كُلَّ سَنَةٍ مَرَّةً وَإِنَّهُ قَدْ عَارَضَنِي بِهِ الْعَامَ مَرَّتَيْنِ، وَلَا أَرَى الْأَجَلَ إِلَّا قَدِ اقْتَرَبَ، فَاتَّقِي اللهَ وَاصْبِرِي، فَإِنِّي نِعْمَ السَّلَفُ أَنَا لَكِ». قَالَتْ: فَبَكَيْتُ بُكَائِي الَّذِي رَأَيْتِ فَلَمَّا رَأَى جَزَعِي سَارَّنِي الثَّانِيَةَ، قَالَ: «يَا فَاطِمَةُ، أَلَا تَرْضَيْنَ أَنْ تَكُونِي سَيِّدَةَ نِسَاءِ الْمُؤْمِنَاتِ أَوْ سَيِّدَةَ نِسَاءِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ؟». [راجع: ٣٦٢٣، ٣٦٢٤]

انھوں نے بیان کیا کہ ہم نبی ﷺ کی تمام ازواج مطہرات آپ کے پاس تھیں۔ ہم میں سے ایک بھی غائب نہ تھی۔ اس دوران میں سیدہ فاطمہ ؓ چلتی ہوئیں آئیں۔ اللہ کی قسم! ان کی چال، رسول اللہ ﷺ کی چال سے الگ نہ تھی۔ جب آپ ﷺ نے انھیں دیکھا تو فرمایا: ”میری لخت جگر! خوش آمدید۔“ پھر انھیں اپنی دائیں یا بائیں بٹھایا، اس کے بعد ان سے آہستہ کچھ کہا تو وہ بہت روئیں۔ جب رسول اللہ نے ان کا حزن و ملال دیکھا تو دوبارہ ان سے سرگوشی کی، اس پر وہ ہنسنے لگیں۔ تمام ازواج میں سے میں نے ان (سیدہ فاطمہ ؓ) سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم میں سے صرف آپ کو سرگوشی کی خصوصیت بخشی ہے، پھر آپ رونے لگیں۔ جب رسول اللہ ﷺ اٹھے تو میں نے ان سے پوچھا: آپ ﷺ نے آپ کے کان میں کیا فرمایا تھا؟ انھوں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا راز افشا نہیں کروں گی۔ پھر جب آپ کی وفات ہوگئی تو میں نے سیدہ فاطمہ ؓ سے کہا: میرا جو حق آپ پر ہے میں اس کا واسطہ دیتی ہوں کہ آپ مجھے وہ بات بتا دیں۔ انھوں نے کہا: ہاں، اب بتا سکتی ہوں، چنانچہ انھوں نے مجھے بتایا کہ جب آپ ﷺ نے پہلی مرتبہ مجھ سے سرگوشی کی تھی تو فرمایا تھا: ”جبریل ؑ مجھ سے ہر سال ایک بار قرآن کا دور کرتے تھے، انھوں نے اس سال دو بار مجھ سے قرآن کا دور کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ میری وفات کا وقت قریب آ چکا ہے۔ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہو اور صبر سے کام لینا۔ میں تمھارے لیے بہترین میرِ سفر ہوں گا۔“ سیدہ نے فرمایا: اس وقت میرا رونا جو آپ نے دیکھا اس کی وجہ یہی تھی۔ جب آپ نے میری پریشانی دیکھی تو آپ نے دوبارہ مجھ سے سرگوشی کی اور فرمایا: ”فاطمہ بٹی! کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ جنت میں تم تمام اہل ایمان

خواتین کی سردار ہوگی یا خواتین امت کی سردار ہوگی؟"

فوائدومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب دوسری مرتبہ حضرت فاطمہ ؓ سے سرگوشی کی تو فرمایا: "میرے اہل بیت میں سے تم سب سے پہلے مجھے ملوگی۔ اس پر وہ ہنس پڑیں۔"[1] اس حدیث سے امام بخاری ؒ نے عنوان کے دونوں جز ثابت کیے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ جماعت کے سامنے سرگوشی کرنا جائز ہے، دوسرا یہ کہ زندگی تک تو راز کو پوشیدہ رکھنا چاہیے، جب وہ فوت ہو جائے تو اس کے ظاہر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ دونوں باتیں اس حدیث سے ثابت ہوتی ہیں۔ واللہ أعلم.

(٤٤) بَابُ الِاسْتِلْقَاءِ

باب: 44- چت لیٹنے کا بیان

٦٢٨٧ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبَّادُ بْنُ تَمِيمٍ عَنْ عَمِّهِ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ مُسْتَلْقِيًا وَاضِعًا إِحْدَى رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى. [راجع: ٤٧٥]

[6287] حضرت عباد بن تمیم ؒ سے روایت ہے، وہ اپنے چچا سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد میں چت لیٹے دیکھا تھا۔ آپ نے اپنی ایک ٹانگ دوسری پر رکھی ہوئی تھی۔

فائدہ: حضرت جابر ؓ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ انسان چت لیٹ کر ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھے۔[2] یہ حدیث مذکورہ حدیث کے مخالف ہے لیکن ان دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ جب چت لیٹے اور شرمگاہ ننگی ہو تو منع ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے اور اگر ننگی نہ ہو تو جائز ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی مذکورہ حدیث میں ہے، لہٰذا ان حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ واللہ أعلم.

(٤٥) بَابٌ: لَا يَتَنَاجَى اثْنَانِ دُونَ الثَّالِثِ

باب: 45- دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر سرگوشی نہ کریں

قَالَ عَزَّوَجَلَّ: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا تَنَـٰجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَـٰجَوْاْ﴾ إِلَـى قَـوْلِـهِ ﴿ٱلْمُؤْمِنُونَ﴾ [المجادلة: ٩، ١٠]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اے ایمان والو! جب تم سرگوشی کرو تو (گناہ، دشمنی اور رسول کی نافرمانی پر) سرگوشی نہ کرو...... (اگر تم) مومن ہو۔"

وَقَوْلُهُ: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا نَـٰجَيْتُمُ ٱلرَّسُولَ فَقَدِّمُواْ بَيْنَ يَدَىْ نَجْوَىٰكُمْ صَدَقَةً﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿بِمَا

نیز فرمان الٰہی ہے: "اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی کرو تو سرگوشی سے پہلے صدقہ کیا کرو...... جو تم عمل

[1] صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4433. [2] صحيح مسلم، اللباس والزينة، حديث: 5499 (2099).

تَعْمَلُونَ﴾ [المجادلة: ١٢، ١٣]. کرتے ہو۔‘‘

٦٢٨٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ؛ ح: وَحَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا كَانُوا ثَلَاثَةً فَلَا يَتَنَاجَى اثْنَانِ دُونَ الثَّالِثِ».

[6288] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جب تین شخص ہوں تو تیسرے سے علیحدہ ہو کر دو آدمی آپس میں سرگوشی نہ کریں۔‘‘

فائدہ: ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: ’’یہ سرگوشی تیسرے کو غمناک کرتی ہے۔‘‘[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تین شخص ہوں، ان میں سے دو علیحدہ جا کر خفیہ بات کریں تو تیسرے کو یہ فکر لاحق ہوگا کہ وہ اس کے خلاف کوئی سازش ترتیب دے رہے ہیں، اس لیے وہ خواہ مخواہ پریشان اور غمناک ہوگا اور اگر زیادہ لوگ ہوں تو کوئی حرج نہیں جیسا کہ آئندہ اس کی وضاحت ہوگی۔

(٤٦) بَابُ حِفْظِ السِّرِّ

باب: 46- راز کی حفاظت کرنا

٦٢٨٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَبَّاحٍ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ [يَقُولُ]: أَسَرَّ إِلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ سِرًّا فَمَا أَخْبَرْتُ بِهِ أَحَدًا بَعْدَهُ وَلَقَدْ سَأَلَتْنِي أُمُّ سُلَيْمٍ فَمَا أَخْبَرْتُهَا بِهِ.

[6289] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے مجھ سے ایک راز کی بات کی تھی۔ میں نے آپ کے بعد وہ راز کسی کو نہیں بتایا۔ حضرت ام سلیم ؓ نے بھی مجھ سے اس کے متعلق پوچھا تو میں نے انھیں بھی نہیں بتایا۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک کام کے لیے بھیجا تھا جس کی وجہ سے میں اپنی والدہ کے پاس دیر سے پہنچا۔ والدہ نے تاخیر کی وجہ پوچھی تو میں نے کہا: وہ رسول اللہ ﷺ کے راز کی ایک بات تھی۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ والدہ نے بھی تاکید کی کہ رسول اللہ ﷺ کا راز کسی کے سامنے ظاہر مت کرنا۔[2] ② ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ راز ازواج مطہرات ؓ کے ساتھ خاص تھا کیونکہ اگر دینی یا علمی بات ہوتی تو اس کا چھپانا تو جائز ہی نہیں۔ حافظ ابن حجر ؒ نے لکھا ہے کہ اس سے وہ راز مراد ہے جس کے ظاہر ہونے سے مسلمان بھائی کو نقصان کا اندیشہ ہو۔[3]

① صحيح البخاري، الاستئذان، حديث: 6290. ② صحيح مسلم، فضائل الصحابة، حديث: 6378 (2482)، و فتح الباري: 98/11. ③ فتح الباري: 99/11.

(٤٧) بَابٌ: إِذَا كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثَةٍ فَلَا بَأْسَ بِالْمُسَارَّةِ وَالْمُنَاجَاةِ

باب: 47- جب تین سے زیادہ آدمی ہوں تو (دو آدمیوں کے) سرگوشی کرنے میں کوئی حرج نہیں

٦٢٩٠ - حَدَّثَنِي عُثْمَانُ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً فَلَا يَتَنَاجَى رَجُلَانِ دُونَ الْآخَرِ حَتَّى تَخْتَلِطُوا بِالنَّاسِ، أَجْلَ أَنَّ ذٰلِكَ يُحْزِنُهُ».

[6290] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب تم تین آدمی ہو تو تیسرے ساتھی کو چھوڑ کر دو آدمی آپس میں سرگوشی نہ کیا کریں کیونکہ ایسا کرنے سے تیسرے کو رنج ہوگا۔ اگر لوگ آپس میں ملے جلے ہوں تو کوئی حرج نہیں۔''

فوائد ومسائل: ① یہ حدیث مفہوم مخالف کے اعتبار سے عنوان کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے، یعنی اگر تین سے زیادہ ہوں تو ان میں سے دو آدمی خفیہ بات کر سکتے ہیں، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ راوی حدیث ابوصالح نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ اگر چار افراد ہوں تو؟ انھوں نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں۔[1] ② حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل تھا کہ اگر تین آدمیوں کی موجودگی میں کسی سے راز کی بات کرنا چاہتے تو کسی چوتھے آدمی کو ساتھ ملا لیتے۔ بہر حال تیسرے کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشی کرنا یا کسی ایسی زبان میں بات کرنا جو اس کی سمجھ میں نہ آتی ہو اس کے لیے از حد تکلیف کا باعث ہے اور اس کی عزت و کرامت کے بھی خلاف ہے۔ والله أعلم.

٦٢٩١ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيقٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَسَمَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمًا قِسْمَةً، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: إِنَّ هٰذِهِ لَقِسْمَةٌ مَا أُرِيدَ بِهَا وَجْهُ اللهِ، قُلْتُ: أَمَا وَاللهِ لَآتِيَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، فَأَتَيْتُهُ وَهُوَ فِي مَلَإٍ، فَسَارَرْتُهُ فَغَضِبَ حَتَّى احْمَرَّ وَجْهُهُ، ثُمَّ قَالَ: «رَحْمَةُ اللهِ عَلَى مُوسَى، أُوذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ». [راجع: ٣١٥٠]

[6291] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک مرتبہ کچھ مال تقسیم فرمایا، اس پر انصار کے ایک شخص نے کہا: یہ ایک ایسی تقسیم ہے جس میں اللہ کی رضا مقصود نہیں۔ میں نے (دل میں) کہا: اللہ کی قسم! میں نبی ﷺ کی خدمت میں جاؤں گا، چنانچہ میں حاضر خدمت ہوا تو اس وقت آپ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، میں نے چپکے سے آپ کے کان میں بات کی۔ آپ غصے سے بھر گئے حتی کہ آپ کا چہرۂ انور سرخ ہو گیا، پھر آپ نے فرمایا: ''موسیٰ علیہ السلام پر اللہ کی رحمت ہو، انھیں اس سے بھی زیادہ تکلیف پہنچائی گئی مگر انھوں نے صبر سے کام لیا۔''

1 سنن أبي داود، الأدب، حديث: 4852.

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے طرز عمل سے عنوان کو ثابت کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس وقت سرگوشی کی جب دوسرے کئی لوگ موجود تھے۔ اس طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مجلس میں دو سے زیادہ لوگ ہوں تو انھیں اس قسم کی سرگوشی سے تکلیف نہیں ہوتی، ہاں اگر باقی ماندہ ایک شخص اجازت دے دے تو اس کی موجودگی میں بھی سرگوشی کرنا جائز ہوگا۔ ② اگر دو آدمی خفیہ بات کر رہے ہوں تو تیسرے کو گھس کر بات سننا بھی جائز نہیں ہے جیسا کہ متعدد احادیث میں اس کی ممانعت مذکور ہے۔

(٤٨) بَابُ طُولِ النَّجْوَى

باب: 48- دیر تک سرگوشی کرنا

﴿وَإِذْ هُمْ نَجْوَىٰٓ﴾ [الإسراء:٤٧]: مَصْدَرٌ مِنْ نَاجَيْتُ، فَوَصَفَهُمْ بِهَا وَالْمَعْنَى يَتَنَاجَوْنَ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”جب وہ سرگوشی کرتے ہیں۔“ آیت کریمہ میں نجویٰ، ناجیت فعل کا مصدر ہے۔ اس مقام پر ان لوگوں کی صفت واقع ہو رہی ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ وہ باہم سرگوشی کرتے ہیں۔

٦٢٩٢ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ وَرَجُلٌ يُنَاجِي رَسُولَ اللهِ ﷺ فَمَا زَالَ يُنَاجِيهِ حَتَّى نَامَ أَصْحَابُهُ ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى. [راجع: ٦٤٢]

[6292] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نماز کے لیے اقامت کہی گئی جبکہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ سے سرگوشی میں مصروف تھا۔ وہ دیر تک سرگوشی کرتا رہا حتی کہ آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نیند آنے لگی، پھر آپ اٹھے اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ اقامت کے بعد رسول اللہ ﷺ مسجد کے ایک کونے میں ایک آدمی سے سرگوشی کرتے رہے۔[1] دوسری روایت میں ہے کہ جب تکبیر کہی گئی تو ایک آدمی آیا اور اس نے آپ کو روک کر سرگوشی شروع کر دی۔[2] ② ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تکبیر کے بعد ضروری بات کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ أعلم.

(٤٩) بَابٌ: لَا تُتْرَكُ النَّارُ فِي الْبَيْتِ عِنْدَ النَّوْمِ

باب: 49- سوتے وقت گھر میں آگ نہ رہنے دی جائے

٦٢٩٣ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ

[6293] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی

1 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 642. 2 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 643.

الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا تَتْرُكُوا النَّارَ فِي بُيُوتِكُمْ حِينَ تَنَامُونَ».

ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جب تم سونے لگو تو گھر میں آگ نہ چھوڑو۔''

فوائدومسائل: ① اگر سوتے وقت گھر میں آگ چھوڑ دی جائے اور اسے بجھایا نہ جائے یا اس سے محفوظ رہنے کا کوئی بندوبست نہ کیا جائے تو بعض دفعہ اس کے بھڑک اٹھنے سے بہت سا جانی اور مالی نقصان ہو جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اگر گھر میں کوئی اکیلا آدمی ہے تو اسے چاہیے کہ سوتے وقت آگ بجھا کر سوئے یا اس سے محفوظ رہنے کا معقول بندوبست کرے اور اگر گھر میں کئی آدمی ہیں تو گھر میں جو آخری آدمی بیدار رہنے والا ہو اسے یہ ذمہ داری ادا کرنا ہوگی۔[1] ② بجلی کا معاملہ بھی یہی ہے، اسے بھی بجھا کر سونا چاہیے بصورت دیگر بہت بڑے نقصان کا اندیشہ ہے۔ واللہ أعلم.

٦٢٩٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: احْتَرَقَ بَيْتٌ بِالْمَدِينَةِ عَلَى أَهْلِهِ مِنَ اللَّيْلِ فَحُدِّثَ بِشَأْنِهِمُ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ هٰذِهِ النَّارَ إِنَّمَا هِيَ عَدُوٌّ لَكُمْ فَإِذَا نِمْتُمْ فَأَطْفِئُوهَا عَنْكُمْ».

[6294] حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ مدینہ طیبہ میں ایک گھر رات کے وقت اہل خانہ سمیت جل گیا۔ نبی ﷺ کو ان کے متعلق بتایا گیا تو آپ نے فرمایا: ''آگ تمھاری دشمن ہے، اس لیے جب سونے لگو تو اسے بجھا دیا کرو۔''

فوائدومسائل: ① اس حدیث میں آگ بجھا کر سونے کی حکمت بیان کی گئی ہے کہ اس سے جلنے کا اندیشہ ہوتا ہے، پھر یہ آگ عام ہے چراغ کی ہو یا چولہے میں جلنے والی، اس کے علاوہ گیس ہیٹر اور بجلی کے قمقموں کا بھی یہی حکم ہے۔ ② آگ کو دشمن سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ اس سے جانی اور مالی نقصان کا اندیشہ رہتا ہے، جس طرح ایک دشمن سے خطرہ ہوتا ہے اگرچہ اس میں بے شمار فوائد بھی ہیں۔[2]

٦٢٩٥ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ كَثِيرٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «خَمِّرُوا الْآنِيَةَ، وَأَجِيفُوا الْأَبْوَابَ، وَأَطْفِئُوا الْمَصَابِيحَ، فَإِنَّ الْفُوَيْسِقَةَ رُبَّمَا جَرَّتِ الْفَتِيلَةَ فَأَحْرَقَتْ أَهْلَ الْبَيْتِ». [راجع: ٣٢٨٠]

[6295] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(سوتے وقت) برتن ڈھانپ لیا کرو، دروازے بند کر لیا کرو اور چراغ بجھا دیا کرو کیونکہ بسا اوقات چوہیا چراغ کی بتی کھینچ لیتی ہے اور گھر والوں کو جلا دیتی ہے۔''

---

[1] فتح الباري: 103/11. [2] فتح الباري: 103/11.

فوائد ومسائل: ① ایک حدیث میں اس کا سبب بیان کیا گیا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک دفعہ کوئی چوہیا چراغ کی بتی گھسیٹ کر لے آئی اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس چٹائی پر ڈال دی جس پر آپ تشریف فرما تھے اور ایک درہم کے برابر جگہ جل گئی تو آپ نے فرمایا: ''جب تم سونے لگو تو اپنے چراغ بجھا دیا کرو کیونکہ شیطان اس جیسی مخلوق کو اس قسم کا کام بجھا دیتا ہے اور تمھارے گھروں میں آگ لگا دیتا ہے۔''[1] ② بہرحال رات کو سوتے وقت آگ، کوئلے والی انگیٹھی، گیس یا بجلی کے ہیٹر اور بتی والے چراغ وغیرہ بجھا کر سونا چاہیے ورنہ نقصان ہو سکتا ہے، نیز اس قسم کے حادثات میں درحقیقت شیطانی حرکت کا عمل دخل ہوتا ہے، اس لیے اس کے شر سے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے رہنا چاہیے۔ واللہ المستعان.

(٥٠) بَابُ غَلْقِ الْأَبْوَابِ بِاللَّيْلِ

باب: 50- رات کے وقت دروازے بند کرنا

٦٢٩٦ - حَدَّثَنَا حَسَّانُ بْنُ أَبِي عَبَّادٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَطْفِئُوا الْمَصَابِيحَ بِاللَّيْلِ إِذَا رَقَدْتُمْ، وَأَغْلِقُوا الْأَبْوَابَ، وَأَوْكِئُوا الْأَسْقِيَةَ، وَخَمِّرُوا الطَّعَامَ وَالشَّرَابَ».

قَالَ هَمَّامٌ: وَأَحْسِبُهُ قَالَ: «وَلَوْ بِعُودٍ يَعْرِضُهُ». [راجع: ٣٢٨٠]

[6296] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب رات کو سونے لگو تو چراغ بجھا دیا کرو، دروازے بند کر دیا کرو، مشکیزوں کا منہ باندھ لیا کرو اور کھانے پینے کی چیزیں ڈھانپ دیا کرو۔''

ہمام نے کہا: میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا: ''اگرچہ ایک لکڑی ہی سے ہو۔''

فوائد ومسائل: ① اگرچہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو ایسی قدرت دی ہے کہ وہ ایسی جگہوں میں داخل ہو جاتا ہے جہاں انسان نہیں جا سکتا لیکن اللہ کے ذکر سے اس کی یہ طاقت ختم ہو جاتی ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ اللہ کا نام لے کر دروازہ بند کرو بلاشبہ شیطان بند دروازے نہیں کھول سکتا۔[2] ایک دوسری حدیث میں اس کی مزید وضاحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''انسان جب اپنے گھر میں داخل ہوتے ہوئے اللہ کا نام لیتا ہے اور اپنے کھانے پر بھی اللہ کا نام لیتا ہے تو شیطان کہتا ہے: تمھارے لیے یہاں رات کا کوئی ٹھکانا ہے اور نہ رات کا کھانا ہے۔ اور جب انسان داخل ہوتے وقت اللہ کا ذکر نہ کرے تو شیطان کہتا ہے کہ تمھیں رات کا ٹھکانا مل گیا۔ اور جب کھانے پر اللہ کا نام نہ لے تو کہتا ہے: تمھیں رات کے ٹھکانے کے ساتھ ساتھ کھانا بھی مل گیا۔''[3] ② بہرحال شیطان کے حملے انتہائی مخفی، شدید اور مسلسل ہوتے ہیں، ان سے بچاؤ کا یقینی طریقہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ واللہ المستعان.

---

① سنن أبي داود، الأدب، حديث: 5247. ② صحيح مسلم، الأشربة، حديث: 5246 (2012). ③ سنن أبي داود، الأطعمة، حديث: 3765.

(٥١) بَابُ الْخِتَانِ بَعْدَ الْكِبَرِ، وَنَتْفِ الْإِبْطِ

باب: 51- بڑا ہونے کے بعد ختنہ کرنا اور بغلوں کے بال اکھاڑنا

وضاحت: اس عنوان کو کتاب الاستئذان میں اس لیے لایا گیا ہے کہ ختنے گھروں میں ہوتے ہیں اور اس تقریب میں لوگ جمع ہوتے ہیں، اس بنا پر گھروں میں داخلے کے لیے اجازت طلب کرنے کی ضرورت ہے۔[1]

٦٢٩٧ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «الْفِطْرَةُ خَمْسٌ: الْخِتَانُ، وَالْاِسْتِحْدَادُ، وَنَتْفُ الْإِبْطِ، وَقَصُّ الشَّارِبِ، وَتَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ». [راجع: ٥٨٨٩]

[6297] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”پانچ چیزیں فطرتی ہیں: ختنہ کرنا، زیر ناف بال مونڈنا، بغلوں کے بال اکھیڑنا، مونچھیں چھوٹی کرنا اور ناخن کاٹنا۔“

٦٢٩٨ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبُ ابْنُ أَبِي حَمْزَةَ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «اخْتَتَنَ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَعْدَ ثَمَانِينَ سَنَةً، وَاخْتَتَنَ بِالْقَدُومِ» مُخَفَّفَةً.

[6298] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر میں اپنا ختنہ کیا اور تیشے سے کیا۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا الْمُغِيرَةُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ وَقَالَ: بِالْقَدُّومِ، وَهُوَ مَوْضِعٌ مُشَدَّدٌ.

ایک روایت میں لفظ قدّوم دال مشدد کے ساتھ مروی ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ انھوں نے قدّوم جگہ میں اپنا ختنہ کیا۔

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ کے عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ ختنہ کرنا واجب ہے کیونکہ عمر کے اعتبار سے بڑا ہونے کے بعد بھی یہ حکم ساقط نہیں ہوتا، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی (80) سال کی عمر میں ختنہ کیا، حالانکہ اس عمر میں ختنہ کرنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ اگر یہ واجب نہ ہوتا تو عمر کے اس حصے میں وہ ختنے کی تکلیف گوارا نہ کرتے، اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور اسلام قبول کیا، آپ نے اسے فرمایا: ”کفر کے بال اتار پھینکو اور اپنا ختنہ کراؤ۔“[2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس کے وجوب کو بیان کیا ہے۔[3]

---

[1] فتح الباري: 106/11. [2] سنن أبي داود، الطهارة، حديث: 356. [3] فتح الباري: 106/11.

٦٢٩٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ: أَخْبَرَنَا عَبَّادُ بْنُ مُوسَى: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ: سُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ: مِثْلُ مَنْ أَنْتَ حِينَ قُبِضَ النَّبِيُّ ﷺ؟ قَالَ: أَنَا يَوْمَئِذٍ مَخْتُونٌ، قَالَ: وَكَانُوا لَا يَخْتِنُونَ الرَّجُلَ حَتَّى يُدْرِكَ. [انظر: ٦٣٠٠]

[6299] حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت ابن عباس ؓ سے پوچھا گیا کہ جب نبی ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ کی عمر کیا تھی؟ انھوں نے فرمایا: اس وقت میرا ختنہ ہو چکا تھا۔ عرب لوگوں کی عادت تھی کہ جب تک لڑکا جوانی کے قریب نہ ہوتا اس کا ختنہ نہ کرتے تھے۔

٦٣٠٠ - وَقَالَ ابْنُ إِدْرِيسَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: قُبِضَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَنَا خَتِينٌ. [راجع: ٦٢٩٩]

[6300] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی وفات ہوئی تو میرا ختنہ ہو چکا تھا۔

فوائد و مسائل: ① بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت حضرت ابن عباس ؓ کی عمر دس برس تھی، لیکن صحیح موقف یہ ہے کہ اس وقت ان کی عمر تیرہ برس تھی کیونکہ حضرت ابن عباس ؓ شعب ابی طالب میں پیدا ہوئے تھے۔ جب قریش نے بنو ہاشم کا بائیکاٹ کر رکھا تھا۔ یہ ہجرت سے تین برس پہلے کا واقعہ ہے اور دس سال آپ مدینہ طیبہ میں رہے ہیں، اس لیے تیرہ برس والی روایت ہی قابل اعتماد ہے۔ ان کا ختنہ وفات رسول اللہ ﷺ سے پہلے اور حجۃ الوداع کے بعد ہوا تھا۔ ② واضح رہے کہ عربوں کے ہاں عورتوں کا بھی ختنہ کیا جاتا تھا، چنانچہ حضرت ام عطیہ ؓ کا بیان ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایک عورت ختنے کیا کرتی تھی۔ اسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ختنہ گہرا نہ کیا کرو کیونکہ اس میں عورت کے لیے زیادہ لذت اور شوہر کے لیے بھی یہ کیفیت زیادہ پسندیدہ ہوتی ہے۔''[1] چونکہ ہمارے ہاں اہل مشرق میں یہ عمل غیر معروف ہے، اس لیے یہ عمل عورتوں کے لیے ضروری نہیں، البتہ جہاں اس کی ضرورت محسوس ہو یا وہاں کا معمول ہو تو اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ واللہ أعلم.

(٥٢) بَابٌ: كُلُّ لَهْوٍ بَاطِلٌ إِذَا شَغَلَهُ عَنْ طَاعَةِ اللهِ وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ: تَعَالَ أُقَامِرْكَ

باب: 52- ہر کھیل کود جو اللہ کی اطاعت سے غفلت کا باعث ہو وہ حرام ہے اور جس نے کہا آؤ جوا کھیلیں، اس کا کیا حکم ہے؟

وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ ٱلْحَدِيثِ﴾ الْآيَةَ [لقمان: ٦].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''کچھ لوگ ایسے ہیں جو کھیل تماشے کی باتیں خریدتے ہیں......''

① سنن أبي داود، الأدب، حديث: 5271.

وضاحت: اس آیت کریمہ میں ﴿لَهْوَ الْحَدِيْثِ﴾ سے مراد گانا بجانا ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نیز ہر وہ چیز لَهْوَ الْحَدِيْثِ میں شامل ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دے۔

٦٣٠١ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ حَلَفَ مِنْكُمْ فَقَالَ فِي حَلِفِهِ: بِاللَّاتِ وَالْعُزَّى، فَلْيَقُلْ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ: تَعَالَ أُقَامِرْكَ، فَلْيَتَصَدَّقْ».

[6301] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے جس نے قسم اٹھائی اور قسم میں لات اور عزیٰ کا نام لیا تو وہ فوراً لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه کہے اور جس نے اپنے ساتھی سے کہا آؤ، میں تمھارے ساتھ جوا کھیلتا ہوں تو اسے چاہیے کہ وہ صدقہ کرے۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کا کتاب الاستئذان سے تعلق اس طور پر ہے کہ جوئے کی دعوت دینے والوں کو گھر آنے کی اجازت نہ دی جائے، اسی طرح جو انسان خود کو فضول کاموں میں مصروف رکھتا ہے وہ بھی اس قابل نہیں کہ اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دی جائے۔[1] ② اس حدیث کے آخری حصے کا سبب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں بیان ہوا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ میں نے لات اور عزیٰ کے نام کی قسم اٹھائی تو میرے ساتھیوں نے مجھے کہا: تو نے ایک بے ہودہ بات کی ہے جو بہت بری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اور آپ کو بتاؤ، چنانچہ میں آپ کے پاس آیا اور اپنا ماجرا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا: ''تم یہ دعا پڑھو: [لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ] اور بائیں جانب تین مرتبہ تھوتھو کرو۔ شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو اور آئندہ کبھی ایسا نہ کرنا۔''[2] ③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ سے مراد یہ پورا کلمہ ہے جو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ہو کیونکہ یہ بھی کلمۂ توحید ہے۔[3]

(٥٣) بَابُ مَا جَاءَ فِي الْبِنَاءِ

باب: 53- عمارت بنانا کیسا ہے؟

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ إِذَا تَطَاوَلَ رُعَاةُ الْبَهْمِ فِي الْبُنْيَانِ».

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں: ''قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ جس وقت مویشی چرانے والے محلات بنانے میں ایک دوسرے پر فخر کریں گے۔''

وضاحت: قیامت کی یہ بھی ایک نشانی ہے کہ دیہاتوں میں رہنے والے غریب لوگوں پر دنیا کھل جائے گی اور وہ بلند و بالا

---

[1] فتح الباري: 110/11. [2] سنن النسائي، الأيمان والنذور، حديث: 3808. [3] فتح الباري: 110/11.

عمارتیں اور بہترین پلازے بنا کر ان پر فخر کرنے لگیں گے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جن کو پیٹ بھر کر کھانا نہیں ملتا تھا وہ آج کوٹھیوں میں رہتے ہیں، کاریں ان کے دروازوں پر کھڑی رہتی ہیں اور وہ ہوائی جہازوں میں سفر کرتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ لمبی لمبی اونچی عمارتیں تعمیر کرنا مکروہ ہے۔ ہمارے رجحان کے مطابق اس سے مراد وہ عمارت ہے جو بلاضرورت محض فخر و تکبر کے اظہار کے لیے بنائی جائے جیسا کہ اکثر دنیادار قسم کے امیروں کی عمارتیں ہیں لیکن وہ عمارت جو دین کی سربلندی یا عام مسلمانوں کے فائدے کے لیے بنائی جائے، جیسے: مساجد، مدارس اور یتیم خانے وغیرہ تو ایسی عمارتیں بنانا باعث ثواب ہے بلکہ جب تک یہ تعمیرات باقی رہیں گی بنانے والوں کے لیے صدقۂ جاریہ ہوں گی۔ واللہ أعلم.

٦٣٠٢ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ - هُوَ ابْنُ سَعِيدٍ - عَنْ سَعِيدٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: رَأَيْتُنِي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بَنَيْتُ بِيَدِي بَيْتًا يُكِنُّنِي مِنَ الْمَطَرِ، وَيُظِلُّنِي مِنَ الشَّمْسِ، مَا أَعَانَنِي عَلَيْهِ أَحَدٌ مِنْ خَلْقِ اللهِ.

[6302] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے خود کو نبی ﷺ کے ساتھ دیکھا کہ میں نے (آپ کے زمانۂ مبارک میں) اپنے ہاتھوں سے ایک گھر بنایا جو مجھے بارش سے محفوظ رکھتا اور دھوپ میں سایہ فراہم کرتا تھا۔ اللہ کی مخلوق میں سے کسی نے اس کام میں میری مدد نہیں کی۔

فوائد و مسائل: ① حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مقصود، رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اپنی تنگدستی کا اظہار ہے کہ میں نے بقدر ضرورت اپنی کٹیا تعمیر کی تھی، اس کے بعد تباہ حال اور تنگ دست و فقیر، مال دار بن گئے اور ضرورت کے بغیر مکانات تعمیر کرنے میں دلچسپی لینے لگے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عمارت اپنے بنانے والے کے لیے وبال جان ہوگی مگر وہ عمارت جس کے بغیر چارۂ کار نہ ہو۔''[1] ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: جن احادیث میں تعمیرات کی مذمت بیان ہوئی ہے ان سے مراد ایسی عمارات ہیں جو بلاضرورت، محض نمائش اور اظہار فخر کے لیے بنائی گئی ہوں لیکن جو عمارتیں رہائش اور گرمی سردی سے بچاؤ کے لیے ہیں وہ قطعاً مراد نہیں کیونکہ یہ انسانی ضرورت کے لیے ہوتی ہیں۔[2]

٦٣٠٣ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: قَالَ عَمْرٌو: قَالَ ابْنُ عُمَرَ: وَاللهِ مَا وَضَعْتُ لَبِنَةً عَلَى لَبِنَةٍ، وَلَا غَرَسْتُ نَخْلَةً مُنْذُ قُبِضَ النَّبِيُّ ﷺ.

[6303] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے نبی ﷺ کی وفات کے بعد کوئی اینٹ کسی اینٹ پر نہیں رکھی اور نہ کوئی باغ ہی لگایا ہے۔

قَالَ سُفْيَانُ: فَذَكَرْتُهُ لِبَعْضِ أَهْلِهِ قَالَ: وَاللهِ لَقَدْ بَنَى، قَالَ سُفْيَانُ: قُلْتُ: فَلَعَلَّهُ قَالَ قَبْلَ أَنْ يَبْنِيَ.

سفیان نے کہا: میں نے ان کی یہ بات ان کے اہل خانہ سے ذکر کی تو انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! انھوں نے گھر بنایا تھا۔ سفیان کہتے ہیں کہ میں نے کہا: پھر انھوں نے یہ

① سنن أبي داود، الأدب، حديث: 5237. ② فتح الباري: 111/11.

بات گھر بنانے سے پہلے کہی ہوگی۔

فوائد و مسائل: ① ہر قسم کی تعمیر اور باغبانی قابل مذمت نہیں بلکہ حدیث میں ایسی فضول تعمیرات کا باعث وبال ہونا بیان کیا گیا ہے جو ضرورت کے علاوہ محض فخر وریا کے لیے ہوں جیسا کہ آج کل لوگوں نے بڑی بڑی اور اونچی اونچی عمارتیں تعمیر کر رکھی ہیں۔ باغات کا بھی یہی حال ہے، البتہ وہ عمارتیں یا باغ جو کسی فائدے کے لیے ہو وہ باعث اجر وثواب ہوگا۔ ② واضح رہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کی بیان کردہ تطبیق و توجیہ بالکل مناسب معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ بات گھر بنانے سے پہلے کی ہے، بعد میں انھوں نے اپنا گھر بنایا جیسا کہ خود ان کے اہل خانہ کا بیان ہے۔ واللہ أعلم وعلمه أتم.

الدعوات کا معنی ومفہوم اور دعا کے آداب وشرائط

لغوی طور پر الدعوات، دعوۃ کی جمع ہے جو مصدر ہے اور اس سے مراد دعا ہے۔ اس کے معنی طلب کرنا، درخواست کرنا اور ترغیب دینا ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے قرآن کریم کے حوالے سے دعا کے متعدد معنی بیان کیے ہیں:

❁ عبادت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ﴾[1] ''اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت نہ کرو جو تجھے نہ کوئی نفع دے سکے اور نہ نقصان ہی پہنچا سکے۔''

❁ مدد طلب کرنا: جیسے قرآن میں ہے: ﴿وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾[2] ''اللہ کے سوا تم دوسرے مددگاروں کو بھی بلالو۔''

❁ سوال کرنا: فرمان الٰہی ہے: ﴿اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾[3] ''مجھ سے سوال کرو میں اسے شرف قبولیت سے نوازوں گا۔''

❁ قول، یعنی بات کرنا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ﴾[4] ''جنت میں ان کا قول، یعنی بات یہ ہوگی اے اللہ! تو پاک ہے۔''

❁ نداء، یعنی پکارنا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿یَوْمَ یَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ﴾[5] ''جس دن وہ تمھیں آواز دے گا تو تم اس کی تعریف کرتے ہوئے تعمیل ارشاد کرو گے۔''

❁ ثنا، یعنی تعریف کرنا: قرآن مجید میں ہے: ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ﴾[6] ''تم اس کی تعریف اللہ کے نام سے کرو یا رحمٰن کے نام سے۔''[7]

اصطلاحی طور پر دعا کی تعریف یہ ہے: خیر وبرکت کے حصول یا کسی شر سے بچاؤ کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑانا اور اسے پکارنا، دعا کہلاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا کو عبادت قرار دیا ہے، آپ فرماتے ہیں: ''دعا ہی عبادت ہے۔''[8] جب دعا عبادت ہے اور انسان کا دنیا میں آنے کا مقصد بھی یہی ہے تو یقیناً اس سے قرب الٰہی بھی حاصل ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ کے معمولات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی حیات طیبہ اس عبادت سے خوب منور تھی، صبح سے شام تک، شام سے صبح تک خوشی وغمی، صحت ومرض میں کھانے پینے کے بعد، مسرت وفرحت کے دلکش مواقع پر،

---

[1] یونس 10:106. [2] البقرة 2:23. [3] المؤمن 40:60. [4] یونس 10:10. [5] بنيَ إسرآئيل 17:52. [6] بنيَ إسرآئيل 17:110. [7] فتح الباري: 11/113. [8] جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 2969.

آندھی اور طوفان میں، الغرض آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ہمیں اس عبادت کی ترغیب دیتا ہے۔ جب دعا ایک عبادت ہے تو غیراللہ سے دعا کرنا شرک ٹھہرتا ہے، لہٰذا زبان زد عام کلمات، مثلاً: یارسول اللہ! یا علی! یا حسین اور یا غوث قسم کے انداز سے دعائیں کرنا، نعرے لگانا صریح شرک ہے۔ ان سے بچنا ایک مسلمان کا اولین فرض ہے۔

ہمارے رجحان کے مطابق دعا، مومن کا ہتھیار ہے اور یہ ایک ایسا مؤثر ہتھیار ہے جسے آپ کسی بھی وقت کسی بھی موقع پر چلا سکتے ہیں، لیکن اس ہتھیار کے ذریعے سے بہترین نتائج کے حصول کے لیے چند آداب و شرائط ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

- بوقت دعا انسان یہ اعتقاد رکھے کہ کمال صرف اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی، اس کی رحمت اور اس کی قدرت ہی کو حاصل ہے، لہٰذا دعا صرف اور صرف مالکِ دو جہاں، خالق کائنات سے مانگی جائے۔
- قبولیت کی امید کے ساتھ دعا کی جائے۔ اس طرح دعا نہ کرے کہ اسے شک ہو کہ نامعلوم یہ دعا قبول ہوگی یا نہیں بلکہ پوری دل جمعی، نہایت خشوع وخضوع اور اس یقین کے ساتھ کرے کہ اس کی دعا ضرور قبول ہوگی۔
- دعا میں حد سے نہ گزرے، یعنی اللہ تعالیٰ سے ایسی چیز کے متعلق دعا نہ کرے جو شرعاً جائز نہ ہو، مثلاً: کسی گناہ پر مبنی کسی کام یا قطع رحمی کے لیے دعا کی جائے، ایسا کرنا شرعاً حلال نہیں۔
- دعا کرتے وقت یہ بھی اعتقاد ہونا چاہیے کہ وہ اپنے رب کا محتاج اور خالق کائنات بے نیاز ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کی مشیت کے بغیر وہ کسی بھی نفع یا نقصان کا سزاوار نہیں۔
- دعا کرنے والے کا کھانا، پینا اور لباس حرام کا نہ ہو بلکہ حلال اور طیب ہو کیونکہ مال حرام قبولیت میں رکاوٹ کا باعث ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود بھی پاک ہے اور پاک ہی کو قبول کرتا ہے۔
- دعا کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کی خوب تعریف کرے، اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ پر بکثرت درود پڑھے، پھر اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے فضل و کرم کی درخواست کرے۔
- قبولیت دعا کے اوقات میں دعا کرے، مثلاً: رات کے آخری حصے میں، اذان اور اقامت کے درمیانے وقفے میں، فرض نماز کے بعد، جمعہ کے دن عصر کے بعد، بحالت سجدہ اور بارش برسنے کے وقت دعا کرے۔
- رسول اللہ ﷺ سے غیر ثابت شدہ دعاؤں، مثلاً: دعائے نور، دعائے حبیب، دعائے گنج عرش اور دعائے منزل وغیرہ سے پرہیز کیا جائے۔
- دعا کی قبولیت کی تاخیر میں دعا ترک نہ کرے کیونکہ قبولیت دعا کی تین صورتیں ہوتی ہیں: ① دعا کے مطابق حاجت پوری ہو جاتی ہے۔ ② دعا کے برابر کوئی ناگہانی بلا ٹال دی جاتی ہے۔ ③ یا اس کی دعا کو آخرت کے لیے ذخیرہ بنا

دیا جاتا ہے۔[1]

❁ آزمائشوں، سختیوں اور مصیبتوں میں تو سب لوگ ہی دعا کرتے ہیں کشادگی، بے فکری اور فارغ البالی کے اوقات میں دعاؤں میں مشغول رہنا کمال کی علامت ہے۔ دعا کرنے سے پہلے اپنا جائزہ ضرور لینا چاہیے ایسا نہ ہو کہ اس پر کوئی سستی وغفلت کا دھبا ہو یا وہ شکوک وشبہات میں مبتلا ہو۔

بہرحال انسان مشکلات و مصائب میں گھر جائے، حالات و واقعات اس کے خلاف ہو جائیں، دشمن، بیماری یا پریشانی کا دباؤ شدید ہو جائے، اپنے بیگانے سب ساتھ چھوڑ جائیں، جب دنیاوی سہارے اور امید، دم توڑ جائیں تو اس وقت دعا کا ہتھیار اور اس کی کارکردگی بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ انسان کو چاہیے کہ درج بالا آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے، ایسے حالات میں کامیابی یقینی اور پکی بات ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت دعا کے متعلق ایک مکمل ضابطہ امت کے حوالے کیا ہے، اس کے لیے انھوں نے اس بڑے عنوان کے تحت انہتر (69) چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کیے ہیں پھر انھوں نے ان عنوانات کو ثابت کرنے کے لیے ایک سو پینتالیس (145) مرفوع احادیث کا انتخاب کیا ہے جن میں اکتالیس (41) معلق اور ایک سو چار (104) احادیث متصل سند سے بیان کی ہیں۔ ان میں ایک سو اکیس (121) مکرر اور چوبیس (24) خالص ہیں۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے آٹھ (8) احادیث کے علاوہ باقی تمام احادیث پر اتفاق کیا ہے۔ مرفوع احادیث کے علاوہ مختلف صحابۂ کرام اور تابعین عظام کے (9) آثار بھی بیان کیے ہیں۔

الغرض امام بخاری رحمہ اللہ نے احادیث و آثار کی روشنی میں دعا کی اہمیت وفضیلت اور آداب و شرائط پر قبولیت کے مقامات واوقات کے متعلق سیر حاصل بحث کی ہے۔ دعا کی ایک قسم ''استعاذہ'' یعنی اللہ کی پناہ طلب کرنا ہے۔ اس کے متعلق بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے چودہ (14) چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کیے ہیں جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں: ''فتنوں سے پناہ، انسانوں کے غلبے سے پناہ، عذاب قبر سے پناہ، زندگی اور موت کے فتنے سے پناہ، آگ کے فتنے سے پناہ، غنا اور فقر سے پناہ، گناہ اور تاوان سے پناہ، بزدلی اور سستی سے پناہ، گھٹیا عمر سے پناہ وغیرہ۔ دعا کے علاوہ امام بخاری رحمہ اللہ نے تسبیح وتہلیل اور ذکر الٰہی کے فضائل بھی بیان کیے ہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں دعا کے متعلق بہت سی دیگر ہدایات سے بھی امت کو آگاہ کیا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ دل کی گہرائی سے آئندہ آنے والی احادیث کا مطالعہ کریں اور پورے عزم و جزم کے ساتھ ان کے مطابق عمل کرنے کو اپنی زندگی کا حصہ بنائیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ جو شخص

---

[1] مسند أحمد: 18/3.

اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرتا وہ گویا اللہ تعالیٰ کے غضب میں گرفتار ہے اور جس کے لیے بکثرت دعا کرنے کا دروازہ کھول دیا گیا اس کے لیے گویا رحمتِ الٰہی کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اہل ایمان کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے عمل کو اپنا لیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کی توفیق دے۔ آمین.

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

80- كِتَابُ الدَّعَوَاتِ

دعاؤں سے متعلق احکام و مسائل

وَقَوْلُ اللهِ تَعَالَى: ﴿ادْعُونِيٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ الْآيَةَ [غافر: ٦٠].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”(تمھارے رب نے فرمایا ہے کہ) تم مجھ سے دعا کرو، میں تمھاری دعا قبول کروں گا۔“

وضاحت: ایک حدیث میں دعا کو عبادت کہا گیا ہے۔[1] بلکہ عبادت کا مغز قرار دیا گیا ہے۔[2] آیت کی رو سے دعا نہ کرنے پر جہنم کی وعید ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس آیت کے ذریعے سے خشک زاہدوں کی تردید کرنا چاہتے ہیں جن کے نزدیک قضا کو تسلیم کرتے ہوئے ترک دعا افضل ہے۔ ہمارے رجحان کے مطابق امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف بہت وزنی ہے، اس لیے تفویض کے بجائے دعا کے عمل کو اختیار کرنا ہی انسان کے شایان شان ہے۔ واللّٰه أعلم.

(١) بَابٌ: لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ

باب: 1- ہر نبی کی ایک دعا ضرور قبول ہوتی ہے

وضاحت: تمام انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ سے قبولیت دعا کی امید رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ بھی کر رکھا ہے، اس لیے ان کی ایک دعا تو ضرور ہی قبول ہوگی، باقی دعائیں قبولیت کی امید سے وابستہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مقبول دعا کو قیامت کے دن کے لیے محفوظ رکھا ہے۔ واللّٰه المستعان.

٦٣٠٤ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ يَدْعُو بِهَا، وَأُرِيدُ أَنْ أَخْتَبِئَ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي فِي الْآخِرَةِ». [انظر: ٧٤٧٤]

[6304] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہر نبی کے لیے ایک دعا مقبول تھی جو اس نے دنیا میں کر لی لیکن میں چاہتا ہوں کہ اپنی دعا کو آخرت میں اپنی امت کی سفارش کے لیے محفوظ رکھوں۔“

---

[1] سنن أبي داود، الوتر، حديث: 1479. [2] جامع الترمذي، الدعوات، حديث: 3371.

٦٣٠٥ - وَقَالَ مُعْتَمِرٌ: سَمِعْتُ أَبِي عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لِكُلِّ نَبِيٍّ سَأَلَ سُؤْلًا، أَوْ قَالَ: لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ قَدْ دَعَا بِهَا فَاسْتُجِيبَ، فَجَعَلْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ».

[6305] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''ہر نبی نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا۔'' یا فرمایا: ''ہر نبی کے لیے ایک مخصوص دعا تھی جو انھوں نے مانگی تو قبول ہوئی لیکن میں نے اپنی دعا قیامت کے دن اپنی امت کی سفارش کے لیے محفوظ رکھی ہوئی ہے۔''

فوائد و مسائل: ① حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن میری سفارش ہر اس شخص کے لیے قبول ہوگی جو میری امت سے اس حالت میں فوت ہوا ہو کہ اس نے اللہ کے ساتھ شرک نہ کیا ہو۔''[1] ② اس حدیث میں ہمارے نبی ﷺ کی برتری اور فضیلت کا بیان ہے جو انھیں تمام انبیاء علیہم السلام پر حاصل ہے کہ آپ نے اس مخصوص دعا کے لیے اپنی ذات پر تمام موحدین کو ترجیح دی۔ اس میں آپ کی طرف سے امت پر کمال شفقت کا بھی اظہار ہے۔ ③ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل سنت میں سے جو شخص توحید پر فوت ہوا ہو وہ جہنم میں ہمیشہ نہیں رہے گا اگرچہ وہ کبیرہ گناہوں پر اصرار ہی کیوں نہ کرتا ہو۔[2] واللہ أعلم.

(٢) بَابُ أَفْضَلِ الْاِسْتِغْفَارِ

باب:2- بہترین استغفار

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿ٱسْتَغْفِرُوا۟ رَبَّكُمْ إِنَّهُۥ كَانَ غَفَّارًا﴾ اَلْآيَةَ [نوح:١٢] ﴿وَٱلَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا۟ فَٰحِشَةً أَوْ ظَلَمُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ﴾ اَلْآيَةَ [آل عمران:١٣٥].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اپنے رب سے مغفرت طلب کرو یقیناً وہ ہمیشہ سے بہت معاف کرنے والا ہے۔''

نیز فرمان الٰہی ہے: ''(بہشت ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے) جن سے جب کوئی بے حیائی کا کام سرزد ہو جاتا ہے یا وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں (تو اللہ کو یاد کرتے ہیں)۔''

وضاحت: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے استغفار کرنے والوں کے لیے قحط سالی، فقر و غربت دور کرنے، مال و اولاد دینے، باغات کی ترو تازگی اور نہروں، دریاؤں میں پانی جاری کرنے کا وعدہ فرمایا ہے، اس سے استغفار کی فضیلت کا پتا چلتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا اس عنوان سے یہی مقصود ہے کہ استغفار کی فضیلت بیان کی جائے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ان آیات سے امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے ایک واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کے پاس ایک آدمی آیا اور قحط سالی کی شکایت کی تو انھوں نے اسے استغفار کرنے کا مشورہ دیا۔ دوسرا آدمی آیا تو اس نے فقر و فاقے کا شکوہ کیا۔ انھوں نے اسے بھی

① صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 491 (199). ② فتح الباري: 117/11.

استغفار کرنے کے متعلق کہا۔ تیسرا آدمی آیا تو اس نے باغات کے خشک ہو جانے کی شکایت کی۔ انھوں نے اسے بھی یہی کہا۔ چوتھے آدمی نے نرینہ اولاد کے نہ ہونے کے متعلق کہا تو انھوں نے اسے بھی استغفار کرنے کا مشورہ دیا، پھر انھوں نے ان آیات کو تلاوت کیا جو امام بخاری رحمہ اللہ نے پیش کی ہیں۔[1]

٦٣٠٦ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ: حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ بُرَيْدَةَ: حَدَّثَنِي بُشَيْرُ بْنُ كَعْبٍ الْعَدَوِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي شَدَّادُ بْنُ أَوْسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «سَيِّدُ الْاِسْتِغْفَارِ أَنْ يَقُولَ: اَللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبِّي لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ، وَأَنَا عَلَى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، أَبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ، وَأَبُوءُ بِذَنْبِي فَاغْفِرْ لِي إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ». قَالَ: «وَمَنْ قَالَهَا مِنَ النَّهَارِ مُوقِنًا بِهَا فَمَاتَ مِنْ يَوْمِهِ قَبْلَ أَنْ يُمْسِيَ، فَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَمَنْ قَالَهَا مِنَ اللَّيْلِ، وَهُوَ مُوقِنٌ بِهَا، فَمَاتَ قَبْلَ أَنْ يُصْبِحَ، فَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ».

[انظر: ٦٣٢٣]

[6306] حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''سید الاستغفار یہ (وظیفہ) ہے کہ تو کہے: ''اے اللہ! تو میرا رب ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا ہی بندہ ہوں۔ میں اپنی طاقت کے مطابق تیرے عہد و پیمان پر کاربند ہوں۔ میں ان بری حرکتوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو میں نے کی ہیں۔ جو تیری نعمتیں ہیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور میں اپنے گناہوں کا بھی اعتراف کرتا ہوں۔ میری مغفرت کر دے۔ بلاشبہ تیرے سوا کوئی بھی گناہ معاف کرنے والا نہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اس استغفار پر یقین رکھتے ہوئے دل کی گہرائی سے اسے پڑھا، پھر شام ہونے سے پہلے اسی دن اس کا انتقال ہو گیا تو وہ جنتی ہے۔ اور جس نے ان الفاظ پر یقین رکھتے ہوئے رات کے وقت ان کو پڑھ لیا، پھر اس کا صبح ہونے سے پہلے انتقال ہو گیا تو وہ جنتی ہے۔''

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان کے تحت ذکر کردہ آیات میں استغفار کی فضیلت بیان کی تھی، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے درج ذیل دعا پڑھی اس کے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے، خواہ وہ جنگ کا بھگوڑا ہی کیوں نہ ہو: [أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْعَظِيمَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ] ''میں عظمت والے اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ زندہ جاوید اور قائم رہنے والا ہے اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔''[2] ② امام بخاری رحمہ اللہ کی پیش کردہ حدیث سے بہترین استغفار کی نشاندہی ہوتی ہے کیونکہ قوم کے سردار کو سید کہتے ہیں اور وہ سب سے افضل ہوتا ہے، اسی طرح استغفار کی تمام دعاؤں سے یہ دعائے استغفار افضل ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی اور انسان کی عاجزی اور درماندگی کا بیان ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات کا بیان ہے جو اس کے بلند شان ہونے

---

1. فتح الباري: 118/11. ② جامع الترمذي، الدعوات، حديث: 3577.

کی علامت ہیں۔[1] ③ واضح رہے کہ استغفار کی تین شرطیں ہیں: ○ نیت کی درستی۔ ○ خالص توجہ۔ ○ آدابِ دعا کی پابندی۔ مذکورہ دعا کو اسی وقت سید الاستغفار کا درجہ حاصل ہوگا جب مذکورہ شرطیں پائی جائیں گی۔ واللہ أعلم.

(٣) بَابُ اسْتِغْفَارِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ

باب:3- نبی ﷺ کا شب و روز میں استغفار کرنا

٦٣٠٧ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «وَاللهِ إِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً».

[6307] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں ایک دن میں اللہ کے حضور ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار اور توبہ کرتا ہوں۔''

فوائد و مسائل: ① حدیث کے ظاہری الفاظ کا تقاضا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ مغفرت طلب کرتے اور توبہ کا عزم کرتے تھے، خواہ کوئی بھی الفاظ ہوں جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم ایک مجلس میں رسول اللہ ﷺ کے درج ذیل الفاظ سو مرتبہ شمار کرتے تھے: [رَبِّ اغْفِرْلِي وَتُبْ عَلَيَّ، إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُورُ] ''میرے اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رجوع فرما۔ بلاشبہ تو ہی بے حد بخشنے والا بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔''[2] ② ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ حدیث میں مذکور الفاظ ہی استعمال کرتے ہوں جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ان الفاظ سے دعا کرتے تھے۔ [أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ] ''میں اس اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ زندہ جاوید اور قائم رہنے والا ہے اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔''[3] ③ رسول اللہ ﷺ کا توبہ استغفار کرنا درج ذیل وجوہات کی بنا پر تھا: ○ اظہار عبودیت کے لیے۔ ○ امت کو تعلیم دینے کے لیے۔ ○ تواضع اور انکسار کے لیے۔ ○ ترک اولیٰ کی بنا پر استغفار کرتے تھے، پھر دوسری احادیث میں وضاحت ہے کہ آپ ﷺ کے استغفار کی تعداد سو تک پہنچتی تھی۔[4]

(٤) بَابُ التَّوْبَةِ

باب:4- توبہ کا بیان

وَقَالَ قَتَادَةُ: ﴿تَوْبَةً نَّصُوحًا﴾ [التحريم:٨]: الصَّادِقَةُ النَّاصِحَةُ.

حضرت قتادہ نے کہا: ''توبۂ نصوح'' سے سچی اور خالص توبہ مراد ہے۔

وضاحت: توبہ کے معنی گناہ سے رجوع کرنا اور اس سے باز رہنا ہیں۔ اس کے چند ایک ارکان یہ ہیں: ○ اپنے گناہ کا

---

① فتح الباري: 121/11. ② مسند أحمد: 21/2. ③ جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3397. ④ جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3259.

اعتراف ہو۔ ○ گناہ پر ندامت اور شرمساری ہو۔ ○ اللہ تعالیٰ کے حضور اس کی معافی مانگی جائے۔ ○ آئندہ گناہ کے پاس نہ جانے کا پختہ عزم ہو۔ ○ نیک اعمال کر کے گناہ کی تلافی کی جائے۔ ○ اگر کسی کا حق غصب کیا ہو تو اسے واپس کیا جائے۔ اگر توبہ میں مذکورہ شرطیں پائی جائیں تو وہ گناہ نیکی میں بدل جاتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں اس کی صراحت ہے۔[1] توبۂ نصوح سے مراد بھی اسی قسم کی توبہ ہے۔ واللہ أعلم.

٦٣٠٨ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا أَبُو شِهَابٍ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ حَدِيثَيْنِ، أَحَدُهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَالْآخَرُ عَنْ نَفْسِهِ، قَالَ: إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَأَنَّهُ قَاعِدٌ تَحْتَ جَبَلٍ يَخَافُ أَنْ يَقَعَ عَلَيْهِ، وَإِنَّ الْفَاجِرَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَذُبَابٍ مَرَّ عَلَى أَنْفِهِ، فَقَالَ بِهِ هٰكَذَا. قَالَ أَبُو شِهَابٍ بِيَدِهِ فَوْقَ أَنْفِهِ، ثُمَّ قَالَ: «لَلّٰهُ أَفْرَحُ بِتَوْبَةِ الْعَبْدِ مِنْ رَجُلٍ نَزَلَ مَنْزِلًا وَبِهِ مَهْلَكَةٌ وَمَعَهُ رَاحِلَتُهُ عَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ، فَوَضَعَ رَأْسَهُ فَنَامَ نَوْمَةً فَاسْتَيْقَظَ وَقَدْ ذَهَبَتْ رَاحِلَتُهُ حَتَّى اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْحَرُّ وَالْعَطَشُ أَوْ مَا شَاءَ اللهُ، قَالَ: أَرْجِعُ إِلَى مَكَانِي، فَرَجَعَ فَنَامَ نَوْمَةً، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَإِذَا رَاحِلَتُهُ عِنْدَهُ».

[6308] حضرت حارث بن سوید سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ہمیں دو حدیثیں بیان کیں: ایک تو نبی کریم ﷺ سے تھی اور دوسری اپنی طرف سے۔ انھوں نے کہا: مومن اپنے گناہوں کو اس طرح محسوس کرتا ہے گویا وہ کسی پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہے اور وہ ڈرتا ہے کہ مبادا وہ اس پر گر جائے اور بدکار اپنے گناہوں کو اس مکھی کی طرح خیال کرتا ہے جو اس کی ناک کے پاس سے گزری اور اس نے اپنے ہاتھ سے یوں اس کی طرف اشارہ کیا۔ ابوشہاب نے اپنی ناک پر اپنے ہاتھ کے اشارے سے اس کی کیفیت بیان کی، پھر انھوں نے حدیث بیان کی کہ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جس نے کسی پرخطر مقام پر پڑاؤ کیا، اس کے پاس سواری بھی تھی جس پر اس کے کھانے پینے کا سامان تھا۔ اس نے وہاں اپنا سر رکھا اور سو گیا۔ جب بیدار ہوا تو اس کی سواری غائب تھی حتی کہ اس پر گرمی پیاس یا کوئی اور چیز جسے اللہ تعالیٰ نے چاہا، اس کا غلبہ ہوا تو اس نے (اپنے دل میں) کہا کہ اسے اب واپس جانا چاہیے، چنانچہ جب واپس جانے لگا تو پھر وہیں سو گیا۔ جب نیند سے سر اٹھایا تو اس کی سواری وہاں موجود تھی۔''

تَابَعَهُ أَبُو عَوَانَةَ، وَجَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ.

ابو عوانہ اور جریر نے اعمش سے روایت کرنے میں

[1] الفرقان 25: 70.

ابوشہاب کی متابعت کی ہے۔

وَقَالَ أَبُو أُسَامَةَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنَا عُمَارَةُ: سَمِعْتُ الْحَارِثَ بْنَ سُوَيْدٍ، وَقَالَ شُعْبَةُ وَأَبُو مُسْلِمٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ. وَقَالَ أَبُو مُعَاوِيَةَ، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ عُمَارَةَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ.

شعبہ اور ابومسلم نے اسے اعمش سے بیان کیا ابراہیم تیمی سے، انھوں نے حارث بن سوید سے۔ ابومعاویہ نے کہا: ہم سے اعمش نے بیان کیا، انھوں نے عمارہ سے، انھوں نے اسود بن یزید سے، انھوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود ڈاٹنڈ سے۔

وَعَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ.

دوسری سند کے مطابق انھوں نے ابراہیم تیمی سے، انھوں نے حارث بن سوید سے، انھوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود ڈاٹنڈ سے اس حدیث کو بیان کیا۔

٦٣٠٩ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا حَبَّانُ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ؛ ح: وَحَدَّثَنَا هُدْبَةُ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اَللهُ أَفْرَحُ بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ مِنْ أَحَدِكُمْ سَقَطَ عَلَى بَعِيرِهِ وَقَدْ أَضَلَّهُ فِي أَرْضِ فَلَاةٍ».

[6309] حضرت انس ڈاٹنڈ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے اس شخص کی نسبت زیادہ خوش ہوتا ہے جس کا اونٹ مایوسی کے بعد اسے اچانک مل گیا ہو، حالانکہ وہ کسی چٹیل میدان میں گم ہو گیا تھا۔''

فوائد ومسائل: ① مومن آدمی گناہوں کے تصور کو بہت بھاری خیال کرتا ہے گویا گناہ پہاڑ ہے جو اس پر گر پڑے گا، اس کے برعکس فاجر انسان گناہوں کو بہت ہلکا سمجھتا ہے گویا ایک مکھی جو اس کے ناک پر بیٹھ جاتی ہے وہ اسے اپنے ہاتھ سے اڑا دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بندے کی توبہ سے اللہ تعالیٰ کی خوشی کو ایک تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے کہ ایک اونٹ سوار جو جنگل سے گزر رہا ہو، جب تھک کر ایک درخت کے سائے میں ٹھہر جائے اور سو جائے، جب بیدار ہو تو اپنے اونٹ کو ساز و سامان سمیت ہی گم پائے۔ اِدھر اُدھر تلاش کرنے کے بعد جب نہ ملے تو اسی درخت کے نیچے اس خیال سے سو جائے کہ اب میں مر جاؤں گا، لیکن جب بیدار ہو تو اپنے اونٹ کو سامان سمیت وہاں کھڑا دیکھے، ایسے شخص کے دل میں انتہائی خوشی کی لہر اٹھتی ہے جو موت کے منہ سے بچ نکلا ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ پر اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔ ② بہرحال بندے کی سچی توبہ سے اس کے گناہ نیکیوں میں بدل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس بندے سے بہت خوش ہوتا ہے۔ حضرت انس ڈاٹنڈ سے مروی اس حدیث کے

آخر میں یہ الفاظ ہیں: ''جب اس شخص نے اپنے گم شدہ اونٹ کی مہار پکڑی تو خوشی کی شدت میں یہ الفاظ کہہ ڈالے: ''اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں وہ شخص شدتِ فرحت کی وجہ سے غلط الفاظ کہہ بیٹھا۔''[1] بہر حال انسان کو اپنے گناہوں سے توبہ کرتے رہنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''لوگو! اللہ کے حضور توبہ کرو، میں خود دن میں سو مرتبہ اللہ کے حضور توبہ کرتا ہوں۔''[2]

(٥) بَابُ الضَّجْعِ عَلَى الشِّقِّ الْأَيْمَنِ

باب:5- دائیں کروٹ لیٹنا

وضاحت: امام بخاری ؒ نے اس عنوان اور آئندہ عنوان کو ان دعاؤں کے لیے بطور تمہید بیان کیا ہے جو سوتے وقت پڑھی جاتی ہیں جنھیں امام بخاری ؒ آئندہ بیان کریں گے۔[3]

٦٣١٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، فَإِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ، ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ حَتَّى يَجِيءَ الْمُؤَذِّنُ فَيُؤْذِنَهُ. [راجع: ٦٢٦]

[6310] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ رات کو گیارہ رکعتیں پڑھتے، پھر جب فجر طلوع ہو جاتی تو ہلکی سی دو رکعتیں پڑھتے۔ اس کے بعد آپ اپنے دائیں پہلو پر لیٹ جاتے حتی کہ مؤذن آتا اور آپ کو نماز کی اطلاع دیتا۔

فائدہ: امام بخاری ؒ نے کتاب التہجد میں اس حدیث پر ان الفاظ میں عنوان قائم کیا تھا: [بَابُ الضِّجْعَةِ عَلَى الشِّقِّ الْأَيْمَنِ بَعْدَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ] ''فجر کی دو سنتوں کے بعد دائیں پہلو پر لیٹنا۔''[4] لیکن اس لیٹنے کے بعد حضرت عائشہ ؓ نے کچھ تفصیل بیان کی ہے کہ اگر میں بیدار ہوتی تو میرے ساتھ گفتگو فرماتے بصورت دیگر آپ لیٹ جاتے حتی کہ آپ کو نماز کی اطلاع دی جاتی۔[5] اس پر امام بخاری ؒ نے ان الفاظ میں عنوان قائم کیا ہے: [بَابُ مَنْ تَحَدَّثَ بَعْدَ الرَّكْعَتَيْنِ وَلَمْ يَضْطَجِعْ] ''جو شخص فجر کی سنتوں کے بعد لیٹنے کے بجائے محو گفتگو ہو جائے۔''[6] بہر حال یہ لیٹنا مستحب ہے ضروری نہیں۔ واللہ أعلم.

(٦) بَابٌ: إِذَا بَاتَ طَاهِرًا

باب:6- رات کو باوضو سونا

---

[1] صحيح مسلم، التوبة، حديث: 6960 (2747). [2] صحيح مسلم، الذكر و الدعاء، حديث: 6859 (2702). [3] فتح الباري: 131/11. [4] صحيح البخاري، التهجد، باب: 23. [5] صحيح البخاري، التهجد، حديث: 1161. [6] صحيح البخاري، التهجد، باب: 24.

٦٣١١ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ: سَمِعْتُ مَنْصُورًا عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ: حَدَّثَنِي الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا أَتَيْتَ مَضْجَعَكَ فَتَوَضَّأْ وُضُوءَكَ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلَى شِقِّكَ الْأَيْمَنِ، وَقُلْ: اَللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ، وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ، وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ، رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ، آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ، وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ، فَإِنْ مُتَّ، مُتَّ عَلَى الْفِطْرَةِ، وَاجْعَلْهُنَّ آخِرَ مَا تَقُولُ». فَقُلْتُ، أَسْتَذْكِرُهُنَّ: وَبِرَسُولِكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ؟ قَالَ: «لَا، وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ». [راجع: ٢٤٧]

[6311] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''جب تو بستر پر آنے کا ارادہ کرے تو وضو کر جیسے نماز کے لیے وضو کرتا ہے، پھر دائیں کروٹ پر لیٹ کر یہ دعا پڑھ: ''اے اللہ! میں نے اپنے آپ کو تیری اطاعت میں دے دیا، اپنا سب کچھ تیرے سپرد کر دیا، اپنے معاملات تیرے حوالے کر دیے، تیرے عذاب سے ڈرتے ہوئے اور تجھ سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے، تیرے سوا کوئی پناہ گاہ یا نجات کی جگہ نہیں۔ میں تیری کتاب پر ایمان لایا جو تو نے نازل کی اور تیرے نبی کو تسلیم کیا جو تو نے مبعوث کیا۔'' اس کے بعد اگر تو مر جائے تو دین اسلام پر مرے گا، لہٰذا تم ان کلمات کو آخری بات بناؤ جنھیں اپنی زبان سے ادا کرو۔'' میں نے ان کلمات کو دہراتے وقت یوں کہہ دیا: ''میں تیرے اس رسول پر ایمان لایا جسے تو نے بھیجا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں (نہیں اس طرح کہو:) ''میں تیرے نبی پر ایمان لایا جسے تو نے مبعوث کیا۔''

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ کے تلقین کردہ الفاظ میں نبوت اور رسالت دونوں منصب جمع ہو جاتے ہیں جبکہ صحابی نے جن الفاظ کو دہرایا اس میں صرف رسالت کا منصب آتا ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہی الفاظ ادا کرو جو میں نے تعلیم دیے ہیں۔'' ② اس سے ثابت ہوا کہ ادعیہ ماثورہ اور اذکار مسنونہ میں اپنی طرف سے کمی بیشی کرنا درست نہیں بلکہ انھی الفاظ پر اکتفا کیا جائے جو نبی ﷺ سے منقول ہیں کیونکہ ان میں وہ خاصیت ہے جو دوسرے الفاظ میں نہیں، نیز امام بخاری رحمہ اللہ نے رات کو باوضو سونے کی فضیلت بیان کی ہے۔ اس میں ان احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں اس فضیلت کی صراحت ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''جو آدمی رات باوضو ہو کر اللہ کا ذکر کرتے ہوئے سوتا ہے، پھر رات کو بیدار ہو کر اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی بھلائی مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور عطا کرتا ہے۔''[1]

(٧) بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا نَامَ

باب: 7- جب سونے لگے تو کیا پڑھے؟

[1] سنن أبي داود، الأدب، حديث: 5042.

٦٣١٢ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ قَالَ: «بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَا»، وَإِذَا قَامَ قَالَ: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَمَا أَمَاتَنَا، وَإِلَيْهِ النُّشُورُ».

تُنْشِرُهَا: تُخْرِجُهَا. [انظر: ٦٣١٤، ٦٣٢٤، ٧٣٩٤]

[6312] حضرت حذیفہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ جب بستر پر تشریف لے جاتے تو کہتے: ''تیرے ہی نام کے ساتھ میں سوتا اور جاگتا ہوں۔'' اور جب بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: ''تمام تعریفیں اسی اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے۔''

تُنْشِرُهَا کے معنی ہیں: تم اسے نکال کر اٹھاتے ہو۔

فوائد ومسائل: ① بدن سے روح کا تعلق ختم ہونے کا نام موت ہے۔ یہ انقطاع کبھی صرف ظاہری طور پر ہوتا ہے جیسا کہ نیند کی حالت، اسی مناسبت کی وجہ سے نیند کو موت کا ساتھی کہا جاتا ہے اور کبھی یہ انقطاع ظاہری اور باطنی دونوں طرح سے ہوتا ہے، یہ معروف موت ہے۔ مذکورہ حدیث میں موت کا اطلاق نیند کی حالت پر کیا گیا ہے۔[1] ② حدیث کے آخر میں امام بخاری ؒ نے نشور کی مناسبت سے قرآن کریم کے ایک لفظ کی لغوی تشریح کی ہے۔

٦٣١٣ - حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ الرَّبِيعِ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ قَالَا: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَ رَجُلًا؛ ح: وَحَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيُّ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَوْصَى رَجُلًا فَقَالَ: «إِذَا أَرَدْتَ مَضْجَعَكَ فَقُلِ: اللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ، وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ، وَوَجَّهْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ، وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ، رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ. لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ، آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ، وَنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ، فَإِنْ مُتَّ مُتَّ عَلَى الْفِطْرَةِ». [راجع: ٢٤٧]

[6313] حضرت براء بن عازب ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی کو حکم دیا، دوسری روایت کے مطابق ایک آدمی کو وصیت فرمائی: ''جس وقت تو بستر پر آنے کا ارادہ کرے تو یہ دعا پڑھ: ''اے اللہ! میں نے اپنی ذات کو تیرے تابع کر دیا اور اپنے تمام معاملات کو تیرے حوالے کر دیا۔ میں نے اپنا چہرہ تیری طرف متوجہ کیا اور اپنی پشت کو تیری طرف جھکا دیا، ثواب کی امید رکھتے ہوئے اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہوئے۔ تیرے سوا نہ کوئی پناہ گاہ ہے اور نہ جائے نجات۔ میں تیری اس کتاب پر ایمان لایا جسے تو نے نازل فرمایا اور تیرے اس نبی پر ایمان لایا جسے تو نے بھیجا۔'' اگر تو ایسی حالت پر مر گیا تو فطرتِ اسلام پر مرے گا۔''

[1] فتح الباري: 137/11.

فوائدومسائل: ① ایک دوسری حدیث میں ہے کہ بستر پر دراز ہونے سے پہلے اپنے ازار اور تہبند کے کنارے سے اسے جھاڑے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے بعد بستر پر کون سی چیز آئی۔[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں تین سنتوں کا بیان ہے: ○ باوضو ہو کر سونا۔ ○ دائیں پہلو پر سونا جیسا کہ دوسری روایت میں ہے۔ ○ سوتے وقت اللہ کا ذکر کرنا۔ پھر انھوں نے کرمانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ دعا ان تمام اشیاء پر مشتمل ہے جن پر اجمالی طور پر ایمان لانا ضروری ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتابیں اور اس کے بھیجے ہوئے انبیائے کرام علیہم السلام ہیں۔[2]

(٨) بَابُ وَضْعِ الْيَدِ تَحْتَ الْخَدِّ الْيُمْنَى

باب: 8- سوتے وقت دایاں ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے رکھنا

٦٣١٤ - حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ رِبْعِيٍّ، عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ مِنَ اللَّيْلِ وَضَعَ يَدَهُ تَحْتَ خَدِّهِ ثُمَّ يَقُولُ: «اللَّهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَا»، وَإِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ: «الْحَمْدُ لِلهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَمَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ». [راجع: ٦٣١٢]

[6314] حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ جب بستر پر لیٹتے تو اپنا ہاتھ اپنے رخسار کے نیچے رکھتے اور یہ دعا پڑھتے: ''اے اللہ! میں تیرے نام کے ساتھ سوتا اور بیدار ہوتا ہوں۔'' اور جس وقت بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: ''سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں موت دینے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے۔''

فائدہ: اس حدیث میں دائیں ہاتھ یا دائیں رخسار کا ذکر نہیں ہے دراصل امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان سے ان احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں وضاحت کے ساتھ دائیں ہاتھ اور دائیں رخسار کا ذکر ہے، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سوتے وقت اپنے دائیں رخسار کے نیچے دایاں ہاتھ رکھتے تھے۔[3] اسی طرح حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بستر پر سوتے تو اپنا دایاں ہاتھ اپنے دائیں رخسار کے نیچے رکھتے اور تین بار درج ذیل دعا پڑھتے: [اَللّٰهُمَّ! قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ] ''اے اللہ! جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے تو مجھے اپنے عذاب سے محفوظ رکھنا۔''[4] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث کا بھی حوالہ دیا ہے۔[5]

(٩) بَابُ النَّوْمِ عَلَى الشِّقِّ الْأَيْمَنِ

باب: 9- دائیں کروٹ پر سونا

① صحيح البخاري، الدعوات، حديث: 6320. ② فتح الباري: 136/11. ③ مسند أحمد: 387/5. ④ سنن أبي داود، الأدب، حديث: 5045. ⑤ فتح الباري: 139/11.

٦٣١٥ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ ابْنُ زِيَادٍ: حَدَّثَنَا الْعَلَاءُ بْنُ الْمُسَيَّبِ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ نَامَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ ثُمَّ قَالَ: «اللَّهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ، وَوَجَّهْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ، وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ، وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ، رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ، آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ، وَنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ». وَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ قَالَهُنَّ ثُمَّ مَاتَ تَحْتَ لَيْلَتِهِ مَاتَ عَلَى الْفِطْرَةِ». [راجع: ٢٤٧]

[6315] حضرت براء بن عازب ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے بستر پر تشریف لاتے تو دائیں کروٹ پر لیٹ کر دعا پڑھتے: ''اے اللہ! میں نے اپنی جان تیرے سپرد کر دی اور اپنا چہرہ تیری طرف متوجہ کر دیا۔ اپنا معاملہ تیرے حوالے کر دیا اور اپنی پشت تیری طرف جھکا دی۔ یہ سب کچھ تیرا شوق رکھتے ہوئے اور تجھ سے ڈرتے ہوئے کیا۔ تیرے سوا نہ کوئی پناہ گاہ ہے اور نہ مقام نجات۔ میں تیری اس کتاب پر ایمان لایا جو تو نے اتاری اور تیرے اس نبی کو مان لیا جسے تو نے مبعوث کیا۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص یہ کلمات پڑھے، پھر اسی رات فوت ہو جائے تو فطرتِ اسلام پر فوت ہوگا۔''

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت براء بن عازب ؓ کو وصیت فرمائی کہ جب تو اپنے بستر پر آئے تو اس سے پہلے نماز کا سا وضو کرو، پھر اپنے دائیں پہلو پر لیٹ کر مذکورہ دعا پڑھو، پھر فرمایا: ''اگر تم اسی رات فوت ہو گئے تو فطرتِ اسلام پر فوت ہو گے اور اگر صبح کی تو خیر و برکت سے ہمکنار ہو گے۔''[1] ② دائیں پہلو پر سونے میں بہت سے طبی فوائد بھی ہیں، اللہ تعالیٰ اس پر عمل کی توفیق دے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا اور یہی آپ ﷺ کا حکم ہے۔ واللہ أعلم.

(١٠) بَابُ الدُّعَاءِ إِذَا انْتَبَهَ مِنَ اللَّيْلِ

باب: 10- جب کوئی رات کو بیدار ہو تو کون سی دعا پڑھے؟

٦٣١٦ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ سَلَمَةَ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: بِتُّ عِنْدَ مَيْمُونَةَ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَأَتَى حَاجَتَهُ فَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ ثُمَّ نَامَ ثُمَّ قَامَ فَأَتَى الْقِرْبَةَ فَأَطْلَقَ

[6316] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں اپنی خالہ میمونہ ؓ کے ہاں ایک رات سویا۔ نبی ﷺ (اس رات) اٹھے۔ آپ نے حوائج ضروریہ کو پورا کرنے کے بعد اپنا چہرہ دھویا، پھر دونوں ہاتھ دھوئے اور سو گئے۔ پھر اٹھے اور مشکیزے کے پاس آئے، اس کا تسمہ

[1] صحيح البخاري، الوضوء، حديث: 247.

شِنَاقَهَا ثُمَّ تَوَضَّأَ وُضُوءًا بَيْنَ وُضُوءَيْنِ لَمْ يُكْثِرْ، وَقَدْ أَبْلَغَ فَصَلَّى، فَقُمْتُ فَتَمَطَّيْتُ كَرَاهِيَةَ أَنْ يَرَى أَنِّي كُنْتُ أَتَّقِيهِ فَتَوَضَّأْتُ فَقَامَ يُصَلِّي فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ، فَأَخَذَ بِأُذُنِي فَأَدَارَنِي عَنْ يَمِينِهِ، فَتَتَامَّتْ صَلَاتُهُ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً، ثُمَّ اضْطَجَعَ فَنَامَ حَتَّى نَفَخَ، وَكَانَ إِذَا نَامَ نَفَخَ، فَآذَنَهُ بِلَالٌ بِالصَّلَاةِ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ وَكَانَ يَقُولُ فِي دُعَائِهِ: «اللَّهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا، وَفِي بَصَرِي نُورًا، وَفِي سَمْعِي نُورًا، وَعَنْ يَمِينِي نُورًا، وَعَنْ يَسَارِي نُورًا، وَفَوْقِي نُورًا، وَتَحْتِي نُورًا وَأَمَامِي نُورًا وَخَلْفِي نُورًا، وَاجْعَلْ لِي نُورًا».

کھولا، پھر اس سے درمیانہ وضو کیا، زیادہ پانی نہ گرایا، البتہ پانی ہر جگہ پہنچا دیا، پھر آپ نے نماز پڑھی۔ میں بھی اٹھا لیکن اٹھنے میں کچھ تاخیر کی، اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ آپ یہ خیال فرمائیں گے کہ میں آپ کا حال دیکھ رہا ہوں۔ بہرحال میں نے وضو کیا اور جب آپ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے تو میں بھی آپ کی بائیں طرف کھڑا ہو گیا۔ آپ نے میرا کان پکڑ کر مجھے دائیں طرف کر دیا۔ آپ کی تیرہ رکعات پوری ہو گئیں تو آپ لیٹ گئے، پھر سو گئے یہاں تک کہ خراٹے لینے لگے۔ آپ کی عادت تھی کہ جب آپ سوتے تو آپ کے سانس میں آواز پیدا ہونے لگتی تھی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو نماز کی اطلاع دی تو آپ نے نماز پڑھی لیکن وضو نہ کیا، آپ ان الفاظ میں دعا کرتے تھے: ”اے اللہ! میرے دل میں نور بھر دے، میری نظر میں نور پیدا فرما، میرے کانوں میں نور، میرے دائیں نور، میرے بائیں نور، میرے اوپر نور، میرے نیچے نور، میرے آگے نور، میرے پیچھے نور اور مجھے نور عطا فرما۔“

قَالَ كُرَيْبٌ: وَسَبْعٌ فِي التَّابُوتِ، فَلَقِيتُ رَجُلًا مِنْ وَلَدِ الْعَبَّاسِ فَحَدَّثَنِي بِهِنَّ. فَذَكَرَ: عَصَبِي وَلَحْمِي وَدَمِي وَشَعْرِي وَبَشَرِي، وَذَكَرَ خَصْلَتَيْنِ. [راجع: ١١٧]

(راویٔ حدیث) کریب نے کہا: انسانی بدن (تابوت) میں سات مزید اعضاء کا ذکر کیا۔ پھر میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ایک آدمی کو ملا، انھوں نے مجھ سے ان کے متعلق بیان کیا کہ میرے پٹھے، میرا گوشت، میرا خون، میرے بال اور میرا چمڑا ان سب میں نور بھر دے۔ ان کے علاوہ دو اور چیزوں کا ذکر بھی کیا۔

فوائد ومسائل: ① صحیح مسلم کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دو مزید چیزیں زبان اور ذات ہیں۔[1] رسول اللہ ﷺ نے یہ بابرکت دعا سنت فجر کے بعد مسجد کو جاتے ہوئے راستے میں پڑھی تھی جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔[2] ② اس سے مراد ظاہری اور حقیقی نور کے حصول کی دعا ہے جس سے خود رسول اللہ ﷺ اور آپ کے پیروکار قیامت کے

① صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1797(763). ② صحيح مسلم، صلاة المسافرين، حديث: 1799(763).

اندھیروں میں روشنی حاصل کریں گے یا علم و ہدایت کا نور اور اعمال طاعت کی توفیق اور ان پر ثابت قدمی مراد ہے یا یہ دونوں ہی مراد ہیں۔ واللہ أعلم.

٦٣١٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ بْنَ أَبِي مُسْلِمٍ عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ قَالَ: «اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ، وَلَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ، وَلَكَ الْحَمْدُ، أَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ حَقٌّ، وَقَوْلُكَ حَقٌّ، وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ، وَالنَّارُ حَقٌّ، وَالسَّاعَةُ حَقٌّ، وَالنَّبِيُّونَ حَقٌّ، وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ. اَللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ، وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ، وَبِكَ آمَنْتُ، وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ، وَبِكَ خَاصَمْتُ، وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ، فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، أَوْ: لَا إِلٰهَ غَيْرُكَ».

[راجع: ١١٢٠]

[6317] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ جب رات کے وقت تہجد کے لیے کھڑے ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: ''اے اللہ! تیرے ہی لیے تمام تعریفیں ہیں۔ آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں موجود ہے تو ان سب کو روشن کرنے والا ہے۔ تیرے ہی لیے تمام تعریفیں ہیں۔ تو آسمان و زمین اور ان میں موجود تمام چیزوں کو قائم رکھنے والا ہے۔ تیرے ہی لیے تمام تعریفیں ہیں۔ تو حق ہے۔ تیرا وعدہ برحق، تیری بات مبنی برحقیقت، تیری ملاقات بھی حق، جنت حق، دوزخ حق، قیامت حق، تمام انبیاء برحق اور محمد رسول اللہ ﷺ بھی برحق ہیں۔ اے اللہ! میں نے خود کو تیرے سپرد کیا، تجھ پر بھروسا کیا، تجھ پر ایمان لایا، تیری طرف رجوع کیا، تیرے سبب خصومت کرتا ہوں اور تیری طرف فیصلہ لے جاتا ہوں، اس لیے میری اگلی پچھلی خطاؤں کو معاف کر دے، وہ خطائیں بھی جو میں نے خفیہ کی ہیں اور وہ جو برسرعام کی ہیں۔ تو ہی سب سے پہلے ہے اور سب سے بعد میں ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔''

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ اس کے آخر میں رسول اللہ ﷺ ''وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ'' بھی پڑھا کرتے تھے۔[1] ② تمام نمازوں میں دعائے استفتاح کے طور پر اس دعا کا پڑھنا مستحب ہے۔ خاص طور پر نماز تہجد میں اس کا اہتمام کیا جائے۔ اس دعا میں رسول اللہ ﷺ نے جس انداز سے اللہ تعالیٰ کے حضور اظہار عبودیت کیا ہے وہ آپ ہی کا مقام ہے...... ﷺ......۔

---

[1] السنن الكبرٰى للنسائي، رقم: 1321، وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، حديث: 1355، وفتح الباري: 143/11.

(١١) بَابُ التَّكْبِيرِ وَالتَّسْبِيحِ عِنْدَ الْمَنَامِ

باب:11-سوتے وقت تکبیر و تسبیح پڑھنا

٦٣١٨ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ، عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ شَكَتْ مَا تَلْقَى فِي يَدِهَا مِنَ الرَّحَى فَأَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ تَسْأَلُهُ خَادِمًا فَلَمْ تَجِدْهُ فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لِعَائِشَةَ، فَلَمَّا جَاءَ أَخْبَرَتْهُ، قَالَ: فَجَاءَنَا وَقَدْ أَخَذْنَا مَضَاجِعَنَا، فَذَهَبْتُ أَقُومُ، فَقَالَ: «مَكَانَكِ»، فَجَلَسَ بَيْنَنَا حَتَّى وَجَدْتُ بَرْدَ قَدَمَيْهِ عَلَى صَدْرِي، فَقَالَ: «أَلَا أَدُلُّكُمَا عَلَى مَا هُوَ خَيْرٌ لَكُمَا مِنْ خَادِمٍ؟ إِذَا أَوَيْتُمَا إِلَى فِرَاشِكُمَا، أَوْ أَخَذْتُمَا مَضَاجِعَكُمَا، فَكَبِّرَا أَرْبَعًا وَثَلَاثِينَ، وَسَبِّحَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَاحْمَدَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، فَهَذَا خَيْرٌ لَكُمَا مِنْ خَادِمٍ».

[6318] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو چکی پیسنے کی وجہ سے ہاتھوں میں تکلیف کا عارضہ ہوا تو وہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک خادم لینے کے لیے حاضر ہوئیں۔ آپ اس وقت گھر میں موجود نہیں تھے۔ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر کیا۔ جب آپ تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے اس کا ذکر کیا۔ (حضرت علی رضی اللہ عنہ نے) بیان کیا کہ آپ ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے جبکہ ہم اس وقت اپنے بستروں میں لیٹ چکے تھے۔ میں نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا: ”یوں ہی لیٹے رہو۔“ پھر آپ ہمارے درمیان بیٹھ گئے حتی کہ میں نے آپ کے قدموں کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: ”کیا میں تم دونوں کو وہ چیز نہ بتاؤں جو تمھارے لیے خادم سے بہتر ہو؟ جب تم اپنے بستر پر جانے لگو یا سونے کے لیے بستروں میں آؤ تو چونتیس مرتبہ اللہ اکبر، تینتیس مرتبہ سبحان اللہ اور تینتیس مرتبہ الحمد للہ کہو، یہ تمھارے لیے خادم سے بہتر ہے۔“

وَعَنْ شُعْبَةَ، عَنْ خَالِدٍ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ قَالَ: التَّسْبِيحُ أَرْبَعٌ وَثَلَاثُونَ. [راجع: ٣١١٣]

شعبہ نے خالد سے، انھوں نے ابن سیرین سے اس طرح بیان کیا کہ سبحان اللہ چونتیس مرتبہ کہو۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ایک مسلمان بیوی اس امر کی پابند ہے کہ وہ شوہر کی خدمت کے علاوہ گھر کے تمام کام سرانجام دے جیسا کہ سیدات اہل بیت، عام مسلمانوں کی خواتین حتی کہ امہات المومنین اپنے اپنے گھروں میں گھرداری کے تمام کام کرتی تھیں، اس لیے بعض فقہاء کا یہ کہنا کہ بیوی پر اپنے شوہر کی دلداری کے علاوہ کچھ واجب نہیں محض بے اصل اور بے بنیاد بات ہے۔ ایک دوسرے واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ سیدات کو یہ وظیفہ فرض نماز کے

بعد پڑھنے کی تلقین کی تھی۔[1] ② یہ وظیفہ "تسبیح فاطمہ" کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی خوب خوب پابندی کی حتی کہ صفین کی رات جس میں وہ انتہائی مصروف تھے، اس میں بھی انھوں نے اسے پڑھا جیسا کہ ایک روایت میں ہے۔[2] البتہ مصروفیت کی وجہ سے رات کے پہلے حصے میں پڑھنے کے بجائے آخری حصے میں اسے پڑھا۔[3] ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: "بیٹی! اہل صفہ کی فاقہ کشی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔ وہ اکثر بھوکے رہتے ہیں۔ میں ان غلاموں کو بیچ کر ان کے کھانے کا بندوبست کرنا چاہتا ہوں۔"[4] دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا: "شہدائے بدر کے یتیم بچے تم سے پہلے لے چکے ہیں، میں انھیں دوں گا، ان کا زیادہ حق ہے۔"[5] ③ ہمارے ہاں سرکاری افسران میں اقربا پروری کا رجحان ہے، اس حدیث سے ان حضرات کی خوب خوب تردید ہوتی ہے۔ واللہ المستعان.

(١٢) بَابُ التَّعَوُّذِ وَالْقِرَاءَةِ عِنْدَ الْمَنَامِ

باب: 12- سوتے وقت شیطان کے شر سے پناہ طلب کرنا اور قرآن کی تلاوت کرنا

٦٣١٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ نَفَثَ فِي يَدِهِ وَقَرَأَ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَمَسَحَ بِهِمَا جَسَدَهُ.

[راجع: ٥٠١٧]

[6319] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خواب گاہ میں تشریف لے جاتے تو اپنے ہاتھوں پر دم کرتے، معوذات پڑھتے، پھر دونوں ہاتھ اپنے جسم مبارک پر پھیرتے۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ کا یہ معمول ہر رات ہوتا تھا کہ جب بھی آپ رات کے وقت اپنے بستر پر تشریف لے جاتے تو دونوں ہاتھوں کو اکٹھا کرتے، ان میں پھونکتے، قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھتے، پھر حتی المقدور اپنے تمام جسم کے اگلے حصے سے شروع کرتے۔ نبی ﷺ یہ عمل تین مرتبہ کرتے تھے۔[6] لیکن جب کوئی تکلیف ہوتی تو خاص طور پر اس کا اہتمام کرتے۔ جب مرض وفات میں تکلیف زیادہ ہوگئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ کام سرانجام دیتی تھیں۔[7] ② سوتے وقت آیۃ الکرسی پڑھنے کا ذکر بھی احادیث میں ملتا ہے۔[8] اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو رات کے وقت سورۂ بقرہ کی آخری دو آیات پڑھنے کی بھی تلقین کی تھی۔[9] ③ بعض حضرات کا خیال ہے کہ دم اور

---

① سنن أبي داود، الخراج، حديث: 2987. ② صحيح البخاري، النفقات، حديث: 5362. ③ سنن أبي داود، الأدب، حديث: 5064. ④ مسند أحمد: 106/1. ⑤ سنن أبي داود، الخراج، حديث: 2987. ⑥ صحيح البخاري، فضائل القرآن، حديث: 5017. ⑦ صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4439. ⑧ صحيح البخاري، فضائل القرآن، حديث: 5010. ⑨ صحيح البخاري، فضائل القرآن، حديث: 5009.

تعوذ صرف بیماری کی صورت میں جائز ہے، عام حالت میں درست نہیں، اس حدیث سے ان حضرات کی تردید ہوتی ہے۔[1]

(١٣) بَابٌ:

باب: 13- بلاعنوان

وضاحت: یہ عنوان ماقبل کا تکملہ اور تتمہ ہے کیونکہ اس میں معنوی طور پر تعوذ ہی کا ذکر ہے اگرچہ تعوذ کے الفاظ نہیں ہیں، نیز اس میں نیند کے وقت عمومی ذکر کا بیان ہے۔ واللہ أعلم.

٦٣٢٠ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنِي سَعِيدُ ابْنُ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِذَا أَوَى أَحَدُكُمْ إِلَى فِرَاشِهِ فَلْيَنْفُضْ فِرَاشَهُ بِدَاخِلَةِ إِزَارِهِ، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي مَا خَلَفَهُ عَلَيْهِ، ثُمَّ يَقُولُ: بِاسْمِكَ رَبِّي وَضَعْتُ جَنْبِي، وَبِكَ أَرْفَعُهُ، إِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِي فَارْحَمْهَا، وَإِنْ أَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهِ عِبَادَكَ الصَّالِحِينَ».

[6320] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی اپنے بستر پر لیٹنے کا ارادہ کرے تو پہلے اسے اپنی چادر کے کنارے سے جھاڑ لے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے بعد کیا چیز داخل ہوگئی ہے، پھر یہ دعا پڑھے: ”اے میرے رب! تیرے نام سے میں نے اپنا پہلو رکھا ہے اور تیری قوت سے میں اسے اٹھاؤں گا۔ اگر تو نے میری جان کو روک لیا تو اس پر رحم کرنا اور اگر اسے چھوڑ دیا تو اس کی حفاظت کرنا جس طرح تو اپنے نیک لوگوں کی حفاظت کرتا ہے۔“

تَابَعَهُ أَبُو ضَمْرَةَ، وَإِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّا عَنْ عُبَيْدِ اللهِ.

ابوضمرہ اور اسماعیل بن زکریا نے عبیداللہ سے روایت کرنے میں زہیر بن معاویہ کی متابعت کی ہے۔

وَقَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَبِشْرٌ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

یحییٰ اور بشر نے عبیداللہ سے بیان کیا، انھوں نے سعید سے، انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس حدیث کو بیان کیا۔

وَرَوَاهُ مَالِكٌ وَابْنُ عَجْلَانَ عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [انظر: ٧٣٩٣]

مالک اور ابن عجلان نے سعید سے، انھوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے اس روایت کو بیان کیا۔

فوائد ومسائل: ① اگر کوئی اپنے بستر پر سونے کے لیے آئے تو اپنی چادر کے کنارے سے اسے جھاڑے کیونکہ ممکن ہے اس کی بے خبری میں کوئی زہریلا جانور یا کیڑا مکوڑا بستر پر آ گیا ہو۔ ہاتھ کے بجائے چادر سے جھاڑنے کی تلقین ہے تاکہ اس کے

① فتح الباري: 151/11.

ہاتھ کو کوئی موذی جانور کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائے۔[1] ② مذکورہ دعا کے علاوہ دیگر دعائیں بھی اس وقت پڑھی جا سکتی ہیں جن کا ذکر بہت سی حدیثوں میں آیا ہے۔ کچھ روایات میں تین دفعہ بستر جھاڑنے کا ذکر بھی ملتا ہے،[2] تاکہ دم وغیرہ سے اس عمل کی تشبیہ ہو جائے۔[3]

(١٤) بَابُ الدُّعَاءِ نِصْفَ اللَّيْلِ

باب: 14- آدھی رات کو دعا کرنا

وضاحت: آدھی رات سے طلوع فجر تک کا وقت بہت ہی خیر و برکت کا ہے۔ اس وقت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعائیں قبول کرتا ہے۔ اس وقت لوگ نیند میں ہوتے ہیں۔ آرام پرست لوگوں کے لیے اس وقت بیدار ہونا بہت مشکل ہوتا ہے۔ لیکن وہ لوگ انتہائی خوش بخت ہیں جو اس وقت کو غنیمت سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور خود کو پیش کرتے ہیں اور اس سے مناجات میں مصروف ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت قیام کرنے پر ہمیشگی فرمائی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اس وقت قیام کی عادت بنائیں، خواہ تھوڑی دیر کے لیے ہو۔ اس وقت کا استغفار اپنے اندر بڑی تاثیر رکھتا ہے۔ واللّٰہ المستعان.

٦٣٢١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ الْأَغَرِّ وَأَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «يَتَنَزَّلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ فَيَقُولُ: مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ، مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ، مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ». [راجع: ١١٤٥]

[6321] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے۔ جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو فرماتا ہے: کون ہے جو مجھ سے دعا کرے میں اس کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازوں؟ کون ہے جو مجھ سے مانگے میں اسے عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے میں اسے بخش دوں؟''

فوائد ومسائل: ① حدیث میں رات کی آخری تہائی کا ذکر ہے جبکہ عنوان میں نصف رات کے الفاظ ہیں؟ دراصل امام بخاری رحمہ اللہ نے حسب عادت ان روایات کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں نصف رات کے الفاظ آئے ہیں جیسا کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے کتاب الرؤیا میں بیان کیا ہے۔[4] ② علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے حدیث میں مذکور اللہ رب العزت کے نزول کو محال قرار دیا ہے لیکن سلف صالحین اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو کسی قسم کی تاویل کے بغیر اپنے ظاہر پر محمول کرتے ہیں۔ یہ امر اللہ تعالیٰ کے لیے قطعاً محال نہیں کہ وہ بیک وقت عرش پر بھی ہو اور آسمان پر بھی نزول فرمائے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ اس مسئلے

---

① فتح الباري: 152/11. ② صحيح البخاري، التوحيد، حديث: 7393. ③ فتح الباري: 152/11. ④ النزول للدارقطني: 17/1، وفتح الباري: 155/11.

کے متعلق ہم کتاب التوحید میں تفصیل سے لکھیں گے۔ بإذن الله تعالٰی.

(١٥) بَابُ الدُّعَاءِ عِنْدَ الْخَلَاءِ

٦٣٢٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ قَالَ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ». [راجع: ١٤٢]

باب:15- بیت الخلاء میں جانے کی دعا

[6322] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ جب بیت الخلاء میں جاتے تو یہ دعا پڑھتے: ''اے اللہ! میں نر اور مادہ خبیث جنات سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔''

فائدہ: بیت الخلاء میں جانے سے پہلے یہ دعا پڑھنی چاہیے۔ ایسے گندے مقامات پر خبیث جنوں کا بسیرا ہوتا ہے جو انسانوں کو کسی نہ کسی بہانے تکلیف پہنچاتے ہیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ دعا پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے۔ جب انسان یہ دعا پڑھ لیتا ہے تو خبیث جنات کی خباثتوں اور شرارتوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

(١٦) بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا أَصْبَحَ

٦٣٢٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ: حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ بُرَيْدَةَ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ كَعْبٍ، عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «سَيِّدُ الْاِسْتِغْفَارِ: اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبِّي، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ، وَأَنَا عَلَى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، أَبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ، وَأَبُوءُ لَكَ بِذَنْبِي فَاغْفِرْ لِي، فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، إِذَا قَالَ حِينَ يُمْسِي فَمَاتَ دَخَلَ الْجَنَّةَ أَوْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَإِذَا قَالَ حِينَ يُصْبِحُ فَمَاتَ مِنْ يَوْمِهِ مِثْلَهُ». [راجع: ٦٣٠٦]

باب:16- صبح کے وقت کون سی دعا پڑھے؟

[6323] حضرت شداد بن اوس ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''سب سے عمدہ استغفار یہ ہے: ''اے اللہ! تو میرا رب ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں۔ (امکانی حد تک) میں تیرے عہد اور وعدے پر قائم ہوں، تیری جو نعمتیں مجھ پر ہیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا معترف ہوں۔ تو میرے گناہوں کو معاف کر دے۔ تیرے سوا گناہوں کو معاف کرنے والا کوئی نہیں۔ میں اپنے گندے کردار سے تیری پناہ کا طالب ہوں۔'' اگر کسی نے رات ہوتے یہ دعا پڑھی، پھر فوت ہو گیا تو وہ جنت میں جائے گا یا وہ اہل جنت میں سے ہے۔ اور اگر کسی نے یہ دعا صبح کے وقت پڑھی اور اسی دن اس کا انتقال ہو گیا تو بھی ایسا ہی ہو گا۔''

فوائد ومسائل: ① سید اس شخص کو کہتے ہیں جس کی طرف تمام معاملات نمٹانے کے لیے رجوع کیا جائے اور حوائج و ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اس کا قصد کیا جائے۔ چونکہ یہ دعا توبہ کے تمام معانی پر مشتمل ہے، اس لیے اسے سیدالاستغفار کا نام دیا گیا ہے، نیز اس میں بندے کی طرف سے اللہ رب العالمین کے کمال عظمت و جلال کے اقرار کے ساتھ انتہائی عاجزی اور بندگی کا اظہار ہے۔ ② حافظ ابن حجر ؒ نے سنن نسائی کے حوالے سے ایک حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سیدالاستغفار ضرور سیکھو اور اسے حرز جان بناؤ۔''[1] صحیح بخاری کی دوسری روایت میں اس اعزاز کے حصول کے لیے ایک شرط بیان ہوئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص دل کے یقین سے یہ دعا پڑھے گا اسے جنت کی بشارت ہے۔''[2]

٦٣٢٤ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ قَالَ: «بِاسْمِكَ اللَّهُمَّ أَمُوتُ وَأَحْيَا»، وَإِذَا اسْتَيْقَظَ مِنْ مَنَامِهِ قَالَ: «الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ». [راجع: ٦٣١٢]

[6324] حضرت حذیفہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ جب سونے کا ارادہ کرتے تو یہ دعا پڑھتے: ''اے اللہ! تیرے نام کے ساتھ میں سوتا ہوں اور بیدار ہوتا ہوں۔'' اور جب نیند سے بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: ''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی بخشی اور اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے۔''

٦٣٢٥ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ، عَنْ خَرَشَةَ بْنِ الْحُرِّ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ: «اللَّهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَا»، فَإِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ: «الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَمَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ». [انظر: ٧٣٩٥]

[6325] حضرت ابوذر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ جب اپنی خواب گاہ میں جاتے تو کہتے: ''اے اللہ میں تیرے ہی نام سے سوتا اور بیدار ہوتا ہوں۔'' اور جب بیدار ہوتے تو فرماتے: ''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف واپس جانا ہے۔''

فائدہ: سونے سے پہلے نماز والا وضو کرنا، اپنا دایاں ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے رکھ کر دائیں کروٹ پر لیٹنا، مسنون دعائیں یا ان میں سے کوئی ایک دعا پڑھنا انتہائی تاکیدی سنتیں ہیں۔ بہتر ہے کہ دعا پڑھنے کے بعد کوئی گفتگو نہ کی جائے۔ واللہ أعلم.

(١٧) بَابُ الدُّعَاءِ فِي الصَّلَاةِ

باب:17- نماز میں دعا کرنا

٦٣٢٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا

[6326] حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے روایت ہے،

1 سنن الكبرىٰ للنسائي، حديث :10301، وفتح الباري : 119/11. 2 صحيح البخاري، الدعوات، حديث : 6306.

اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي يَزِيدُ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّهُ قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ: عَلِّمْنِي دُعَاءً أَدْعُو بِهِ فِي صَلَاتِي، قَالَ: «قُلِ: اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ، فَاغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ، وَارْحَمْنِي إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ».

انھوں نے نبی ﷺ سے عرض کی: مجھے کوئی ایسی دعا سکھا دیجیے جسے میں دوران نماز میں پڑھا کروں۔ آپ نے فرمایا: ''یہ دعا پڑھا کرو: اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا ہے، گناہوں کو تیرے سوا اور کوئی معاف کرنے والا نہیں ہے، لہٰذا تو اپنے ہاں میری مغفرت کر دے اور مجھ پر رحم فرما، یقیناً تو بہت زیادہ بخشنے والا انتہائی مہربان ہے۔''

وَقَالَ عَمْرٌو عَنْ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ: أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو: قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لِلنَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٨٣٤]

عمرو بن حارث نے بھی اس حدیث کو یزید سے، انھوں نے ابوالخیر سے، انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ سے سنا کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے نبی ﷺ سے عرض کی۔

فوائد ومسائل: ① یہ دعا بہت جامع ہے۔ اس میں انسان کی اپنی انتہائی تقصیر کا بیان ہے کہ اس نے خود پر بہت ظلم کیا ہے اور انتہائی انعام کی طلب ہے اور وہ مغفرت و رحمت ہے کیونکہ مغفرت سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور رحمت، دخول جنت کا ذریعہ ہے۔ دوزخ سے دور ہو جانا اور جنت میں داخلہ مل جانا ہی بڑی کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کی یہ مراد پوری کرے۔ آمین. ② اس حدیث سے اس دعا کا دوران نماز میں پڑھنا ثابت ہوا چونکہ نماز میں انسان اللہ تعالیٰ کے بہت قریب ہوتا ہے، لہٰذا دوران نماز میں دعا مانگنا بہترین عمل ہے۔[1]

٦٣٢٧ - حَدَّثَنَا عَلِيٌّ: حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ سُعَيْرٍ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾ أُنْزِلَتْ فِي الدُّعَاءِ. [راجع: ٤٧٢٣]

[6327] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے درج ذیل آیت: ''اپنی نماز نہ بہت زور زور سے پڑھیں نہ بالکل آہستہ آواز سے......'' کے متعلق فرمایا کہ یہ دعا کے بارے میں نازل ہوئی۔

فوائد ومسائل: ① حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ مذکورہ بالا آیت نماز کے متعلق نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا: تم نماز میں قرآن کی قراءت اتنی بلند آواز سے نہ کرو کہ مشرک قرآن کو برا بھلا کہیں اور نہ اس قدر آہستہ پڑھیں کہ آپ کے صحابہ بھی نہ سن سکیں بلکہ درمیانی راہ اختیار کریں۔[2] جبکہ حضرت عائشہ ؓ کا فرمان ہے کہ یہ آیت دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں: ممکن ہے کہ حضرت عائشہ ؓ نے دوران نماز میں دعا کے متعلق فرمایا ہو، اس طرح دونوں اقوال میں تطبیق ہو جاتی ہے۔[3] ② امام بخاری ؒ نے اسی تطبیق سے عنوان ثابت کیا ہے، چنانچہ حافظ ابن

① فتح الباري: 158/11. ② صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4722. ③ فتح الباري: 515/8.

حجر رحمہ اللہ نے ابن مردویہ کے حوالے سے اس آیت کی شان نزول ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت اللہ کے پاس نماز پڑھتے تو بلند آواز سے دعا کرتے، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔[1]

٦٣٢٨ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا نَقُولُ فِي الصَّلَاةِ: السَّلَامُ عَلَى اللهِ، السَّلَامُ عَلَى فُلَانٍ، فَقَالَ لَنَا النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ: «إِنَّ اللهَ هُوَ السَّلَامُ، فَإِذَا قَعَدَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَقُلْ: التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ - إِلَى قَوْلِهِ: - الصَّالِحِينَ، فَإِذَا قَالَهَا أَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ لِلّٰهِ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ صَالِحٍ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، ثُمَّ يَتَخَيَّرُ مِنَ الثَّنَاءِ مَا شَاءَ». [راجع: ٨٣١]

[6328] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم نماز میں یہ کہا کرتے تھے: اللہ پر سلام ہو، فلاں پر سلام ہو، تو نبی ﷺ نے ایک دن فرمایا: ''اللہ تو خود سلام ہے، اس لیے جب تم میں سے کوئی نماز میں بیٹھے تو کہے: التحیات للہ ...... الصالحین تک۔ جب نماز پڑھنے والا یہ کہے گا تو اس کا سلام زمین و آسمان میں رہنے والے اللہ کے ہر نیک بندے کو پہنچے گا۔ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُولُهٗ اس کے بعد اسے ثنا، یعنی دعا میں اختیار ہے جو چاہے مانگے۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں ثنا سے مراد دعا ہے جیسا کہ ایک روایت میں اس کی صراحت ہے۔[2] اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دوران تشہد میں دعا کی جا سکتی ہے اور تشہد نماز ہی کا حصہ ہے، لہٰذا امام بخاری رحمہ اللہ کا مدعا ثابت ہوا۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ دوران نماز میں چھ مقامات میں دعا کرنا ثابت ہے: ○ تکبیر تحریمہ کے بعد۔ ○ حالتِ قیام میں جب سیدھا کھڑا ہو۔ ○ رکوع کی حالت میں۔ ○ دوران سجدہ میں۔ ○ دو سجدوں کے درمیان۔ ○ دوران تشہد میں۔ رسول اللہ قنوت میں دعا کرتے تھے اور دوران قراءت جب آیتِ رحمت آتی تو اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال کرتے اور جب آیت عذاب آتی تو اللہ تعالیٰ سے اس کی پناہ مانگتے تھے۔ بہرحال نماز میں دعا کرنا کئی ایک احادیث سے ثابت ہے۔ واللّٰہ أعلم.[3]

(١٨) بَابُ الدُّعَاءِ بَعْدَ الصَّلَاةِ

باب:18- نماز کے بعد دعا

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان سے ان اہل علم کا رد کیا ہے جن کا موقف ہے کہ نماز کے بعد دعا کرنا مشروع نہیں بلکہ جن احادیث میں دعا کرنے کا ذکر ہے اس سے مراد نماز میں دعا کرنا ہے کیونکہ اس وقت نمازی اپنے رب سے مناجات میں مصروف ہوتا ہے۔ وہ اپنے موقف کی تائید میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد صرف درج ذیل دعا

1 فتح الباري: 515/8. 2 صحيح البخاري، الأذان، حديث: 835. 3 فتح الباري: 159/11.

پڑھنے کی مقدار بیٹھتے تھے: ''اے اللہ! تو سلامتی والا ہے، تیری ہی طرف سے سلامتی ہے۔ اے شان واکرام والے! تو بڑا ہی بابرکت ہے۔''[1] امام بخاری ؒ کے نزدیک یہ موقف محل نظر ہے کیونکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبلہ رو ہو کر نماز کی سی حالت پر اتنی دیر ٹھہرتے تھے لیکن اس حدیث سے صحابۂ کرام ؓ کی طرف منہ کر کے دعا کرنے کی نفی کشید نہیں کی جا سکتی، بلکہ اس کے برعکس رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل ؓ سے فرمایا تھا: ''اے معاذ! میں تجھ سے محبت کرتا ہوں، لہٰذا ہر نماز کے بعد درج ذیل دعا کرنا مت بھولیں: ''اے اللہ! اپنے ذکر اور شکر کی ادائیگی کے لیے میری مدد فرما اور مجھے اپنی بہترین عبادت کی توفیق دے۔''[2] نیز حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ درج ذیل دعا ہر نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے: ''اے اللہ! میں کفر و فقر اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''[3] چنانچہ شیخ الاسلام ابن قیم ؒ لکھتے ہیں کہ نماز سے سلام پھیرنے کے بعد قبلے ہی کی طرف منہ کیے ہوئے دعا کرنا کسی صحیح یا حسن حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ یا خلفائے راشدین سے ایسا کرنا منقول نہیں ہے۔[4]

٦٣٢٩ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا يَزِيدُ: أَخْبَرَنَا وَرْقَاءُ عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، ذَهَبَ أَهْلُ الدُّثُورِ بِالدَّرَجَاتِ وَالنَّعِيمِ الْمُقِيمِ، قَالَ: «كَيْفَ ذَاكَ؟» قَالَ: صَلَّوْا كَمَا صَلَّيْنَا، وَجَاهَدُوا كَمَا جَاهَدْنَا، وَأَنْفَقُوا مِنْ فُضُولِ أَمْوَالِهِمْ وَلَيْسَتْ لَنَا أَمْوَالٌ، قَالَ: «أَفَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَمْرٍ تُدْرِكُونَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، وَتَسْبِقُونَ مَنْ جَاءَ بَعْدَكُمْ، وَلَا يَأْتِي أَحَدٌ بِمِثْلِ مَا جِئْتُمْ بِهِ إِلَّا مَنْ جَاءَ بِمِثْلِهِ؟ تُسَبِّحُونَ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ عَشْرًا، وَتَحْمَدُونَ عَشْرًا، وَتُكَبِّرُونَ عَشْرًا».

[6329] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ صحابۂ کرام نے (رسول اللہ ﷺ سے) عرض کی: اللہ کے رسول! مال دار لوگ بلند درجات اور دائمی نعمتیں لے گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ کیسے؟'' صحابۂ کرام ؓ نے عرض کی: جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں وہ بھی پڑھتے ہیں، جس طرح ہم جہاد کرتے ہیں وہ بھی کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنا زائد مال بھی خرچ کرتے ہیں جبکہ ہمارے پاس مال نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں ایک ایسی چیز کی خبر نہ دوں جس پر عمل کر کے تم اس شخص کو پالو گے جو تم سے پہلے گزرا ہے اور اپنے بعد آنے والوں پر سبقت لے جاؤ گے اور کوئی شخص اتنا ثواب نہ حاصل کر سکے گا جو تم نے کیا ہوگا سوائے اس صورت کے کہ جب وہ بھی وہی عمل کرے جو تم کرو گے، وہ یہ کہ تم ہر نماز کے بعد دس مرتبہ سبحان اللہ، دس مرتبہ الحمد للہ اور دس مرتبہ اللہ اکبر پڑھا کرو۔''

تَابَعَهُ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ سُمَيٍّ. وَرَوَاهُ

عبید اللہ بن عمر نے سمی سے روایت کرنے میں ورقاء کی

(1) صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1335 (592). (2) سنن أبي داود، الوتر، حديث: 1522. (3) سنن النسائي، السهو، حديث: 1346. (4) فتح الباري: 160/11.

ابْنُ عَجْلَانَ عَنْ سُمَيٍّ وَرَجَاءِ بْنِ حَيْوَةَ. وَرَوَاهُ جَرِيرٌ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ. وَرَوَاهُ سُهَيْلٌ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٨٤٣]

متابعت کی ہے، نیز اس حدیث کو ابن عجلان نے سمی اور رجاء بن حیوہ سے روایت کیا۔ اسی طرح جریر نے عبدالعزیز بن رفیع سے، انھوں نے ابو صالح سے، انھوں نے ابوالدرداء سے اس حدیث کو بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ سہیل نے اپنے باپ سے، انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور انھوں نے نبی ﷺ سے اس روایت کو بیان کیا ہے۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ فقراء ومہاجرین دوبارہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اللہ کے رسول! ہمارے مال دار بھائیوں کو ہمارے عمل کا پتا چل گیا ہے اور انھوں نے بھی اسے شروع کر دیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔''[1] صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ کلمات دس، دس بار کہنے کے بجائے تینتیس، تینتیس مرتبہ کہنے کا ذکر ہے۔[2] ② ان کلمات کا کثیر تعداد میں ثواب اس لیے ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کی نقائص سے پاکیزگی اور کمالات کا اثبات ہے۔ واللہ أعلم. ان احادیث میں دعا کے بجائے ذکر کرنے کا بیان ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ عنوان سے مناسبت اس طرح ہے کہ ذکر کرنے والے کو وہی کچھ ملتا ہے جو دعا کرنے والے کو ملتا ہے جبکہ وہ ذکر کرنے میں اس قدر مصروف ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا نہ کر سکے۔[3]

٦٣٣٠ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنِ الْمُسَيَّبِ بْنِ رَافِعٍ، عَنْ وَرَّادٍ مَوْلَى الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ: كَتَبَ الْمُغِيرَةُ إِلَى مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَقُولُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ إِذَا سَلَّمَ: «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ، لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ».

[6330] حضرت وراد سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے بعد جب سلام پھیرتے تو کہا کرتے تھے: ''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ بادشاہت اسی کے لیے ہے اور تمام تعریفوں کا سزاوار بھی وہی ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ اے اللہ! جو کچھ تو نے دیا ہے اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ اے اللہ! جو کچھ تو نے روک لیا اسے کوئی دینے والا نہیں۔ کسی مال دار یا بزرگ کو (تیری عبادت کی بجائے) اس کا مال یا بزرگی نفع نہیں پہنچا سکتے۔''

وَقَالَ شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ قَالَ: سَمِعْتُ الْمُسَيَّبَ. [راجع: ٨٤٤]

شعبہ نے منصور سے بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں نے اس حدیث کو حضرت مسیب سے سنا ہے۔

---

[1] صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1347 (595). [2] صحيح البخاري، الأذان، حديث: 843. [3] فتح الباري: 160/11.

فوائدومسائل: ① دراصل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا تھا کہ مجھے وہ احادیث لکھ کر بھیجیں جو تم نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہیں تو انھوں نے جواب میں یہ حدیث لکھ کر بھیجی۔[1] ② ابن بطال نے لکھا ہے کہ ان احادیث میں ہر نماز کے بعد ذکر الٰہی کی ترغیب ہے اور یہ عمل اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے برابر ہے، نیز امام اوزاعی سے سوال ہوا کہ نماز کے بعد ذکر الٰہی بہتر ہے یا تلاوت قرآن تو انھوں نے فرمایا: تلاوت قرآن سے بہتر تو کوئی عمل نہیں مگر سلف صالحین کا طریقہ نماز کے بعد ذکر و اذکار کا ہی تھا۔[2]

(١٩) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: ﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ﴾ [التوبة: ١٠٣] وَمَنْ خَصَّ أَخَاهُ بِالدُّعَاءِ دُونَ نَفْسِهِ

باب: 19- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور آپ ان کے لیے دعائے رحمت کریں'' اور جس نے اپنے لیے دعا کرنے کے بجائے اپنے بھائی کے لیے دعا کی اس کا بیان

وَقَالَ أَبُو مُوسَى: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَللَّهُمَّ اغْفِرْ لِعُبَيْدٍ أَبِي عَامِرٍ، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ ذَنْبَهُ».

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے بایں الفاظ دعا کی: ''اے اللہ! ابو عامر عبید کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! عبداللہ بن قیس کے گناہ معاف کر دے۔''

وضاحت: کچھ اہل علم کا خیال ہے کہ جب کسی کے لیے دعا کی جائے تو اس کا آغاز اپنی ذات سے کیا جائے، صرف دوسرے کے لیے دعا کرنا ان کے نزدیک صحیح نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی تردید میں یہ عنوان قائم کیا ہے۔ آئندہ تمام احادیث امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی موقف کی تردید کے لیے پیش کی ہیں۔

٦٣٣١ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ يَزِيدَ ابْنِ أَبِي عُبَيْدٍ مَوْلَى سَلَمَةَ: حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ الْأَكْوَعِ قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ إِلَى خَيْبَرَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: أَيَا عَامِرُ لَوْ أَسْمَعْتَنَا مِنْ هُنَاتِكَ، فَنَزَلَ يَحْدُو بِهِمْ يُذَكِّرُ: تَاللهِ لَوْلَا اللهُ مَا اهْتَدَيْنَا، وَذَكَرَ شِعْرًا غَيْرَ هٰذَا، وَلٰكِنِّي لَمْ أَحْفَظْهُ. قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ هٰذَا السَّائِقُ؟» قَالُوا: عَامِرُ بْنُ الْأَكْوَعِ، قَالَ: «يَرْحَمُهُ اللهُ»، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: يَا

[6331] حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم نبی ﷺ کے ہمراہ خیبر کی طرف گئے۔ لوگوں میں سے ایک آدمی نے کہا: اے عامر! اگر تم ہمیں اپنے اشعار سناؤ تو بہت اچھا ہو گا، چنانچہ وہ حدی پڑھنے لگے، اس کا آغاز کیا: اللہ کی قسم! اگر اللہ نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ اس کے بعد دوسرے اشعار بھی پڑھے لیکن وہ مجھے یاد نہیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اونٹوں کو چلانے والا یہ شخص کون ہے؟'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: یہ عامر بن اکوع ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''اللہ اس پر رحم

① صحيح البخاري، الزكاة، حديث: 1477. ② فتح الباري: 162/11.

رَسُولَ اللهِ، لَوْلَا مَتَّعْتَنَا بِهِ، فَلَمَّا صَافَّ الْقَوْمَ قَاتَلُوهُمْ، فَأُصِيبَ عَامِرٌ بِقَائِمَةِ سَيْفِ نَفْسِهِ فَمَاتَ، فَلَمَّا أَمْسَوْا أَوْقَدُوا نَارًا كَثِيرَةً، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا هٰذِهِ النَّارُ؟ عَلَى أَيِّ شَيْءٍ تُوقِدُونَ؟» قَالُوا: عَلَى حُمُرٍ إِنْسِيَّةٍ، فَقَالَ: «هَرِيقُوا مَا فِيهَا وَاكْسِرُوهَا». قَالَ رَجُلٌ: يَا نَبِيَّ اللهِ، أَلَا نُهْرِيقُ مَا فِيهَا وَنَغْسِلُهَا؟ قَالَ: «أَوْ ذَاكَ». [راجع: ٢٤٧٧]

کرے۔" صحابۂ کرام میں سے ایک آدمی نے کہا: اللہ کے رسول! کاش آپ ہمیں ان سے مزید نفع اٹھانے دیتے۔ پھر جب صف بندی ہوئی تو مسلمانوں نے کافروں سے جنگ کی۔ (چونکہ حضرت عامر ؓ کی تلوار چھوٹی تھی، اس لیے) وہ اپنی تلوار ہی سے زخمی ہو گئے اور ان کی موت واقع ہو گئی۔ شام ہوئی تو لوگوں نے جگہ جگہ آگ جلائی۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: "یہ آگ کیسی ہے؟ اسے کیا چیز پکانے کے لیے جلایا گیا ہے؟" صحابۂ کرام نے عرض کی: گھریلو گدھوں کا گوشت پکانے کے لیے اسے جلایا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "جو کچھ ان ہنڈیوں میں ہے اسے پھینک دو، پھر انھیں بھی توڑ دو۔" ایک آدمی نے عرض کی: اللہ کے رسول! کیا جو کچھ ان میں ہے اسے پھینک دیں اور ہنڈیاں دھو لیں؟ آپ نے فرمایا: "اچھا یہی کر لو۔"

فوائد ومسائل: ① عرب لوگ اونٹوں پر سفر کرتے وقت خوش الحانی سے چھوٹے چھوٹے شعر پڑھتے تھے جن سے مست ہو کر اونٹ تیزی سے چلتے تھے۔ حضرت عامر بن اکوع بھی بہت اچھے حدی خواں تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے اشعار سن کر فرمایا: "اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے!" حضرات صحابۂ کرام میں یہ معروف تھا کہ غزوے میں رسول اللہ ﷺ جب کسی شخص کے لیے رحم کی دعا کرتے تو وہ زندہ نہ رہتا بلکہ شہید ہو جاتا، اس لیے انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! کاش! ہمیں ان کی زندگی سے مزید فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا۔ ② اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے صرف عامر ؓ کے لیے دعائیہ کلمات استعمال کیے، دعا میں اپنی ذات کا ذکر نہیں فرمایا۔ امام بخاری ؒ کا مذکورہ حدیث لانے سے یہی مقصود ہے۔ واللّٰہ المستعان.

٦٣٣٢ - حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرٍو قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَتَاهُ رَجُلٌ بِصَدَقَتِهِ قَالَ: «اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ فُلَانٍ»، فَأَتَاهُ أَبِي فَقَالَ: «اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ أَبِي أَوْفَى». [راجع: ١٤٩٧]

[6332] حضرت عبداللہ بن ابی اوفی ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب نبی ﷺ کے پاس کوئی صدقہ لے کر آتا تو آپ یوں دعا کرتے: "اے اللہ! فلاں کی آل اولاد پر رحم فرما۔" میرے والد صدقہ لائے تو آپ نے اس طرح دعا فرمائی: "اے اللہ! ابو اوفی کی آل اولاد پر رحمتیں نازل فرما۔"

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: "آپ ان کے اموال سے صدقہ لیں (تاکہ) اس کے

ذریعے سے آپ انھیں پاک صاف کریں اور نیز ان کے لیے دعا کریں کیونکہ آپ کی دعا ان کے لیے باعث اطمینان ہے۔"[1] اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے صدقہ لانے والے کے لیے آپ دعا کرتے تھے۔ حضرت ابو اوفی جب صدقہ لائے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے بھی دعا فرمائی، دعا میں خود کو شریک نہیں کیا بلکہ صرف ابو اوفی کی آل اولاد کے لیے دعا کی ہے۔ ② ابن ابی اوفی کا نام عبداللہ اور ابو اوفی کا نام علقمہ ہے۔ یہ باپ بیٹا دونوں صحابی ہیں ...... رضی اللہ عنہما ......۔

٦٣٣٣ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ قَيْسٍ قَالَ: سَمِعْتُ جَرِيرًا قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَلَا تُرِيحُنِي مِنْ ذِي الْخَلَصَةِ؟» - وَهُوَ نُصُبٌ كَانُوا يَعْبُدُونَهُ يُسَمَّى الْكَعْبَةَ الْيَمَانِيَةَ - قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي رَجُلٌ لَا أَثْبُتُ عَلَى الْخَيْلِ، فَصَكَّ فِي صَدْرِي، وَقَالَ: «اللَّهُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا»، قَالَ: فَخَرَجْتُ فِي خَمْسِينَ مِنْ أَحْمَسَ مِنْ قَوْمِي - وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ: فَانْطَلَقْتُ فِي عُصْبَةٍ مِنْ قَوْمِي - فَأَتَيْتُهَا فَأَحْرَقْتُهَا، ثُمَّ أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، وَاللهِ مَا أَتَيْتُكَ حَتَّى تَرَكْتُهَا مِثْلَ الْجَمَلِ الْأَجْرَبِ، فَدَعَا لِأَحْمَسَ وَخَيْلِهَا.

[راجع: ٣٠٢٠]

[6333] حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: "کیا تم مجھے ذی الخلصہ سے آرام نہیں پہنچاتے؟" ...... وہ ایک ایسا بت تھا جس کی زمانۂ جاہلیت میں لوگ پوجا کرتے تھے۔ اسے کعبہ یمانیہ کہا جاتا تھا...... میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں اس خدمت کے لیے حاضر ہوں لیکن میں گھوڑے پر جم کر نہیں بیٹھ سکتا۔ آپ ﷺ نے میرے سینے پر تھپکی دیتے ہوئے دعا فرمائی: "اے اللہ! اسے ثابت قدمی عطا فرما۔ اسے ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ بنا۔" حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر میں اپنی قوم احمس کے پچاس آدمی لے کر نکلا...... بسا اوقات سفیان بن عیینہ نے یوں نقل کیا: میں اپنی قوم کی ایک جماعت لے کر نکلا...... اور وہاں گیا، پھر اس بت کو جلا کر راکھ کر دیا۔ اس کے بعد میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! میں آپ کے پاس نہیں آیا جب تک میں نے اسے جلے ہوئے خارشی اونٹ کی طرح سیاہ نہیں کر دیا۔ آپ ﷺ نے قبیلۂ احمس اور ان کے گھوڑ سواروں کے لیے دعا فرمائی۔

فوائد ومسائل: ① حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے نہ صرف اس بت کو ختم کیا بلکہ وہاں کے مجاوروں کو بھی نیست و نابود کر کے زمین کو گندگی سے پاک کر دیا۔[2] رسول اللہ ﷺ نے قبیلۂ احمس کی بہادری اور ان کے گھوڑوں کی جفاکشی کے پیش نظر ان کے لیے پانچ مرتبہ خیر و برکت کی دعا فرمائی۔[3] ② اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ کے لیے ثابت قدمی کی دعا فرمائی، دعا کرتے وقت اپنی ذات کو دعا میں شریک نہیں فرمایا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی بات کو ثابت فرمایا ہے۔

① التوبة 9:103. ② صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4355. ③ صحيح البخاري، الجهاد والسير، حديث: 3076.

٦٣٣٤ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ الرَّبِيعِ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ : سَمِعْتُ أَنَسًا قَالَ : قَالَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ لِلنَّبِيِّ ﷺ : أَنَسٌ خَادِمُكَ ، قَالَ : «اللّٰهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ ، وَبَارِكْ لَهُ فِيمَا أَعْطَيْتَهُ» . [راجع : ١٩٨٢]

[6334] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے عرض کی: یہ انس آپ کا خادم ہے۔ (اس کے حق میں دعا فرمائیں۔) آپ نے بایں الفاظ فرمائی: ”اے اللہ! اس کا مال زیادہ کر دے اور جو کچھ تو نے اسے دیا ہے اس میں برکت عطا فرما۔“

فوائدومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے تین دعائیں فرمائیں اور اللہ تعالیٰ نے انھیں شرف قبولیت سے نوازا: ایک دعا یہ تھی کہ ان کے مال میں فراوانی ہو، دوسری یہ کہ ان کی اولاد بکثرت ہو اور تیسری یہ کہ ان کی عمر لمبی ہو۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کے لیے کثرت مال واولاد کی دعا کرنا جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ دعائیں صرف حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے کیں، خود کو ان دعاؤں میں شریک نہیں کیا۔ وهو المقصود.

٦٣٣٥ - حَدَّثَنِي عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ : حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا ، قَالَتْ : سَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ رَجُلًا يَقْرَأُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ : «رَحِمَهُ اللهُ ، لَقَدْ أَذْكَرَنِي كَذَا وَكَذَا آيَةً أَسْقَطْتُهَا فِي سُورَةِ كَذَا وَكَذَا» . [راجع : ٢٦٥٥]

[6335] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے ایک صحابی کو مسجد میں قرآن کریم پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا: ”اللہ اس پر رحم کرے! اس نے مجھے فلاں فلاں آیت یاد دلا دی ہے جو میں فلاں فلاں سورت سے بھول گیا تھا۔“

فوائدومسائل: ① قرآن کریم میں ہے: ”ہم آپ کو پڑھائیں گے جسے آپ نہیں بھولیں گے مگر جو اللہ چاہے گا۔“[1] اس آیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق آپ ﷺ پر نسیان طاری ہوسکتا ہے لیکن وہ نسیان جاری نہیں رہتا تھا بلکہ جلدی ختم ہو جاتا تھا۔ وہ صحابی حضرت عباد بن بشر ہیں جن کے لیے آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔[2] ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود اس حدیث سے صرف یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صرف صحابی کے لیے دعا فرمائی، خود کو اس میں شریک نہیں کیا۔

٦٣٣٦ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ : أَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ عَنْ أَبِي وَائِلٍ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ : قَسَمَ النَّبِيُّ ﷺ قَسْمًا فَقَالَ رَجُلٌ : إِنَّ هٰذِهِ لَقِسْمَةٌ مَا أُرِيدَ بِهَا وَجْهُ اللهِ ، فَأَخْبَرْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَغَضِبَ حَتَّى رَأَيْتُ

[6336] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے کوئی چیز تقسیم فرمائی تو ایک شخص بولا: اس تقسیم سے اللہ کی رضا مقصود نہیں۔ میں نے نبی ﷺ کو اس امر کی خبر دی تو آپ بہت ناراض ہوئے حتی کہ میں نے خفگی کے اثرات آپ کے چہرۂ انور پر دیکھے۔ آپ نے

1 الأعلٰى 87:7. 2 فتح الباري: 166/11.

الْغَضَبَ فِي وَجْهِهِ وَقَالَ: «يَرْحَمُ اللهُ مُوسَى لَقَدْ أُوذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ». [راجع: ٣١٥٠]

فرمایا: ''اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے! انھیں اس سے بھی زیادہ اذیت پہنچائی گئی لیکن انھوں نے صبر سے کام لیا۔''

فوائدومسائل: ① رسول اللہ ﷺ کی تقسیم پر اعتراض کرنے والا ذوالخویصرہ نامی ایک منافق شخص تھا جس کی نسل سے خارجی لوگ پیدا ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور حکومت میں خارجیوں سے جنگ کی۔ ② اس حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے دعا فرمائی لیکن خود کو اس میں شریک نہیں کیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس بات کو ثابت کرنے کے لیے یہ حدیث لائے ہیں۔ ③ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کا ذکر کرتے تو اس کے لیے دعا کرتے اور اپنی ذات سے دعا کا آغاز کرتے۔[1] لیکن یہ بات قاعدے کلیے کے طور پر نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت لوط علیہ السلام کے لیے دعا فرمائی، لیکن اپنی ذات کا حوالہ نہیں دیا، اسی طرح قبل ازیں ایک حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے دعا کا ذکر ہے لیکن اپنی ذات کو اس میں شریک نہیں کیا۔

(٢٠) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ السَّجْعِ فِي الدُّعَاءِ

باب: 20- دعا کرتے وقت قافیہ بندی ناپسندیدہ عمل ہے

وضاحت: سجع، اس مُقفّی کلام کو کہتے ہیں جس میں وزنِ شعر کا لحاظ نہیں ہوتا۔ یہ اس وقت مکروہ ہے جب اس میں تکلف کیا جائے کیونکہ ایسا کرنے سے خشوع اور خضوع برقرار نہیں رہتا اور ذہن اس سے ہٹ کر الفاظ کی خوبصورتی اور بناوٹ میں لگ جاتا ہے۔ اگر مقصد و ارادے کے بغیر دعا میں سجع ہو جائے تو کوئی حرج نہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی کچھ ادعیہ مسجّع ہیں، مثلاً: [اَللّٰهُمَّ! مُنْزِلَ الْكِتَابِ، مُجْرِيَ السَّحَابِ، هَازِمَ الْأَحْزَابِ][2]

٦٣٣٧ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ السَّكَنِ: حَدَّثَنَا حَبَّانُ بْنُ هِلَالٍ أَبُو حَبِيبٍ: حَدَّثَنَا هَارُونُ الْمُقْرِىءُ: حَدَّثَنَا الزُّبَيْرُ بْنُ الْخِرِّيتِ عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: حَدِّثِ النَّاسَ كُلَّ جُمُعَةٍ مَرَّةً، فَإِنْ أَبَيْتَ فَمَرَّتَيْنِ، فَإِنْ أَكْثَرْتَ فَثَلَاثَ مَرَّاتٍ، وَلَا تُمِلَّ النَّاسَ هٰذَا الْقُرْآنَ فَلَا أُلْفِيَنَّكَ تَأْتِي الْقَوْمَ وَهُمْ فِي حَدِيثٍ مِنْ حَدِيثِهِمْ فَتَقُصُّ عَلَيْهِمْ فَتَقْطَعُ عَلَيْهِمْ

[6337] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ لوگوں کو ہفتے میں ایک دن وعظ کیا کرو۔ اگر تم اس پر آمادہ نہ ہو تو دو مرتبہ۔ اگر زیادہ ہی کرنا چاہتے ہو تو تین مرتبہ۔ لوگوں کو اس قرآن سے متنفر نہ کرو۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ تم لوگوں کے پاس آؤ جبکہ وہ اپنی باتوں میں مصروف ہوں اور تم انھیں وعظ کرنا شروع کر دو اور ان کی باہمی گفتگو کاٹ کر انھیں پریشان کرو۔ تمھیں خاموش رہنا چاہیے، ہاں جب وہ تمھیں وعظ کا کہیں تو پھر تم انھیں نصیحت

[1] جامع الترمذي، الدعوات، حديث: 3385. [2] صحيح البخاري، الجهاد والسير، حديث: 2966.

حَدِيثَهُمْ فَتُمِلُّهُمْ، وَلَكِنْ أَنْصِتْ فَإِذَا أَمَرُوكَ فَحَدِّثْهُمْ وَهُمْ يَشْتَهُونَهُ وَانْظُرِ السَّجْعَ مِنَ الدُّعَاءِ فَاجْتَنِبْهُ، فَإِنِّي عَهِدْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَأَصْحَابَهُ لَا يَفْعَلُونَ إِلَّا ذَلِكَ الْاِجْتِنَابَ.

کرو اس طرح کہ وہ اس کے خواہش مند ہوں۔ دعا میں قافیہ بندی سے اجتناب کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام کو دیکھا ہے کہ وہ ہمیشہ اس سے بچا ہی کرتے تھے۔

فائدہ: رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام ؓ ہمیشہ سیدھی سادی دعائیں کرتے تھے، ان میں قطعاً تکلف نہ ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''آئندہ ایسے لوگ ہوں گے جو دعا میں حد سے بڑھ جائیں گے۔''[1] حد سے بڑھنے کی ایک صورت یہ ہے کہ مقفیٰ دعائیں کی جائیں۔ حافظ ابن حجر ؒ نے اس کی کراہت کی وجہ یہ لکھی ہے کہ اس قسم کی دعائیں کہانت پیشہ لوگوں کی گفتگو سے ملتی جلتی ہیں،[2] لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ سنت کی پیروی کرتے ہوئے ایسی دعاؤں سے پرہیز کرے جو مسجع ہوں اور الفاظ کے اتار چڑھاؤ پر مبنی ہوں۔ واللّٰہ أعلم.

(٢١) بَابٌ: لِيَعْزِمِ الْمَسْأَلَةَ فَإِنَّهُ لَا مُكْرِهَ لَهُ

باب: 21- یقین واذعان سے دعا کرے کیونکہ اللہ پر کوئی جبر کرنے والا نہیں

٦٣٣٨ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ فَلْيَعْزِمِ الْمَسْأَلَةَ وَلَا يَقُولَنَّ: اللَّهُمَّ إِنْ شِئْتَ فَأَعْطِنِي، فَإِنَّهُ لَا مُسْتَكْرِهَ لَهُ». [انظر: ٧٤٦٤]

[6338] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی دعا کرے تو یقین وقطعیت کے ساتھ سوال کرے۔ یوں نہ کہے: اے اللہ! اگر تو چاہتا ہے تو مجھے دے دے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی مجبور کرنے والا نہیں ہے۔''

٦٣٣٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي إِنْ شِئْتَ، اللَّهُمَّ ارْحَمْنِي إِنْ شِئْتَ، لِيَعْزِمِ الْمَسْأَلَةَ فَإِنَّهُ لَا مُسْتَكْرِهَ لَهُ». [انظر: ٧٤٧٧]

[6339] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص یوں نہ کہے: اے اللہ! اگر تو چاہتا ہے تو مجھے بخش دے، اے اللہ! اگر تو چاہتا ہے تو مجھ پر رحم فرما بلکہ اسے یقین کے ساتھ دعا کرنی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی زبردستی کرنے والا نہیں ہے۔''

فوائد ومسائل: ① دعا کرتے وقت مسکینی اور عاجزی کا اظہار ہونا چاہیے، نیز اللہ تعالیٰ سے مکمل یقین کے ساتھ سوال کیا

1 سنن ابن ماجه، الدعاء، حديث: 3864. 2 فتح الباري: 167/11.

جائے۔ دعا کرتے وقت یہ نہ کہا جائے کہ اللہ اگر تو چاہے تو دے دے بلکہ یہ کہے کہ یااللہ! تجھی سے لینا ہے کیونکہ انسان تو اللہ تعالیٰ کے حضور فقیر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مالک دو جہاں ہے، اس کے خزانوں میں کسی قسم کی کمی نہیں ہے، اس لیے یقین کے ساتھ سوال کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ پر زبردستی کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ ② بہرحال دعا مانگنے کا یہ ادب ہے کہ پوری دل جمعی، نہایت خشوع وخضوع اور قبولیت کے یقین کامل کے ساتھ دعا کی جائے۔ واللہ أعلم.

(٢٢) بَابٌ: يُسْتَجَابُ لِلْعَبْدِ مَا لَمْ يَعْجَلْ

باب: 22- بندے کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک وہ جلد بازی سے کام نہ لے

٦٣٤٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ مَوْلَى ابْنِ أَزْهَرَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «يُسْتَجَابُ لِأَحَدِكُمْ مَا لَمْ يَعْجَلْ، يَقُولُ: دَعَوْتُ فَلَمْ يُسْتَجَبْ لِي».

[6340] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک کی دعا قبول کی جاتی ہے جب تک وہ جلد بازی سے کام نہ لے اور یوں کہنا شروع کر دے: میں نے دعا کی تھی لیکن میرے لیے وہ قبول نہیں ہوئی۔''

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ بندے کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے جب تک وہ گناہ اور قطع رحمی کی دعا نہ کرے اور جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرے۔ پوچھا گیا: اللہ کے رسول! وہ جلد بازی کا مظاہرہ کیسے کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''وہ کہتا ہے: میں نے دعا مانگی، دست سوال دراز کیا لیکن قبولیت کے اثرات نظر نہیں آتے، آخر کار تنگ آ کر دعا کرنا چھوڑ دیتا ہے۔''[1] ② قبولیت کا ایک وقت طے ہے، اس لیے اگر دعا کی قبولیت میں تاخیر ہو تو بھی دعا کرتے رہنا چاہیے ممکن ہے اس تاخیر میں کوئی بہتری ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دعا کو آخرت کے لیے ذخیرہ کر دے یا اس کے برابر اس سے کوئی بلا ٹال دے۔ بہرحال دعا مانگنا بہت بڑی نیکی اور عبادت ہے، لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ اپنی کسی حکمت کی بنا پر بندے کو اس کی مطلوبہ چیز نہ دے تو بار بار دعا کرنے سے دعا کا ثواب بڑھتا چلا جاتا ہے اور یہ خود ایک بہت بڑا انعام ہے، لہٰذا ناامیدی کو اپنے پاس نہیں آنے دینا چاہیے۔ واللہ أعلم.

(٢٣) بَابُ رَفْعِ الْأَيْدِي فِي الدُّعَاءِ

باب: 23- دعا میں ہاتھ اٹھانا

وَقَالَ أَبُو مُوسَى: دَعَا النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ وَرَأَيْتُ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ.

حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ نے دعا کی اور دونوں ہاتھ اٹھائے حتی کہ میں نے آپ کی

① صحیح مسلم، الذکر و الدعاء، حدیث: 6936 (2735).

دونوں بغلوں کی سفیدی دیکھی۔

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: رَفَعَ النَّبِيُّ ﷺ يَدَيْهِ وَقَالَ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ».

حضرت ابن عمر ؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی: ''اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا ہے میں اس سے بری ہوں۔''

وضاحت: امام بخاری ؒ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کی روایت کو دوسرے مقام پر متصل سند سے بیان کیا ہے۔[1] اسی طرح حضرت ابن عمر ؓ کی حدیث بھی موصولاً گزر چکی ہے۔[2] اس حدیث میں خالد سے مراد حضرت خالد بن ولید ؓ ہیں۔ ان کا واقعہ مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں ایک فوجی دستہ دے کر بنو جذیمہ کی طرف روانہ کیا کہ انھیں اسلام کی دعوت دیں۔ ان لوگوں نے اسلام تو قبول کر لیا لیکن اچھی طرح اس کا اظہار نہ کر سکے۔ انھوں نے خود کو مسلمان کہنے کے بجائے صابی کہہ ڈالا تو حضرت خالد بن ولید ؓ نے انھیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ جب اس واقعے کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو ملی تو آپ نے اس پر اظہار افسوس کیا۔

٦٣٤١ - قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَقَالَ الْأُوَيْسِيُّ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، وَشَرِيكٍ سَمِعَا أَنَسًا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى رَأَيْتُ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ. [راجع: ١٠٣١]

[6341] حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اس قدر بلند کیے کہ میں نے آپ کی دونوں بغلوں کی سفیدی دیکھی۔

فائدہ: حضرت انس ؓ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا کرتے وقت ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے، البتہ دعائے استسقاء میں اس قدر ہاتھ اٹھاتے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی۔[3] اس حدیث سے بعض اہل علم نے یہ مسئلہ کشید کیا ہے کہ استسقاء کی دعا کے علاوہ کسی موقع پر ہاتھ نہیں اٹھانے چاہئیں۔ امام بخاری ؒ نے ان کی تردید میں یہ عنوان اور مذکورہ حدیث پیش کی ہے کہ دعائے استسقاء میں ہاتھوں کی ایک خاص کیفیت ہوتی ہے کہ ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف اور اندرونی حصہ زمین کی طرف ہوتا ہے۔ اس کیفیت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ اپنے ہاتھوں کو مبالغے کی حد تک اوپر اٹھاتے تھے حتی کہ انھیں اپنے منہ کے برابر کر لیتے۔ اس سے مراد مطلق طور پر ہاتھ اٹھانے کی نفی نہیں۔ حافظ ابن حجر ؒ نے ایسی متعدد احادیث کا حوالہ دیا ہے جن میں دعا کے وقت رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے۔[4]

(٢٤) بَابُ الدُّعَاءِ غَيْرَ مُسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةِ

باب: 24- قبلے کی طرف منہ کیے بغیر دعا کرنا

[1] صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4323. [2] صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4339. [3] صحيح البخاري، الاستسقاء، حديث: 1031. [4] فتح الباري: 171/11.

وضاحت: دعا کے آداب میں سے ہے کہ انسان قبلہ رو ہو کر دعا کرے لیکن اگر کوئی مجبوری ہے تو غیر قبلہ کی طرف منہ کر کے بھی دعا کی جا سکتی ہے جیسا کہ آئندہ حدیث میں اس کا ذکر ہے۔

٦٣٤٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوبٍ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، ادْعُ اللهَ أَنْ يَسْقِيَنَا، فَتَغَيَّمَتِ السَّمَاءُ وَمُطِرْنَا حَتَّى مَا كَادَ الرَّجُلُ يَصِلُ إِلَى الْمَنْزِلِ فَلَمْ نَزَلْ نُمْطَرُ إِلَى الْجُمُعَةِ الْمُقْبِلَةِ، فَقَامَ ذَلِكَ الرَّجُلُ - أَوْ غَيْرُهُ - فَقَالَ: ادْعُ اللهَ أَنْ يَصْرِفَهُ عَنَّا فَقَدْ غَرِقْنَا، فَقَالَ: «اللَّهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا»، فَجَعَلَ السَّحَابُ يَتَقَطَّعُ حَوْلَ الْمَدِينَةِ وَلَا يُمْطِرُ أَهْلَ الْمَدِينَةِ.

[راجع: ٩٣٢]

[6342] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے۔ اس دوران میں ایک آدمی کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا کریں۔ آپ نے دعا کی تو آسمان پر بادل آ گئے اور بارش برسنے لگی۔ بارش اس قدر ہوئی کہ آدمی اپنے گھر نہیں پہنچ سکتا تھا۔ یہ بارش آئندہ جمعہ تک ہوتی رہی۔ پھر وہی آدمی یا کوئی دوسرا کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! اللہ سے دعا کریں کہ بارش بند کر دے، ہم تو ڈوبنے لگے ہیں۔ آپ نے دعا کی: ''اے اللہ! ہمارے اردگرد بارش برسا، ہم پر اسے بند کر دے۔'' چنانچہ بادل ٹکڑے ٹکڑے مدینہ طیبہ کے اردگرد پھیل گئے اور اہل مدینہ پر بارش رک گئی۔

فوائد ومسائل: ① خطیب، خطبے میں سامعین کی طرف منہ کرتا ہے اور قبلے کی جانب اس کی پشت ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے اسی حالت میں دعا فرمائی۔ کسی حدیث میں اس امر کا ذکر نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں بار قبلے کی طرف منہ کر کے دعا کی ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ غیر قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کرنا بھی جائز ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہی ہے، چنانچہ ایک روایت میں صراحت ہے کہ جمعہ کے دن دعائے استسقاء کرنے کے متعلق کسی بھی روایت سے معلوم نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ نے اپنی چادر کو پھیرا ہو اور قبلہ کی طرف منہ کیا ہو۔[1]

(٢٥) بَابُ الدُّعَاءِ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ

باب: 25- قبلہ رو ہو کر دعا کرنا

وضاحت: خاص موقعوں کے علاوہ دعا کے آداب میں سے ہے کہ انسان دعا کرتے وقت قبلے کی طرف منہ کرے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے متعدد احادیث کا حوالہ دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا کرتے وقت قبلہ رخ ہوتے تھے۔[2]

٦٣٤٣ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا

[6343] حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

① صحيح البخاري، الاستسقاء، حديث: 1018. ② فتح الباري: 173/11.

وُهَيْبٌ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَى هٰذَا الْمُصَلَّى يَسْتَسْقِي فَدَعَا وَاسْتَسْقَى ثُمَّ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَقَلَبَ رِدَاءَهُ. [راجع: ١٠٠٥]

انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نماز استسقاء کے لیے اس عیدگاہ کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ نے وہاں بارش کے لیے دعا کی، پھر آپ قبلہ رو ہو گئے اور اپنی چادر کو پلٹا۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبلہ رو ہونے سے پہلے بارش کے لیے دعا کی، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان سے اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جسے انھوں نے دوسرے مقام پر بیان کیا ہے، چنانچہ راوی حدیث کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب دعا کا ارادہ کیا تو قبلہ رو ہو گئے اور اپنی چادر کو پلٹا۔[1] اس حدیث پر امام بخاری رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں عنوان قائم کیا ہے: [بَابُ اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ فِي الْاسْتِسْقَاءِ] ''دعائے استسقاء کرتے وقت قبلہ رو ہونا۔'' ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حدیث انس رضی اللہ عنہ اور اس حدیث میں تطبیق کی یہ صورت ہے کہ دوران خطبۂ جمعہ میں اگر بارش کی دعا کی جائے تو قبلہ رو ہونے کی ضرورت نہیں لیکن جب اس کے علاوہ بارش کی دعا کی جائے تو قبلہ رو ہونا چاہیے کیونکہ یہ دعا کے آداب میں سے ہے۔[2]

(٢٦) بَابُ دَعْوَةِ النَّبِيِّ ﷺ لِخَادِمِهِ بِطُولِ الْعُمُرِ وَبِكَثْرَةِ مَالِهِ

باب: 26- نبی ﷺ کا اپنے خادم کے لیے درازیٔ عمر اور فراوانیٔ مال کی دعا کرنا

٦٣٤٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ: حَدَّثَنَا حَرَمِيٌّ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَتْ أُمِّي: يَا رَسُولَ اللهِ، خَادِمُكَ [أَنَسٌ] ادْعُ اللهَ لَهُ، قَالَ: «اللّٰهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ، وَبَارِكْ لَهُ فِيمَا أَعْطَيْتَهُ». [راجع: ١٩٨٢]

[6344] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میری امی جان نے عرض کی: اللہ کے رسول! انس آپ کا خادم ہے۔ آپ اس کے لیے دعا فرما دیں۔ آپ نے دعا کی: ''اے اللہ! اس کے مال وعیال کو زیادہ کر دے اور جو کچھ تو نے اسے دیا ہے اس میں برکت عطا فرما۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے درازیٔ عمر کا ذکر نہیں ہے، کچھ اہل علم کا کہنا ہے کہ کثرت اولاد کے لیے ضروری ہے کہ صاحب اولاد کی عمر لمبی ہو لیکن ایک حدیث میں اس کی صراحت ہے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے تو آپ نے ہمارے لیے دعا فرمائی۔ میری والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے عرض

1 صحيح البخاري، الاستسقاء، حديث: 1028. 2 فتح الباري: 173/11.

کی: اللہ کے رسول! آپ کا یہ ننھا سا خادم انس، اس کے لیے بھی دعا فرما دیں۔ آپ نے دعا فرمائی: ''اے اللہ! اس کا مال و عیال زیادہ کر دے۔ اس کی زندگی لمبی کر دے اور اسے بخش دے۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے میرے لیے تین دعائیں کیں جن کی قبولیت میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ میری آل و اولاد میں اس قدر اضافہ ہوا کہ میں اب تک ایک سو تین بچے دفن کر چکا ہوں۔ میرا باغ سال میں دو مرتبہ پھل لاتا ہے۔ میری عمر اس قدر لمبی ہوئی ہے کہ اب مجھے لوگوں سے شرم آتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میری مغفرت ضرور کرے گا۔[1] ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مال و دولت اور اہل و عیال کے زیادہ ہونے کی دعا کرنا جائز ہے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے حقوق ادا کرنے سے غافل نہ کرے۔ واللہ أعلم.

(٢٧) بَابُ الدُّعَاءِ عِنْدَ الْكَرْبِ

باب: 27- پریشانی کے وقت دعا کرنا

٦٣٤٥ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَدْعُو عِنْدَ الْكَرْبِ يَقُولُ: «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ». [انظر: ٦٣٤٦، ٧٤٢٦، ٧٤٣١]

[6345] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ پریشانی کے وقت یہ دعا کرتے تھے: ''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں جو بہت عظمت والا اور بردبار ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، زمین و آسمان اور عرش عظیم کا رب ہے۔''

٦٣٤٦ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ هِشَامِ بْنِ أَبِي عَبْدِ اللهِ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَقُولُ عِنْدَ الْكَرْبِ: «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَرَبُّ الْأَرْضِ، وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ».

[6346] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پریشانی کی حالت میں یہ دعا پڑھتے تھے: ''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں جو صاحب عظمت اور بردبار ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں جو عرش عظیم کا مالک ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں جو زمین و آسمان اور عرش کریم کا مالک ہے۔''

وَقَالَ وَهْبٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ مِثْلَهُ. [راجع: ٦٣٤٥]

وہب نے کہا: ہم سے شعبہ نے، قتادہ کے واسطے سے اسی طرح بیان کیا ہے۔

① الأدب المفرد، حديث: 653.

فوائد ومسائل: ① کسی بھی پریشانی اور مصیبت کے وقت اگر یہ ذکر کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس سے نجات دیتا ہے، مثلاً: درد، بیماری یا آگ وغیرہ لگ جائے یا پانی میں ڈوب جانے کا خطرہ ہو یا کوئی اچانک حادثہ پیش آ جائے تو اس ذکر کو پڑھنا مسنون ہے۔ ② اگرچہ اس میں دعا کا ذکر نہیں ہے لیکن اگر کوئی ذکر کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اسے سوال کرنے والوں سے زیادہ اور بہتر بدلہ دیتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس ذکر کے آخر میں کہتے: ''اے اللہ! اس کے شر کو دور کر دے۔''[1] رسول اللہ ﷺ سے پریشانی کے وقت درج ذیل دعا بھی منقول ہے: ''اے اللہ! میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں۔ مجھے پلک جھپکنے کے برابر بھی میرے نفس کے سپرد نہ کر۔ میرے تمام حالات کو درست کر دے۔ تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔''[2] حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے پریشانی کے وقت درج ذیل دعا پڑھنے کی تلقین کی تھی: [اَللّٰهُ، اَللّٰهُ رَبِّي لَا أُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا] ''اللہ اور صرف اللہ میرا رب ہے۔ میں اس کی ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتی۔''[3]

(٢٨) بَابُ التَّعَوُّذِ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ

باب: 28- مصیبت کی سختی سے اللہ کی پناہ مانگنا

وضاحت: جہد البلاء اس سخت مصیبت کو کہتے ہیں جسے انسان میں برداشت کرنے کی قوت نہ ہو اور نہ وہ خود بخود ہی دفع ہو سکے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: اس سے مراد قلت مال اور کثرت عیال ہے۔[4]

٦٣٤٧ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنِي سُمَيٌّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَتَعَوَّذُ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ، وَدَرَكِ الشَّقَاءِ، وَسُوءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ.

[6347] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سخت مصیبت، بدبختی لاحق ہونے، بری تقدیر اور دشمنوں کی خوشی سے پناہ مانگتے تھے۔

قَالَ سُفْيَانُ: الْحَدِيثُ ثَلَاثٌ زِدْتُ أَنَا وَاحِدَةً لَا أَدْرِي أَيَّتُهُنَّ هِيَ. [انظر: ٦٦١٦]

سفیان بن عیینہ نے کہا کہ حدیث میں تین صفات کا بیان تھا۔ ایک کا میں نے اضافہ کیا تھا لیکن اب مجھے یاد نہیں کہ وہ ایک کون سی صفت ہے۔

فوائد ومسائل: ① یہ دعا بہت جامع ہے کیونکہ مکروہ چیز کا تعلق اگر دنیا سے ہو تو اسے سُوْءِ الْقَضَاء کا نام دیا جاتا ہے اور آخرت سے ہو تو یہ دَرْكِ الشِّقَاء ہے کیونکہ اصل شقاوت اور بدبختی تو آخرت کی بدبختی ہے، پھر اگر اس کا تعلق معاش سے ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں: اگر کسی غیر کی طرف سے ہو تو شَمَاتَةِ الْأَعْدَاء اور اگر اپنی طرف سے ہو تو وہ جَهدِ البلاء ہے۔[5] ② امام

[1] الأدب المفرد، حديث: 702. [2] سنن أبي داود، الأدب، حديث: 5090. [3] سنن ابن ماجه، الدعاء، حديث: 3882.
[4] عمدة القاري: 446/15. [5] عمدة القاري: 447/15.

بخاری رحمہ اللہ نے دوسرے مقام پر چاروں کلمات تردد کے بغیر بیان کیے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سخت مصیبت، بدبختی کے لاحق ہونے، بری تقدیر اور دشمنوں کی خوشی سے اللہ کی پناہ مانگو۔''

(٢٩) بَابُ دُعَاءِ النَّبِيِّ ﷺ: «اللَّهُمَّ الرَّفِيقَ الْأَعْلَى»

باب: 29- نبی ﷺ کا دعا کرنا: ''اے اللہ! مجھے رفیق اعلیٰ سے ملا دے''

٦٣٤٨ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَعُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ فِي رِجَالٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقُولُ وَهُوَ صَحِيحٌ: «لَمْ يُقْبَضْ نَبِيٌّ قَطُّ حَتَّى يَرَى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ ثُمَّ يُخَيَّرُ»، فَلَمَّا نَزَلَ بِهِ - وَرَأْسُهُ عَلَى فَخِذِي - غُشِيَ عَلَيْهِ سَاعَةً ثُمَّ أَفَاقَ فَأَشْخَصَ بَصَرَهُ إِلَى السَّقْفِ ثُمَّ قَالَ: «اللَّهُمَّ الرَّفِيقَ الْأَعْلَى»، قُلْتُ: إِذًا لَا يَخْتَارُنَا، وَعَلِمْتُ أَنَّهُ الْحَدِيثُ الَّذِي كَانَ يُحَدِّثُنَا وَهُوَ صَحِيحٌ. قَالَتْ: فَكَانَتْ تِلْكَ آخِرَ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَ بِهَا: «اللَّهُمَّ الرَّفِيقَ الْأَعْلَى». [راجع: ٤٤٣٥]

[6348] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ جب تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے: ''کسی نبی کی روح قبض نہیں کی جاتی یہاں تک کہ وہ جنت میں اپنا ٹھکانا دیکھ لیتا ہے۔ اس کے بعد اسے اختیار دیا جاتا ہے۔'' جب آپ ﷺ مرض وفات میں مبتلا ہوئے تو اس وقت آپ کا سر مبارک میری ران پر تھا۔ آپ پر تھوڑی دیر کے لیے غشی طاری ہوئی۔ جب کچھ افاقہ ہوا تو ٹکٹکی باندھ کر آپ چھت کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر آپ نے فرمایا: ''اے اللہ! رفیق اعلیٰ کی رفاقت کا طلب گار ہوں۔'' میں نے سمجھ لیا کہ آپ ﷺ ہمیں اختیار نہیں کریں گے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ وہی بات ہے جو آپ زمانۂ تندرستی میں فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ کا آخری کلمہ یہ تھا جو آپ نے اپنی زبان سے ادا فرمایا: ''اے اللہ! رفیق اعلیٰ کی رفاقت کا طلب گار ہوں۔''

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ''الرفیق الاعلیٰ'' کی وضاحت کی گئی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آخری وقت آپ کو کھانسی آئی اور آپ نے یہ آیت پڑھی: ''ان لوگوں کی رفاقت جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔''[1] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: مجھے یقین آ گیا کہ اب آپ کو دنیا میں رہنے یا آخرت سدھارنے کا اختیار دیا گیا ہے۔[2] ② امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت معوذات پڑھ کر خود پر دم نہیں کیا جیسا کہ آپ ﷺ کا معمول تھا بلکہ ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے صراحت کی ہے کہ میں نے معوذات سے دم کرنا چاہا تو آپ ﷺ نے آسمان کی طرف اپنا سر اٹھا کر کہا: [فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلَى] یعنی رفیق اعلیٰ کی رفاقت چاہتا ہوں۔[3] واللہ أعلم.

---

[1] النساء 69:4. [2] صحيح البخاري، المغازي، حديث :4435. [3] صحيح البخاري، المغازي، حديث :4451.

(٣٠) بَابُ الدُّعَاءِ بِالْمَوْتِ وَالْحَيَاةِ

باب:30- موت اور زندگی کی دعا کرنے کا بیان

٦٣٤٩ - حَدَّثَنِي مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ قَيْسٍ قَالَ: أَتَيْتُ خَبَّابًا وَقَدِ اكْتَوَى سَبْعًا قَالَ: لَوْلَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَانَا أَنْ نَدْعُوَ بِالْمَوْتِ لَدَعَوْتُ بِهِ. [راجع: ٥٦٧٢]

[6349] حضرت قیس سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کے پاس آیا جبکہ انھوں نے بیماری کی وجہ سے سات داغ لگوا رکھے تھے۔ انھوں نے فرمایا: اگر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں موت مانگنے سے منع نہ کیا ہوتا تو میں ضرور موت کی دعا کرتا۔

٦٣٥٠ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنِي قَيْسٌ قَالَ: أَتَيْتُ خَبَّابًا وَقَدِ اكْتَوَى سَبْعًا فِي بَطْنِهِ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: لَوْلَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَانَا أَنْ نَدْعُوَ بِالْمَوْتِ لَدَعَوْتُ بِهِ. [راجع: ٥٦٧٢]

[6350] حضرت قیس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ انھوں نے اپنے پیٹ پر سات داغ لگوا رکھے تھے۔ میں نے سنا آپ فرما رہے تھے: اگر نبی ﷺ نے ہمیں موت کی دعا کرنے سے منع نہ کیا ہوتا تو آج میں ضرور اس کی دعا کرتا۔

فوائد ومسائل: ① حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ اس وقت سخت تکلیف میں مبتلا تھے۔ شدت تکلیف کی وجہ سے انھوں نے ایسا فرمایا۔ بہر حال موت کی دعا کرنا منع ہے بلکہ اللہ تعالیٰ سے ایسی لمبی عمر کی دعا کرنی چاہیے جس سے سعادت دارین حاصل ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن لمبی عمر والے نیک حضرات درجات کے اعتبار سے شہداء سے آگے ہوں گے۔ ② موت کی دعا کرنا اس لیے منع ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی ناشکری کا پہلو نکلتا ہے بلکہ قضاوقدر سے تنگی کا اظہار ہے جو ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ اگر دین وایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو موت کی تمنا کرنے میں حرج نہیں جیسا کہ آئندہ حدیث سے معلوم ہوگا۔

٦٣٥١ - حَدَّثَنِي ابْنُ سَلَامٍ: أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ لِضُرٍّ نَزَلَ بِهِ، فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ مُتَمَنِّيًا لِلْمَوْتِ فَلْيَقُلْ: اللَّهُمَّ أَحْيِنِي مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي، وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي». [راجع: ٥٦٧١]

[6351] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی بھی اترنے والی تکلیف کی وجہ سے موت کی آرزو نہ کرے۔ اگر اس نے ضرور ہی موت کی خواہش کرنی ہے تو یوں کہے: اے اللہ! جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہے مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لیے وفات بہتر ہو تو مجھے یہاں سے اٹھا لے۔“

فوائدومسائل: ① عام حالات میں موت کی تمنا کرنا ناجائز ہے کیونکہ ایسا کرنا تقدیر سے راہ فرار اختیار کرنا ہے۔ اگر کسی تکلیف کی وجہ سے ایسا کرنا ضروری ہو تو مشروط طور پر دعا کرے جیسا کہ حدیث میں ہے کیونکہ شریعت کا ایک اصول ہے ''ضروریات، ممنوع چیزوں کو مباح کر دیتی ہیں'' اس لیے کسی خاص ضرورت کے پیش نظر مشروط طور پر موت کی آرزو کرنا منع نہیں۔ حدیث میں اس امر کی وضاحت ہے کہ اگر موت کی آرزو کرنے والا نیک ہے تو شاید اسے مزید نیکیاں کرنے کا موقع ملے اور اگر بدکردار ہے تو ممکن ہے کہ اسے توبہ نصیب ہو جائے۔[1]

(٣١) بَابُ الدُّعَاءِ لِلصِّبْيَانِ بِالْبَرَكَةِ وَمَسْحِ رُؤُوسِهِمْ

باب: 31- بچوں کے لیے دعائے برکت کرنا اور ان کے سروں پر دستِ شفقت پھیرنا

وَقَالَ أَبُو مُوسَى: وُلِدَ لِي مَوْلُودٌ وَدَعَا لَهُ النَّبِيُّ ﷺ بِالْبَرَكَةِ.

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا ایک بچہ پیدا ہوا تو نبی ﷺ نے اس کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔

وضاحت: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو وہ اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر آئے۔ آپ ﷺ نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور اس کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔[2] ① محبت اور پیار کی وجہ سے بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرنا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے اور یتیم بچے کے سر پر ہاتھ پھیرنا تو سخت دلی کا علاج ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دل کی سختی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: ''مسکین کو کھانا کھلاؤ اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرو۔''[3]

٦٣٥٢ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا حَاتِمٌ عَنِ الْجَعْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ: سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ يَقُولُ: ذَهَبَتْ بِي خَالَتِي إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ ابْنَ أُخْتِي وَجِعٌ، فَمَسَحَ رَأْسِي وَدَعَا لِي بِالْبَرَكَةِ ثُمَّ تَوَضَّأَ فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوئِهِ ثُمَّ قُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهِ فَنَظَرْتُ إِلَى خَاتَمِهِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ مِثْلَ زِرِّ الْحَجَلَةِ.

[راجع: ١٩٠]

[6352] حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میری خالہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئیں اور کہا: اللہ کے رسول! میرا یہ بھانجا بیمار ہے۔ آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیے برکت کی دعا فرمائی۔ پھر آپ نے وضو کیا تو میں نے آپ کے وضو سے بچا ہوا پانی پیا۔ پھر میں آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا اور آپ کے دو کندھوں کے درمیان مہر نبوت دیکھی جو چھپر کھٹ کی گھنڈی (یا کبوتری کے انڈے) کی طرح تھی۔

٦٣٥٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ عَنْ أَبِي

[6353] حضرت ابوعقیل سے روایت ہے کہ ان کے دادا حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ انھیں بازار لے جاتے اور غلہ

① صحيح البخاري، التمني، حديث: 7235. ② صحيح البخاري، الأدب، حديث: 6198. ③ مسند أحمد: 387/2.

عَقِيلٍ: أَنَّهُ كَانَ يَخْرُجُ بِهِ جَدُّهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ هِشَامٍ مِنَ السُّوقِ - أَوْ إِلَى السُّوقِ - فَيَشْتَرِي الطَّعَامَ، فَيَلْقَاهُ ابْنُ الزُّبَيْرِ وَابْنُ عُمَرَ فَيَقُولَانِ: أَشْرِكْنَا فَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَدْ دَعَا لَكَ بِالْبَرَكَةِ، فَيُشْرِكُهُمْ فَرُبَّمَا أَصَابَ الرَّاحِلَةَ كَمَا هِيَ فَيَبْعَثُ بِهَا إِلَى الْمَنْزِلِ. [راجع: ٢٥٠٢]

خریدتے۔ ان سے حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم ملتے تو انھیں کہتے: ہمیں بھی (اپنے ساتھ تجارت میں) شریک کرلیں کیونکہ نبی ﷺ نے آپ کے لیے برکت کی دعا کی تھی، چنانچہ وہ انھیں تجارت کے مال میں شریک کر لیتے تو بسا اوقات انھیں سواری کا بوجھ غلہ نفع ہو جاتا اور وہ اسے اپنے گھر بھیج دیتے۔

٦٣٥٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ وَهُوَ الَّذِي مَجَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي وَجْهِهِ وَهُوَ غُلَامٌ مِنْ بِئْرِهِمْ. [راجع: ٧٧]

[6354] حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، یہ وہ بزرگ ہیں جن کے منہ پر رسول اللہ ﷺ نے کلی کا پانی ڈالا تھا جبکہ وہ بچے تھے اور وہ پانی آپ نے ان کے کنویں سے لیا تھا۔

٦٣٥٥ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُؤْتَى بِالصِّبْيَانِ فَيَدْعُو لَهُمْ، فَأُتِيَ بِصَبِيٍّ فَبَالَ عَلَى ثَوْبِهِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَأَتْبَعَهُ إِيَّاهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ. [راجع: ٢٢٢]

[6355] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ کے پاس بچوں کو لایا جاتا تو آپ ان کے لیے دعا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک بچہ لایا گیا تو اس نے آپ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا۔ آپ نے پانی منگوایا اور پیشاب کی جگہ پر اسے ڈال دیا اور کپڑے کو دھویا نہیں۔

٦٣٥٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ ثَعْلَبَةَ بْنِ صُعَيْرٍ - وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَدْ مَسَحَ عَيْنَهُ -: أَنَّهُ رَأَى سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ يُوتِرُ بِرَكْعَةٍ. [راجع: ٤٣٠٠]

[6356] حضرت عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے...... رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھ پر ہاتھ پھیرا تھا...... انھوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ایک وتر پڑھتے دیکھا تھا۔

فوائد ومسائل: ① ان تمام احادیث میں اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بچوں پر خصوصی شفقت فرماتے تھے۔ ان کے سروں پر پیار سے ہاتھ پھیرتے اور ان کے لیے برکت کی دعا کرتے تھے۔ بعض بچے ایسے بھی تھے کہ خوش طبعی کے طور پر رسول اللہ ﷺ ان کے منہ پر اپنی کلی کا پانی پھینکتے۔ رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں کے اثرات نمایاں طور پر نظر آتے تھے۔

② اگر کوئی دودھ پینے والا بچہ آپ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیتا تو برا نہ مناتے بلکہ پانی منگوا کر خود اس پیشاب زدہ کپڑے پر بہا دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے بیٹے کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا نام یوسف رکھا، مجھے گود میں بٹھایا اور میرے سر پر محبت و پیار سے اپنا ہاتھ پھیرا۔[1]

(٣٢) بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ

باب:32- نبی ﷺ پر درود پڑھنا

وضاحت: رسول اللہ ﷺ کا ہم پر حق ہے کہ آپ پر بکثرت درود پڑھا جائے، لیکن یہ حق مسنون درود پڑھنے سے ادا ہو گا۔ ہمارے ہاں بازار میں کئی ایک ایسے درود مطبوع ہیں جو خود ساختہ اور بے اصل ہیں، مثلاً: درود تاج، نولکھی درود، درود تنجینا وغیرہ۔ بہتر ہے کہ درود کے لیے وہی الفاظ منتخب کیے جائیں جو رسول اللہ ﷺ نے سکھائے اور بیان کیے ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ہمیں جو روحانی ترقیاں نصیب ہوئی ہیں وہ بکثرت درود پڑھنے کی بدولت ہیں۔ (القول الجميل) درج ذیل احادیث میں امام بخاری رحمہ اللہ نے مسنون درود پر مشتمل احادیث کا انتخاب کیا ہے۔

٦٣٥٧ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا الْحَكَمُ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي لَيْلَى قَالَ: لَقِيَنِي كَعْبُ بْنُ عُجْرَةَ فَقَالَ: أَلَا أُهْدِي لَكَ هَدِيَّةً؟ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ عَلَيْنَا، فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ، قَدْ عَلِمْنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكَ، فَكَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ؟ قَالَ: «قُولُوا: اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ، وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ. اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ، وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ». [راجع: ٣٣٧٠]

[6357] حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے کہ مجھے کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ ملے تو انھوں نے کہا: کیا میں تمھیں ایک تحفہ نہ دوں؟ نبی ﷺ ہم لوگوں میں تشریف لائے تو ہم نے عرض کی: اللہ کے رسول! یہ تو ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ ہم نے آپ پر سلام کس طرح کہنا ہے لیکن ہم آپ پر درود کس طرح پڑھیں؟ آپ نے فرمایا: ”اس طرح کہو: اے اللہ! محمد (ﷺ) پر رحمت نازل فرما اور آپ کی آل پر بھی جس طرح تو نے آل ابراہیم پر رحمت نازل فرمائی، بلاشبہ تو تعریف کیا ہوا اور بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! تو محمد (ﷺ) پر برکت نازل فرما اور آپ کی آل پر بھی جس طرح تو نے آل ابراہیم پر برکت نازل فرمائی۔ بلاشبہ تو تعریف کیا ہوا اور بزرگی والا ہے۔“

٦٣٥٨ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي حَازِمٍ وَالدَّرَاوَرْدِيُّ عَنْ يَزِيدَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ خَبَّابٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ:

[6358] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ پر سلام پیش کرنا تو ہم نے معلوم کر لیا ہے لیکن آپ پر درود

[1] مسند أحمد: 6/6.

قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ، هٰذَا السَّلَامُ عَلَيْكَ فَكَيْفَ نُصَلِّي؟ قَالَ: «قُولُوا: اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ، وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ». [راجع: ٤٧٩٨]

کیسے پڑھیں؟ آپ نے فرمایا: ''یوں کہو: اے اللہ! محمد (ﷺ) پر اپنی رحمت نازل فرما جو تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں جس طرح تو نے رحمت نازل فرمائی ابراہیم (علیہ السلام) پر۔ اے اللہ! محمد (ﷺ) پر برکت نازل فرما اور آپ کی آل پر بھی جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کی آل پر برکت نازل کی ہے۔''

فائدہ: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے: ''اے ایمان والو! تم اپنے نبی پر درود بھیجو اور خوب خوب سلام بھیجو۔''[1] چنانچہ تمام مسلمان نماز میں دوران تشہد میں کہتے ہیں: [اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ] صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ سلام پڑھنے کا طریقہ تو ہم نے سیکھ لیا ہے جبکہ آپ پر درود پڑھنا بھی ضروری ہے وہ کس طرح پڑھیں؟ تو آپ ﷺ نے مذکورہ بالا درود کے الفاظ تلقین فرمائے۔ ہم جو درود ابراہیمی پڑھتے ہیں اس کے الفاظ بھی حدیث میں منقول ہیں۔[2] بہرحال درود پڑھیے، ضرور پڑھیے مگر مسنون پڑھیے۔ واللہ المستعان۔

(٣٣) بَابٌ: هَلْ يُصَلَّى عَلَى غَيْرِ النَّبِيِّ ﷺ؟ وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَوٰتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾ [التوبة: ١٠٣]

باب: 33- کیا غیر نبی پر بھی درود پڑھا جا سکتا ہے؟ اور ارشاد باری تعالیٰ: ''آپ ان کے لیے دعا کریں، بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لیے باعث تسکین ہے۔'' کا بیان

وضاحت: غیر نبی سے مراد، فرشتے، انبیائے کرام علیہم السلام اور عام اہل ایمان ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ دوسروں پر درود پڑھنے کے متعلق اہل علم میں اختلاف ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان میں استفہام کا اسلوب اختیار کیا ہے۔ اس سلسلے میں اہل علم نے تین موقف اختیار کیے ہیں: ✱ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے پر درود نہ پڑھا جائے۔ ✱ رسول اللہ ﷺ کی تبعیت میں غیر نبی پر درود پڑھا جا سکتا ہے۔ ✱ مستقل اور تبعاً دونوں طرح غیر نبی پر درود پڑھنا جائز ہے۔ اس سلسلے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک آیت اور دو احادیث ذکر کی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ مطلق طور پر لفظ الصلاۃ غیر نبی کے لیے استعمال ہو سکتا ہے۔[3]

٦٣٥٩ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنِ ابْنِ أَبِي أَوْفَى

[6359] حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کوئی آدمی نبی ﷺ کے پاس اپنی زکاۃ لے کر آتا تو

1 الأحزاب 56:33. 2 صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3370. 3 فتح الباري: 203/11.

قَالَ: كَانَ إِذَا أَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ ﷺ بِصَدَقَتِهِ قَالَ: فَقَالَ: «اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ»، فَأَتَاهُ أَبِي بِصَدَقَتِهِ «اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ أَبِي أَوْفَى». [راجع: ١٤٩٧]

آپ دعا کرتے: ''اے اللہ! تو اس پر اپنی رحمت نازل فرما۔'' میرے والد بھی اپنی زکاۃ لے کر حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: ''اے اللہ! آل ابی اوفی پر اپنی رحمت نازل فرما۔''

فوائدومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مطلق طور پر لفظ صلاۃ غیر نبی پر بولا جا سکتا ہے جیسا کہ دیگر احادیث میں بھی اس کی صراحت آئی ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ اپنے ہاتھ اٹھا کر ان الفاظ میں دعا فرمائی: ''اے اللہ! اپنی رحمتیں اور برکتیں سعد بن عبادہ کی اولاد پر نازل فرما۔''[1] اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بیوی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ میرے لیے اور میرے خاوند کے لیے دعا کریں تو آپ نے ان کی درخواست قبول کرتے ہوئے دعا فرمائی۔[2] ② ان مقامات پر صلاۃ کے لفظ کا اطلاق غیر نبی پر ہوا ہے لیکن اسے غیر نبی کے لیے بطور شعار استعمال نہ کیا جائے۔

٦٣٦٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَمْرِو ابْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ: أَخْبَرَنِي أَبُو حُمَيْدٍ السَّاعِدِيُّ أَنَّهُمْ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، كَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ؟ قَالَ: «قُولُوا: اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ». [راجع: ٣٣٦٩]

[6360] حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اللہ کے رسول! ہم آپ پر درود کیسے پڑھیں؟ آپ نے فرمایا: ''یوں کہو: اے اللہ! محمد (ﷺ) اور آپ کی ازواج و اولاد پر اپنی رحمت نازل فرما جس طرح تو نے آل ابراہیم پر رحمت نازل کی ہے۔ اور محمد (ﷺ)، نیز آپ کی ازواج و اولاد پر برکت نازل فرما جیسے تو نے آل ابراہیم پر برکت نازل فرمائی تھی۔ بلاشبہ تو تعریف کیا ہوا اور عظمت والا ہے۔''

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھتے وقت دوسروں کو بھی اس میں شامل کیا جا سکتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جس درود کی تلقین فرمائی ہے اس میں آپ ﷺ کے ساتھ آپ کی ازواج مطہرات اور اولاد پاکباز بھی شامل ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(٣٤) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «مَنْ آذَيْتُهُ فَاجْعَلْهُ لَهُ زَكَاةً وَرَحْمَةً»

باب: 34- ارشاد نبوی: ''(اے اللہ!) اگر مجھ سے کسی کو تکلیف پہنچی ہو تو اسے اس کے گناہوں کا کفارہ اور باعث رحمت بنا دے'' کا بیان

① سنن أبي داود، الأدب، حديث: 5185. ② مسند أحمد: 303/3.

وضاحت: اگر کوئی شخص کسی سزا کا حق دار تھا یا اذیت کے لائق تھا تو اس قسم کی سزا اور اذیت رحمت کا باعث نہیں ہوگی بلکہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اذیت و تکلیف کا مستحق نہیں تھا لیکن اس کے باوجود اسے تکلیف دی گئی تو اس قسم کی اذیت و تکلیف اس کے لیے کفارہ اور باعث رحمت ہوگی۔

٦٣٦١ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «اللّٰهُمَّ فَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ سَبَبْتُهُ فَاجْعَلْ ذٰلِكَ لَهُ قُرْبَةً إِلَيْكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ».

[6361] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا: ''اے اللہ! میں نے جس مومن کو بھی برا بھلا کہا ہو تو میری اس گفتار کو قیامت کے دن اس کے لیے اپنی قربت کا ذریعہ بنا دے۔''

فوائد و مسائل: ① پوری حدیث اس طرح ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! میں تجھ سے عہد لیتا ہوں جس کا تو خلاف نہیں کرے گا، میں ایک انسان ہوں تو جس مومن کو میں اذیت دوں، برا بھلا کہوں یا لعنت کر دوں یا ماروں تو وہ اس کے لیے رحمت و پاکیزگی اور ایسی قربت کا ذریعہ بنا دے جو قیامت کے دن اسے قریب کر دے۔''[1] ایک دوسری حدیث میں اس کا پس منظر بھی بیان ہوا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس دو آدمی آئے۔ معلوم نہیں انھوں نے آپ سے کیا باتیں کیں کہ آپ کو ناراض کر دیا، آپ نے ان پر لعنت کی اور ان دونوں کو برا بھلا کہا۔ جب وہ باہر چلے گئے تو میں نے کہا: اللہ کے رسول! ان دونوں کو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا: ''وہ کیسے؟'' میں نے عرض کی: آپ نے ان پر لعنت کی ہے اور انھیں برا بھلا کہا ہے۔ آپ نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ''عائشہ! تجھے معلوم نہیں ہے کہ میں نے اپنے رب سے کیا شرط کی ہوئی ہے؟ میں نے (اللہ سے) عرض کی ہے: اے میرے اللہ! میں صرف بشر ہوں، لہٰذا میں تو جس مسلمان پر لعنت کروں یا اس کو برا بھلا کہوں تو اس (لعنت اور برا بھلا کہنے) کو اس کے لیے گناہوں سے پاکیزگی اور حصولِ اجر کا ذریعہ بنا دے۔''[2] ② یہ اس صورت میں ہے جب وہ آدمی اس لعنت کا حق دار نہ ہو جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں اس کی وضاحت ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اپنی امت میں سے جس کسی پر بددعا کی اور وہ اس کا مستحق نہ تھا تو اے اللہ! اس قسم کی بددعا کو قیامت کے دن اس کے لیے پاکیزگی، گناہوں سے صفائی اور ایسی قربت بنا دے جس کے ذریعے سے تو اسے اپنے قریب فرما لے۔''[3]

(٣٥) بَابُ التَّعَوُّذِ مِنَ الْفِتَنِ

باب: 35- فتنوں سے پناہ مانگنا

[1] صحیح مسلم، البر والصلة، حدیث: 6619 (2601). [2] صحیح مسلم، البر والصلة، حدیث: 6614 (2600). [3] صحیح مسلم، البر والصلة، حدیث: 6627 (2603).

وضاحت: فِتَن، فتنة کی جمع ہے جس کے معنی امتحان ہیں۔ قرآن کریم نے اچھے برے دونوں معنوں میں اسے استعمال کیا ہے لیکن عام طور پر مکروہ اور ناپسندیدہ اشیاء کے لیے یہ لفظ بولا جاتا ہے، مثلاً: گناہ، کفر، قتال، جنگ و جدال اور کسی چیز کو اس کے اصل مقام سے پھیر دینے کے لیے اسے استعمال کیا جاتا ہے۔ امام بخاری ؒ نے اس عنوان کو حدیث سمیت کتاب الفتن میں بھی بیان کیا ہے۔[1]

٦٣٦٢ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: سُئِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَتَّى أَحْفَوْهُ الْمَسْأَلَةَ فَغَضِبَ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ، فَقَالَ: «لَا تَسْأَلُونِي الْيَوْمَ عَنْ شَيْءٍ إِلَّا بَيَّنْتُهُ لَكُمْ»، فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ يَمِينًا وَشِمَالًا فَإِذَا كُلُّ رَجُلٍ لَافًّا رَأْسَهُ فِي ثَوْبِهِ يَبْكِي، فَإِذَا رَجُلٌ كَانَ إِذَا لَاحَى الرِّجَالَ يُدْعَى لِغَيْرِ أَبِيهِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، مَنْ أَبِي؟ قَالَ: «حُذَافَةُ»، ثُمَّ أَنْشَأَ عُمَرُ فَقَالَ: رَضِينَا بِاللهِ رَبًّا، وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ ﷺ رَسُولًا، نَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الْفِتَنِ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا رَأَيْتُ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ كَالْيَوْمِ قَطُّ، إِنَّهُ صُوِّرَتْ لِيَ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ حَتَّى رَأَيْتُهُمَا وَرَاءَ الْحَائِطِ».

[6362] حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوالات کیے گئے۔ جب معاملہ مبالغے کی حد تک پہنچ گیا تو آپ غصے میں آ گئے۔ پھر آپ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا: ''آج تم مجھ سے جو بات بھی پوچھو گے میں وضاحت سے بیان کروں گا۔'' اس وقت میں نے دائیں بائیں دیکھا تو تمام صحابۂ کرام اپنے سر کپڑوں میں لپیٹے ہوئے رو رہے تھے۔ اس دوران میں ایک آدمی کھڑا ہوا جس کا اگر کسی سے جھگڑا ہو جاتا تو وہ اسے غیر باپ کی طرف منسوب کر دیتا تھا۔ اس نے کہا: اللہ کے رسول! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تیرا باپ حذافہ ہے۔'' اس صورت حال کو دیکھ کر حضرت عمر ؓ اٹھے اور عرض کرنے لگے: ہم اللہ کے رب ہونے پر راضی ہیں، اسلام کے دین ہونے پر خوش ہیں اور حضرت محمد ﷺ کے رسول ہونے پر شاداں ہیں، نیز فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے خیر و شر (کے معاملے) میں آج کے دن کی طرح کبھی (کوئی دن) نہیں دیکھا۔ میرے سامنے جنت اور دوزخ کی تصویر لائی گئی یہاں تک کہ میں نے ان دونوں کو اس دیوار کے پیچھے دیکھا۔''

وَكَانَ قَتَادَةُ يَذْكُرُ عِنْدَ هٰذَا الْحَدِيثِ هٰذِهِ الْآيَةَ ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَسْـَٔلُواْ عَنْ أَشْيَآءَ إِن تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾ [المائدة: ١٠١]. [راجع: ٩٣]

حضرت قتادہ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد اس آیت کا ذکر کیا کرتے تھے: ''اے ایمان والو! ایسی اشیاء کے متعلق سوال نہ کیا کرو کہ اگر تمھارے سامنے ان کا جواب

[1] صحيح البخاري، الفتن، حديث: 7089.

ظاہر ہو جائے تو تمھیں ناگوار گزرے۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا غصہ صحیح فیصلہ کرنے میں حائل نہیں ہوتا تھا کیونکہ آپ کی زبان حق ترجمان سے ہر حال میں حق ہی ظاہر ہوتا تھا جبکہ دوسرے لوگ غصے کی حالت میں صحیح فیصلہ کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ ② اس حدیث سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا بھی پتا چلتا ہے، انھیں عقل و بصیرت سے پتا چلا کہ کثرت سوال سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچتی ہے۔ واللہ أعلم.

(٣٦) بَابُ التَّعَوُّذِ مِنْ غَلَبَةِ الرِّجَالِ

باب: 36- لوگوں کے غلبے سے اللہ کی پناہ مانگنا

٦٣٦٣ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو مَوْلَى الْمُطَّلِبِ ابْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ حَنْطَبٍ: أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأَبِي طَلْحَةَ: «الْتَمِسْ لَنَا غُلَامًا مِنْ غِلْمَانِكُمْ يَخْدُمُنِي»، فَخَرَجَ بِي أَبُو طَلْحَةَ يُرْدِفُنِي وَرَاءَهُ فَكُنْتُ أَخْدُمُ رَسُولَ اللهِ ﷺ كُلَّمَا نَزَلَ، فَكُنْتُ أَسْمَعُهُ يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ، وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَالْبُخْلِ وَالْجُبْنِ، وَضَلَعِ الدَّيْنِ، وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ»، فَلَمْ أَزَلْ أَخْدُمُهُ حَتَّى أَقْبَلْنَا مِنْ خَيْبَرَ وَأَقْبَلَ بِصَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيٍّ قَدْ حَازَهَا، فَكُنْتُ أَرَاهُ يُحَوِّي وَرَاءَهُ - بِعَبَاءَةٍ أَوْ كِسَاءٍ - ثُمَّ يُرْدِفُهَا وَرَاءَهُ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالصَّهْبَاءِ صَنَعَ حَيْسًا فِي نِطَعٍ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَدَعَوْتُ رِجَالًا فَأَكَلُوا، وَكَانَ ذَلِكَ بِنَاءَهُ بِهَا، ثُمَّ أَقْبَلَ حَتَّى بَدَا لَهُ أُحُدٌ، قَالَ: «هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ» فَلَمَّا أَشْرَفَ عَلَى الْمَدِينَةِ قَالَ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ جَبَلَيْهَا مِثْلَ مَا حَرَّمَ إِبْرَاهِيمُ مَكَّةَ، اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي مُدِّهِمْ

[6363] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے حضرت ابوطلحہ سے فرمایا: ''اپنے لڑکوں میں سے کوئی لڑکا منتخب کرو جو میری خدمت کیا کرے۔'' حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مجھے اپنی سواری کے پیچھے بٹھا کر لے گئے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ جہاں کہیں پڑاؤ کرتے، میں آپ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ میں نے آپ ﷺ کو اکثر یہ دعا کرتے سنا: ''اے اللہ! میں غم و الم سے تیری پناہ چاہتا ہوں، عاجزی اور سستی، بخل اور بزدلی، قرض کے بوجھ اور انسانوں کے غلبے سے بھی تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔'' میں آپ ﷺ کی خدمت کرتا رہا حتی کہ ہم خیبر سے واپس ہوئے تو آپ حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر تشریف لائے جنھیں آپ نے اپنی ذات کریمہ کے لیے خاص کیا تھا۔ میں آپ کو دیکھتا تھا کہ آپ چادر یا کمبل سے پردہ کر کے ان کو اپنے پیچھے بٹھاتے تھے حتی کہ ہم صہبا میدان میں آئے تو آپ ﷺ نے ایک چرمی دستر خوان پر کچھ حلوہ سا تیار کر کے رکھوا دیا، اس کے بعد لوگوں کو بلانے کے لیے مجھے بھیجا۔ میں نے انھیں بلایا تو سب نے اسے تناول کیا۔ یہ آپ کی دعوت ولیمہ تھی۔ پھر آپ آگے بڑھے تو احد پہاڑ دکھائی دیا۔ آپ نے فرمایا: ''یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے

وَصَاعِهِمْ». [راجع: ٣٧١]

اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔" جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو فرمایا: "اے اللہ! میں اس شہر کے دونوں پہاڑوں کے درمیان والے علاقے کو اس طرح حرمت والا قرار دیتا ہوں جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرمت والا قرار دیا تھا۔ اے اللہ! اہل مدینہ کے مد میں اور ان کے صاع میں برکت عطا فرما۔"

فائدہ: جس ناپسندیدہ شے کا اندیشہ ہو تو وہ ہمّ اور مکروہ کام واقع ہو چکا ہو تو وہ حزن ہے۔ جابر و ظالم لوگوں کا کمزوروں پر غلبہ پالینا غلبۃ الرجال ہے۔ یہ دعا بہت جامع ہے کیونکہ اس میں تمام رذیل اشیاء سے پناہ مانگی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام رذیل چیزوں سے محفوظ رکھے۔ آمین!

(٣٧) بَابُ التَّعَوُّذِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ

باب:37- عذاب قبر سے پناہ مانگنا

٦٣٦٤ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أُمَّ خَالِدٍ بِنْتَ خَالِدٍ - قَالَ: وَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا سَمِعَ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ غَيْرَهَا - قَالَتْ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَتَعَوَّذُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ. [راجع: ١٣٧٦]

[6364] موسیٰ بن عقبہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے ام خالد بنت خالد رضی اللہ عنہا سے سنا...... انھوں نے (یہ بھی) کہا کہ میں نے ام خالد رضی اللہ عنہا کے علاوہ اور کسی ایسے شخص سے، جس نے نبی ﷺ سے سنا ہو، نہیں سنا...... انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے سنا آپ عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے۔

٦٣٦٥ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ عَنْ مُصْعَبٍ قَالَ: كَانَ سَعْدٌ يَأْمُرُ بِخَمْسٍ، وَيَذْكُرُهُنَّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يَأْمُرُ بِهِنَّ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ، وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا، - يَعْنِي فِتْنَةَ الدَّجَّالِ - وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ».

[راجع: ٢٨٢٢]

[6365] حضرت مصعب بن سعید سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ پانچ باتوں کا حکم دیتے تھے اور انھیں نبی ﷺ کے حوالے سے بیان کرتے تھے کہ آپ ان (سے پناہ مانگنے) کا حکم دیتے تھے: "اے اللہ! میں بخل اور بزدلی سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور اس چیز سے بھی تیری پناہ میں آتا ہوں کہ میں ذلیل عمر کی طرف لوٹایا جاؤں، نیز دنیا کے فتنے سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اس سے مراد دجال کا فتنہ ہے۔ اور تیرے ذریعے سے عذاب قبر سے بھی پناہ مانگتا ہوں۔"

٦٣٦٦ - حَدَّثَنِي عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: دَخَلَتْ عَلَيَّ عَجُوزَانِ مِنْ عُجُزِ يَهُودِ الْمَدِينَةِ فَقَالَتَا لِي: إِنَّ أَهْلَ الْقُبُورِ يُعَذَّبُونَ فِي قُبُورِهِمْ، فَكَذَّبْتُهُمَا وَلَمْ أُنْعِمْ أَنْ أُصَدِّقَهُمَا، فَخَرَجَتَا وَدَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ عَجُوزَيْنِ، وَذَكَرْتُ لَهُ، فَقَالَ: «صَدَقَتَا، إِنَّهُمْ يُعَذَّبُونَ عَذَابًا تَسْمَعُهُ الْبَهَائِمُ كُلُّهَا»، فَمَا رَأَيْتُهُ بَعْدُ فِي صَلَاةٍ إِلَّا يَتَعَوَّذُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ. [راجع: ١٠٤٩]

[6366] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ یہود مدینہ کی دو بوڑھی عورتیں میرے پاس آئیں اور انھوں نے مجھے کہا کہ اہل قبور کو قبروں میں عذاب دیا جاتا ہے۔ میں نے ان کی تکذیب کی اور ان کی تصدیق کر کے ان کا دل ٹھنڈا نہ کیا، چنانچہ وہ میرے پاس سے چلی گئیں تو نبی ﷺ تشریف لائے۔ میں نے کہا: اللہ کے رسول! دو بوڑھی عورتیں آئی تھیں اور میں نے آپ سے ان کی بات کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''انھوں نے سچ کہا ہے۔ بلاشبہ انھیں (اہل قبور کو) عذاب ہوتا ہے جو تمام جانور سنتے ہیں۔'' پھر میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ ہر نماز میں عذاب قبر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے تھے۔

فائدہ: مدینہ طیبہ میں پہلے پہلے مسلمانوں کا یہ عقیدہ تھا کہ قیامت کے بعد عذاب کا مرحلہ شروع ہوگا، اس سے پہلے کسی کو عذاب سے دوچار نہیں کیا جائے گا، پھر مدنی زندگی کے اواخر میں بذریعۂ وحی پتا چلا کہ عذاب آخرت سے پہلے عذاب قبر ہوگا جیسا کہ درج ذیل روایت سے پتا چلتا ہے۔ ایک یہودی عورت، حضرت عائشہ ؓ کا کام کاج میں ہاتھ بٹاتی تھی۔ حضرت عائشہ ؓ جب بھی اس کے ساتھ حسن سلوک کرتیں تو وہ ان الفاظ میں دعا دیتی: ''اللہ تجھے عذاب قبر سے بچائے۔'' حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: اللہ کے رسول! کیا عذاب قبر برحق ہے؟ آپ نے فرمایا: ''یہود، غلط کہتے ہیں، قیامت سے پہلے کسی قسم کا عذاب نہیں ہوگا۔'' پھر کچھ وقت اسی طرح گزارا، آخر کار رسول اللہ ﷺ ایک دن دوپہر کے وقت باہر تشریف لائے اور بآواز بلند اعلان فرما رہے تھے: ''اے لوگو! عذاب قبر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرو کیونکہ عذاب قبر برحق ہے۔''[1] حضرت عائشہ ؓ سے مروی ایک حدیث سے اس امر کی مزید وضاحت ہوتی ہے، فرماتی ہیں: ''میرے پاس یہودیوں کی ایک عورت آئی، اس نے کہا: کیا تم جانتی ہو کہ تمھیں قبروں میں امتحان سے دوچار ہونا پڑے گا؟ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قبروں میں تو یہودیوں کو امتحان سے دوچار کیا جائے گا۔'' حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں: پھر چند روز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمھیں معلوم ہے کہ تم بھی قبروں میں امتحان سے دوچار ہوگے؟ مجھے اس امر کی وحی کی گئی ہے۔'' اس کے بعد میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ اکثر عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے۔[2]

(٣٨) بَابُ التَّعَوُّذِ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ

باب: 38- زندگی اور موت کے فتنے سے پناہ مانگنا

٦٣٦٧ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ قَالَ:

[6367] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے،

1 مسند أحمد: 81/6. 2 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1319 (584).

سَمِعْتُ أَبِي قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: كَانَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَالْجُبْنِ وَالْهَرَمِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ». [راجع: ٢٨٢٣]

انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ کہا کرتے تھے: "اے اللہ! میں عاجزی، سستی، بزدلی اور بڑھاپے سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اور میں عذاب قبر سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں، نیز زندگی اور موت کے فتنے سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔"

فوائد ومسائل: ① کم ہمتی، سستی اور بزدلی ایسی کمزوریاں ہیں جن کی وجہ سے آدمی وہ جراءت مندانہ اقدامات اور محنت و قربانی والے اعمال نہیں کرسکتا جن کے بغیر نہ دنیا میں کامرانی حاصل کی جاسکتی ہے اور نہ آخرت میں فوز وفلاح اور کامیابی سے ہمکنار ہوسکتا ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ ان سب چیزوں سے اللہ کی پناہ چاہتے تھے اور اپنے عمل سے امت کو بھی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ ② موت وحیات کا فتنہ بھی بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ زندگی کا فتنہ یہ ہے کہ انسان زندگی بھر مختلف امتحانوں کا شکار ہوجائے اور دنیا کا مال ومتاع اور شہوات کا فتنہ اس قدر سخت ہے کہ اس سے بہت کم لوگ ہی محفوظ رہتے ہیں۔ زندگی کا سب سے بڑا فتنہ یہ ہے کہ انسان کا خاتمہ خراب ہوجائے۔ اسے موت کا فتنہ بھی کہا جاسکتا ہے کیونکہ یہ موت کے قریب واقع ہوتا ہے اور موت کے فتنے سے مراد عذاب قبر ہے۔[1]

(٣٩) بَابُ التَّعَوُّذِ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ

باب: 39- گناہ اور قرض سے پناہ مانگنا

٦٣٦٨ - حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُولُ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ، وَالْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ، وَمِنْ فِتْنَةِ النَّارِ وَعَذَابِ النَّارِ، وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْغِنَى، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْفَقْرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، اللَّهُمَّ اغْسِلْ عَنِّي خَطَايَايَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ، وَنَقِّ قَلْبِي مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ

[6368] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ دعا کیا کرتے تھے: "اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کاہلی، بڑھاپے، ہر گناہ اور قرضے کے بوجھ سے، قبر کے فتنے اور قبر کے عذاب سے، نیز دوزخ کے فتنے اور دوزخ کے عذاب سے اور فتنۂ ثروت کے شر سے۔ اور فتنۂ مفلسی کے شر اور فتنۂ دجال کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اے اللہ! اولے اور برف کے پانی سے میرے گناہوں کے اثرات دھو دے۔ اور گناہوں سے میرا دل صاف کردے جس طرح تو سفید کپڑا میل کچیل سے صاف کردیتا ہے۔ میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اتنی دوری ڈال دے

[1] فتح الباري: 412/2.

الدَّنَسِ، وَبَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ». [راجع: ٨٣٢]

جتنی دوری تو نے مشرق ومغرب کے درمیان کر دی ہے۔"

فوائد ومسائل: ① ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر مبنی ہو مأثم کہلاتا ہے جسے ہم گناہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اس سے پناہ طلب کرتے تھے اور اپنے عمل سے امت کو بھی اس سے بچنے کی تلقین کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ایسا قرض جسے اتارنے کی انسان ہمت نہ رکھتا ہو، رسول اللہ ﷺ اس قسم کے قرضے سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ کسی نے پوچھا: اللہ کے رسول! آپ اس قسم کے قرضے سے اکثر اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں، ایسا کیوں ہے؟ تو آپ نے فرمایا: "جب انسان قرض لیتا ہے تو بات بات پر جھوٹ بولتا ہے اور جب بھی وعدہ کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔"[1] ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ قرض کے متعلق سوال کرنے والی خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں جیسا کہ سنن نسائی کی روایت میں اس کی صراحت ہے۔[2]

(٤٠) بَابُ الِاسْتِعَاذَةِ مِنَ الْجُبْنِ وَالْكَسَلِ

باب:40- بزدلی اور سستی سے پناہ مانگنا

﴿كُسَالَىٰ﴾ [النساء: ١٤٢] وَكَسَالَىٰ وَاحِدٌ.

کُسالی (کاف کے ضمہ کے ساتھ) اور کَسالی (کاف کے فتحہ کے ساتھ) دونوں ہم معنی ہیں۔

وضاحت: قرآن کریم میں منافقوں کی صفات بیان ہوئی ہیں کہ وہ نماز میں سست روی کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی لغوی تشریح کی ہے کہ کُسالی ضمہ (پیش) کے ساتھ اور کَسالی فتحہ (زبر) کے ساتھ دونوں ہم معنی ہیں۔ جمہور قراء نے اس لفظ کو ضمہ (پیش) کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ امام اعرج نے اسے فتحہ (زبر) کے ساتھ تلاوت کیا ہے۔ اور فتحہ (زبر) کے ساتھ پڑھنا بنو تمیم کی لغت ہے۔[3]

٦٣٦٩ - حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ قَالَ: حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ أَبِي عَمْرٍو قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ، وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ، وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ، وَضَلَعِ الدَّيْنِ، وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ».

[6369] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے: "اے اللہ! میں غم والم، عاجزی وکاہلی، بزدلی اور بخل، نیز قرضے کے بوجھ اور لوگوں کے غلبے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔"

[1] صحيح البخاري، الأذان، حديث: 832. [2] سنن النسائي، الاستعاذة، حديث: 5474، و فتح الباري: 211/11. [3] فتح الباري: 213/11.

فوائدومسائل: ① بزدلی اور سستی کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے کیونکہ سستی سے بزدلی جنم لیتی ہے، جبکہ سستی کا تعلق جسم سے ہے اور بزدلی دل سے تعلق رکھتی ہے، رسول اللہ ﷺ بزدلی سے پناہ مانگتے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے بچوں کو ایسی دعائیں سکھانے کا بہت اہتمام کرتے تھے جن میں بزدلی اور سستی سے پناہ کا ذکر ہوتا۔[1] ② بزدلی کی ضد شجاعت ہے۔ رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر تھے جیسا کہ ایک حدیث میں اس کی صراحت ہے۔[2] بلکہ ایک موقع پر آپ نے فرمایا تھا: ''تم مجھے کسی وقت بھی بخیل، جھوٹا یا بزدل نہیں پاؤ گے۔''[3]

(٤١) بَابُ التَّعَوُّذِ مِنَ الْبُخْلِ

باب: 41- بخل سے پناہ مانگنا

اَلْبُخْلُ وَالْبَخَلُ وَاحِدٌ، مِثْلُ الْحُزْنِ وَالْحَزَنِ.

بخل با کے ضمہ کے ساتھ اور با کے فتحہ کے ساتھ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں جیسا کہ حزن حا کا ضمہ اور حزن حا کا فتحہ دونوں ایک ہی ہیں۔

٦٣٧٠ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنِي غُنْدَرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: كَانَ يَأْمُرُ بِهٰؤُلَاءِ الْخَمْسِ وَيُخْبِرُهُنَّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ، وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ». [راجع: ٢٨٢٢]

[6370] حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ پانچ باتوں سے پناہ مانگنے کا حکم دیتے تھے اور انھیں نبی ﷺ کے حوالے سے بیان کرتے تھے: ''اے اللہ! میں بخل سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ میں بزدلی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ میں اس بات سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ ناکارہ عمر میں پہنچا دیا جاؤں۔ میں دنیا کے فتنے سے تیری پناہ میں آتا ہوں، نیز میں قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

فوائدومسائل: ① اپنی کمائی سے دوسروں پر خرچ کرنا سخاوت اور دوسروں پر خرچ نہ کرنا بخل کہلاتا ہے۔ بخل اور کنجوسی بہت گھٹیا حرکت ہے جبکہ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''تم دوسروں پر خرچ کرتے رہو میں تم پر خرچ کرتا رہوں گا۔''[4] ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ سخاوت کرنے والے تھے اور آپ کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہیں کرتے تھے۔ ② بہرحال رسول اللہ ﷺ نے بخل سے پناہ مانگی ہے اور اس بری خصلت سے دور رہنے کی امت کو تلقین کی ہے۔ واللہ المستعان.

---

① صحيح البخاري، الجهاد والسير، حديث: 2822. ② صحيح البخاري، الجهاد والسير، حديث: 2820. ③ صحيح البخاري، فرض الخمس، حديث: 3148. ④ صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4684.

(٤٢) بَابُ التَّعَوُّذِ مِنْ أَرْذَلِ الْعُمُرِ

باب:42- ناکارہ عمر سے پناہ مانگنا

﴿أَرَاذِلُنَا﴾ [هود: ٢٧]: سُقَّاطُنَا.

﴿اَرَاذِلُنَا﴾ سے گرے پڑے کمینے لوگ مراد ہیں۔

وضاحت: امام بخاری ؒ نے أَرْذَل کی مناسبت سے أَرَاذِلُنَا کی لغوی تفسیر بیان کی ہے کہ قوم نوح کے ہاں ان سے مراد حسب ونسب میں ذلیل اور قوی اعتبار سے گرے ہوئے لوگ ہیں۔

٦٣٧١ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَتَعَوَّذُ يَقُولُ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَرَمِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ». [راجع: ٢٨٢٣]

[6371] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے تھے: ”اے اللہ! میں سستی، کاہلی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ میں بزدلی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ میں ناکارہ بڑھاپے سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں اور میں بخل سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔“

فائدہ: اس حدیث میں اگرچہ أَرْذَلِ الْعُمَر کے الفاظ ہیں، لیکن اَلْهَرَم سے مراد اَرْذَلِ الْعُمُر ہی ہے، جس میں انسان بالکل ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اس میں انسان کا حافظہ کمزور اور بعض دفعہ عقل بھی ماؤف ہو جاتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے: ”تم میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو بدترین عمر کی طرف لوٹا دیے جاتے ہیں۔“[1] حضرت انس ؓ سے مروی اس حدیث کی بعض روایات میں الهَرَم کے بجائے أَرْذَلِ الْعُمُر کے الفاظ ہیں۔[2] عمر کی اس حد تک درازی کہ ہوش وحواس قائم رہیں اور آخرت کی کمائی کا سلسلہ جاری رہے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے لیکن ایسا بڑھاپا جو انسان کو بالکل ہی بے کار کر دے ایسی ہی چیز ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے پناہ مانگی ہے۔ حدیث میں هَرَمْ (بڑھاپے) کا یہی درجہ مراد ہے۔ والله أعلم.

(٤٣) بَابُ الدُّعَاءِ بِرَفْعِ الْوَبَاءِ وَالْوَجَعِ

باب:43- وبا اور تکلیف دور کرنے کی دعا کرنا

وضاحت: آب و ہوا کی خرابی سے جو بیماریاں پیدا ہوتی ہیں انھیں وبائی امراض کہا جاتا ہے جبکہ عام بیماریوں کو وجع سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دونوں قسم کی بیماریوں سے پناہ مانگنا مسنون ہے۔

٦٣٧٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ

[6372] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اے اللہ! ہمارے دلوں میں

---

1 النحل 16:70. 2 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4707.

عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اللَّهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَمَا حَبَّبْتَ إِلَيْنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ، وَانْقُلْ حُمَّاهَا إِلَى الْجُحْفَةِ، اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي مُدِّنَا وَصَاعِنَا». [راجع: ١٨٨٩]

مدینہ طیبہ کی ایسی ہی محبت پیدا کر دے جیسے تو نے مکہ مکرمہ کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا کی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ، اور اس کے بخار کو مقام جحفہ میں منتقل کر دے۔ اے اللہ! ہمارے لیے ہمارے مد اور ہمارے صاع میں برکت فرما۔‘‘

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں اس دعا کا پس منظر بیان ہوا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس وقت یہ شہر سخت وبائی امراض کی لپیٹ میں تھا۔ یہاں پہنچ کر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت بلال ؓ کو بخار ہو گیا۔ حضرت بلال ؓ تو جذبات سے بے قابو ہو کر سردارانِ قریش کو لعنت کرتے ہوئے کہنے لگے: اے اللہ! ان کا ستیاناس کر انھوں نے ہمیں ہماری سرزمین سے وبائی خطے کی طرف آنے پر مجبور کر دیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ دعا مانگی۔ ② اس حدیث سے امام بخاری ؒ نے عنوان کا پہلا جز ثابت کیا ہے کیونکہ دوسری روایت میں ہے کہ مدینہ ان دنوں وبائی امراض میں گھرا ہوا تھا۔[1]

٦٣٧٣ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ: أَنَّ أَبَاهُ قَالَ: عَادَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ مِنْ شَكْوَى أَشْفَيْتُ مِنْهَا عَلَى الْمَوْتِ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، بَلَغَ بِي مَا تَرَى مِنَ الْوَجَعِ وَأَنَا ذُو مَالٍ وَلَا يَرِثُنِي إِلَّا بِنْتٌ لِي وَاحِدَةٌ، أَفَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثَيْ مَالِي؟ قَالَ: «لَا»، قُلْتُ: فَبِشَطْرِهِ؟ قَالَ: «الثُّلُثُ كَثِيرٌ، إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ، وَإِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللهِ إِلَّا أُجِرْتَ حَتَّى مَا تَجْعَلُ فِي فِي امْرَأَتِكَ». قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ أُخَلَّفُ بَعْدَ أَصْحَابِي؟ قَالَ: «إِنَّكَ لَنْ تُخَلَّفَ فَتَعْمَلَ عَمَلًا تَبْتَغِي بِهِ وَجْهَ اللهِ إِلَّا ازْدَدْتَ دَرَجَةً وَرِفْعَةً، وَلَعَلَّكَ تُخَلَّفُ حَتَّى يَنْتَفِعَ بِكَ أَقْوَامٌ

[6373] حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ میری اس بیماری نے مجھے موت کے قریب کر دیا تھا۔ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ خود مشاہدہ فرما رہے ہیں کہ بیماری نے مجھے کہاں تک پہنچا دیا ہے۔ میں صاحب ثروت ہوں اور میری ایک ہی بیٹی میری وارث ہے۔ کیا میں اپنا دو تہائی مال صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ’’نہیں۔‘‘ میں نے عرض کی: اپنا نصف مال دے دوں؟ آپ نے فرمایا: ’’نہیں۔‘‘ میں نے عرض کی: ایک تہائی دے سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: ’’ایک تہائی بھی بہت ہے۔ اگر تم اپنے ورثاء کو مال دار چھوڑو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو محتاج چھوڑو کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ یقیناً تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے اگر اس سے مقصود اللہ کی رضا ہوئی تو تمھیں اس پر ثواب ملے گا یہاں تک کہ اگر تم اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ رکھو گے تو

1 صحيح البخاري، فضائل المدينة، حديث: 1889.

وَيُضَرَّ بِكَ آخَرُونَ، اللَّهُمَّ أَمْضِ لِأَصْحَابِي هِجْرَتَهُمْ، وَلَا تَرُدَّهُمْ عَلَى أَعْقَابِهِمْ، لٰكِنِ الْبَائِسُ سَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ»، قَالَ سَعْدٌ: رَثَى لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ أَنْ تُوُفِّيَ بِمَكَّةَ. [راجع: ١٢٩٥]

اس پر بھی ثواب ملے گا۔" میں نے پوچھا: کیا میں اپنے ساتھیوں سے پیچھے چھوڑ دیا جاؤں گا؟ آپ نے فرمایا: "اگر تم پیچھے چھوڑ دیے جاؤ اور پھر کوئی عمل کرو جس سے مقصود اللہ کی رضا ہو تو تمھارا مرتبہ اور درجہ مزید بلند ہوگا۔ امید ہے کہ تم ابھی زندہ رہو گے اور کچھ قومیں تم سے نفع حاصل کریں گی جبکہ کچھ لوگ تمھاری وجہ سے نقصان میں رہیں گے۔ اے اللہ! میرے صحابہ کی ہجرت کو بارآور کر دے اور انھیں الٹے پاؤں نہ پھیرنا۔ البتہ مجھے سعد بن خولہ ؓ کا بہت افسوس ہے۔" حضرت سعد ؓ نے کہا: آپ ﷺ نے ان پر اظہار افسوس اس لیے کیا تھا کہ ان کا انتقال مکہ مکرمہ میں ہوگیا تھا۔

فوائدومسائل: ① اس حدیث میں حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کی لمبی عمر کی طرف اشارہ ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور وہ اس کے بعد چالیس برس تک زندہ رہے۔ ان کے ہاتھوں بے شمار فتوحات ہوئیں۔ بہت سے لوگ ان کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے جبکہ بے شمار لوگ ان کے ہاتھ سے قتل ہو کر جہنم واصل ہوئے۔ ② امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے عنوان کا دوسرا حصہ ثابت کیا ہے کیونکہ سعد بن ابی وقاص ؓ اس وقت بیمار تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی: "اے اللہ! تو سعد کو شفا دے اور اس کی ہجرت کو پورا کر دے۔"[1]

(٤٤) بَابُ الْاِسْتِعَاذَةِ مِنْ أَرْذَلِ الْعُمُرِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا، وَمِنْ فِتْنَةِ النَّارِ

باب: 44- ناکارہ عمر، دنیا کی آزمائش اور فتنۂ جہنم سے پناہ مانگنا

٦٣٧٤ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: أَنْبَأَنَا الْحُسَيْنُ عَنْ زَائِدَةَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: تَعَوَّذُوا بِكَلِمَاتٍ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَعَوَّذُ بِهِنَّ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ، وَأَعُوذُ

[6374] حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ان کلمات کے ذریعے سے اللہ کی پناہ مانگو جن کے ذریعے سے نبی ﷺ پناہ طلب کرتے تھے: "اے اللہ! میں بزدلی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ میں کنجوسی سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ میں ناکارہ عمر کی طرف لوٹائے جانے سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔ میں دنیا کی آزمائش

[1] صحيح البخاري، المرض، حديث: 5659.

بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ». [راجع: ۲۸۲۲] اور عذاب قبر سے تیری پناہ لیتا ہوں۔"

فوائد ومسائل: ① دنیا و آخرت کا کوئی شر، کوئی فساد، کوئی فتنہ اور کوئی آفت ایسی نہیں جس سے رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی پناہ نہ مانگی ہو اور امت کو ان سے پناہ مانگنے کی تلقین نہ کی ہو بلکہ اس حدیث کے مطابق تو آپ نے مطلق طور پر فتنۂ دنیا سے پناہ طلب کی ہے جس میں دنیا کے تمام شر، فساد، تکلیفیں اور پریشانیاں آ جاتی ہیں۔ آپ ﷺ کی ایک دعا ان الفاظ میں منقول ہے: "اے اللہ! میری دنیا درست فرما دے جس سے مجھے یہ زندگی گزارنا ہے۔"[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے رزق کی تمام ضروریات حلال اور جائز ذرائع سے پوری ہوتی رہیں۔ ② دنیا کا سب سے بڑا فتنہ یہ ہے کہ انسان جسم اور روح کا تعلق برقرار رکھنے کے لیے ناجائز ذرائع کا سہارا لے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کے تمام دنیاوی فتنوں سے پناہ طلب کی ہے۔

٦٣٧٥ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُولُ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ، وَالْمَغْرَمِ وَالْمَأْثَمِ. اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ، وَفِتْنَةِ النَّارِ، وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ، وَشَرِّ فِتْنَةِ الْغِنَى، وَشَرِّ فِتْنَةِ الْفَقْرِ، وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ. اللَّهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ، وَنَقِّ قَلْبِي مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ، وَبَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ». [راجع: ۸۳۲]

[6375] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ دعا کیا کرتے تھے: "اے اللہ! میں کاہلی، بڑھاپے، قرض اور گناہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ! میں دوزخ کے عذاب، دوزخ کی آزمائش، قبر کی آزمائش اور عذاب قبر، نیز فتنۂ ثروت کے شر، فتنۂ فقر کے شر اور مسیح دجال کی بری آزمائش سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ! میرے گناہوں کو برف اور اولے کے پانی سے دھو دے۔ میرے دل کو گناہوں سے اس طرح پاک کر دے جس طرح سفید کپڑا میل کچیل سے صاف کر دیا جاتا ہے۔ میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اتنا فاصلہ کر دے جتنا مشرق و مغرب میں ہے۔"

فائدہ: اس دعا میں عذاب جہنم کے ساتھ فتنۂ جہنم سے اور عذاب قبر کے ساتھ فتنۂ قبر سے بھی پناہ مانگی گئی ہے۔ ہمارے رجحان کے مطابق عذاب جہنم سے مراد دوزخ کا ہر وہ عذاب ہے جو ان لوگوں کو ہوگا جو کفر و شرک جیسے سنگین جرائم کی وجہ سے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ اسی طرح عذاب قبر سے مراد وہ عذاب ہے جو اس طرح کے بڑے بڑے مجرموں کو قبر میں ہوگا لیکن ان سے کم درجے کے جو مجرم ہوں گے، انھیں اگرچہ اہل جہنم کی طرح دوزخ میں نہیں ڈالا جائے گا اور قبر میں بھی ان پر درجۂ اول کے مجرموں کی طرح سخت عذاب مسلط نہیں کیا جائے گا، تاہم دوزخ اور قبر کی تکالیف سے انھیں بھی گزرنا ہوگا، یہی سزا ان کے

[1] سنن النسائي: السهو، حديث: 1347.

لیے کافی ہوگی۔ فتنۂ جہنم اور فتنۂ قبر سے مراد یہی سزا ہے، تاہم رسول اللہ نے عذاب جہنم اور عذاب قبر کے ساتھ فتنۂ جہنم اور فتنۂ قبر سے بھی پناہ مانگی ہے اور اپنے اس عمل سے ہمیں بھی اس کی تلقین کی ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(٤٥) بَابُ الْإِسْتِعَاذَةِ مِنْ فِتْنَةِ الْغِنَى

باب:45- مال داری کے فتنے سے پناہ مانگنا

٦٣٧٦ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا سَلَّامُ بْنُ أَبِي مُطِيعٍ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ خَالَتِهِ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَتَعَوَّذُ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ النَّارِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْغِنَى، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْفَقْرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ». [راجع: ٨٣٢]

[6376] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ یوں دعا کرتے تھے: ”اے اللہ! میں فتنۂ نار اور آگ کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ میں فتنۂ قبر اور عذاب قبر سے تیری پناہ لیتا ہوں۔ میں مال داری کے فتنے سے تیری پناہ کا طالب ہوں۔ میں فقیری کی آزمائش سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں اور میں مسیح الدجال کے فتنے سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔“

فائدہ: دولت و ثروت بذات خود کوئی بری چیز نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اگر اس کا حق ادا کرنے اور اسے صحیح طور پر صرف کرنے کی توفیق ملے۔ حضرت عثمان ؓ نے اپنی دولت سے وہ مقام پایا کہ رہتی دنیا تک ان کا نام باقی رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق اعلان فرمایا: عثمان اس کے بعد جیسے بھی عمل کرے اس سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی، لیکن اگر بدقسمتی سے دولت مندی اور خوش حالی تکبر و غرور پیدا کرے اور مال و دولت کے صحیح استعمال کی توفیق نہ ملے تو یہ قارون کا طرز زندگی ہے۔ یہ مال و دولت ہی کا فتنہ تھا جس نے قارون کو زمین میں دھنسا دیا۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔ آمین.

(٤٦) بَابُ التَّعَوُّذِ مِنْ فِتْنَةِ الْفَقْرِ

باب:46- مفلسی کے فتنے سے پناہ طلب کرنا

٦٣٧٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ النَّارِ وَعَذَابِ النَّارِ، وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ، وَشَرِّ فِتْنَةِ الْغِنَى وَشَرِّ فِتْنَةِ الْفَقْرِ. اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ. اللَّهُمَّ اغْسِلْ قَلْبِي بِمَاءِ

[6377] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ دعا کیا کرتے تھے: ”اے اللہ! میں دوزخ کے فتنے اور دوزخ کے عذاب سے، فتنۂ قبر اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ (اسی طرح) تونگری کی بری آزمائش اور محتاجی کی بری آزمائش، نیز مسیح دجال کی بری آزمائش سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اے اللہ! میرے دل کو برف اور اولے کے پانی سے دھو دے۔ اور میرے دل کو گناہوں

الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ، وَنَقِّ قَلْبِي مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ، وَبَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ. اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ». [راجع: ٨٣٢]

سے صاف کر دے جیسے تو سفید کپڑے کو میل کچیل سے صاف کرتا ہے۔ میرے اور میری خطاؤں کے درمیان اتنی دوری کر دے جتنی دوری تو نے مشرق اور مغرب میں رکھی ہے۔ اے اللہ! میں سستی، گناہ اور قرض سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔"

فوائد ومسائل: ① فقر اور محتاجی بہت ہی خطرناک عذاب ہے۔ اگر مفلسی اور تنگدستی کے ساتھ صبر وقناعت نہ ہو اور اس کی وجہ سے انسان ناجائز کام کرنے لگے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سزا ہے۔ اس دعا میں دولت مندی اور ناداری کے جس شر و فتنہ سے پناہ مانگی گئی ہے وہ یہی ہے اور یہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس سے ہزار بار پناہ مانگی جائے کیونکہ جس دل میں قناعت نہ ہو وہاں خضوع اور خشوع ختم ہو جاتا ہے۔ ② مفلسی کا فتنہ یہ ہے کہ انسان روزی کمانے کے لیے حرام ذرائع اختیار کرے یا دل میں اللہ تعالیٰ پر ناراض ہو اور زبان سے اللہ تعالیٰ کا شکوہ کرے۔ ایسا شخص مفلسی کے امتحان میں ناکام ہے جس کا دنیا و آخرت میں خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ واللہ المستعان.

(٤٧) بَابُ الدُّعَاءِ بِكَثْرَةِ الْمَالِ وَالْوَلَدِ مَعَ الْبَرَكَةِ

باب: 47- برکت کے ساتھ کثرتِ مال اور زیادہ اولاد کی دعا کرنا

٦٣٧٨، ٦٣٧٩ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: سَمِعْتُ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ، عَنْ أُمِّ سُلَيْمٍ أَنَّهَا قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَنَسٌ خَادِمُكَ ادْعُ اللهَ لَهُ، قَالَ: «اللَّهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ، وَبَارِكْ لَهُ فِيمَا أَعْطَيْتَهُ». وَعَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ مِثْلَهُ. [راجع: ١٩٨٢]

[6379,6378] حضرت ام سلیم ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! انس بیٹا آپ کا خدمت گزار ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں۔ آپ نے دعا کی: "اے اللہ! انس کے مال اور اس کی اولاد میں اضافہ کر دے اور جو کچھ تو نے اسے دیا ہے اس میں برکت عطا فرما۔" ہشام بن زید نے کہا کہ میں نے بھی حضرت انس ؓ سے اسی طرح سنا ہے۔

فوائد ومسائل: ① اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مال و اولاد کو باعث آزمائش قرار دیا ہے۔[1] اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے آزمائش اس طرح کرتا ہے کہ انسان ان ختم اور فنا ہونے والی چیزوں میں پھنس کر آخرت کی دائمی نعمتوں کو فراموش کر دیتا ہے لیکن اگر کوئی ان چیزوں کو آخرت کا ذریعہ بنانے کے لیے استعمال کرے اور دنیا کی دل کشی کا شکار نہ ہو تو مال و اولاد اجر عظیم کا ذریعہ

① التغابن 64: 15.

ہیں۔ ② امام بخاری ؒ نے برکت کے ساتھ کثرت مال کی دعا کو جائز قرار دیا ہے۔ برکت کے یہی معنی ہیں کہ وہ اللہ کی اطاعت میں مددگار ثابت ہو، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی دعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت انس ؓ کے مال میں اضافہ فرمایا۔ حضرت انس ؓ خود فرماتے ہیں کہ میں انصار میں سے زیادہ مال دار ہوں۔[1] ایک روایت میں ہے کہ ان کا باغ سال میں دو مرتبہ پھل لاتا تھا اور اس میں ایسے پھول تھے جن سے کستوری کی خوشبو آتی تھی۔[2]

بَابُ الدُّعَاءِ بِكَثْرَةِ الْوَلَدِ مَعَ الْبَرَكَةِ

باب:- برکت کے ساتھ کثرت اولاد کی دعا کرنا

٦٣٨٠، ٦٣٨١ - حَدَّثَنَا أَبُو زَيْدٍ سَعِيدُ بْنُ الرَّبِيعِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ: أَنَسٌ خَادِمُكَ ادْعُ اللهَ لَهُ، قَالَ: «اللَّهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ، وَبَارِكْ لَهُ فِيمَا أَعْطَيْتَهُ». [راجع: ١٩٨٢]

[6381,6380] حضرت ام سلیم ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! انس آپ کا خادم ہے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کر دیں تو آپ نے دعا کی: ”اے اللہ! اس کے مال میں فراوانی عطا فرما۔ اس کی اولاد کو زیادہ کر دے اور جو کچھ تو نے اسے دیا ہے اس میں برکت عطا فرما۔“

فوائد ومسائل: ① ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”تمھاری بیویوں اور تمھاری اولاد میں کچھ تمھارے دشمن ہیں، لہٰذا ان سے ہوشیار رہو۔“[3] اولاد، دشمن اس معنی میں ہے کہ انسان اس کی محبت میں گرفتار ہو کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی پر اتر آئے۔ ایسے حالات میں ان سے ہوشیار رہنا چاہیے، لیکن اگر اولاد، اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مددگار ہو تو یہ بڑی بابرکت اولاد ہے۔ اس صورت میں اسے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت قرار دیا جا سکتا ہے۔ ② امام بخاری ؒ نے عنوان میں برکت کے ساتھ کثرت اولاد کی دعا کو جائز قرار دیا ہے اور حدیث میں حضرت انس ؓ کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ایک دعا کا ذکر ہے، چنانچہ اس دعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت انس ؓ کو کثرت اولاد سے نوازا، ان کا اپنا بیان ہے کہ میری بیٹی امینہ نے مجھے بتایا ہے کہ حجاج بن یوسف کے بصرہ آنے سے پہلے پہلے میرے ایک سو بیس صلبی بچے فوت ہو چکے تھے۔[4] حضرت انس ؓ کے جو بچے اس وقت زندہ تھے ان کے متعلق حافظ ابن حجر ؒ نے صحیح مسلم کے حوالے سے لکھا ہے: میرے بیٹے اور پوتے سو سے زیادہ ہیں۔[5] جب وہ بیت اللہ کا طواف کرتے تھے تو ان کے ساتھ ان کی اولاد میں سے ستر افراد سے زیادہ ہوتے تھے۔[6]

(٤٨) بَابُ الدُّعَاءِ عِنْدَ الْاِسْتِخَارَةِ

باب:48- استخارہ کی دعا کا بیان

وضاحت: استخارہ کے لغوی معنی طلب خیر کے ہیں۔ کسی معاملے میں خیر و بھلائی طلب کرنے کو استخارہ کہا جاتا ہے۔

---

1 مسند أحمد: 248/3. 2 جامع الترمذي، المناقب، حديث: 3833. 3 التغابن 64:14. 4 صحيح البخاري، الصوم، حديث: 1982. 5 فتح الباري: 291/4. 6 عمدة القاري: 437/15.

اصطلاحی طور پر دو رکعت نماز کے بعد ایک مخصوص دعائے استخارہ کرنا، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے کسی معاملے کی بھلائی اور انجام کار کی بہتری کا سوال کیا جاتا ہے یا پھر دو کاموں سے ایک کو اختیار کرنے یا چھوڑ دینے میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ دورِ جاہلیت میں لوگ تیروں کے ذریعے سے قسمت آزمائی کرتے اور مختلف کاموں میں اس رسم بد کے ذریعے سے اپنے فیصلے کیا کرتے تھے۔ اسلام نے ایسی تمام رسومات کو ختم کر کے استخارہ کے عمل کو مشروع قرار دیا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: جو آدمی اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرے اور مخلوق سے مشورہ کرے پھر اپنے کام میں ثابت قدمی اختیار کرے تو اسے کبھی شرمندگی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔[1] آج کا انسان زمین کی ہر چیز کو مسخر کرنے کے لیے کوشاں ہے بلکہ اب تو آسمانوں پر کمندیں ڈالنے کی کوشش ہو رہی ہے لیکن اپنے مستقبل کے متعلق کچھ کہنے یا کرنے کے متعلق تذبذت کا شکار ہے اور پریشان ہو کر سوچتا ہے کہ میں فلاں کام کروں یا نہ کروں، اس میں میرے لیے فائدہ ہوگا یا نقصان۔ اس مقام پر انسان کا علم و تجربہ اور بصیرت و عقل جواب دے جاتی ہے۔ دنیا کے کسی مذہب میں اس کا کوئی حل نہیں ہے۔ اس مشکل مرحلے سے نکلنے کا راستہ صرف اسلام نے استخارے کی صورت میں دکھایا ہے۔ استخارے کے بعد انسان شرح صدر کے ساتھ اپنے آئندہ کے کام کرنے یا چھوڑ دینے کے قابل ہو جاتا ہے۔ چونکہ ہر کام کے انجام کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، اس لیے استخارے کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے رابطہ کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابۂ کرام کو قرآن کی سورت کی طرح استخارہ سکھلاتے تھے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

٦٣٨٢ - حَدَّثَنَا مُطَرِّفُ بْنُ عَبدِ اللهِ أَبُو مُصْعَبٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي الْمَوَالِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعَلِّمُنَا الِاسْتِخَارَةَ فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا كَالسُّورَةِ مِنَ الْقُرْآنِ: «إِذَا هَمَّ أَحَدُكُمْ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيضَةِ ثُمَّ يَقُولُ: اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ، وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ، وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ، فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ، وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ. اللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي - أَوْ قَالَ: فِي عَاجِلِ أَمْرِي

[6382] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ ہمیں تمام معاملات میں قرآنی سورت کی طرح استخارے کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی کسی اہم کام کا ارادہ کرے تو دو رکعتیں پڑھے، اس کے بعد یوں دعا کرے: ”اے اللہ میں تیرے علم کے ذریعے سے تجھ سے خیر طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کے ساتھ ہمت کا طالب ہوں اور تیرے عظیم فضل کے ذریعے سے تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ بلاشبہ تو ہی قدرت رکھنے والا ہے، میں قدرت نہیں رکھتا۔ تو جانتا ہے میں نہیں جانتا۔ اور تو تمام تر پوشیدہ چیزوں کو جاننے والا ہے۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لیے بہتر ہے میرے دین کے اعتبار سے، میری معاش اور میرے انجام کار کے

[1] الکلم الطیب، ص:71.

وَآجِلِهِ - فَاقْدُرْهُ لِي ، وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي - أَوْ قَالَ: فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ - فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ، وَاقْدُرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ، ثُمَّ رَضِّنِي بِهِ. وَيُسَمِّي حَاجَتَهُ». [راجع: ١١٦٢]

اعتبار سے...... یا دعا میں یہ الفاظ کہے: في عاجل أمري و آجله...... تو پھر اسے میرے لیے مقدر کر دے۔ اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لیے برا ہے میرے دین کے لیے، میری زندگی اور میرے انجام کار کے اعتبار سے...... یا دعا میں یہ الفاظ کہے: في عاجل أمري و آجله...... تو اس کو مجھ سے دور کر دے اور مجھے اس سے دور کر دے پھر جہاں کہیں بھی بھلائی ہو اسے میرے لیے مقدر کر دے اور مجھے اس سے مطمئن بھی کر دے۔'' دعا کرتے وقت اپنی ضروریات کا ذکر بھی کرے۔

فوائد ومسائل: ① اس دعا میں ''هٰذَا الْأَمر'' کے بعد درپیش ضرورت کا نام لے، مثلاً: ''هٰذَا الْأَمرَ مِنَ السَّفَرِ، هٰذَا الْأَمر مِنَ التِّجَارَةِ، هٰذَا الْأَمر مِنَ الزَّوَاجِ'' وغیرہ۔ استخارے کی دو رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی دوسری سورت پڑھی جا سکتی ہے۔ انسان کو چاہیے کہ استخارہ کرنے سے پہلے اپنے ذہن کو صاف کر لے، یعنی خاص رجحانات اور کسی ایک طرف اپنا میلان چھوڑ کر اللہ تعالیٰ سے خیر و برکت کا طالب ہو اور پورے خلوص کے ساتھ اپنے رب کے حضور اپنی گزارشات پیش کرے۔ استخارہ کے آداب حسب ذیل ہیں: * ظاہری اور باطنی طہارت کا اہتمام کیا جائے، اپنے کپڑے، بدن اور جگہ کو پاک و صاف رکھا جائے۔ * یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ استخارہ ایک عبادت ہے جو نیت کے بغیر بے سود ہے، نیت صرف دل سے ہوگی۔ * یہ احساس بھی ہونا چاہیے کہ میں اپنے رب سے بھلائی کا طالب ہوں، لہٰذا پوری یکسوئی اور توجہ سے استخارہ کرے۔ * اگر کسی گناہ کا عادی ہے تو اسے فوراً ترک کرے، اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے، پھر درپیش مسئلہ کے متعلق استخارہ کرے۔ * استخارہ ایک دعا ہے، اس لیے دعا کے آداب کو بھی ملحوظ خاطر رکھا جائے، یعنی دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام پڑھا جائے۔ درود کے وہی الفاظ ہوں جنھیں رسول اللہ ﷺ نے تلقین فرمایا ہے۔ * رزق حلال کا اہتمام بھی انتہائی ضروری ہے۔ حرام روزی کھانے سے کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی تو استخارہ کیسے فائدہ مند ہو سکتا ہے۔ * استخارہ کرنے والا یقین کامل رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے، جو کام اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا اس میں ہی دنیا و آخرت کی بہتری ہے۔ * استخارہ کے بعد وہ باوضو ہو کر قبلہ رخ لیٹ جائے بشرطیکہ استخارہ سونے سے پہلے کیا ہو اگرچہ نیند کے ساتھ استخارے کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ② استخارہ کرنے کا طریقہ حسب ذیل ہے: ○ جب انسان کو کوئی اہم مسئلہ درپیش ہو تو فوراً استخارہ کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو جائے۔ ○ نماز کے وضو کی طرح مکمل وضو کرے۔ ○ فرض نماز کے علاوہ دو رکعت نفل ادا کرے۔ ○ نماز سے فراغت کے بعد استخارہ کی مذکورہ بالا دعا پڑھے۔ یہ بھی واضح رہے کہ استخارہ کرنے کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں ہے، اس لیے انسان کو جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہو وہ استخارے کا اہتمام کر سکتا ہے۔ اگر ایک دفعہ استخارہ کرنے سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا تو اس کے لیے جائز

ہے کہ تین بار اس کا اہتمام کرے کیونکہ استخارہ ایک دعا ہے اور رسول اللہ ﷺ کم از کم تین بار دعا کیا کرتے تھے۔[1] ③ درج ذیل امور میں استخارہ مشروع نہیں ہے: (ا) جن امور پر عمل واجب ہے، مثلاً: نماز، روزہ وغیرہ ان کی بجا آوری کے لیے استخارہ کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ان پر عمل کرنا استخارہ کرنے کے بغیر ہی واجب ہے۔ (ب) جن امور پر عمل جائز نہیں، مثلاً: جوا اور شراب نوشی وغیرہ، ان میں بھی استخارہ جائز نہیں کیونکہ ان سے دور رہنا انسان کی ذمے داری ہے۔ اسی طرح صلہ رحمی اور حسن سلوک کا معاملہ ہے۔ (ج) جو امور شریعت کی نظر میں انتہائی پسندیدہ ہیں، مثلاً: تہجد اور تلاوت قرآن وغیرہ ایسے امور میں استخارے کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کی تعمیل اور بجا آوری کو شریعت پہلے ہی پسند کر چکی ہے۔ (د) وہ امور جو شریعت کی نظر میں مکروہ ہیں، ان کا ارتکاب شارع علیہ السلام نے اچھا خیال نہیں کیا، ایسے امور میں بھی استخارہ جائز نہیں۔ (ہ) وہ امور جن کا تعلق گزشتہ واقعات سے ہے، مثلاً: چور کو تلاش کرنا، اس کے لیے استخارے کی قطعاً ضرورت نہیں کیونکہ استخارہ آئندہ پیش آمدہ ضروریات کے متعلق کیا جاتا ہے۔ صرف ان جائز امور میں استخارہ کیا جا سکتا ہے جن کے کرنے یا نہ کرنے میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اختیار دیا ہے لیکن وہ فیصلہ نہیں کر پاتا کہ کس کام کو اختیار کروں، ان میں استخارہ جائز اور فائدہ مند ہے یا کسی جائز کام کو شروع کرنے میں استخارہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ کام اگر اس کے لیے فائدہ مند ہے تو کرے اور اگر بے فائدہ ہے تو اسے نظر انداز کر دے۔ ④ انسان کی زندگی میں شادی ایک اہم ترین مرحلہ ہے۔ انسان کو اپنی شریک حیات کا انتخاب انتہائی سوچ بچار کے بعد کرنا چاہیے۔ اگر میاں بیوی کے درمیان ذہنی ہم آہنگی ہو تو زندگی آرام اور سکون سے گزرتی ہے بصورت دیگر دنیا میں ہی سخت ترین عذاب سے دوچار ہونا پڑتا ہے لیکن عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ شادی کے سلسلے میں ہم اس معیار کو برقرار نہیں رکھتے جسے شریعت نے پسند کیا ہے۔ مال و دولت اور حسب و نسب کو بنیاد بنایا جاتا ہے۔ شریعت کی نظر میں اس قسم کے غیر معیاری رشتوں کے لیے استخارے کا سہارا لینا کسی صورت میں جائز نہیں۔ شادی کی اہمیت کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے خصوصی طور پر استخارے کا حکم دیا ہے، چنانچہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شادی کے استخارے کے متعلق فرمایا: تم بہترین طریقے سے وضو کرو، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے جو نماز مقدر کی ہے اسے ادا کرو، پھر اللہ کی تعریف اور بزرگی بیان کرتے ہوئے درج ذیل دعا پڑھو: [اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ، أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ، فَإِنْ رَأَيْتَ لِي فِي فُلَانَةَ ـ تُسَمِّيهَا بِاسْمِهَا ـ خَيْرًا فِي دِينِي وَدُنْيَايَ وَآخِرَتِي، فَاقْدُرْهَا لِي، وَإِنْ كَانَ غَيْرُهَا خَيْرًا لِي مِنْهَا فِي دِينِي وَدُنْيَايَ وَآخِرَتِي فَاقْضِ لِي بِهَا أَوْ قَالَ: فَاقْدُرْهَا لِي][2] ''اے اللہ! تو قدرت رکھتا ہے اور میں طاقت نہیں رکھتا، تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا۔ تو پوشیدہ معاملات کو خوب جاننے والا ہے، اگر فلاں عورت (اس کا نام لے) کے متعلق جانتا ہے کہ وہ میرے لیے دین، دنیا اور میری آخرت کے لحاظ سے بہتر ہے تو میرے لیے اس کا فیصلہ فرما دے اور اگر اس کے علاوہ کوئی میرے دین و دنیا اور آخرت کے اعتبار سے بہتر ہے تو میرے لیے اس کا فیصلہ کر دے یا کہا: اسے میرے مقدر میں کر دے۔'' ⑤ اس حدیث کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ والدین اپنی اولاد کے لیے کسی رشتے کا انتخاب کرتے وقت استخارہ کر سکتے کہ وہ اپنے بیٹے یا

---

1 صحيح مسلم، الجهاد، حديث: 4649 (1794). 2 مسند أحمد: 423/5.

بیٹی کی شادی اس جگہ کریں یا نہ کریں لیکن استخارے سے پہلے شرعی معیار کو ضرور دیکھ لینا چاہیے۔ ⑥ ہمارے ہاں غیر شرعی استخارے کی کئی صورتیں رائج ہیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ استخارہ سنٹر: کچھ شعبدہ باز اور چرب زبان حضرات نے استخارہ سنٹر کھول رکھے ہیں۔ یہ دوسروں کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کی جان، عزت و آبرو اور مال و دولت پر شب خون مارتے ہیں۔ ان کے ہاں استخارے کی فیس مقرر ہے۔ سپیشلسٹ ڈاکٹروں کی طرح استخارہ سپیشلسٹ کی فیس قدرے زیادہ ہے۔ اس کام کے لیے ٹی وی پر باقاعدہ چینل کا اہتمام کیا گیا ہے۔ لوگ ان سے سوال کرتے ہیں کہ حضرت استخارہ کر کے بتائیے کہ میرا فلاں کام ہوگا یا نہیں۔ یہ حضرت کچھ وقت مراقبہ کرنے کے بعد کام کے ہونے یا نہ ہونے کا بتاتا ہے۔ یہ دین فروشی کی انتہائی افسوسناک مثال ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان خود استخارہ کرے، کسی دوسرے سے استخارہ کرانے کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں ہے، ہاں اس شرط پر دوسرے کے لیے استخارہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ جس معاملے میں استخارہ کر رہا ہے کسی نہ کسی طرح کوئی دوسرا بھی اس کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، مثلاً: کوئی والد اپنی بیٹی کا رشتہ کرنا چاہتا ہے تو وہ اپنی بیٹی کے لیے استخارہ کر سکتا ہے کہ آیا اس کی شادی اس جگہ مناسب ہے یا نہیں، اس لیے انسان کو اپنی ذاتی ضرورت کے لیے خود ہی استخارہ کرنا چاہیے کیونکہ جس خلوص کے ساتھ وہ خود اپنے لیے خیر و برکت طلب کر سکتا ہے کوئی دوسرا اس انداز سے نہیں کر سکتا۔ بہر حال دور حاضر میں جو ''استخارہ سنٹر'' جگہ جگہ کھلے ہوئے ہیں ان کی شرعی حالت انتہائی مخدوش ہے۔ واللہ أعلم. ○ تسبیح اور استخارہ: کچھ لوگ کوئی بھی تسبیح پکڑ کر ایک دانے پر ہاں اور دوسرے پر نہ بولتے ہیں۔ جو بات آخری دانے کے مطابق ہو، اس پر عمل کرنا استخارہ کی کامیابی تصور کیا جاتا ہے۔ شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ○ قرآن کریم اور استخارہ: کچھ لوگ قرآن مجید کا کوئی صفحہ کھول کر پہلی آیت کریمہ پڑھتے ہیں پھر اس کے مفہوم سے خود ساختہ نتائج کشید کرتے ہیں۔ یہ طریقہ بھی باطل اور غیر شرعی ہے۔ ○ تیر اور استخارہ: بعض لوگ تیر پھینک کر استخارہ کرتے ہیں۔ اس کے دائیں یا بائیں گرنے سے نتیجہ اخذ کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ یہ طریقہ اسلام سے پہلے رائج تھا جسے اسلام نے باطل قرار دیا ہے۔ ⑦ ہمارے ہاں استخارے کے متعلق ایک زبردست غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ استخارہ کرنے کے بعد خواب میں کچھ نہ کچھ نظر آنا ضروری ہے تاکہ استخارے کا نتیجہ اخذ کرنے میں آسانی ہو۔ یہ نظریہ بھی صحیح نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے کسی حدیث میں اس کی وضاحت نہیں فرمائی۔ اصل بات یہ ہے کہ استخارہ کرنے کے بعد کسی بھی طریقے سے اللہ تعالیٰ انسان کا دل مطمئن کر دیتا ہے، خواہ وہ خواب کی صورت میں ہو یا دلی تسلی کی شکل میں ہو۔ اگر استخارہ کرنے کے بعد انسان کا دل کسی خاص سمت مائل ہو جائے تو انسان کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اسے اختیار کر لینا چاہیے اور اگر اس کا دل اس کام کو چھوڑنے کی طرف مائل ہو جائے تو اسے وہ کام چھوڑ دینا چاہیے۔ ⑧ بہر حال امام بخاری رحمہ اللہ کی پیش کردہ حدیث سے استخارہ کرنے کے متعلق درج ذیل بنیادی اور اہم حقائق معلوم ہوتے ہیں: ✷ استخارہ ایک دعا ہے جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآنی سورتوں کی طرح سکھائی تاکہ وہ اپنے معاملات کے بہتر انجام کے لیے اللہ تعالیٰ سے عرض کریں کیونکہ ہر کام کے انجام کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ ✷ استخارہ کرنے والا شخص موحد، متبع سنت، مخلص اور دیندار ہونے کے ساتھ ساتھ کبائر کا ارتکاب کرنے والا نہ ہو اور صغائر پر اصرار کا عادی بھی نہ ہو۔ ✷ استخارے کی دعا کرنے سے پہلے وہ دو رکعت نفل ادا کرے، پھر سنت کے مطابق مذکورہ دعا پڑھے۔ ✷ استخارے کے الفاظ اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ استخارہ کرنے والے کو خود یہ دعا پڑھنی

چاہیے۔ ✱ استخارے کی دعا مانگنے سے پہلے اس دعا کو اچھی طرح یاد کرنا چاہیے اور اس کے معانی و مطالب کو بھی ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ ✱ کسی شخص کو بھی کسی دوسرے شخص کی طرف سے استخارہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ فریق ثانی کو کوئی مجبوری اور تکلیف نہیں، پھر وہ استخارے کا عمل کیوں کرے۔ ✱ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ استخارہ کرنے کے بعد کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندے کا امتحان لیتا ہے کہ اس معاملے میں وہ کس قدر ثابت قدم رہتا ہے۔ ✱ استخارے کا تعلق علم غیب سے ہے۔ قرآن و حدیث میں ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، اس لیے انسان کو شعبدہ بازوں سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ ✱ اہل علم حضرات کی ذمے داری ہے کہ وہ لوگوں کو استخارے کی دعا اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ بتائیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابۂ کرام ؓ کو اس کی تعلیم دیتے تھے۔ ⑨ آخر میں ہم یہ بات پھر دہراتے ہیں کہ دور حاضر میں قسمت کا حال بتانے والے نجومی، شعبدہ باز جو عوام کو ان کی گم شدہ چیزوں کا پتا دیتے ہیں اور ان کی مشکلات کا حل بتاتے ہیں، پھر استخارے کے ذریعے سے ان کی ''بگڑی'' بناتے ہیں وہ کھلے کفر کا ارتکاب کرتے ہیں۔ آئے دن اخبارات میں بڑے بڑے اشتہارات اور جھوٹی کہانیاں شائع ہوتی ہیں، ان سے بچنا ایک موحد مسلمان کا اولین فریضہ ہے۔ اس غیر شرعی پیشے سے اظہار بے زاری کرنا ایک غیرت مند مسلمان کا اولین فرض ہے۔ والله أعلم.

(٤٩) بَابُ الدُّعَاءِ عِنْدَ الْوُضُوءِ

باب: 49- وضو کے وقت دعا کرنا

٦٣٨٣ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: دَعَا النَّبِيُّ ﷺ بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ بِهِ، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ: «اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِعُبَيْدٍ أَبِي عَامِرٍ - وَرَأَيْتُ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ - فَقَالَ: «اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَوْقَ كَثِيرٍ مِنْ خَلْقِكَ مِنَ النَّاسِ». [راجع: ٢٨٨٤]

[6383] حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے پانی منگوایا، اس سے وضو کیا، پھر ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی: ''اے اللہ! ابو عامر عبید کو بخش دے۔'' میں نے اس وقت آپ ﷺ کی دونوں بغلوں کی سفیدی دیکھی پھر آپ نے یوں دعا کی: ''اے اللہ! قیامت کے دن اسے اپنی بہت سی انسانی مخلوق سے بلند مرتبہ عطا فرما۔''

فائدہ: حضرت عبید ابو عامر ؓ حضرت ابو موسیٰ ؓ کے چچا ہیں۔ انھیں گھٹنے میں تیر لگا جس سے ان کی وفات ہوگئی۔ فوت ہوتے وقت انھوں نے حضرت ابو موسیٰ ؓ سے کہا: رسول اللہ ﷺ کو میرا سلام کہنا اور میری مغفرت کے لیے آپ ﷺ سے عرض کرنا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کہتے ہیں میں نے عرض کی: میرے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا فرمائیں تو آپ نے دعا کی: اے اللہ! عبداللہ بن قیس کے گناہ بھی معاف کر دے اور قیامت کے دن اسے بہترین مقام پر جگہ عطا فرما۔''[1]

---

① صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4323.

(٥٠) بَابُ الدُّعَاءِ إِذَا عَلَا عَقَبَةً

باب:50- کسی بلند ٹیلے پر چڑھتے وقت کی دعا

٦٣٨٤ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ فَكُنَّا إِذَا عَلَوْنَا كَبَّرْنَا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَيُّهَا النَّاسُ، ارْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا، وَلٰكِنْ تَدْعُونَ سَمِيعًا بَصِيرًا»، ثُمَّ أَتَى عَلَيَّ وَأَنَا أَقُولُ فِي نَفْسِي: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، فَقَالَ: «يَا عَبْدَ اللهِ بْنَ قَيْسٍ، قُلْ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، فَإِنَّهَا كَنْزٌ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ، أَوْ قَالَ: أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى كَلِمَةٍ هِيَ كَنْزٌ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ؟ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ». [راجع: ٢٩٩٢]

[6384] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم ایک سفر میں نبی ﷺ کے ہمراہ تھے، جب ہم کسی بلند جگہ پر چڑھتے تو بلند آواز سے اللہ اکبر کہتے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''لوگو! اپنے آپ پر نرمی کرو، کیونکہ تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے بلکہ تم اس ذات کو پکار رہے ہو جو خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔'' اس کے بعد آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میں اس وقت زیر لب کہہ رہا تھا: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰه. آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عبداللہ بن قیس تم لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰه کا ورد کرو کیونکہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔'' یا آپ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں ایک ایسا کلمہ نہ بتاؤں جو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے؟ وہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰه ہے۔''

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ لوگ جب کسی اونچے ٹیلے پر چڑھتے تو بآواز اللّٰه أكبر، اللّٰه أكبر لا إله إلا اللّٰه، کہتے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں مذکورہ تنبیہ فرمائی۔[1] اس سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''تم اپنے پروردگار کو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے پکارو۔ بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''[2] ② بہر حال اللہ تعالیٰ کو پکارتے وقت عجز وانکسار اور نیازمندی کا اظہار ہونا چاہیے، حد سے زیادہ چلّانا اچھا امر نہیں ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے انھیں تنبیہ فرمائی۔ والله أعلم.

(٥١) بَابُ الدُّعَاءِ إِذَا هَبَطَ وَادِيًا

باب:51- کسی نشیب میں اترتے وقت کی دعا

فِيهِ حَدِيثُ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ.

اس عنوان کے متعلق حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ہے۔

وضاحت: یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت

---

1. صحیح البخاري، المغازي، حديث: 4202. 2 الأعراف 7:55.

ہے،انھوں نے کہا: جب ہم بلندی پر چڑھتے تو اللہ اکبر کہتے اور جب نشیب میں اترتے تو سبحان اللہ کہتے تھے۔[1] اس حدیث پر امام بخاری رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں عنوان قائم کیا ہے: [بَابُ التَّسْبِيحِ إِذَا هَبَطَ وَادِيًا] ''نشیب میں اترتے وقت سبحان اللہ کہنا۔'' نشیب میں اترتے وقت سبحان اللہ کہنے میں حکمت یہ ہے کہ نشیبی علاقہ تنگ وتاریک ہوتا ہے، اس لیے تسبیح کی جاتی ہے جو اس سے نجات کا ایک ذریعہ ہے جیسا کہ حضرت یونس علیہ السلام نے تنگ وتاریک مقام پر نجات کے لیے ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ پڑھا تو انھیں نجات مل گئی۔[2]

(٥٢) بَابُ الدُّعَاءِ إِذَا أَرَادَ سَفَرًا أَوْ رَجَعَ

باب: 52- جس وقت سفر کا ارادہ کرے یا سفر سے واپس آئے تو کون سی دعا پڑھے

فِيهِ يَحْيَى بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ أَنَسٍ.

اس کے متعلق ایک حدیث یحییٰ بن ابی اسحاق نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے۔

وضاحت: یحییٰ بن ابی اسحاق کی روایت کا آغاز اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ خیبر سے واپس آئے تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پیچھے بٹھالیا۔ راستے میں اونٹنی کا پاؤں پھسلنے سے دونوں گر پڑے۔ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ جب مدینہ طیبہ کے درو دیوار نظر آنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے دعا کی: [آئِبُونَ تَائِبُونَ، عَابِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ] ''ہم لوٹنے والے ہیں۔ اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ اپنے پروردگار کی حمد وثنا کرنے والے ہیں۔'' ان الفاظ کو مسلسل کہتے رہے حتی کہ مدینہ طیبہ میں داخل ہو گئے۔[3]

٦٣٨٥ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ إِذَا قَفَلَ مِنْ غَزْوٍ أَوْ حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ يُكَبِّرُ عَلَى كُلِّ شَرَفٍ مِنَ الْأَرْضِ ثَلَاثَ تَكْبِيرَاتٍ، ثُمَّ يَقُولُ: «لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. آيِبُونَ تَائِبُونَ، عَابِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ، صَدَقَ اللهُ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ،

[6385] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی غزوے یا حج یا عمرے سے واپس لوٹتے تو سطح زمین سے ہر بلند جگہ پر چڑھتے وقت تین دفعہ اللہ اکبر کہتے، پھر کہتے: ''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ تنہا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کے لیے بادشاہی ہے اور اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھنے والا ہے۔ ہم توبہ کرتے ہوئے، اس کی عبادت کرتے ہوئے، اپنے رب کی حمد وثنا کرتے ہوئے لوٹ رہے

---

1 صحيح البخاري، الجهاد و السير، حديث: 2993. 2 فتح الباري: 225/11. 3 صحيح البخاري، الجهاد و السير، حديث: 3086.

وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ». [راجع: ١٧٩٧]

ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ اس نے اپنے بندے کی مدد کی اور اس اکیلے نے تمام لشکروں کو شکست دی۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں سفر سے واپسی کی دعا کا ذکر ہے، البتہ امام بخاری رحمہ اللہ نے قائم کردہ عنوان میں اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں سفر کے آغاز کی دعا ہے، چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر میں جانے کے لیے سواری پر بیٹھ جاتے تو یہ دعا پڑھتے: [اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّالَهُ مُقْرِنِينَ، وَإِنَّا إِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُون، اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ فِي سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوىٰ، وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى، اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا، وَاطْوِعَنَّا بُعْدَهُ، اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ، وَالْخَلِيفَةُ فِي الْأَهْلِ، اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنْ وَّعْثَاءِ السَّفَرِ، وَكَآبَةِ الْمَنْظَرِ، وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِي الْمَالِ وَالْأَهْلِ][1] ''اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے ہماری سواری کو ہمارے لیے مسخر کر دیا ورنہ ہم اسے قابو کرنے والے نہ تھے۔ بالآخر ہم بھی اپنے مالک کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! ہم تجھ سے اس سفر میں نیکی اور پرہیز گاری کا سوال کرتے ہیں، نیز ان اعمال کا جو تیری رضا کا باعث ہوں۔ اے اللہ! تو اس سفر کو ہم پر آسان کر دے اور اس کی لمبائی اور طوالت کو ہمارے لیے مختصر کر دے۔ اے اللہ! بس تو ہی اس سفر میں ہمارا ساتھی ہے اور تو ہی ہمارے پیچھے ہمارے مال اور اہل و عیال کی نگرانی کرنے والا ہے۔ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس سفر کی مشقت سے اور اس بات سے کہ دوران سفر میں کوئی رنج والی اور تکلیف دہ بات دیکھوں یا سفر سے لوٹ کر اپنے اہل خانہ میں کوئی بری بات پاؤں۔ اس دعا کا ایک ایک جز اپنے اندر کمال درجے کی معنویت رکھتا ہے۔ واللہ المستعان.

(٥٣) بَابُ الدُّعَاءِ لِلْمُتَزَوِّجِ

باب: 53- شادی کرنے والے کے لیے دعا کرنا

٦٣٨٦ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: رَأَى النَّبِيُّ ﷺ عَلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ أَثَرَ صُفْرَةٍ فَقَالَ: «مَهْيَمْ - أَوْ مَهْ -؟»، قَالَ: تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً عَلَى وَزْنِ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ: «بَارَكَ اللهُ لَكَ، أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ».

[راجع: ٢٠٤٩]

[6386] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ پر زردی کا نشان دیکھا تو فرمایا: ''یہ نشان کیسا ہے؟'' انھوں نے کہا: میں نے ایک عورت سے گٹھلی برابر سونے کے عوض شادی کی ہے۔ آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی: ''اللہ تمھیں برکت عطا فرمائے۔ ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی ہو۔''

٦٣٨٧ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ

[6387] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے

1 صحيح مسلم، الحج، حديث: 3275 (1342).

زَيْدٍ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: هَلَكَ أَبِي وَتَرَكَ سَبْعَ - أَوْ تِسْعَ - بَنَاتٍ فَتَزَوَّجْتُ امْرَأَةً فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «تَزَوَّجْتَ يَا جَابِرُ؟» قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: «بِكْرًا أَمْ ثَيِّبًا؟» قُلْتُ: ثَيِّبٌ، قَالَ: «هَلَّا جَارِيَةً تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ؟ أَوْ تُضَاحِكُهَا وَتُضَاحِكُكَ؟» قُلْتُ: هَلَكَ أَبِي فَتَرَكَ سَبْعَ أَوْ تِسْعَ بَنَاتٍ، فَكَرِهْتُ أَنْ أَجِيئَهُنَّ بِمِثْلِهِنَّ فَتَزَوَّجْتُ امْرَأَةً تَقُومُ عَلَيْهِنَّ، قَالَ: «فَبَارَكَ اللهُ عَلَيْكَ».

کہا: میرے والد شہید ہوئے تو انھوں نے سات یا نو بیٹیاں چھوڑی تھیں، پھر میں نے ایک عورت سے نکاح کیا تو نبی ﷺ نے پوچھا: ''اے جابر! کیا تو نے شادی کر لی ہے؟'' میں نے کہا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: ''کنواری سے یا شوہر دیدہ سے؟'' میں نے کہا: شوہر دیدہ عورت سے۔ آپ نے فرمایا: ''کسی کنواری سے نکاح کیوں نہیں کیا تو اس سے دل لگی کرتا اور وہ تجھ سے دل لگی کرتی؟ یا تو اسے ہنساتا اور وہ تجھے ہنساتی؟'' میں نے کہا: میرے والد جب شہید ہوئے تو انھوں نے سات یا نو بیٹیاں چھوڑی تھیں، اس لیے میں نے پسند نہیں کیا کہ ان کے ہاں ان جیسی کوئی ناتجربہ کار لے آؤں، چنانچہ میں نے ایسی عورت سے نکاح کیا ہے جو ان کی دیکھ بھال کا اہتمام کرے۔ آپ نے دعا کی: ''اللہ تمھیں بھرپور برکت عطا فرمائے۔''

لَمْ يَقُلِ ابْنُ عُيَيْنَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ عَمْرٍو: «بَارَكَ اللهُ عَلَيْكَ». [راجع: ٤٤٣]

ابن عیینہ اور محمد بن مسلم نے عمرو سے یہ روایت بیان کی تو اس میں بارك الله عليك کے الفاظ نہیں کہے۔

فائدہ: شادی کے موقع پر برکت کی دعا میں اشارہ ہے کہ شادی دونوں کے لیے باعث برکت ہو۔ روزی، آل و اولاد اور گھر بار سب میں برکت شامل حال ہو۔ شادی میں جذبات سے زیادہ دور اندیشی کی ضرورت ہوتی ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی بہنوں کی تربیت کی وجہ سے اپنے جذبات کی قربانی دی۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں بھرپور برکت کی دعا دیتے ہوئے فرمایا: ''بَارَكَ اللّٰهُ عَلَيْكَ'' جبکہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو جو دعا دی ہے وہ صرف بیوی کے اعتبار سے برکت پر مشتمل ہے: ''بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ'' [1]

(٥٤) بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا أَتَى أَهْلَهُ

باب: 54- جب خاوند اپنی بیوی کے پاس آئے تو کون سی دعا پڑھے؟

٦٣٨٨ - حَدَّثَنِي عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ كُرَيْبٍ،

[6388] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی شخص اپنی بیوی کے

[1] فتح الباري: 228/11.

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْتِيَ أَهْلَهُ قَالَ: بِاسْمِ اللهِ، اللَّهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ، وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا، فَإِنَّهُ إِنْ يُقَدَّرْ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِي ذَلِكَ لَمْ يَضُرَّهُ شَيْطَانٌ أَبَدًا». [راجع: ١٤١]

پاس آنے کا ارادہ کرے تو یہ دعا پڑھے: ''اللہ کے نام کی برکت سے، اے اللہ! ہمیں شیطان سے دور رکھ اور تو جو ہمیں عطا فرمائے اسے بھی شیطان سے دور رکھ۔'' اگر دونوں کے ملاپ سے کوئی بچہ مقدر ہے تو شیطان اسے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔''

فوائد ومسائل: ① مذکورہ دعا جماع کرتے وقت نہیں بلکہ بیوی سے مباشرت کے ارادے کے وقت پڑھے۔ آدمی کو اس وقت مغلوب الشہوت نہیں ہونا چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر مذکورہ دعا پڑھی جائے، پھر ملاپ کا آغاز کرے۔ اس طرح آدمی کی اولاد پر اس کیفیت کا پورا پورا اثر پڑے گا۔ یقیناً ایسی اولاد شیطانی اثرات سے محفوظ رہے گی۔ اس کے برعکس اگر اللہ تعالیٰ سے غافل ہو کر محض حیوانوں کی طرح اپنے نفس کا تقاضا پورا کر لیا تو ایسی مباشرت کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد شیطان کے شر سے محفوظ نہیں رہے گی۔ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ کائنات کے چودھری کی بنیاد رکھتے وقت کائنات کے خالق کو نظرانداز کر دیا جائے۔ ② دور حاضر میں پیدا ہونے والی نسلوں کے اخلاق و عادات جو عام طور پر خراب ہیں اس کی خاص بنیادی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو رسول اللہ ﷺ کی ہدایات پر عمل کرنے، فائدہ اٹھانے اور قدر شناسی کی توفیق عطا فرمائے۔ حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ شیطان کے شر سے حفاظت سے مراد اس کے دین اور بدن کی حفاظت ہے، وسوسہ اندازی سے حفاظت مقصود نہیں کیونکہ یہ کام تو چلتا رہے گا۔[1]

(٥٥) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً»

باب: 55- نبی ﷺ کی دعا: ''اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما......'' کا بیان

٦٣٨٩ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ أَكْثَرُ دُعَاءِ النَّبِيِّ ﷺ: «اللَّهُمَّ آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ». [راجع: ٤٥٢٢]

[6389] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ کی اکثر دعا یہ ہوا کرتی تھی: ''اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔''

فوائد ومسائل: ① یہ دعا بہت جامع کلمات پر مشتمل ہے۔ اس میں دنیا و آخرت کی بھلائی طلب کی گئی ہے۔ ② حسنہ سے مراد اگر نعمت ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اس دعا کے ذریعے سے دنیا و آخرت کی نعمتوں اور عذاب آخرت سے حفاظت طلب کی ہے۔ ③ اس میں دنیا کو آخرت پر مقدم اس لیے کیا ہے کہ امر واقعی یہی ہے کہ دنیا پہلے ہے اور آخرت بعد میں آنے والی ہے،

1. فتح الباري: 228/11.

پھر اگر کسی کی دنیا اچھی ہے، اس میں وہ کسی کا محتاج نہیں تو آخرت میں بھی کامیابی کی امید کی جا سکتی ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(٥٦) بَابُ التَّعَوُّذِ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا

باب:56- دنیا کے فتنوں سے پناہ مانگنا

٦٣٩٠ - حَدَّثَنَا فَرْوَةُ بْنُ أَبِي الْمَغْرَاءِ: حَدَّثَنَا عَبِيدَةُ - هُوَ ابْنُ حُمَيْدٍ - عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعَلِّمُنَا هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ كَمَا تُعَلَّمُ [الْكِتَابَةُ]: «اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ نُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا، وَعَذَابِ الْقَبْرِ». [راجع: ٢٨٢٢]

[6390] حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ ہمیں کتابت سیکھنے کی طرح درج ذیل دعائیہ کلمات کی تعلیم دیتے تھے: ''اے اللہ! میں بخل سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ! میں بزدلی سے تیری پناہ کا طالب ہوں۔ اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ ہم ناکارہ عمر کی طرف لوٹا دیے جائیں۔ اے اللہ! میں دنیا کے فتنوں اور عذاب قبر سے تیری پناہ لیتا ہوں۔''

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے قبل ازیں ضمنی طور پر فتنۂ دنیا سے پناہ کے لیے ایک عنوان قائم کیا تھا: [بابُ الْاِسْتِعَاذَةِ مِنْ أَرْذَلِ الْعُمُرِ، وَمِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا، وَمِنْ فِتْنَةِ النَّارِ] ''ناکارہ عمر، دنیا کی آزمائش اور فتنۂ جہنم سے پناہ مانگنا''[1] لیکن فتنۂ دنیا بہت ہمہ گیر، گھمبیر اور سنگین ہے، اس لیے مستقل طور پر اس کے متعلق عنوان قائم کیا ہے۔ ② یہ دعا بہت اہم ہے۔ اس میں ذکر کردہ کمزوریوں سے بچنے کی پوری پوری کوشش کی جائے۔ اس کے معانی و مطالب پر خوب غور کیا جائے، پھر نہایت خلوص اور انہماک سے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کی جائے۔ طوطے کی طرح اسے رٹ لینے سے کام نہیں چلے گا۔ واللّٰہ المستعان.

(٥٧) بَابُ تَكْرِيرِ الدُّعَاءِ

باب:57- ایک ہی دعا کو بار بار عرض کرنا

٦٣٩١ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ طُبَّ حَتَّى إِنَّهُ لَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ قَدْ صَنَعَ الشَّيْءَ وَمَا صَنَعَهُ، وَأَنَّهُ دَعَا رَبَّهُ، ثُمَّ قَالَ: «أَشَعَرْتِ أَنَّ اللهَ قَدْ أَفْتَانِي فِيمَا اسْتَفْتَيْتُهُ فِيهِ؟» فَقَالَتْ

[6391] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا حتی کہ آپ خیال کرنے لگے کہ فلاں کام آپ نے کر لیا ہے، حالانکہ وہ کام آپ نے نہیں کیا ہوتا تھا۔ آپ نے اپنے رب سے دعا کی۔ پھر آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''تمھیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ بات بتا دی ہے جو میں نے اس سے دریافت کی تھی؟''

---

1 صحيح البخاري، الدعوات، باب: 44.

عَائِشَةُ: وَمَا ذَاكَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «جَاءَنِي رَجُلَانِ فَجَلَسَ أَحَدُهُمَا عِنْدَ رَأْسِي وَالْآخَرُ عِنْدَ رِجْلَيَّ، فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ: مَا وَجَعُ الرَّجُلِ؟ قَالَ: مَطْبُوبٌ. قَالَ: مَنْ طَبَّهُ؟ قَالَ: لَبِيدُ بْنُ الْأَعْصَمِ، قَالَ: فِي مَاذَا؟ قَالَ: فِي مُشْطٍ وَمُشَاطَةٍ وَجُفِّ طَلْعَةٍ، قَالَ: فَأَيْنَ هُوَ؟ قَالَ: فِي ذَرْوَانَ. وَذَرْوَانُ بِئْرٌ فِي بَنِي زُرَيْقٍ. قَالَتْ: فَأَتَاهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى عَائِشَةَ، فَقَالَ: «وَاللهِ لَكَأَنَّ مَاءَهَا نُقَاعَةُ الْحِنَّاءِ، وَلَكَأَنَّ نَخْلَهَا رُؤُوسُ الشَّيَاطِينِ»، قَالَتْ: فَأَتَى رَسُولُ اللهِ ﷺ فَأَخْبَرَهَا عَنِ الْبِئْرِ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، فَهَلَّا أَخْرَجْتَهُ؟ قَالَ: «أَمَّا أَنَا فَقَدْ شَفَانِي اللهُ وَكَرِهْتُ أَنْ أُثِيرَ عَلَى النَّاسِ شَرًّا».

حضرت عائشہ ؓ نے پوچھا: اللہ کے رسول! وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''میرے پاس دو آدمی آئے۔ ان میں سے ایک میرے سر کے پاس بیٹھ گیا اور دوسرا میرے پاؤں کے پاس۔ پھر ایک نے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا: اس صاحب کی بیماری کیا ہے؟ دوسرے نے کہا: ان پر جادو کیا گیا ہے، پہلے نے پوچھا: کس نے جادو کیا ہے؟ جواب دیا: لبید بن اعصم نے یہ حرکت کی ہے۔ پوچھا: وہ جادو کس چیز میں کیا ہے؟ دوسرے نے کہا: کنگھی، کنگھی سے گرنے والے بالوں اور نر کھجور کے شگوفے میں۔ پوچھا: وہ کہاں ہے؟ بتایا کہ ذروان میں ہے۔ اور ذروان بنو زریق کا ایک کنواں ہے۔'' عائشہ ؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لے گئے۔ پھر حضرت عائشہ ؓ کے پاس دوبارہ لوٹ کر آئے تو فرمایا: ''اللہ کی قسم! اس کا پانی تو مہندی کے نچوڑ کی طرح سرخ تھا اور وہاں کھجور کے درخت شیاطین کے سر کی طرح تھے۔'' حضرت عائشہ ؓ نے بیان کیا کہ آپ ﷺ تشریف لائے تو آپ نے بئر ذروان کے متعلق کچھ بیان کیا تو میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ نے اسے نکالا کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا: ''مجھے اللہ تعالیٰ نے شفایاب کر دیا ہے، اب میں نہیں چاہتا کہ لوگوں میں ایک شر کو ہوا دوں۔''

زَادَ عِيسَى بْنُ يُونُسَ وَاللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: سُحِرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَدَعَا وَدَعَا، وَسَاقَ الْحَدِيثَ.

[راجع: ٣١٧٥]

عیسیٰ بن یونس اور لیث نے حضرت ہشام سے، انھوں نے اپنے باپ سے، انھوں نے حضرت عائشہ ؓ سے یہ اضافہ بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا تو آپ نے دعا کی، پھر دعا مانگی، اس طرح انھوں نے پوری حدیث بیان کی۔

فوائد ومسائل: ① امام بخاری ؒ کا قائم کردہ عنوان ایک دعا کو بار بار عرض کرنے کے متعلق تھا جبکہ مذکورہ حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ امام بخاری ؒ نے حدیث کے آخر میں حضرت عیسیٰ بن یونس اور امام لیث کے حوالے سے ایک اضافہ بیان کیا ہے جس میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی، پھر دعا مانگی، اس سے عنوان ثابت ہوتا ہے۔ ② ایک حدیث میں

اس امر کی صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ بات پسند تھی کہ کم از کم تین مرتبہ اپنی دعا کو دہراتے اور تین، تین دفعہ استغفار کرتے۔[1] بار بار دعا کرنے میں حکمت یہ ہے کہ اس انداز میں مقام فقر و حاجت اور اللہ تعالیٰ کے حضور تذلل، عاجزی اور خضوع کا اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ کو بندے کی عاجزی بہت پسند ہے اور وہ اس کی لاج بھی رکھتا ہے۔

(٥٨) بَابُ الدُّعَاءِ عَلَى الْمُشْرِكِينَ

باب: 58- مشرکین پر بدعا کرنا

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوسُفَ». وَقَالَ: «اللَّهُمَّ عَلَيْكَ بِأَبِي جَهْلٍ»، وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: دَعَا النَّبِيُّ ﷺ فِي الصَّلَاةِ وَقَالَ: «اللَّهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَفُلَانًا» حَتَّى أَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ [آل عمران: ١٢٨].

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے یہ دعا مانگی: ''اے اللہ! میری ایسے قحط کے ذریعے سے مدد فرما جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں پڑا تھا۔'' اور آپ نے یہ دعا بھی کی: ''اے اللہ! ابوجہل کو پکڑ لے۔'' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی ﷺ نے دوران نماز میں یہ دعا کی: ''اے اللہ! فلاں، فلاں کو اپنی رحمت سے دور رکھ۔'' حتی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''آپ کو اس معاملے سے کوئی اختیار نہیں۔''

وضاحت: انسانی زندگی میں بعض اوقات ایسے مواقع بھی آ جاتے ہیں کہ انسان تنگ آ کر اپنے دشمنوں کے خلاف بددعا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ قریش مکہ کی مسلسل شرارتوں کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے مجبور ہو کر بددعا فرمائی جو قبول ہوئی اور نتیجے کے طور پر سب کے سب تباہ و برباد ہو گئے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے ابوجہل لعین کی تحریک پر اونٹ کی اوجھڑی آپ ﷺ کی کمر پر رکھ دی جبکہ آپ اس وقت سجدے کی حالت میں تھے۔ قحط کی بددعا متصل سند سے مذکور ہے۔[2] ابوجہل پر بددعا کا ذکر بھی ایک متصل حدیث میں ہے۔[3] دوران نماز میں بددعا کرنا بھی متصل سند سے مروی ایک حدیث میں موجود ہے۔[4]

٦٣٩٢ - حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ: أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ عَنِ ابْنِ أَبِي خَالِدٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: دَعَا رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى الْأَحْزَابِ، فَقَالَ: «اللَّهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ، سَرِيعَ الْحِسَابِ، اهْزِمِ الْأَحْزَابَ، اهْزِمْهُمْ

[6392] حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے لشکروں کے خلاف بددعا کی: ''اے اللہ! کتاب کو نازل کرنے والے! بہت جلد حساب لینے والے! لشکروں کو شکست دے۔ انھیں ہزیمت سے دوچار کر اور ان کے قدم پھسلا دے۔''

---

① سنن أبي داود، الوتر، حديث: 1524. ② صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4774. ③ صحيح البخاري، الوضوء، حديث: 240. ④ صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4560.

وَزَلْزِلْهُمْ» . [راجع: ۲۹۳۳]

٦٣٩٣ - حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا قَالَ: «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ» فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ مِنْ صَلَاةِ الْعِشَاءِ قَنَتَ: «اللَّهُمَّ أَنْجِ عَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ، اللَّهُمَّ أَنْجِ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ، اللَّهُمَّ أَنْجِ سَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ، اللَّهُمَّ أَنْجِ الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ، اللَّهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلَى مُضَرَ، اللَّهُمَّ اجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ».

[راجع: ۷۹۷]

[6393] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب عشاء کی آخری رکعت میں سمع اللّٰه لمن حمده کہتے تو دعا کرتے: ''اے اللہ! عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات دے۔ اے اللہ! ولید بن ولید کو نجات دے۔ اے اللہ! سلمہ بن ہشام کو نجات دے۔ اے اللہ! کمزور و ناتواں اہل ایمان کو نجات دے۔ اے اللہ! قبیلۂ مضر پر اپنی پکڑ سخت کر دے۔ اے اللہ! انھیں ایسے قحط سے دوچار کر دے جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے زمانے میں ہوا تھا۔''

٦٣٩٤ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الرَّبِيعِ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ سَرِيَّةً يُقَالُ لَهُمْ: الْقُرَّاءُ، فَأُصِيبُوا فَمَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَجَدَ عَلَى شَيْءٍ مَا وَجَدَ عَلَيْهِمْ، فَقَنَتَ شَهْرًا فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ، وَيَقُولُ: «إِنَّ عُصَيَّةَ عَصَتِ اللهَ وَرَسُولَهُ». [راجع: ۱۰۰۱]

[6394] حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک چھوٹا سا لشکر روانہ کیا جس میں شریک لوگوں کو قراء کہا جاتا تھا۔ وہ تمام شہید کر دیے گئے تو میں نے نبی ﷺ کو نہیں دیکھا کہ آپ کسی چیز پر اس قدر غمناک ہوئے ہوں جس قدر ان کی شہادت پر غمناک ہوئے۔ آپ نماز فجر میں ایک مہینہ ان کے خلاف بددعا کرتے رہے۔ آپ فرماتے تھے: ''عصیہ قبیلے نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی ہے۔''

فوائد ومسائل: ① کفار عرب نے متحد ہو کر اسلام کے خلاف زبردست یلغار کی تھی۔ ان اتحادیوں کو قرآن نے ''الاحزاب'' کہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ خندق میں ان کے متعلق شکست و ہزیمت کی بددعا کی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ایسی کمر توڑی کہ بعد میں جنگ کا سلسلہ ہی ختم ہو گیا۔ پہلی حدیث میں اسی بددعا کا ذکر ہے، پھر ہجرت کے بعد کچھ کمزور مسلمان مکہ میں کفار کے ہاتھوں تکالیف اٹھا رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی نجات کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جو قبول ہوئی اور مظلوم مسلمانوں کو کفار کے شر سے نجات ملی۔ ان دنوں آپ ﷺ نے مضر قبیلے کے متعلق بھی بددعا کی کیونکہ اہل مشرق کا یہ قبیلہ اس وقت رسول اللہ ﷺ کا بہت مخالف تھا جیسا کہ ایک روایت میں اس کی صراحت ہے۔[1] ② تیسری روایت میں بئر معونہ کے

[1] صحيح البخاري، الأذان، حديث: 804.

مقام پر قراء حضرات کی شہادت کا ذکر ہے۔ اہل نجد نے دھوکے سے انھیں شہید کیا تو رسول اللہ ﷺ نے چالیس دن تک رعل، ذکوان، بنولحیان اور عصیہ قبائل پر بدعا فرمائی۔[1] ان تمام احادیث میں مشرکین کے خلاف رسول اللہ ﷺ کی بددعا کا ذکر ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کا حوالہ دیا ہے۔ والله أعلم.

٦٣٩٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَتِ الْيَهُودُ يُسَلِّمُونَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ تَقُولُ: السَّامُ عَلَيْكَ. فَفَطِنَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا إِلَى قَوْلِهِمْ، فَقَالَتْ: عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَهْلًا يَا عَائِشَةُ، إِنَّ اللهَ تَعَالَى يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ». فَقَالَتْ: يَا نَبِيَّ اللهِ، أَوَ لَمْ تَسْمَعْ مَا يَقُولُونَ؟ قَالَ: «أَوَ لَمْ تَسْمَعِي أَنِّي أَرُدُّ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ فَأَقُولُ: عَلَيْكُمْ». [راجع: ٢٩٣٥]

[6395] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ یہودی نبی ﷺ کو سلام کرتے تو کہتے: "السام علیك" آپ پر موت آئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے مقصد کو بھانپ لیا اور جواب دیا کہ تمھیں موت آئے اور تم پر لعنت ہو۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "اے عائشہ! ٹھہرو۔ بے شک اللہ تمام معاملات میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: اللہ کے رسول! کیا آپ نے نہیں سنا کہ انھوں نے کیا کہا تھا؟ آپ نے فرمایا: "کیا تو نے نہیں سنا کہ میں نے انھیں کیا جواب دیا تھا۔ میں کہتا ہوں: تم پر۔"

فائدہ: یہود مدینہ حسد وبغض کی آگ میں جل رہے تھے وہ رسول اللہ ﷺ کو نقصان اور تکلیف پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے حتی کہ سلام کہتے وقت بھی اپنی حرکات بد سے باز نہیں آتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جواب آں غزل کو ناپسند فرمایا، بلکہ جواب دینے کا ایسا انداز اختیار کیا جس میں مقصد بھی پورا ہو گیا اور اپنے اخلاق فاضلہ پر بھی کوئی آنچ نہ آنے دی۔ ﷺ۔ انسانیت کی یہی معراج ہے کہ دشمنوں کے ساتھ بھی اعتدال کا برتاؤ کیا جائے۔

٦٣٩٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ: حَدَّثَنَا عَبِيدَةُ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ الْخَنْدَقِ فَقَالَ: «مَلَأَ اللهُ قُبُورَهُمْ وَبُيُوتَهُمْ نَارًا كَمَا شَغَلُونَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطَى

[6396] حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم غزوۂ خندق کے روز نبی ﷺ کے ہمراہ تھے، آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ ان کی قبروں اور ان کے گھروں کو آگ سے بھر دے انھوں نے ہمیں صلاۃ وسطیٰ نہیں پڑھنے دی حتی کہ سورج غروب ہو گیا۔" اور وہ عصر کی نماز تھی۔

---

(1) صحيح البخاري، الجهاد والسير، حديث: 2801.

حَتَّى غَابَتِ الشَّمْسُ»، وَهِيَ صَلَاةُ الْعَصْرِ.
[راجع: ٢٩٣١]

فوائد و مسائل: ① صلاۃ وسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خندق کے دن کفار قریش کو برا بھلا کہنے لگے اور عرض کی: اللہ کے رسول! میں عصر کی نماز نہیں پڑھ سکا حتی کہ سورج غروب ہو گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں بھی نہیں پڑھ سکا ہوں۔'' پھر ہم وادئ بطحان میں گئے، وہاں غروب آفتاب کے بعد وضو کر کے پہلے نماز عصر پڑھی، پھر نماز مغرب ادا کی۔[1] ② چونکہ اس حدیث میں کفار قریش کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی بددعا کا ذکر ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے یہاں بیان کیا ہے۔ واللہ المستعان.

(٥٩) بَابُ الدُّعَاءِ لِلْمُشْرِكِينَ

باب: 59- مشرکین کے لیے دعا کرنا

وضاحت: یہ عنوان سابق عنوان کے مخالف نہیں ہے کیونکہ جب مشرکین کے ایمان لانے کی امید تھی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے ہدایت کی دعا کی اور جب ان کے ایمان سے مایوسی ہو گئی اور ان کی شرارتیں حد سے بڑھ گئیں تو آپ ﷺ نے ان کے خلاف بددعا فرمائی۔

٦٣٩٧ - حَدَّثَنَا عَلِيٌّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَدِمَ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ دَوْسًا قَدْ عَصَتْ وَأَبَتْ فَادْعُ اللهَ عَلَيْهَا، فَظَنَّ النَّاسُ أَنَّهُ يَدْعُو عَلَيْهِمْ، فَقَالَ: «اللَّهُمَّ اهْدِ دَوْسًا وَائْتِ بِهِمْ». [راجع: ٢٩٣٧]

[6397] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اللہ کے رسول! قبیلۂ دوس نے نافرمانی اور سرکشی کا راستہ اختیار کیا ہے۔ آپ ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ لوگوں کا خیال تھا کہ آپ ان کے خلاف بددعا کریں گے لیکن آپ ﷺ نے دعا کی: ''اے اللہ! قبیلۂ دوس کو ہدایت دے اور انھیں یہاں لے آ۔''

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے دوسرے مقام پر اس حدیث پر ان الفاظ میں عنوان قائم کیا ہے: [بَابُ الدُّعَاءِ لِلْمُشْرِكِينَ بِالْهُدَى لِيَتَأَلَّفَهُمْ] ''مشرکین کی تالیف قلبی کے لیے ان کی ہدایت کی دعا کرنا۔''[2] رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے ہدایت کی دعا فرمائی جسے اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت سے نوازا اور قبیلۂ دوس مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ② واضح رہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا تعلق بھی قبیلۂ دوس سے تھا۔ اسلام لانے کے بعد یہ قبیلہ اسلام کے لیے وفادار اور جاں نثار ثابت ہوا۔

---

[1] صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4112. [2] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب: 100.

(٦٠) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ»

باب:60- نبی ﷺ کی دعا: ''اے اللہ! میرے اگلے اور پچھلے سب گناہ معاف کر دے'' کا بیان

وضاحت: قرآن کریم کی صراحت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے ہیں، پھر آپ کی یہ دعا اظہار عبودیت یا امت کی تعلیم کے لیے تھی۔ تواضع کے لیے بھی ایسا ہو سکتا ہے۔ واللہ أعلم.

٦٣٩٨ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ الصَّبَّاحِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُوسَى، عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يَدْعُو بِهَذَا الدُّعَاءِ: «رَبِّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي وَجَهْلِي وَإِسْرَافِي فِي أَمْرِي كُلِّهِ، وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي. اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي خَطَايَايَ وَعَمْدِي وَجَهْلِي وَجِدِّي، وَكُلُّ ذَلِكَ عِنْدِي. اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ».

[6398] حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے: ''اے اللہ! میری خطائیں، میری نادانی اور تمام معاملات میں میرے حد سے تجاوز کو معاف کر دے۔ اور وہ گناہ بھی جنھیں تو مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے۔ اے اللہ! میری خطائیں اور جو گناہ میں نے دانستہ یا غیر دانستہ طور پر کیے ہیں، نیز جو گناہ میں نے سنجیدگی میں کیے ہیں انھیں معاف کر دے۔ یہ سب میری ہی طرف سے ہیں۔ اے اللہ! میرے گناہ بخش دے جو پہلے کر چکا ہوں یا آئندہ کروں گا اور جنھیں میں نے چھپایا ہے اور جنھیں میں نے علانیہ کیا ہے۔ تو ہی سب سے پہلے ہے اور تو ہی سب سے آخر میں ہے۔ اور تو ہر چیز پر خوب قدرت رکھنے والا ہے۔''

وَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُعَاذٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي مُوسَى، عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. بِنَحْوِهِ

[انظر: ٦٣٩٩]

عبیداللہ بن معاذ نے کہا: مجھے میرے باپ نے بیان کیا ہے، ان سے شعبہ نے، ان سے ابواسحاق نے، ان سے ابو بردہ نے، ان سے ان کے والد ابو موسیٰ اشعری ؓ نے نبی ﷺ سے اسی طرح بیان کیا۔

٦٣٩٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْمَجِيدِ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي مُوسَى وَأَبِي بُرْدَةَ، أَحْسِبُهُ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ عَنِ

[6399] حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ ہی سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ یہ دعا کیا کرتے تھے: ''اے اللہ! میری خطائیں، میری نادانی کی باتیں، معاملات میں میرے حد سے تجاوز کو معاف کر دے

النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يَدْعُو: «اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي وَجَهْلِي، وَإِسْرَافِي فِي أَمْرِي، وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي هَزْلِي وَجِدِّي، وَخَطَئِي وَعَمْدِي، وَكُلُّ ذَلِكَ عِنْدِي». [راجع: ٦٣٩٨]

اور ان باتوں کو بھی جنھیں تو مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے۔ اے اللہ! میری بے پروائی اور سنجیدگی میں کردہ گناہوں اور خطاؤں اور جو میں نے دانستہ گناہ کیے ہیں سب کو معاف کر دے۔ یہ سب کچھ میری ہی طرف سے ہے۔''

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ کی بلند شان کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''امید ہے کہ آپ کا پروردگار آپ کو مقام محمود پر فائز کرے۔''[1] نیز فرمایا: ''آپ کی آخرت، اس دنیا سے کہیں بلند مرتبہ ہوگی اور اللہ تعالیٰ آپ کو اس قدر نوازے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔''[2] چونکہ دعا ایک عبادت بلکہ روح عبادت ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کی دعائیں مانگی ہیں۔ پھر آپ نے اظہار عبودیت یا امت کو تعلیم دینے کے لیے مذکورہ دعائیں کی ہیں۔ یہ دعائیں اس بنا پر نہیں ہیں کہ واقعی آپ گناہ گار یا خطا کار تھے۔ بلاشبہ آپ ﷺ گناہوں سے معصوم اور نافرمانی سے مبرا تھے جیسا کہ خود قرآن کریم نے اس کی صراحت کی ہے۔[3] ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعائیں دوران نماز میں سلام سے پہلے پڑھتے تھے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد پڑھتے تھے۔ ان روایات کے پیش نظر اس امر کا قوی احتمال ہے کہ آپ ﷺ سلام سے پہلے اور بعد دونوں مواقع پر یہ دعائیں پڑھتے ہوں۔[4]

(٦١) بَابُ الدُّعَاءِ فِي السَّاعَةِ الَّتِي فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ

باب: 61- اس گھڑی میں دعا کرنا جو جمعہ کے دن آتی ہے

٦٤٠٠ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: أَخْبَرَنَا أَيُّوبُ عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ: «فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا مُسْلِمٌ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي يَسْأَلُ اللهَ خَيْرًا إِلَّا أَعْطَاهُ»، وَقَالَ بِيَدِهِ. قُلْنَا: يُقَلِّلُهَا يُزَهِّدُهَا. [راجع: ٩٣٥]

[6400] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ابوالقاسم ﷺ نے فرمایا: ''جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی آتی ہے اگر کوئی مسلمان بایں حالت اسے پالے کہ وہ کھڑا نماز پڑھ رہا ہو تو جو بھلائی بھی وہ اللہ تعالیٰ سے مانگے گا وہ اسے ضرور عنایت فرمائے گا۔'' آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا تو ہم نے اس سے یہ سمجھا کہ آپ اس گھڑی کے مختصر ہونے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

فوائد ومسائل: ① اس گھڑی کی تعیین میں لیلۃ القدر کی طرح چالیس اقوال ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ

---

[1] بني إسرآئيل 17:79. [2] الضحٰى 93:4،5. [3] الفتح 48:9. [4] فتح الباري: 11/236.

نے فرمایا: ''مجھے اس گھڑی کے متعلق بتایا گیا تھا لیکن لیلۃ القدر کی تعیین کی طرح مجھ پر اس کے متعلق نسیان طاری ہو گیا۔''[1] ② علامہ خطابی فرماتے ہیں: اس کی تعیین دو طرح سے کی جا سکتی ہے: ایک یہ کہ وہ دوران نماز میں آتی ہے دوسری یہ کہ جب سورج غروب ہونے کے قریب ہوتا ہے تو وہ اس وقت آتی ہے۔[2] شاہ ولی اللہ کہتے ہیں: اس گھڑی کی تعیین میں اختلاف ہے، ممکن ہے کہ وہ امام کے منبر پر بیٹھنے سے نماز کے اختتام تک ہو کیونکہ اس وقت آسمانی اور زمینی برکات جمع ہوتی ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ گھڑی عصر کے بعد غروب آفتاب کے درمیان ہے کیونکہ یہ تقدیر کے فیصلوں کے نزول کا وقت ہے۔[3] ③ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے پوروں کو وسطی اور خنصر کے بطن پر رکھ کر اس کے مختصر ہونے کی طرف اشارہ کیا۔[4]

(٦٢) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «يُسْتَجَابُ لَنَا فِي الْيَهُودِ، وَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ فِينَا»

باب: 62- نبی ﷺ کے ارشاد گرامی: ''یہودیوں کے متعلق ہماری دعا قبول ہوتی ہے لیکن ان کی دعا ہمارے بارے میں قبول نہیں کی جائے گی'' کا بیان

٦٤٠١ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ الْيَهُودَ أَتَوُا النَّبِيَّ ﷺ فَقَالُوا: السَّامُ عَلَيْكَ، قَالَ: «وَعَلَيْكُمْ»، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: السَّامُ عَلَيْكُمْ، وَلَعَنَكُمُ اللهُ وَغَضِبَ عَلَيْكُمْ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَهْلًا يَا عَائِشَةُ عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ، وَإِيَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ». قَالَتْ: أَوَ لَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا؟ قَالَ: «أَوَ لَمْ تَسْمَعِي مَا قُلْتُ؟ رَدَدْتُ عَلَيْهِمْ فَيُسْتَجَابُ لِي فِيهِمْ وَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ فِيَّ».

[راجع: ٢٩٣٥]

[6401] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ کچھ یہودی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: السام علیك. آپ ﷺ نے جواب دیا: ''وعلیکم''. لیکن حضرت عائشہ ؓ نے جواب دیا: تم پر ہلاکت، اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہ! رُک جاؤ، نرم خوئی اختیار کرو، سختی اور بدکلامی سے پرہیز کرو۔'' انھوں نے عرض کی: آپ نے نہیں سنا وہ کیا کہہ رہے تھے؟ آپ نے فرمایا: ''کیا تم نے نہیں سنا کہ میں نے انھیں کیا جواب دیا تھا؟ میں نے ان کی بات ان پر لوٹا دی تھی۔ میرا جواب تو ان کے متعلق شرف قبولیت سے نوازا جائے گا لیکن ان کی بددعا میرے متعلق قبول نہیں ہو گی۔''

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں اس کی کچھ تفصیل ہے، حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک یہودی آیا اور اس نے آپ کو ''السام علیك'' کہا۔ آپ نے اس کا جواب ''وعلیکم'' کہہ کر دیا، اس طرح دوسرا اور تیسرا آیا، ہر ایک نے یہی کہا اور رسول اللہ ﷺ نے وہی جواب دیا۔ میں نے غصے میں آ کر کہا: بندروں اور خنزیروں کی اولاد! تم

1 مسند أحمد: 65/3. 2 فتح الباري: 238/11. 3 حجة الله البالغة: 29/2. 4 صحيح البخاري، الطلاق، حديث: 5294.

پر ہلاکت، اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فحش اور بدکلامی کو پسند نہیں کرتا۔ انھوں نے ایک بات کہی میں نے وہ ان پر واپس کر دی اور یہ حقیقت ہے کہ ہمیں ان کی بات سے کچھ نہیں ہوگا لیکن ہمارا جواب ان کے ساتھ قیامت تک کے لیے چمٹ جائے گا۔''[1] ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے پیش نظر اگر کوئی ظالم کسی پر بددعا کرتا ہے تو وہ قبول نہیں ہوگی۔ اس کی تائید ارشاد باری تعالیٰ سے بھی ہوتی ہے: ''کافروں کی دعا و پکار تو رائیگاں ہی جاتی ہے۔''[2]

(٦٣) بَابُ التَّأْمِينِ

٦٤٠٢ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: الزُّهْرِيُّ حَدَّثَنَاهُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا أَمَّنَ الْقَارِئُ فَأَمِّنُوا فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تُؤَمِّنُ، فَمَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ». [راجع: ٧٨٠]

باب: 63- آمین کہنے کا بیان

[6402] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جب پڑھنے والا آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، بلاشبہ اس وقت فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ موافق ہو جائے اس کے تمام سابقہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''

فوائد و مسائل: ① دعا کے بعد آمین کہنے کی وہی حیثیت ہے جو خط پر مہر لگانے کی ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے: ''یہودی جتنا سلام اور آمین کہنے پر تم سے جلتے ہیں اتنا کسی بات پر نہیں جلتے۔''[3] ایک روایت میں ہے: ''یہودی تمھاری آمین پر بہت جلتے ہیں، اس لیے تم بکثرت آمین کہا کرو۔''[4] ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: حدیث میں قاری سے مراد امام ہے کیونکہ وہ نماز میں قراءت کرتا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد مطلق طور پر پڑھنے والا ہو۔[5] بہر حال ''آمین'' کے معنی ہیں: قبول فرما۔ یہ لفظ گویا مفصل دعا کے بعد مختصر طور پر انھی دعاؤں کی تکرار ہے، اس لیے ہمیں چاہیے کہ آمین جیسے پاکیزہ ادب سے کنارہ کش نہ ہوں۔ واللہ أعلم.

(٦٤) بَابُ فَضْلِ التَّهْلِيلِ

٦٤٠٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ

باب: 64- لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ پڑھنے کی فضیلت

[6403] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے ایک دن میں درج ذیل کلمہ: ''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ تنہا ہے۔ اس کا کوئی

1 مسند أحمد: 135/6. 2 الرعد 13: 14، وفتح الباري: 239/11. 3 صحيح ابن خزيمة: 288/1. 4 سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، حديث: 857. 5 فتح الباري: 240/11.

قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، [فِي يَوْمٍ] مِائَةَ مَرَّةٍ كَانَتْ لَهُ عَدْلَ عَشْرِ رِقَابٍ، وَكُتِبَتْ لَهُ مِائَةُ حَسَنَةٍ، وَمُحِيَتْ عَنْهُ مِائَةُ سَيِّئَةٍ، وَكَانَتْ لَهُ حِرْزًا مِنَ الشَّيْطَانِ يَوْمَهُ ذٰلِكَ حَتَّى يُمْسِيَ، وَلَمْ يَأْتِ أَحَدٌ بِأَفْضَلَ مِمَّا جَاءَ إِلَّا رَجُلٌ عَمِلَ أَكْثَرَ مِنْهُ». [راجع: ٣٢٩٣]

شریک نہیں۔ اسی کے لیے بادشاہت ہے۔ اور تمام تعریفوں کا وہی سزاوار ہے اور وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔'' سومرتبہ پڑھا اس کو دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا اور اس کے لیے سونیکیاں لکھ دی جائیں گی، نیز اس کے سوگناہ مٹا دیے جائیں گے۔ وہ سارا دن شیطان سے محفوظ رہے گا حتی کہ شام ہو جائے۔ اور جو عمل اس نے کیا ہے اس سے افضل کسی کا عمل نہیں ہوگا مگر جو کوئی اس سے زیادہ عمل کرے۔''

٦٤٠٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَمْرٍو: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ قَالَ: «مَنْ قَالَ عَشْرًا كَانَ كَمَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ».

[6404] حضرت عمرو بن میمون سے روایت ہے کہ جس نے دس مرتبہ یہ کلمہ کہا وہ ایسا ہوگا جیسے اس نے اولاد اسماعیل سے ایک غلام آزاد کیا۔

قَالَ عُمَرُ: وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي السَّفَرِ عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ الرَّبِيعِ بْنِ خُثَيْمٍ مِثْلَهُ. فَقُلْتُ لِلرَّبِيعِ: مِمَّنْ سَمِعْتَهُ؟ فَقَالَ: مِنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ فَأَتَيْتُ عَمْرَو بْنَ مَيْمُونٍ فَقُلْتُ: مِمَّنْ سَمِعْتَهُ؟ فَقَالَ: مِنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، فَأَتَيْتُ ابْنَ أَبِي لَيْلَى فَقُلْتُ: مِمَّنْ سَمِعْتَهُ؟ فَقَالَ: مِنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ يُحَدِّثُهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

(راویٔ حدیث) حضرت عمر بن ابی زائدہ نے کہا: ہم سے عبداللہ بن ابوسفر نے بیان کیا، ان سے امام شعبی نے، ان سے ربیع بن خثیم نے یہی مضمون بیان کیا تو میں نے ربیع سے پوچھا کہ تم نے یہ حدیث کس سے سنی ہے؟ انھوں نے کہا: عمرو بن میمون سے۔ پھر میں عمرو بن میمون کے پاس آیا اور ان سے پوچھا کہ تم نے یہ حدیث کس سے سنی ہے؟ انھوں نے کہا: ابن ابی یعلی سے۔ میں ابن ابی یعلی کے پاس آیا اور ان سے پوچھا کہ تم نے یہ حدیث کس سے سنی ہے؟ انھوں نے کہا: ابو ایوب انصاری سے اور وہ اسے نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ: حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مَيْمُونٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَوْلَهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

ابراہیم بن یوسف اپنے باپ سے بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں، وہ ابو اسحاق سے، انھوں نے کہا: مجھے عمرو بن میمون نے بیان کیا، وہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے، وہ حضرت ابوایوب انصاری ؓ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے

یہی حدیث بیان کی۔

وَقَالَ مُوسَى : حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ دَاوُدَ، عَنْ عَامِرٍ، عَنْ عَبدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

موسیٰ بن اسماعیل نے کہا: ہم سے وہیب بن خالد نے بیان کیا، داود بن ابی ہند سے، ان سے عامر شعبی نے، ان سے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے اور ان سے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے، انھوں نے نبی ﷺ سے اس کو نقل کیا۔

وَقَالَ إِسْمَاعِيلُ عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ الرَّبِيعِ بْنِ خُثَيْمٍ قَوْلَهُ.

اسماعیل نے شعبی سے، انھوں نے ربیع بن خثیم سے موقوفا ان کا قول نقل کیا ہے۔

وَقَالَ آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ ابْنُ مَيْسَرَةَ: سَمِعْتُ هِلَالَ بْنَ يَسَافٍ عَنِ الرَّبِيعِ بْنِ خُثَيْمٍ وَعَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَوْلَهُ.

آدم بن ابی ایاس نے کہا: ہم سے شعبہ نے بیان کیا، انھوں نے کہا: ہم سے عبدالملک بن میسرہ نے بیان کیا، انھوں نے کہا: میں نے ہلال بن یساف سے سنا، وہ ربیع بن خثیم اور عمرو بن میمون سے بیان کرتے ہیں، دونوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان کا قول بیان کیا ہے۔

وَقَالَ الْأَعْمَشُ وَحُصَيْنٌ عَنْ هِلَالٍ، عَنِ الرَّبِيعِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَوْلَهُ.

اعمش اور حصین نے ہلال سے، انھوں نے ربیع سے انھوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفا بیان کیا ہے۔

وَرَوَاهُ أَبُو مُحَمَّدٍ الْحَضْرَمِيُّ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «كَانَ كَمَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ».

ابومحمد حضرمی نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے نقل کیا ہے: ''وہ ایسے ہے جیسے اس نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ایک گردن آزاد کی۔''

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَالصَّحِيحُ قَوْلُ عَمْرٍو.

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) کہتے ہیں: اور صحیح بات ہے کہ یہ عمرو کا قول ہے۔

فوائد ومسائل: ① یہ کلمۂ توحید ہم جیسے گناہ گاروں کے لیے اکسیر اعظم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر اس کلمے کو ایک دن میں کم از کم سو مرتبہ پڑھ لیا کریں تو گناہوں کے کفارہ کے علاوہ عقیدۂ توحید اس قدر مضبوط ہو جائے گا کہ اسے پڑھنے والے توحید کی برکت سے ایک خاص ایمانی قوت محسوس کریں گے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: بعض روایات میں ہے کہ شام کے وقت یہ وظیفہ کرنے والے کو بھی یہی اجر ملے گا۔ ② حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اجر وثواب ہر شخص کو ملے گا جو اس وظیفے کو حرز

جان بنائے گا، خواہ اسے مسلسل پڑھے یا متفرق طور پر وقفے وقفے سے ادا کرے۔ شروع دن میں پڑھے یا دن کے آخری حصے میں ادا کرے لیکن بہتر یہ ہے کہ دن کے آغاز میں یہ کلمہ سو مرتبہ مسلسل پڑھے تاکہ سارا دن شیطان سے حفاظت میں رہے۔ اسی طرح رات کے آغاز میں اس عمل کو دہرائے تاکہ تمام رات شیطانی اثرات سے محفوظ رہے۔[1] ③ ہمارے رجحان کے مطابق مسنون اذکار میں اس قدر برکات وفوائد ہیں کہ ان کے ساتھ مزید اذکار پیوند کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں، پھر اپنے خودساختہ اذکار باعث ثواب بھی نہیں ہوتے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں یہ وظیفہ صبح کی نماز کے بعد پڑھنے کا ذکر ہے اور اس میں بِيَدِهِ الْخَيْرُ کا اضافہ ہے۔[2] لیکن اس کی سند عطیہ عوفی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(٦٥) بَابُ فَضْلِ التَّسْبِيحِ

باب: 65- سبحان اللہ کہنے کی فضیلت

٦٤٠٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ قَالَ: سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ فِي يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ حُطَّتْ عَنْهُ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ».

[6405] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے ایک دن میں سو مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهِ کہا اس کے تمام گناہ مٹا دیے جاتے ہیں، خواہ وہ سمندر کی جھاگ کی مانند ہوں۔''

فوائد ومسائل: ① ہر نقص سے اللہ تعالیٰ کو پاک قرار دینا جو اس کے شایان شان نہ ہو تسبیح کہلاتا ہے۔ اس سے شریک، بیوی اور اولاد کی نفی خود بخود لازم آتی ہے۔ بعض اوقات تسبیح سے مراد اللہ تعالیٰ کا ذکر اور صلاۃ نافلہ بھی ہے۔ نماز تسبیح کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس میں تسبیحات بکثرت ہوتی ہیں۔[3] ② واضح رہے کہ اس سے وہ گناہ معاف ہوتے ہیں جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے کیونکہ حقوق العباد تو صاحب حق کی رضامندی کے بغیر معاف نہیں ہوں گے۔ ③ یہ وظیفہ دن کے کسی وقت میں بھی پڑھا جا سکتا ہے، خواہ ایک مرتبہ سو کی گنتی پوری کر لی جائے یا متفرق اوقات میں سو بار پڑھ لیا جائے ان کی وہی فضیلت ہے جو حدیث میں بیان ہوئی ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ شروع دن میں ایک ہی مرتبہ سو بار کہہ لے۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے ہاں افضل اور اسے سب سے پسندیدہ چار کلمے ہیں: سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ. ان میں سے جسے بھی تم پہلے پڑھ لو تمھیں اس کا کوئی نقصان نہیں ہے۔[4] ایک دوسری حدیث میں ہے: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ. پڑھ لینا مجھے پوری کائنات کے مل جانے سے زیادہ محبوب ہے۔[5] حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا: ہم ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے تو آپ نے فرمایا: ''کیا تم میں سے کوئی روزانہ ایک ہزار نیکی کمانے سے عاجز ہے؟'' آپ کی مجلس میں شریک ایک

---

1 فتح الباري: 246/11. 2 سنن ابن ماجه، الأدب، حديث: 3799. 3 فتح الباري: 247/11. 4 صحيح مسلم، الآداب، حديث: 5601(2137). 5 صحيح مسلم، الذكر والدعاء، حديث: 6847(2695).

شخص نے کہا: ہم میں سے کوئی ایک ہزار نیکی کیسے کما سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''سو مرتبہ سبحان اللہ کہنے سے اس کے لیے ایک ہزار نیکی لکھی جاتی ہے اور اس کے ایک ہزار گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''[1]

٦٤٠٦ - حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنْ عُمَارَةَ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ، حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ: سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ، سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ». [انظر: ٦٦٨٢، ٧٥٦٣]

[6406] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر بہت ہلکے پھلکے، میزان میں بہت بھاری بھرکم اور رحمٰن کو بڑے ہی پیارے ہیں وہ: سبحان اللّٰہ العظیم اور سبحان اللّٰہ و بحمدہ ہیں۔

فوائد و مسائل: ① زبان پر ہلکے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ آسانی سے ادا ہو جاتے ہیں۔ ان کا ترازو میں بھاری ہونا حقیقت پر مبنی ہے کیونکہ آخرت میں میزان میں اعمال کو تولنے کے لیے انھیں جسم دیا جائے گا، اس میزان کے دو بڑے پاٹ اور ایک ڈنڈی کا ذکر بھی احادیث میں ملتا ہے۔ ② سبحان اللہ کی تکرار سے اللہ تعالیٰ کی مطلق تنزیہ اور پاکی مطلوب ہے۔ حضرت ابوذر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سا کلام افضل ہے تو آپ نے فرمایا: ''جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں یا خاص بندوں کے لیے منتخب فرمایا، وہ سبحان اللّٰہ و بحمدہ ہے۔''[2] حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ اس میں اشارہ فرشتوں کے درج ذیل قول کی طرف ہے: ''اے اللہ! ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح بیان کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی کا اظہار کرتے ہیں۔''[3] حضرت جویریہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز فجر پڑھنے کے لیے ان کے پاس سے تشریف لے گئے جبکہ وہ اپنی جائے نماز پر بیٹھی ہوئی تھیں، پھر آپ چاشت کے وقت ان کے پاس تشریف لائے تو وہ اسی جگہ بیٹھی تھیں، آپ نے فرمایا: ''تم اسی حالت میں ہو جس حالت پر میں نے تمھیں چھوڑا تھا؟'' انھوں نے کہا: جی ہاں! نبی ﷺ نے فرمایا: ''تمھارے ہاں سے جانے کے بعد میں نے چار کلمے تین بار کہے ہیں اگر ان کا وزن تمھارے کہے ہوئے کلمات سے کیا جائے تو وہ ان پر بھاری ہوں گے، وہ یہ ہیں: [سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ عَدَدَ خَلْقِهِ وَرِضَا نَفْسِهِ وَزِنَةَ عَرْشِهِ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ] ''پاک ہے اللہ تعالیٰ اپنی حمد کے ساتھ مخلوق کی تعداد، اپنے نفس کی رضا، اپنے عرش کے وزن اور اپنے کلمات کی سیاہی کے برابر۔''[4] اس حدیث کی مزید تشریح صحیح بخاری کی آخری حدیث کے فوائد میں بیان ہوگی۔ باذن اللّٰہ تعالیٰ۔

(٦٦) بَابُ فَضْلِ ذِكْرِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ

باب: 66- اللہ عزوجل کے ذکر کی فضیلت

وضاحت: قرآن و حدیث میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی بہت فضیلت بیان ہوئی ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

1 صحیح مسلم، الذکر و الدعاء، حدیث: 6852 (2698). 2 صحیح مسلم، الذکر و الدعاء، حدیث: 6925 (2731).

3 البقرة 2:30، و فتح الباري: 11/248. 4 صحیح مسلم، الذکر والدعاء، حدیث: 6913 (2726).

''جب کچھ لوگ بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو فرشتے انھیں گھیر لیتے ہیں، رحمت انھیں ڈھانپ لیتی ہے، ان پر سکینت نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے ہاں فرشتوں کے پاس ان کا ذکر خیر کرتا ہے۔''[1] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مکہ کے راستے میں محوسفر تھے، جب آپ جُمدان نامی پہاڑ کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: ''چلتے جاؤ یہ جُمدان ہے۔'' پھر فرمایا: ''مُفردون بازی لے گئے۔'' صحابہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! مُفردون کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''اللہ کا بکثرت ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں۔''[2] قرآن کریم میں خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''یقیناً اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔''[3] اللہ کے ذکر سے مراد زبان سے ایسے الفاظ ادا کرنا ہے جو اس کی تسبیح وتحمید اور بزرگی پر مشتمل ہوں۔ اگر ان کی ادائیگی کے وقت ان کے معنی بھی ذہن میں ہوں تو ثواب کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔[4]

٦٤٠٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لَا يَذْكُرُ رَبَّهُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ».

[6407] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اس شخص کی مثال جو اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور وہ جو ذکر نہیں کرتا، زندہ اور مردہ کی طرح ہے۔''

فوائدومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا گویا نمود و زندگی ہے اور اللہ تعالیٰ کو بھول جانا گویا ظلم و موت ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یاد نہ کرنے والے مردوں کی طرح ہیں جو کسی کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے: ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کیا کرو۔''[5] ② تلاوت قرآن، مطالعہ حدیث اور کثرت سے درود وسلام سب اللہ تعالیٰ کے ذکر کی مختلف صورتیں ہیں۔ سب سے بڑا ذکر یہ ہے کہ انسان جملہ اوامر ونواہی میں اللہ کو یاد رکھے۔ اوامر کو بجالائے اور نواہی سے پرہیز کرے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں تمھارے بہترین عمل کے متعلق آگاہ نہ کروں جو تمھارے مالک کے ہاں اجر کے اعتبار سے زیادہ بڑھنے والا، تمھارے درجات کی بلندی کا باعث بننے والا، تمھارے لیے سونے اور چاندی کے خرچ کرنے سے بہتر اور تمھارے لیے دشمن سے ایسا جہاد کرنے سے اعلیٰ ہے جس میں تم ایک دوسرے کی گردنیں اڑاؤ؟'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: کیوں نہیں؟ آپ ضرور آگاہ کریں۔ آپ نے فرمایا: ''وہ اللہ کا ذکر ہے۔''[6]

٦٤٠٨ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً

[6408] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ اللہ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو اہل ذکر کو تلاش کرتے ہوئے راستوں

---

① صحيح مسلم، الذكر و الدعاء، حديث: 6855 (2700). ② صحيح مسلم، الذكر و الدعاء، حديث: 6808 (2676).
③ العنكبوت 29:45. ④ فتح الباري: 11/251,250. ⑤ الأحزاب 33:41. ⑥ مسند أحمد: 5/195.

يَطُوفُونَ فِي الطُّرُقِ يَلْتَمِسُونَ أَهْلَ الذِّكْرِ، فَإِذَا وَجَدُوا قَوْمًا يَذْكُرُونَ اللهَ تَنَادَوْا: هَلُمُّوا إِلَى حَاجَتِكُمْ، قَالَ: فَيَحُفُّونَهُمْ بِأَجْنِحَتِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، قَالَ: فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ أَعْلَمُ مِنْهُمْ: مَا يَقُولُ عِبَادِي؟ قَالَ: تَقُولُ: يُسَبِّحُونَكَ وَيُكَبِّرُونَكَ، وَيَحْمَدُونَكَ. [وَيُمَجِّدُونَكَ] قَالَ: فَيَقُولُ: هَلْ رَأَوْنِي؟ قَالَ: فَيَقُولُونَ: لَا، وَاللهِ مَا رَأَوْكَ، قَالَ: فَيَقُولُ: كَيْفَ لَوْ رَأَوْنِي؟ قَالَ: يَقُولُونَ: لَوْ رَأَوْكَ كَانُوا أَشَدَّ لَكَ عِبَادَةً، وَأَشَدَّ لَكَ تَمْجِيدًا، وَأَكْثَرَ لَكَ تَسْبِيحًا. قَالَ: يَقُولُ: فَمَا يَسْأَلُونِي؟ قَالَ: يَسْأَلُونَكَ الْجَنَّةَ، قَالَ: يَقُولُ: وَهَلْ رَأَوْهَا؟ قَالَ: يَقُولُونَ: لَا، وَاللهِ يَا رَبِّ مَا رَأَوْهَا، قَالَ: فَيَقُولُ: فَكَيْفَ لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا؟ قَالَ: يَقُولُونَ: لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا كَانُوا أَشَدَّ عَلَيْهَا حِرْصًا وَأَشَدَّ لَهَا طَلَبًا وَأَعْظَمَ فِيهَا رَغْبَةً، قَالَ: فَمِمَّ يَتَعَوَّذُونَ؟ قَالَ: يَقُولُونَ: مِنَ النَّارِ، قَالَ: يَقُولُ: وَهَلْ رَأَوْهَا؟ قَالَ: يَقُولُونَ: لَا، وَاللهِ يَا رَبِّ مَا رَأَوْهَا، قَالَ: يَقُولُ: فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا؟ قَالَ: يَقُولُونَ: لَوْ رَأَوْهَا كَانُوا أَشَدَّ مِنْهَا فِرَارًا وَأَشَدَّ لَهَا مَخَافَةً، قَالَ: فَيَقُولُ: فَأُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ. قَالَ: يَقُولُ مَلَكٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ: فِيهِمْ فُلَانٌ لَيْسَ مِنْهُمْ إِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ، قَالَ: هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقَى جَلِيسُهُمْ».

میں چکر لگاتے رہتے ہیں۔ جب وہ کچھ لوگوں کو اللہ کے ذکر میں مصروف پا لیتے ہیں تو وہ ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں: آؤ، تمھارا مطلب حل ہو گیا ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''وہ اپنے پروں کے ذریعے سے انھیں گھیر لیتے ہیں اور آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''ان کا رب عزوجل ان سے پوچھتا ہے، حالانکہ وہ انھیں خوب جانتا ہے: میرے بندے کیا کہتے ہیں؟ وہ عرض کرتے ہیں: وہ تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری کبریائی بیان کرتے ہیں۔ تیری حمد وثنا کرتے ہیں اور تیری بزرگی اور بڑائی بیان کرتے ہیں۔ پھر اللہ ان سے پوچھتا ہے: کیا انھوں نے مجھے دیکھا ہے؟ وہ جواب دیتے ہیں: نہیں، اللہ کی قسم! انھوں نے تجھے نہیں دیکھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو پھر ان کی کیفیت کیسی ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں: اگر وہ تجھے دیکھ لیں تو وہ تیری خوب عبادت کریں اور تیری خوب شان و عظمت بیان کریں اور تیری بہت زیادہ تسبیح کریں۔ اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے: وہ مجھ سے کیا مانگ رہے ہیں؟ وہ عرض کرتے ہیں: وہ تجھ سے جنت کے طالب ہیں۔ اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے: کیا انھوں نے جنت کو دیکھا ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں: نہیں، اللہ کی قسم اے رب! انھوں نے اسے نہیں دیکھا۔ وہ پوچھتا ہے: اگر وہ اسے دیکھ لیں تو پھر ان کی کیسی کیفیت ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں: اگر وہ اسے دیکھ لیں تو وہ اس کی بہت زیادہ حرص وخواہش اور رغبت کریں۔ اللہ تعالیٰ دریافت کرتا ہے: وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں؟ وہ عرض کرتے ہیں: جہنم سے۔ وہ پوچھتا ہے: کیا انھوں نے اسے دیکھا ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں: نہیں، اللہ کی قسم اے رب! انھوں نے اسے نہیں دیکھا۔ وہ پوچھتا ہے: اگر وہ اسے دیکھ لیں تو پھر کیسی کیفیت ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں: اگر وہ اسے دیکھ لیں

تو وہ اس سے بہت دور بھاگیں اور اس سے بہت زیادہ ڈریں گے۔" آپ ﷺ نے کہا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انھیں بخش دیا ہے۔ ان فرشتوں میں سے ایک فرشتہ عرض کرتا ہے: ان میں فلاں شخص ایسا ہے جو ان سے نہیں بلکہ وہ تو اپنی کسی ضرورت کے تحت ان میں آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ ایسے ہم نشین ہیں جن میں بیٹھنے والا بھی محروم و نامراد نہیں رہتا۔"

رَوَاهُ شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ وَلَمْ يَرْفَعْهُ، وَرَوَاهُ سُهَيْلٌ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اس حدیث کو شعبہ نے بھی اعمش سے بیان کیا ہے لیکن انھوں نے اسے مرفوع ذکر نہیں کیا۔ سہیل نے بھی اس حدیث کو اپنے والد ابو صالح سے روایت کیا ہے، انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① ایک روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "میں نے انھیں بخش دیا، انھوں نے جو مانگا میں نے دے دیا اور انھوں نے جس چیز سے پناہ طلب کی، میں نے انھیں اس سے پناہ دے دی۔"[1] ② اس حدیث سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت بڑی فضیلت ہے کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ہم نشین تھے۔ صحبت کی عظیم تاثیر ہے کہ نیک لوگوں کے ہم نشین بھی نیک بخت ہوتے ہیں، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ نیک اور صالح لوگوں کی صحبت اختیار کریں۔ ③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے ان زندیقوں کی تردید ہوتی ہے جن کا دعویٰ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو اس دنیا میں علانیہ طور پر دیکھتے ہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ تم اپنے رب کو مرتے دم تک نہیں دیکھ سکتے۔[2]

(٦٧) بَابُ قَوْلِ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ

باب: 67- لا حول و لا قوة إلا بالله کہنے کا بیان

وضاحت: لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰہِ کا مطلب یہ ہے کہ گناہ سے باز رہنے اور نیکی کرنے کی ہمت صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہوتی ہے۔ صدق دل سے کہنے والا انسان خود کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیتا ہے۔ ایمان کا یہی تقاضا ہے کہ مسلمان خود کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔

٦٤٠٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ عَنْ:

[6409] حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ ایک گھاٹی یا درّے میں داخل

1 صحيح مسلم، الذكر والدعاء، حديث: 6839 (2689). 2 مسند أحمد: 324/5، و صحيح الجامع الصغير، حديث: 2312، وفتح الباري: 256/11.

أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ: أَخَذَ النَّبِيُّ ﷺ فِي عَقَبَةٍ، أَوْ قَالَ: [فِي] ثَنِيَّةٍ، قَالَ: فَلَمَّا عَلَا عَلَيْهَا رَجُلٌ نَادَى فَرَفَعَ صَوْتَهُ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ، قَالَ: وَرَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى بَغْلَتِهِ، قَالَ: «فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا»، ثُمَّ قَالَ: «يَا أَبَا مُوسَى - أَوْ يَا عَبْدَ اللهِ - أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى كَلِمَةٍ مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ؟» قُلْتُ: بَلَى، قَالَ: «لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ». [راجع: ٢٩٩٢]

ہوئے، جب ایک اور آدمی بھی اس پر چڑھا تو اس نے بآواز بلند لا إله إلا الله والله أكبر کہا، اس وقت رسول اللہ ﷺ اپنے خچر پر سوار تھے آپ نے فرمایا: ”تم لوگ کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے۔“ پھر آپ نے فرمایا: ”اے ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس! کیا میں تمھیں ایک کلمہ نہ بتاؤں جو جنت کے خزانوں میں سے ہے؟“ میں نے کہا: ضرور بتائیں۔ آپ نے فرمایا: ”وہ لا حول ولا قوة إلا بالله ہے۔“

فوائد ومسائل: ① یہ غزوۂ خیبر کا واقعہ ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اس وقت رسول اللہ ﷺ کی سواری کے پیچھے آہستہ آہستہ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰه پڑھ رہا تھا تو آپ نے مذکورہ ارشاد فرمایا۔ ② واقعی اس کلمے میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وشان ایک خاص انداز سے بیان کی گئی ہے۔ اسے جنت کے خزانوں سے ایک خزانہ اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کے پڑھنے سے آخرت میں بہت زیادہ منافع کی توقع ہے، گویا یہ کلمہ ہی بہت نفیس اور عمدہ خزانہ ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی ایک حدیث مروی ہے، انھیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں تمھیں ایک کلمہ نہ بتاؤں جو عرش کے نیچے کا خزانہ ہے اور وہ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰه ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ کلمہ کہنے والے میرے بندے نے میری اطاعت اختیار کر لی اور اس نے خود کو میرے حوالے کر دیا۔“[1]

(٦٨) بَابٌ: لِلّٰهِ مِائَةُ اسْمٍ غَيْرَ وَاحِدَةٍ

باب: 68- اللہ تعالیٰ کے ایک کم سو نام ہیں

٦٤١٠ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَفِظْنَاهُ مِنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رِوَايَةً قَالَ: «لِلّٰهِ تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ اسْمًا - مِائَةٌ إِلَّا وَاحِدًا - مَنْ حَفِظَهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَهُوَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ». [راجع: ٢٧٣٦]

[6410] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ننانوے، یعنی ایک کم سو نام ہیں، جو شخص بھی انھیں یاد کرے گا وہ جنت میں جائے گا۔ اللہ طاق (ایک) ہے اور طاق کو پسند کرتا ہے۔

فوائد ومسائل: ① یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں اس کی صراحت ہے۔[2] ② کتاب وسنت کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کے سو سے بہت زیادہ نام ہیں۔

1 المستدرك للحاكم: 1/71. 2 صحيح البخاري، الشروط، حديث: 2736.

ننانوے ناموں کی تخصیص صرف اس بنا پر ہے کہ ان کا یاد کرنا جنت میں داخلے کا سبب ہے۔ ان اسماء کو یاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انھیں بار بار پڑھے اور ان کے تقاضوں کو پورا کرے۔ ان اسماء کے مجموعے کو اسمائے حسنیٰ کہا جاتا ہے۔ ان میں بعض نام ایسے ہیں جنھیں اس اعتبار سے ایک خاص عظمت اور امتیاز حاصل ہے کہ اگر ان کے ذریعے سے دعا کی جائے تو قبولیت کی زیادہ امید کی جاسکتی ہے۔ ان اسماء کو "اسم اعظم" کا نام دیا گیا ہے۔ وہ کوئی ایک نام نہیں جیسا کہ عوام میں مشہور ہے بلکہ متعدد اسمائے حسنیٰ کو "اسم اعظم" کہا گیا ہے۔ عوام میں جو باتیں اسم اعظم کے متعلق مشہور ہیں وہ بالکل بے اصل اور خودساختہ ہیں۔ [3] اسمائے حسنیٰ کے مقابلے میں لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے بھی ننانوے نام گھڑ لیے ہیں، یہ بھی بے بنیاد ہیں۔ ہم ان کے متعلق مستقل بحث، حدیث: 7392 کے فوائد میں کریں گے۔ باذن اللّٰہ تعالیٰ.

(٦٩) بَابُ الْمَوْعِظَةِ سَاعَةً بَعْدَ سَاعَةٍ

باب: 69- وعظ و نصیحت میں وقفہ کرنا

وضاحت: وعظ و نصیحت یا درس قرآن و حدیث وقفے وقفے سے کرنا چاہیے تا کہ لوگ تنگ آ کر متنفر نہ ہو جائیں۔

٦٤١١ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنِي شَقِيقٌ قَالَ: كُنَّا نَنْتَظِرُ عَبْدَ اللهِ إِذْ جَاءَ يَزِيدُ بْنُ مُعَاوِيَةَ، قُلْتُ: أَلَا تَجْلِسُ؟ قَالَ: لَا، وَلٰكِنْ أَدْخُلُ فَأُخْرِجُ إِلَيْكُمْ صَاحِبَكُمْ، وَإِلَّا جِئْتُ أَنَا فَجَلَسْتُ، فَخَرَجَ عَبْدُ اللهِ وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِهِ، فَقَامَ عَلَيْنَا فَقَالَ: أَمَا إِنِّي أُخْبَرُ بِمَكَانِكُمْ، وَلٰكِنَّهُ يَمْنَعُنِي مِنَ الْخُرُوجِ إِلَيْكُمْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ فِي الْأَيَّامِ كَرَاهِيَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا. [راجع: ٦٨]

[6411] حضرت شقیق سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا انتظار کر رہے تھے کہ یزید بن معاویہ تشریف لائے۔ ہم نے عرض کی: آپ تشریف رکھیں۔ انھوں نے جواب دیا: نہیں، بلکہ میں اندر جاتا ہوں تا کہ تمھارے ساتھی، یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو باہر لاؤں۔ اگر وہ نہ آئے تو میں تنہا ہی آ جاؤں گا اور تمھارے ساتھ بیٹھ جاؤں گا۔ اس دوران میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے جبکہ وہ ان (یزید بن معاویہ) کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، پھر وہ ہمارے سامنے کھڑے ہوئے اور فرمایا: مجھے تمھارے یہاں بیٹھنے کی خبر پہنچی تھی لیکن مجھے تمھارے پاس آنے سے اس امر نے منع کیا کہ رسول اللہ ﷺ بھی ہمیں کبھی کبھی وعظ فرمایا کرتے تھے تا کہ ہم اکتا نہ جائیں۔

فائدہ: مقصد یہ ہے کہ وظائف و اوراد پڑھتے وقت بھی اس امر کا خیال رکھا جائے کہ وقفے وقفے سے ان کی ادائیگی ہو کیونکہ تکرار سے طبیعت بے زار ہو جاتی ہے۔ دل تنگ پڑ جاتا ہے، پھر انسان اس سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

رقاق کا معنی مفہوم اور اصلاح قلوب کا بیان

اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز انسان کے فائدے کے لیے پیدا کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وہی تو ہے جس نے زمین پر موجود تمام چیزیں تمھاری خاطر پیدا کیں۔''[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو زمین کی ہر چیز سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے بلکہ دوسرے مقام پر اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ فرمایا: ''جو کچھ آسمانوں میں ہے یا زمین میں، اس نے سب کچھ اپنی طرف سے تمھارے لیے مسخر کر دیا ہے۔''[2] کائنات کی ہر چیز سے انسان کو کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور پہنچ رہا ہے، مثلاً: پانی، ہوا، زمین میں مدفون خزانے، سمندر، پہاڑ، سورج، چاند اور ستارے، الغرض ہر چیز انسان کے فائدے کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ لیکن انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت ہی کے لیے پیدا کیا ہے تاکہ کائنات کی اشیاء سے فائدہ اٹھا کر اپنے محسن کا شکر ادا کرے اور اس کی عبادت میں خود کو مصروف رکھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔''[3]

اس آیت کے پیش نظر انسان ہر وقت اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے اور اسے ہر حال میں اس کی اطاعت اور بندگی میں مصروف رہنا چاہیے لیکن بعض اوقات انسان حصول دنیا میں اس قدر مگن ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے خالق کے حق کو نظر انداز کر کے صرف دنیا کا ہو کر رہ جاتا ہے، پھر جوں جوں اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا جاتا ہے اس کا دل سخت سے سخت تر ہوتا چلا جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''یہ اہل ایمان ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنھیں ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی۔ پھر ان پر لمبی مدت گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے۔''[4] اس آیت میں تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور بندگی سے غافل رہنا ایسی بیماری ہے جس سے دل سخت ہو جاتے ہیں، پھر ان میں فسق و فجور کے داخلے کے لیے دروازہ کھل جاتا ہے۔ اس آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دلوں کی سختی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں رکاوٹ کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی برائی کو کئی ایک مقام پر بیان فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ان لوگوں کے لیے ہلاکت ہے جن کے دل اللہ کی یاد سے (غفلت کی بنا پر) سخت ہو گئے۔''[5] دوسرے مقام پر فرمایا: ''پھر تمھارے دل سخت ہو گئے اتنے سخت جیسے پتھر ہوں یا ان سے بھی سخت تر۔''[6]

رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کی رہنمائی کرتے ہوئے مختلف انداز میں ''اصلاح قلوب، یعنی دلوں کی اصلاح اور

---

[1] البقرة 29:2. [2] الجاثية 13:45. [3] الذاريات 56:51. [4] الحديد 16:57. [5] الزمر 22:39. [6] البقرة 74:2.

درستی کی تدابیر بتائی ہیں، نیز بتایا ہے کہ اعمال کی اصلاح، دلوں کی اصلاح پر موقوف ہے، آپ نے فرمایا: ''آگاہ رہو! جسم میں ایک ایسا ٹکڑا ہے اگر وہ صحیح ہو تو سارا جسم صحیح رہتا ہے اور اگر وہ خراب ہو تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ آگاہ رہو وہ دل ہے۔''[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے ''اصلاح قلوب'' کے لیے اپنی صحیح میں ایک عنوان ''کتاب الرقاق'' کے نام سے قائم کیا ہے۔

رِقَاق، رَقِيقَةٌ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں: نرمی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت ایک سو ترانوے (193) ایسی مرفوع احادیث پیش کی ہیں جنھیں پڑھ کر دل میں رقت اور نرمی پیدا ہوتی ہے، جن میں تینتیس (33) معلق اور ایک سو ساٹھ (160) احادیث متصل اسناد سے مروی ہیں، پھر ان میں ایک سو چونتیس (134) مکرر اور انسٹھ (59) احادیث خالص ہیں۔ مرفوع احادیث کے علاوہ مختلف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ سے مروی سترہ (17) آثار بھی ذکر کیے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث و آثار پر ترپین چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کیے ہیں تاکہ اس کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا جائے۔ ان میں دنیا کی بے ثباتی، آخرت کا دوام اور ہمیشگی، مال و دولت سے بے نیازی، فکر آخرت، اخلاص و للّٰہیت، تواضع وانکسار، گناہوں سے نفرت اور نیک اعمال سے محبت اور ان کے اثرات کو خاص طور پر بیان کیا ہے۔

دور حاضر میں آزاد فکری اور روشن خیالی کا بہت چرچا ہے، ایسے حالات میں مذکورہ عنوان اور اس کے تحت پیش کردہ احادیث اکسیر اعظم کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس عالم رنگ و بو میں دلوں میں بگاڑ پیدا کرنے کے لیے بہت سے عوامل کارفرما ہیں لیکن ان کی اصلاح کے لیے فکر آخرت ہی کافی ہے۔ ان احادیث کو پڑھیے اور اپنے اندر فکر آخرت پیدا کرنے کی کوشش کیجیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق دے۔ آمین یا رب العالمین.

[1] صحيح البخاري، الإيمان، حديث: 52.

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

81- كِتَابُ الرِّقَاقِ

دل کونرم کرنے والی احادیث کا بیان

(١) [بَابٌ] الصِّحَّةِ وَالْفَرَاغِ، وَلَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةِ

باب: 1- صحت اور فرصت کی اہمیت، نیز یہ بیان کہ ''زندگی تو درحقیقت آخرت کی زندگی ہے''

وضاحت: دنیا ہر وقت انسان کے سامنے اور آخرت سراسر غائب اور اس کی آنکھوں سے اوجھل ہے، اس لیے عام طور پر دنیا ہی کی فکر اور اس کی طلب غالب رہتی ہے، گویا یہ انسان کی فطری کمزوری ہے۔ قرآن وسنت میں انسان کی اس کمزوری کو دور کرنے کے لیے ہدایات دی گئی ہیں اور آخرت کے مقابلے میں دنیا کا جو درجہ ہے اور دنیا کے مقابلے میں آخرت کا جو مقام ہے اسے واضح کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں تو دنیا کی بے وقعتی اور اس کے مقابلے میں آخرت کی پائیداری کو ایک خاص انداز میں واضح کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''یہ دنیوی زندگی تو چند دنوں کے استعمال کے لیے ہے اور آخرت ہی اصل رہنے کی جگہ ہے۔''[1] ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ''آپ کہہ دیں کہ دنیا کا سرمایہ تو بہت قلیل ہے اور پرہیزگاروں کے لیے تو آخرت ہی بہتر ہے۔''[2] امام بخاری رحمہ اللہ کا اس عنوان سے بھی مقصود ہے کہ انسان، دنیا کو بالکل حقیر اور بے قیمت خیال کرے اور اسے اپنا مطلوب ومقصود نہ بنائے بلکہ آخرت کو اپنی اصل منزل اور دائمی وطن قرار دے۔ اس کے علاوہ اگر اسے دنیا میں صحت وفرصت کے لمحات میسر ہیں تو انھیں غنیمت سمجھے اور انھیں اخروی کامیابی کے لیے استعمال کرے۔ بہر حال انسان کی سعادت اور اس کی اخروی کامیابی کے لیے یہ بنیادی شرط ہے کہ اس کی نظر میں دنیا اور اس کے ساز وسامان کی کوئی حیثیت نہ ہو بلکہ ہر وقت اس کے دل کا رخ آخرت ہی کی طرف رہنا چاہیے اور لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَة اس کے دل کی صدا اور روح کی غذا ہو۔ واللہ المستعان۔

٦٤١٢ - أَخْبَرَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ - هُوَ ابْنُ أَبِي هِنْدٍ - عَنْ

[6412] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''دو نعمتیں ایسی ہیں کہ اکثر

---

[1] المؤمن 39:40. [2] النساء 77:4.

أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ: الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ».

لوگ ان کی قدر نہیں کرتے: وہ صحت اور فراغت ہے۔"

وَقَالَ عَبَّاسٌ الْعَنْبَرِيُّ: حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عِيسَى عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِنْدٍ، عَنْ أَبِيهِ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَهُ.

عباس عنبری نے کہا: ہم سے صفوان بن عیسیٰ نے بیان کیا عبداللہ بن سعید بن ابو ہند سے، انھوں نے اپنے باپ سے، انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عباس سے سنا، انھوں نے اس حدیث کو نبی ﷺ سے اسی طرح بیان کیا ہے۔

فوائدومسائل: ① نعمت، وہ منفعت ہے جو کسی پر بطور احسان کی جاتی ہے۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی دو نعمتیں ایسی ہیں جن کی اکثر و بیشتر قدر نہیں کی جاتی اور لوگ انھیں غلط استعمال کر کے خسارے میں رہتے ہیں۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ صحت و فراغت دو ایسی چیزیں ہیں اگر انھیں مناسب طور پر استعمال نہ کیا جائے تو صحت مند اور فارغ انسان گھاٹے میں رہتا ہے کیونکہ جب انسان صحت و تندرستی کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتا تو بیماری کے زمانے میں بطریق اولیٰ نہیں کرے گا۔ اسی طرح جب اسے فرصت کے لمحات میسر ہیں تو وہ انھیں کسی اچھے عمل کے بغیر یوں ہی گزار دے تو اس سے بڑھ کر خسارے میں رہنے والا دوسرا کون ہوسکتا ہے۔ ② بعض اوقات انسان تندرست ہوتا ہے لیکن روزی کے اسباب میں مصروف رہنے کے باعث عبادت کے لیے فارغ نہیں ہوتا اور پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ روزی کے اسباب سے فارغ ہوتا ہے لیکن تندرستی کی نعمت سے محروم ہوتا ہے تو بیماری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کر پاتا۔ جب انسان صحت مند بھی ہو اور اسے فراغت بھی میسر ہو تو ایسے میں اگر فضائل و کمالات سے قاصر رہے تو مکمل طور پر خسارے میں رہتا ہے۔ ③ چونکہ دنیا، آخرت کی کھیتی اور اس کی تجارت ہے، اس بنا پر انسان کو چاہیے کہ وہ بدن کی صحت اور دنیا میں فراغت جیسی دونوں نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں لگائے اور آخرت کی کامیابی میں کوشاں رہے۔ واللّٰہ المستعان.

٦٤١٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ، عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اللَّهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَهْ فَأَصْلِحِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَهْ»

[راجع: ٢٨٣٤].

[6413] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "اے اللہ! آخرت کی زندگی کے علاوہ اور کوئی زندگی نہیں، اس لیے تو مہاجرین اور انصار کی اصلاح فرما۔"

٦٤١٤ - حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ: حَدَّثَنَا

[6414] حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے،

الْفُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ: حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ السَّاعِدِيُّ قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ بِالْخَنْدَقِ وَهُوَ يَحْفِرُ وَنَحْنُ نَنْقُلُ التُّرَابَ، وَبَصُرَ بِنَا فَقَالَ: «اللَّهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَهْ فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَهْ».

انھوں نے کہا کہ ہم غزوۂ خندق کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ آپ خندق کھودتے تھے اور ہم مٹی اٹھاتے تھے۔ آپ نے ہمیں دیکھا تو فرمایا: ''اے اللہ! زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے، اس لیے تو انصار و مہاجرین کو معاف فرما دے۔''

تَابَعَهُ سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَهُ.

اس روایت کی متابعت حضرت سہل بن سعد ؓ نے بھی نبی ﷺ سے کی ہے۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین و انصار کے لیے خیر و برکت کی دعا فرمائی۔ آپ نے صحابۂ کرام ؓ کے درج ذیل جذبات کے اظہار پر یہ دعائیں فرمائیں: ہم وہ لوگ ہیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر اس امر کی بیعت کی ہے کہ ہم جب تک زندہ ہیں اسلام کے راستے پر گامزن رہیں گے۔[1] ② واضح رہے کہ صحابۂ کرام ؓ نے سخت سردی کے وقت خندق کھودی تھی۔ اس وقت ان کے پاس غلام وغیرہ بھی نہ تھے جو ان کی جگہ خندق کھودنے کا فریضہ سرانجام دیتے۔[2] ③ دنیا میں آرام و راحت اور خوش عیشی کی زندگی گزارنا اگرچہ حرام اور ناجائز نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کا مقام یہی ہے کہ وہ دنیا میں ناز و نعمت کی زندگی گزارنے کے بجائے آخرت کی عیش و عشرت پر نظر رکھیں۔ اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَة کا یہی مطلب ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل ؓ کو یمن روانہ کیا تو نصیحت فرمائی: ''اے معاذ! آرام طلبی اور خوش عیشی سے کنارہ کش رہنا، اللہ تعالیٰ کے خاص بندے آرام طلب اور خوش عیش نہیں ہوا کرتے۔''[3] ④ شارح ابن منیر فرماتے ہیں کہ لوگوں کی اکثریت صحت و فرصت کے باوجود جو خسارے میں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی کے مقابلے میں پسند کیا ہے، لہٰذا جس عیش و عشرت میں وہ مبتلا ہیں اس کی کچھ بھی حقیقت نہیں بلکہ وہ تو پانی کے بلبلے کی طرح ہے اور جس زندگی کو وہ نظرانداز کیے ہوئے ہیں اصل زندگی تو وہی ہے اور جس نے آخرت کی زندگی کو کھوٹا کر دیا دراصل وہ گھاٹے اور خسارے میں ہے۔[4]

(٢) بَابُ مَثَلِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ

باب: 2- آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿أَنَّمَا الْحَيَوٰةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿مَتَٰعُ الْغُرُورِ﴾ [الحديد: ٢٠].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: خوب جان لو! دنیا کی زندگی محض کھیل تماشا...... دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کا سامان ہے۔''

[1] صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4100. [2] صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4099. [3] مسند أحمد: 243/5، والصحيحة للألباني، حديث: 353. [4] المتواري، ص: 391.

وضاحت: اس آیت کریمہ کے مطابق دنیا کی حقیقت ایک کھیل تماشے کی سی ہے جس میں وقت ضائع کرنے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس میں انسان مال و دولت اور اولاد میں مشغول رہتا ہے اور ان سے دل لگاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی مثال اس بارش کو قرار دیا ہے جس سے نباتات اُگتی ہیں جو وقتی طور پر کاشتکار کو بھلی معلوم ہوتی ہیں بالآخر وہ بھس بن کر ختم ہو جاتی ہیں۔ یہ مثال دنیا کے زوال اور آخرت کے دوام پر دلالت کرتی ہے، اس بنا پر دنیاوی معاملات سے خبردار اور اخروی امور کی رغبت دلائی گئی ہے، یعنی کفار کو آخرت میں سخت عذاب دیا جائے گا جبکہ اہل ایمان سے اللہ تعالیٰ خوش ہو کر انھیں معاف کر دے گا۔ واللہ المستعان.

٦٤١٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سَهْلٍ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «مَوضِعُ سَوْطٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، وَلَغَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا».

[راجع: ٢٧٩٤]

[6415] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: ”جنت میں ایک کوڑا رکھنے کی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور اللہ کے راستے میں صبح کو یا شام کو چلنا بھی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔“

فوائد و مسائل: ① اگر جنت میں چھڑی رکھنے کی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کوڑے سے کم تر چیز دنیا و مافیہا کے برابر ہے۔ یہی حقیقت ایک دوسری حدیث میں بیان ہوئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال بس ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی ایک انگلی دریا میں ڈبو کر نکال لے، پھر دیکھے کہ پانی کی کتنی مقدار اس (انگلی) کو لگ کر آئی ہے۔“[1] مطلب یہ ہے کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا اس قدر بے حقیقت اور بے حیثیت ہے جتنا کہ دریا کے مقابلے میں انگلی پر لگا ہوا پانی۔ ② یہ مثال بھی صرف سمجھانے کے لیے ہے ورنہ دنیا کی آخرت کے مقابلے میں یہ نسبت بھی نہیں ہے۔ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب محدود اور متناہی اور اس کے مقابلے میں آخرت لامحدود اور لامتناہی ہے۔ محدود و متناہی اور لامحدود اور لامتناہی کے درمیان کوئی نسبت نہیں ہوتی۔ جب حقیقت یہ ہے تو وہ شخص کس قدر محروم ہے جو دنیا حاصل کرنے کے لیے تو خوب محنت کرے مگر آخرت کی تیاری کے لیے اسے کوئی فکر نہ ہو۔ واللہ المستعان. ③ اس سے بھی زیادہ وضاحت ایک دوسری حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک کان کٹے بکری کے مردہ بچے کے پاس سے ہوا تو آپ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی ایک درہم کے بدلے اس مرے ہوئے بچے کو خریدنا پسند کرے گا؟“ صحابہ نے کہا: ہم تو اسے کسی قیمت پر خریدنا پسند نہیں کریں گے۔ آپ نے فرمایا: ”اللہ کی قسم! دنیا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے جتنا ذلیل تمھارے نزدیک یہ بکری کا مردہ بچہ ہے۔“[2]

① صحيح مسلم، الجنة ونعيمها، حديث: 7197(2858). ② صحيح مسلم، الزهد، حديث: 7418(2957).

(٣) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ [أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ]»

باب: 3- فرمانِ نبوی: ''دنیا میں ایسے رہو گویا تم مسافر ہو یا راہ گیر'' کا بیان

٦٤١٦ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَبُو الْمُنْذِرِ الطُّفَاوِيُّ عَنِ الْأَعْمَشِ: حَدَّثَنِي مُجَاهِدٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَخَذَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِمَنْكِبِي فَقَالَ: «كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ».

[6416] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا شانہ پکڑ کر فرمایا: ''دنیا میں اس طرح رہو گویا تم مسافر ہو یا راستے پر چلنے والے ہو۔''

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ: إِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ، وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ. وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ، وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ.

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ فرمایا کرتے تھے: شام ہو جائے تو صبح کے منتظر نہ رہو اور صبح ہو جائے تو شام کا انتظار نہ کرو۔ تندرستی کی حالت میں وہ عمل کرو جو بیماری کے دنوں میں کام آئیں اور زندگی کو موت سے پہلے غنیمت خیال کرو۔

فوائد و مسائل: ① انسان کی سب سے بڑی بدبختی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور انجام آخرت سے بے فکر ہو کر نفسانی خواہشات اور دنیا کی فانی لذتوں ہی کو اپنا مقصد بنالے اور ہمیشہ اس کے لیے کوشاں رہے جبکہ رسول اللہ ﷺ کی دنیا کے متعلق تعلیم یہ ہے کہ اس میں پردیسی یا راستہ چلتے مسافر کی طرح رہا جائے۔ کوئی مسافر بھی اپنی راہ گزر کو اپنا اصل وطن نہیں سمجھتا اور وہاں رہنے کے لیے کوئی لمبے چوڑے انتظامات نہیں کرتا۔ اسی طرح مومن کو چاہیے کہ وہ اس دنیا کو اپنا اصل وطن خیال نہ کرے اور ایسی فکر نہ کرے گویا یہاں اس نے ہمیشہ رہنا ہے بلکہ موت کے بعد والی زندگی کو اصل اور مستقل زندگی یقین کرتے ہوئے اس کی فکر اور تیاری میں اس طرح لگا رہے گویا وہ زندگی اس کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ ② امام بخاری ؒ نے جو مضمون حضرت ابن عمر ؓ کی موقوف روایت کے حوالے سے بیان کیا، وہ ایک مرفوع روایت میں بھی ہے، چنانچہ حضرت ابن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں کے آنے سے پہلے غنیمت خیال کرو: اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، تندرستی کو بیماری سے پہلے، خوشحالی کو ناداری سے پہلے، فراغت کو مصروفیت سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے غنیمت خیال کرو۔''[1] مطلب یہ ہے کہ انسان کے حالات ایک جیسے نہیں رہتے، لہٰذا اسے چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ اسے کچھ کام کرنے کا موقع عطا فرمائے تو اسے غنیمت خیال کرتے ہوئے اخروی کامیابی حاصل کرنے کے لیے جو کچھ کر

---

① المستدرك للحاكم: 306/4.

سکتا ہو اس وقت کرے، کیا خبر کہ آئندہ اسے موقع نہ مل سکے۔ واللہ المستعان.

(٤) بَابٌ: فِي الْأَمَلِ وَطُولِهِ

باب: 4- آرزو اور اس کی رسی کا دراز ہونا

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿فَمَن زُحْزِحَ عَنِ ٱلنَّارِ وَأُدْخِلَ ٱلْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ الْآيَةَ [آل عمران: ١٨٥].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جو شخص دوزخ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو یقیناً وہ کامیاب ہو گیا۔''

﴿بِمُزَحْزِحِهِ﴾ [البقرة: ٩٦] بِمُبَاعِدِهِ.

﴿بمزحزحه﴾ کے معنی ہیں: ''ہٹانے والا۔''

وَقَوْلِهِ: ﴿ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا۟ وَيَتَمَتَّعُوا۟﴾ الْآيَةَ [الحجر: ٣].

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیں کہ کھا پی لیں اور مزے اڑا لیں۔''

وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ: ارْتَحَلَتِ الدُّنْيَا مُدْبِرَةً، وَارْتَحَلَتِ الْآخِرَةُ مُقْبِلَةً، وَلِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا بَنُونَ فَكُونُوا مِنْ أَبْنَاءِ الْآخِرَةِ وَلَا تَكُونُوا مِنْ أَبْنَاءِ الدُّنْيَا، فَإِنَّ الْيَوْمَ عَمَلٌ وَلَا حِسَابَ، وَغَدًا حِسَابٌ وَلَا عَمَلَ.

حضرت علی بن ابی طالب ؓ نے فرمایا: دنیا پیٹھ پھیرنے والی ہے اور آخرت سامنے آ رہی ہے۔ ان دونوں (دنیا و آخرت) میں سے ہر ایک کے طالب ہیں۔ تم آخرت کے طلبگار بنو، دنیا کے چاہنے والے نہ بنو۔ بلاشبہ آج عمل کا موقع ہے حساب نہیں اور کل حساب ہو گا عمل کا موقع نہیں ملے گا۔

وضاحت: خواہشات نفس کے پورے ہونے کی امید رکھنا اَمل کہلاتا ہے۔ بعض اوقات آدمی خیال کرتا ہے کہ ابھی بہت عمر باقی ہے، آخر جلدی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ عمر کے آخری حصے میں توبہ کر لیں گے۔ بڑھاپے میں اس قسم کی نفسانی خواہشات بہت زیادہ ہو جاتی ہیں اسی کو طول امل کہتے ہیں۔ اگر مختلف حدیثوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان دو بیماریوں نے امت کے بہت بڑے حصے کو برباد کیا ہے۔ جن لوگوں میں فکری اور نظریاتی گمراہی ہے وہ نفسانی خواہشات کا شکار ہیں اور جن کے اعمال خراب ہیں وہ لمبی امید اور محبت دنیا کے مرض میں گرفتار ہیں۔ اس کا علاج یہی ہے کہ انسان کے دل میں یہ یقین پیدا ہو جائے کہ یہ دنیوی زندگی فانی اور چند روزہ ہے اور آخرت ہی اصل زندگی ہے اور وہی ہمارا اصل مقام ہے۔ جب یہ یقین پیدا ہو جائے گا تو فکر اور عمل دونوں کی اصلاح آسان ہو جائے گی۔ واللہ المستعان.

٦٤١٧ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ مُنْذِرٍ، عَنْ رَبِيعِ بْنِ خُثَيْمٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: خَطَّ النَّبِيُّ ﷺ خَطًّا

[6417] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے ایک مربع خط کھینچا۔ پھر اس کے درمیان سے ایک اور خط کھینچا جو مربع خط سے باہر نکلا ہوا تھا۔ اس کے بعد آپ نے درمیانے اندرونی خط کے

مُرَبَّعًا، وَخَطَّ خَطًّا فِي الْوَسَطِ خَارِجًا مِنْهُ، وَخَطَّ خُطُطًا صِغَارًا إِلَى هٰذَا الَّذِي فِي الْوَسَطِ مِنْ جَانِبِهِ الَّذِي فِي الْوَسَطِ، فَقَالَ: «هٰذَا الْإِنْسَانُ، وَهٰذَا أَجَلُهُ مُحِيطٌ بِهِ - أَوْ قَدْ أَحَاطَ بِهِ - وَهٰذَا الَّذِي هُوَ خَارِجٌ أَمَلُهُ، وَهٰذِهِ الْخُطَطُ الصِّغَارُ الْأَعْرَاضُ، فَإِنْ أَخْطَأَهُ هٰذَا نَهَشَهُ هٰذَا، وَإِنْ أَخْطَأَهُ هٰذَا نَهَشَهُ هٰذَا».

دائیں بائیں دونوں جانب چھوٹے چھوٹے مزید خط کھینچے پھر فرمایا: ''یہ انسان ہے اور یہ اس کی موت ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہے۔ اور یہ خط جو باہر نکلا ہوا ہے وہ اس کی امید ہے۔ چھوٹے چھوٹے خطوط اس کی دنیاوی مشکلات ہیں۔ اگر انسان ایک مشکل سے بچ کر نکل جاتا ہے تو دوسری میں پھنس جاتا ہے اور اگر دوسری سے نکلتا ہے تو تیسری میں پھنس جاتا ہے۔''

٦٤١٨ - حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ: خَطَّ النَّبِيُّ ﷺ خُطُوطًا، فَقَالَ: «هٰذَا الْأَمَلُ وَهٰذَا أَجَلُهُ، فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ إِذْ جَاءَهُ الْخَطُّ الْأَقْرَبُ».

[6418] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے چند خطوط کھینچے پھر فرمایا: ''یہ انسان کی امید ہے اور یہ اس کی موت ہے۔ انسان اسی حالت میں رہتا ہے کہ قریب والا خط (موت) اس تک پہنچ جاتا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے جو خطوط کھینچے ان کی درج ذیل صورت بنتی ہے:
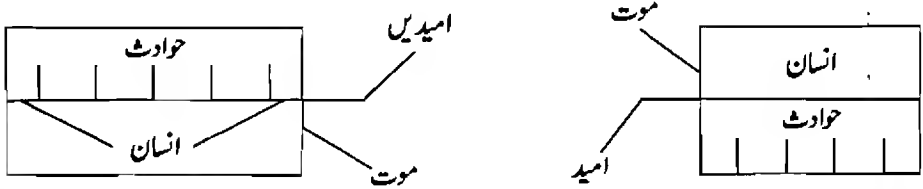
اس تمثیل سے رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سمجھائی ہے کہ انسان لمبی چوڑی خواہشات رکھتا ہے جو اس کی زندگی سے بھی باہر نکلی ہوتی ہیں، اچانک موت آ کر انسان کا خاتمہ کر دیتی ہے اور اس کی امیدیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں اور وہ ان کی تکمیل سے پہلے ہی فوت ہو جاتا ہے۔ شیطان نے بھی یہ حربہ استعمال کیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''شیطان انھیں وعدے اور انھیں امیدیں دلاتا ہے۔ شیطان کے وعدے فریب کے علاوہ کچھ نہیں ہوتے۔''[1] ② انسان جوں جوں بوڑھا ہوتا ہے، شیطان اس کے دل میں بے جا آرزوئیں پیدا کرتا رہتا ہے جن سے انسان کی حرص اور لمبی امیدوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ایسی ہی آرزوؤں کی تکمیل کے لیے وہ کئی قسم کے گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے یہاں تک کہ موت اسے یکدم آ کر دبوچ لیتی ہے اور اس کی لمبی چوڑی خواہشات کے سلسلے کو منقطع کر دیتی ہے۔ ③ بہر حال شیطان کا انسان کو گمراہ کرنے کے لیے وعدے اور امیدیں دلانا سب کچھ مکر و فریب ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے جنت کا جو وعدہ کیا ہے، وہ بالکل سچا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر سچا ہو بھی

[1] النسآء 4:120.

کون سکتا ہے؟ اَللّٰهُمَّ أَدْخِلْنَا الْجَنَّةَ الْفِرْدَوْسَ الْأَعْلٰى. (آمین)

(٥) بَابٌ مَنْ بَلَغَ سِتِّينَ سَنَةً فَقَدْ أَعْذَرَ اللهُ إِلَيْهِ فِي الْعُمُرِ

باب: 5- جو شخص ساٹھ برس کا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے عمر کے بارے میں اس کے لیے عذر کا کوئی موقع باقی نہیں رکھا

لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ ٱلنَّذِيرُ﴾. [فاطر: ٣٧]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”کیا ہم نے تمھیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اس میں اگر کوئی نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا اور تمھارے پاس خاص ڈرانے والا بھی آیا؟“

وضاحت: اس آیت سے پہلے کفار کی جہنم میں چیخ و پکار اور ان کی ایک فریاد کا ذکر ہے کہ وہ جہنم میں چیخ چیخ کر کہیں گے: ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں یہاں سے نکال تاکہ ہم نیک عمل کریں ویسے نہیں جیسے پہلے کیا کرتے تھے۔“ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا جس کا حوالہ امام بخاری رحمہ اللہ نے دیا ہے۔ کیا تمھیں اتنی عمر دنیا میں نہیں دی گئی تھی کہ اگر غور و فکر کر کے تم ایمان لانا چاہتے تو اس میں کوئی عذر مانع نہ تھا، اس کے علاوہ تمھارے پاس نبی بھی آئے جنھوں نے تمھیں تمھارے اس برے انجام سے پوری طرح آگاہ بھی کر دیا تھا۔ اس بات کا ان مجرموں کے پاس کوئی جواب نہ ہوگا۔ ”اتنی عمر“ سے مراد سن شعور ہے۔ بلوغت کے بعد انسان میں عقل و شعور آ جاتا ہے، وہ اپنا نفع و نقصان سوچنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اس عمر میں وہ شرعاً مکلف سمجھا جاتا ہے۔ اس عمر سے پہلے اگر کوئی مر جائے تو اس کا عذر قابل قبول ہو سکتا ہے لیکن جس شخص کو شعور کی عمر مل گئی تو اس پر مکمل حجت قائم ہو جاتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا قائم کردہ عنوان بھی یہی ہے۔

٦٤١٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ مُطَهَّرٍ: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ مَعْنِ بْنِ مُحَمَّدٍ الْغِفَارِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أَعْذَرَ اللهُ إِلَى امْرِئٍ أَخَّرَ أَجَلَهُ حَتَّى بَلَّغَهُ سِتِّينَ سَنَةً».

[6419] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کے عذر کے متعلق حجت تمام کر دی جس کی موت کو مؤخر کیا یہاں تک کہ وہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ گیا۔“

تَابَعَهُ أَبُو حَازِمٍ وَابْنُ عَجْلَانَ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ.

ابو حازم اور ابن عجلان نے سعید مقبری سے روایت کرنے میں معن بن یزید کی متابعت کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① انسانی عمر کے چار حصے ہیں: * سن طفولیت، جب تک وہ بالغ نہیں ہوتا۔ * سن شباب، جب وہ جوان ہوتا ہے۔ * سن کہولت، جب وہ ساٹھ برس کا ہو جائے۔ * سن شیخوخت، جب اس سے اوپر چلا جائے۔ اس عمر میں انسان کی

قوت کمزور پڑ جاتی ہے اور وہ انحطاط کا شکار ہو جاتا ہے۔ موت بھی اس کے سر پر منڈلانے لگتی ہے۔ جب انسان ساٹھ برس کا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام عذر مسترد کر دیتا ہے۔ انسان کا اس وقت یہ عذر قبول نہیں کیا جائے گا کہ اسے توبہ واستغفار کے لیے تھوڑی عمر ملی ہے کیونکہ سن بلوغ سے ساٹھ سال تک کافی وقت ہے جس میں انسان سوچ بچار کر کے صحیح راستہ اختیار کر سکتا ہے۔

...... ایک آرزو ......

- اے اللہ! میری اہلیہ کی وفات کے بعد میرا دل دنیا اور اہل دنیا سے اچاٹ ہو چکا ہے۔ اس وقت میری عمر ساٹھ سال سے دو سال کم ہے۔ میری خواہش ہے کہ عمر نبوت تریسٹھ سال سے پہلے تفسیر قرآن اور صحیحین کا ترجمہ اور فوائد مکمل ہو جائیں۔ میری اس خواہش کو پورا کر کے اپنے حضور میرا صدقۂ جاریہ قبول فرما۔
- اے اللہ! یہ بھی آرزو ہے کہ مرنے سے پہلے مجھے اپنی رحمت کے علاوہ کسی کا محتاج نہ کر۔ موت کے بعد بھی مجھے ذلت ورسوائی سے محفوظ رکھنا۔
- میری یہ بھی تمنا ہے کہ قیامت کے دن مجھے، میرے بیوی بچوں، والدین، بہن بھائیوں اور دوست احباب سمیت جنت الفردوس میں جگہ عطا فرما۔ آمین یا رب العالمین.

...... ابو محمد ......

٦٤٢٠ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا أَبُو صَفْوَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «لَا يَزَالُ قَلْبُ الْكَبِيرِ شَابًّا فِي اثْنَتَيْنِ: فِي حُبِّ الدُّنْيَا، وَطُولِ الْأَمَلِ».

[6420] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''بوڑھے انسان کا دل دو چیزوں کے بارے میں ہمیشہ جوان رہتا ہے: ان میں سے ایک دنیا کی محبت اور دوسرے لمبی امید ہے۔''

قَالَ لَيْثٌ: عَنْ يُونُسَ - وَابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ - عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدٌ وَأَبُو سَلَمَةَ.

لیث نے یونس سے بیان کیا۔ اور ابن وہب نے بھی یونس سے بیان کیا، انھوں نے ابن شہاب سے، انھوں نے کہا: مجھے سعید اور ابو سلمہ نے خبر دی۔

٦٤٢١ - حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَكْبَرُ ابْنُ آدَمَ، وَيَكْبَرُ

[6421] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''انسان کی عمر بڑھتی جاتی ہے اور اس کے ساتھ دو چیزیں بھی اس کے اندر پروان

مَعَهُ اثْنَتَانِ: حُبُّ الْمَالِ، وَطُولُ الْعُمُرِ». رَوَاهُ شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ.

چڑھتی جاتی ہیں: ایک مال کی محبت اور دوسری درازیٔ عمر کی خواہش۔'' اسے قتادہ سے شعبہ نے بیان کیا ہے۔

فوائدومسائل: ① واقعی یہ حقیقت ہے کہ جوں جوں انسان بوڑھا ہوتا جاتا ہے اس کی حرص اور خواہشات جواں ہوتی رہتی ہیں اور یہی دو باتیں تمام گناہوں کا سرچشمہ ہیں۔ حرص انسان کو قبول حق سے روکتی ہے اور لمبی امید کی وجہ سے انسان کو یہ خیال بھی نہیں آتا کہ اسے کسی وقت اس دنیا سے رخصت بھی ہونا ہے۔ اپنی موت اسے بھول کر بھی یاد نہیں آتی، حالانکہ ایسی آرزوئیں کسی کو ساری عمر حاصل ہوئی ہیں اور نہ ہوں گی۔ اس قسم کی خواہشات آخرت کو نظر انداز کر دینے کا باعث ہیں۔ ② دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کثرت مال اور لمبی عمر کی حرص کرنا انتہائی مذموم حرکت ہے۔ ان دو خصلتوں کی تخصیص اس لیے ہے کہ انسان کو اپنی جان بہت پیاری ہے، اس لیے اس کی زیادہ رغبت عمر کے باقی رہنے میں ہوتی ہے اور مال سے محبت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی دائمی صحت جس پر لمبی عمر کا دارومدار ہے، اس کی بقا مال و دولت پر منحصر ہے۔ جب بھی انسان عمر اور مال کا ختم ہونا محسوس کرتا ہے تو اس میں اس کی محبت اور اس کے دوام اور ہمیشگی میں رغبت زیادہ ہو جاتی ہے۔ واللہ أعلم.

(٦) بَابُ الْعَمَلِ الَّذِي يُبْتَغَى بِهِ وَجْهُ اللهِ تَعَالَى

باب: 6- وہ عمل جس میں اللہ کی رضا جوئی مطلوب ہو

فِيهِ سَعْدٌ.

اس میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ہے۔

وضاحت: جس کام سے بھی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی مقصود ہو اس پر ضرور ثواب ملے گا، خواہ وہ عام کام ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے سعد! تم جو خرچ بھی اللہ کی رضا جوئی کے لیے کرو گے اس پر تمھیں اجر ملے گا حتی کہ اگر تم اس نیت سے اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ ڈالو گے تب بھی اللہ کے ہاں اجر وثواب کے حق دار ہو گے۔''[1]

٦٤٢٢ - حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ، وَزَعَمَ مَحْمُودٌ أَنَّهُ عَقَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَقَالَ: وَعَقَلَ مَجَّةً مَجَّهَا مِنْ دَلْوٍ كَانَتْ فِي دَارِهِمْ [راجع: ٧٧]

[6422] حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ بات میرے ذہن میں خوب محفوظ ہے، انھیں یہ بھی یاد ہے کہ آپ ﷺ نے ان کے ایک ڈول میں سے پانی لے کر مجھ پر کلی کی تھی۔

٦٤٢٣ - قَالَ: سَمِعْتُ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيَّ ثُمَّ أَحَدَ بَنِي سَالِمٍ قَالَ: غَدَا عَلَيَّ

[6423] محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بیان کیا کہ میں نے عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، جو بنو سالم کے ایک فرد

① صحیح البخاري، الإیمان، حدیث: 56.

رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «لَنْ يُوَافِيَ عَبْدٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَقُولُ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، يَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللهِ إِلَّا حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ النَّارَ». [راجع: ٤٢٤]

ہیں، انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ میرے ہاں تشریف لائے اور فرمایا: ''جب کوئی بندہ قیامت کے دن بایں حالت پیش ہوگا کہ اس نے کلمۂ لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا ہوگا اور اس اقرار سے مقصود اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا ہوگی تو اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ کو اس پر حرام کردے گا۔''

فوائدومسائل: ① کلمہ طیبہ کا صحیح اقرار یہ ہے کہ اس کے تقاضوں کے مطابق اپنے عمل اور عقیدے کو بھی درست رکھا جائے۔ عمل اور عقیدے کی درستی کے بغیر محض زبانی طور پر یہ کلمہ پڑھنا بے کار ہے۔ ② یہ بھی واضح رہے کہ اس اقرار کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو ماننا بھی ضروری ہے۔ رسالت کے تسلیم کیے بغیر اگر کوئی الوہیت کا اقرار کرتا ہے تو اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہے۔ واللہ المستعان.

٦٤٢٤ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «يَقُولُ اللهُ تَعَالَى: مَا لِعَبْدِي الْمُؤْمِنِ عِنْدِي جَزَاءٌ إِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهُ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا، ثُمَّ احْتَسَبَهُ إِلَّا الْجَنَّةَ».

[6424] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے اس مومن بندے کے لیے میرے پاس جنت کے علاوہ اور کوئی بدلہ نہیں جس کی کوئی محبوب اور پیاری چیز میں دنیا سے قبض کر لوں اور وہ اس پر صبر کر کے ثواب کا طالب رہے۔''

فوائدومسائل: ① بندۂ مومن کے ہر کام میں ثواب کی امید کی جا سکتی ہے بشرطیکہ طلب ثواب کی نیت ہو۔ اس نیت کو شریعت نے احتساب کا نام دیا ہے، بلکہ ہر مصیبت اور پریشانی میں اگر ثواب کی نیت سے صبر کیا جائے تو اس میں بھی ثواب کا وعدہ ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں ہے۔ ② واضح رہے کہ حدیث میں ''محبوب چیز'' سے مراد عام ہے، خواہ کوئی پیارا بچہ ہو یا اور کوئی پیاری چیز، اس بنا پر اگر کسی کا بچہ فوت ہو جائے یا اس کی بینائی جاتی رہے اور وہ اس پر ثواب کی نیت سے صبر کرے تو اللہ تعالیٰ نے اسے جنت دینے کا وعدہ کیا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک آدمی آتا تھا اور اس کے ساتھ اس کا چھوٹا بیٹا بھی آیا کرتا تھا۔ چند دن وہ آپ کی مجلس سے غائب ہوا تو آپ ﷺ نے اس کے متعلق دریافت فرمایا؟ لوگوں نے بتایا کہ اس کا بیٹا فوت ہو گیا ہے، اس لیے وہ پریشان ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا اسے یہ بات پسند نہیں کہ وہ جنت کے کسی بھی دروازے کے پاس جائے تو اپنے بیٹے کو وہاں انتظار کرتا پائے؟'' یہ بشارت سن کر ایک آدمی نے کہا: اللہ کے رسول! کیا یہ خوشخبری صرف اس آدمی کے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تم سب کے لیے ہے۔''[1]

[1] مسند أحمد: 436/3.

(٧) بَابُ مَا يُحْذَرُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا وَالتَّنَافُسِ فِيهَا

باب: 7- دنیا کی بہاریں اور ان میں دلچسپی لینے سے گریز کرنے کا بیان

٦٤٢٥ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عُقْبَةَ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ قَالَ: قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: أَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَمْرَو بْنَ عَوْفٍ - وَهُوَ حَلِيفٌ لِبَنِي عَامِرِ ابْنِ لُؤَيٍّ كَانَ شَهِدَ بَدْرًا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ - أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ بَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ إِلَى الْبَحْرَيْنِ يَأْتِي بِجِزْيَتِهَا، وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ هُوَ صَالَحَ أَهْلَ الْبَحْرَيْنِ وَأَمَّرَ عَلَيْهِمُ الْعَلَاءَ بْنَ الْحَضْرَمِيِّ، فَقَدِمَ أَبُو عُبَيْدَةَ بِمَالٍ مِنَ الْبَحْرَيْنِ فَسَمِعَتِ الْأَنْصَارُ بِقُدُومِهِ فَوَافَقَتْ صَلَاةَ الصُّبْحِ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَلَمَّا انْصَرَفَ تَعَرَّضُوا لَهُ فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حِينَ رَآهُمْ وَقَالَ: «أَظُنُّكُمْ سَمِعْتُمْ بِقُدُومِ أَبِي عُبَيْدَةَ وَأَنَّهُ جَاءَ بِشَيْءٍ؟» قَالُوا: أَجَلْ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «فَأَبْشِرُوا وَأَمِّلُوا مَا يَسُرُّكُمْ، فَوَاللهِ مَا الْفَقْرَ أَخْشَى عَلَيْكُمْ، وَلٰكِنْ أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا وَتُلْهِيَكُمْ كَمَا أَلْهَتْهُمْ». [راجع: ٣١٥٨]

[6425] حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جو بنو عامر بن لؤی کے حلیف ہیں اور غزوۂ بدر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ شریک تھے۔ انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بحرین میں جزیہ وصول کرنے کے لیے روانہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل بحرین سے صلح کر لی تھی اور ان پر حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا تھا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بحرین سے مال لے کر آئے تو انصار نے ان کے آنے کی خبر سنی اور نماز فجر رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ادا کی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو انصار آپ کے سامنے آ گئے۔ آپ انھیں دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: ”میرا خیال ہے کہ تم نے ابوعبیدہ کے آنے کی خبر سنی ہے اور تمھیں یہ بھی معلوم ہوا ہوگا کہ وہ کچھ لے کر آئے ہیں؟“ انصار نے کہا: ہاں، اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: ”تمھیں خوشخبری ہو اور تم اس کی امید رکھو جو تمھیں خوش کر دے گی، اللہ کی قسم! مجھے تمھارے فقر و تنگدستی کا اندیشہ نہیں بلکہ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ دنیا تم پر بھی اسی طرح کشادہ کر دی جائے گی جیسے تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ کر دی گئی تھی اور تم بھی اس کے حصول کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی اسی طرح کوشش کرو گے جس طرح وہ کرتے تھے اور وہ تمھیں بھی اسی طرح غافل کر دے گی جس طرح ان لوگوں کو غافل کیا تھا۔“

فائدہ: رسول اللہ ﷺ کے سامنے کچھ اگلی قوموں اور امتوں کا تجربہ تھا کہ جب ان کے ہاں دنیا کی ریل پیل ہوئی تو ان میں دنیوی حرص اور دولت کی چاہت اور زیادہ بڑھ گئی، پھر وہ دنیا کے دیوانے اور متوالے ہو گئے اور اصل مقصد زندگی کو فراموش

کر دیا، پھر اس وجہ سے ان میں باہمی حسد وبغض بھی پیدا ہوا، بالآخر دنیا پرستی نے انھیں تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اپنی امت کے متعلق بھی اس قسم کا اندیشہ تھا، اس لیے آپ نے اس خطرے سے آگاہ کیا اور فرمایا: ''مجھے تم پر فقر و ناداری کے حملے کا اتنا ڈر نہیں بلکہ اس کے برعکس دنیا پرستی میں مبتلا ہو کر تمھارے ہلاک ہونے کا مجھے زیادہ خوف اور ڈر ہے۔'' آپ ﷺ کا مدعا اس خوش نما فتنے کی خطرناکی سے امت کو آگاہ کرنا ہے۔ بعد میں آنے والے حالات سے یہ واضح ہو گیا کہ آپ ﷺ کی پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور مسلمان دنیاوی محبت میں پھنس کر اسلام اور فکر آخرت سے غافل ہو گئے جس کے نتیجے میں بے دینی اور انحطاط نے دنیائے اسلام کو گھیر رکھا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بجا طور پر فرمایا ہے: ''اگر ابن آدم کے پاس خزانوں سے بھری ہوئی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کی تلاش میں نکل کھڑا ہو گا۔ ابن آدم کا پیٹ تو صرف قبر کی مٹی ہی بھرے گی، اللہ تعالیٰ تو اپنی مہربانی اس پر کرتا ہے جو اپنا رخ اس کی طرف کر لیتا ہے۔''[1]

٦٤٢٦ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ ابْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَوْمًا فَصَلَّى عَلَى أَهْلِ أُحُدٍ صَلَاتَهُ عَلَى الْمَيِّتِ ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ: «إِنِّي فَرَطٌ لَكُمْ وَأَنَا شَهِيدٌ عَلَيْكُمْ، وَإِنِّي وَاللهِ لَأَنْظُرُ إِلَى حَوْضِي الْآنَ، وَإِنِّي قَدْ أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ - أَوْ مَفَاتِيحَ الْأَرْضِ - وَإِنِّي وَاللهِ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي وَلٰكِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنَافَسُوا فِيهَا». [راجع: ١٣٤٤]

[6426] حضرت عقبہ بن عامر ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک مرتبہ باہر تشریف لے گئے اور احد کے شہداء پر اس طرح نماز جنازہ پڑھی جس طرح میت پر پڑھی جاتی ہے۔ پھر آپ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا: ''میں تمھارا ''میر سفر'' ہوں گا اور تم پر گواہی دوں گا۔ اللہ کی قسم! میں اب اپنا حوض دیکھ رہا ہوں۔ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں۔ اللہ کی قسم! مجھے تمھارے متعلق یہ اندیشہ نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرنے لگو گے لیکن مجھے یہ خطرہ ضرور ہے کہ تم حصول دنیا کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو گے۔''

فوائد ومسائل: ① دنیا کی بہاریں اور اس کی رنگینی جس پر کھول دی جائے اسے چاہیے کہ اس کے برے انجام اور سنگین نتائج سے بچنے کی کوشش کرے۔ اسے دیکھ کر خود کو مطمئن نہ کرے اور نہ اس کے متعلق کسی دوسرے سے آگے بڑھنے کی تگ ودو ہی کرے۔ ② اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فقر وتنگدستی کا درجہ مال داری اور تونگری سے زیادہ ہے کیونکہ دنیا کا فتنہ مال ودولت سے وابستہ ہے، بعض اوقات یہ فتنہ انسان کو ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے جبکہ فقیر وتنگدست انسان ان تمام قسم کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔[2] ③ رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ چٹائی پر سوئے ہوئے تھے۔ جب بیدار ہوئے تو نرم ونازک جسم پر چٹائی کے نشان پڑ چکے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے عرض کی: اللہ کے رسول! اگر آپ حکم دیں تو ہم کسی بستر کا انتظام کر دیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ''مجھے دنیا اور اس کے ساز وسامان سے کیا غرض ہے؟ میرا تعلق تو دنیا کے ساتھ اس مسافر جیسا ہے جو کچھ

---

(1) صحيح البخاري، الرقاق، حديث: 6436. (2) فتح الباري: 295/11.

دیر سایہ لینے کے لیے درخت کے نیچے ٹھہرا پھر اسے چھوڑ کر اپنی منزل کی طرف چل دیا۔"[1]

٦٤٢٧ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ أَكْثَرَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ مَا يُخْرِجُ اللهُ لَكُمْ مِنْ بَرَكَاتِ الْأَرْضِ»، قِيلَ: وَمَا بَرَكَاتُ الْأَرْضِ؟ قَالَ: «زَهْرَةُ الدُّنْيَا». فَقَالَ رَجُلٌ: هَلْ يَأْتِي الْخَيْرُ بِالشَّرِّ؟ فَصَمَتَ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ يُنْزَلُ عَلَيْهِ، ثُمَّ جَعَلَ يَمْسَحُ عَنْ جَبِينِهِ فَقَالَ: «أَيْنَ السَّائِلُ؟» قَالَ: أَنَا، قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: لَقَدْ حَمِدْنَاهُ حِينَ طَلَعَ لِذٰلِكَ، قَالَ: «لَا يَأْتِي الْخَيْرُ إِلَّا بِالْخَيْرِ، إِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ، وَإِنَّ كُلَّ مَا أَنْبَتَ الرَّبِيعُ يَقْتُلُ حَبَطًا أَوْ يُلِمُّ إِلَّا آكِلَةَ الْخَضِرَةِ، أَكَلَتْ حَتَّى إِذَا امْتَدَّتْ خَاصِرَتَاهَا اسْتَقْبَلَتِ الشَّمْسَ اجْتَرَّتْ وَثَلَطَتْ وَبَالَتْ، ثُمَّ عَادَتْ فَأَكَلَتْ، وَإِنَّ هٰذَا الْمَالَ حُلْوَةٌ، مَنْ أَخَذَهُ بِحَقِّهِ وَوَضَعَهُ فِي حَقِّهِ فَنِعْمَ الْمَعُونَةُ هُوَ، وَمَنْ أَخَذَهُ بِغَيْرِ حَقِّهِ كَانَ كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ». [راجع: ٩٢١]

[6427] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بے شک مجھے تمھارے متعلق سب سے زیادہ اندیشہ اس بات کا ہے جب اللہ تعالیٰ تمھارے لیے زمین کی برکات نکال دے گا۔" عرض کی گئی: زمین کی برکات کیا ہیں؟ فرمایا: "دنیا کی چمک دمک۔" اس پر ایک آدمی نے پوچھا: کیا بھلائی سے برائی پیدا ہوسکتی ہے؟ نبی ﷺ یہ سن کر خاموش ہوگئے، حتی کہ میں نے گمان کیا کہ شاید آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ اس کے بعد آپ نے پیشانی سے پسینہ صاف کرتے ہوئے فرمایا: "سائل کہاں ہے؟" اس نے کہا: میں حاضر ہوں۔ جب اس سوال کا حل سامنے آیا تو ہم نے اس آدمی کی تعریف کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "بھلائی سے تو صرف بھلائی ہی پیدا ہوتی ہے لیکن یہ مال سرسبز اور میٹھا ہوتا ہے اور جو گھاس بھی موسم بہار میں پیدا ہوتی ہے وہ حرص کے ساتھ کھانے والوں کو ہلاک کر دیتی ہے یا ہلاکت کے قریب پہنچا دیتی ہے۔ ہاں، وہ جانور جو پیٹ بھر کر کھائے، جب اس نے کھا لیا اور اس کی دونوں کوکھیں بھر گئیں تو اس نے سورج کی طرف منہ کر کے جگالی کرنا شروع کر دی، پھر لید اور پیشاب کیا، اس کے بعد وہ پھر لوٹ کر آیا اور گھاس کھائی۔ بلاشبہ یہ مال بہت شیریں ہے لیکن اس شخص کے لیے جس نے اسے حق کے ساتھ لیا اور حق ہی میں صرف کیا یہ تو بہت ہی اچھا ہے۔ اور جس نے اسے ناجائز ذرائع سے حاصل کیا تو وہ اس شخص کی طرح ہے جو کھاتا تو ہے لیکن سیر نہیں ہوتا۔"

[1] مسند أحمد: 441/1.

فوائدومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے اعتدال کے ساتھ گھاس چرنے والے حیوان کی مثال دے کر اعتدال پسندی کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور جو جانور بے اعتدالی سے اس گھاس کو کھاتا ہے وہ بدہضمی سے ہلاک ہوتا ہے یا بیماری اسے دبوچ لیتی ہے۔ دنیا کے مال و متاع کی بھی یہی مثال ہے۔ یہاں بھی ہر حال میں اعتدال اور میانہ روی بہت ضروری ہے۔ ② قرآن کریم میں ہے: ''یہ مال و اولاد تو محض دنیوی زندگی کی زینت ہیں اور آپ کے پروردگار کے ہاں باقی رہنے والی نیکیاں ہی ثواب کے لحاظ سے اور اچھی امیدیں لگانے کے اعتبار سے بہت بہتر ہیں۔''[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ مال و اولاد انسان کے لیے دلچسپی کا سامان ضرور ہیں لیکن ان چیزوں پر ایسا فریفتہ نہیں ہونا چاہیے کہ انسان اللہ تعالیٰ اور اخروی زندگی کو ہی فراموش کر کے صرف انھی چیزوں کو اپنا مقصودِ زندگی بنا لے بلکہ ان چیزوں کو اللہ کے راستے میں لگا کر اپنی آخرت کو بہتر بنانے کی کوشش کی جائے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا: ''جو شخص اللہ سے ڈرے، اس کے لیے مال داری میں کوئی حرج نہیں، صحت مندی صاحب تقوی کے لیے دولت مندی سے بھی بہتر ہے اور خوش دلی بھی اللہ کی نعمتوں میں سے ہے۔''[2] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دولت مندی اور مال داری اگر تقوی کے ساتھ ہو تو اس میں دین کو کوئی خطرہ نہیں بلکہ اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو بھی یہی دولت، جنت کے اعلیٰ درجات تک پہنچنے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ دولت مندی کے ساتھ فکر آخرت اور اتباع شریعت کی توفیق بہت ہی کم لوگوں کو ملتی ہے، اکثر لوگ دولت کے نشے میں بہک جاتے ہیں۔ واللہ المستعان.

٦٤٢٨ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا جَمْرَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي زَهْدَمُ بْنُ مُضَرِّبٍ قَالَ: سَمِعْتُ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «خَيْرُكُمْ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ - قَالَ عِمْرَانُ: فَمَا أَدْرِي قَالَ النَّبِيُّ ﷺ بَعْدَ قَوْلِهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا - ثُمَّ يَكُونُ بَعْدَهُمْ قَوْمٌ يَشْهَدُونَ وَلَا يُسْتَشْهَدُونَ، وَيَخُونُونَ وَلَا يُؤْتَمَنُونَ، وَيَنْذِرُونَ وَلَا يُوفُونَ، وَيَظْهَرُ فِيهِمُ السِّمَنُ». [راجع: ٢٦٥١]

[6428] حضرت عمران بن حصین ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''تم میں سب سے بہتر زمانہ میرا ہے، پھر ان لوگوں کا زمانہ ہے جو ان کے بعد ہوں گے ...... حضرت عمران ؓ کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ نبی ﷺ نے اس ارشاد کو دو مرتبہ دہرایا یا تین مرتبہ...... پھر ان کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو گواہی دیں گے لیکن ان سے گواہی طلب نہیں کی جائے گی۔ وہ خیانت کریں گے اور ان پر سے اعتماد جاتا رہے گا۔ وہ نذر مانیں گے لیکن اسے پورا نہیں کریں گے اور ان میں موٹاپا ظاہر ہوگا۔''

٦٤٢٩ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبِيدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ

[6429] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں، پھر وہ جو ان سے متصل

[1] الكهف 18:46. [2] مسند أحمد: 372/5.

الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُم، ثُمَّ يَجِيءُ مِنْ بَعْدِهِمْ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَتُهُمْ أَيْمَانَهُمْ، وَأَيْمَانُهُمْ شَهَادَتَهُمْ». [راجع: ٢٦٥٢]

ہیں، پھر وہ جو ان کے بعد ہوں گے۔ پھر ان کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو قسم سے پہلے گواہی دیں گے اور کبھی گواہی سے پہلے قسم کھائیں گے۔''

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے تین زمانوں کو بہترین زمانہ قرار دیا ہے۔ واقعی یہ وقت خیر و برکت کا تھا۔ اس کے بعد عجیب وغریب بدعات نے سر نکالا۔ فلاسفہ پیدا ہوئے جو دین اسلام کو خود ساختہ عقل کے آئینے میں دیکھنے لگے۔ معتزلہ نے زبانیں کھولیں، پھر اہل علم کو فتنۂ خلق قرآن سے دوچار ہونا پڑا۔ حالات تبدیل ہو گئے۔ سنگین قسم کے اختلافات پیدا ہو گئے اور روز بروز احکام شریعت میں کمی ہونے لگی۔ ② دینی معاملات میں انحطاط اس قدر ہو گا کہ جھوٹی گواہی دینے یا جھوٹی قسم اٹھانے میں انھیں کوئی تردد نہیں ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ جھوٹی گواہی دینے والوں کی کثرت ہے۔ ہمارے عدالتی نظام میں دولت کے بل بوتے پر ہر قسم کے گواہ دستیاب ہیں۔ امانتوں میں خیانت کرنے والوں کی کمی نہیں ہے۔ قومی خزانے کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا جا رہا ہے، پھر عہد و پیمان کر کے اسے توڑنے والوں کی بہتات ہے۔ ایسے لوگ ناجائز پیسہ حاصل کر کے جسمانی اعتبار سے موٹی موٹی توندوں والے بکثرت دیکھے جا سکتے ہیں، خاص طور پر محکمہ پولیس میں اعلیٰ افسران اس کی زندہ مثال ہیں۔ یہ لوگ موٹاپے کو پسند کرتے ہیں، اگرچہ طبعی طور پر موٹاپا مذموم نہیں لیکن فکر آخرت رکھنے والے انسان کو نہ تو موٹاپا آتا ہے اور نہ اس کی توند ہی بڑھتی ہے۔ واللہ المستعان.

٦٤٣٠ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ قَيْسٍ قَالَ: سَمِعْتُ خَبَّابًا وَقَدِ اكْتَوَى يَوْمَئِذٍ سَبْعًا فِي بَطْنِهِ وَقَالَ: لَوْلَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَانَا أَنْ نَدْعُوَ بِالْمَوْتِ لَدَعَوْتُ بِالْمَوْتِ، إِنَّ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ ﷺ مَضَوْا وَلَمْ تَنْقُصْهُمُ الدُّنْيَا بِشَيْءٍ، وَإِنَّا أَصَبْنَا مِنَ الدُّنْيَا مَا لَا نَجِدُ لَهُ مَوْضِعًا إِلَّا التُّرَابَ. [راجع: ٥٦٧٢]

[6430] حضرت قیس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے سنا، انھوں نے (بیماری کی وجہ سے) اس دن اپنے پیٹ پر سات داغ لگائے تھے، انھوں نے کہا: اگر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں موت مانگنے سے منع نہ کیا ہوتا تو میں اپنے لیے موت کی دعا ضرور کرتا۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم گزر گئے لیکن دنیا نے ان کے ثواب میں کچھ کمی نہ کی، البتہ ہم نے دنیا میں اس قدر مال حاصل کیا کہ مٹی کے سوا اس کے لیے اور کوئی جگہ نہیں۔''

٦٤٣١ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنِي قَيْسٌ قَالَ: أَتَيْتُ خَبَّابًا وَهُوَ يَبْنِي حَائِطًا لَهُ فَقَالَ: إِنَّ أَصْحَابَنَا الَّذِينَ مَضَوْا لَمْ تَنْقُصْهُمُ الدُّنْيَا شَيْئًا،

[6431] حضرت قیس سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا جبکہ وہ اپنے مکان کی دیوار بنا رہے تھے، انھوں نے فرمایا: ہمارے ساتھی جو گزر گئے ہیں، دنیا نے ان کے نیک اعمال میں کچھ بھی کمی

وَإِنَّا أَصَبْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ شَيْئًا لَا نَجِدُ لَهُ مَوْضِعًا إِلَّا فِي التُّرَابِ. [راجع: ٥٦٧٢]

نہیں کی لیکن ان کے بعد ہمیں اس قدر دولت ملی کہ ہمیں خرچ کرنے کے لیے کوئی جگہ نہیں ملتی، سوائے مٹی کے، یعنی عمارات بنانے میں اسے خرچ کر رہے ہیں۔

٦٤٣٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ عَنْ سُفْيَانَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيقٍ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ خَبَّابٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: هَاجَرْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، قِصَّهُ. [راجع: ١٢٧٦]

[6432] حضرت خباب ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم نے نبی ﷺ کے ہمراہ ہجرت کی تھی...... اس کے بعد اپنا واقعہ بیان کیا۔

فوائد و مسائل: ① ان احادیث میں حضرت خباب بن ارت ؓ کے واقعات کو ایک خاص تسلسل سے بیان کیا گیا ہے کہ پہلے تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اپنا گھر بار چھوڑا اور رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ہجرت کی۔ ہجرت کرنے والوں میں کچھ ایسے حضرات بھی تھے جنھوں نے دنیا سے کچھ حاصل نہ کیا۔ ان میں سے حضرت مصعب بن عمیر ؓ بھی تھے جنھیں وفات کے بعد پورا کفن بھی نصیب نہ ہوا۔ ایسے لوگ فتوحات کے نتیجے میں حاصل ہونے والا آرام نہ پاسکے بلکہ انھوں نے اپنی ساری نیکیاں آخرت کے لیے ہی جمع کر لیں۔ کچھ لوگوں نے فتوحات کا زمانہ پایا۔ انھوں نے اس کے نتیجے میں دنیا کا آرام اور مال و متاع حاصل کیا اور بڑے بڑے مکانات تعمیر کیے۔ انھیں اس قدر دولت ملی کہ پانی مٹی کے علاوہ انھیں اپنی دولت کا کوئی مصرف نظر نہیں آتا۔ ② گرمی، سردی اور بارش وغیرہ سے محفوظ رہنے کے لیے اگرچہ مکان ضروری ہے لیکن بے جا عمارتیں کھڑی کرنا، محض فخر و مباہات اور نمود و نمائش کے لیے کئی کئی منزلہ پلازے تعمیر کرنا اسلامی مزاج کے خلاف ہے، اسے کسی صورت میں اچھا کام نہیں کہا جاسکتا۔ امام بخاری ؒ کا ان احادیث سے یہی مقصود ہے کہ انسان کا بڑی بڑی عمارتوں پر اپنی دولت صرف کرنا دنیا کی زیب و زینت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ اسلام کا مزاج قطعاً اس کی اجازت نہیں دیتا۔ واللہ المستعان.

(٨) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ﴾ الْآيَةَ إِلَى قَوْلِهِ ﴿مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾ [فاطر: ٥-٦]

باب: 8- ارشاد باری تعالیٰ: ''لوگو! یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے...... جہنم کا ایندھن بن جائیں'' کا بیان

جَمْعُهُ سُعُرٌ، وَقَالَ مُجَاهِدٌ: الْغَرُورُ: الشَّيْطَانُ.

سعیر کی جمع سُعُر ہے۔ اور مجاہد نے کہا: الغرور سے مراد شیطان ہے۔

وضاحت: اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ تمھیں دنیا سے فوت کرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا، پھر تمھارا حساب کتاب ہوگا اور وہ ثواب و عقاب کا فیصلہ کرے گا، لیکن شیطان تمھیں اس وعدے سے پھیرنے کے لیے دنیا میں فریب کا جال بچھاتا ہے تاکہ تم

اللہ تعالیٰ کے نافرمان بن جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دشمنی اور طریقۂ واردات کو واضح طور پر بیان کیا ہے اور انسان کو اس کے دھوکے میں آنے سے روکا ہے۔ اس کے دھوکے کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک صورت درج ذیل حدیث میں بیان کی گئی ہے۔

٦٤٣٣ - حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ الْقُرَشِيِّ: أَخْبَرَنِي مُعَاذُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ ابْنَ أَبَانَ أَخْبَرَهُ قَالَ: أَتَيْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ بِطَهُورٍ وَهُوَ جَالِسٌ عَلَى الْمَقَاعِدِ فَتَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَتَوَضَّأُ وَهُوَ فِي هٰذَا الْمَجْلِسِ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ قَالَ: «مَنْ تَوَضَّأَ مِثْلَ هٰذَا الْوُضُوءِ ثُمَّ أَتَى الْمَسْجِدَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ جَلَسَ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ». قَالَ: وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا تَغْتَرُّوا».

[راجع: ١٥٩]

[6433] حمران بن ابان سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس وضو کا پانی لے کر حاضر ہوا جبکہ وہ چبوترے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے اچھی طرح وضو کرنے کے بعد فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو اسی جگہ وضو کرتے دیکھا ہے، آپ نے اچھی طرح وضو کیا، پھر فرمایا: ''جس نے اس طرح وضو کیا، پھر مسجد میں آیا اور دو رکعتیں ادا کیں، پھر وہیں بیٹھا رہا تو اس کے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔'' انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے (یہ بھی) فرمایا: ''اس پر مغرور نہ ہو جاؤ۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں شیطان کی طرف سے دھوکا دینے کی ایک صورت بیان کی گئی ہے کہ اب تمھارے پہلے گناہ تو معاف کر دیے گئے ہیں، لہٰذا مزید گناہ سر عام کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: تم اس دھوکے میں مت پڑو کہ تمھارے سب گناہ معاف ہو گئے ہیں بلکہ اس سے صرف صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں۔ باقی رہے کبیرہ گناہ تو وہ توبہ و استغفار سے معاف ہوں گے۔ اسی طرح جو حقوق العباد ہیں وہ بھی حق داروں کے معاف کرنے سے ہی معاف ہوں گے۔ ② واضح رہے کہ جو انسان ڈھٹائی اور اصرار سے صغیرہ گناہ کرتا ہے۔ ایسا گناہ بھی کبیرہ کا درجہ رکھتا ہے۔ یاد رہے کہ حضرت حمران سے تین قسم کی روایات مروی ہیں: ٭ صرف وضو کرنے سے گناہ معاف ہو جائیں گے، پھر اس کی نماز اور نماز کے لیے مسجد کی طرف جانا ایک اضافی عمل ہے جس کا الگ سے ثواب ملنے کی توقع ہے۔[1] ٭ جب اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت پڑھے اور دلی خیالات میں مصروف نہ ہو تو اس کے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔[2] اس میں فرض نماز کا ذکر نہیں ہے۔ ٭ اچھی طرح وضو کر کے فرض نماز با جماعت یا مسجد میں ادا کرے تو اس نماز سے پہلے کیے گئے گناہ معاف ہو جاتے ہیں بشرطیکہ کبیرہ گناہ کا مرتکب نہ ہو۔[3] اس میں دلی خیالات کو ترک کرنے کی پابندی نہیں ہے۔ واللہ أعلم. ③ امام بخاری رحمہ اللہ کا اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ انسان کو دھوکے باز شیطان کی طرف سے ہوشیار رہنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ انسان سمجھے کہ سب گناہ معاف کر دیے گئے اب فکر ہی کیا ہے؟

---

① صحيح مسلم، الطهارة، حديث: 544 (229). ② صحيح البخاري، الوضوء، حديث: 159. ③ صحيح مسلم، الطهارة، حديث: 543 (228).

(٩) بَابُ ذَهَابِ الصَّالِحِينَ

باب:9- نیک لوگوں کا فوت ہو جانا

وَيُقَالُ: الذِّهَابُ الْمَطَرُ.

الذِّهاب، بارش کو بھی کہا جاتا ہے۔

وضاحت: لفظ ذَهَاب تو چلے جانے اور بارش میں مشترک ہے، البتہ اگر ذال کے فتحہ (زبر) کے ساتھ ہو تو اس کے معنی گزر جانا اور جب اس کے کسرہ (زیر) کے ساتھ ہو تو بارش کو کہا جاتا ہے۔ عربی میں الذهبة، بکسر الذال ہلکی سی بارش کو کہتے ہیں جس کی جمع ذِهَابٌ ہے۔[1]

٦٤٣٤ - حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ بَيَانٍ، عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ مِرْدَاسٍ الْأَسْلَمِيِّ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَذْهَبُ الصَّالِحُونَ الْأَوَّلُ فَالْأَوَّلُ وَيَبْقَى حُفَالَةٌ كَحُفَالَةِ الشَّعِيرِ أَوِ التَّمْرِ، لَا يُبَالِيهِمُ اللهُ بَالَةً».

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: يُقَالُ: حُفَالَةٌ وَحُثَالَةٌ.

[راجع: ٤١٥٦]

[6434] حضرت مرداس اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "نیک لوگ یکے بعد دیگرے گزر جائیں گے اس کے بعد کچھ لوگ جو کے بھوسے یا کھجور کے کچرے کی طرح دنیا میں رہ جائیں گے جن کی اللہ تعالیٰ کو کچھ پروا نہیں ہوگی۔"

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ حفالة اور حثالة کے معنی ایک ہیں۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے قریب یہ زمین علماء اور اہل خیر سے خالی ہو جائے گی اور اس میں صرف جاہل اور اہل شر باقی رہ جائیں گے، جن کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی قدر و منزلت نہیں ہوگی اور نہ وہ کسی شمار ہی میں ہوں گے۔ ② اہل دنیا کو چاہیے کہ وہ علماء اور اہل خیر کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں اور ان کے نقش قدم پر چلیں، ان کی مخالفت سے اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مخالفین کی کوئی پروا نہ کرے۔ واللہ أعلم.

(١٠) بَابُ مَا يُتَّقَى مِنْ فِتْنَةِ الْمَالِ

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّمَآ أَمْوَٰلُكُمْ وَأَوْلَٰدُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ [التغابن: ١٥].

باب:10- مال و دولت کے فتنے سے ڈرتے رہنا چاہیے

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "یقیناً تمھارے اموال و اولاد تمھارے لیے باعث آزمائش ہیں۔"

وضاحت: اس آیت کریمہ میں فتنے کا لفظ آزمائش کے لیے استعمال ہوا ہے۔ فتنے میں عام طور پر ایسی چیزوں سے آزمائش ہوتی ہے جن سے انسان محبت کرتا ہے اور ان سے اس کا دلی لگاؤ ہوتا ہے۔ یہ آزمائش آہستہ آہستہ اس طرح ہوتی ہے

1 عمدة القاري: 514/15.

کہ دوسروں کو تو کیا بسا اوقات خود فتنے میں پڑے ہوئے انسان کو بھی پتا نہیں چلتا کہ وہ کس آزمائش میں پڑ چکا ہے۔ مال اور اولاد اس طرح آزمائش بن جاتی ہیں کہ بعض اوقات انسان ان کی محبت میں گرفتار ہو کر آخرت کی دائمی نعمتوں کو فراموش کر دیتا ہے۔ اگر کوئی انھیں اپنے لیے ذخیرۂ آخرت بناتا ہے تو یہ چیزیں اس کے لیے اجر عظیم کا باعث ہیں جیسا کہ اس آیت کے آخر میں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت سے ایک حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر امت کے لیے کوئی نہ کوئی چیز باعث آزمائش ہوتی ہے۔ میری امت کی آزمائش مال و دولت کے ذریعے سے ہوگی۔"[1] رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ خطبہ دے رہے تھے کہ آپ نے حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ گرتے پڑتے آ رہے ہیں۔ آپ نے خطبہ چھوڑ کر انھیں اٹھایا اور مذکورہ آیت تلاوت فرمائی۔[2]

٦٤٣٥ - حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ أَبِي حَصِينٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «تَعِسَ عَبْدُ الدِّينَارِ وَالدِّرْهَمِ وَالْقَطِيفَةِ وَالْخَمِيصَةِ إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ، وَإِنْ لَمْ يُعْطَ لَمْ يَرْضَ». [راجع: ٢٨٨٦]

[6435] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "دینار و درہم کے بندے، عمدہ ریشمی چادروں کے بندے، بہترین سیاہ اونی کپڑوں کے بندے تباہ ہو گئے۔ اگر انھیں دیا جائے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر نہ دیا جائے تو ناراض رہتے ہیں۔"

فائدہ: مال و دولت کی بندگی یہ ہے کہ اس کی چاہت اور طلب میں بندہ ایسا گرفتار ہو کہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور حلال و حرام کی حدود کا بھی پابند نہ رہے۔ جو لوگ درہم و دینار اور بہترین کپڑوں کے پجاری ہیں اور انھوں نے مال و دولت ہی کو اپنا معبود و مطلوب بنا لیا ہے، اس حدیث میں ان سے بے زاری کا اعلان اور ان کے خلاف بددعا ہے کہ وہ اللہ کی رحمت اور اس کی خیر و برکت سے محروم اور دور رہیں۔ قرآن کریم میں منافقین کا وصف ان الفاظ میں بیان ہوا ہے: "اگر انھیں دنیا میں کچھ دیا جائے تو خوش ہوتے ہیں اور اگر کچھ نہ دیا جائے تو ناراض ہو جاتے ہیں۔"[3] ان لوگوں کو مال و دولت کے نشے نے اس طرح جکڑ رکھا ہے کہ وہ فکر آخرت سے آزاد اور انھیں صرف دنیا بنانے اور مال جمع کرنے کی فکر ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ دنیاوی مفادات سمیٹنے کے لیے مسلمان ہوئے ہیں۔ واللہ المستعان.

٦٤٣٦ - حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغَى ثَالِثًا،

[6436] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "اگر ابن آدم کے پاس مال و دولت کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوگا۔ انسان کا پیٹ تو

[1] مسند أحمد: 160/4. [2] مسند أحمد: 354/5. [3] التوبة 58:9.

وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ، وَيَتُوبُ اللهُ عَلَى مَنْ تَابَ». [انظر: ٦٤٣٧]

قبر کی مٹی ہی بھرے گی اور اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کی توبہ قبول کرتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔"

٦٤٣٧ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَخْلَدٌ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَطَاءً يَقُولُ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «لَوْ أَنَّ لِابْنِ آدَمَ مِثْلَ وَادٍ مَالًا لَأَحَبَّ أَنَّ لَهُ إِلَيْهِ مِثْلَهُ وَلَا يَمْلَأُ عَيْنَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ، وَيَتُوبُ اللهُ عَلَى مَنْ تَابَ».

[6437] حضرت ابن عباس ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "اگر ابن آدم کے پاس مال کی بھری ہوئی وادی ہو تو وہ خواہش کرے گا کہ اتنا ہی مال اس کے پاس مزید ہو۔ انسان کی آنکھ مٹی کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ اور جو اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔"

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَلَا أَدْرِي مِنَ الْقُرْآنِ هُوَ أَمْ لَا. قَالَ: وَسَمِعْتُ ابْنَ الزُّبَيْرِ يَقُولُ ذٰلِكَ عَلَى الْمِنْبَرِ. [راجع: ٦٤٣٦]

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں کہ یہ ارشادات قرآن سے ہیں یا نہیں۔ انھوں نے بیان کیا کہ میں نے ابن زبیر ؓ کو یہ ارشادات منبر پر کہتے سنا تھا۔

٦٤٣٨ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ سُلَيْمَانَ بْنِ الْغَسِيلِ، عَنْ عَبَّاسِ بْنِ سَهْلِ ابْنِ سَعْدٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ الزُّبَيْرِ عَلَى الْمِنْبَرِ بِمَكَّةَ فِي خُطْبَتِهِ يَقُولُ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُولُ: «لَوْ أَنَّ ابْنَ آدَمَ أُعْطِيَ وَادِيًا مَلْأً مِنْ ذَهَبٍ أَحَبَّ إِلَيْهِ ثَانِيًا، وَلَوْ أُعْطِيَ ثَانِيًا أَحَبَّ إِلَيْهِ ثَالِثًا، وَلَا يَسُدُّ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ، وَيَتُوبُ اللهُ عَلَى مَنْ تَابَ».

[6438] حضرت عباس بن سہل بن سعد سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن زبیر ؓ کو مکہ مکرمہ میں منبر پر دوران خطبہ میں بیان کرتے سنا، انھوں نے کہا: اے لوگو! نبی ﷺ فرماتے تھے: "اگر ابن آدم کو سونے سے بھری ہوئی ایک وادی دے دی جائے تو وہ دوسری وادی کا خواہش مند رہے گا۔ اگر دوسری دے دی جائے تو تیسری کا طالب ہوگا، ابن آدم کے پیٹ کو مٹی کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ اور اللہ تعالیٰ تو اس کی توبہ قبول کرتا ہے جو (صدق دل سے) اس کی طرف رجوع کرے۔"

٦٤٣٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَو أَنَّ لِابْنِ آدَمَ وَادِيًا مِنْ ذَهَبٍ أَحَبَّ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَادِيَانِ، وَلَنْ يَمْلَأَ فَاهُ إِلَّا

[6439] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر انسان کے پاس سونے کی ایک وادی ہو تو وہ چاہے گا کہ دو ہو جائیں۔ اور اس کا منہ مٹی کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ اور اللہ تو اس کی توبہ قبول کرتا ہے جو (دل کی گہرائی سے) اس کی طرف

التُّرَابُ، وَيَتُوبُ اللهُ عَلَى مَنْ تَابَ». رجوع کرتا ہے۔"

فوائد و مسائل: ① ان احادیث میں مال و دولت کے متعلق انسان کی حرص بیان کی گئی ہے کہ دنیا سمیٹنے کی حرص عام انسانوں کی گویا فطرت ہے۔ اگر دولت سے ان کا گھر بھرا ہوا ہو، جنگل کے جنگل اور میدان کے میدان بھرے پڑے ہوں تب بھی ان کا دل نہیں بھرتا اور وہ اس میں مزید اضافہ چاہتے ہیں۔ زندگی کی آخری سانس تک ان کی ہوس کا یہی حال رہتا ہے۔ بس قبر میں جا کر ہی اس بھوک سے انھیں چھٹکارا ملتا ہے، البتہ جو بندے دنیا اور دنیا کی دولت کے بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے دل کا رخ پھیر لیں اور اس سے تعلق جوڑ لیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہوتی ہے۔ انھیں اللہ تعالیٰ اس دنیا ہی میں اطمینان اور غنائے نفس نصیب فرما دیتا ہے، پھر یہ دنیوی زندگی بڑے مزے اور سکون سے گزرتی ہے، ایک دوسری حدیث میں اس کی مزید وضاحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کی نیت طلب آخرت ہو، اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے بے نیازی اس کے دل کو نصیب فرما دے گا اور اس کے بگڑے ہوئے خراب حالات کو خود بخود درست کر دے گا، پھر دنیا اس کے پاس خود بخود ذلیل و خوار ہو کر آئے گی۔ اور جس شخص کی نیت طلب دنیا ہو، اللہ تعالیٰ محتاجی کے آثار اس کی آنکھوں کے درمیان نمایاں کر دے گا اور اس کے حالات مزید خراب کر دے گا، پھر دنیا اسے صرف اسی قدر ملے گی جو پہلے سے مقدر ہو چکی ہو گی۔''[1] ② بہرحال ان احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دنیا کے فتنے سے آگاہ کرتے ہوئے اس سے دور رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔ واللہ المستعان.

٦٤٤٠ - وَقَالَ لَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ ابْنُ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ، عَنْ أُبَيٍّ قَالَ: كُنَّا نُرَى هٰذَا مِنَ الْقُرْآنِ حَتَّى نَزَلَتْ ﴿أَلْهَـٰكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ [التكاثر: ١].

[6440] حضرت ابی ؓ سے روایت ہے کہ ہم اسے قرآن سے خیال کرتے تھے حتی کہ آیت: ﴿أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ نازل ہوئی۔

فوائد و مسائل: ① الفاظ حدیث [لَوْ أَنَّ لِابْنِ آدَمَ وَادِيًا مِّنْ ذَهَبٍ] کو کچھ صحابۂ کرام ؓ قرآن ہی میں سے خیال کرتے تھے لیکن جب سورۃ التکاثر نازل ہوئی تو راز کھلا کہ یہ قرآن کے الفاظ نہیں بلکہ یہ حدیث نبوی ہے جس کا مضمون سورۃ التکاثر میں ادا کیا گیا ہے کیونکہ آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں: ''تمھیں مال کی کثرت نے یاد الٰہی سے غافل کر دیا حتی کہ تم قبروں میں جا پہنچے۔''[2] ② حضرت ابو واقد لیثی ؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوتے تھے، جب وحی نازل ہوتی تو آپ ہمیں بیان کرتے۔ ایک دن آپ نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ہم نے مال اس لیے دیا ہے تا کہ تم نماز قائم کرو اور زکاۃ دو۔ اگر ابن آدم کے لیے ایک وادی ہو تو وہ دوسری وادی کی تلاش میں رہتا ہے۔''[3]

---

① مسند أحمد: 183/5. ② التكاثر 102: 1، 2. ③ مسند أحمد: 219/5.

(۱۱) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «هَذَا الْمَالُ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ»

باب: 11- ارشاد نبوی: ''یہ مال بہت ہرا بھرا اور شیریں ہے'' کا بیان

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ﴾ الْآيَةَ [آل عمران: ١٤].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''لوگوں کے لیے خواہشات نفس کی محبت بہت دلفریب بنا دی گئی ہے، یعنی عورتوں سے، بیٹوں سے......''

قَالَ عُمَرُ: اللَّهُمَّ إِنَّا لَا نَسْتَطِيعُ إِلَّا أَنْ نَفْرَحَ بِمَا زَيَّنْتَهُ لَنَا، اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ أَنْ أُنْفِقَهُ فِي حَقِّهِ.

حضرت عمر ؓ نے فرمایا: ''اے اللہ! ہم تو سوائے اس چیز کے کچھ طاقت ہی نہیں رکھتے کہ جس چیز کو تو نے ہمارے لیے مزین کیا ہے، اس سے ہم طبعی طور پر خوش ہوں۔ اے اللہ! میں دعا کرتا ہوں کہ میں اس مال کو اس کے حق میں خرچ کروں۔

وضاحت: آیت کریمہ میں جن چیزوں کا نام لیا گیا ہے، ان کی محبت انسان کے دل میں فطری طور پر جاگزیں ہے اور انھی چیزوں سے انسان کی اس دنیا میں آزمائش ہوتی ہے۔ لیکن ان چیزوں میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو بذات خود بری ہو کیونکہ ان سے محبت کرنا ایک فطری امر ہے اور فطری امر بذات خود برا نہیں ہوتا، البتہ بری چیز یہ ہے کہ انسان ان چیزوں کے حصول اور ان کی محبت میں اس قدر گرفتار ہو جائے کہ اسے آخرت یاد ہی نہ رہے۔ سیدنا عمر ؓ کی دعا کا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی مال صحیح طریقے سے حاصل کرے اور اسے صحیح جگہ پر صرف کرے تو وہ مال فتنہ نہیں بنتا۔ اس دعا کا پس منظر حافظ ابن حجر ؒ نے اس طرح لکھا ہے: جب ایران فتح ہوا تو وہاں سے بہت سا مال بطور غنیمت لایا گیا۔ آپ نے فرمایا: اسے زمین پر ڈال کر ڈھانپ دیا جائے، پھر لوگوں کو جمع کیا اور اس سے کپڑا اٹھا کر انھیں دکھایا کہ وہاں زیورات، جواہرات اور دیگر بے شمار ساز و سامان ہے۔ انھیں دیکھ کر حضرت عمر ؓ نے اللہ کی تعریف کی اور رونے لگے۔ لوگوں نے عرض کی: امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے یہ غنیمت کا مال مالکوں سے چھین کر ہمیں عطا فرمایا ہے، آپ کیوں رو رہے ہیں؟ حضرت عمر نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس قوم کو یہ مال کثیر دیتا ہے تو وہ اس کی وجہ سے خونریزی اور حرام کو حلال جانتے ہیں، پھر مذکورہ دعا کی اور وہاں سے اس وقت تک نہ اٹھے جب تک کہ سارا مال تقسیم نہ کر دیا اور اس سے کوئی چیز باقی نہ رہی۔[1]

٦٤٤١ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ يَقُولُ: أَخْبَرَنِي

[6441] حضرت حکیم بن حزام ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے کچھ مانگا تو آپ نے

[1] فتح الباري: 312/11.

عُرْوَةُ وَسَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَأَعْطَانِي، ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِي، ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِي، ثُمَّ قَالَ: «إِنَّ هٰذَا الْمَالَ - وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ: قَالَ لِي: [يَا] حَكِيمُ، إِنَّ هَذَا الْمَالَ - خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ، فَمَنْ أَخَذَهُ بِطِيبِ نَفْسٍ بُورِكَ لَهُ فِيهِ، وَمَنْ أَخَذَهُ بِإِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيهِ، وَكَانَ كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ، وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى». [راجع: ١٤٧٢]

مجھے دیا۔ میں نے پھر سوال کیا تو آپ نے دیا۔ میں نے تیسری مرتبہ مانگا تو آپ ﷺ نے عطا کیا، پھر فرمایا: ''اے حکیم! دنیا کا یہ مال شیریں اور ہرا بھرا (خوشگوار) نظر آتا ہے، لہٰذا جو شخص اسے نیک نیتی سے حرص کے بغیر لے گا، اس کے لیے اس میں برکت ہوگی اور جو اسے لالچ اور طمع کے ساتھ لے گا، اس کے لیے اس میں برکت نہیں ہوگی، بلکہ وہ اس شخص کی طرح ہو جاتا ہے جو کھاتا ہے لیکن سیر نہیں ہوتا۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔''

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں دنیا کے متعلق حرص، طمع اور لالچ سے خبردار کیا ہے کہ اس نیت سے جو مال حاصل ہوگا، اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر و برکت نہیں ہوگی بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کو اس قسم کی طمع و لالچ سے بچاتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو دنیا سے اسے اس طرح محفوظ رکھتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنے مریض کو پانی سے پرہیز کراتا ہے جبکہ اسے پانی سے نقصان کا اندیشہ ہو۔''[1] ② دراصل دنیا کی مال داری وہی بری ہے جو اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے اور جس میں مشغول ہونے سے انسان کی آخرت کا راستہ کھوٹا ہو جائے، اس لیے اللہ تعالیٰ کو جن لوگوں سے محبت ہوتی ہے انھیں اس طرح مال سمیٹنے سے بچاتا ہے جس طرح ہم اپنے مریضوں کو پانی سے پرہیز کراتے ہیں۔

(١٢) بَابُ مَا قَدَّمَ مِنْ مَالِهِ فَهُوَ لَهُ

باب: 12- آدمی کا مال تو وہی ہے جو اس نے آخرت کے لیے آگے بھیج دیا

٦٤٤٢ - حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنِي أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ التَّيْمِيُّ، عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مَالِهِ؟» قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، مَا مِنَّا أَحَدٌ إِلَّا مَالُهُ أَحَبُّ إِلَيْهِ. قَالَ: «فَإِنَّ مَالَهُ

[6442] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کون ہے جسے اپنے مال کے بجائے اپنے وارث کا مال زیادہ محبوب ہو؟'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اللہ کے رسول! ہم میں سے ہر ایک کو اپنا ہی مال محبوب ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر اس کا مال تو وہی ہے جو اس نے آگے بھیج دیا اور اس کے

① مسند أحمد: 428/5.

مَا قَدَّمَ، وَمَالَ وَارِثِهِ مَا أَخَّرَ».

وارث کا مال وہ ہے جو وہ (اپنے) پیچھے چھوڑ کر چلا گیا۔"

فائدہ: درحقیقت انسان کا مال تو وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے کر آخرت کے خزانے میں جمع کر دیا، اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ درحقیقت اس کا نہیں بلکہ اس کے وارثوں کا ہے جن کے لیے وہ اسے چھوڑ کر جانے والا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اس کی مزید وضاحت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بندہ رٹ لگاتا ہے کہ میرا مال، میری دولت، حالانکہ اس کا مال تو صرف تین چیزیں ہیں: ایک وہ جو اس نے کھا کر ختم کر دیا، دوسرا وہ جو اس نے پہن کر پرانا کر ڈالا اور تیسرا وہ جو اس نے اللہ کی راہ میں دے کر آخرت کے خزانے میں جمع کر دیا، اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ دوسروں کے لیے چھوڑ جانے والا ہے جبکہ وہ خود یہاں سے رخصت ہو جانے والا ہے۔"[1] جب صورت حال یہ ہے تو انسان کو چاہیے کہ وہ آخرت ہی کو اپنا مقصود بنائے اور اسے سنوارنے کی فکر کرے۔

(١٣) بَابٌ: الْمُكْثِرُونَ هُمُ الْمُقِلُّونَ

باب: 13- جو لوگ دنیا میں زیادہ مال دار ہیں وہی آخرت میں زیادہ نادار ہوں گے

وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿مَن كَانَ يُرِيدُ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا وَزِينَتَهَا﴾ الْآيَتَيْنِ. [هود: ١٥، ١٦]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کا طالب ہے......"

٦٤٤٣ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: خَرَجْتُ لَيْلَةً مِنَ اللَّيَالِي فَإِذَا رَسُولُ اللهِ ﷺ يَمْشِي وَحْدَهُ وَلَيْسَ مَعَهُ إِنْسَانٌ، قَالَ: فَظَنَنْتُ أَنَّهُ يَكْرَهُ أَنْ يَمْشِيَ مَعَهُ أَحَدٌ. قَالَ: فَجَعَلْتُ أَمْشِي فِي ظِلِّ الْقَمَرِ فَالْتَفَتَ فَرَآنِي، فَقَالَ: «مَنْ هٰذَا؟» قُلْتُ: أَبُو ذَرٍّ جَعَلَنِي اللهُ فِدَاءَكَ، قَالَ: «يَا أَبَا ذَرٍّ تَعَالَ»، قَالَ: فَمَشَيْتُ مَعَهُ سَاعَةً، فَقَالَ: «إِنَّ الْمُكْثِرِينَ هُمُ الْمُقِلُّونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا مَنْ أَعْطَاهُ اللهُ خَيْرًا فَنَفَحَ فِيهِ يَمِينَهُ وَشِمَالَهُ وَبَيْنَ

[6443] حضرت ابوذر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں ایک رات باہر نکلا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ تنہا ہی جا رہے ہیں، اور آپ کے ساتھ کوئی بھی نہیں۔ میں نے (دل میں) کہا کہ آپ ﷺ اپنے ساتھ کسی کے چلنے کو پسند نہیں کرتے ہوں گے، اس لیے میں چاند کے سائے میں آپ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ آپ نے میری طرف توجہ فرمائی تو مجھے دیکھ کر فرمایا: "یہ کون ہے؟" میں نے کہا: ابوذر ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کرے! آپ نے فرمایا: "ابوذر! آگے آ جاؤ۔" پھر میں تھوڑی دیر تک آپ کے ساتھ چلتا رہا، اس کے بعد آپ نے فرمایا: "بلاشبہ جو لوگ دنیا میں زیادہ مال دار ہیں وہی قیامت کے دن نادار ہوں

[1] صحیح مسلم، الزھد، حدیث: 7422 (2959).

يَدَيْهِ وَوَرَاءَهُ، وَعَمِلَ فِيهِ خَيْرًا»، قَالَ: فَمَشَيْتُ مَعَهُ سَاعَةً فَقَالَ لِي: «اجْلِسْ هَاهُنَا»، قَالَ: فَأَجْلَسَنِي فِي قَاعٍ حَوْلَهُ حِجَارَةٌ فَقَالَ لِي: «اجْلِسْ هَاهُنَا حَتَّى أَرْجِعَ إِلَيْكَ»، قَالَ: فَانْطَلَقَ فِي الْحَرَّةِ حَتَّى لَا أَرَاهُ فَلَبِثَ عَنِّي فَأَطَالَ اللُّبْثَ، ثُمَّ إِنِّي سَمِعْتُهُ وَهُوَ مُقْبِلٌ وَهُوَ يَقُولُ: «وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنَى؟» قَالَ: فَلَمَّا جَاءَ لَمْ أَصْبِرْ حَتَّى قُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللهِ، جَعَلَنِي اللهُ فِدَاءَكَ، مَنْ تُكَلِّمُ فِي جَانِبِ الْحَرَّةِ؟ مَا سَمِعْتُ أَحَدًا يَرْجِعُ إِلَيْكَ شَيْئًا. قَالَ: «ذَلِكَ جِبْرِيلُ عَرَضَ لِي فِي جَانِبِ الْحَرَّةِ، قَالَ: بَشِّرْ أُمَّتَكَ أَنَّهُ مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ، قُلْتُ: يَا جِبْرِيلُ، وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنَى؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: قُلْتُ: وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنَى؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: وَإِنْ سَرَقَ وَإِنْ زَنَى؟ قَالَ: نَعَمْ [وَإِنْ شَرِبَ الْخَمْرَ»].

گے مگر جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ اسے دائیں، بائیں اور آگے پیچھے خرچ کرے اور اسے اچھے کاموں میں صرف کرے۔'' ابوذر ڈٹائٹڑ کہتے ہیں کہ پھر میں تھوڑی دیر تک آپ کے ساتھ چلتا رہا، آپ نے فرمایا: ''یہاں بیٹھ جاؤ۔'' آپ نے مجھے ایک صاف میدان میں بٹھا دیا جس کے چاروں طرف پتھر تھے اور آپ نے مجھے تاکید کی: ''یہاں بیٹھے رہو حتی کہ میں تمھارے پاس واپس آؤں۔'' پھر آپ پتھریلے میدان میں چلے گئے حتی کہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے اور مجھ سے بہت دیر تک غائب رہے۔ پھر میں نے آپ سے سنا، آپ یہ کہتے ہوئے تشریف لا رہے ہیں: ''اگرچہ چوری کرے یا بدکاری کرے؟'' جب آپ میرے پاس تشریف لائے تو مجھ سے صبر نہ ہو سکا، میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کرے! اس پتھریلے میدان کی طرف آپ کس سے باتیں کر رہے تھے؟ میں نے کسی کو آپ سے گفتگو کرتے نہیں سنا۔ آپ نے فرمایا: ''یہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے جو پتھریلے میدان کی ایک طرف مجھے ملے اور کہا: اپنی امت کو خوشخبری سنائیں کہ جو کوئی اس حال میں فوت ہو جائے کہ اس نے کسی کو اللہ کے ساتھ شریک نہ بنایا ہو تو وہ جنت میں جائے گا۔ میں نے کہا: اے جبریل! اگرچہ اس نے چوری کی ہو اور زنا کیا ہو؟ انھوں نے کہا: ہاں، میں نے پھر کہا: اگرچہ اس نے چوری کی ہو اور بدکاری کی ہو؟ انھوں نے (جبریل نے) کہا: ہاں، اگرچہ اس نے شراب نوشی کی ہو۔''

قَالَ النَّضْرُ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ وَحَدَّثَنَا حَبِيبُ ابْنُ أَبِي ثَابِتٍ وَالْأَعْمَشُ وَعَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ رُفَيْعٍ: حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ وَهْبٍ بِهَذَا.

نضر نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی، انھیں حبیب بن ابی ثابت، اعمش اور عبدالعزیز بن رفیع نے بتایا، ان سے زید بن وہب نے اسی طرح بیان کیا۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: حَدِيثُ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ مُرْسَلٌ لَا يَصِحُّ إِنَّمَا أَرَدْنَا لِلْمَعْرِفَةِ وَالصَّحِيحُ حَدِيثُ أَبِي ذَرٍّ. قِيلَ لِأَبِي عَبْدِ اللهِ: حَدِيثُ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ؟ قَالَ: مُرْسَلٌ أَيْضًا لَا يَصِحُّ، وَالصَّحِيحُ حَدِيثُ أَبِي ذَرٍّ.

ابوعبداللہ (امام بخاری ؒ) نے کہا کہ ابوصالح نے حضرت ابودرداء ؓ سے جو روایت بیان کی ہے وہ منقطع ہونے کی بنا پر صحیح نہیں۔ ہم نے یہ بیان کر دیا تا کہ اس حدیث کا حال معلوم ہو جائے۔ حضرت ابوذر ؓ سے مروی حدیث ہی صحیح ہے۔ کسی نے امام بخاری ؒ سے پوچھا: عطا بن یسار نے بھی یہ حدیث حضرت ابودرداء ؓ سے روایت کی ہے؟ انھوں نے کہا: وہ بھی منقطع ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں۔ صحیح حدیث حضرت ابوذر ؓ ہی سے مروی ہے، اس لیے حضرت ابودرداء ؓ سے مروی حدیث کو نظرانداز کر دو۔

وَقَالَ: اضْرِبُوا عَلَى حَدِيثِ أَبِي الدَّرْدَاءِ، هٰذَا إِذَا مَاتَ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ - عِنْدَ الْمَوْتِ. [راجع: ١٢٣٧]

ابوعبداللہ امام بخاری کہتے ہیں، ابوذر ؓ سے مروی حدیث کا مطلب ابودرداء ؓ سے مروی اس حدیث والا ہے: جب وہ مرتے وقت لا الہ الا اللہ کہہ دے، یعنی توحید پر خاتمہ ہو۔“

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام ؓ کو آگاہ کیا تھا کہ آخرت کی دشوار گزار گھاٹیوں کو وہی لوگ عبور کر سکیں گے جو دنیا میں ہلکے پھلکے رہیں گے اور جو لوگ دنیا میں اپنے اوپر زیادہ بوجھ لاد لیں گے وہ آسانی سے ان گھاٹیوں کو پار نہ کر سکیں گے، اس لیے اکثر صحابہ فقر و فاقے کی زندگی ہی کو اپنے لیے پسند کرتے تھے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مہاجر فقراء قیامت کے دن مال داروں سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔“ [1] حضرت محمود بن لبید ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دو چیزیں ایسی ہیں جنھیں آدم کا بیٹا ناپسند کرتا ہے: انسان موت کو ناپسند کرتا ہے، حالانکہ موت اہل ایمان کے لیے فتنے سے بہتر ہے اور وہ قلت مال کو ناپسند کرتا ہے جبکہ قلت مال کا حساب کم ہے۔“ [2] ② امام بخاری ؒ کا اس عنوان سے مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں زیادہ مال دار لوگ قیامت کے دن اسی قدر زیادہ نادار ہوں گے کیونکہ انھوں نے اپنے مال آخرت بنانے کے بجائے اسے اپنی سج دھج اور ٹھاٹھ باٹھ میں خرچ کر دیا، اس لیے قیامت کے دن وہ درج ذیل آیت کا مصداق ہوں گے: ”تم نے اپنی چیزیں دنیا کی زندگانی میں حاصل کر لیں اور تم نے ان سے فائدہ اٹھا لیا، اس لیے آج تمھیں ذلیل و رسوا کرنے والے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔“ [3] یہی وجہ ہے کہ عموماً اللہ تعالیٰ کے نافرمان دنیاوی اعتبار سے زیادہ خوشحال نظر آتے ہیں۔ واللّٰہ المستعان.

---

[1] صحیح مسلم، الزھد، حدیث: 7463 (2979). [2] مسند أحمد: 427/5. [3] الأحقاف 20:46.

(١٤) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «مَا يَسُرُّنِي أَنَّ عِنْدِي مِثْلَ أُحُدٍ هٰذَا ذَهَبًا»

٦٤٤٤ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الرَّبِيعِ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ قَالَ: قَالَ أَبُو ذَرٍّ: كُنْتُ أَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي حَرَّةِ الْمَدِينَةِ فَاسْتَقْبَلَنَا أُحُدٌ فَقَالَ: «يَا أَبَا ذَرٍّ»، قُلْتُ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «مَا يَسُرُّنِي أَنَّ عِنْدِي مِثْلَ أُحُدٍ هٰذَا ذَهَبًا تَمْضِي عَلَيَّ ثَالِثَةٌ وَعِنْدِي مِنْهُ دِينَارٌ إِلَّا شَيْئًا أَرْصُدُهُ لِدَيْنٍ، إِلَّا أَنْ أَقُولَ بِهِ فِي عِبَادِ اللهِ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا - عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ، وَمِنْ خَلْفِهِ -». ثُمَّ مَشَى ثُمَّ قَالَ: «إِنَّ الْأَكْثَرِينَ هُمُ الْمُقِلُّونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا مَنْ قَالَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا - عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ وَمِنْ خَلْفِهِ - وَقَلِيلٌ مَا هُمْ». ثُمَّ قَالَ لِي: «مَكَانَكَ لَا تَبْرَحْ حَتَّى آتِيَكَ»، ثُمَّ انْطَلَقَ فِي سَوَادِ اللَّيْلِ حَتَّى تَوَارَى فَسَمِعْتُ صَوْتًا قَدِ ارْتَفَعَ، فَتَخَوَّفْتُ أَنْ يَكُونَ أَحَدٌ عَرَضَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَأَرَدْتُ أَنْ آتِيَهُ فَذَكَرْتُ قَوْلَهُ لِي: «لَا تَبْرَحْ حَتَّى آتِيَكَ»، فَلَمْ أَبْرَحْ حَتَّى أَتَانِي، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، لَقَدْ سَمِعْتُ صَوْتًا تَخَوَّفْتُ، فَذَكَرْتُ لَهُ. فَقَالَ: «وَهَلْ سَمِعْتَهُ؟» قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: «ذَاكَ جِبْرِيلُ أَتَانِي، فَقَالَ: مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ، قُلْتُ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: وَإِنْ زَنَى، وَإِنْ سَرَقَ». [راجع: ١٢٣٧]

باب: 14- نبی ﷺ کے ارشاد گرامی: ''مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے لیے احد پہاڑ جتنا سونا ہو'' کا بیان

[6444] حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نبی ﷺ کے ہمراہ مدینہ طیبہ کے پتھریلے علاقے میں چل رہا تھا کہ ہمارے سامنے اُحد پہاڑ نمودار ہوا۔ آپ نے فرمایا: ''اے ابوذر!'' میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''مجھے اس بات سے بالکل خوشی نہیں ہوگی کہ میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور اس پر تین دن اس طرح گزر جائیں کہ اس میں سے ایک دینار بھی باقی رہ جائے سوائے اس تھوڑی سی رقم کے جو میں قرض کی ادائیگی کے لیے چھوڑوں، مگر میں اسے اللہ کے بندوں میں اس طرح، اس طرح اور اس طرح خرچ کر دوں۔'' آپ نے دائیں، بائیں اور پیچھے کی طرف اشارہ فرمایا۔ پھر آپ کچھ دیر چلتے رہے، اس کے بعد فرمایا: ''بے شک زیادہ مال رکھنے والے قیامت کے دن مفلس ہوں گے سوائے اس شخص کے جس نے اس طرح، اس طرح اور اس طرح خرچ کیا...... آپ نے دائیں، بائیں اور پیچھے کی طرف اشارہ فرمایا...... اور ایسے بہت کم لوگ ہیں۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''تم اپنی جگہ ٹھہرو اور میرے آنے تک یہاں ہی رہو۔'' پھر آپ رات کی تاریکی میں چلے گئے یہاں تک کہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اس کے بعد میں نے ایک بلند آواز سنی تو مجھے خطرہ لاحق ہوا مبادا نبی ﷺ کو کوئی حادثہ پیش آ گیا ہو۔ میں نے آپ کے پاس جانے کا ارادہ کیا تو مجھے آپ کا ارشاد یاد آ گیا: ''تم اپنی جگہ ٹھہرو جب تک میں تمھارے پاس نہ آ جاؤں۔'' چنانچہ جب تک آپ ﷺ تشریف نہیں

لائے میں وہاں سے نہیں ہٹا۔ (جب آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو) میں نے کہا: اللہ کے رسول! میں نے ایک آواز سنی تھی جس سے مجھے خطرہ لاحق ہوگیا تھا لیکن آپ کی بات یاد آگئی۔ آپ نے فرمایا: ''تم نے کوئی آواز سنی تھی؟'' میں نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''وہ جبرئیل علیہ السلام تھے جو میرے پاس آئے تھے اور انھوں نے کہا: آپ کی امت میں سے جو شخص اس حالت میں فوت ہو جائے کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو تو وہ جنت میں جائے گا۔ میں نے پوچھا: اگرچہ اس نے چوری اور بدکاری بھی کی ہو؟ انھوں نے کہا: ہاں، اگرچہ وہ چوری اور بدکاری کا مرتکب ہوا ہو۔''

فائدہ: رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے دنیا میں فقر وتنگدستی کا انتخاب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قناعت، صبر اور توکل کا وافر سرمایہ دے کر ہوس زر سے فارغ کر دیا، اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فقر و فاقے کی جس حالت میں زندگی گزاری وہ اپنے لیے آپ نے خود ہی پسند کی تھی اور اپنے لیے اللہ تعالیٰ سے اسے خود مانگا تھا۔ واللہ المستعان.

٦٤٤٥ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ شَبِيبٍ: حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ يُونُسَ. وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَوْ كَانَ لِي مِثْلُ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا يَسُرُّنِي أَنْ لَا تَمُرَّ عَلَيَّ ثَلَاثُ لَيَالٍ وَعِنْدِي مِنْهُ شَيْءٌ إِلَّا شَيْئًا أَرْصُدُهُ لِدَيْنٍ». [راجع: ٢٣٨٩]

[6445] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو مجھے یہ پسند ہے کہ تین راتیں بھی اس پر نہ گزرنے پائیں کہ اس میں سے میرے پاس کچھ باقی ہو۔ اگر کسی کا قرض دور کرنے کے لیے کچھ رکھ چھوڑوں تو الگ بات ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو دنیا کے مال و متاع سے کوئی دلچسپی نہ تھی، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کھجور کی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ اس پر کوئی بستر وغیرہ بھی نہیں تھا اور اس چٹائی کے نشانات آپ کے پہلو پر نمایاں تھے اور آپ نے چمڑے کے تکیے پر ٹیک لگا رکھی تھی۔ میں آپ کی اس حالت کو دیکھ کر رو پڑا تو رسول اللہ ﷺ نے میرے رونے کی وجہ پوچھی۔ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! اہل فارس اور اہل روم کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر کشادگی دی ہے اور آپ تو اس کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''کیا تم خوش

نہیں کہ ان کے لیے دنیا میں ہوں اور ہمارے لیے آخرت میں۔''[1] ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ آپ کی امت پر کشادگی فرمائے کیونکہ اہل فارس اور اہل روم پر تو اس کی بہت سی نوازشات ہیں، حالانکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: ''اے ابن خطاب! کیا تم ابھی تک اسی مقام پر ہو؟ یہ کفار وہ لوگ ہیں کہ انھیں ان کی لذتیں اس دنیا کی زندگی میں جلد عطا کر دی گئی ہیں۔''[2] ② امام بخاری رحمہ اللہ کی پیش کردہ حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کو اُحد پہاڑ کے برابر سونا مل جائے تو اسے بھی اپنے پاس نہ رکھیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیں، صرف اتنی دولت باقی رکھیں جس سے قرض کی ادائیگی ہو سکے۔ واللہ المستعان.

(١٥) بَابٌ: اَلْغِنَى غِنَى النَّفْسِ

باب: - مال دار وہ ہے جو دل کا غنی ہو

وَقَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُم بِهِۦ مِن مَّالٍ وَبَنِينَ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿هُمْ لَهَا عَٰمِلُونَ﴾ [المؤمنون: ٥٥-٦٣].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم انھیں جو مال و اولاد دیے جا رہے ہیں ...... وہ انھی کو کرنے والے ہیں۔''

قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: لَمْ يَعْمَلُوهَا: لَا بُدَّ مِنْ أَنْ يَعْمَلُوهَا.

سفیان بن عیینہ نے کہا: هُمْ لَهَا عَامِلُونَ سے مراد یہ ہے کہ ابھی انھوں نے وہ اعمال نہیں کیے لیکن ضرور ان کو کرنے والے ہیں۔

وضاحت: عنوان کا مقصد یہ ہے کہ اگر دل غنی ہو تو تھوڑا بھی بہت ہے اور اگر دل غنی نہ ہو تو پہاڑ برابر دولت ملنے سے بھی پیٹ نہیں بھرتا۔ آیت سے مقصود یہ ہے کہ کافروں کو مال و دولت اور اولاد دینا مطلق طور پر خیر و برکت نہیں بلکہ اس سے مراد گناہوں کے لیے ان کی رسی کو ڈھیلا کرنا ہے تاکہ گندگی سے جب ان کا پیمانہ لبریز ہو جائے تو انھیں اچانک پکڑ لیا جائے۔

٦٤٤٦ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ: حَدَّثَنَا أَبُو حَصِينٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ، وَلَكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ».

[6446] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''تونگری یہ نہیں کہ سامان زیادہ ہو بلکہ دولت مندی یہ ہے کہ دل غنی ہو۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کثرتِ مال سے تونگری نہیں آتی کیونکہ بے شمار لوگ جن کے پاس مال و دولت کی کثرت ہوتی ہے وہ صبر اور قناعت سے خالی ہوتے ہیں اور مال کو زیادہ کرنے کی فکر میں رہتے ہیں، خواہ اس کے لیے

① صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4913. 2. صحيح البخاري، المظالم، حديث: 2468.

انھیں ناجائز ذرائع ہی کیوں نہ اختیار کرنے پڑیں، گویا حرص ولالچ کی وجہ سے تنگدست اور حقیر ہیں۔ اگر انسان کا دل غنی ہے اور اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے پر صبر اور قناعت کرتا ہے اور کثرتِ مال کی خواہش نہیں کرتا تو حقیقت کے اعتبار سے ایسا انسان غنی ہے۔ اس بات کی مزید وضاحت رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے، آپ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے ابوذر! کیا تو خیال کرتا ہے کہ مال کی کثرت تونگری ہے۔'' میں نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''کیا تو سمجھتا ہے کہ مال کی قلت ناداری ہے؟'' میں نے عرض کی: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''تونگری تو دل کی مال داری ہے اور فقیری تو دل کی ناداری ہے۔''[1] ② قرآن کریم نے ایسے بے نیاز حضرات کی مال داری کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ''ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے ناواقف لوگ انھیں خوشحال سمجھتے ہیں۔ آپ ان کے چہروں سے ان کی کیفیت پہچان سکتے ہیں۔ وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔''[2] ③ ﴿وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ﴾ کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس غنا سے مراد بھی دل کی تونگری ہے۔[3]

(١٦) بَابُ فَضْلِ الْفَقْرِ

باب:16- فقر و فاقہ کی فضیلت

وضاحت: فقر و فاقے کی فضیلت اس بنا پر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود اس انداز کا انتخاب کیا تھا جیسا کہ گزشتہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی تھی: ''اے میرے پروردگار! میں تو فقیرانہ زندگی چاہتا ہوں کہ ایک دن کھانے کو ہو اور ایک دن کھانے کو نہ ہو۔'' درحقیقت آپ کا جو مقام ومنصب تھا اور جو کارِ عظیم آپ کے ذمے تھا اس کے لیے فقر ومسکنت کی زندگی ہی شایانِ شان تھی۔ اگر اللہ تعالیٰ قناعت وطمانیت اور رضا وتسلیم نصیب فرمائے تو بندوں کے لیے بھی بہ نسبت دولت مندی کے فقر و فاقے کی زندگی ہی افضل اور بہتر ہے۔

٦٤٤٧ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ ابْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّهُ قَالَ: مَرَّ رَجُلٌ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ لِرَجُلٍ عِنْدَهُ جَالِسٍ: «مَا رَأْيُكَ فِي هٰذَا؟» فَقَالَ: رَجُلٌ مِنْ أَشْرَافِ النَّاسِ، هٰذَا وَاللهِ حَرِيٌّ إِنْ خَطَبَ أَنْ يُنْكَحَ، وَإِنْ شَفَعَ أَنْ يُشَفَّعَ، قَالَ: فَسَكَتَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ثُمَّ مَرَّ رَجُلٌ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا رَأْيُكَ فِي هٰذَا؟» فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، هٰذَا رَجُلٌ مِنْ فُقَرَاءِ الْمُسْلِمِينَ، هٰذَا حَرِيٌّ إِنْ خَطَبَ أَنْ لَا

[6447] حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا تو آپ نے اپنے پاس بیٹھنے والے ایک شخص سے فرمایا: ''اس آدمی کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے؟'' اس نے جواب دیا: یہ معزز لوگوں میں سے ہے۔ اللہ کی قسم! یہ اس لائق ہے کہ اگر کسی کو پیغام نکاح بھیجے تو اس کا نکاح کر دیا جائے اور اگر کسی کی سفارش کرے تو قبول کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ یہ سن کر خاموش رہے۔ پھر ایک اور آدمی وہاں سے گزرا تو آپ نے اس سے اس کے متعلق پوچھا: ''اس کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے؟'' اس نے کہا: اللہ کے رسول! یہ

---

1 الاحسان بترتيب صحيح ابن حبان: 396/2. 2 البقرة 273:2. 3 فتح الباري: 329/11.

يُنْكَحَ، وَإِنْ شَفَعَ أَنْ لَا يُشَفَّعَ، وَإِنْ قَالَ أَنْ لَا يُسْمَعَ لِقَوْلِهِ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «هٰذَا خَيْرٌ مِنْ مِلْءِ الْأَرْضِ مِثْلَ هٰذَا». [راجع: ٥٠٩١]

صاحب تو مسلمانوں کے غریب طبقے سے ہیں۔ یہ اس لائق ہے کہ اگر کسی کو نکاح کا پیغام بھیجے تو اس کا نکاح نہ کیا جائے۔ اگر سفارش کرے تو قبول نہ کی جائے اور اگر بات کرے تو اس کی بات نہ سنی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے ہاں یہ (محتاج) پہلے مال دار سے بہتر ہے، خواہ ایسے (مال دار) لوگوں سے زمین بھری ہوئی ہو۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے اس مال دار کو دیکھ کر فرمایا: اگر ساری دنیا ایسے مال داروں، متکبروں سے بھر جائے تو ان سب سے ایک مخلص مومن شخص بہتر اور اعلیٰ ہے جو بظاہر فقیر نظر آتا ہے۔ ② اس حدیث سے ان سرمایہ داروں کی مذمت کا پہلو نکلتا ہے جو قارون بن کر زندگی بسر کرتے ہیں اور مغرور رہتے ہیں، لیکن اگر فقیری کے ساتھ دل کا غنا ہے تو یہ ناداری اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے۔ یہ فقیری حضرات انبیاء ؑ اولیاء اور اتقیاء امت کی سنت ہے لیکن اگر فقیری کے ساتھ حرص، لالچ اور طمع ہو تو اس قسم کی فقیری سے رسول اللہ ﷺ نے پناہ مانگی ہے، نیز اس فقیری کا یہ مطلب بھی نہیں کہ انسان گداگری شروع کر دے، بلکہ وہ فقیر عزت وتکریم کے قابل ہے جو اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے پر راضی ہو، اس پر صبر کرے اور زبان پر کسی قسم کا حرف شکایت نہ لائے پھر حلال اور پاکیزہ روزی کمانے کی پوری پوری کوشش اور محنت بھی کرے اور لوگوں سے مانگنے کی ذلت کو اپنے پاس نہ آنے دے۔ واللہ أعلم.

٦٤٤٨ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ قَالَ: عُدْنَا خَبَّابًا فَقَالَ: هَاجَرْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ نُرِيدُ وَجْهَ اللهِ فَوَقَعَ أَجْرُنَا عَلَى اللهِ تَعَالَى فَمِنَّا مَنْ مَضَى لَمْ يَأْخُذْ مِنْ أَجْرِهِ شَيْئًا، مِنْهُمْ: مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ قُتِلَ يَوْمَ أُحُدٍ وَتَرَكَ نَمِرَةً فَإِذَا غَطَّيْنَا رَأْسَهُ بَدَتْ رِجْلَاهُ، وَإِذَا غَطَّيْنَا رِجْلَيْهِ بَدَا رَأْسُهُ، فَأَمَرَنَا النَّبِيُّ ﷺ أَنْ نُغَطِّيَ رَأْسَهُ وَنَجْعَلَ عَلَى رِجْلَيْهِ مِنَ الْإِذْخِرِ، وَمِنَّا مَنْ أَيْنَعَتْ لَهُ ثَمَرَتُهُ فَهُوَ يَهْدِبُهَا. [راجع: ١٢٧٦]

[6448] حضرت ابو وائل سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نے حضرت خباب بن ارت ؓ کی عیادت کی تو انھوں نے فرمایا: ہم نے نبی ﷺ کے ہمراہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے ہجرت کی تو ہمارا اجر اللہ کے ذمے ثابت ہو گیا۔ ہم میں سے کچھ ساتھی اللہ کو پیارے ہو گئے اور انھوں نے اپنے اجر سے کچھ نہ لیا۔ ان میں سے حضرت مصعب بن عمیر ؓ بھی ہیں جو غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے۔ انھوں نے (ترکے میں) صرف ایک چادر چھوڑی تھی، جب ہم بطور کفن ان کا سر ڈھانپتے تو ان کے پاؤں کھل جاتے اور جب ان کے پاؤں چھپاتے تو سر ننگا ہو جاتا، چنانچہ نبی ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم ان کا سر ڈھانپ دیں اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دیں۔ اور ہم میں سے کچھ وہ بھی

ہیں جن کے پھل دنیا میں خوب پکے اور وہ مزے سے چن چن کر کھا رہے ہیں۔

فوائدومسائل: ① حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ پہلے پہلے مکہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کر کے آئے اور مدینہ طیبہ میں لوگوں کو قرآن پڑھانے پر مقرر ہوئے۔[1] رسول اللہ نے انھیں عَقَبہ اُولیٰ کے انصار کے ہمراہ ہی روانہ کر دیا تھا تاکہ وہ انھیں دین اسلام کی تعلیم دیں۔[2] حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ مسجد نبوی میں بیٹھے تھے کہ اچانک حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ آئے اور انھوں نے پیوند لگی ہوئی دھاری داری اونی چادر زیب تن کر رکھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ ان کی اس حالت کو دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے کیونکہ آپ ﷺ نے ان کی امیرانہ زندگی کو دیکھا تھا۔[3] ② ہجرت کے بعد حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے فتوحات کا زمانہ نہیں پایا، اسی فقیرانہ حالت میں شہید ہوئے۔ کچھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایسے بھی تھے کہ فتوحات کے باوجود انھوں نے اپنی حالت میں کوئی تبدیلی لانا گوارا نہیں کی جیسا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ تھے۔ اکثر حضرات نے فتوحات کا زمانہ پایا، انھیں مال و دولت ملا اور انھوں نے اپنی زندگی آرام اور سکون سے گزاری لیکن اس مال و دولت نے ان کا دماغ خراب نہیں کیا بلکہ انھوں نے اپنی دولت کو آخرت بنانے میں صرف کیا۔ ③ حدیث کے ظاہری الفاظ کا تقاضا ہے کہ جن لوگوں نے ہجرت کے بعد مال و دولت حاصل کیا ان کے اخروی ثواب سے کٹوتی ہوگی جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔[4] واللّٰه أعلم.

٦٤٤٩ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا سَلْمُ بْنُ زَرِيرٍ: حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اطَّلَعْتُ فِي الْجَنَّةِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا الْفُقَرَاءَ، وَاطَّلَعْتُ فِي النَّارِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ». [راجع: ٣٢٤١]

[6449] حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”میں نے جنت میں نظر ڈالی تو اس میں رہنے والے اکثر فقراء اور غریب لوگ تھے اور میں نے دوزخ میں جھانکا تو اس میں اکثر عورتوں کو دیکھا۔“

تَابَعَهُ أَيُّوبُ وَعَوْفٌ. وَقَالَ صَخْرٌ وَحَمَّادُ ابْنُ نَجِيحٍ عَنْ أَبِي رَجَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ.

ایوب اور عوف نے اس حدیث کے بیان کرنے میں ابورجاء کی متابعت کی ہے۔ صخر اور حماد بن نجیح نے ابورجاء سے، انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کو بیان کیا ہے۔

فوائدومسائل: ① ایک دوسری حدیث میں ان فاقہ کش صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف دوسرے انداز سے کی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے پاس تین شخص آئے، انھوں نے کہا: اے ابومحمد! ہمارے پاس کچھ بھی نہیں، کوئی خرچہ ہے نہ سواری اور نہ

1 صحيح البخاري، مناقب الأنصار، حديث: 3925. 2 فتح الباري: 336/11. 3 جامع الترمذي، صفة القيامة، حديث: 2476. 4 فتح الباري: 336/11.

ساز وسامان ہی۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم کیا چاہتے ہو؟ اگر تم کچھ مال چاہتے ہو تو ہمارے پاس پھر آنا، اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے جو میسر فرمایا وہ ہم تمھیں عطا کریں گے اور اگر تم چاہو تو ہم تمھارا معاملہ حاکم وقت سے ذکر کر دیں گے؟ اگر تم چاہو تو صبر کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مہاجر فقراء قیامت کے دن مال داروں سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے۔ یہ بشارت سن کر تنگ دست فقراء نے کہا کہ ہم صبر کرتے ہیں اور ہم آپ سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کریں گے۔[1] حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ اپنے اس عیال دار بندے کو پسند کرتا ہے جو ضرورت مند ہونے کے باوجود سوال نہیں کرتا۔''[2] ② واضح رہے کہ جنت میں فقراء لوگوں کی اکثریت ان کا فقر نہیں بلکہ عقیدے کی درستی اور نیک اعمال کا جذبہ ہوگا اور اگر کوئی فقیر نیک کردار نہیں تو وہ قطعاً جنت کا حق دار نہیں ہوگا۔ بہر حال حدیث میں دنیا کی لذتوں سے کنارہ کش ہونے پر ابھارا گیا ہے۔[3]

٦٤٥٠ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَمْ يَأْكُلِ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى خِوَانٍ حَتَّى مَاتَ، وَمَا أَكَلَ خُبْزًا مُرَقَّقًا حَتَّى مَاتَ. [راجع: ٥٣٨٦]

[6450] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ نے کبھی دسترخوان (میز) پر کھانا نہیں کھایا یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی اور نہ فوت ہونے تک آپ نے کبھی باریک چپاتی ہی تناول فرمائی۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی میں ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے اور آپ کے اہل وعیال نے دو دن متواتر جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر کھائی ہو، اسی طرح باریک چپاتی بھی کبھی نہیں کھائی، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی: ''اے اللہ! آل محمد کی روزی حسب ضرورت ہو۔''[4] یعنی روزی صرف اس قدر ہو کہ زندگی کا نظام چلتا رہے۔ ② نبی ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی حال تھا، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے، ان کے سامنے بھنی ہوئی بکری تھی۔ انھوں نے آپ کو دعوت دی تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا: رسول اللہ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے لیکن آپ نے پیٹ بھر گندم کی روٹی نہیں کھائی۔[5]

٦٤٥١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: لَقَدْ تُوُفِّيَ النَّبِيُّ ﷺ وَمَا فِي رَفِّي مِنْ شَيْءٍ يَأْكُلُهُ ذُو كَبِدٍ، إِلَّا شَطْرُ

[6451] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کی وفات ہوئی تو میرے توشہ دان میں کوئی غلہ نہ تھا جو کسی جاندار کے کھانے کے قابل ہوتا، البتہ تھوڑے سے جو میرے توشہ دان میں تھے۔ میں انھی سے کھاتی رہی۔

---

[1] صحيح مسلم، الزهد، حديث: 7463 (2979). [2] سنن ابن ماجه، الزهد، حديث: 4121. [3] فتح الباري: 337/11.
[4] صحيح البخاري، الرقاق، حديث: 6460. [5] صحيح البخاري، الأطعمة، حديث: 5416.

شَعِيرٍ فِي رَفٍّ لِي، فَأَكَلْتُ مِنْهُ حَتَّى طَالَ عَلَيَّ فَكِلْتُهُ فَفَنِيَ. [راجع: ٣٠٩٧]

آخر کار جب بہت دن گزر گئے تو میں نے ان کا وزن کیا، چنانچہ وہ ختم ہو گئے۔

فوائد ومسائل: ① فتوحات کے بعد اگرچہ گھر کے اخراجات میں وسعت آ گئی تھی لیکن دوسرے حضرات پر ایثار اور ان سے ہمدردی کے پیش نظر گھریلو زندگی کا وہی حال تھا جو حضرت عائشہ ؓ نے بیان کیا ہے۔ ② اس حدیث میں ہے کہ جب حضرت عائشہ ؓ نے اپنے غلے کا ناپ تول کیا تو وہ ختم ہو گیا جبکہ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اپنا غلہ ناپا کرو، اس میں برکت ہوگی۔[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ خرید و فروخت کے وقت ناپ تول کرنا باعث برکت ہے لیکن گھر میں خرچ کرتے وقت ناپ تول کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر خرچ کیا جائے تو برکت ہوگی۔[2]

(١٧) بَابٌ: كَيْفَ كَانَ عَيْشُ النَّبِيِّ ﷺ وَأَصْحَابِهِ، وَتَخَلِّيهِمْ عَنِ الدُّنْيَا؟

باب: 17- نبی ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام کی معیشت کیسی تھی؟ نیز ان کا دنیاوی لذتوں سے الگ رہنا

وضاحت: رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام ؓ کی زندگی اس قدر سادہ اور درویشانہ تھی کہ موجودہ رہن سہن کو دیکھ کر اس سادہ زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ آج تو ہر شخص دنیاوی عیش و آرام میں غرق نظر آتا ہے۔ درج ذیل احادیث میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابۂ کرام ؓ کی گزر اوقات اور اندازِ زندگی کی معمولی سی جھلک پیش کی گئی ہے۔ چونکہ ان کے سامنے "لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةِ" کا تصور تھا، اس لیے دنیاوی ٹھاٹھ باٹھ سے وہ کوسوں دور تھے۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ اصحاب صفہ کے متعلق ان الفاظ میں اظہار خیال کرتے تھے: میں نے ستر کے قریب اصحاب صفہ کو دیکھا، ان میں سے کسی ایک پر بھی بڑی چادر نہ تھی۔ ان پر تہ بند ہوتا یا ایک چادر ہوتی۔ انھوں نے اس کے کنارے گردنوں سے باندھ رکھے ہوتے تھے۔ ان میں سے کچھ کی چادریں نصف پنڈلی تک اور کچھ کی ٹخنوں تک پہنچی تھیں اور وہ اسے اپنے ہاتھ سے اکٹھا کرتا تاکہ اس کا ستر نہ کھل جائے۔[3] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے فتح خیبر سے پہلے کبھی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھایا تھا۔[4]

٦٤٥٢ - حَدَّثَنِي أَبُو نُعَيْمٍ بِنَحْوٍ مِنْ نِصْفِ هٰذَا الْحَدِيثِ: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ ذَرٍّ: حَدَّثَنَا مُجَاهِدٌ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يَقُولُ: آللهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ إِنْ كُنْتُ لَأَعْتَمِدُ بِكَبِدِي عَلَى الْأَرْضِ مِنَ

[6452] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، میں بعض اوقات بھوک کے مارے زمین پر اپنے پیٹ کے بل لیٹ جاتا اور بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ

---

1 صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2128. 2 فتح الباري: 339/11. 3 صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 442.

4 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4243.

الْجُوعِ، وَإِنْ كُنْتُ لَأَشُدُّ الْحَجَرَ عَلَى بَطْنِي مِنَ الْجُوعِ، وَلَقَدْ قَعَدْتُ يَوْمًا عَلَى طَرِيقِهِمُ الَّذِي يَخْرُجُونَ مِنْهُ، فَمَرَّ أَبُو بَكْرٍ، فَسَأَلْتُهُ عَنْ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللهِ، مَا سَأَلْتُهُ إِلَّا لِيُشْبِعَنِي، فَمَرَّ وَلَمْ يَفْعَلْ، ثُمَّ مَرَّ بِي عُمَرُ فَسَأَلْتُهُ عَنْ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللهِ، مَا سَأَلْتُهُ إِلَّا لِيُشْبِعَنِي، فَمَرَّ وَلَمْ يَفْعَلْ، ثُمَّ مَرَّ بِي أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ فَتَبَسَّمَ حِينَ رَآنِي وَعَرَفَ مَا فِي نَفْسِي وَمَا فِي وَجْهِي ثُمَّ قَالَ: «يَا أَبَا هِرٍّ»، قُلْتُ: لَبَّيْكَ رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «الْحَقْ»، وَمَضَى فَاتَّبَعْتُهُ فَدَخَلَ فَأَسْتَأْذِنُ فَأَذِنَ لِي فَدَخَلَ فَوَجَدَ لَبَنًا فِي قَدَحٍ، فَقَالَ: «مِنْ أَيْنَ هٰذَا اللَّبَنُ؟» قَالُوا: أَهْدَاهُ لَكَ - فُلَانٌ أَوْ فُلَانَةُ - قَالَ: «أَبَا هِرٍّ»، قُلْتُ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «الْحَقْ إِلَى أَهْلِ الصُّفَّةِ فَادْعُهُمْ لِي»، قَالَ: وَأَهْلُ الصُّفَّةِ أَضْيَافُ الْإِسْلَامِ لَا يَأْوُونَ عَلَى أَهْلٍ وَلَا مَالٍ وَلَا عَلَى أَحَدٍ، إِذَا أَتَتْهُ صَدَقَةٌ بَعَثَ بِهَا إِلَيْهِمْ وَلَمْ يَتَنَاوَلْ مِنْهَا شَيْئًا، وَإِذَا أَتَتْهُ هَدِيَّةٌ أَرْسَلَ إِلَيْهِمْ وَأَصَابَ مِنْهَا وَأَشْرَكَهُمْ فِيهَا، فَسَاءَنِي ذٰلِكَ فَقُلْتُ: وَمَا هٰذَا اللَّبَنُ فِي أَهْلِ الصُّفَّةِ؟ كُنْتُ أَحَقَّ أَنْ أُصِيبَ مِنْ هٰذَا اللَّبَنِ شَرْبَةً أَتَقَوَّى بِهَا، فَإِذَا [جَاؤُوا] أَمَرَنِي فَكُنْتُ أَنَا أُعْطِيهِمْ، وَمَا عَسَى أَنْ يَبْلُغَنِي مِنْ هٰذَا اللَّبَنِ؟ وَلَمْ يَكُنْ مِنْ طَاعَةِ اللهِ وَطَاعَةِ رَسُولِهِ ﷺ بُدٌّ، فَأَتَيْتُهُمْ فَدَعَوْتُهُمْ فَأَقْبَلُوا، فَاسْتَأْذَنُوا فَأَذِنَ لَهُمْ، وَأَخَذُوا مَجَالِسَهُمْ مِنَ الْبَيْتِ. قَالَ: «يَا أَبَا

لیتا تھا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ میں اس راستے پر بیٹھ گیا جہاں صحابۂ کرام کی آمد و رفت تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے تو میں نے ان سے کتاب اللہ کی ایک آیت کے متعلق پوچھا۔ میرے پوچھنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ مجھے کچھ کھلائیں پلائیں لیکن وہ بغیر کچھ کیے وہاں سے چل دیے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے تو میں نے ان سے بھی قرآن مجید کی ایک آیت کے متعلق دریافت کیا اور دریافت کرنے کا مطلب صرف یہ تھا کہ وہ مجھے کچھ کھلائیں پلائیں لیکن وہ بھی کچھ کیے بغیر چپکے سے گزر گئے۔ ان کے بعد ابوالقاسم ﷺ میرے پاس سے گزرے۔ آپ ﷺ نے جب مجھے دیکھا تو مسکرا دیے۔ میرے چہرے کو آپ نے تاڑ لیا اور میرے دل کی بات سمجھ گئے، پھر آپ نے فرمایا: ''اے ابوہر!'' میں نے کہا: اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''میرے ساتھ آ جاؤ'' چنانچہ جب آپ چلنے لگے تو میں بھی آپ کے پیچھے ہولیا۔ آپ گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ پھر میں نے اندر آنے کی اجازت مانگی تو آپ نے مجھے اجازت دے دی۔ جب آپ اندر گئے تو آپ کو ایک پیالے میں دودھ ملا۔ آپ نے پوچھا: ''یہ دودھ کہاں سے آیا ہے؟'' اہل خانہ نے کہا: یہ فلاں مرد یا عورت نے آپ کے لیے تحفہ بھیجا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوہر!'' میں نے عرض کی: لبیک اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: ''اہل صفہ کے پاس جاؤ اور انھیں بھی میرے پاس بلا لاؤ۔'' اہل صفہ اہل اسلام کے مہمان تھے۔ وہ گھر بار، اہل و عیال اور مال وغیرہ نہ رکھتے تھے اور نہ کسی کے پاس جاتے ہی تھے۔ جب آپ ﷺ کے پاس صدقہ آتا تو وہ ان کے پاس بھیج دیتے اور خود اس سے کچھ نہ کھاتے تھے اور جب آپ کے پاس ہدیہ آتا تو اس سے کچھ خود بھی کھا

هِرٍّ»، قُلْتُ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «خُذْ فَأَعْطِهِمْ»، فَأَخَذْتُ الْقَدَحَ فَجَعَلْتُ أُعْطِيهِ الرَّجُلَ فَيَشْرَبُ حَتَّى يَرْوَى، ثُمَّ يَرُدُّ عَلَيَّ الْقَدَحَ فَأُعْطِيهِ الرَّجُلَ فَيَشْرَبُ حَتَّى يَرْوَى، ثُمَّ يَرُدُّ عَلَيَّ الْقَدَحَ فَيَشْرَبُ حَتَّى يَرْوَى، ثُمَّ يَرُدُّ عَلَيَّ الْقَدَحَ حَتَّى انْتَهَيْتُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَقَدْ رَوِيَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ، فَأَخَذَ الْقَدَحَ فَوَضَعَهُ عَلَى يَدِهِ فَنَظَرَ إِلَيَّ فَتَبَسَّمَ فَقَالَ: «أَبَا هِرٍّ»، قُلْتُ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «بَقِيتُ أَنَا وَأَنْتَ». قُلْتُ: صَدَقْتَ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «اقْعُدْ فَاشْرَبْ»، فَقَعَدْتُ فَشَرِبْتُ. فَقَالَ: «اشْرَبْ» فَشَرِبْتُ، فَمَا زَالَ يَقُولُ: «اشْرَبْ»، حَتَّى قُلْتُ: لَا وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ، مَا أَجِدُ لَهُ مَسْلَكًا، قَالَ: «فَأَرِنِي»، فَأَعْطَيْتُهُ الْقَدَحَ فَحَمِدَ اللهَ وَسَمَّى وَشَرِبَ الْفَضْلَةَ. [راجع: ٥٣٧٥]

لیتے اور ان کے پاس بھی بھیج دیتے تھے اور انھیں اس میں شریک کر لیتے تھے۔ مجھے یہ بات ناگوار گزری۔ میں نے سوچا کہ اس دودھ کی مقدار کیا ہے جو وہ اہل صفہ میں تقسیم ہو؟ اس کا حق دار تو میں تھا کہ اسے نوش کر کے کچھ قوت حاصل کرتا۔ جب (اہل صفہ) آئیں گے تو (رسول اللہ ﷺ مجھے ہی فرمائیں گے تو) میں ان میں تقسیم کروں گا، مجھے تو شاید اس دودھ سے کچھ بھی نہیں ملے گا لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور ان کے حکم کی بجا آوری کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا، چنانچہ میں ان کے پاس آیا اور انھیں (آپ کی) دعوت پہنچائی۔ وہ آئے اور انھوں نے اندر آنے کی اجازت مانگی تو انھیں اجازت مل گئی۔ پھر وہ آپ کے گھر میں اپنی اپنی جگہ پر فروکش ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: ''اے ابوہر! میں نے عرض کی: لبیک اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: ''پیالہ لو اور سب حاضرین کو دودھ پلاؤ۔'' میں نے وہ پیالہ پکڑا اور ایک ایک کو پلانے لگا۔ ایک شخص جب پی کر سیراب ہو جاتا تو مجھے پیالہ واپس کر دیتا۔ پھر میں دوسرے شخص کو دیتا۔ وہ بھی سیر ہو کر پیتا، پھر پیالہ مجھے واپس کر دیتا، اسی طرح تیسرا پی کر پھر پیالہ مجھے واپس کر دیتا، یہاں تک کہ میں نبی ﷺ تک پہنچا جبکہ تمام اہل صفہ دودھ پی کر سیراب ہو چکے تھے۔ آخر میں آپ ﷺ نے پیالہ پکڑا اور اپنے ہاتھ پر رکھ کر میری طرف دیکھا اور مسکرا کر فرمایا: ''اے ابوہر!'' میں نے عرض کی: لبیک: اللہ کے رسول! فرمایا: ''میں اور تو باقی رہ گئے ہیں'' میں نے کہا: اللہ کے رسول! آپ نے سچ فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''بیٹھ جاؤ اور اسے نوش کرو۔'' چنانچہ میں بیٹھ گیا اور دودھ پینا شروع کر دیا۔ آپ نے دوبارہ فرمایا: ''اور پیو۔'' آپ مجھے اور پینے کا مسلسل کہتے رہے حتیٰ کہ مجھے کہنا پڑا: اس ذات کی قسم

جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! اب پینے کی بالکل گنجائش نہیں۔ اس کے لیے میں کوئی راہ نہیں پاتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر مجھے دے دو۔'' میں نے وہ پیالہ آپ کو دے دیا۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور بسم اللہ پڑھ کر (ہم سب کا) بچا ہوا دودھ خود نوش فرمایا۔

فوائد ومسائل: ① مسجد نبوی میں ایک چبوترہ تھا جس میں بے گھر، بے در اور اہل وعیال کے بغیر کچھ غریب لوگ رہا کرتے تھے جنھیں اصحاب صفہ کہا جاتا ہے۔ ان میں حضرت ابوہریرہ ؓ بھی تھے جنھوں نے صرف حصول علم حدیث کے لیے خود کو وقف کر دیا تھا۔ ② اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا کھلا معجزہ ہے کہ ستر سے زیادہ اصحاب صفہ صرف ایک پیالے دودھ سے سیر ہو گئے۔ حضرت ابوہریرہ ؓ نے کچھ بے صبری کا مظاہرہ کیا تھا کہ شاید ان کے لیے دودھ نہ بچے، اس لیے رسول اللہ ﷺ مسکرا دیے۔ ③ امام بخاری ؒ نے اس طویل حدیث سے دور نبوی کی ایک ادنیٰ سی جھلک پیش کی ہے کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابۂ کرام ؓ کا گزر اوقات کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ عیش وعشرت کے بجائے فقر وفاقے کو ترجیح دیتے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دیکھ لو تم کیا کہہ رہے ہو؟'' اس نے پھر کہا: اللہ کی قسم! میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ اس نے اس جملے کو تین مرتبہ دہرایا۔ آپ نے فرمایا: ''اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو فقر وفاقے کا مقابلہ کرنے کے لیے ڈھال تیار رکھو کیونکہ جو شخص مجھ سے محبت کرتا ہے تو اس کی طرف فقر سیلاب کی رفتار سے بھی زیادہ تیزی سے آتا ہے۔''[1]

٦٤٥٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا قَيْسٌ قَالَ: سَمِعْتُ سَعْدًا يَقُولُ: إِنِّي لَأَوَّلُ الْعَرَبِ رَمَى بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَرَأَيْتُنَا نَغْزُو وَمَا لَنَا طَعَامٌ إِلَّا وَرَقُ الْحُبْلَةِ وَهٰذَا السَّمُرُ، وَإِنَّ أَحَدَنَا لَيَضَعُ كَمَا تَضَعُ الشَّاةُ مَا لَهُ خِلْطٌ، ثُمَّ أَصْبَحَتْ بَنُو أَسَدٍ تُعَزِّرُنِي عَلَى الْإِسْلَامِ، خِبْتُ إِذًا وَضَلَّ سَعْيِي. [راجع: ٣٧٢٨]

[6453] حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں سب سے پہلا عربی ہوں جس نے اللہ کے راستے میں تیر چلایا۔ ہم نے اس حال میں وقت گزارا ہے کہ ہم جہاد کرتے تھے لیکن ہمارے پاس حبلہ کے پتوں اور کیکر کے چھلکے کے علاوہ دوسری کوئی چیز کھانے کے لیے نہ تھی اور ہمیں بکری کی مینگنیوں کی طرح قضائے حاجت ہوتی تھی۔ (خشکی کے سبب) اس میں کچھ بھی خلط ملط نہ ہوتا تھا۔ اب یہ بنو اسد کے لوگ مجھے اسلام سکھا کر درست کرنا چاہتے ہیں۔ پھر تو میں بدنصیب ٹھہرا اور میرا سارا کیا دھرا اکارت گیا۔

[1] جامع الترمذي، الزهد، حديث: 2350.

فوائد ومسائل: ① حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں کوفے کے گورنر تھے۔ اہل کوفہ انتہائی سازشی اور مکار تھے۔ بنو اسعد قبیلے نے تو حد کر دی تھی۔ انھوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے متعلق شکایت کی تھی کہ یہ حضرت جہاد میں نہیں جاتے۔ فیصلے کرتے وقت عدل و انصاف سے کام نہیں لیتے اور نماز بھی صحیح طور پر نہیں پڑھاتے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کی تردید میں مذکورہ بیان دیا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے دور نبوی میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے گزر اوقات کی وضاحت کی ہے کہ انھوں نے مشکل حالات میں اسلام قبول کیا اور درختوں کے پتے کھا کر جہاد میں حصہ لیا۔ کیکر کے پتے کھانے اور اس کا چھلکا چبانے کی وجہ سے انھیں جو قضائے حاجت ہوتی وہ خشک ہونے کے باعث ایک دوسرے سے الگ ہوتی اور اس میں اختلاط نہیں ہوتا تھا۔ ایسے حالات میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دین اسلام کے احکام کو خوب بجالاتے اور ان کے متعلق انھیں پوری پوری معلومات حاصل تھیں۔ ③ اس قسم کے حالات اس وقت تھے جب فتوحات کا دروازہ نہیں کھلا تھا۔ فتح خیبر کے بعد کافی حالات تبدیل ہو گئے تھے، لیکن اس کے باوجود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''آل محمد نے تین دن متواتر گندم کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی حتی کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے۔''[1]

٦٤٥٤ - حَدَّثَنِي عُثْمَانُ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ ﷺ مُنْذُ قَدِمَ الْمَدِينَةَ مِنْ طَعَامِ بُرٍّ ثَلَاثَ لَيَالٍ تِبَاعًا حَتَّى قُبِضَ. [راجع: ٥٤١٦]

[6454] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: حضرت محمد ﷺ کے اہل خانہ نے مدینہ طیبہ آنے کے بعد آپ ﷺ کی وفات تک کبھی تین راتیں برابر گیہوں کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔

٦٤٥٥ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ - هُوَ الْأَزْرَقُ - عَنْ مِسْعَرِ بْنِ كِدَامٍ، عَنْ هِلَالٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَا أَكَلَ آلُ مُحَمَّدٍ ﷺ أَكْلَتَيْنِ فِي يَوْمٍ إِلَّا إِحْدَاهُمَا تَمْرٌ.

[6455] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: حضرت محمد ﷺ کے گھرانے نے اگر کبھی ایک دن میں دو مرتبہ کھانا کھایا تو ضرور اس میں ایک وقت صرف کھجوریں ہوتی تھیں۔

فوائد ومسائل: ① ایک حدیث میں ہے کہ جب خیبر اور فدک فتح ہوئے تو وہاں سے مال فے کی صورت میں جو کچھ حاصل ہوا اس میں رسول اللہ ﷺ کا خمس ہوتا تھا۔ ان کے باغات سے جو کھجوریں نبی ﷺ کے حصے میں آتیں، ان میں سے آپ اہل خانہ کا سال بھر کا خرچ نکال کر باقی پیداوار اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف کر دیتے تھے۔[2] جب یہ حالت تھی تو یہ فقر اور فاقہ کشی چہ معنی دارد؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اہل خانہ کے لیے سال بھر کا خرچ رکھنے کے باوجود سائلین اور محتاجوں پر اسے خرچ کر دیتے

---

① صحيح البخاري، الأطعمة، حديث: 5416. ② صحيح البخاري، فرض الخمس، حديث: 3094.

تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا ایک یہ نمایاں پہلو یہ ہے کہ آپ کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہیں کرتے تھے۔ ② بعض اوقات نوبت یہاں تک پہنچ جاتی کہ عمر شریف کے آخری حصے میں ایک یہودی سے تیس وسق کھجوریں ادھار لیں اور اپنی لوہے کی زرہ اس کے ہاں گروی رکھی، لیکن اسے چھڑانے سے پہلے آپ کی وفات ہوگئی۔[1] ③ حافظ ابن حجر ؒ نے لکھا ہے کہ یہ فاقہ کشی مالی کمزوری کی وجہ سے نہ تھی بلکہ ایثار اور ہمدردی کی بنا پر تھی، ویسے بھی آپ ﷺ پیٹ بھر کر کھانے کو پسند نہیں کرتے تھے۔[2] واللہ أعلم.

٦٤٥٦ - حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ رَجَاءٍ: حَدَّثَنَا النَّضْرُ عَنْ هِشَامٍ: أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ فِرَاشُ رَسُولِ اللهِ ﷺ مِنْ أَدَمٍ وَحَشْوُهُ لِيفٌ.

[6456] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

فوائد ومسائل: ① ایک حدیث میں حضرت عمر ؓ اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے اور اس کے نشانات آپ کے جسم مبارک پر نمایاں تھے اور سر کے نیچے چمڑے کا تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال تھی۔[3] ② حافظ ابن حجر ؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضرت عائشہ ؓ کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے رسول اللہ ﷺ کا بستر دیکھا جو ایک تہ شدہ چادر پر مشتمل تھا۔ اس نے آپ ﷺ کے لیے ایک بستر بھیجا جس میں اون بھری ہوئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ جب گھر آئے اور اسے دیکھا تو فرمایا: ''عائشہ! اسے واپس کردو، اللہ کی قسم! اگر میں چاہوں تو اللہ تعالیٰ ان پہاڑوں کو سونے اور چاندی میں بدل دے۔''[4]

٦٤٥٧ - حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامُ ابْنُ يَحْيَى: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ: كُنَّا نَأْتِي أَنَسَ ابْنَ مَالِكٍ وَخَبَّازُهُ قَائِمٌ وَقَالَ: كُلُوا، فَمَا أَعْلَمُ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى رَغِيفًا مُرَقَّقًا حَتَّى لَحِقَ بِاللهِ، وَلَا رَأَى شَاةً سَمِيطًا بِعَيْنِهِ قَطُّ. [راجع: ٥٣٨٥]

[6457] حضرت قتادہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت انس بن مالک ؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے، ان کا نان بائی وہیں موجود ہوتا (جو روٹیاں پکا پکا کر دیتا تھا)، لیکن حضرت انس ؓ فرماتے: تم کھاؤ، میں نے تو کبھی نبی ﷺ کو باریک چپاتی کھاتے نہیں دیکھا اور نہ آپ نے کبھی اپنی آنکھوں سے بھونی ہوئی بکری ہی دیکھی یہاں تک کہ آپ اللہ کے پاس پہنچ گئے۔

فائدہ: رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں غزوات، حج وعمرے کے سفروں سمیت دس سال اقامت فرمائی، اس مدت میں

---

① صحيح البخاري، الرهن، حديث: 2509. ② فتح الباري: 352/11. ③ صحيح البخاري، اللباس، حديث: 5843.

④ فتح الباري: 354/11، والصحيحة للألباني، حديث: 2484.

آپ کے کھانے پینے کا یہی حال تھا جو سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ تین دن کبھی سیر ہو کر گندم کی روٹی نہیں کھائی۔ اکثر جو کی روٹی پر گزارا ہوتا، وہ بھی کبھی کبھار ایسا ہوتا بصورت دیگر آپ ﷺ پانی اور کھجوروں پر ہی گزارا کرتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس سلسلے میں ایک اور روایت بھی مروی ہے، فرماتے ہیں کہ وہ جو کی روٹی اور رنگت بدلی ہوئی چربی لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ آپ کی زرہ مدینہ طیبہ میں ایک یہودی کے پاس گروی تھی۔ آپ ﷺ نے اس کے عوض یہودی سے اپنے اہل خانہ کی گزر اوقات کے لیے جو لیے تھے اور آل محمد کے پاس شام کے وقت نہ ایک صاع گندم ہوتی تھی اور نہ ایک صاع کوئی اور غلہ ہی ہوتا تھا جبکہ آپ کی نو ازواج مطہرات تھیں۔[1]

٦٤٥٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا يَحْيَى: حَدَّثَنَا هِشَامٌ: أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ يَأْتِي عَلَيْنَا الشَّهْرُ مَا نُوقِدُ فِيهِ نَارًا، إِنَّمَا هُوَ التَّمْرُ وَالْمَاءُ إِلَّا أَنْ نُؤْتَى بِاللُّحَيْمِ. [راجع: ٢٥٦٧]

[6458] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم پر مہینہ گزر جاتا، ہمارا چولہا نہیں جلتا تھا۔ ہم صرف پانی اور کھجوروں پر گزارا کرتے تھے۔ ہاں، کبھی کبھار تھوڑا سا گوشت کہیں سے آ جاتا تھا۔

٦٤٥٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأُوَيْسِيُّ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُومَانَ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّهَا قَالَتْ لِعُرْوَةَ: ابْنَ أُخْتِي إِنْ كُنَّا لَنَنْظُرُ إِلَى الْهِلَالِ ثَلَاثَةَ أَهِلَّةٍ فِي شَهْرَيْنِ وَمَا أُوقِدَتْ فِي أَبْيَاتِ رَسُولِ اللهِ ﷺ نَارٌ فَقُلْتُ: مَا كَانَ يُعِيشُكُمْ؟ قَالَتْ: اَلْأَسْوَدَانِ: التَّمْرُ وَالْمَاءُ، إِلَّا أَنَّهُ قَدْ كَانَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ جِيرَانٌ مِنَ الْأَنْصَارِ كَانَ لَهُمْ مَنَائِحُ، وَكَانُوا يَمْنَحُونَ رَسُولَ اللهِ ﷺ مِنْ أَبْيَاتِهِمْ فَيَسْقِينَاهُ. [راجع: ٢٥٦٧]

[6459] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے، انھوں نے حضرت عروہ بن زبیر سے فرمایا: اے میرے بھانجے! ہمارا یہ حال تھا کہ ہم دو ماہ میں تین چاند دیکھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں آگ نہیں سلگتی تھی۔ میں نے پوچھا: پھر تمھارا گزارا کیسے ہوتا تھا؟ انھوں نے فرمایا: دو سیاہ چیزوں پر: جو پانی اور کھجوریں ہیں۔ ہاں، آپ کے کچھ انصاری پڑوسی تھے جن کے پاس دودھ دینے والی اونٹنیاں تھیں، وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے دودھ بھیج دیتے اور آپ ہمیں وہی دودھ پلا دیتے تھے۔

٦٤٦٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُمَارَةَ، عَنْ

[6460] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی: ''اے اللہ! آل محمد کو

1 صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2069.

أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اللَّهُمَّ ارْزُقْ آلَ مُحَمَّدٍ قُوتًا».

صرف اتنی روزی دے کہ وہ زندہ رہ سکیں۔“

فوائد ومسائل: ① ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا طرز زندگی اور انداز معیشت بہت سادہ تھا، غذا بھی معمولی تھی جس سے جسم اور روح کا رشتہ قائم رہ سکے، عموماً پانی اور کھجوروں پر گزارا ہوتا، البتہ بعض اوقات کوئی تھوڑا سا گوشت بھیج دیتا تو وہ گھر میں پکا لیا جاتا ورنہ دو، دو ماہ تک رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں دھواں نظر نہیں آتا تھا۔ بعض اوقات آپ کے ہمسائے جن کے پاس دودھ دینے والے جانور ہوتے تھے وہ دودھ بھیج دیتے، آپ ﷺ وہ اپنے اہل خانہ کو پلا دیتے تھے، کبھی بھنی ہوئی بکری آپ کے سامنے نہ دیکھی گئی، بہر حال کھانے کی چیزیں فراوانی کے ساتھ میسر نہ تھیں۔ ② ہمارے گھروں میں کئی کئی نرم گرم بستر ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک بستر تھا جس کے اندر کھجور کی چھال بھری ہوئی تھیں جبکہ مدنی زندگی میں آپ کے ذرائع معاش حسب ذیل تھے: * مال غنیمت: جہاد فی سبیل اللہ کا ایک ثمرہ مال غنیمت بھی ہے۔ پہلی امتوں کے لیے مال غنیمت حلال نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص عنایت سے اس امت کے لیے مال غنیمت کو حلال قرار دیا۔ مال غنیمت سے رسول اللہ ﷺ کو پانچواں حصہ ملتا جو بیت المال کا حصہ ہوتا، تاہم اس سے آپ کی ضروریات بھی پوری کی جاتی تھیں۔ بنونضیر کے باغات، خیبر کی زمین اور باغ فدک اسی مد سے تھا۔ خیبر کی پیداوار تین حصوں میں تقسیم تھی: دو حصے عام مسلمانوں کے لیے اور ایک حصہ آپ کے اہل وعیال پر خرچ ہوتا تھا۔ * مال فَے: جو مال دشمن سے لڑائی کے بغیر حاصل ہوتا اسے مال فَے کہا جاتا۔ یہ مال رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص ہوتا تھا۔ اس میں آپ کو اختیار تھا کہ جسے چاہیں دیں اور جسے چاہیں نہ دیں۔ باغ فدک جو بنونضیر کی جلاوطنی کے وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا تھا اور وہ بطور مال فَے آپ ہی کے پاس تھا، آپ اس میں کچھ حصہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے اور کچھ غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ * بیت المال میں سے بھی رسول اللہ ﷺ کا حصہ مقرر تھا۔ آپ نے خیبر کی زمین نصف پیداوار پر مزارعت کے لیے دے رکھی تھی، اس کی پیداوار سے گزر اوقات ہوتا، کھجوریں فراوانی سے تھیں۔ جب خیبر فتح ہوا تو تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے اَسّی وسق کھجور اور بیس وسق جَو سالانہ مقرر ہوئے۔ * غیر ملکی بادشاہوں کے تحائف: رسول اللہ ﷺ کے ذرائع آمدن میں سے ایک مناسب حصہ تحائف کا شامل تھا، جس میں مسلمانوں کے تحائف کے علاوہ اہل مدینہ کے غیر مسلم لوگوں کی طرف سے ہدایا کے ساتھ غیر ملکی حکمرانوں کے تحائف بھی شامل ہیں۔ * ایک یہودی کا بیش بہا تحفہ: مخیریق قبیلۂ بنوقینقاع کا ایک امیر ترین یہودی تھا۔ اسے رسول اللہ ﷺ سے انتہائی عقیدت تھی۔ اس کے سات باغ تھے۔ وہ آپ کی معیت میں غزوۂ احد میں شریک تھا۔ اس نے غزوۂ اُحد میں شرکت کے وقت وصیت کی تھی کہ اگر وہ فوت ہو جائے تو اس کے تمام باغات رسول اللہ ﷺ کی ملکیت ہوں گے۔ وہ اس غزوے میں قتل ہو گیا تو اس کے تمام باغات بھی رسول اللہ ﷺ کی ملکیت میں آ گئے۔[1] ③ رسول اللہ نے دولت کی فراوانی کے باوجود اپنے لیے سادگی اور قناعت کو پسند

① طبقات الکبریٰ: 501/1.

فرمایا اور عجز و انکسار کو اوڑھنا بچھونا اور ہر طرح کے ناجائز ذرائع آمدنی سے اپنے دامن کو محفوظ رکھا۔ ہمارے رجحان کے مطابق آپ ﷺ کی درویشانہ زندگی اضطراری نہیں بلکہ اختیاری تھی۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا بھی مانگی تھی: ''اے اللہ! ہمیں کھانا اتنا میسر ہو جس سے صرف زندگی باقی رہے۔'' اور آپ دوسروں پر ایثار اور ہمدردی کو ترجیح دیتے تھے۔ اس کی صرف ایک مثال پیش خدمت ہے: رسول اللہ ﷺ کے پاس مال غنیمت کے طور پر بہت سے غلام، لونڈیاں آئے۔ سیدہ فاطمہ ؓ آپ کے پاس گئیں تاکہ گھر کی خدمت گزاری کے لیے کوئی نوکرانی لائیں۔ آپ نے فرمایا: ''بیٹی! اہل صفہ کی فاقہ کشی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔ وہ اکثر بھوکے رہتے ہیں۔ میں ان غلاموں کو بیچ کر ان کے کھانے کا بندوبست کرنا چاہتا ہوں، پھر آپ نے انھیں وظیفہ بتایا جو تسبیح فاطمہ کے نام سے مشہور ہے۔[1]

(١٨) بَابُ الْقَصْدِ وَالْمُدَاوَمَةِ عَلَى الْعَمَلِ

باب: 18- میانہ روی اختیار کرنا اور نیک عمل پر ہیشگی کرنا

٦٤٦١ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنَا أَبِي عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَشْعَثَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي قَالَ: سَمِعْتُ مَسْرُوقًا قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَيُّ الْعَمَلِ كَانَ أَحَبَّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ؟ قَالَتِ: الدَّائِمُ. قَالَ: قُلْتُ: فِي أَيِّ حِينٍ كَانَ يَقُومُ؟ قَالَتْ: كَانَ يَقُومُ إِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ.

[راجع: ١١٣٢]

[6461] حضرت مسروق سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ ؓ سے پوچھا: کون سی عبادت نبی ﷺ کو زیادہ محبوب تھی؟ انھوں نے فرمایا: جس عبادت پر ہیشگی ہو سکے۔ میں نے پوچھا: آپ ﷺ کس وقت (تہجد کے لیے) بیدار ہوتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: جب مرغ کی آواز سنتے۔

٦٤٦٢ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ هِشَامِ ابْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ أَحَبَّ الْعَمَلِ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ الَّذِي يَدُومُ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ. [راجع: ١١٣٢]

[6462] حضرت عائشہ ؓ سے ہی روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا سب سے زیادہ پسندیدہ عمل وہ تھا جسے آدمی ہمیشہ کرتا رہے۔

٦٤٦٣ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَنْ يُنَجِّيَ أَحَدًا مِنْكُمْ عَمَلُهُ»، قَالُوا: وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللهِ؟

[6463] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل نجات نہیں دلا سکے گا۔'' صحابہ نے پوچھا: اللہ کے رسول! آپ کو بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: ''مجھے بھی نہیں الا

[1] مسند أحمد: 106/1.

قَالَ: «وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللهُ بِرَحْمَةٍ. سَدِّدُوا وَقَارِبُوا، وَاغْدُوا وَرَوْحُوا، وَشَيْئًا مِنَ الدُّلْجَةِ وَالْقَصْدَ الْقَصْدَ تَبْلُغُوا». [راجع: ٣٩]

یہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے سائے میں لے لے، لہٰذا تم درستی کے ساتھ عمل جاری رکھو۔ میانہ روی اختیار کرو۔ صبح اور شام، نیز رات کے کچھ حصے میں نکلا کرو۔ اعتدال کے ساتھ سفر جاری رکھو اس طرح تم منزل مقصود کو پہنچ جاؤ گے۔''

٦٤٦٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «سَدِّدُوا وَقَارِبُوا، وَاعْلَمُوا أَنْ لَنْ يُدْخِلَ أَحَدَكُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ، وَأَنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ أَدْوَمُهَا إِلَى اللهِ وَإِنْ قَلَّ». [انظر: ٦٤٦٧]

[6464] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''درستی کا قصد کرو، افراط و تفریط کے درمیان اعتدال اختیار کرو اور یقین کرو کہ تم میں سے کسی کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ پسندیدہ عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے، خواہ وہ کم ہو۔''

٦٤٦٥ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ: سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ: أَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ؟ قَالَ: «أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ». وَقَالَ: «اكْلَفُوا مِنَ الْأَعْمَالِ مَا تُطِيقُونَ».

[6465] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا: کون سا عمل اللہ کے ہاں زیادہ پسندیدہ ہے؟ آپ نے فرمایا: ''جس پر ہمیشگی کی جائے، خواہ وہ تھوڑا ہی ہو۔'' نیز آپ نے فرمایا: ''نیک کام کرنے میں اتنی ہی تکلیف اٹھاؤ جتنی تم میں ہمت ہے۔''

٦٤٦٦ - حَدَّثَنِي عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ: سَأَلْتُ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ عَائِشَةَ قُلْتُ: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ، كَيْفَ كَانَ عَمَلُ النَّبِيِّ ﷺ؟ هَلْ كَانَ يَخُصُّ شَيْئًا مِنَ الْأَيَّامِ؟ قَالَتْ: لَا، كَانَ عَمَلُهُ دِيمَةً، وَأَيُّكُمْ يَسْتَطِيعُ مَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَسْتَطِيعُ. [راجع: ١٩٨٧]

[6466] حضرت علقمہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ ؓ سے پوچھا: اے ام المومنین! نبی ﷺ کیونکر عبادت کرتے تھے؟ کیا آپ نے ایام میں سے کوئی خاص دن مقرر کر رکھا تھا؟ انھوں نے فرمایا: نہیں، بلکہ آپ کے عمل میں دوام ہوتا تھا۔ تم میں سے کون ہے جو ان اعمال کی طاقت رکھتا ہو جن کی نبی ﷺ طاقت رکھتے تھے۔

٦٤٦٧ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا

[6467] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ

مُحَمَّدُ بْنُ الزِّبْرِقَانِ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «سَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَأَبْشِرُوا، فَإِنَّهُ لَا يُدْخِلُ أَحَدًا الْجَنَّةَ عَمَلُهُ». قَالُوا: وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللهُ بِمَغْفِرَةٍ وَرَحْمَةٍ».

سے بیان کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”نیک عمل کرتے وقت حد سے نہ بڑھو بلکہ قریب قریب رہو، یعنی میانہ روی اختیار کرو۔ تمھیں خوشی ہونی چاہیے کہ کوئی بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں جائے گا۔“ صحابۂ کرام نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ بھی نہیں؟ فرمایا: ”میں بھی، مگر اس وقت جب اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت اور مغفرت کے سائے میں ڈھانپ لے۔“

قَالَ: أَظُنُّهُ عَنْ أَبِي النَّضْرِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ. وَقَالَ عَفَّانُ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «سَدِّدُوا وَأَبْشِرُوا».

ایک دوسری روایت حضرت عائشہ ؓ سے مروی ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”میانہ روی اختیار کرو اور خوش رہو۔“

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: سَدِيدًا سَدَادًا: صِدْقًا.
[راجع: ٦٤٦٤]

امام مجاہد نے ﴿قَوْلًا سَدِيدًا﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ سَدِید اور سَدَاد کے معنی ہیں: سچائی۔

فوائدومسائل: ① ان احادیث میں کسی کام کو میانہ روی کے ساتھ ہمیشہ کرنے کی اہمیت و افادیت بیان کی گئی ہے۔ اس عنوان کے دو اجزاء نہیں بلکہ ایک ہی جز کے دو رخ ہیں کیونکہ اسی کام کو ہمیشہ کیا جا سکتا ہے جو میانہ روی اور اعتدال کے ساتھ کیا جائے، اس میں افراط یا تفریط سے اس کی افادیت اور اہمیت مجروح ہو جاتی ہے۔ قرآن کریم میں بے شمار مقامات پر اعتدال قائم رکھنے پر زور دیا گیا ہے۔ ہم صرف تین آیات پیش کرتے ہیں: * ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”آپ اپنی نماز کو نہ زیادہ بلند آواز سے پڑھیں اور نہ بالکل پست آواز سے بلکہ ان کے درمیان اعتدال کا لہجہ اختیار کریں۔“[1] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ نماز میں قرآن اتنی بلند آواز سے نہ پڑھیں کہ مشرک قرآن کو برا بھلا کہیں اور نہ اتنی آہستہ پڑھیں کہ آپ کے صحابہ بھی نہ سن سکیں بلکہ درمیانی راہ اختیار کریں۔ دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”نہ تم اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو اور نہ اسے پوری طرح کھلا ہی چھوڑ دو ورنہ تم خود ملامت زدہ اور درماندہ بن کر رہ جاؤ گے۔“[2] اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ خرچ کرتے وقت نہ تو بخل سے کام لیا جائے اور نہ اتنا زیادہ ہی خرچ کیا جائے کہ اپنی ضرورت کے لیے بھی کچھ نہ رہے بلکہ میانہ روی کو اختیار کرنا چاہیے۔ خرچ کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی ہدایت یہ ہے: ”اور جو لوگ خرچ کرتے ہیں وہ تو اسراف کرتے ہیں اور نہ

---

1 بنيّ إسرآئيل 17:110. 2 بنيّ إسرآئيل 17:29.

بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ ان کا خرچ دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔''[1] مطلب یہ ہے کہ ضرورت کے کاموں میں حد سے زیادہ خرچ کرنا معیوب ہے، اسی طرح ضرورت کے وقت پیسہ خرچ نہ کرنا بلکہ اسے جوڑ کر رکھنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں بلکہ اعتدال کی پالیسی کو اختیار کرنا چاہیے۔ ② اسراف اور بخل کے درمیان صفت کو اقتصاد یا تصد کہتے ہیں۔ اسی صفت کو اسلام نے پسند کیا ہے۔ اقتصاد یہ ہے کہ انسان اپنی ضروریات پر اتنا ہی خرچ کرے جتنا ضروری ہو، نہ کم ہو نہ زیادہ۔ امام بخاری ﷫ کے عنوان اور پیش کردہ احادیث کا یہی مقصد ہے۔ واللہ أعلم.

٦٤٦٨ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُهُ يَقُولُ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ صَلَّى لَنَا يَوْمًا الصَّلَاةَ ثُمَّ رَقِيَ الْمِنْبَرَ فَأَشَارَ بِيَدِهِ مِنْ قِبَلِ قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ: «قَدْ أُرِيتُ الْآنَ - مُنْذُ صَلَّيْتُ لَكُمُ الصَّلَاةَ - الْجَنَّةَ وَالنَّارَ مُمَثَّلَتَيْنِ فِي قُبُلِ هٰذَا الْجِدَارِ فَلَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ، فَلَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ». [راجع: ٩٣]

[6468] حضرت انس بن مالک ﷜ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک دن نماز پڑھائی، پھر منبر پر تشریف لے گئے اور اپنے ہاتھ سے مسجد کے قبلے کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: ''جب میں نے تمھیں نماز پڑھائی تو اس وقت مجھے اس دیوار کی طرف جنت اور دوزخ کی تصویر دکھائی گئی۔ میں نے آج تک بہشت کی سی خوبصورت چیز اور جہنم کی سی ڈراؤنی شکل نہیں دیکھی۔ میں نے آج کے دن کی طرح خیر اور شر جیسی کوئی چیز نہیں دیکھی۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں نمازی کو خبردار کیا گیا ہے کہ وہ نماز پڑھتے وقت جنت اور دوزخ کا اپنے سامنے استحضار کرے تاکہ نماز میں شیطان کے وسوسے سے پیدا ہونے والی سوچ بچار سے محفوظ رہے۔ جو شخص انھیں اپنے ذہن میں رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مصروف اور اس کی نافرمانی سے محفوظ رہے گا۔ ② حافظ ابن حجر ﷫ لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں عمل پر ہمیشگی کرنے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جو شخص جنت اور دوزخ کو اپنے سامنے ظاہر کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں لگا رہے گا اور اس کی نافرمانی سے رک جائے گا۔ اس طرح حدیث کی عنوان سے مطابقت بھی ظاہر ہو جاتی ہے کہ اعتدال کے ساتھ نیک عمل پر ہمیشگی کرنی چاہیے۔[2]

(١٩) بَابُ الرَّجَاءِ مَعَ الْخَوْفِ

باب:19- خوف کے ساتھ امید بھی رکھنی چاہیے

وَقَالَ سُفْيَانُ: مَا فِي الْقُرْآنِ آيَةٌ أَشَدُّ عَلَيَّ

سفیان نے کہا: قرآن کی کوئی آیت مجھ پر اتنی سخت نہیں

① الفرقان 25: 67. ② فتح الباري: 11/363.

مِنْ ﴿لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ﴾ [المائدة: ٦٨].

گزری جس قدر درج ذیل آیت ہے: ''تم کسی چیز پر نہیں ہو یہاں تک کہ تورات وانجیل کو اور اس (دین) کو قائم کرو جو تمھارے رب کی طرف سے تمھاری طرف نازل کیا گیا ہے۔''

وضاحت: اس آیت کے گراں ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں سخت حکم ہے کہ جب تک کتاب الٰہی پر پورا عمل نہ ہو اس وقت تک دین وایمان کا کوئی اعتبار نہیں۔ دراصل امید اور خوف کی درمیانی کیفیت کا نام ایمان ہے۔ صرف امید ہو تو وہ انسان کو تکبر تک پہنچا دیتی ہے اور صرف خوف ہو تو ناامیدی تک لے جاتا ہے۔ خوف اور امید پرندے کے دونوں پروں کی طرح ہیں، جب تک دونوں برابر رہیں تو وہ بدستور اڑتا رہتا ہے اور جب کسی ایک پر میں نقص پڑ جائے تو اڑنے کے قابل نہیں رہتا۔ اگر دونوں پر جاتے رہیں تو پرندے کی موت قریب آ جاتی ہے۔ بہرحال مومن کو اللہ تعالیٰ کے غصے کا ڈر اور اس کی رحمت کا امیدوار رہنا چاہیے، اسی طرح اس کا ایمان محفوظ رہتا ہے۔

٦٤٦٩ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو، عَنْ سَعِيدِ ابْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ اللهَ خَلَقَ الرَّحْمَةَ يَوْمَ خَلَقَهَا مِائَةَ رَحْمَةٍ، فَأَمْسَكَ عِنْدَهُ تِسْعًا وَتِسْعِينَ رَحْمَةً، وَأَرْسَلَ فِي خَلْقِهِ كُلِّهِمْ رَحْمَةً وَاحِدَةً، فَلَوْ يَعْلَمُ الْكَافِرُ بِكُلِّ الَّذِي عِنْدَ اللهِ مِنَ الرَّحْمَةِ لَمْ يَيْأَسْ مِنَ الْجَنَّةِ، وَلَوْ يَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ بِكُلِّ الَّذِي عِنْدَ اللهِ مِنَ الْعَذَابِ لَمْ يَأْمَنْ مِنَ النَّارِ». [راجع: ٦٠٠٠]

[6469] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالیٰ نے رحمت کو جس دن پیدا کیا تو اس کے سو حصے کیے۔ پھر اس نے ننانوے حصے اپنے پاس رکھے صرف ایک حصہ اپنی تمام مخلوق کے لیے دنیا میں بھیجا، لہٰذا اگر کافر کو اللہ کی ساری رحمت کا پتہ چل جائے تو وہ کبھی جنت سے مایوس نہ ہو اور اگر مومن کو اللہ کے ہاں ہر قسم کے عذاب کا علم ہو جائے تو وہ دوزخ سے کبھی بھی بے خوف نہ ہو۔''

فوائد ومسائل: ① مومن کتنے بھی نیک اعمال کرتا ہو لیکن اسے ہر وقت کھٹکا لگا رہتا ہے۔ شاید میری نیکیاں بارگاہِ الٰہی میں قبول نہ ہوئی ہوں اور شاید میرا خاتمہ ایمان پر نہ ہو۔ یہی امید اور خوف ہے جس کے درمیان ایمان ہے۔ امید بھی کامل اور خوف بھی پورا پورا۔ قرآن کریم میں اللہ کے بندوں کی صفت ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے: ''وہ اپنے اللہ کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے خوف زدہ رہتے ہیں۔''[1] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے درج ذیل آیت کے متعلق دریافت

1 بنيٓ إسرآئيل 17: 57.

فرمایا: ''وہ جو دیتے ہیں جو بھی دیں لیکن ان کے دلوں میں دھڑکا لگا رہتا ہے کہ وہ اپنے پروردگار کے پاس لوٹ جانے والے ہیں۔''[1] عرض کی: جو لوگ اللہ کی راہ میں دیتے ہیں انھیں کس بات کا ڈر لگا رہتا ہے؟ کیا وہ شراب پیتے ہیں یا چوری کرتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صدیق کی بیٹی! یہ بات نہیں بلکہ وہ لوگ روزہ رکھتے، نماز پڑھتے اور صدقہ دیتے ہیں، اس کے باوجود وہ ڈرتے رہتے ہیں کہ شاید ان کا عمل قبول نہ ہو۔ یہی لوگ ہیں جو نیکیوں کی طرف لپکتے اور آگے نکل جانے والے ہیں۔''[2]
② بہرحال مسلسل گناہ کرتے جانا، پھر نجات کی امید رکھنا بدبختی کی علامت ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ حالت صحت میں دل پر خوف غالب رکھے اور مرتے وقت اس کے رحم و کرم کی امید رکھے۔ واللہ أعلم.

(٢٠) بَابُ الصَّبْرِ عَنْ مَحَارِمِ اللهِ

باب: 20- اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے رک جانا

﴿إِنَّمَا يُوَفَّى ٱلصَّٰبِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ [الزمر:١٠]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''بلاشبہ صبر کرنے والوں کو بے حد وحساب اجر دیا جائے گا۔''

وَقَالَ عُمَرُ: وَجَدْنَا خَيْرَ عَيْشِنَا بِالصَّبْرِ.

حضرت عمر ؓ نے فرمایا: ہم نے بہترین زندگی صبر ہی میں پائی ہے۔

وضاحت: صبر کے معنی ہیں: بری بات سے نفس کو روکنا اور زبان سے کوئی شکوہ و شکایت نہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کا منتظر رہنا۔ حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ صبر کے بعد اگر عَنْ آجائے تو اس کے معنی ہوتے ہیں: گناہوں سے خود کو روکنا، اور اگر علی آجائے تو یہ طاعات میں استعمال ہوتا ہے جیسے اس نے خود کو نماز کے لیے روکا، آیت کریمہ اور حضرت عمر ؓ کے اثر میں یہ دونوں معنی مراد ہیں۔[3]

٦٤٧٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ اللَّيْثِيُّ: أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ نَاسًا مِنَ الْأَنْصَارِ سَأَلُوا رَسُولَ اللهِ ﷺ فَلَمْ يَسْأَلْهُ أَحَدٌ مِنْهُمْ إِلَّا أَعْطَاهُ حَتَّى نَفِدَ مَا عِنْدَهُ، فَقَالَ لَهُمْ حِينَ نَفِدَ كُلُّ شَيْءٍ أَنْفَقَ بِيَدَيْهِ: «مَا يَكُونُ عِنْدِي مِنْ خَيْرٍ لَا أَدَّخِرُهُ عَنْكُمْ، وَإِنَّهُ مَنْ يَسْتَعِفَّ يُعِفَّهُ اللهُ،

[6470] حضرت ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ انصار میں سے چند لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ مانگا۔ جس نے بھی آپ سے جو مانگا آپ نے اسے دیا حتی کہ جو مال آپ کے پاس تھا وہ ختم ہو گیا۔ جب سب کچھ ختم ہو گیا جو آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے دیا تھا تو آپ نے فرمایا: ''جو اچھی چیز میرے پاس ہے وہ میں تم سے چھپا کر نہیں رکھتا، لیکن بات یہ ہے کہ جو تم میں

---

① المؤمنون 23:60. ② جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3175. 3 فتح الباري: 367/11.

وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللهُ، وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللهُ، وَلَنْ تُعْطَوْا عَطَاءً خَيْرًا وَأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ». [راجع: ١٤٦٩]

سے بچتا رہے گا اللہ اس کو بچائے گا۔ جو صبر کرنا چاہے اللہ اسے صبر دے گا اور جو کوئی غنا چاہتا ہے اللہ اسے مستغنی کر دے گا۔ اور تمھیں اللہ کی نعمت صبر سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ملی۔''

فوائدومسائل: ① اس حدیث میں لوگوں سے بے نیاز رہنے کی ترغیب ہے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے صبر کے ذریعے سے لوگوں سے نہ مانگنے پر ابھارا گیا ہے، نیز انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ کے دیے ہوئے رزق کا انتظار کرے اور بے صبری کو اپنے پاس نہ آنے دے کیونکہ صبر سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں، اس پر بلا حد وحساب اجر وثواب کا وعدہ ہے۔ ② بلاضرورت سوال کرنا حرام ہے اور صبر کے ذریعے سے اس حرام کے ارتکاب سے باز رہنے کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ عنوان کا مقصد بھی یہی ہے۔ ③ بہرحال صبر ایک عجیب نعمت ہے۔ صابر انسان کی طرف لوگوں کے دل مائل ہو جاتے ہیں اور وہ اس سے ہمدردی کرنے کے لیے بے چین ہو جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے: ''اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''[1] حدیث کے آخری الفاظ: ''کسی بندے کو صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع کوئی نعمت عطا نہیں ہوئی'' قابل غور ہیں، واقعہ یہی ہے کہ صبر دل کی جس کیفیت کا نام ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں ایک مقام پر صبر کو نماز پر مقدم کیا گیا ہے۔[2]

٦٤٧١ - حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى: حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ: حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ عِلَاقَةَ قَالَ: سَمِعْتُ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ يَقُولُ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي حَتَّى تَرِمَ - أَوْ تَنْتَفِخَ - قَدَمَاهُ. فَيُقَالُ لَهُ، فَيَقُولُ: «أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا؟». [راجع: ١١٣٠]

[6471] حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ اس قدر نماز پڑھتے کہ آپ کے دونوں قدموں پر ورم آ جاتا۔ آپ سے کہا جاتا تو آپ فرماتے: ''کیا میں شکرگزار بندہ نہ بنوں؟''

فوائدومسائل: ① ایک روایت میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے سب اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے ہیں تو پھر آپ اس قدر تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں؟ اس کے بعد آپ نے وہ جواب دیا جو اس حدیث میں ہے۔[3] ② اس حدیث کی عنوان سے مناسبت اس طور پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا واجب ہے اور واجب کا ترک حرام ہے۔ جب انسان، واجب کی ادائیگی میں اپنے نفس کو مصروف رکھے گا تو لازمی طور پر وہ حرام چیزوں سے خود کو باز رکھے گا۔ بہرحال شکر کے لیے صبر لازمی ہے کیونکہ اس سے بندہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر کاربند اور اس کی نافرمانی سے باز رہتا ہے۔[4] واللّٰه أعلم.

---

1 البقرة 2:153. 2 البقرة 2:45. 3 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4836. 4 فتح الباري: 11/369.

(٢١) بَابٌ: ﴿وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى ٱللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُۥٓ﴾ [الطلاق: ٣]

باب: 21- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''جو کوئی اللہ پر توکل کرے گا تو وہ اسے کافی ہے'' کا بیان

قَالَ الرَّبِيعُ بْنُ خُثَيْمٍ: مِنْ كُلِّ مَا ضَاقَ عَلَى النَّاسِ.

ربیع بن خثیم نے کہا: یہ توکل ہر اس مشکل میں ہے جو لوگوں کو پیش آئے۔

وضاحت: صبر اور بے نیازی اسی صورت میں فائدہ مند اور ثمر آور ہوگی جب اللہ تعالیٰ پر توکل ہو۔ اسباب کو ترک کر کے مخلوق پر بھروسا کرنا توکل نہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے سوال ہوا کہ ایک آدمی اپنے گھر یا مسجد میں بیٹھ جاتا اور کہتا ہے کہ میں کوئی کام نہیں کروں گا حتی کہ میرا رزق خود میرے پاس آئے، کیا یہ توکل ہے؟ انھوں نے فرمایا: یہ شخص علم سے جاہل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''اللہ تعالیٰ نے میرا رزق نیزے کی نوک میں رکھا ہے''[1] اس سے معلوم ہوا کہ اسباب اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں۔''[2]

٦٤٧٢ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ: حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: سَمِعْتُ حُصَيْنَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ: كُنْتُ قَاعِدًا عِنْدَ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ فَقَالَ: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ، هُمُ الَّذِينَ لَا يَسْتَرْقُونَ وَلَا يَتَطَيَّرُونَ وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ». [راجع: ٣٤١٠]

[6472] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کے ستر ہزار انسان حساب و کتاب کے بغیر جنت میں جائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو جھاڑ پھونک نہیں کراتے اور نہ شگون لیتے ہیں بلکہ اپنے رب پر ہی بھروسا کرتے ہیں۔''

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے: ''وہ آگ سے داغ دے کر اپنا علاج نہیں کریں گے۔''[3] بعض حضرات نے اس حدیث سے یہ مفہوم کشید کیا ہے کہ وہ خوش قسمت حضرات اسباب کا استعمال ترک کر کے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والے ہوں گے۔ امام بخاری رحمہ اللہ ان کی تردید کرنا چاہتے ہیں کہ اگر حدیث کا یہ مقصد ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس کی صراحت فرما دیتے لیکن اس حدیث میں صرف تین چیزوں کا ذکر ہے: آگ سے داغ دے کر علاج کروانا۔ دم کا مطالبہ کرنا اور بدشگونی لینا۔ ② یہ اسباب خود شریعت میں ممنوع ہیں تو حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ یہ بندے وہ ہوں گے جو اپنے مقاصد اور ضروریات میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسا کرنے کی وجہ سے ان اسباب کو استعمال نہیں کرتے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں، اس لیے مطلقاً اسباب کو ترک کرنا حدیث کا مقصد نہیں ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی حدیث کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔[4] ③ اس حدیث

---

① مسند أحمد: 50/2. ② فتح الباري: 370/11. ③ صحيح البخاري، الطب، حديث: 5705. ④ حجة الله البالغه: 92/2.

کو صرف پیش گوئی پر ہی محمول نہ کیا جائے بلکہ حدیث کا اصل منشا یہ ہے کہ لوگ اپنی زندگی کو معیاری توکل والی زندگی بنانے کی کوشش کریں تاکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنت میں بے حساب جانے والوں کی فہرست میں ان کا نام آ جائے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُم ۔ آمین یا رب العالمین.

(٢٢) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ قِيلَ وَقَالَ

باب:22- بے فائدہ گفتگو کرنا منع ہے

٦٤٧٣ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْلِمٍ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ: أَنْبَأَنَا غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْهُمْ مُغِيرَةُ وَفُلَانٌ وَرَجُلٌ ثَالِثٌ أَيْضًا، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ وَرَّادٍ كَاتِبِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ: أَنَّ مُعَاوِيَةَ كَتَبَ إِلَى الْمُغِيرَةِ: أَنِ اكْتُبْ إِلَيَّ بِحَدِيثٍ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ. قَالَ: فَكَتَبَ إِلَيْهِ الْمُغِيرَةُ: إِنِّي سَمِعْتُهُ يَقُولُ عِنْدَ انْصِرَافِهِ مِنَ الصَّلَاةِ: «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ». [ثَلَاثَ مَرَّاتٍ] قَالَ: وَكَانَ يَنْهَى عَنْ قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةِ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةِ الْمَالِ، وَمَنْعٍ وَهَاتِ، وَعُقُوقِ الْأُمَّهَاتِ، وَوَأْدِ الْبَنَاتِ.

[راجع: ٨٤٤]

[6473] حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ کے کاتب وراد بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ ؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ کو خط لکھا کہ کوئی حدیث جو تم نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو مجھے لکھ بھیجو، چنانچہ حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ نے انھیں لکھا: میں نے آپ ﷺ سے سنا، آپ نماز سے فراغت کے بعد یہ پڑھتے تھے: ”اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ تنہا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کے لیے بادشاہت ہے اور وہی حمد وثنا کا سزاوار ہے۔ اور وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔“ یہ تین مرتبہ پڑھتے تھے، نیز آپ فضول گفتگو، زیادہ سوال کرنے، مال کے ضیاع، اپنی چیز بچا کر رکھنے، دوسروں کی چیز مانگنے، ماؤں کی نافرمانی کرنے اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع کرتے تھے۔

وَعَنْ هُشَيْمٍ: أَنْبَأَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ وَرَّادًا يُحَدِّثُ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنِ الْمُغِيرَةِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

ہشیم کہتے ہیں کہ ہمیں عبدالملک بن عمیر نے بتایا، انھوں نے کہا: میں نے وراد سے سنا، وہ حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ سے، وہ نبی ﷺ سے یہ حدیث بیان کرتے تھے۔

فوائد ومسائل: ① قیل وقال سے مراد ہے ایسی لچر اور فضول گفتگو جس کا کوئی فائدہ نہ ہو۔ بندۂ مومن کو ایسی فضول باتوں سے زبان کی حفاظت کرنی چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کی عام تعلیم تھی کہ بلا ضرورت اور بے فائدہ باتیں کرنے سے زبان کو روکا جائے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے: ”انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ فضول باتوں اور بے فائدہ کاموں سے بچے۔“[1]

---

[1] سنن ابن ماجه، الفتن، حدیث: 3976.

② اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بلاضرورت اور بے فائدہ گفتگو نہ کرنا اور لغو وفضول مشاغل سے خود کو محفوظ رکھنا انسان کے اچھے اسلام کی علامت اور اس کے ایمان کی خوبی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ انسان لغویات سے خود کو محفوظ رکھے۔

(٢٣) بَابُ حِفْظِ اللِّسَانِ

باب:23- زبان کی حفاظت کرنا

وَ«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ».

(ارشاد نبوی ہے:) ''جو کوئی اللہ پر ایمان اور قیامت پر یقین رکھتا ہے وہ اچھی بات کرے یا پھر خاموش رہے۔''

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ [ق:١٨].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''انسان جو بات بھی زبان سے نکالتا ہے تو ایک نگہبان فرشتہ اسے لکھنے کے لیے تیار رہتا ہے۔''

وضاحت: دنیا میں زیادہ جھگڑے اور فسادات زبان کی بے احتیاطی سے پیدا ہوتے ہیں بلکہ انسانوں سے جو بڑے بڑے گناہ سرزد ہوتے ہیں ان کا تعلق بھی زیادہ تر زبان ہی سے ہوتا ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ اس کی بہت تاکید کرتے تھے کہ زبان کو قابو میں رکھا جائے اور ہر قسم کی بری باتوں بلکہ بلاضرورت اور بے فائدہ گفتگو سے بھی زبان کو لگام دی جائے۔ جب بات کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہ ہو اور بات کرنے سے کسی خیر یا نفع کی امید نہ ہو تو خاموش ہی رہا جائے۔

٦٤٧٤ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَلِيٍّ: سَمِعَ أَبَا حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدٍ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ». [انظر: ٦٨٠٧]

[6474] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جو شخص مجھے اپنے دونوں جبڑوں کے درمیان اور دونوں ٹانگوں کے درمیان کی ضمانت دے دے میں اس کے لیے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔''

فوائد ومسائل: ① انسانی اعضاء میں زبان کے علاوہ جس عضو کی حفاظت کو خاص اہمیت حاصل ہے وہ انسان کی شرمگاہ ہے، اس لیے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے دونوں اعضاء کی ضمانت بیان فرمائی ہے کہ جو بندہ اس کا ذمہ لے لے کہ وہ اپنی زبان کی بھی حفاظت کرے گا اور شہوت نفس کو بھی لگام دے گا میں اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کا ذمہ لیتا ہوں۔ ② یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس قسم کے ارشادات کے مخاطب وہ اہل ایمان ہیں جو ایمان کے بنیادی مطالبات کو ادا کرتے ہوں، ایک دفعہ کسی صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے نجات کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ''اپنی زبان پر قابو رکھو۔''[1]

1 مسند أحمد: 259/5.

٦٤٧٥- حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ». [راجع: ٥١٨٥]

[6475] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کا اللہ پر ایمان اور قیامت پر یقین ہے اسے چاہیے کہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔ اور جو کوئی اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے اور جس شخص کا اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان ہے وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔''

٦٤٧٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْخُزَاعِيِّ قَالَ: سَمِعَ أُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِي النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «الضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ، جَائِزَتُهُ»، قِيلَ: وَمَا جَائِزَتُهُ؟ قَالَ: «يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ»، قَالَ: «وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَسْكُتْ». [راجع: ٦٠١٩]

[6476] حضرت ابو شریح خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میرے دونوں کانوں نے سنا اور میرے دل نے یاد رکھا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا: ''مہمانی تین دن ہوتی ہے اور اس کا جائزہ بھی۔'' پوچھا گیا: اس کا جائزہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ایک دن ایک رات۔'' اور فرمایا: ''جو کوئی اللہ پر ایمان اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام و احترام کرے اور جو شخص اللہ پر ایمان اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اچھی بات کہے یا پھر خاموش رہے۔''

فوائد ومسائل: ① شریعت میں زبان کی حفاظت کے متعلق بہت زور دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''[1] ایک دفعہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! ہم جو باتیں کرتے ہیں کیا ان پر ہمارا مؤاخذہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ''اے معاذ! تجھے تیری ماں گم پائے! لوگوں کو دوزخ میں ان کے منہ کے بل ان کی زبان سے نکلی ہوئی بے معنی باتیں ہی گرائیں گی۔''[2] ② آج بھی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ جو بڑے بڑے گناہ وبا کی طرح عام ہیں اور جن سے محفوظ رہنے والے بہت کم ہیں ان کا تعلق زیادہ تر زبان ہی سے ہے۔ أعاذنا الله منها.

٦٤٧٧ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ يَزِيدَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ

[6477] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''بے شک بندہ ایک

1 صحيح البخاري، الإيمان، حديث: 10. 2 مسند أحمد: 5/237.

إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مَا يَتَبَيَّنُ فِيهَا يَزِلُّ بِهَا فِي النَّارِ أَبْعَدَ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ». [انظر: ٦٤٧٨]

بات زبان سے نکالتا ہے اور اس کے متعلق غور وفکر نہیں کرتا، اس کی وجہ سے وہ دوزخ کے گڑھے میں اتنی دور جا گرتا ہے جس قدر مشرق اور مغرب کے درمیان مسافت ہے۔"

٦٤٧٨ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُنِيرٍ: سَمِعَ أَبَا النَّضْرِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ - يَعْنِي ابْنَ دِينَارٍ - عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللهِ لَا يُلْقِي لَهَا بَالًا يَرْفَعُ اللهُ بِهَا دَرَجَاتٍ، وَإِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللهِ لَا يُلْقِي لَهَا بَالًا يَهْوِي بِهَا فِي جَهَنَّمَ». [راجع: ٦٤٧٧]

[6478] حضرت ابو ہریرہ ؓ ہی سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "بے شک بندہ اللہ کی رضا جوئی کے لیے ایک بات منہ سے نکالتا ہے، اسے وہ کچھ اہمیت بھی نہیں دیتا لیکن اس کی وجہ سے اللہ اس کے درجات بلند کر دیتا ہے۔ اسی طرح ایک دوسرا بندہ ایک ایسا کلمہ زبان سے نکالتا ہے جو اللہ کی ناراضی کا باعث ہوتا ہے، اس کے ہاں اس کی کوئی اہمیت بھی نہیں ہوتی لیکن اس کی وجہ سے وہ جہنم میں چلا جاتا ہے۔"

فائدہ: بعض اوقات انسان ایسی گفتگو کرتا ہے اور اس پر مرتب ہونے والے نتائج پر غور نہیں کرتا تو اس کی پاداش میں وہ جہنم میں داخل ہو جاتا ہے، اس لیے شریعت میں زبان کے استعمال کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ حدیث میں ہے: "جب آدمی صبح کرتا ہے تو اس کے تمام اعضاء زبان کی منت سماجت کرتے ہوئے کہتے ہیں: ہمارے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا کیونکہ ہم تیرے ہی رحم وکرم پر ہیں اگر تو ٹھیک رہی تو ہم بھی ٹھیک رہیں گے اگر تو نے غلط روی اختیار کی تو ہم بھی بھٹک جائیں گے۔"[1] ایک دوسری حدیث میں دل کی یہ خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ انسانی اعضاء کے درست رہنے کا دار و مدار اس کے دل پر موقوف ہے۔ ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ اصل حیثیت تو دل ہی کی ہے لیکن ظاہری اعضاء میں چونکہ زبان اس کی ترجمان ہے، اس لیے دونوں کی مذکورہ نوعیت بیان کی گئی ہے۔ اگر یہ دونوں ٹھیک ہیں تو خیریت بصورت دیگر انسان کی خیریت نہیں ہے۔ واللہ المستعان.

(٢٤) بَابُ الْبُكَاءِ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ

باب: 24- اللہ عزوجل کے ڈر سے آبدیدہ ہونا

٦٤٧٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ: حَدَّثَنِي خُبَيْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ

[6479] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "سات طرح

① جامع الترمذي، الزهد، حديث: 2407.

عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ: رَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ». [راجع: ٦٦٠]

کے لوگ وہ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں پناہ دے گا: (ان میں ایک وہ شخص بھی ہے) جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔"

فائدہ: اللہ تعالیٰ کے ڈر سے آبدیدہ ہونا اور آنسو بہانا بہت بڑی نعمت ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک جنازے میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ ایک قبر کے کنارے پر بیٹھ گئے اور اتنا روئے کہ مٹی تر ہو گئی، پھر فرمایا: "بھائیو! اس کے لیے تیاری کرلو۔"[1]

(٢٥) بَابُ الْخَوْفِ مِنَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ

باب:25- اللہ عزوجل سے ڈرنا

٦٤٨٠ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ رِبْعِيٍّ، عَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «كَانَ رَجُلٌ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ يُسِيءُ الظَّنَّ بِعَمَلِهِ فَقَالَ لِأَهْلِهِ: إِذَا أَنَا مُتُّ فَخُذُونِي فَذَرُّونِي فِي الْبَحْرِ فِي يَوْمٍ صَائِفٍ. فَفَعَلُوا بِهِ، فَجَمَعَهُ اللهُ ثُمَّ قَالَ: مَا حَمَلَكَ عَلَى الَّذِي صَنَعْتَ؟ قَالَ: مَا حَمَلَنِي عَلَيْهِ إِلَّا مَخَافَتُكَ، فَغَفَرَ لَهُ». [راجع: ٣٤٥٢]

[6480] حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "تم سے پہلے زمانے میں ایک شخص تھا جسے اپنے برے اعمال سے بڑا ڈر لگتا تھا۔ اس نے اپنے اہل خانہ سے کہا: جب میں مر جاؤں تو میری لاش کو ریزہ ریزہ کر کے سخت گرمی کے دن سمندر میں بہا دینا۔ انھوں نے ایسا ہی کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ذرات جمع کر کے اس سے پوچھا: یہ کام تو نے کیوں کیا؟ اس شخص نے کہا: مجھے اس کام پر صرف تیرے خوف نے آمادہ کیا تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرما دی۔"

٦٤٨١ - حَدَّثَنَا مُوسَى: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ: سَمِعْتُ أَبِي: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَبْدِ الْغَافِرِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ذَكَرَ رَجُلًا «فِيمَنْ سَلَفَ أَوْ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ آتَاهُ اللهُ مَالًا وَوَلَدًا - يَعْنِي أَعْطَاهُ. قَالَ: - فَلَمَّا حُضِرَ قَالَ لِبَنِيهِ: أَيَّ أَبٍ كُنْتُ

[6481] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے سابقہ امتوں میں سے ایک شخص کا ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مال و اولاد عطا فرمائی تھی۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا: میں تمھارا کیسا باپ ہوں؟ انھوں نے کہا: آپ ہمارے اچھے باپ ہیں۔ اس نے کہا: تمھارے

---

1 مسند أحمد: 294/4، والصحيحة للألباني، حديث: 1751.

لَكُمْ؟ قَالُوا: خَيْرَ أَبٍ، قَالَ: فَإِنَّهُ لَمْ يَبْتَئِرْ عِنْدَ اللهِ خَيْرًا - فَسَّرَهَا قَتَادَةُ: لَمْ يَدَّخِرْ - وَإِنْ يَقْدَمْ عَلَى اللهِ يُعَذِّبْهُ، فَانْظُرُوا فَإِذَا مُتُّ فَأَحْرِقُونِي حَتَّى إِذَا صِرْتُ فَحْمًا فَاسْحَقُونِي - أَوْ قَالَ: فَاسْهَكُونِي - ثُمَّ إِذَا كَانَ رِيحٌ عَاصِفٌ فَأَذْرُونِي فِيهَا، فَأَخَذَ مَوَاثِيقَهُمْ عَلَى ذَلِكَ وَرَبِّي فَفَعَلُوا، فَقَالَ اللهُ: كُنْ. فَإِذَا رَجُلٌ قَائِمٌ. ثُمَّ قَالَ: أَيْ عَبْدِي، مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا فَعَلْتَ؟ قَالَ: مَخَافَتُكَ أَوْ فَرَقٌ مِنْكَ، فَمَا تَلَافَاهُ أَنْ رَحِمَهُ اللهُ».

اس باپ نے اللہ کے ہاں کوئی نیکی جمع نہیں کی ہے۔ قتادہ نے اس کی تفسیر کی ہے: ذخیرہ نہیں کی۔ اگر اسے اللہ کے حضور پیش کیا گیا تو وہ اسے ضرور عذاب دے گا۔ اب میرا خیال رکھو، جب میں مر جاؤں تو میری لاش کو جلا دینا یہاں تک کہ میں کوئلہ بن جاؤں تو مجھے پیس کر کسی تیز ہوا (آندھی) والے دن مجھے اس میں اڑا دینا۔ اس نے اپنے لڑکوں سے اس کے متعلق پختہ وعدہ لیا۔ قسم ہے میرے رب کی! اس کے بیٹوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہو جا تو وہ آدمی کی شکل میں کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے بندے! تجھے اس کام پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ اس نے کہا: تیرے خوف اور تیرے ڈرنے (آمادہ کیا)۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا بدلہ یوں دیا کہ اس پر رحم فرمایا (اور اسے معاف کر دیا)۔"

قَالَ: فَحَدَّثْتُ أَبَا عُثْمَانَ فَقَالَ: سَمِعْتُ سَلْمَانَ غَيْرَ أَنَّهُ زَادَ: فَأَذْرُونِي فِي الْبَحْرِ، أَوْ كَمَا حَدَّثَ.

(راویٔ حدیث معتمر کے والد سلیمان تیمی کہتے ہیں:) میں نے یہ حدیث ابو عثمان سے بیان کی تو انھوں نے کہا: میں نے سلمان سے سنا، اس نے ان الفاظ کا اضافہ کیا: مجھے دریا میں بہا دینا۔ یا اس جیسی کوئی بات کہی۔

وَقَالَ مُعَاذٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ: سَمِعْتُ عُقْبَةَ: سَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٣٤٧٨]

معاذ نے کہا: ہمیں شعبہ سے قتادہ نے خبر دی، انھوں کہا: میں نے عقبہ سے، انھوں نے کہا: میں نے ابو سعید رضی اللہ عنہ سے سنا، انھوں نے نبی ﷺ سے اسے بیان کیا۔

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ وہ شخص کفن چور تھا۔[1] اس نے یہ فعل اس لیے کیا کہ اگر اسے اصل حالت میں دفن کر دیا گیا تو قیامت کے دن اٹھتے وقت لوگ اسے پہچان لیں گے، لہٰذا جب وہ جل کر راکھ ہو گیا، پھر اسے پانی میں بہا دیا گیا یا ہوا میں اڑا دیا گیا تو لوگ اسے پہچان نہیں سکیں گے لیکن وہ بے چارہ اللہ تعالیٰ کی شان اور اس کی صفات سے بھی ناواقف تھا اور اس کے اعمال بھی اچھے نہ تھے لیکن مرنے سے پہلے اس پر خوف الٰہی اس قدر طاری ہوا کہ اس نے اپنے بیٹوں کو ایک جاہلانہ وصیت کر دی۔ وہ یہ سمجھا کہ میری راکھ کے اس طرح خشکی اور تری میں منتشر ہونے کے بعد میرے دوبارہ زندہ ہونے کا کوئی امکان نہیں رہے گا۔ لیکن جاہلانہ غلطی کا منشا اور سبب چونکہ خوف الٰہی اور اس کے عذاب کا ڈر تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3452.

معاف کر دیا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے خوف الٰہی کی قدر و قیمت کو ثابت کیا ہے کہ خوف الٰہی کی وجہ سے اس جاہل کو بھی معاف کر دیا گیا۔

(٢٦) بَابُ الْاِنْتِهَاءِ عَنِ الْمَعَاصِي

باب:26- گناہوں سے باز رہنا

٦٤٨٢ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَثَلِي وَمَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللهُ كَمَثَلِ رَجُلٍ أَتَى قَوْمًا فَقَالَ: رَأَيْتُ الْجَيْشَ بِعَيْنَيَّ، وَإِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْعُرْيَانُ، فَالنَّجَاءَ النَّجَاءَ. فَأَطَاعَهُ طَائِفَةٌ فَأَدْلَجُوا عَلَى مَهَلِهِمْ فَنَجَوْا، وَكَذَّبَتْهُ طَائِفَةٌ فَصَبَّحَهُمُ الْجَيْشُ فَاجْتَاحَهُمْ». [انظر: ٧٢٨٣]

[6482] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری مثال اور اس کی مثال جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا ہے اس آدمی کی طرح ہے جو کسی قوم کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دشمن کا لشکر دیکھا ہے اور میں تمھیں واضح طور پر اس سے خبردار کرنے والا ہوں، لہٰذا اس سے بچنے کی فکر کرو اور اس سے بچو تو ایک گروہ نے اس کی بات مان لی اور راتوں رات اطمینان سے کسی محفوظ جگہ پر چلے گئے اور نجات پائی جبکہ دوسرے گروہ نے اسے جھٹلایا تو دشمن کے لشکر نے ان پر صبح کے وقت حملہ کر کے اچانک انھیں تباہ کر دیا۔''

فوائد و مسائل: ① عربوں میں یہ رواج تھا کہ لوگوں کو دشمن سے خبردار کرنے والا شخص اپنے کپڑے اتار کر برہنہ ہو جاتا اور کپڑوں کو اپنے سر پر گھماتا تھا، پھر اعلان کرتا کہ دشمن حملہ کرنے والا ہے۔ ② حدیث کے معنی یہ ہیں کہ میں تمھیں واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں، جہنم سے بچنے کی فکر کرو۔ اس حدیث کی وضاحت ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے، حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن باہر نکلے اور تین دفعہ آواز دے کر فرمایا: ''میری اور تمھاری مثال اس قوم کی طرح ہے جنھیں دشمن سے خطرہ تھا کہ وہ اچانک حملہ کر دے گا۔ انھوں نے نگرانی کے لیے ایک آدمی کو بھیجا۔ اس نے ایک دن دیکھا کہ دشمن ان پر حملے کی تیاری کر رہا ہے تو وہ فوراً وہاں سے بھاگا تاکہ اپنی قوم کو اس کی تیاری سے آگاہ کرے، ایسا نہ ہو کہ دشمن حملہ کر کے انھیں تباہ کر دے، چنانچہ وہ اپنے کپڑے اتار کر وہاں سے بھاگا اور اعلان کرنے لگا: لوگو! اپنی فکر کر لو، اپنے بچنے کی تدبیر کر لو۔''[1] ③ بہرحال جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی تنبیہ سن کر گناہوں سے بچیں گے وہ جہنم سے بچ جائیں گے جبکہ گناہوں سے نہ بچنے والے جہنم کا ایندھن بن جائیں گے۔ واللہ المستعان.

٦٤٨٣ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ:

[6483] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں

[1] مسند أحمد: 348/5.

حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّهُ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ النَّاسِ: كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ جَعَلَ الْفَرَاشُ وَهٰذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِي تَقَعُ فِي النَّارِ يَقَعْنَ فِيهَا، فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَزَعُهُنَّ وَيَغْلِبْنَهُ، فَيَقْتَحِمْنَ فِيهَا، فَأَنَا آخُذُ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ وَأَنْتُمْ تَقَحَّمُونَ فِيهَا».

نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''میری مثال اور لوگوں کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی۔ جب اس کے چاروں طرف روشنی پھیل گئی تو پروانے اور کیڑے مکوڑے جو آگ پر گرتے ہیں، اس میں گرنے لگے۔ وہ آدمی ان کو آگ سے دور کرتا ہے لیکن وہ اس کے قابو میں نہیں آتے بلکہ آگ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح میں تمھاری کمروں کو پکڑ کر آگ سے دور رکھتا ہوں اور تم ہو کہ اس میں گرتے جا رہے ہو۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان بشارت دینے والے کے بجائے ڈرانے والے کا زیادہ محتاج ہے کیونکہ خوشخبری کی طرف مائل ہونا انسان کی فطرت میں داخل ہے لیکن ہلاکت سے بچانے کے لیے اس کی رہنمائی ضروری ہے۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی امت کی بہت فکر تھی اور آپ اس کے لیے بہت شفیق اور مہربان تھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''تمھارے پاس ایسا رسول آیا ہے جو تمھاری قوم کا ہے۔ اس پر تمھاری مصیبت بہت گراں گزرتی ہے۔ تمھارے متعلق بہت حریص اور خاص طور اہل ایمان پر بہت ہی شفقت کرنے والا اور مہربان ہے۔''[1] لیکن افراد امت کی حالت یہ ہے کہ وہ زبردستی جہنم میں گھسنے کی کوشش کر رہے ہیں۔[2]

٦٤٨٤ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا عَنْ عَامِرٍ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ، وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللهُ عَنْهُ». [راجع: ١٠]

[6484] حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ اور مہاجر وہ ہے جو ان چیزوں سے رک جائے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں مہاجر کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے تاکہ فتح مکہ کی وجہ سے جو لوگ ہجرت نہیں کر سکے ہیں ان کی حوصلہ افزائی کی جائے کہ مہاجر کامل تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی باتوں اور اس کے منع کیے ہوئے کاموں سے باز رہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس میں ہجرت کرنے والوں کو تنبیہ ہو کہ وہ صرف عمل ہجرت پر بھروسا کر کے نہ بیٹھ جائیں بلکہ انھیں گناہوں سے باز رہنا ہوگا اور شب و روز اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہوگی۔ ② امام بخاری ؒ نے ان تمام احادیث سے امت کو تنبیہ کی ہے کہ اگر وہ قیامت کے دن نجات چاہتے ہیں تو انھیں احکام الٰہی کی پیروی کرنی ہوگی اور اس کی منع

[1] التوبة 9:128. [2] فتح الباري:11/386.

کردہ چیزوں سے باز رہنا ہوگا۔ واللہ المستعان.

(٢٧) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا»

باب: 27- نبی ﷺ کے ارشاد گرامی: ''اگر تمھیں معلوم ہو جاتا جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنستے اور روتے زیادہ'' کا بیان

٦٤٨٥ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَانَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا». [انظر: ٦٦٣٧]

[6485] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم وہ (حقائق) جان لیتے جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنستے اور زیادہ روتے۔''

٦٤٨٦ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُوسَى بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا». [راجع: ٩٣]

[6486] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر تمھیں معلوم ہو جائے جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنستے اور روتے زیادہ۔''

فوائد و مسائل: ① حقائق سے مراد اللہ تعالیٰ کی عظمت، حرمات کی پامالی پر اس کا انتقام، جان کنی کی سختی، قبر کی وحشت اور قیامت کی ہولناکیاں ہیں۔ اس مقام پر کم ہنسنا اور زیادہ رونا محتاج بیان نہیں ہے۔ ② اس حدیث کا پس منظر ان الفاظ میں بیان ہوا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر سے مسجد کی طرف تشریف لائے تو آپ نے چند صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا جو آپس میں گفتگو کر رہے تھے اور ہنس کر ایک دوسرے کے ساتھ تبادلہ خیالات کر رہے تھے، اس وقت آپ نے یہ حدیث بیان فرمائی۔[1] قرآن میں ہے: ''انھیں چاہیے کہ وہ ہنسیں کم اور زیادہ روئیں، اللہ کے ہاں انھیں اپنے کیے ہوئے اعمال کا ضرور بدلہ ملے گا۔''[2]

(٢٨) بَابٌ: حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ

باب: 28- دوزخ کے گرد شہوات کی باڑ ہے

٦٤٨٧ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ:

[6487] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دوزخ کے ارد گرد نفسانی خواہشات کی

1 فتح الباري: 388/11. 2 التوبة 9:82.

أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ، وَحُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ».

باڑ لگا دی گئی ہے جبکہ جنت کو مشکلات اور دشواریوں سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔"

فوائد ومسائل: ① اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص شہوات نفسانی کا پرستار ہو اس نے گویا دوزخ کا حجاب اٹھا دیا اور وہ جہنم میں پہنچ جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے: ''جس نے سرکشی کی اور دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی، تو یقیناً اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔''[1] اس کے برعکس جو مکروہات اور مشکلات برداشت کر کے دین اسلام پر عمل کرتا ہے تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا مہمان ہوگا اور اسے جنت میں اعزاز کے ساتھ داخل کیا جائے گا۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ أَهْلِهَا. ② اس حدیث کی وضاحت ایک دوسری حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جب جنت کو پیدا کیا تو حضرت جبریل علیہ السلام سے کہا: جاؤ اور اسے دیکھ کر آؤ، چنانچہ وہ گئے، اسے دیکھا پھر واپس آئے تو کہا: اے میرے رب! تیری عزت کی قسم! اس کے متعلق جو کوئی بھی سنے گا، اس میں داخل ہونا چاہے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے مکروہات کے گھیرے میں دے دیا، پھر فرمایا: اے جبریل! اب جاؤ اور اسے دیکھ کر آؤ، چنانچہ وہ گئے اور اسے دیکھ کر واپس آئے، پھر عرض کی: اے میرے رب! مجھے تیری عزت کی قسم! مجھے خطرہ ہے کہ اس میں کوئی بھی داخل نہیں ہو سکے گا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو پیدا کیا تو حضرت جبریل علیہ السلام سے کہا: جاؤ اور دوزخ کو دیکھ کر آؤ۔ وہ گئے اور اسے دیکھ کر واپس آئے تو عرض کی: اے میرے رب! تیری عزت کی قسم! کوئی نہیں جو اس کے متعلق سنے اور پھر اس میں داخل ہو، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے نفسانی خواہشات کے گھیرے میں دے دیا، اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا: جاؤ اسے دیکھ کر آؤ۔ وہ گئے اور اسے دیکھ کر واپس آئے تو عرض کی: اے میرے رب! تیری عزت کی قسم! تیرے جلال کی قسم! مجھے خطرہ ہے کہ اس میں داخل ہونے سے کوئی بھی نہیں بچ سکے گا۔[2]

(٢٩) بَابٌ: اَلْجَنَّةُ أَقْرَبُ إِلَى أَحَدِكُمْ مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ، وَالنَّارُ مِثْلُ ذَلِكَ

باب: 29- جنت تم سے تمھارے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے اور اسی طرح دوزخ بھی

٦٤٨٨ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ مَسْعُودٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ وَالْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَلْجَنَّةُ أَقْرَبُ إِلَى أَحَدِكُمْ مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ، وَالنَّارُ مِثْلُ ذَلِكَ».

[6488] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جنت تمھارے جوتے کے تسمے سے بھی تم سے زیادہ قریب ہے اور دوزخ بھی اسی طرح ہے۔''

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت جنت کی طرف لے جاتی ہے اور اس کی نافرمانی جہنم کے قریب کرتی ہے۔ بعض اوقات جنت اور دوزخ کا حصول معمولی چیزوں سے ہوتا ہے، اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ معمولی سی اطاعت کو

---

1 النازعات 79:37، 38. 2 سنن أبي داود، السنة، حديث: 4744.

حقیر نہ سمجھے اور اس کے بجالانے میں سستی نہ کرے، اسی طرح معمولی سی نافرمانی کو ہلکا اور تھوڑا سا خیال نہ کرے اور اس سے بے پروانہ ہو، ممکن ہے کہ وہ معمولی شر اس کے جہنم میں جانے کا سبب بن جائے۔ جنت اور دوزخ کے قریب ہونے کا یہی مطلب ہے کہ ان کا حصول معمولی چیز کے کرنے یا معمولی چیز سے بچنے کی بنا پر ممکن ہے۔[1]

٦٤٨٩ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أَصْدَقُ بَيْتٍ قَالَهُ الشَّاعِرُ: أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللهَ بَاطِلُ». [راجع: ٣٨٤١]

[6489] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''بہت سچا مصرعہ جو کسی شاعر نے کہا، وہ یہ ہے: اللہ کے سوا ہر شے فانی اور باطل ہے۔''

فوائد ومسائل: ① جب اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز فانی ہے جس میں اللہ کی اطاعت نہ ہو تو ایسی اشیاء میں مشغول ہونا گویا جنت سے دور ہونا ہے، حالانکہ جنت تو اس کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔ قرآن کریم میں ہے: ''جو تمھارے پاس ہے وہ ختم ہونے والا اور جو اللہ کے ہاں نعمتیں ہیں وہ باقی رہنے والی ہیں۔''[2] ② حافظ ابن حجر ؒ کہتے ہیں کہ جب دنیا کی ہر چیز فنا ہونے والی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر چیز کو بقا اور دوام حاصل ہے تو عقل مند کے لائق نہیں کہ وہ فانی چیز کو باقی رہنے والی پر ترجیح دے۔[3]

(٣٠) بَابٌ: لِيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ، وَلَا يَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَهُ

باب: 30- اسے دیکھنا چاہیے جو درجے میں نیچے ہے، اسے نہیں دیکھنا چاہیے جو مرتبے میں اوپر ہے

٦٤٩٠ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا نَظَرَ أَحَدُكُمْ إِلَى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ، فَلْيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ مِمَّنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ».

[6490] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص کسی ایسے آدمی کو دیکھے جو مال و دولت اور شکل وصورت میں اس سے بڑھ کر ہے تو اس وقت اسے ایسے شخص کو بھی دیکھنا چاہیے جو اس سے کم درجے کا ہے۔''

فائدہ: انسان کی یہ ایک فطری کمزوری ہے کہ جب وہ کسی ایسے شخص کو دیکھتا ہے جو مال و دولت یا شکل وصورت میں اس سے بڑھ کر ہو تو اس میں طمع اور حرص پیدا ہوتی ہے اور اسے خیال آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس طرح کا کیوں نہیں بنایا۔ اس حدیث میں اس روحانی بیماری کا علاج تجویز کیا گیا ہے کہ اپنے سے غریب ومفلس اور کم زور بندوں کو دیکھ لے۔ ایسا کرنے سے

1 فتح الباري: 11/390. 2 النحل 16:96. 3 فتح الباري: 11/391.

اس کی بیماری کا علاج ہو جائے گا۔ اس کی مزید وضاحت درج ذیل حدیث میں ہے: ''جس شخص میں دو خصلتیں ہوں گی اللہ تعالیٰ اسے اپنے ہاں صابر وشاکر لکھے گا: جس شخص کی عادت ہو کہ وہ دین کے معاملے میں تو ان بندوں پر نظر رکھے جو دین میں اس سے بڑھ کر ہوں اور ان کی پیروی اختیار کرے اور دنیا کے معاملے میں اپنے سے خستہ حال کو دیکھے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے برتری دی ہے تو اللہ کے ہاں صابر وشاکر لکھا جائے گا۔ اور جو آدمی دینی معاملات میں اپنے سے اونی لوگوں کو دیکھے اور دنیا کے متعلق اپنے سے بالاتر اور اونچے کو دیکھے اور جو دنیاوی نعمتیں اسے نہیں ملیں ان پر افسوس اور رنج کا اظہار کرے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ صابر وشاکر نہیں لکھا جائے گا۔''[1]

(٣١) بَابُ مَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ أَوْ بِسَيِّئَةٍ

باب: 31- جس نے نیکی یا بدی کا ارادہ کیا

٦٤٩١ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ: حَدَّثَنَا جَعْدٌ أَبُو عُثْمَانَ: حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ الْعُطَارِدِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِيمَا يَرْوِي عَنْ رَبِّهِ عَزَّوَجَلَّ قَالَ: «إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ كَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ ثُمَّ بَيَّنَ ذَلِكَ، فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللهُ لَهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً، فَإِنْ هَمَّ بِهَا وَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللهُ لَهُ عِنْدَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ إِلَى أَضْعَافٍ كَثِيرَةٍ، وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللهُ لَهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً، فَإِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللهُ لَهُ سَيِّئَةً وَاحِدَةً». [انظر: ٧٥٠١]

[6491] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے اپنے رب عزوجل سے بیان کیا: آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور برائیاں لکھیں، پھر انھیں صاف بیان کر دیا، لہٰذا جس نے نیکی کا ارادہ کیا لیکن اس پر عمل نہ کر سکا تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس پوری نیکی لکھ دیتا ہے اور اگر اس نے نیکی کا ارادہ کیا اور اس کے مطابق عمل بھی کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنے پاس دس نیکیوں سے لے کر سات سو گنا نیکیاں لکھ دیتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھا کر لکھتا ہے۔ اور جس نے برائی کا ارادہ کیا لیکن اس پر عمل نہ کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنے پاس پوری نیکی لکھ دیتا ہے اور اگر اس نے برائی کے ارادے کے بعد اس پر عمل کر لیا تو اللہ تعالیٰ اپنے ہاں اس کے لیے ایک برائی ہی لکھتا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① یہ اللہ تعالیٰ کا بے انتہا فضل وکرم ہے کہ اگر انسان نیکی کا صرف ارادہ کرلے تو بھی کامل نیکی کا ثواب لکھا جاتا ہے اور اگر برائی کا ارادہ کرے لیکن اس پر عمل نہ کرے تو کچھ بھی نہیں لکھا جاتا اور اگر برائی کا ارادہ کرے اور اس کے مطابق عمل بھی کرے تو صرف ایک برائی لکھی جاتی ہے۔ اس کے برعکس اگر نیکی کا ارادہ کرے اور اس کے مطابق عمل بھی کرلے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے بدلے کئی نیکیوں کا اندراج ہوتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل وکرم نہ ہوتا تو کوئی بھی جنت میں نہ جا

[1] جامع الترمذي، صفة القيامة، حديث: 2512.

سکتا کیونکہ انسانوں کی نیکیوں کے مقابلے میں ان کے گناہ اور نافرمانیاں زیادہ ہیں۔ ② واضح رہے کہ اگر کوئی برائی کا ارادہ کرلے لیکن اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اس پر عمل سے باز رہے تو اس کی نیکی لکھی جاتی ہے کیونکہ برائی سے رک جانا بذات خود ایک نیکی ہے لیکن اگر کوئی اپنی مجبوری کی وجہ سے برائی پر عمل نہ کر سکے یا اسے کوشش کے باوجود اس پر عمل کرنے کا موقع نہ ملے تو اسے نیت کی خرابی کا ضرور بدلہ ملے گا جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اگر میرا بندہ برائی کا ارادہ کر کے میری خاطر اسے چھوڑ دیتا ہے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دو۔''[1] ایک روایت میں ہے: ''جب بندہ برائی کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتے سے کہتا ہے: انتظار کرو، اگر اس کے مطابق عمل کرتا ہے تو ایک برائی اور اگر اسے چھوڑ دیتا ہے تو ایک نیکی لکھو کیونکہ اس نے میری وجہ سے اس برائی کو چھوڑا ہے۔''[2]

(٣٢) بَابُ مَا يُتَّقَى مِنْ مُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ

باب: 32- حقیر اور معمولی گناہوں سے بھی بچنا چاہیے

٦٤٩٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا مَهْدِيٌّ عَنْ غَيْلَانَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: إِنَّكُمْ لَتَعْمَلُونَ أَعْمَالًا هِيَ أَدَقُّ فِي أَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعْرِ، إِنْ كُنَّا لَنَعُدُّهَا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ الْمُوبِقَاتِ».

[6492] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ تم ایسے ایسے کام کرتے ہو جو تمھاری نظر میں بال سے بھی زیادہ باریک ہیں جبکہ ہم لوگ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں انھیں ہلاک کر دینے والے شمار کرتے تھے۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: يَعْنِي بِذَلِكَ الْمُهْلِكَاتِ.

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے فرمایا: حدیث میں الموبقات کا لفظ ہلاکت خیز کے معنی میں ہے۔

فوائد ومسائل: ① گناہ چھوٹا ہو یا بڑا، بندۂ مومن کو چاہیے کہ اس سے اپنے دامن کو آلودہ نہ ہونے دے۔ چھوٹے اور بڑے گناہ میں بس یہ فرق ہے کہ ایک زیادہ زہریلا سانپ ہے اور دوسرا کم زہریلا ہے۔ جس طرح ہم کم زہریلے سانپ سے بھی بھاگتے ہیں، اسی طرح چھوٹے گناہوں سے بھی ہر حال میں بچنا چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ صغیرہ گناہ اگرچہ کبیرہ گناہ کے مقابلے میں صغیرہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے بھی ناراض ہی ہوتا ہے، نیز آخرت میں اس کی بھی باز پرس ہوگی، اس اعتبار سے کوئی بھی گناہ ہلکا نہیں ہے۔ ② حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عائشہ! خود کو ان گناہوں سے بچانے کی خاص کوشش کرو جنھیں عام طور پر حقیر اور معمولی خیال کیا جاتا ہے کیونکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی بھی باز پرس ہوگی۔''[3] اگرچہ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب فرمایا ہے لیکن درحقیقت یہ تنبیہ سب مردوں اور عورتوں کے لیے ہے۔ ذرا سوچیے! جب رسول اللہ ﷺ کے اہل خانہ کو احتیاط اور فکر کی ضرورت ہے تو ہمارے لیے اس میں غفلت

1 صحيح البخاري، التوحيد، حديث: 7501. 2 صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 336(129). 3 سنن ابن ماجه، الزهد، حديث: 4243.

اور کوتاہی کی کیا گنجائش ہے۔ واللہ المستعان. ③ رسول اللہ ﷺ نے معمولی گناہوں کی سنگینی کو ایک تمثیلی انداز میں بیان فرمایا ہے: ”تم معمولی گناہوں سے بھی بچتے رہا کرو، ان گناہوں کی مثال اس قوم کی طرح ہے جس نے کسی وادی میں پڑاؤ کیا، ایک آدمی ایندھن کے لیے جنگل سے لکڑی اٹھا لایا، دوسرا بھی ایک لکڑی لے آیا حتی کہ اتنا ایندھن جمع ہو گیا جس سے ان کی روٹیاں پک سکتی تھیں۔ یقیناً معمولی گناہ بھی انسان کو ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دیتے ہیں۔“ [1]

(٣٣) بَابٌ: اَلْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ، وَمَا يُخَافُ مِنْهَا

باب: 33- اعمال کا دارومدار خاتمے پر ہے، لہٰذا اس سے ڈرنا چاہیے

وضاحت: مرتے وقت جو کام انسان سے سرزد ہوا، اسی کا اعتبار ہو گا۔ اگر کسی شخص کی ساری زندگی عبادت اور تقویٰ شعاری میں گزری لیکن آخری دم کسی گناہ میں گرفتار ہوا تو سابقہ نیک اعمال کچھ کام نہیں آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ برے خاتمے اور برے انجام سے ہمیں محفوظ رکھے۔ آمین.

٦٤٩٣ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَيَّاشٍ الْأَلْهَانِيُّ الْحِمْصِيُّ: حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ: نَظَرَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى رَجُلٍ يُقَاتِلُ الْمُشْرِكِينَ - وَكَانَ مِنْ أَعْظَمِ الْمُسْلِمِينَ غَنَاءً عَنْهُمْ - فَقَالَ: «مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى هٰذَا». فَتَبِعَهُ رَجُلٌ فَلَمْ يَزَلْ عَلَى ذٰلِكَ حَتَّى جُرِحَ فَاسْتَعْجَلَ الْمَوْتَ فَقَالَ بِذُبَابَةِ سَيْفِهِ فَوَضَعَهُ بَيْنَ ثَدْيَيْهِ فَتَحَامَلَ عَلَيْهِ حَتَّى خَرَجَ مِنْ بَيْنِ كَتِفَيْهِ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ - فِيمَا يَرَى النَّاسُ - عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنَّهُ لَمِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَيَعْمَلُ فِيمَا يَرَى النَّاسُ - عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَإِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِخَوَاتِيمِهَا». [راجع: ٢٨٩٨]

[6493] حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا جو مشرکین کے کشتوں کے پشتے لگا رہا تھا، یہ آدمی لوگوں میں صاحب ثروت تھا، آپ نے فرمایا: ”اگر کوئی کسی جہنمی کو دیکھنا چاہتا ہے تو اس کو دیکھ لے۔“ اس کے بعد ایک شخص اس کی نگرانی کرنے کے لیے اس کے پیچھے لگ گیا۔ وہ شخص مسلسل برسر پیکار رہا حتی کہ وہ زخمی ہو گیا۔ زخموں کی تاب نہ لا کر وہ جلدی مرنا چاہتا تھا تو اپنی تلوار کی دھار اپنے سینے پر رکھ دی پھر اس پر اپنا بوجھ ڈالا تو وہ اس کے شانوں کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”بندہ لوگوں کی نظر میں اہل جنت کے کام کرتا رہتا ہے، حالانکہ وہ جہنمی ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ایک دوسرا آدمی لوگوں کے سامنے اہل جہنم کے کام کرتا ہے، حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے۔ اعمال کا دارومدار تو ان کے خاتمے پر ہے۔“

---

① مسند أحمد: 331/5.

فوائد ومسائل: ① بندے کو اپنے نیک اعمال پر مغرور نہیں ہونا چاہیے بلکہ اپنے برے خاتمے سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہیے۔ حسن خاتمہ کی چند ایک علامات حسب ذیل ہیں: * وفات کے وقت کلمۂ شہادت پڑھنا۔[1] * وفات کے وقت پیشانی پر پسینہ نمودار ہونا۔[2] * جمعہ کی رات یا دن میں فوت ہونا۔[3] * میدان قتال و جہاد میں شہادت کی موت حاصل کرنا۔[4] * طاعون کی بیماری سے موت آنا۔[5] * ٹی بی کی بیماری میں وفات پانا۔[6] * اپنے مال وعزت کا دفاع کرتے ہوئے مرجانا۔[7] * سرحدی پہرے کی حالت میں موت آنا۔[8] * کسی بھی نیک عمل پر موت آنا۔[9] * لوگوں کا میت کی تعریف کرنا۔[10] * پیٹ کی بیماری سے، غرق ہو کر، ملبے کے نیچے دب کر، فالج کے سبب اور عورت کو حالت نفاس میں موت آنا بھی حسن خاتمہ کی علامتیں ہیں کیونکہ متعدد احادیث میں ان سب کو شہید قرار دیا گیا ہے۔[11] اللہ تعالیٰ ہم سب کو حسن خاتمہ سے نوازے۔ آمین یا رب العالمین. ② اللہ تعالیٰ نے اچھے یا برے انجام کو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رکھا ہے کیونکہ اگر کسی کو پتا ہوتا کہ وہ نجات یافتہ ہے تو وہ خود پسندی کا شکار ہو کر سستی کا مظاہرہ کرتا اور اگر کسی کو معلوم ہوتا کہ وہ ہلاک ہونے والا ہے تو وہ مزید سرکشی میں آگے بڑھتا، اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے اسے پوشیدہ رکھا ہے تا کہ انسان امید اور خوف کے درمیان رہے جو ایک ایمانی کیفیت ہے۔[12]

(٣٤) بَابٌ: الْعُزْلَةُ رَاحَةٌ مِنْ خُلَّاطِ السُّوءِ

باب: 34- بری صحبت سے تنہائی بہتر ہے

وضاحت: اس سلسلے میں حضرت ابوذر ؓ سے مروی ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "برے ہم نشین سے تنہائی بہتر ہے۔"[13] حافظ ابن حجر ؒ نے لکھا ہے کہ یہ حضرت ابوذر یا ابو الدرداء ؓ کا قول ہے۔[14]

٦٤٩٤ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ حَدَّثَهُ قَالَ: قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ. وَقَالَ مُحَمَّدُ ابْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ؟ قَالَ:

[6494] حضرت ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے پوچھا: اللہ کے رسول! کون شخص سب سے اچھا ہے؟ آپ نے فرمایا: "وہ آدمی جو اپنی جان و مال کے ذریعے سے جہاد کرے، دوسرا وہ شخص جو کسی گھاٹی میں اپنے رب کی عبادت کرے اور لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھے۔"

---

(1) سنن أبي داود، الجنائز، حديث: 3116. (2) جامع الترمذي، الجنائز، حديث: 982. (3) مسند أحمد: 169/2. (4) مسند أحمد: 131/4. (5) صحيح البخاري، الجهاد و السير، حديث: 2830. (6) مجمع الزوائد: 317/2. (7) سنن أبي داود، السنة، حديث: 4772. (8) صحيح مسلم، الإمارة، حديث: 4938 (1913). (9) مسند أحمد: 391/5. (10) صحيح مسلم، الجنائز، حديث: 2200 (949). (11) صحيح مسلم، الإمارة، حديث: 4940 (1914)، و مسند أحمد: 201/4. (12) فتح الباري: 401/11. (13) المستدرك للحاكم: 343/3. (14) فتح الباري: 402/11.

«رَجُلٌ جَاهَدَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ، وَرَجُلٌ فِي شِعْبٍ مِنَ الشِّعَابِ يَعْبُدُ رَبَّهُ، وَيَدَعُ النَّاسَ مِنْ شَرِّهِ».

تَابَعَهُ الزُّبَيْدِيُّ وَسُلَيْمَانُ بْنُ كَثِيرٍ وَالنُّعْمَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ.

زبیدی، سلیمان بن کثیر اور نعمان نے زہری سے روایت کرنے میں شعیب کی متابعت کی ہے۔

وَقَالَ مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَطَاءٍ - أَوْ عُبَيْدِ اللهِ -، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

معمر نے زہری سے بیان کیا، ان سے عطاء یا عبیداللہ نے، انھوں نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔

وَقَالَ يُونُسُ وَابْنُ مُسَافِرٍ وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٢٧٨٦]

یونس، ابن مسافر اور یحییٰ بن سعید نے ابن شہاب سے، انھوں نے حضرت عطاء سے، انھوں نے بعض صحابہ کے ذریعے سے نبی ﷺ سے بیان کیا۔

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ برے لوگوں کی صحبت سے الگ رہنے والا راحت وسکون کا باعث ہے اور اس میں بہت سے فائدے ہیں، کم از کم انسان، لوگوں کے شر سے دور رہتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اپنی زندگی میں کچھ وقت گوشہ نشینی (تنہائی) بھی اختیار کرو۔ ② علامہ خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں: علیحدہ رہنے میں بہت بھلائی ہے کیونکہ انسان غیبت سے محفوظ رہتا ہے اور اس قسم کی برائی بھی نہیں دیکھتا جسے وہ دور کرنے کی ہمت نہیں رکھتا۔[1] ہمارے رجحان کے مطابق گندے معاشرے میں جب بندۂ مومن کے ایمان واخلاق کو خطرہ ہو تو گوشہ نشینی بہتر ہے۔ واللہ أعلم.

٦٤٩٥ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا الْمَاجِشُونُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ خَيْرُ مَالِ الْمُسْلِمِ الْغَنَمُ يَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ، يَفِرُّ بِدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ». [راجع: ١٩]

[6495] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ”لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا جس میں مسلمان آدمی کا بہترین مال بکریاں ہوں گی۔ وہ انھیں لے کر پہاڑ کی چوٹیوں اور بارش کے مقامات پر لے جائے گا۔ وہ اس زمانے میں برپا فتنوں سے اپنے دین کو بچا کر بھاگ نکلے گا۔“

فوائد ومسائل: ① دور حاضر میں ایسی آزادانہ پہاڑوں کی چوٹیاں ناپید ہیں۔ اب تو ہر جگہ خطرہ ہی خطرہ ہے، تاہم اپنے دین اسلام کو بچانے کے لیے علیحدہ گھر ہی اس انسان کے لیے بہتر ہے جو شہرت اور نمود ونمائش کا طالب نہ ہو، بلکہ صرف گناہوں

---

(1) فتح الباري: 402/11.

سے محفوظ رہنا مقصود ہو، نیز جمعہ، جماعت اور دیگر فرائض اسلام بھی ترک نہ کرے۔ ② واضح رہے کہ فتنوں سے مراد ایسے حالات ہیں کہ لوگوں سے ملنے کی صورت میں انسان کے دین کو خطرہ ہو، بصورت دیگر اپنے ماحول اور معاشرے میں رہنا ہی بہتر ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: ''جو مومن لوگوں سے ملتا جلتا ہے اور ان سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے وہ اس مومن سے زیادہ ثواب حاصل کر لیتا ہے جو لوگوں سے ملتا جلتا نہیں اور نہ ان سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر ہی کرتا ہے۔''[1] ③ لوگوں سے میل جول میں اچھے برے ہر قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ معاشرے میں برائی زیادہ ہو جائے تب بھی الگ تھلگ ہو جانا اچھا نہیں بلکہ معاشرے میں رہ کر اصلاح کی کوشش کرنا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ تیمار داری کا ثواب، سلام کرنے اور صلہ رحمی کا اجرا اسی صورت میں ممکن ہے جب انسان معاشرے میں رہے گا۔ واللہ أعلم.

(٣٥) بَابُ رَفْعِ الْأَمَانَةِ

باب:35- دنیا سے امانت کا اٹھ جانا

٦٤٩٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ: حَدَّثَنَا فُلَيْحُ ابْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنَا هِلَالُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ عَطَاءِ ابْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ»، قَالَ: كَيْفَ إِضَاعَتُهَا يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «إِذَا أُسْنِدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ». [راجع: ٥٩]

[6496] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب امانت ضائع کی جائے تو قیامت کے منتظر رہو۔'' پوچھا: اللہ کے رسول! امانت کس طرح ضائع کی جائے گی؟ آپ نے فرمایا: ''جب معاملات نالائق اور نااہل لوگوں کے سپرد کر دیے جائیں تو قیامت کا انتظار کرو۔''

فوائد ومسائل: ① حدیث میں لفظ ''الأمر'' آیا ہے، اس سے مراد وہ امور ہیں جن کا تعلق حکومت و امارت اور قضا و افتا سے ہو۔ جب اہم منصب ایسے لوگوں کے سپرد کر دیے جائیں جیسا کہ آج کل جمہوری دور میں ہو رہا ہے تو قیامت کا ظہور قریب ہو گا۔ ② شارح صحیح بخاری ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حکومت کے ذمہ داروں کو یہ امانت سونپی ہے کہ وہ اہم مناصب دیانت دار اور ایمان والوں کے حوالے کریں، اگر حکومت کے ذمہ دار ایسا نہیں کریں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں خائن ٹھہریں گے۔[2] دور حاضر میں یہ بات روز روشن کی طرح دیکھی جا سکتی ہے کہ حکومت کے اہم مناصب نالائق لوگوں کے سپرد ہیں اور وہ قومی خزانے کو جی بھر کر لوٹ رہے ہیں۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

٦٤٩٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ: حَدَّثَنَا

[6497] حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے دو حدیثیں بیان

---

1 سنن ابن ماجه، الفتن، حديث: 4032. 2 فتح الباري: 406/11.

حُذَيْفَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ حَدِيثَيْنِ رَأَيْتُ أَحَدَهُمَا وَأَنَا أَنْتَظِرُ الْآخَرَ. حَدَّثَنَا «أَنَّ الْأَمَانَةَ نَزَلَتْ فِي جَذْرِ قُلُوبِ الرِّجَالِ، ثُمَّ عَلِمُوا مِنَ الْقُرْآنِ، ثُمَّ عَلِمُوا مِنَ السُّنَّةِ». وَحَدَّثَنَا عَنْ رَفْعِهَا قَالَ: «يَنَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْأَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهِ فَيَظَلُّ أَثَرُهَا مِثْلَ أَثَرِ الْوَكْتِ، ثُمَّ يَنَامُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ فَيَبْقَى أَثَرُهَا مِثْلَ الْمَجْلِ كَجَمْرٍ دَحْرَجْتَهُ عَلَى رِجْلِكَ فَنَفِطَ، فَتَرَاهُ مُنْتَبِرًا وَلَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ، فَيُصْبِحُ النَّاسُ يَتَبَايَعُونَ فَلَا يَكَادُ أَحَدُهُمْ يُؤَدِّي الْأَمَانَةَ، فَيُقَالُ: إِنَّ فِي بَنِي فُلَانٍ رَجُلًا أَمِينًا، وَيُقَالُ لِلرَّجُلِ: مَا أَعْقَلَهُ وَمَا أَظْرَفَهُ وَمَا أَجْلَدَهُ، وَمَا فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ، وَلَقَدْ أَتَى عَلَيَّ زَمَانٌ وَمَا أُبَالِي أَيَّكُمْ بَايَعْتُ، لَئِنْ كَانَ مُسْلِمًا رَدَّهُ عَلَيَّ الْإِسْلَامُ، وَإِنْ كَانَ نَصْرَانِيًّا رَدَّهُ عَلَيَّ سَاعِيهِ. فَأَمَّا الْيَوْمَ فَمَا كُنْتُ أُبَايِعُ إِلَّا فُلَانًا وَفُلَانًا».

فرمائیں، ان میں سے ایک کا ظہور تو میں دیکھ چکا ہوں اور دوسری کا انتظار کر رہا ہوں۔ آپ ﷺ نے ہم سے فرمایا: ''امانت لوگوں کے دلوں کی گہرائی میں اتری، پھر انھوں نے قرآن سے اس کی حیثیت کو معلوم کیا، پھر انھوں نے حدیث سے اس کی اہمیت کا پتہ چلایا۔'' آپ ﷺ نے ہم سے اس کے اٹھ جانے کے متعلق بھی بیان کیا، فرمایا: ''آدمی ایک بار سوئے گا کہ امانت اس کے دل سے ختم ہو جائے گی، صرف اس کا دھندلا سا نشان باقی رہے گا۔ پھر ایک اور نیند لے گا تو امانت اٹھا لی جائے گی، صرف آبلے کی طرح اس کا ایک نشان باقی رہ جائے گا جیسے تو کوئلے کو اپنے پاؤں پر لڑھکائے اور وہ پھول جائے تو اسے ابھرا ہوا دیکھے گا لیکن اس کے اندر کچھ نہیں ہوتا۔ لوگ صبح کے وقت خرید و فروخت کریں گے تو ان کے ہاں کوئی بھی امانت دار نہیں ہوگا، کہا جائے گا: فلاں قبیلے میں ایک امانت دار ہے۔ اور ایک آدمی کے متعلق کہا جائے گا: وہ کس قدر عقل مند ہے۔ کس قدر بلند حوصلہ اور کس قدر بہادر ہے، حالانکہ اس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان نہیں ہوگا۔ (حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا:) مجھ پر ایک ایسا زمانہ بھی گزرا ہے جبکہ میں اس بات کی پروا نہیں کرتا تھا کہ کس سے خرید و فروخت کروں۔ اگر وہ مسلمان ہوتا تو اس کا اسلام اسے (بے ایمانی سے) روکتا تھا اور اگر وہ عیسائی ہوتا تو اس کے مددگار میری طرف امانت واپس کرتے لیکن اب حالات یہ ہیں کہ میں فلاں اور فلاں کے علاوہ کسی دوسرے سے خرید و فروخت نہیں کرتا۔''

قَالَ الْفِرَبْرِيُّ: قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ: حَدَّثْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ فَقَالَ: سَمِعْتُ أَبَا أَحْمَدَ بْنَ عَاصِمٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ أَبَا عُبَيْدٍ يَقُولُ: قَالَ الْأَصْمَعِيُّ وَأَبُو عَمْرٍو وَغَيْرُهُمَا: جَذْرُ قُلُوبِ الرِّجَالِ.

فربری نے امام بخاری رحمہ اللہ کے حوالے سے اصمعی اور ابو عمرو وغیرہ کا قول نقل کیا ہے کہ جَذْرُ قُلُوبِ الرِّجَالِ میں جذر سے مراد ہر چیز کی جڑ اور اصل ہے۔

الْجَذْرُ: الْأَصْلُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ.

وَالْوَكْتُ: أَثَرُ الشَّيْءِ الْيَسِيرُ مِنْهُ.
وَالْمَجْلُ: أَثَرُ الْعَمَلِ فِي الْكَفِّ إِذَا غَلُظَ.
[انظر: ٧٠٨٦، ٧٢٧٦]

وَکْت ہلکے اور خفیف داغ کو کہتے ہیں جبکہ کام کرتے وقت ہاتھ میں پڑ جانے والا چھالا جب بڑا موٹا ہو جائے تو اسے مَجل کہتے ہیں۔

فوائد ومسائل: ① بعض اہل علم نے بایعت سے بیعت خلافت مراد لی ہے، حالانکہ یہ معنی غلط ہیں کیونکہ عیسائی اور کافر سے یہ کیسے ممکن ہے بلکہ اس سے خرید وفروخت کا معاملہ کرنا ہے۔[1] ② دیانت داری، مسلمان معاشرے کا ایک اہم کردار ہے، البتہ غیر اسلامی معاشرے میں دھوکا دہی اور فریب و خیانت کو ایک خوبی خیال کیا جاتا ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ اب قابل اعتماد اور دیانت دار افراد بہت کم رہ گئے ہیں، اس دور میں تو کمیاب ہی نہیں بلکہ نایاب ہیں۔ سوئے ہوئے دل سے دیانت داری کے ختم ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ امانت و دیانت بڑی تیزی سے ختم ہوتی چلی جائے گی حتی کہ جو شخص پہلے دیانت دار تھا وہی بددیانت بن جائے گا۔ ③ آبلے سے تشبیہ اس لیے دی ہے کہ آبلہ پھولا ہوا ہونے کی وجہ سے بظاہر اہمیت کا حامل نظر آتا ہے لیکن وہ اندر سے خالی ہوتا ہے، اسی طرح لوگ بظاہر نیک نظر آئیں گے لیکن ان کے دل نیکی اور دیانت سے خالی ہوں گے۔

٦٤٩٨ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّمَا النَّاسُ كَالْإِبِلِ الْمِائَةِ لَا تَكَادُ تَجِدُ فِيهَا رَاحِلَةً».

[6498] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''لوگوں کی مثال تو ایسے سو اونٹوں کی طرح ہے، جن میں سے تو کسی ایک کو بھی سواری کے قابل نہیں پائے گا۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں لوگوں سے مراد صحابۂ کرام یا تابعین عظام نہیں کیونکہ ان کی فضیلت تو رسول اللہ ﷺ نے خود بیان فرمائی ہے بلکہ ان سے مراد مستقبل بعید کے لوگ ہیں کہ ان میں شاذ شاذ لوگ احکام شریعت کی پابندی کریں گے، یعنی عوام الناس تعداد میں بہت زیادہ ہوں گے لیکن ان میں کام کے آدمی بہت کم ہوں گے۔ اکثریت، ان فرائض کو ضائع کر دے گی جو ان کے ذمے واجب الادا ہوں گے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین کے بعد والے لوگوں کی تخصیص کرنا درست نہیں کیونکہ اہل ایمان کی تعداد کفار کے مقابلے میں ہمیشہ کم ہوتی ہے، لہٰذا حدیث میں ذکر کردہ تقابل ہر وقت اور ہر جگہ دیکھا جا سکتا ہے۔[2] ② آج مسلمان بکثرت ہر جگہ موجود ہیں مگر حقیقی مسلمان اگر تلاش کیے جائیں تو انتہائی مایوسی ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود اللہ والوں سے زمین کبھی خالی نہیں ہوتی۔ واللہ المستعان۔

---

1 فتح الباري: 406/11. 2 فتح الباري: 408/11.

(٣٦) بَابُ الرِّيَاءِ وَالسُّمْعَةِ

باب:36- ریاکاری اور شہرت طلبی کا بیان

وضاحت: ریاکاری یہ ہے کہ انسان کوئی بھی اچھا کام اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو دکھانے کے لیے کرے جبکہ شہرت طلبی یہ ہے کہ انسان کوئی کام چھپ کر کرے، پھر اس کا چرچا لوگوں میں کرنے لگے۔[1]

٦٤٩٩ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ: حَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ. وَحَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَلَمَةَ قَالَ: سَمِعْتُ جُنْدَبًا يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ - وَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ غَيْرَهُ، فَدَنَوْتُ مِنْهُ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ -: «مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللهُ بِهِ، وَمَنْ يُرَائِي يُرَائِي اللهُ بِهِ». [انظر: ٧١٥٢]

[6499] حضرت سلمہ بن کہیل سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت جندب رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا کہ نبی ﷺ نے فرمایا...... اور (حضرت جندب رضی اللہ عنہ کے بعد) میں نے کسی کو بھی یہ کہتے نہیں سنا کہ نبی ﷺ نے فرمایا...... چنانچہ میں حضرت جندب رضی اللہ عنہ کے قریب پہنچا تو میں نے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو انسان شہرت کا طالب ہو اللہ تعالیٰ اس کی بندگی سب کو سنا دے گا، اسی طرح جو کوئی لوگوں کو دکھانے کے لیے نیک کام کرے گا اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اس کی ریاکاری ظاہر کر دے گا۔''

فوائد ومسائل: ① حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے کوئی اچھا کام اخلاص کے بغیر کیا اور لوگوں کو سنانے دکھانے کے لیے عبادت کی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے یہ سزا دے گا کہ اس کے باطن کو تمام لوگوں کے سامنے کھول کر رکھ دے گا اور پھر اپنے ہاں اسے کوئی اجر وثواب نہیں دے گا۔ قیامت کے دن جہنم کا افتتاح اسی قسم کے لوگوں سے کیا جائے گا جو ریاکار اور نمائشی ہوں گے۔ وہ اچھے کام محض نمود ونمائش اور اپنی شہرت کے لیے کرنے والے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس وبا سے محفوظ رکھے۔ ② جہاں اظہار کے بغیر چارہ نہ ہو، جیسے: فرض نماز ادا کرنا یا کتب دینیہ کی نشر واشاعت وغیرہ ایسے کاموں میں اخلاص کے ساتھ اظہار ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جو شخص پیشوا ہو اسے اپنے اعمال ظاہر کرنے چاہئیں تاکہ دوسرے لوگ اس کی پیروی کریں۔ بہرحال ایسے معاملات میں إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ کو مدنظر رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ واللہ أعلم.

(٣٧) بَابُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِي طَاعَةِ اللهِ

باب:37- جس نے اللہ کی اطاعت میں اپنے نفس کو دبا کر رکھا

٦٥٠٠ - حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ:

[6500] حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

[1] فتح الباري: 11/408.

حَدَّثَنَا قَتَادَةُ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ مُعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَيْنَا أَنَا رَدِيفُ النَّبِيِّ ﷺ لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ إِلَّا آخِرَةُ الرَّحْلِ، فَقَالَ: «[يَا] مُعَاذُ»، قُلْتُ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ، ثُمَّ سَارَ سَاعَةً فَقَالَ: «يَا مُعَاذُ»، قُلْتُ: لَبَّيْكَ رَسُولَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ، ثُمَّ سَارَ سَاعَةً فَقَالَ: «يَا مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ». قُلْتُ: لَبَّيْكَ رَسُولَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ: «هَلْ تَدْرِي مَا حَقُّ اللهِ عَلَى عِبَادِهِ؟» قُلْتُ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: «حَقُّ اللهِ عَلَى عِبَادِهِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا». ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ: «يَا مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ». قُلْتُ: لَبَّيْكَ رَسُولَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ. قَالَ: «هَلْ تَدْرِي مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ إِذَا فَعَلُوهُ؟» قُلْتُ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: «حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ». [راجع: ٢٨٥٦]

انھوں نے کہا: میں ایک دفعہ نبی ﷺ کی سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، میرے اور آپ کے درمیان صرف کجاوے کی پچھلی لکڑی تھی، آپ نے فرمایا: ”اے معاذ!“ میں نے کہا: اللہ کے رسول! میں سعادت مندی کے ساتھ حاضر ہوں۔ پھر آپ تھوڑی دیر چلتے رہے، دوبارہ فرمایا: ”اے معاذ!“ میں نے کہا: اللہ کے رسول! میں سعادت مندی کے ساتھ حاضر خدمت ہوں۔ پھر آپ کچھ دیر کے لیے چلتے رہے، آخر فرمایا: ”اے معاذ بن جبل!“ میں نے کہا: اللہ کے رسول! میں سعادت مندی کے ساتھ حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا: ”کیا تمھیں معلوم ہے کہ اللہ کا اپنے بندوں کے ذمے کیا حق ہے؟“ میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ آپ نے فرمایا: ”اللہ کا اپنے بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔“ پھر آپ تھوڑی دیر چلتے رہے اور فرمایا: ”اے معاذ بن جبل!“ میں نے کہا: اللہ کے رسول! میں سعادت مندی کے ساتھ حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا: ”تمھیں معلوم ہے، جب بندے یہ کام کرلیں تو ان کا اللہ کے ذمے کیا حق ہے؟“ میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کو ہی زیادہ علم ہے۔ آپ نے فرمایا: ”بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ وہ انھیں عذاب نہ دے۔“

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل ؓ کو بار بار آواز دی تاکہ انھیں معلوم ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ کوئی اہم بات بیان کرنے والے ہیں اور اسے سننے کے لیے مکمل طور پر متوجہ ہو جائیں، غفلت نہ کریں۔ ② اللہ تعالیٰ کی عبادت کے علاوہ اپنے نفس کو ہر قسم کے شغل سے روکے رکھنا نفس کا مجاہدہ ہے۔ چونکہ حدیث میں عبادت کا استحقاق بیان ہوا ہے، اس بنا پر عنوان اور حدیث میں مطابقت واضح ہے۔ نفس کی عام طور پر دو حالتیں ہیں: ایک تو شہوات میں منہمک ہونا اور دوسری اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے گریز کرنا۔ نفس سے مجاہدہ ان دونوں حالات کے پیش نظر ہوتا ہے۔ ③ نفس کے تین دشمن ہیں، ان کا سردار ابلیس لعین ہے، دوسرا انسان کا نفس اور تیسرا غلط قسم کے لوگ۔ نفس کا مددگار شیطان ہوتا ہے، اس لیے نفس سے جہاد بہت مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا ثواب بھی بہت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”جو انسان اپنے رب کے حضور پیش ہونے سے

ڈر گیا اور اپنے نفس کو خواہشات سے لگام دی تو اس کا ٹھکانا جنت ہے۔'' [1] ④ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ نفس سے جہاد کے چار مراتب ہیں: ✱ اسے امور دین سیکھنے کے لیے آمادہ کرنا اور اس پر لگانا۔ ✱ دینی معاملات کے مطابق عمل کرنے اور اس پر ہمیشگی کرنے پر آمادہ کرنا۔ ✱ اسے اس بات پر آمادہ کرنا کہ جن لوگوں کو علم نہیں ہے انھیں تعلیم دے۔ ✱ توحید کی طرف بلانے اور دین کی مخالفت کرنے والوں سے قتال کرنے پر آمادہ کرنا۔ [2] واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذمے کوئی چیز واجب نہیں۔ حدیث میں ''بندوں کا اللہ پر حق'' کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے جزا وسزا کا جو وعدہ کیا ہے وہ اس کو پورا کرے گا۔ واللہ أعلم.

(٣٨) بَابُ التَّوَاضُعِ

باب:38- فروتنی (عاجزی) اختیار کرنا

وضاحت: تواضع کے معنی ہیں: اپنے مرتبے سے کم تر مرتبے کا اظہار۔ یہ تمام اخلاق حسنہ کا اصل الاصول ہے۔ اگر تواضع نہ ہو تو کوئی عبادت نتیجہ خیز نہیں ہوتی۔ حدیث میں ہے: ''جو شخص اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا رتبہ بلند کر دیتا ہے۔'' ③

٦٥٠١ - حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ لِلنَّبِيِّ ﷺ نَاقَةٌ. قَالَ: وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنَا الْفَزَارِيُّ وَأَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَتْ نَاقَةٌ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ تُسَمَّى الْعَضْبَاءَ، وَكَانَتْ لَا تُسْبَقُ، فَجَاءَ أَعْرَابِيٌّ عَلَى قَعُودٍ لَهُ فَسَبَقَهَا، فَاشْتَدَّ ذَلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ وَقَالُوا: سُبِقَتِ الْعَضْبَاءُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ حَقًّا عَلَى اللهِ أَنْ لَا يَرْفَعَ شَيْئًا مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا وَضَعَهُ». [راجع: ٢٨٧١]

[6501] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک اونٹنی تھی جسے عضباء کہا جاتا تھا۔ کوئی جانور بھی اس کے آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ ایک دیہاتی اپنے اونٹ پر سوار آیا اور اس سے آگے بڑھ گیا۔ مسلمانوں پر یہ معاملہ بہت شاق گزرا اور کہنے لگے: افسوس! عضباء پیچھے رہ گئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے خود پر یہ لازم کر لیا ہے کہ دنیا میں وہ کسی چیز کو بلند کرتا ہے تو اسے نیچے بھی لاتا ہے۔''

فائدہ: تواضع کے معنی ہیں: انکسار و عاجزی۔ فخر و غرور سے بچنا، دوسروں کا احترام، کم درجے کے لوگوں سے میل ملاپ اور ان سے حسن سلوک کو شان کے خلاف نہ سمجھنا، تواضع کے ثمرات ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ایک دوسرے سے تواضع کا رویہ اختیار کریں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل کی ہے کہ تواضع اختیار کرو حتی کہ

① النازعات 79: 40. ② فتح الباري: 410/11. ③ صحيح مسلم، البر والصلة، حديث: 6592 (2588).

کوئی شخص دوسرے پر فخر نہ کرے۔''[1] رسول اللہ ﷺ نے اپنی اونٹنی عضباء کے متعلق جن جذبات کا اظہار کیا ہے وہ تواضع ہی ہے۔ واللہ أعلم.

٦٥٠٢ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ كَرَامَةَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ: حَدَّثَنِي شَرِيكُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ اللهَ تَعَالَى قَالَ: مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهُ عَلَيْهِ. وَمَا زَالَ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحْبَبْتُهُ فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ، وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِي عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَتَهُ».

[6502] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی اس کے خلاف میری طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔ اور میرا بندہ جن جن عبادتوں کے ذریعے سے میرا قرب حاصل کرتا ہے، ان میں سے کوئی عبادت مجھے اتنی پسند نہیں جس قدر وہ عبادت پسند ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے۔ میرا بندہ نوافل کے ذریعے سے بھی مجھ سے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اسے دیتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے پناہ کا طالب ہو تو اس کو پناہ دیتا ہوں۔ میں کسی چیز میں تردد نہیں کرتا جس کو میں کرنے والا ہوتا ہوں جو مجھے مومن کی جان نکالتے وقت ہوتا ہے، وہ موت کی بوجہ تکلیف پسند نہیں کرتا اور مجھے بھی اسے تکلیف دینا اچھا نہیں لگتا ہے۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ بندہ عین اللہ بن جاتا ہے، نعوذ باللہ جس طرح حلولیہ یا اتحادیہ کہتے ہیں بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ میرا بندہ جب میری عبادت میں غرق ہو جاتا ہے اور محبوبیت کے مرتبے پر پہنچ جاتا ہے تو اس کے تمام ظاہری اور باطنی حواس شریعت کے تابع ہو جاتے ہیں۔ وہ ہاتھ، پاؤں، کان اور آنکھ سے صرف وہی کام لیتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوتی ہے۔ اس سے کوئی فعل بھی خلاف شریعت سرزد نہیں ہوتا ہے۔ بہر حال مذکورہ کمالات فرائض اور نوافل کی ادائیگی اور ان کی برکات سے حاصل ہوتے ہیں۔ ② اس حدیث کی عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ فرائض کی ادائیگی کے

---

[1] صحيح مسلم، الجنة ونعيمها، حديث: 7210(2865).

بعد نوافل سے اللہ تعالیٰ کا قرب وہی انسان حاصل کرسکتا ہے جو انتہائی متواضع اور منکسر المزاج ہو، متکبر آدمی یہ منصب نہیں حاصل کرسکتا، نیز اس حدیث میں اولیاء اللہ کی دشمنی اور عداوت سے منع کیا گیا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ ان سے محبت کی جائے۔ اور تمام اولیاء سے وہی انسان محبت کرتا ہے جس میں تواضع اور انکسار ہو کیونکہ کچھ اولیاء غبار آلود اور پراگندہ بال بھی ہوتے ہیں، ایسی حالت میں ان سے محبت کرنا ہر انسان کے بس کی بات نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی تواضع بیان کرتے ہیں کہ آپ بیمار کی عیادت فرماتے، جنازے کے ساتھ جاتے، غلام کی دعوت قبول کرتے اور گدھے پر سوار ہو جایا کرتے تھے۔ بنو قریظہ اور بنو نضیر سے لڑائی کے دن آپ ایک گدھے پر سوار تھے اور جنگ خیبر کے موقع پر بھی آپ ایک گدھے پر سوار تھے جس کی لگام کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی رسی کی تھی اور آپ ﷺ کے نیچے کھجور کے پتوں کی زین تھی۔[1]

(٣٩) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ»

باب: 39- نبی ﷺ کے ارشاد گرامی: ''میں اور قیامت دونوں ایسے ہیں جیسے یہ دو انگلیاں ہیں'' کا بیان

﴿وَمَآ أَمْرُ ٱلسَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ ٱلْبَصَرِ﴾ الْآيَةَ [النحل: ٧٧]

(ارشاد باری تعالیٰ ہے:) ''اور قیامت کا معاملہ تو بس آنکھ جھپکنے کی طرح ہے۔''

وضاحت: آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت بہت قریب ہے اور بہت تیزی سے آ رہی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے جب علامات قیامت اور موت کے مناظر کو کتاب الرقاق میں ذکر کرنا چاہا تو بطور تمہید اس آیت کریمہ کو بیان کیا۔ واللہ أعلم.

٦٥٠٣ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ: حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ: حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ» وَيُشِيرُ بِإِصْبَعَيْهِ فَيَمُدُّهُمَا. [راجع: ٤٩٣٦]

[6503] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں اور قیامت اس قدر نزدیک بھیجے گئے ہیں۔'' آپ نے اپنی دو انگلیوں سے اشارہ فرمایا، پھر ان کو پھیلا دیا۔

٦٥٠٤ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ وَأَبِي التَّيَّاحِ، عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: «بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ».

[6504] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''میں اور قیامت ان دونوں کی طرح بھیجے گئے ہیں۔''

٦٥٠٥ - حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا أَبُو

[6505] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی

[1] سنن ابن ماجه، الزهد، حديث: 4178.

بَكْرٍ عَنْ أَبِي حَصِينٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ»، يَعْنِي إِصْبَعَيْنِ.

ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''میں اور قیامت ان دونوں کی طرح بھیجے گئے ہیں۔'' آپ کی مراد دو انگلیاں تھیں۔

تَابَعَهُ إِسْرَائِيلُ، عَنْ أَبِي حَصِينٍ.

اسرائیل نے ابوحصین سے روایت کرنے میں ابوبکر کی متابعت کی ہے۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے قرب قیامت کو ایک تمثیلی انداز میں بیان فرمایا کہ جس طرح یہ دونوں انگلیاں آپس میں ملی ہوتی ہیں، ان میں کچھ فرق نہیں اسی طرح قیامت کے اور میرے درمیان بھی کچھ فرق نہیں۔ ② ان احادیث کا یہ بھی مفہوم ہے کہ مجھ میں اور قیامت میں اب کسی نئے پیغمبر کی ضرورت نہیں اور نہ ان میں کوئی فاصلہ ہی ہے۔ میری امت آخری امت ہے جس پر قیامت قائم ہوگی اگرچہ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صرف اس کے قریب ہونے کو بیان کیا ہے جیسا کہ امام بخاری ؒ کی پیش کردہ آیت میں ہے۔

(٤٠) بَابٌ:

باب:40- بلاعنوان

وضاحت: صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں یہ عنوان اس طرح ہے: [بَابُ طُلُوعِ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا] ''مغرب سے سورج کا طلوع ہونا'' یہ حدیث کے مناسب ہے لیکن حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ یہ عنوان پہلے عنوان کا تکملہ اور تتمہ ہے کیونکہ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا قیامت قائم ہونے کے وقت ہوگا۔[1]

٦٥٠٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا، فَإِذَا طَلَعَتْ فَرَآهَا النَّاسُ آمَنُوا أَجْمَعُونَ. فَذَاكَ حِينَ ﴿لَا يَنفَعُ نَفْسًا إِيمَٰنُهَا﴾ الْآيَةَ، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ نَشَرَ الرَّجُلَانِ ثَوْبَهُمَا بَيْنَهُمَا فَلَا يَتَبَايَعَانِهِ وَلَا يَطْوِيَانِهِ، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدِ انْصَرَفَ الرَّجُلُ بِلَبَنِ

[6506] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ سورج اپنے مغرب سے طلوع ہوگا۔ جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا اور سب لوگ اسے دیکھ لیں گے تو سب ایمان لے آئیں گے۔ یہی وہ وقت ہوگا جب کسی کے لیے اس کا ایمان نفع نہیں دے گا جو اس سے قبل ایمان نہیں لایا ہوگا (یا جس نے ایمان کے بعد عمل خیر نہ کمایا ہوگا)۔ قیامت اس قدر جلد آ جائے گی کہ دو آدمیوں نے کپڑا کھولا ہوگا لیکن وہ خرید وفروخت نہیں کر سکیں گے اور نہ اسے لپیٹ

1 فتح الباري: 428/11.

لِقْحَتِهِ فَلَا يَطْعَمُهُ، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَهُوَ يَلِيطُ حَوْضَهُ فَلَا يَسْقِي فِيهِ، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ رَفَعَ أَحَدُكُمْ أُكْلَتَهُ إِلَى فِيهِ فَلَا يَطْعَمُهَا».

[راجع: ٨٥]

ہی سکیں گے۔ اور قیامت قائم ہو جائے گی جبکہ ایک آدمی اپنی اونٹنی کا دودھ لے کر آ رہا ہو گا اور وہ اسے پی نہیں سکے گا۔ اور قیامت اس حال میں آ جائے گی کہ ایک شخص اپنا حوض تیار کر رہا ہو گا اور اس سے پانی نہیں پی سکے گا۔ اور قیامت آ جائے گی جبکہ ایک آدمی اپنا لقمہ اپنے منہ کی طرف اٹھائے گا اور وہ اس کو کھا نہیں سکے گا۔"

فوائد ومسائل: ① ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تین چیزوں کا ظہور ہو جائے گا تو اس وقت کسی کے لیے اس کا ایمان نفع نہیں دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا ہو گا یا جس نے ایمان کے بعد عمل خیر نہیں کمایا ہو گا: ان میں سے ایک سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، دوسرا دجال کا آ جانا اور تیسرا دابۃ الارض کا برآمد ہو جانا۔''[1] ② مغرب کی جانب سے طلوع سورج کے بعد کافر کا ایمان لانا اسے کوئی نفع نہیں دے گا کیونکہ اس وقت ایمان لانا جب قیامت کے آثار ظاہر ہونے لگیں موت کے وقت ایمان لانے کی طرح ہے اور غرغرہ کے وقت ایمان لانا مفید نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: ''بندے کی توبہ اس وقت تک قبول ہے جب تک وہ غرغرہ میں مبتلا نہ ہو، جب یہ کیفیت شروع ہو جائے تو ایمان لانا کوئی فائدہ نہیں دے گا۔''[2] اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جب انھوں نے اللہ کا عذاب دیکھ لیا تو ان کے ایمان لانے نے انھیں کچھ نفع نہ دیا۔''[3] ③ جب سورج مغرب سے طلوع ہو گا تو اسی وقت خروج دابہ ہو گا۔ حافظ ابن حجر ؒ اس کی حکمت یہ بیان کرتے ہیں کہ مغرب سے طلوع سورج کے وقت توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا تو دابہ کا ظہور ہو گا جو مومن کو کافر سے ممتاز کر دے گا تاکہ اس مقصد کی تکمیل ہو جائے جو توبہ کا دروازہ بند کر دینے سے مقصود ہے۔[4] ④ واضح رہے کہ غرغرہ سے مراد نزع کا وقت ہے جب قبض روح کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ جب موت کے فرشتے ظاہر ہو جاتے ہیں تو عالم آخرت سے تعلق قائم ہو جاتا ہے، اس لیے توبہ کی مہلت ختم ہو جاتی ہے۔

(٤١) بَابٌ: مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ أَحَبَّ اللهُ لِقَاءَهُ

باب: 41- جو اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا پسند کرتا ہے

وضاحت: بندے کا اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرنا، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا پر آخرت کو پسند کرتا ہے، اب اسے دنیا میں رہنا پسند نہیں بلکہ یہاں سے کوچ کی تیاری کرنا ہے۔ یہ انسان کے لیے خوش بختی کی علامت ہے کہ نزع کے وقت اس پر اللہ تعالیٰ سے ملنے کا شوق غالب ہو اور اسے ترک دنیا کی کوئی فکر لاحق نہ ہو۔

---

1 صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 398 (158). 2 سنن ابن ماجه، الزهد، حديث: 4253. 3 المؤمن 40:85. 4 فتح الباري: 429/11.

٦٥٠٧ - حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ أَحَبَّ اللهُ لِقَاءَهُ، وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللهِ كَرِهَ اللهُ لِقَاءَهُ». قَالَتْ عَائِشَةُ - أَوْ بَعْضُ أَزْوَاجِهِ -: إِنَّا لَنَكْرَهُ الْمَوْتَ، قَالَ: «لَيْسَ ذَلِكِ، وَلٰكِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا حَضَرَهُ الْمَوْتُ بُشِّرَ بِرِضْوَانِ اللهِ وَكَرَامَتِهِ، فَلَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا أَمَامَهُ، فَأَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ وَأَحَبَّ اللهُ لِقَاءَهُ، وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا حُضِرَ بُشِّرَ بِعَذَابِ اللهِ وَعُقُوبَتِهِ فَلَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَهَ إِلَيْهِ مِمَّا أَمَامَهُ، فَكَرِهَ لِقَاءَ اللهِ وَكَرِهَ اللهُ لِقَاءَهُ».

[6507] حضرت عبادہ بن صامت ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”جو شخص اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا پسند کرتا ہے اور جو اللہ سے ملنا پسند نہیں کرتا اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا پسند نہیں کرتا۔“ یہ سن کر ام المومنین حضرت عائشہ ؓ یا کسی دوسری زوجۂ محترمہ نے عرض کیا کہ مرنا تو ہم بھی پسند نہیں کرتے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں یہ نہیں جو تم نے خیال کیا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ ایماندار آدمی کو جب موت آتی ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے ہاں اکرام واحترام کی بشارت دی جاتی ہے جو اس کے آگے ہے، اس سے بہتر کوئی چیز اسے معلوم نہیں ہوتی، اس لیے وہ اللہ سے ملاقات کا خواہش مند ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ اور جب کافر کی موت کا وقت آتا ہے تو اسے اللہ کے عذاب اور اس کے ہاں ملنے والی سزا کا بتایا جاتا ہے تو جو شے اس کے آگے ہے وہ اسے انتہائی ناگوار گزرتی ہے، اس لیے وہ اللہ تعالیٰ سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے، لہٰذا اللہ بھی اسے ملنا نہیں چاہتا۔

اِخْتَصَرَهُ أَبُو دَاوُدَ وَعَمْرٌو عَنْ شُعْبَةَ. وَقَالَ سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ زُرَارَةَ، عَنْ سَعْدٍ، عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اس حدیث کو ابوداود اور معمر نے شعبہ سے بیان کرنے میں اختصار کیا ہے۔ سعید نے قتادہ سے، انھوں نے زرارہ بن اوفی سے، انھوں نے سعد سے، انھوں نے حضرت عائشہ ؓ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے اس حدیث کو بیان کیا ہے۔

٦٥٠٨ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ أَحَبَّ اللهُ لِقَاءَهُ، وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللهِ كَرِهَ اللهُ لِقَاءَهُ».

[6508] حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”جو شخص اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا پسند کرتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنا ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا ناپسند کرتا ہے۔“

فوائدومسائل: ① حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی ایک حدیث مروی ہے، ان کے ایک شاگرد شریح بن ہانی نے جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور کہا: میں نے ایک حدیث سنی ہے اگر وہ درست ہے تو پھر ہم ہلاک ہو گئے کیونکہ ہم میں سے کوئی بھی موت کو پسند نہیں کرتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تیرا خیال درست نہیں کیونکہ یہ تو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ لیکن جب آنکھیں پتھرا جائیں، سینے سے سانس اکھڑنے کی آواز آنے لگے، جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور جب ہاتھ پاؤں پھول جائیں تو اس وقت جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو اس وقت اللہ تعالیٰ سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔[1] ② دراصل جب انسان پر نزع کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو نیک انسان اپنے انجام کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے اور فرشتے بھی اسے خوشخبری دیتے ہیں، اس وقت اس کا دل مچلتا ہے کہ جلد از جلد وہ نعمتیں حاصل کر سکے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے بندوں کے لیے تیار کی ہیں اور جب برے آدمی کو فرشتوں کی خوفناک کیفیت سے اپنے برے انجام کا پتا چل جاتا ہے کہ وہ سزا کا مستحق ہے اور فرشتے بھی اسے خبر دیتے ہیں تو اسے مرنے سے دہشت ہوتی ہے، ایسے حالات میں وہ اللہ تعالیٰ کے پاس جانا نہیں چاہتا کیونکہ اسے اپنا برا انجام نظر آ رہا ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے عبد بن حمید کے حوالے سے ایک حدیث بیان کی ہے جس میں یہ تفصیل موجود ہے۔[2] ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''جو لوگ ہماری ملاقات کی توقع نہیں رکھتے اور وہ دنیا ہی کی زندگی پر راضی اور مطمئن ہو گئے اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں، ان سب کا ٹھکانا جہنم ہے۔ یہ ان کاموں کا بدلہ ہے جو وہ کرتے تھے۔''[3]

٦٥٠٩ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ : أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ ، وَعُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ فِي رِجَالٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ : أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ : كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقُولُ وَهُوَ صَحِيحٌ : «إِنَّهُ لَمْ يُقْبَضْ نَبِيٌّ قَطُّ حَتَّى يَرَى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ ثُمَّ يُخَيَّرُ» . فَلَمَّا نَزَلَ بِهِ وَرَأْسُهُ عَلَى فَخِذِي غُشِيَ عَلَيْهِ سَاعَةً ثُمَّ أَفَاقَ فَأَشْخَصَ بَصَرَهُ إِلَى السَّقْفِ ثُمَّ قَالَ : «اللَّهُمَّ الرَّفِيقَ الْأَعْلَى» ، قُلْتُ : إِذًا لَا يَخْتَارُنَا ، وَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَدِيثُ الَّذِي كَانَ يُحَدِّثُنَا بِهِ . قَالَتْ : فَكَانَتْ تِلْكَ آخِرَ

[6509] نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ جب تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے: ''کسی نبی کی روح اس وقت تک قبض نہیں کی جاتی جب تک وہ جنت میں اپنا ٹھکانا نہیں دیکھ لیتے، پھر انھیں اختیار دیا جاتا ہے۔'' پھر جب آپ کا سر مبارک میری ران پر تھا تو آپ پر کچھ وقت غشی آئی، پھر جب ہوش آیا تو آپ چھت کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھنے لگے، پھر فرمایا: ''اے اللہ! میں رفیق اعلیٰ کو اختیار کرتا ہوں۔'' میں نے اس وقت (دل میں) کہا: اب آپ ہمیں اختیار نہیں کریں گے اور مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ وہی حدیث ہے جو آپ ہمیں بیان فرمایا کرتے تھے۔ یہ آخری کلمہ تھا جو نبی ﷺ

① صحيح مسلم، الذكر والدعاء، حديث: 6826 (2675). ② فتح الباري: 437/11. ③ يونس 10: 7، 8.

كَلِمَةٍ تَكَلَّمَ بِهَا النَّبِيُّ ﷺ قَوْلُهُ: «اللَّهُمَّ الرَّفِيقَ الْأَعْلَى». [راجع: ٤٤٣٥]

نے اپنی زبان سے ادا کیا: ''اے اللہ! میں رفیق اعلیٰ کو اختیار کرتا ہوں۔''

فوائد ومسائل: ① رفیق اعلیٰ سے مراد جنتی، یعنی حضرات انبیاء ؑ، شہداء اور صالحین کی جماعت ہے جیسا کہ ایک روایت میں صراحت ہے کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر درج ذیل آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ''ان حضرات کی رفاقت جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ اور رفیق ہونے کے لحاظ سے یہ لوگ کتنے اچھے ہیں۔''[1] ② اس حدیث کی عنوان سے اس طرح مطابقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب موت وحیات کا اختیار دیا گیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند فرمایا اور موت کو اختیار کیا، ہمیں بھی ایسے حالات میں رفیق اعلیٰ کو اختیار کرنا چاہیے۔ ③ حافظ ابن حجر ؒ نے بعض شارحین کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب حضرت ابراہیم ؑ کے پاس فرشتہ روح قبض کر لینے کے لیے آیا تو انھوں نے کہا: ''کیا تو نے کبھی دیکھا ہے کہ کوئی دوست اپنے دوست کو جان سے مار دے؟'' اللہ تعالیٰ نے فرشتے کے ذریعے سے یہ پیغام دیا: ''کیا کوئی دوست اپنے دوست سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے؟'' اس وقت حضرت ابراہیم ؑ نے ملک الموت سے فرمایا: ''اب میری روح قبض کر لو۔''[2]

(٤٢) بَابُ سَكَرَاتِ الْمَوْتِ

باب: 42- موت کی سختیاں

وضاحت: سکرات، سکرۃ کی جمع ہے، اس سے مراد درد کی وجہ سے بے ہوش ہو جانا ہے اگرچہ اکثر طور پر یہ لفظ نشے کی وجہ سے ہونے والی بے ہوشی پر بولا جاتا ہے۔

٦٥١٠ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ بْنِ مَيْمُونٍ: حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيدٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ أَنَّ أَبَا عَمْرٍو ذَكْوَانَ مَوْلَى عَائِشَةَ أَخْبَرَهُ: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا كَانَتْ تَقُولُ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ بَيْنَ يَدَيْهِ رَكْوَةٌ - أَوْ عُلْبَةٌ فِيهَا مَاءٌ، شَكَّ عُمَرُ - فَجَعَلَ يُدْخِلُ يَدَهُ فِي الْمَاءِ فَيَمْسَحُ بِهَا وَجْهَهُ وَيَقُولُ: «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، إِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ». ثُمَّ نَصَبَ يَدَهُ فَجَعَلَ يَقُولُ: «فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلَى»، حَتَّى قُبِضَ وَمَالَتْ يَدُهُ.

[6510] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت آپ کے سامنے لکڑی یا چمڑے کا ایک بڑا برتن تھا جس میں پانی تھا...... عمر بن سعید کو شک ہے...... آپ اپنا ہاتھ اس پانی میں ڈالتے، پھر اس ہاتھ کو اپنے چہرے پر پھیرتے اور فرماتے: ''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، بلاشبہ موت بہت سی تکلیفوں پر مشتمل ہے۔'' پھر آپ نے اپنا دست مبارک اوپر اٹھایا اور فرمایا: ''رفیق اعلیٰ کو پسند کرتا ہوں۔'' یہاں تک کہ آپ کی روح قبض کر لی گئی اور آپ کا ہاتھ مبارک نیچے ڈھلک گیا۔

1 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4435، والنسآء 4: 69. 2 فتح الباري: 11/349.

[راجع: ٨٩٠]

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: اَلْعُلْبَةُ مِنَ الْخَشَبِ، وَالرَّكْوَةُ مِنَ الْأَدَمِ.

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ عُلبہ لکڑی کا اور رَکْوَہ چمڑے کا برتن ہوتا ہے۔

فائدہ: ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ میں دعا کی: ''اے اللہ! موت کی سختیاں برداشت کرنے پر میری مدد فرما۔''[1] ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: جب میں نے موت کے وقت رسول اللہ ﷺ کی یہ کیفیت دیکھی تو کسی کے لیے موت کی شدت مجھے ناگوار نہیں گزرتی تھی۔[2] معلوم ہوا کہ موت کی سختی کوئی بری نشانی نہیں بلکہ نیک بندوں پر موت کی سختی اس لیے ہوتی ہے کہ ان کے درجات بلند ہوں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں انھیں اعلیٰ مراتب ملیں۔ واللہ المستعان.

٦٥١١ - حَدَّثَنِي صَدَقَةُ: أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رِجَالٌ مِنَ الْأَعْرَابِ جُفَاةً يَأْتُونَ النَّبِيَّ ﷺ فَيَسْأَلُونَهُ: مَتَى السَّاعَةُ؟ فَكَانَ يَنْظُرُ إِلَى أَصْغَرِهِمْ فَيَقُولُ: «إِنْ يَعِشْ هٰذَا لَا يُدْرِكُهُ الْهَرَمُ حَتَّى تَقُومَ عَلَيْكُمْ سَاعَتُكُمْ».

[6511] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ عرب کے بادیہ نشین سادہ منش لوگ نبی ﷺ کے پاس آتے اور آپ سے دریافت کرتے: قیامت کب آئے گی؟ آپ ان میں سے کمسن شخص کو دیکھتے اور فرماتے: ''اگر یہ زندہ رہا تو اسے بڑھاپا نہیں آئے گا حتی کہ تم پر تمھاری قیامت قائم ہو جائے گی۔''

قَالَ هِشَامٌ: يَعْنِي مَوْتَهُمْ.

(راویٔ حدیث) ہشام نے کہا: قیامت سے مراد ان کی موت تھی۔

فوائد ومسائل: ① ہر انسان کی موت اس کے لیے قیامت ہے، یعنی یہ اس کے لیے قیامت صغریٰ ہے اور قیامت کبریٰ وہ ہے جو مرنے کے بعد حساب کتاب کے لیے قائم ہوگی۔ مقصد یہ تھا کہ قیامت کبریٰ کے متعلق سوال کرنے کو چھوڑ دو وہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ تمھیں اس وقت کے متعلق سوال کرنا چاہیے جس میں تمھارا وقت ختم ہو جائے گا۔ یہ تمھارے لیے بہتر ہے تاکہ مرنے سے پہلے تم ایسے نیک اعمال کرو جو مرنے کے بعد تمھارے کام آ جائیں۔ ② اس حدیث کی عنوان سے مطابقت اس طور پر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے موت کو قیامت قرار دیا ہے اور قیامت کے دن سختی کی وجہ سے لوگ بے ہوش ہو رہے ہوں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''تم قیامت کے دن دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور ہر حاملہ اپنا حمل گرا دے گی اور تو لوگوں کو مدہوش دیکھے گا، حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب بہت شدید ہوگا۔''[3] یعنی قیامت کے دن لوگ بدحواس ہو کر ایک دوسرے پر گریں گے جیسے روشنی پر پتنگے گرتے ہیں۔

[1] سنن ابن ماجه، الجنائز، حديث: 1623. [2] صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4446. [3] الحج 22:2.

٦٥١٢ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ، عَنْ مَعْبَدِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ بْنِ رِبْعِيٍّ الْأَنْصَارِيِّ: أَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ مُرَّ عَلَيْهِ بِجَنَازَةٍ. قَالَ: «مُسْتَرِيحٌ وَمُسْتَرَاحٌ مِنْهُ». قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، مَا الْمُسْتَرِيحُ وَالْمُسْتَرَاحُ مِنْهُ؟ قَالَ: «اَلْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ يَسْتَرِيحُ مِنْ نَصَبِ الدُّنْيَا وَأَذَاهَا إِلَى رَحْمَةِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ، وَالْعَبْدُ الْفَاجِرُ يَسْتَرِيحُ مِنْهُ الْعِبَادُ وَالْبِلَادُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ». [انظر: ٦٥١٣]

[6512] حضرت ابو قتادہ بن ربعی انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو آپ نے فرمایا: ''یہ مستریح یا مستراح منہ ہے، یعنی اسے آرام مل گیا یا اس سے آرام مل گیا۔ صحابہ نے پوچھا: اللہ کے رسول! مستریح اور مستراح منہ کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا: ''مومن شخص دنیا کی مشقتوں اور اذیتوں سے اللہ عزوجل کی رحمت میں آرام پاتا ہے اور فاجر بندے سے لوگ، شہر، درخت اور جانور آرام پاتے ہیں۔''

٦٥١٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عَبْدِ رَبِّهِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ: حَدَّثَنِي ابْنُ كَعْبٍ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مُسْتَرِيحٌ وَمُسْتَرَاحٌ مِنْهُ: الْمُؤْمِنُ يَسْتَرِيحُ». [راجع: ٦٥١٢]

[6513] حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''(یہ مرنے والا یا تو) خود آرام پانے والا ہے یا دوسرے بندوں کو آرام دینے والا ہے، مومن تو ہر صورت میں آرام ہی پاتا ہے۔''

فائدہ: اس حدیث کے پیش نظر ہر مرنے والا دو حالتوں میں سے ایک کا ضرور سامنا کرتا ہے یا وہ خود آرام پانے والا ہے یا دوسروں کو اس سے آرام ملتا ہے۔ ہر حالت میں اس پر موت کے وقت سختی بھی کی جا سکتی ہے اور اس پر نرمی کا بھی امکان ہے۔ پہلی صورت میں اسے موت کی سختیوں سے پالا پڑتا ہے۔ موت کی شدت کا تعلق انسان کی پرہیز گاری یا بدکاری سے نہیں ہوتا بلکہ اگر وہ شخص اہل تقویٰ سے ہے تو اس کے درجات بلند ہوتے ہیں اور اگر مومن اہل تقویٰ نہیں تو اس کی برائیوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ پھر وہ دنیا کی اذیتوں اور تکلیفوں سے نجات پا جاتا ہے۔ موت کی سختی کے باوجود مومن کو فرشتوں کی بشارت سے اس قدر راحت ملتی ہے کہ اس کے مقابلے میں موت کی سختی کا کچھ وزن نہیں ہوتا، گویا مومن اس قسم کی سختی کو محسوس ہی نہیں کرتا۔[1]

٦٥١٤ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ: سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ

[6514] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میت کے ساتھ تین چیزیں چلتی ہیں، دو واپس آ جاتی ہیں اور ایک اس کے

[1] فتح الباري: 444/11.

ﷺ: «يَتْبَعُ الْمَيِّتَ ثَلَاثَةٌ فَيَرْجِعُ اثْنَانِ وَيَبْقَى مَعَهُ وَاحِدٌ، يَتْبَعُهُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَعَمَلُهُ، فَيَرْجِعُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَيَبْقَى عَمَلُهُ».

ساتھ رہتی ہے۔ اس کے ساتھ اس کا اہل، مال اور عمل چلتا ہے، اس کے اہل خانہ اور اس کا مال تو واپس آ جاتا ہے جبکہ اس کا عمل اس کے ساتھ باقی رہ جاتا ہے۔"

فوائدومسائل: ① چونکہ میت، مرتے وقت موت کی سختی سے دوچار ہوتی ہے، اس لیے اس کی تسکین وتسلی کے لیے اہل خانہ اس کے ساتھ جاتے ہیں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ نیک آدمی کا اچھا کردار خوبصورت شخص کی صورت میں اس کے پاس آ کر اسے بشارت دیتا ہے۔ آدمی کہتا ہے: تو کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے: میں تیرا نیک عمل ہوں۔ اور کافر کے پاس اس کا عمل انتہائی بدصورت انسان کی شکل میں آتا ہے اور اسے ڈراتا ہے اور رنج والم سے دوچار کرتا ہے۔[1] ② بہرحال انسان کا اچھا یا برا کردار تو اس کے ساتھ رہتا ہے۔ جبکہ بعض اوقات اہل خانہ اور مال واسباب اس کے ساتھ نہیں جاتے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ آسانی فرمائے۔ آمین.

٦٥١٥ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا مَاتَ أَحَدُكُمْ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ غُدْوَةً وَعَشِيَّةً، إِمَّا النَّارُ وَإِمَّا الْجَنَّةُ، فَيُقَالُ: هٰذَا مَقْعَدُكَ حَتَّى تُبْعَثَ إِلَيْهِ». [راجع: ١٣٧٩]

[6515] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی مرتا ہے تو صبح وشام اس کا ٹھکانا اسے دکھایا جاتا ہے، دوزخ یا جنت۔ پھر اسے کہا جاتا ہے: یہ تیرے رہنے کی جگہ ہے یہاں تک کہ تو اس کی طرف اٹھایا جائے گا۔"

فائدہ: مومن اور کافر دونوں کو جنت اور دوزخ دکھائے جاتے ہیں۔ وہ قبر میں دونوں کو بیک وقت دیکھتے ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ مومن انتہائی خوش ہوتا ہے اور کافر انتہائی غمناک۔ موت کی سختیوں میں ایک سختی یہ بھی ہے کہ اسے صبح وشام اس کا ٹھکانا دکھا کر اسے رنج والم سے دوچار کیا جاتا ہے، البتہ نیک بندے کے لیے خوشی ہوتی ہے کہ وہ جنت کی بشارت پاتا ہے۔ واللہ المستعان.

٦٥١٦ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلَى مَا قَدَّمُوا». [راجع: ١٣٩٣]

[6516] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جو لوگ مر گئے ہیں انھیں برا بھلا نہ کہو کیونکہ انھوں نے جو کچھ اپنے آگے بھیجا تھا، اس کے پاس وہ خود پہنچ چکے ہیں۔"

فوائدومسائل: ① مرنے والوں نے جو برے بھلے عمل کیے تھے، اس کے مطابق بدلہ پا لیا ہے، اب انھیں برا بھلا کہنے

① مسند أحمد: 296/4.

سے کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ ② مرنے کے بعد دفن سے پہلے پہلے کسی مصلحت کے پیش نظر مرنے والے کی کوئی اخلاقی کمزوری بیان کی جا سکتی ہے لیکن جب دفن کر دیا جائے تو اس کے متعلق لب کشائی نہیں کرنی چاہیے جیسا کہ حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے یزید بن قیس الارجی کو برا بھلا کہا لیکن جب انھیں اس کی موت کا پتا چلا تو انھوں نے استغفر اللہ پڑھا اور فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں مرنے والوں کو برا بھلا کہنے سے منع فرمایا ہے۔[1] ③ امام بخاری ؒ نے اس حدیث کو اس لیے ذکر کیا ہے کہ یہ ان مرنے والوں کے متعلق ہے جو سکرات موت سے دوچار ہوئے ہیں۔[2]

(٤٣) بَابُ نَفْخِ الصُّورِ

باب: 43- صور پھونکنے کا بیان

قَالَ مُجَاهِدٌ: اَلصُّورُ كَهَيْئَةِ الْبُوقِ، ﴿زَجْرَةٌ﴾ [الصافات: ١٩]: صَيْحَةٌ.

امام مجاہد کہتے ہیں: صور، بوق (سینگ اور بگل) جیسی کوئی چیز ہے۔ زَجْرَةٌ کے معنی ہیں: چیخ۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿ٱلنَّاقُورِ﴾ [المدثر: ٨]: اَلصُّورُ. ﴿ٱلرَّاجِفَةُ﴾ [النازعات: ٦]: اَلنَّفْخَةُ الْأُولَى، وَ﴿ٱلرَّادِفَةُ﴾ [النازعات: ٧]: اَلنَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ.

حضرت ابن عباس ؓ نے کہا: ﴿الناقور﴾ کے معنی ہیں: صور۔ ﴿الرَّاجِفَة﴾ سے مراد پہلی دفعہ صور میں پھونکنا اور ﴿الرَّادِفة﴾ سے مراد دوسری دفعہ پھونکنا ہے۔

وضاحت: صور میں دو دفعہ پھونکا جائے گا: ایک نفخۂ صعق ہے اسے نفخۂ فزع بھی کہتے ہیں اور دوسرا نفخۂ قیام ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”صور میں پھونکا جائے گا تو جو لوگ زمین میں ہیں اور جو آسمان میں ہیں بے ہوش ہو جائیں گے مگر جسے اللہ چاہے، پھر دوبارہ اس میں پھونکا جائے گا تو اچانک سب لوگ کھڑے ہو کر دیکھ رہے ہوں گے۔“[3] بعض اہل علم نے ان میں نفخۂ فزع کا اضافہ کیا ہے لیکن یہ نفخۂ صعق ہی کا حصہ ہے، یعنی پہلے نفخے کے وقت پہلے گھبراہٹ طاری ہوگی پھر گھبراتے گھبراتے بے ہوش ہو جائیں گے۔ واللہ أعلم.

٦٥١٧ - حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ أَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: اسْتَبَّ رَجُلَانِ: رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَرَجُلٌ مِنَ الْيَهُودِ، فَقَالَ الْمُسْلِمُ: وَالَّذِي اصْطَفَى مُحَمَّدًا عَلَى الْعَالَمِينَ، فَقَالَ الْيَهُودِيُّ:

[6517] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ دو آدمی ایک مسلمان اور ایک یہودی آپس میں جھگڑ پڑے۔ مسلمان نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے حضرت محمد ﷺ کو تمام جہانوں پر بزرگی دی! اور یہودی نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے حضرت موسیٰ ؑ کو تمام جہانوں پر برتری دی ہے! مسلمان یہودی کی یہ بات سن کر خفا ہو گیا اور اس کے منہ پر ایک طمانچہ رسید کر دیا۔ یہودی

[1] فتح الباري: 383/3. [2] عمدة القاري: 589/15. [3] الزمر 39: 68.

وَالَّذِي اصْطَفَى مُوسَى عَلَى الْعَالَمِينَ، قَالَ: فَغَضِبَ الْمُسْلِمُ عِنْدَ ذَلِكَ فَلَطَمَ وَجْهَ الْيَهُودِيِّ. فَذَهَبَ الْيَهُودِيُّ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَأَخْبَرَهُ بِمَا كَانَ مِنْ أَمْرِهِ وَأَمْرِ الْمُسْلِمِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تُخَيِّرُونِي عَلَى مُوسَى، فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُفِيقُ، فَإِذَا مُوسَى بَاطِشٌ بِجَانِبِ الْعَرْشِ، فَلَا أَدْرِي أَكَانَ مُوسَى فِيمَنْ صَعِقَ فَأَفَاقَ قَبْلِي أَوْ كَانَ مِمَّنِ اسْتَثْنَى اللهُ عَزَّوَجَلَّ». [راجع: ٢٤١١]

نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا اور مسلمان کا واقعہ بتایا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو کیونکہ قیامت کے دن تمام لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جسے ہوش آئے گا، اس دوران میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھوں گا کہ وہ عرش کا کونا تھامے ہوئے ہوں گے۔ مجھے معلوم نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں میں سے ہیں جو بے ہوش ہوئے لیکن مجھ سے پہلے ہی ہوش میں آ گئے یا وہ ان لوگوں میں سے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے (بے ہوشی سے) مستثنیٰ کیا ہے۔''

٦٥١٨ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَصْعَقُ النَّاسُ حِينَ يَصْعَقُونَ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ قَامَ فَإِذَا مُوسَى آخِذٌ بِالْعَرْشِ فَمَا أَدْرِي أَكَانَ فِيمَنْ صَعِقَ».

[6518] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''بے ہوشی کے وقت تمام لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور سب سے پہلے اٹھنے والا میں ہوں گا۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام عرش کو پکڑے ہوئے ہوں گے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو بے ہوش ہوئے، (لیکن وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے)۔''

رَوَاهُ أَبُو سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٢٤١١]

اس حدیث کو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بھی نبی ﷺ سے بیان کیا ہے۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق جس استثنیٰ کا ذکر کیا ہے وہ درج ذیل آیت کریمہ میں ہے: ''اور جب صور پھونکا جائے گا تو جو بھی آسمانوں اور زمین میں موجود مخلوق ہے سب بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے مگر جسے اللہ (بچانا) چاہے، پھر جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو فوراً سب کے سب اٹھ کر دیکھنے لگیں گے۔''[1] اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد بھی ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس میں صور پھونکے جانے کی طرف واضح اشارہ ہے۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ایسی مخلوق بھی ہوگی جو پہلے نفخے کے بعد بے ہوش نہیں ہوگی۔ بہرحال انسانوں میں سے کوئی بھی اس بے ہوشی سے محفوظ نہیں رہے گا۔ جب رسول اللہ ﷺ بے ہوش ہوں گے تو دوسرے انسان کیسے بچ سکتے ہیں، البتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آپ نے مستثنیٰ کیا ہے۔ وہ بھی اس صورت میں کہ شاید وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے ہوں یا بے ہوش ہوئے ہی نہ ہوں، اس لیے کہ وہ دنیا میں کوہ طور پر ایک بار بے ہوش ہو چکے تھے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روایت کے مطابق فرمایا: ''مجھے معلوم نہیں کہ کوہ

[1] الزمر 39: 68.

طور پر انھیں بے ہوش کر کے ان کا حساب چکا دیا گیا تھا یا وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے ہوں۔"[1] ③ رسول اللہ نے یہودی کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے یہ گفتگو بطور تواضع فرمائی تھی ورنہ احادیثِ شفاعت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام انبیائے کرام ﷺ سے افضل ہیں۔ واللہ أعلم.

(٤٤) بَابٌ: يَقْبِضُ اللهُ الْأَرْضَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

باب: 44- اللہ تعالیٰ روز قیامت زمین کو اپنی مٹھی میں لے لے گا

رَوَاهُ نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اس امر کو حضرت نافع نے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے واسطے سے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے۔

وضاحت: امام بخاری ؒ نے حضرت ابن عمر ؓ سے مروی حدیث کو دوسرے مقام پر متصل سند سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو اپنی مٹھی میں لے لے گا اور آسمانوں کو اپنے ہاتھ میں لپیٹ کر فرمائے گا: آج صرف میں ہی بادشاہ ہوں۔"[2]

٦٥١٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ: حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «يَقْبِضُ اللهُ الْأَرْضَ وَيَطْوِي السَّمَاءَ بِيَمِينِهِ ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ، أَيْنَ مُلُوكُ الْأَرْضِ؟» [راجع: ٤٨١٢].

[6519] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ زمین کو اپنی مٹھی میں لے لے گا اور آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا، پھر فرمائے گا: اب میں ہوں بادشاہ، آج زمین کے بادشاہ کہاں گئے؟"

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ کی مذکورہ حدیث درج ذیل آیت کی تفسیر ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں اور تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے۔"[3] اس آیت کریمہ کی مزید تفسیر درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے: "سیدنا عبداللہ بن مسعود ؓ کہتے ہیں کہ یہودیوں کا ایک عالم رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے محمد! ہم اپنی کتابوں میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آسمانوں کو ایک انگلی پر، زمین کو ایک انگلی پر، درختوں کو ایک انگلی پر، پانی اور گیلی مٹی کو ایک انگلی پر اور باقی تمام مخلوق کو ایک انگلی پر اٹھا لے گا، پھر فرمائے گا: آج میں ہی بادشاہ ہوں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ اتنا ہنسے کہ آپ کی کچلیاں ظاہر ہو گئیں۔ آپ نے اس عالم کی تصدیق کرتے ہوئے مذکورہ بالا آیت کریمہ

1 صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3414. 2 صحيح البخاري، التوحيد، حديث: 7412. 3 الزمر 39:67.

تلاوت فرمائی۔[1] ② اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور پوری کائنات پر اس کے کلی تصرف کا یہ حال ہے کہ اس کے ہاتھ میں کائنات کی ہر چیز بے بس و لاچار ہے اور وہ قیامت کے دن اعلان کرے گا: ''آج حکومت کس کی ہے؟ (پھر خود ہی فرمائے گا) اللہ اکیلے کی جو ہر چیز کو دبا کر رکھے ہوئے ہے۔''[2]

٦٥٢٠ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ خَالِدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ زَيْدِ ابْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «تَكُونُ الْأَرْضُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ خُبْزَةً وَاحِدَةً، يَتَكَفَّؤُهَا الْجَبَّارُ بِيَدِهِ، كَمَا يَكْفَؤُ أَحَدُكُمْ خُبْزَتَهُ فِي السَّفَرِ نُزُلًا لِأَهْلِ الْجَنَّةِ». فَأَتَى رَجُلٌ مِنَ الْيَهُودِ فَقَالَ: بَارَكَ الرَّحْمٰنُ عَلَيْكَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ أَلَا أُخْبِرُكَ بِنُزُلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ: «بَلَى». قَالَ: تَكُونُ الْأَرْضُ خُبْزَةً وَاحِدَةً كَمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ، فَنَظَرَ النَّبِيُّ ﷺ، إِلَيْنَا ثُمَّ ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ ثُمَّ قَالَ: أَلَا أُخْبِرُكَ بِإِدَامِهِمْ؟ قَالَ: إِدَامُهُمْ بَالَامٌ وَنُونٌ، قَالُوا: مَا هٰذَا؟ قَالَ: ثَوْرٌ وَنُونٌ يَأْكُلُ مِنْ زَائِدَةِ كَبِدِهِمَا سَبْعُونَ أَلْفًا.

[6520] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن ساری زمین ایک روٹی بن جائے گی جسے اللہ تعالیٰ اہل جنت کی میزبانی کے لیے اپنے ہاتھ سے الٹ پلٹ کرے گا، جیسے کوئی تم میں سے سفر میں اپنی روٹی الٹ پلٹ کرتا ہے۔'' پھر ایک یہودی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا: اے ابوالقاسم! تم پر رحمٰن برکت نازل فرمائے، کیا میں تمھیں قیامت کے دن اہل جنت کی سب سے پہلی ضیافت کی خبر نہ دوں؟ آپ نے فرمایا: ''کیوں نہیں۔'' اس نے کہا: قیامت کے دن یہ زمین ایک روٹی کی شکل اختیار کر لے گی جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا۔ تب نبی ﷺ نے ہماری طرف دیکھا پھر اتنا ہنسے کہ آپ کے دانت نمایاں نظر آنے لگے۔ پھر اس نے کہا: میں تمھیں اہل جنت کے سالن کی خبر نہ دوں؟ کہنے لگا: ان کا سالن بالام اور نون ہوگا۔ صحابۂ کرام نے کہا: یہ کیا چیز ہے؟ اس نے کہا: بیل اور مچھلی، جن کی کلیجی کے زائد ٹکڑے سے ستر ہزار آدمی کھائیں گے۔

٦٥٢١ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ قَالَ: سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى أَرْضٍ بَيْضَاءَ عَفْرَاءَ كَقُرْصَةِ نَقِيٍّ». قَالَ سَهْلٌ - أَوْ غَيْرُهُ -: لَيْسَ فِيهَا مَعْلَمٌ لِأَحَدٍ.

[6521] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''قیامت کے دن لوگوں کو سفید اور سرخی آمیز زمین پر اکٹھا کیا جائے گا جو سفید میدے کی روٹی کی طرح ہوگی۔'' سہل وغیرہ نے کہا: اس زمین پر کسی چیز کا کوئی نشان نہیں ہوگا۔

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4811. [2] المؤمن 40:16.

فوائد ومسائل: ① اس وقت زمین پر کوئی مکان، راستہ، باغ، پہاڑ یا دریا وغیرہ نہیں ہوں گے بلکہ موجودہ زمین کی شکل و صورت کو بدل دیا جائے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جس دن یہ زمین اور آسمان تبدیل کر دیے جائیں گے۔''[1] ② قرآن کریم کی بعض آیات سے زمین میں تبدیلی کی جو صورت سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ زمین میں اس دن کوئی بلندی یا پستی نہیں رہے گی۔ سب پہاڑ زمین بوس کر دیے جائیں گے اور سب کھڈے بھر دیے جائیں گے۔ اسی طرح سطح زمین ہموار اور پہلے سے بہت زیادہ بڑھ جائے گی۔ اور سب سے اہم تبدیلی یہ ہو گی کہ سمندروں، دریاؤں اور ندی نالوں کو خشک کر دیا جائے گا۔ چونکہ سمندر کی سطح کا رقبہ خشکی کے رقبے سے تین گناہ زیادہ ہے، اس طرح موجودہ زمین سے تبدیل شدہ زمین کم از کم چار گنا بڑھ جائے گی اور نشیب و فراز کے بجائے تمام زمین ہموار ہو گی۔ ③ اس نئی زمین اور نئے آسمان کے لیے طبعی قوانین بھی موجودہ قوانین سے الگ ہوں گے اور اسی زمین پر اللہ تعالیٰ کی عدالت قائم ہو گی۔ اعمال تولنے کے لیے میزان بھی اسی زمین پر رکھی جائے گی پھر لوگوں کے اعمال کے مطابق ان کی جزا و سزا کے فیصلے بھی اسی جگہ ہوں گے۔ الحاصل اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے زمین کی موجودہ شکل کو تبدیل کر دے گا اور اس میں طعام کی صلاحیت پیدا کر کے اسے روٹی بنا دیا جائے گا تاکہ محشر کے طویل زمانہ میں اہل ایمان اپنے قدموں کے نیچے سے کھائیں اور انھیں اتنی طویل مدت تک بھوکا رہنے سے تکلیف نہ ہو، سالن کے طور پر بیل کی کلیجی اور مچھلی کے ٹکڑے مہیا کیے جائیں گے۔ واللہ المستعان.

(٤٥) بَابُ الْحَشْرِ

باب:45- حشر ونشر کا بیان

وضاحت: حشر کی چار قسمیں ہیں: دو کا تعلق عالم دنیا سے ہے جبکہ دو آخرت میں ہوں گے۔ جو حشر دنیا میں ہوں گے۔ ان میں سے پہلا حشر سورۂ حشر میں بیان ہوا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وہی تو ہے جس نے پہلے ہی حملے میں اہل کتاب کافروں کو ان کے گھروں سے نکال باہر کیا۔''[2] دوسرا حشر اس وقت ہو گا جب قرب قیامت میں مشرق سے آگ برآمد ہو گی جو لوگوں کو مغرب کی طرف لے جائے گی جس کا ذکر آئندہ احادیث میں آئے گا۔ جو دو حشر عالم آخرت میں ہوں گے ان میں سے پہلا حشر اس وقت ہو گا جب مُردوں کو قبروں سے زندہ کر کے حساب کتاب کے لیے میدان محشر میں پیش کیا جائے گا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے: ''ہم لوگوں کو جمع کریں گے اور کسی کو نہیں چھوڑیں گے۔''[3] آخری حشر اس وقت ہو گا جب فرشتے اہل جنت کو جنت میں اور اہل جہنم کو دوزخ میں لے جائیں گے اس کا ذکر سورۂ زمر آیت: 71-73 میں ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ان میں پہلا حشر کوئی مستقل چیز نہیں بلکہ اس قسم کا حشر کئی مرتبہ مختلف قوموں اور لوگوں کے متعلق ہوا ہے۔[4]

٦٥٢٢ - حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

[6522] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''قیامت کے

1 إبراهيم 14:48. 2 الحشر 59:2. 3 الكهف 18:47. 4 فتح الباري: 11/460.

رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى ثَلَاثِ طَرَائِقَ: رَاغِبِينَ وَرَاهِبِينَ، وَاثْنَانِ عَلَى بَعِيرٍ، ثَلَاثَةٌ عَلَى بَعِيرٍ، أَرْبَعَةٌ عَلَى بَعِيرٍ، عَشَرَةٌ عَلَى بَعِيرٍ، تَحْشُرُ بَقِيَّتَهُمُ النَّارُ تَقِيلُ مَعَهُمْ حَيْثُ قَالُوا، وَتَبِيتُ مَعَهُمْ حَيْثُ بَاتُوا، وَتُصْبِحُ مَعَهُمْ حَيْثُ أَصْبَحُوا، وَتُمْسِي مَعَهُمْ حَيْثُ أَمْسَوْا».

دن لوگوں کا حشر تین فرقوں میں ہوگا: ایک یہ کہ لوگ رغبت کرنے اور ڈرنے والے ہوں گے۔ دوسرا یہ کہ ایک اونٹ پر دو آدمی سوار ہوں گے، کسی پر تین ہوں گے، کسی پر چار اور کسی پر دس ہوں گے۔ اور تیسرا یہ کہ باقی ماندہ لوگوں کو آگ جمع کرے گی۔ جب وہ قیلولہ کریں گے تو آگ بھی ان کے ساتھ ٹھہرے گی، جب وہ رات گزاریں گے تو آگ بھی ان کے ساتھ رات گزارے گی اور جب وہ صبح کریں گے تو آگ بھی صبح کے وقت وہاں موجود ہوگی، نیز جب وہ شام کریں گے تو آگ بھی شام کے وقت ان کے ساتھ موجود ہوگی۔''

فائدہ: میدان محشر میں جمع کیے جانے والے لوگ تین قسموں پر مشتمل ہوں گے جیسا کہ حدیث میں اس کی تفصیل بیان ہوئی ہے اور یہ حشر قیامت سے پہلے دنیا کے آخر میں ہوگا کیونکہ آئندہ احادیث میں وضاحت ہے کہ تم لوگ ننگے پاؤں، ننگے جسم، پیدل چلتے ہوئے اور بے ساختہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرو گے، نیز یہ بھی وضاحت ہے کہ کافر اس دن منہ کے بل چلیں گے۔ اس وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں مذکورہ حشر قیامت سے تھوڑا سا پہلے ہوگا۔ واللّٰہ أعلم.

٦٥٢٣ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْبَغْدَادِيُّ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ قَتَادَةَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا نَبِيَّ اللهِ، كَيْفَ يُحْشَرُ الْكَافِرُ عَلَى وَجْهِهِ؟ قَالَ: «أَلَيْسَ الَّذِي أَمْشَاهُ عَلَى الرِّجْلَيْنِ فِي الدُّنْيَا قَادِرًا عَلَى أَنْ يُمْشِيَهُ عَلَى وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟».

[6523] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی نے پوچھا: اللہ کے رسول! کافر کا چہرے کے بل کیسے حشر کیا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا وہ ذات جس نے اسے دنیا میں دونوں پاؤں پر چلایا ہے اسے قدرت نہیں کہ اسے قیامت کے دن چہرے کے بل چلا دے؟''

قَالَ قَتَادَةُ: بَلَى وَعِزَّةِ رَبِّنَا. [راجع: ٤٧٦٠]

(راویٔ حدیث) قتادہ نے کہا: کیوں نہیں، ہمارے رب کی عزت و آبرو کی قسم! وہ منہ کے بل چلا سکتا ہے۔

فوائد ومسائل: ① ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''قیامت کے دن ہم ان (کافروں) کو اوندھے منہ، گونگے اور بہرے بنا کر

اٹھائیں گے۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔''[1] اس آیت کے پیش نظر صحابی نے سوال کیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا جواب دیا۔ ② بہرحال قانون جزاوسزا اور اعمال انسان میں مماثلت پائی جاتی ہے، جیسے کوئی شخص دنیا میں اللہ تعالیٰ کو بھولا رہا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے بھلا دے گا، جس نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے آنکھیں بند کر لیں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے اندھا کر کے اٹھائے گا۔ اسی طرح کافر جب دنیا میں اللہ کو سجدہ نہیں کرتا تھا تو اس کی ذلت و رسوائی کو ظاہر کرنے کے لیے قیامت کے دن اسے منہ کے بل چلایا جائے گا۔ حافظ ابن حجر ؒ نے اس حکمت کو بیان کیا ہے۔[2]

٦٥٢٤ - حَدَّثَنَا عَلِيٌّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: قَالَ عَمْرٌو: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّكُمْ مُلَاقُو اللهِ حُفَاةً عُرَاةً مُشَاةً غُرْلًا». [راجع: ٣٣٤٩]

[6524] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''تم اللہ سے برہنہ پاؤں، برہنہ جسم اور غیر مختون پیدل چلتے ہوئے ملاقات کرو گے۔''

قَالَ سُفْيَانُ: هٰذَا مِمَّا نَعُدُّ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ سَمِعَهُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ.

سفیان نے کہا: اس حدیث کو ہم ان (نو یا دس) احادیث میں سے شمار کرتے ہیں جسے حضرت ابن عباس ؓ نے براہ راست نبی ﷺ سے سنا ہے۔

٦٥٢٥ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَخْطُبُ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُولُ: «إِنَّكُمْ مُلَاقُو اللهِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا» [راجع: ٣٣٤٩].

[6525] حضرت ابن عباس ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر خطبہ دیتے ہوئے یہ فرماتے سنا: ''تم اللہ تعالیٰ سے ننگے پاؤں، برہنہ جسم اور غیر مختون حالت میں ملاقات کرو گے۔''

٦٥٢٦ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ النُّعْمَانِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَامَ فِينَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ فَقَالَ: «إِنَّكُمْ تُحْشَرُونَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا ﴿كَمَا بَدَأْنَآ أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُۥ﴾ الْآيَةَ، [الأنبياء: ١٠٤] وَإِنَّ أَوَّلَ الْخَلَائِقِ يُكْسَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِبْرَاهِيمُ الْخَلِيلُ، وَإِنَّهُ

[6526] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ ہمیں خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''یقیناً تم لوگ برہنہ پاؤں، برہنہ تن اور غیر مختون اٹھائے جاؤ گے۔ جس طرح ہم نے تمھیں پہلے پیدا کیا تھا اسی طرح تمھیں لوٹائیں گے......'' قیامت کے دن تمام مخلوقات میں سب سے پہلے جسے پوشاک پہنائی جائے گی وہ ابراہیم خلیل اللہ ہوں گے۔ اس دوران میں میری امت

① بني إسرآئيل 17:97. ② فتح الباري: 465/11.

سَيُجَاءُ بِرِجَالٍ مِنْ أُمَّتِي فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ، فَأَقُولُ: يَا رَبِّ أَصْحَابِي، فَيَقُولُ اللهُ: إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ، فَأَقُولُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ: ﴿وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿الْحَكِيمُ﴾ [المائدة: ١١٧، ١١٨] قَالَ: فَيُقَالُ: إِنَّهُمْ لَمْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ». [راجع: ٣٣٤٩]

میں سے کچھ لوگوں کو جن کے اعمال نامے بائیں ہاتھ میں ہوں گے گرفتار کر کے لایا جائے گا، میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ تو میرے ساتھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے تمھارے بعد کیا کیا بدعات نکالی تھیں۔ اس وقت میں بھی وہی کہوں گا جو اللہ کے نیک بندے نے کہا تھا: ''اے اللہ! جب تک میں ان میں موجود رہا میں ان کا نگہبان تھا......'' مجھے کہا جائے گا: یہ لوگ ہمیشہ اپنی ایڑیوں کے بل پھرتے ہی رہے (مرتد ہوتے رہے)۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں مرتدین کا ذکر ہے، جن سے حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے جہاد کیا جیسا کہ ایک روایت میں حضرت قبیصہ نے اس کی وضاحت کی ہے۔[1] یا اس سے دیہاتیوں کی وہ جماعت مراد ہے جو ابھی تک تہذیب واخلاق سے مزین نہ ہوئے تھے اور نہ اسلام ان کے دلوں میں داخل ہی ہوا تھا۔ بعض اہل علم نے منافقین کی جماعت مراد لی ہے جو اسلام کی حقانیت کے پیش نظر نہیں بلکہ دنیوی لالچ اور مفاد پرستی کی خاطر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر ان کی صحیح صورت حال واضح ہوئی تو آپ نے بھی ان کے متعلق کسی قسم کا نرم گوشہ نہیں رکھا بلکہ فرمایا: ''تباہی اور بربادی ہو اس انسان کے لیے جس نے میرے بعد میرے دین کو بدل کر رکھ دیا۔''[2] ② امام بخاری ؒ نے ان احادیث سے قیامت کے دن لوگوں کے اٹھائے جانے کی کیفیت کو بیان کیا ہے کہ وہ بالکل برہنہ حالت میں، یعنی ننگے بدن اٹھائے جائیں گے جیسا کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر قرآن پاک کی آیت تلاوت کر کے ہمیں آگاہ کیا کہ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو دوبارہ پیدا کرے گا۔ سب اپنی قبروں سے ننگے پاؤں، ننگے بدن اور غیر ختنہ شدہ اٹھیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ سچا ہے اور وہ ایسا کر کے رہے گا۔ اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ والله المستعان.

٦٥٢٧ - حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا خَالِدُ ابْنُ الْحَارِثِ: حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ أَبِي صَغِيرَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي الْقَاسِمُ ابْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «تُحْشَرُونَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا». قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، الرِّجَالُ

[6527] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم ننگے پاؤں ننگے جسم اور غیر مختون حالت میں اٹھائے جاؤ گے۔'' حضرت عائشہ ؓ کہتی ہیں کہ میں نے پوچھا: اللہ کے رسول! کیا مرد، عورتیں ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس وقت معاملہ اس سے کہیں زیادہ سنگین ہو گا، اس کا خیال بھی

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3447. [2] صحيح البخاري، الفتن، حديث: 7051.

وَالنِّسَاءُ يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ؟ فَقَالَ: «اَلْأَمْرُ أَشَدُّ مِنْ أَنْ يُهِمَّهُمْ ذَاكِ».

کوئی نہیں کر سکے گا۔"

فائدہ: قیامت کے دن لوگ بالکل ننگے میدان محشر میں آئیں گے جیسا کہ درج ذیل آیت سے معلوم ہوتا ہے: "اور تم ہمارے پاس اکیلے ہی آؤ گے جیسا کہ ہم نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔"[1] ایک روایت میں ہے: "قیامت کی ہولناکیوں کے پیش نظر مرد، عورتوں کی طرف اور عورتیں مردوں کی طرف نہیں دیکھیں گے کیونکہ وہاں ہر ایک کو اپنی ہی پڑی ہوگی۔"[2] ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ حدیث بیان کی تو حضرت عائشہ ؓ نے عرض کی: اللہ کے رسول! مستور اور پوشیدہ رکھے جانے والے اعضاء کا کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: "سورۂ عبس کی درج ذیل آیت پڑھو: "اس دن ہر ایک کی ایسی حالت ہو گی جو اسے دوسروں سے بے پروا بنا دے گی۔""[3]

٦٥٢٨ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي قُبَّةٍ، فَقَالَ: «أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا رُبُعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟» قُلْنَا: نَعَمْ، قَالَ: «أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟» قُلْنَا: نَعَمْ. قَالَ: «أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا شَطْرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟» قُلْنَا: نَعَمْ، قَالَ: «إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ تَكُونُوا شَطْرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَذٰلِكَ أَنَّ الْجَنَّةَ لَا يَدْخُلُهَا إِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ وَمَا أَنْتُمْ فِي أَهْلِ الشِّرْكِ إِلَّا كَالشَّعْرَةِ الْبَيْضَاءِ فِي جِلْدِ الثَّوْرِ الْأَسْوَدِ، أَوْ كَالشَّعْرَةِ السَّوْدَاءِ فِي جِلْدِ الثَّوْرِ الْأَحْمَرِ».

[انظر: ٦٦٤٢]

[6528] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہم نبی ﷺ کے ہمراہ ایک خیمے میں تھے، آپ نے فرمایا: "کیا تم اس بات پر خوش ہو کہ اہل جنت کا ایک چوتھائی رہو؟" ہم نے کہا: جی ہاں۔ پھر آپ نے فرمایا: "کیا تم اس بات پر خوش ہو کہ اہل جنت کا تم ایک تہائی رہو؟" ہم نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: "کیا تم اس پر خوش ہو کہ اہل جنت کا تم نصف رہو؟" ہم نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: "مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں امید رکھتا ہوں کہ تم اہل جنت کا نصف ہو گے۔ یہ اس لیے کہ جنت میں صرف مسلمان ہی داخل ہوں گے اور تم اہل شرک کے مقابلے میں اس طرح ہو گے جس طرح سیاہ بیل کے جسم پر سفید بال ہو یا جیسے سرخ بیل کے جسم پر ایک سیاہ بال ہو۔"

فوائد ومسائل: ① اس عالم رنگ و بو میں کفار و فساق کی تعداد اہل ایمان کے مقابلے میں بہت زیادہ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے موحد بندے بہت تھوڑے رہے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "میرے شکر گزار بندے تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔"[4] اس امر کی مزید وضاحت ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی جن میں

1 الأنعام 6:94. 2 المستدرك للحاكم: 609/4. 3 سنن النسائي، الجنائز، حديث: 2085. 4 سبا 34:13.

اَسی صفیں میری امت کی ہوں گی۔" [1] ② رسول اللہ ﷺ نے جنت میں مسلمانوں کی تعداد تدریجاً ذکر کی تا کہ ان کی خوشی اور مسرت میں اضافہ ہوتا رہے۔

٦٥٢٩ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ ثَوْرٍ، عَنْ أَبِي الْغَيْثِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «أَوَّلُ مَنْ يُدْعَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ آدَمُ فَتَرَاءَى ذُرِّيَّتُهُ فَيُقَالُ: هٰذَا أَبُوكُمْ آدَمُ، فَيَقُولُ: لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ، فَيَقُولُ: أَخْرِجْ بَعْثَ جَهَنَّمَ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ، فَيَقُولُ: يَا رَبِّ، كَمْ أُخْرِجُ؟ فَيَقُولُ: أَخْرِجْ مِنْ كُلِّ مِائَةٍ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ». فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، إِذَا أُخِذَ مِنَّا مِنْ كُلِّ مِائَةٍ تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ، فَمَاذَا يَبْقَى مِنَّا؟ قَالَ: «إِنَّ أُمَّتِي فِي الْأُمَمِ كَالشَّعْرَةِ الْبَيْضَاءِ فِي الثَّوْرِ الْأَسْوَدِ».

[6529] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن سب سے پہلے آدم کو پکارا جائے گا تو ان کی اولاد انھیں دیکھے گی، کہا جائے گا: یہ تمھارے باپ آدم ہیں۔ حضرت آدم جواب دیں گے: میں سعادت مندی کے ساتھ حاضر خدمت ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اپنی نسل میں سے دوزخ کا حصہ الگ کر دو۔ حضرت آدم ؑ عرض کریں گے: اے پروردگار! کس نسبت سے الگ کروں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: سو میں سے ننانوے۔" صحابہ نے پوچھا: اللہ کے رسول! جب ہم میں سے ننانوے فیصد نکال لیے جائیں گے تو باقی کیا بچے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "بلاشبہ میری امت سابقہ امتوں کے مقابلے میں، سیاہ بیل میں سفید بال کی طرح ہوگی۔"

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو تسلی دی کہ اگر ننانوے فی صد بھی جہنم میں جائیں تو تمھیں فکر نہیں کرنی چاہیے۔ ایک فیصد حضرت آدم ؑ کی اولاد میں تمام سچے مسلمان آ جائیں گے بلکہ اس میں دوسری امتوں کے مُوَحِّد (توحید پرست) شخص بھی ہوں گے۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل دوزخ کی تعداد اہل جنت کی تعداد سے کہیں زیادہ ہوگی، اس کے باوجود جہنم مزید کا مطالبہ کرے گی جیسا کہ قرآن میں ہے: "اللہ تعالیٰ جہنم سے فرمائے گا: کیا تو بھر گئی ہے؟ تو وہ کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے۔" [2] حدیث میں ہے کہ جہنمی، جہنم میں ڈالے جائیں گے تو جہنم یہی کہتی رہے گی کہ کچھ اور بھی ہے؟ حتی کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم اس پر رکھ دے گا۔ اس وقت وہ کہے گی بس بس (میں بھر گئی)۔ [3] اسی طرح جب سب جنتی جنت میں چلے جائیں گے تو جنت میں بہت سی جگہ خالی پڑی ہوگی، اللہ تعالیٰ اسے بھرنے کے لیے موقع پر کوئی مخلوق پیدا کرے گا تو اس سے جنت کو بھرے گا۔ [4] ③ بہرحال قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کو ان کی امیدوں سے بڑھ کر دے گا جیسا کہ قرآن میں ہے: "عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔" [5]

---

1 مسند أحمد: 347/5. 2 قٓ 30:50. 3 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4848. 4 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4850. 5 الضحٰى 5:93.

(٤٦) بَابٌ: ﴿إِنَّ زَلْزَلَةَ ٱلسَّاعَةِ شَىْءٌ عَظِيمٌ﴾ [الحج: ١] ﴿أَزِفَتِ ٱلْآزِفَةُ﴾ [النجم: ٥٧] ﴿ٱقْتَرَبَتِ ٱلسَّاعَةُ﴾ [القمر: ١].

باب: 46- (ارشاد باری تعالیٰ:) "قیامت کا زلزلہ ایک بڑی مصیبت ہوگی۔" نیز: "قریب آنے والی بہت قریب آ پہنچی۔" نیز "قیامت قریب آ گئی۔" کا بیان

وضاحت: ساعة کے معنی ہیں: ایک گھڑی جو اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت ہلکی ہوگی لیکن اس میں ہولناک دھاکہ ہوگا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے سورۃ الحج کی آیت ذکر کر کے اشارہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذکر کردہ حدیث بیان کرنے سے پہلے اسے تلاوت فرمایا تھا جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔[1]

٦٥٣٠ - حَدَّثَنِي يُوسُفُ بْنُ مُوسَى: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: [قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ] «يَقُولُ اللهُ: يَا آدَمُ، فَيَقُولُ: لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ، وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ، قَالَ: يَقُولُ: أَخْرِجْ بَعْثَ النَّارِ، قَالَ: وَمَا بَعْثُ النَّارِ؟ قَالَ: مِنْ كُلِّ أَلْفٍ تِسْعَمِائَةٍ وَتِسْعَةً وَتِسْعِينَ فَذَاكَ حِينَ يَشِيبُ الصَّغِيرُ ﴿وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى ٱلنَّاسَ سُكَٰرَىٰ وَمَا هُم بِسُكَٰرَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ ٱللَّهِ شَدِيدٌ﴾» [الحج: ٢] فَاشْتَدَّ ذَلِكَ عَلَيْهِمْ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، أَيُّنَا ذَلِكَ الرَّجُلُ؟ قَالَ: «أَبْشِرُوا فَإِنَّ مِنْ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ أَلْفًا وَمِنْكُمْ رَجُلٌ»، ثُمَّ قَالَ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَأَطْمَعُ أَنْ تَكُونُوا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ»، قَالَ: فَحَمِدْنَا اللهَ وَكَبَّرْنَا، ثُمَّ قَالَ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَأَطْمَعُ أَنْ تَكُونُوا شَطْرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ، إِنَّ مَثَلَكُمْ فِي الْأُمَمِ كَمَثَلِ الشَّعْرَةِ الْبَيْضَاءِ فِي

[6530] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے آدم! حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے: میں سعادت مندی کے ساتھ حاضر ہوں، ہر بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: آگ کا لشکر الگ کر دو۔ حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے: جہنم کا لشکر کس قدر ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ یہی وہ وقت ہوگا جب بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حمل والی عورت اپنا حمل گرا دے گی اور تم لوگوں کو نشے کی حالت میں دیکھو گے، حالانکہ وہ نشے کی حالت میں نہیں ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب سخت ہوگا۔" صحابۂ کرام کو یہ بات بہت سخت معلوم ہوئی تو انھوں نے پوچھا: اللہ کے رسول! وہ ایک آدمی ہم میں سے کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا: "تمھیں بشارت ہو، ایک ہزار یاجوج ماجوج سے ہوں گے اور تم میں سے وہ ایک جنتی ہوگا۔" پھر آپ نے فرمایا: "اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، مجھے امید ہے کہ تم لوگ اہل جنت کا ایک تہائی ہو گے۔" راوی کہتا ہے کہ ہم نے

1 فتح الباري: 472/11.

جِلْدِ الثَّوْرِ الْأَسْوَدِ، أَوْ كَالرَّقْمَةِ فِي ذِرَاعِ الْحِمَارِ». [راجع: ٣٣٤٨]

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور نعرۂ تکبیر بلند کیا، پھر آپ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! مجھے امید ہے کہ آدھا حصہ اہل جنت کا تم ہو گے۔ دوسری امتوں کے مقابلے میں تمھاری مثال ایسے ہے جیسے سیاہ بیل کی جلد پر ایک سفید بال ہو یا وہ سفید داغ جو گدھے کے اگلے پاؤں میں ہوتا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اس سے پہلی حدیث میں اہل جنت کی نسبت اہل جہنم کے مقابلے میں ایک فیصد تھی جبکہ اس حدیث میں ایک ہزار میں سے ایک بیان ہوئی ہے، اس تعارض کے محدثین نے کئی ایک جواب دیے ہیں: * ایک عدد دوسرے عدد کے منافی نہیں بلکہ مقصد اہل ایمان کی قلت اور اہل کفر کی کثرت بیان کرنا ہے۔ * تمام اولاد آدم کی نسبت ہزار میں سے ایک اور یاجوج ماجوج کے علاوہ نسبت سو میں سے ایک ہوگی۔ * تمام مخلوق کے اعتبار سے ہزار میں سے ایک اور اس امت کے لحاظ سے سو میں سے ایک ہوگا۔ * کفار کے اعتبار سے بہ نسبت ہزار میں سے ایک اور گناہ گاروں کے لحاظ سے ایک فی صد ہوگی۔[1] ② بہرحال قیامت کے اس ہولناک منظر کو دیکھ کر بچے، بوڑھے ہو جائیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اب اگر تم نے انکار کر دیا تو اس دن کی سختی سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گی جس کی سختی سے آسمان پھٹ جائے گا اور اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔''[2]

(٤٧) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ [المطففين: ٤-٦]

باب: 47- ارشاد باری تعالیٰ: ''کیا انھیں یقین نہیں کہ وہ عظیم دن میں اٹھائے جائیں گے، جس دن لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے'' کا بیان

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ﴿وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ﴾ [البقرة: ١٦٦] قَالَ: اَلْوُصُلَاتُ فِي الدُّنْيَا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ﴾ کا مطلب بیان کیا ہے کہ دنیا کے رشتے ناتے سب ختم ہو جائیں گے۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان میں آیت کریمہ ذکر کر کے اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جسے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے۔ ان سے ایک آدمی نے کہا کہ اہل مدینہ ماپ تول پورا کرتے ہیں۔ انھوں نے مذکورہ آیات کو تلاوت کر کے فرمایا وہ ایسا کیوں نہ کریں جبکہ قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے پسینہ نصف کانوں تک پہنچ جائے گا، یہ لوگ اس دن سے

---

① فتح الباري: 474/11. ② المزمل 73:17، 18.

ڈرتے ہیں۔[1]

٦٥٣١ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبَانَ: حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ﴿يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ قَالَ: «يَقُومُ أَحَدُهُمْ فِي رَشْحِهِ إِلَى أَنْصَافِ أُذُنَيْهِ». [راجع: ٤٩٣٨]

[6531] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ﴿يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ کی تفسیر میں فرمایا: ”لوگوں میں سے کچھ نصف کانوں تک اپنے پسینے میں کھڑے ہوں گے۔“

فوائدومسائل: ① یہ پسینہ انسان کا ذاتی ہوگا جو نصف کانوں تک پہنچے گا۔ قیامت کے دن مسلسل خوف و ہراس، سورج کی نزدیکی اور لوگوں کے ہجوم کے سبب یہ پسینہ آئے گا۔ ② لوگوں کے اعمال کے پیش نظر یہ پسینہ کم و بیش ہوگا جیسا کہ درج ذیل حدیث سے پتا چلتا ہے، قیامت کے دن سورج لوگوں کے بالکل قریب آ جائے گا حتی کہ لوگ پسینے سے شرابور ہوں گے۔ کچھ لوگوں کو پسینہ ایڑیوں تک، کچھ کو نصف پنڈلی تک کسی کی گھٹنوں تک، کسی کے رانوں تک، کسی کی کمر تک، کسی کے کندھوں تک اور کچھ لوگوں کے منہ تک، بعض کے منہ کو لگام دیے ہوگا۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے منہ کی طرف اشارہ کیا۔ اور کچھ لوگ پسینے میں غرق ہوں گے، آپ نے اپنے سر پر ہاتھ مار کر اس بات کی وضاحت فرمائی۔[2]

٦٥٣٢ - حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَبِي الْغَيْثِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «يَعْرَقُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يَذْهَبَ عَرَقُهُمْ فِي الْأَرْضِ سَبْعِينَ ذِرَاعًا وَيُلْجِمُهُمْ حَتَّى يَبْلُغَ آذَانَهُمْ».

[6532] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن لوگ پسینے میں شرابور ہوں گے حتی کہ ان کا پسینہ زمین میں ستر ہاتھ تک پھیل جائے گا اور ان کے منہ تک پہنچ کر کانوں کو چھونے لگے گا۔“

فوائدومسائل: ① اس قدر پسینے کی کثرت اور زیادتی قیامت کی ہولناکیوں، لوگوں کے ہجوم اور سورج کے قریب آنے کی بنا پر ہوگا۔ لیکن کامل ایمان والے لوگ اس تکلیف اور پریشانی سے محفوظ ہوں گے۔ یہ پسینہ میدان محشر میں ہوگا لیکن بعض روایات سے پتا چلتا ہے کہ جہنم میں بھی اس تکلیف سے دوچار ہونا پڑے گا۔ ② حافظ ابن حجر ؒ نے لکھا ہے کہ انبیاء ؑ اور شہداء اس آزمائش سے محفوظ ہوں گے۔ کفار تو پسینے میں ڈبکیاں لے رہے ہوں گے اور کبیرہ گناہوں والے اپنے اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں شرابور ہوں گے لیکن یہ حضرات کفار کے مقابلے میں بہت تھوڑی تعداد میں ہوں گے۔ ③ ان احادیث کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان ابھی سے بچنے کی فکر کرے اور ایسے اسباب عمل میں لائے جو اس کی نجات کا باعث ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے

---

1. فتح الباري: 477/11. 2. المستدرك للحاكم: 615/4.

حضور گناہوں سے توبہ کا نذرانہ پیش کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی اس سے نجات دینے والا ہے۔[1]

(٤٨) بَابُ الْقِصَاصِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

باب: 48- قیامت کے دن قصاص لیا جانا

وَهِيَ الْحَاقَّةُ لِأَنَّ فِيهَا الثَّوَابَ وَحَوَاقَّ الْأُمُورِ. اَلْحَقَّةُ وَالْحَاقَّةُ وَاحِدٌ، وَالْقَارِعَةُ وَالْغَاشِيَةُ وَالصَّاخَّةُ، وَالتَّغَابُنُ: غَبْنُ أَهْلِ الْجَنَّةِ أَهْلَ النَّارِ.

اسی کو الحاقہ کہتے ہیں کیونکہ اس دن بدلا ملے گا اور وہ کام ہوں گے جو مبنی برحقیقت ہیں۔ اَلْحَقّہ اور اَلْحَاقّہ کے ایک ہی معنی ہیں۔ اَلْقَارِعَة، اَلْغَاشِيَة اور اَلصَّاخّہ بھی ہم معنی اور قیامت کے نام ہیں۔ اور تَغَابُن کے معنی یہ ہیں کہ اہل جنت، دوزخیوں کی جائیداد دبالیں گے۔

وضاحت: تغابن کی بناوٹ، اشتراک پر دلالت کرتی ہے، یعنی غبن دونوں طرف سے ہوگا، یعنی جنتی، دوزخیوں کی جگہ میں چلے جاتے اگر وہ مسلمان نہ ہوتے اور دوزخی، اہل جنت کی جگہ لے لیتے اگر وہ مسلمان ہو جاتے۔ واللّٰه أعلم.

٦٥٣٣ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنِي شَقِيقٌ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَوَّلُ مَا يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ بِالدِّمَاءِ». [انظر: ٦٨٦٤]

[6533] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن سب سے پہلے جس چیز کا فیصلہ لوگوں کے درمیان ہوگا وہ ناحق خون کے متعلق ہوگا۔''

فوائد ومسائل: ① حقوق العباد میں جان سے مار دینے کا معاملہ بہت سنگین ہے، اس لیے قیامت کے دن سب سے پہلے ان معاملات کا فیصلہ ہوگا۔ کسی جرم کی سزا کے طور پر اسلامی حکومت کے حکم سے مجرم کو قتل کرنا، ناحق قتل میں شامل نہیں بلکہ جلاد کا یہ ڈیوٹی انجام دینا اسلامی حدود کے نفاذ کی وجہ سے باعث ثواب ہے۔ ② ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے بندے کی نماز کا حساب ہوگا۔[2] یہ حدیث مذکورہ حدیث کے مخالف نہیں ہے کیونکہ عبادات کے معاملے میں سب سے پہلے نماز ہی کا حساب ہوگا اور حقوق العباد میں سب سے پہلے خون ناحق کا بدلہ چکایا جائے گا، چنانچہ ایک روایت میں دونوں کو بیک وقت ہی بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن سب سے پہلے بندے کی نماز کا حساب ہوگا اور لوگوں میں سب سے پہلے خون ناحق کا فیصلہ کیا جائے گا۔''[3]

٦٥٣٤ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ مَظْلَمَةٌ لِأَخِيهِ

[6534] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اپنے کسی بھائی پر ظلم کیا ہو تو اسے چاہیے کہ اس سے معاف کرا لے کیونکہ وہاں درہم و

① فتح الباري: 480/11. ② مسند أحمد: 103/4. ③ سنن النسائي، المحاربة، حديث: 3996.

فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهَا، فَإِنَّهُ لَيْسَ ثَمَّ دِينَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُؤْخَذَ لِأَخِيهِ مِنْ حَسَنَاتِهِ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ أَخِيهِ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ». [راجع: ٢٤٤٩]

دینار نہیں ہوں گے قبل اس کے کہ اس کے بھائی کا بدلہ چکانے کے لیے اس کی نیکیوں سے کچھ لیا جائے۔ اگر اس کی نیکیاں نہیں ہوں گی تو مظلوم بھائی کی برائیاں اس پر ڈال دی جائیں گی۔"

فوائد و مسائل: ① حقوق العباد کا معاملہ بہت سنگین ہے، اسے کسی صورت میں معاف نہیں کیا جائے گا۔ اگر صاحب حق معاف کر دے تو الگ بات ہے بصورت دیگر اس کا بدلہ لیا جائے گا جیسا کہ حدیث میں ہے: "اگر کسی جہنمی کا کسی جنتی کے ذمے کوئی حق ہوگا تو اہل جنت کو جنت میں جانے کی اجازت نہیں ہوگی حتی کہ اس کا بدلہ لے لیا جائے، اگر کسی نے دوسرے کو بلاوجہ تھپڑ رسید کیا ہوگا تو اس کا بھی بدلہ لیا جائے گا۔" صحابۂ کرام ؓ نے عرض کی: اللہ کے رسول! ہم تو وہاں ننگے بدن اور برہنہ پاؤں جائیں گے تو یہ بدلہ کیسے دیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: "برائیوں اور نیکیوں کے ذریعے سے حساب چکایا جائے گا۔"[1] بہر حال انسان کو حقوق العباد کے معاملے میں بہت حساس ہونا چاہیے۔ کسی دوسرے پر ظلم و زیادتی کرتے وقت اس حدیث کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہیے۔ واللہ المستعان.

٦٥٣٥ - حَدَّثَنَا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ﴾ [الأعراف:٤٣] قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ النَّاجِيِّ: أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَخْلُصُ الْمُؤْمِنُونَ مِنَ النَّارِ فَيُحْبَسُونَ عَلَى قَنْطَرَةٍ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، فَيُقْتَصُّ لِبَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ مَظَالِمُ كَانَتْ بَيْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا، حَتَّى إِذَا هُذِّبُوا وَنُقُّوا أُذِنَ لَهُم فِي دُخُولِ الْجَنَّةِ، فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَأَحَدُهُمْ أَهْدَى بِمَنْزِلِهِ فِي الْجَنَّةِ مِنْهُ بِمَنْزِلِهِ كَانَ فِي الدُّنْيَا». [راجع: ٢٤٤٠]

[6535] حضرت ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اہل ایمان جہنم سے چھٹکارا پا جائیں گے تو دوزخ و جنت کے درمیان انھیں ایک پل پر روک لیا جائے گا، پھر دنیا میں جو ایک دوسرے پر ظلم و ستم کیا ہوگا اس کا قصاص اور بدلہ لیا جائے گا حتی کہ جب وہ پاک صاف ہو جائیں گے تو انھیں جنت میں جانے کی اجازت ہوگی۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! اہل جنت میں سے ہر ایک جنت میں اپنا مقام دنیا میں اپنے گھر کی نسبت زیادہ جاننے والا ہوگا۔"

فوائد و مسائل: ① جہنم سے چھٹکارا پانے کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان پل صراط سے بحفاظت گزر جائیں گے جیسا کہ

---

[1] مسند أحمد: 495/3.

ایک روایت میں صراحت ہے: ''جب مومن جہنم پر رکھے ہوئے پل صراط سے حفاظت کے ساتھ گزر جائیں گے۔''[1] ② جس پل پر اہل ایمان کو روک لیا جائے گا وہ جنت کی پل صراط ہی کا ایک حصہ ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کوئی دوسرا پل ہو۔ ③ واضح رہے کہ تمام اہل ایمان کو وہاں نہیں روکا جائے گا بلکہ وہ لوگ جو حساب کے بغیر جنت میں جائیں گے یا جن کے اعمال انھیں جہنم میں لے جائیں گے انھیں وہاں نہیں روکا جائے گا۔[2] اگر کسی نے رائی کے دانے کے برابر بھی کسی دوسرے پر ظلم کیا ہوگا تو اسے بھی قصاص دینا پڑے گا جیسا کہ قرآن کریم میں اس کی صراحت ہے۔[3] ④ حافظ ابن حجر ؒ کہتے ہیں کہ ایک روایت کے مطابق فرشتے دائیں بائیں سے اہل جنت کو جنت کے راستے بتائیں گے جبکہ اس حدیث میں ہے کہ وہ خود جنت میں اپنے ٹھکانے کو پہچانتے ہوں گے؟ ممکن ہے کہ جنت میں داخلے سے پہلے فرشتے ان کی رہنمائی کریں، پھر جنت میں داخل ہوکر وہ خود اپنے مقام کو پہچان لیں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بشارت اور عزت وتکریم میں مبالغے کے طور پر فرشتے انھیں جنت میں جانے کے بعد بھی راستوں کی رہنمائی کریں کیونکہ اپنا مکان پہچان لینے کے بعد یہ ضروری نہیں کہ جنت کے تمام راستے انھیں معلوم ہوں۔ جنت بہت بڑا شہر ہی نہیں بلکہ ملک عظیم ہے، اس کے سامنے تو پوری دنیا کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے۔[4]

(٤٩) بَابٌ: مَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ عُذِّبَ

باب: 49- جس کا باریک بینی سے حساب لیا گیا تو وہ ہلاک ہوگیا

وضاحت: مناقشہ، نقش سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں: پاؤں سے کانٹا نکالنا۔ اصطلاحی طور پر مناقشہ یہ ہے کہ محاسبہ کرنے میں انتہا کو پہنچنا، یعنی بال کی کھال اتارنا حتی کہ بڑی اور چھوٹی ہر چیز کا مطالبہ کرتے وقت کسی قسم کی نرمی کا مظاہرہ نہ کرنا۔⑤

٦٥٣٦ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ عُثْمَانَ ابْنِ الْأَسْوَدِ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ عُذِّبَ»، قَالَتْ: قُلْتُ: أَلَيْسَ يَقُولُ اللهُ تَعَالَى: ﴿فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا﴾؟ [الانشقاق:٨] قَالَ: «ذَلِكِ الْعَرْضُ».

[6536] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جس کا حساب کے وقت مناقشہ ہوا اس کو تو ضرور عذاب ہوگا۔'' حضرت عائشہ ؓ کہتی ہیں کہ میں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا: ''عنقریب ان سے ہلکا حساب لیا جائے گا؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے مراد تو صرف پیشی ہے۔''

حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ

مجھ سے عمرو بن علی نے بیان کیا، ان سے یحییٰ نے، ان

---

① صحيح البخاري، المظالم، حديث: 2440. ② فتح الباري: 485/11. ③ الأنبياء 21: 47. ④ فتح الباري: 486/11.

⑤ فتح الباري: 487/11.

عُثْمَانَ بْنِ الْأَسْوَدِ: سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ مِثْلَهُ. [راجع: ١٠٣]

سے عثمان بن اسود نے، انھوں نے کہا: میں نے ابن ابی ملیکہ سے سنا، انھوں نے کہا: میں نے سیدہ عائشہ ؓ سے سنا، انھوں نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ سے ایسا ہی سنا۔

وَتَابَعَهُ ابْنُ جُرَيْجٍ، وَمُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمٍ، وَأَيُّوبُ، وَصَالِحُ بْنُ رُسْتُمٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اس روایت کی متابعت ابن جریج، محمد بن سلیم، ایوب اور صالح بن رستم نے کی، انھوں نے ابن ابی ملکیہ سے، انھوں نے سیدہ عائشہ ؓ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا۔

٦٥٣٧ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ: حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ: حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ أَبِي صَغِيرَةَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ: حَدَّثَنِي الْقَاسِمُ ابْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَتْنِي عَائِشَةُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَيْسَ أَحَدٌ يُحَاسَبُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا هَلَكَ»، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَلَيْسَ قَدْ قَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ۝ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا﴾؟ [الانشقاق: ٧، ٨] فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّمَا ذَلِكِ الْعَرْضُ، وَلَيْسَ أَحَدٌ يُنَاقَشُ الْحِسَابَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا عُذِّبَ».

[راجع: ١٠٣]

[6537] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص سے بھی قیامت کے دن حساب لیا گیا تو وہ ہلاک ہوا۔'' میں نے کہا: اللہ کے رسول! کیا اللہ تعالیٰ نے خود نہیں فرمایا: جس شخص کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا تو عنقریب اس سے آسان حساب لیا جائے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس سے مراد تو اعمال کا پیش کیا جانا ہے، قیامت کے دن جس کا باریک بینی سے محاسبہ ہوا تو اسے یقیناً عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔''

فوائد ومسائل: ① حساب کتاب کے وقت جس انسان پر جرح وقدح کی گئی کہ تو نے یہ کام کیوں کیا اور یہ کام کیوں چھوڑا تو ایسے انسان کی تباہی یقینی ہے، البتہ حساب یسیر خوش بختی کی علامت ہے جیسا کہ ایک حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ میں نے بعض نمازوں میں رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا کرتے سنا: ''اے اللہ! میرا حساب آسان فرما۔'' میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! آسان حساب کا مطلب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اے عائشہ! آسان حساب یہ ہے کہ بندے کے نامۂ اعمال پر سرسری نظر ڈالی جائے اور اس سے درگزر کی جائے۔ عائشہ! جس کے حساب میں باریک بینی سے کام لیا گیا اور اس دن جرح وقدح کی گئی تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔''[1] ② حدیث نبوی میں بھی یہی مضمون بیان ہوا ہے، چنانچہ حضرت

1 مسند أحمد: 48/6.

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص اپنے رب کے قریب ہوگا اللہ تعالیٰ اس پر اپنا پردہ ڈال کر فرمائے گا: تو نے فلاں، فلاں عمل کیا تھا؟ بندہ ہاں میں جواب دے کر ان کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے دنیا میں تجھ پر پردہ ڈالا تھا اور آج بھی تجھے معاف کرتا ہوں۔''[1]

٦٥٣٨ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا مُعَاذُ ابْنُ هِشَامٍ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ؛ ح: وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مَعْمَرٍ: حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ كَانَ يَقُولُ: «يُجَاءُ بِالْكَافِرِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ لَهُ: أَرَأَيْتَ لَو كَانَ لَكَ مِلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا أَكُنْتَ تَفْتَدِي بِهِ؟ فَيَقُولُ: نَعَمْ، فَيُقَالُ لَهُ: قَدْ كُنْتَ سُئِلْتَ مَا هُوَ أَيْسَرُ مِنْ ذَلِكَ». [راجع: ٣٣٣٤]

[6538] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ فرماتے تھے: ''قیامت کے دن کافر کو لایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا: بھلا بتا تو سہی اگر تیرے پاس زمین بھر کر سونا ہو تو کیا (وہ سارے کا سارا) تو بطور فدیہ دے دے گا؟ وہ کہے گا: ہاں۔ (اس وقت) اسے کہا جائے گا: یقیناً تجھ سے (دنیا میں) اس سے بہت آسان چیز کا مطالبہ کیا گیا تھا۔''

فائدہ: ایک روایت میں مزید وضاحت ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ایسے کافر سے کہے گا جسے بہت ہلکا سا عذاب دیا جا رہا ہوگا: اگر تجھے دنیا اور اس کا سارا سامان دے دیا جائے تو کیا اسے فدیے کے طور پر دے کر اس عذاب سے نجات حاصل کرے گا؟ وہ جواب دے گا: ہاں، میں اس کے لیے تیار ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جب تو اپنے باپ کی پشت میں تھا تو تجھ سے بہت آسان چیز کا مطالبہ کیا تھا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا لیکن تو نے شرک کے علاوہ ہر چیز کا انکار کر دیا۔[2]

٦٥٣٩ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنِي الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنِي خَيْثَمَةُ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا سَيُكَلِّمُهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تَرْجُمَانٌ، ثُمَّ يَنْظُرُ فَلَا يَرَى شَيْئًا قُدَّامَهُ ثُمَّ يَنْظُرُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَتَسْتَقْبِلُهُ النَّارُ، فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَّقِيَ النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ». [راجع: ١٤١٣]

[6539] حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تم میں سے ہر ہر فرد کے ساتھ اس طرح کلام کرے گا کہ اس کے اور بندے کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا۔ پھر وہ دیکھے گا تو اس کے سامنے اسے کوئی چیز نظر نہیں آئے گی۔ پھر وہ آگے دیکھے گا تو آگ اس کا استقبال کرے گی، لہٰذا تم میں سے جو آگ سے بچنے کی طاقت رکھتا ہو تو ضرور بچے، خواہ

---

1 صحيح البخاري، التوحيد، حديث: 7514. 2 صحيح مسلم، صفات المنافقين، حديث: 7083 (2805).

کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعے سے ہی ممکن ہو۔

٦٥٤٠ - قَالَ الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنِي عَمْرٌو عَنْ خَيْثَمَةَ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اِتَّقُوا النَّارَ»، ثُمَّ أَعْرَضَ وَأَشَاحَ، ثُمَّ قَالَ: «اِتَّقُوا النَّارَ»، ثُمَّ أَعْرَضَ وَأَشَاحَ ثَلَاثًا، حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا، ثُمَّ قَالَ: «اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ، فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ».

[راجع: ١٤١٣]

[6540] حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جہنم سے بچو۔“ پھر آپ نے اپنا چہرہ پھیر لیا اور ناگواری کا اظہار کیا۔ پھر فرمایا: ”جہنم سے بچو۔“ پھر آپ نے اپنا چہرہ پھیر لیا اور ناگواری کا اظہار کیا۔ تین مرتبہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ ہمیں اس سے خیال پیدا ہوا کہ آپ جہنم کو دیکھ رہے ہیں، پھر آپ نے فرمایا: ”جہنم سے بچو، خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعے سے ممکن ہو۔ جسے یہ بھی نہ ملے تو اسے کسی اچھی بات کہنے کے ذریعے سے ہی بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔“

فوائدومسائل: ① ایک دوسری روایت میں وضاحت ہے کہ وہ دائیں جانب دیکھے گا تو اسے اپنے اعمال نظر آئیں گے، بائیں طرف دیکھے گا تو بھی اپنے اعمال ہی نظر آئیں گے، سامنے دیکھے گا تو منہ کے سامنے دوزخ نظر آئے گا، اس لیے تمھیں آگ سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے سے یا کوئی اچھی بات کہنے کے ذریعے سے ممکن ہو۔[1] ایک اور روایت میں ہے کہ اسے دائیں جانب آگ نظر آئے گی اور بائیں جانب بھی آگ ہی نظر آئے گی۔[2] ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن ہبیرہ کے حوالے سے اس کا سبب ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ اس کی گزرگاہ آگ ہوگی، اس سے ہٹ کر اسے کوئی راستہ میسر نہیں ہوگا کیونکہ پل صراط پر سے گزرے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوگا۔[3] ③ مطلب ہے کہ آتش دوزخ سے بچنے کے لیے صدقہ کرتے رہا کرو۔ اگر کھجور کے ایک خشک ٹکڑے کے سوا تمھیں کچھ میسر نہ ہو تو اللہ کے راستے میں وہی دے کر دوزخ سے بچنے کی فکر کرو۔ اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو اچھی بات کہنے سے یہ انعام حاصل کرنا چاہیے، مگر کتنے لوگ ہیں کہ انھیں یہ بھی نصیب نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نیک سمجھ عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین.

(٥٠) بَابٌ: يَدْخُلُ الْجَنَّةَ سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ

باب: 50- جنت میں ستر ہزار خوش نصیب بلاحساب داخل ہوں گے

٦٥٤١ - حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ: حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ: حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ. قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ:

[6541] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”میرے سامنے امتیں پیش کی

1 صحيح البخاري، التوحيد، حديث: 7512. 2 صحيح البخاري، الزكاة، حديث: 1413. 3 فتح الباري: 492/11.

وَحَدَّثَنِي أَسِيدُ بْنُ زَيْدٍ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ حُصَيْنٍ قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ فَقَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «عُرِضَتْ عَلَيَّ الْأُمَمُ، فَأَجِدُ النَّبِيَّ يَمُرُّ مَعَهُ الْأُمَّةُ، وَالنَّبِيُّ يَمُرُّ مَعَهُ النَّفَرُ، وَالنَّبِيُّ يَمُرُّ مَعَهُ الْعَشْرُ، وَالنَّبِيُّ يَمُرُّ مَعَهُ الْخَمْسَةُ، وَالنَّبِيُّ يَمُرُّ وَحْدَهُ، فَنَظَرْتُ فَإِذَا سَوَادٌ كَثِيرٌ، قُلْتُ: يَا جِبْرِيلُ! هٰؤُلَاءِ أُمَّتِي؟ قَالَ: لَا، وَلٰكِنِ انْظُرْ إِلَى الْأُفُقِ، فَنَظَرْتُ فَإِذَا سَوَادٌ كَثِيرٌ. قَالَ: هٰؤُلَاءِ أُمَّتُكَ، وَهٰؤُلَاءِ سَبْعُونَ أَلْفًا قُدَّامَهُمْ لَا حِسَابَ عَلَيْهِمْ وَلَا عَذَابَ. قُلْتُ: وَلِمَ؟ قَالَ: كَانُوا لَا يَكْتَوُونَ، وَلَا يَسْتَرْقُونَ، وَلَا يَتَطَيَّرُونَ، وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ»، فَقَامَ إِلَيْهِ عُكَّاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ فَقَالَ: ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ، قَالَ: «اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ مِنْهُمْ»، ثُمَّ قَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ آخَرُ قَالَ: ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ قَالَ: «سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ». [راجع: ٣٤١٠]

گئیں۔ ایک نبی گزرا اس کے ساتھ اس کی پوری امت تھی۔ کسی نبی کے ساتھ چند لوگ تھے۔ کوئی نبی گزرا اس کے ساتھ دس آدمی تھے جبکہ ایک نبی کے ساتھ پانچ لوگ تھے۔ ایک نبی تن تنہا تھا۔ پھر میں نے دیکھا تو لوگوں کی ایک بہت بڑی جماعت دور سے نظر آئی۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا: کیا یہ میری امت ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں، بلکہ آپ افق کی طرف دیکھیں۔ میں نے ادھر دیکھا تو ایک زبردست جماعت دکھائی دی۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ آپ کی امت ہے۔ ان کے آگے آگے جو ستر ہزار کی تعداد ہے، ان سے نہ حساب لیا جائے گا اور نہ انھیں عذاب ہوگا۔ میں نے پوچھا: ایسا کیوں ہوگا؟ انھوں نے کہا: یہ لوگ بدن کو نہیں داغتے، نہ دم جھاڑ کراتے ہیں اور نہ بدشگونی ہی لیتے ہیں بلکہ اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں۔'' پھر عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ اٹھ کر آپ کی طرف آگے بڑھے اور عرض کی: آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان لوگوں میں سے کر دے۔ آپ نے دعا کی: ''اے اللہ! اسے بھی ان میں کر دے۔'' اس کے بعد ایک صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کی: میرے لیے بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان لوگوں میں کر دے آپ نے فرمایا: ''عکاشہ تم سے بازی لے گیا ہے۔''

٦٥٤٢ - حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُاللهِ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي سَعِيدُ ابْنُ الْمُسَيَّبِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ حَدَّثَهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي زُمْرَةٌ هُمْ سَبْعُونَ أَلْفًا تُضِيءُ وُجُوهُهُمْ إِضَاءَةَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ»، وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَقَامَ عُكَّاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ الْأَسَدِيُّ يَرْفَعُ نَمِرَةً

[6542] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''میری امت سے ایک گروہ جنت میں داخل ہوگا جن کی تعداد ستر ہزار ہوگی، ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے۔'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ اپنی دھاری دار کملی اٹھائے ہوئے کھڑے ہوئے جو ان کے جسم پر تھی اور عرض

عَلَيْهِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أُدْعُ اللهَ أَنْ يَّجْعَلَنِي مِنْهُمْ، فَقَالَ: «اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ مِنْهُمْ»، ثُمَّ قَامَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أُدْعُ اللهَ أَنْ يَّجْعَلَنِي مِنْهُمْ، فَقَالَ: «سَبَقَكَ عُكَّاشَةُ». [راجع: ٥٨١١]

کی: اللہ کے رسول! اللہ سے دعا کریں وہ مجھے بھی ان لوگوں میں کر دے۔ آپ ﷺ نے دعا کی: ''اے اللہ! اسے بھی ان لوگوں میں سے کر دے۔'' اس کے بعد ایک انصاری صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کی: اللہ کے رسول! دعا کریں اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے کر دے۔ آپ نے فرمایا: ''عکاشہ تم پر سبقت لے گیا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اس سے پہلے آسان حساب اور باریک بینی کے ساتھ حساب کا ذکر تھا، اب ان خوش قسمت حضرات کا بیان ہے جو بلاحساب جنت میں جائیں گے۔ وہ چار صفات کے حامل ہوں گے: * وہ علاج کے لیے اپنے جسم کو آگ سے نہیں داغیں گے۔ * دم جھاڑ نہیں کرائیں گے۔ * بدشگونی نہیں لیں گے۔ * اپنے رب پر مکمل بھروسا کریں گے۔ ② حضرت عکاشہ ؓ نے صدق دل سے درخواست گزاری تھی اس بنا پر قبول کی گئی۔ دوسرے انصاری صحابی کی درخواست کو اس لیے قبول نہ کیا گیا کہ اس طرح سلسلہ چل نکلے گا کیونکہ اگر رسول اللہ ﷺ ہاں کر دیتے تو تیسرا کھڑا ہو جاتا، پھر چوتھا کھڑا ہو جاتا۔ اس لامتناہی سلسلے کو ختم کرنا مقصود تھا جبکہ ہر شخص اس کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ ③ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاحساب جنت میں جانے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، چنانچہ حضرت ابوامامہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ میری امت میں سے ستر ہزار کو بغیر حساب اور بغیر عذاب کے جنت میں داخل کرے گا اور ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار مزید ہوں گے۔ اس کے علاوہ تین لَپ اور ہوں گے جو میرے پروردگار کے لپوں سے ہیں۔''[1] ④ واضح رہے کہ جب دونوں ہاتھ بھر کر کسی کو کوئی چیز دی جائے تو عربی میں اسے حثیه کہتے ہیں جسے اردو میں لپ بھر کر دینا کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان کریمی ملاحظہ فرمائیں کہ اپنے دونوں ہاتھوں سے تین مرتبہ لپ بھر کر اپنے بندوں کو حساب کے بغیر جنت میں داخل کرے گا۔ اس قسم کی احادیث کی پوری حقیقت اس وقت کھلے گی جب یہ سب باتیں عملی طور پر سامنے آئیں گی۔ اس سلسلے میں ہمارا علم بہت ناقص ہے۔ حضرت جابر ؓ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جن کی نیکیاں ان کے گناہوں سے زیادہ ہوں گی وہ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے اور جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی ان کا آسان حساب ہوگا اور جس نے خود کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیا، اسے عذاب کے بعد سفارش کے ذریعے سے جنت میں داخل کیا جائے گا۔''[2]

٦٥٤٣ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ: حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ: حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ مِنْ

[6543] حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میری امت سے ستر ہزار یا ستر لاکھ (راوی کو تعداد میں شک ہے) جنت میں اس

(1) مسند أحمد: 16/4. (2) فتح الباري: 503/11، وسلسلة الأحاديث الضعيفة، حديث: 6030.

أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا - أَوْ سَبْعُمِائَةِ أَلْفٍ، شَكَّ فِي أَحَدِهِمَا - مُتَمَاسِكِينَ آخِذٌ بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ حَتَّى يَدْخُلَ أَوَّلُهُمْ وَآخِرُهُمُ الْجَنَّةَ، وَوُجُوهُهُمْ عَلَى ضَوْءِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ». [راجع: ٣٢٤٧]

طرح داخل ہوں گے کہ ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑے ہوئے ہوں گے اور ان کے اگلے پچھلے سب بیک وقت داخل ہوں گے۔ ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے۔"

فوائدومسائل: ① یہ خوش قسمت حضرات ایک ہی صف میں ایک ہی دفعہ جنت میں داخل ہوں گے۔ حدیث میں اولیت اور آخریت پل صراط سے گزرنے کے اعتبار سے ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنت کا دروازہ بہت وسیع ہوگا۔ ② بعض اہل علم نے مُتَمَاسِكِين کے یہ معنی کیے ہیں کہ وہ باوقار طریقے سے جنت میں داخل ہوں گے۔ ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے مسابقت نہیں کرے گا۔[1] ③ ایک حدیث میں ہے کہ ہر بندہ اپنے قدموں کے بل کھڑا رہے گا حتی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں چار سوالوں کا جواب نہ دے لے۔[2] جنت میں بغیر حساب کتاب جانے والے اس آزمائش سے مستثنیٰ ہوں گے۔ اسی طرح بعض اہل جہنم پہلی فرصت میں دوزخ میں داخل کر دیے جائیں گے، ان کے حساب کتاب کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔ والله أعلم.

٦٥٤٤ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ: حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «يَدْخُلُ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ، وَأَهْلُ النَّارِ النَّارَ، ثُمَّ يَقُومُ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ: يَا أَهْلَ النَّارِ! لَا مَوْتَ، وَيَا أَهْلَ الْجَنَّةِ! لَا مَوْتَ، خُلُودٌ». [انظر: ٦٥٤٨]

[6544] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "اہل جنت، جنت میں اور اہل جہنم، دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو ایک اعلان کرنے والا ان کے درمیان اعلان کرے گا: اے جہنم والو! اب تمھیں موت نہیں آئے گی اور اے جنت والو! تمھیں بھی موت نہیں آئے گی بلکہ ہمیشہ یہیں رہنا ہوگا۔"

٦٥٤٥ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يُقَالُ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ! خُلُودٌ لَا مَوْتَ، وَلِأَهْلِ النَّارِ: يَا أَهْلَ النَّارِ! خُلُودٌ لَا مَوْتَ».

[6545] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "اہل جنت سے کہا جائے گا: اے اہل جنت! تم نے یہاں ہمیشہ رہنا ہے، تمھیں موت نہیں آئے گی اور اے اہل دوزخ! تمھیں بھی یہاں ہمیشہ رہنا ہے، تمھیں موت نہیں آئے گی۔"

فوائدومسائل: ① صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب اہل جنت، جنت میں اور اہل جہنم، جہنم میں چلے جائیں گے تو موت کو ان کے درمیان لا کر ذبح کر دیا جائے گا، پھر مذکورہ اعلان کیا جائے گا تا کہ اہل جنت کو انتہائی فرحت اور اہل

---

① فتح الباري: 503/11. ② جامع الترمذي، صفة القيامة، حديث: 2416.

جہنم کو انتہائی غم ہو۔[1] ② ان احادیث کو اس عنوان کے تحت ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جو انسان بھی جنت میں داخل ہوگا وہ چند دن کا مہمان نہیں بلکہ اس میں ہمیشہ رہے گا، البتہ اس میں پہلے پہلے بلا حساب کتاب داخل ہونے والوں کو ایک اضافی برتری حاصل ہوگی کہ انھیں حساب کتاب کے سخت کمر توڑ مرحلے سے نہیں گزرنا پڑے گا۔[2] واللّٰه أعلم.

(٥١) بَابُ صِفَةِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ

باب: 51- جنت اور جہنم کے اوصاف کا بیان

وَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَوَّلُ طَعَامٍ يَأْكُلُهُ أَهْلُ الْجَنَّةِ زِيَادَةُ كَبِدِ حُوتٍ».

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”سب سے پہلا کھانا جو اہل جنت تناول کریں گے وہ مچھلی کے جگر کا ٹکڑا ہوگا۔“

﴿عَدْنٍ﴾ [التوبة: ٧٢]: خُلْدٍ، عَدَنْتُ بِأَرْضٍ: أَقَمْتُ، وَمِنْهُ الْمَعْدِنُ. ﴿فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ﴾: [القمر: ٥٥] فِي مَنْبِتِ صِدْقٍ.

عدن کے معنی ہیں: ہمیشہ رہنا۔ کہا جاتا ہے: عَدَنْتُ بِأَرْضٍ میں نے اس جگہ قیام کیا۔ لفظ معدن بھی اسی سے ماخوذ ہے۔ ﴿فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ﴾ کے معنی ہیں: سچائی پیدا ہونے کی جگہ میں۔

وضاحت: جنت اور دوزخ کے متعلق دو عنوان کتاب بدء الخلق میں بھی قائم کیے گئے تھے اور ان میں یہ بھی تھا کہ انھیں پیدا کیا جا چکا ہے اور مذکورہ باب کی بیشتر احادیث کو وہاں بیان کیا گیا تھا۔[3] امام بخاری رحمہ اللہ نے جنت کے مختلف ناموں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان میں دس حسب ذیل ہیں اور ان کا ذکر قرآن میں ہے: (1) الفردوس (2) دارالسلام (3) دارالخلد (4) دارالمقامة (5) جنة المأوىٰ (6) النعيم (7) المقام الأمين (8) جنت عدن (9) مقعد صدق (10) الحسنىٰ۔[4]

٦٥٤٦ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ الْهَيْثَمِ: حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنْ أَبِي رَجَاءٍ، عَنْ عِمْرَانَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اطَّلَعْتُ فِي الْجَنَّةِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا الْفُقَرَاءَ، وَاطَّلَعْتُ فِي النَّارِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ». [راجع: ٣٢٤١]

[6546] حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”میں نے جنت میں جھانک کر دیکھا تو اس کے رہنے والے اکثر فقراء تھے اور میں نے جہنم میں نظر کی تو وہاں عورتوں کی اکثریت تھی۔“

٦٥٤٧ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ

[6547] حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ”میں جنت کے

---

1 صحيح البخاري، الرقاق، حديث: 6548. 2 فتح الباري: 504/11. 3 صحيح البخاري، بدء الخلق، باب: 8-10.

4 فتح الباري: 510/11.

أُسَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «قُمْتُ عَلٰى بَابِ الْجَنَّةِ فَكَانَ عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا الْمَسَاكِينَ، وَأَصْحَابُ الْجَدِّ مَحْبُوسُونَ، غَيْرَ أَنَّ أَصْحَابَ النَّارِ قَدْ أُمِرَ بِهِمْ إِلَى النَّارِ، وَقُمْتُ عَلٰى بَابِ النَّارِ فَإِذَا عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا النِّسَاءُ». [راجع: ٥١٩٦]

دروازے پر کھڑا ہوا تو اس میں عموماً داخل ہونے والے مسکین اور مفلس لوگ تھے جبکہ مال دار لوگوں کو (داخلے سے) روک دیا گیا تھا اور جو لوگ دوزخی تھے انھیں تو جہنم میں روانہ کر دیا گیا تھا۔ میں نے جہنم کے دروازے پر کھڑے ہو کر دیکھا تو اس میں اکثر داخل ہونے والی عورتیں تھیں۔''

فوائد ومسائل: ① جن صاحب ثروت اور مال دار حضرات کو جنت کے دروازے پر جنت میں داخل ہونے سے روک دیا جائے گا وہ وہ ہوں گے جو دین دار اور جنت میں داخل ہونے کے قابل تھے لیکن پل صراط سے گزرنے کے بعد ایک دوسرے پل پر انھیں حساب کی وجہ سے روک لیا جائے گا۔ وہ فقراء کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوں گے بلکہ فقراء کو اپنے فقر کے باعث فوراً جنت میں داخلہ مل جائے گا۔ ② اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو یہ واقعہ خواب میں یا معراج کی رات اس طرح دکھایا گویا اب ہو رہا ہے، حالانکہ ابھی جنت یا دوزخ میں کوئی بھی داخل نہیں ہوا ہے۔ حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ مشاہدہ اس منظر کشی کے علاوہ ہے جو آپ کو نماز گرہن پڑھاتے وقت ہوا تھا۔[1] واللّٰه أعلم.

٦٥٤٨ - حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِيهِ: أَنَّهُ حَدَّثَهُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا صَارَ أَهْلُ الْجَنَّةِ إِلَى الْجَنَّةِ وَأَهْلُ النَّارِ إِلَى النَّارِ جِيءَ بِالْمَوْتِ حَتّٰى يُجْعَلَ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، ثُمَّ يُذْبَحُ، ثُمَّ يُنَادِي مُنَادٍ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ! لَا مَوْتَ، يَا أَهْلَ النَّارِ! لَا مَوْتَ، فَيَزْدَادُ أَهْلُ الْجَنَّةِ فَرَحًا إِلٰى فَرَحِهِمْ وَيَزْدَادُ أَهْلُ النَّارِ حُزْنًا إِلٰى حُزْنِهِمْ». [راجع: ٦٥٤٤]

[6548] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اہل جنت، جنت میں چلے جائیں گے اور اہل جہنم، دوزخ میں پہنچ جائیں گے تو موت کو لایا جائے گا۔ پھر جنت اور دوزخ کے درمیان اسے ذبح کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا: اے اہل جنت! تمھیں موت نہیں آئے گی اور اہل جہنم! اب تمھیں بھی موت نہیں آئے گی۔ اس بات سے اہل جنت کی خوشی میں اضافہ ہوگا اور اہل جہنم کا غم مزید بڑھ جائے گا۔''

فوائد ومسائل: ① حضرت ابو سعید خدری ؓ سے مروی ایک حدیث میں ہے: ''موت کو سیاہ اور سفید رنگ کے مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور اہل جنت اور اہل جہنم سے شناخت کرانے کے بعد اسے ذبح کیا جائے گا۔''[2] ایک روایت میں ہے: ''جنت اور دوزخ کے درمیان دیوار پر اسے ذبح کیا جائے گا۔''[3] سفید سے اہل جنت کی خوبصورتی اور سیاہ سے اہل جہنم کی

---

① فتح الباري: 510/11. ② صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4730. ③ جامع الترمذي، صفة الجنة، حديث: 2557.

بدصورتی کی طرف اشارہ مقصود ہے۔[1] ② کچھ لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ موت تو ایک عرض ہے جس کا اپنا ذاتی کوئی وجود نہیں تو اسے ذبح کرنے کے کیا معنی؟ لیکن یہ اعتراض برائے اعتراض ہے، اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ قادر مطلق اسے مینڈھے کا وجود دے گا پھر اسے ذبح کیا جائے گا۔ اس طور پر اس کا ذبح کیا جانا عقل کے خلاف نہیں کہ حدیث پر خلاف عقل ہونے کا دھبا لگایا جائے۔ ③ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ موت کو ذبح کرنے کے بعد کسی وقت بھی جہنم کو ختم نہیں کیا جائے گا بلکہ وہ ہمیشہ رہے گی۔ واللّٰہ أعلم.

٦٥٤٩ - حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ، فَيَقُولُونَ: لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ، فَيَقُولُ: هَلْ رَضِيتُمْ؟ فَيَقُولُونَ: وَمَا لَنَا لَا نَرْضَى وَقَدْ أَعْطَيْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ؟ فَيَقُولُ: أَنَا أُعْطِيكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ، قَالُوا: يَا رَبِّ! وَأَيُّ شَيْءٍ أَفْضَلُ مِنْ ذَلِكَ؟ فَيَقُولُ: أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ أَبَدًا». [انظر: ٧٥١٨]

[6549] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تبارک وتعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا: اے اہل جنت! وہ (جنتی) عرض کریں گے: ہم تیری سعادت حاصل کرنے کے لیے حاضر ہیں۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا: کیا تم لوگ اب خوش ہو گئے ہو؟ وہ عرض کریں گے: ہم کیوں خوش نہ ہوں جبکہ تو نے ہمیں وہ کچھ دیا ہے جو اپنی مخلوق میں سے اور کسی کو نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تمھیں اس سے بھی بہتر نعمت عطا کرتا ہوں۔ وہ (جنتی) کہیں گے: اے اللہ! اس سے بہتر اور کیا چیز ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے تمھارے لیے اپنی رضا کو حلال کر دیا ہے اب میں تم پر کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔''

فوائد ومسائل: ① جنت اور اس کی تمام نعمتیں عطا فرمانے کے بعد رب کریم کا اپنے بندوں سے پوچھنا کہ ''تم راضی اور مطمئن ہو'' بجائے خود کتنی بڑی نعمت ہے، پھر دائمی رضا کا تحفہ اور کبھی ناراض نہ ہونے کا اعلان کتنا بڑا انعام اور احسان ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کی رضا، جنت اور اس کی تمام نعمتوں سے اعلیٰ اور بالاتر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ کی طرف سے تھوڑی سی رضا اور خوشنودی سب سے بڑی (نعمت) ہے۔''[2] ② اہل جنت کے لیے ایک دوسرا اعلان بھی ہو گا جو اس سے بھی بڑھ کر ہے اور وہ اس کے علاوہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اہل جنت، جنت میں پہنچ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا: کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمھیں ایک مزید چیز عطا کروں؟ اہل جنت عرض کریں گے: اے اللہ! تو نے ہمارے چہرے روشن کیے اور دوزخ سے بچا کر ہمیں جنت میں داخل کیا، اب اس سے بڑھ کر اور کیا چیز ہو سکتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بندوں کے اس جواب کے بعد یکایک حجاب اٹھ جائے گا تو وہ اپنے پروردگار کا دیدار کر رہے ہوں گے، پھر انھیں محسوس ہو گا کہ جو کچھ اب تک انھیں ملا تھا،

---

① فتح الباري: 511/11. ② التوبة 72:9.

اس میں سب سے زیادہ محبوب اور پیاری چیز ان کے لیے یہی دیدار الٰہی ہے۔" پھر آپ ﷺ نے درج ذیل آیت تلاوت فرمائی: "جن لوگوں نے (اس دنیا میں) نیکی اور بندگی والی اچھی زندگی گزاری ان کے لیے اچھی جگہ (جنت) ہے اور (اس پر) مزید ایک نعمت (دیدار الٰہی) ہوگی۔"[1]

٦٥٥٠ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو: حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ: أُصِيبَ حَارِثَةُ يَوْمَ بَدْرٍ وَّهُوَ غُلَامٌ، فَجَاءَتْ أُمُّهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! قَدْ عَرَفْتَ مَنْزِلَةَ حَارِثَةَ مِنِّي، فَإِنْ يَّكُ فِي الْجَنَّةِ أَصْبِرْ وَأَحْتَسِبْ، وَإِنْ تَكُنِ الْأُخْرٰى تَرَ مَا أَصْنَعُ فَقَالَ: «وَيْحَكِ - أَوْ هَبِلْتِ - أَوَ جَنَّةٌ وَّاحِدَةٌ هِيَ؟ إِنَّهَا جِنَانٌ كَثِيرَةٌ، وَّإِنَّهُ لَفِي جَنَّةِ الْفِرْدَوْسِ». [راجع: ٢٨٠٩]

[6550] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں شہید ہو گئے جبکہ وہ اس وقت نوعمر تھے تو ان کی والدہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی: اللہ کے رسول! آپ کو معلوم ہے کہ حارثہ سے مجھے کتنی محبت تھی، اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کرتی ہوں اور اس صبر پر ثواب کی امیدوار ہوں اور اگر کوئی دوسری بات ہے تو آپ دیکھیں گے کہ میں کیا کرتی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "افسوس، کیا تم پاگل ہوگئی ہو، کیا جنت ایک ہی ہے؟ وہاں تو بہت سی جنتیں ہیں اور وہ جنت الفردوس میں ہے۔"

فوائد ومسائل: ① حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ربیع بنت نضر رضی اللہ عنہا کا مطلب تھا کہ اگر وہ جنت میں ہے تو صبر کروں اور اگر اس کے علاوہ کوئی دوسری بات ہے تو پریشان لوگوں کی طرح مشہور وادیلا کروں گی جسے ہر ایک دیکھے گا اور رو دھو کر اپنا غم ہلکا کروں گی جیسا کہ ایک دوسری روایت میں اس کی صراحت ہے۔[2] ② ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو تو جنت فردوس مانگا کرو کیونکہ یہ جنت سب سے اعلیٰ اور اونچے مقام پر ہے۔ اس کے اوپر اللہ کا عرش ہے اور جنت کی نہریں بھی اسی جنت سے پھوٹتی ہیں۔"[3]

٦٥٥١ - حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ: أَخْبَرَنَا الْفَضْلُ ابْنُ مُوسٰى: أَخْبَرَنَا الْفُضَيْلُ عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَا بَيْنَ مَنْكِبَيِ الْكَافِرِ مَسِيرَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ لِلرَّاكِبِ الْمُسْرِعِ».

[6551] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "کافر کے دونوں کندھوں کے درمیان تیز چلنے والے سوار کے لیے تین دن کی مسافت کا فاصلہ ہوگا۔"

---

① یونس 10: 26، و صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: 449، 450 (181). ② صحیح البخاري، الجهاد والسیر، حدیث: 2809. ③ صحیح البخاري، التوحید، حدیث: 7423.

فوائد ومسائل: ① ایک دوسری حدیث میں ہے کہ کافر کا جسم، جہنم میں اتنا بڑا کر دیا جائے گا کہ اس کے کانوں سے کندھوں کا فاصلہ ستر سال کی مسافت جتنا ہوگا۔[1] ② کفار کی اذیت وتکلیف میں اضافے کے لیے ان کے جسم بڑھا دیے جائیں گے لیکن جب انھیں اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش کیا جائے گا تو چیونٹیوں کی طرح ذلیل وخوار ہوں گے جیسا کہ ایک روایت میں ہے: ''قیامت کے دن متکبرین کو چیونٹیوں کی طرح مردوں کی صورت میں اٹھایا جائے گا، پھر انھیں دوزخ میں ایک جیل میں بھیجا جائے گا جس کا نام بولس ہے۔''[2] جب دوزخ میں پہنچ جائیں گے تو ان کے جسم حسب عذاب بڑھا دیے جائیں گے تاکہ انھیں عذاب کی شدت بھرپور طریقے سے محسوس ہو۔ ③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ دوزخ میں کفار کے عذاب میں کمی بیشی ہوگی، عام کفار کے مقابلے میں معاندین اور ضدی کافروں کو سخت عذاب دیا جائے گا۔[3]

٦٥٥٢ - قَالَ: وَقَالَ إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: أَنْبَأَنَا الْمُغِيرَةُ بْنُ سَلَمَةَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَشَجَرَةً يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَّا يَقْطَعُهَا».

[6552] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''بلاشبہ جنت میں ایک ایسا درخت ہے جس کے سائے میں سوار سو سال تک چلنے کے بعد بھی اسے طے نہیں کر سکے گا۔''

٦٥٥٣ - قَالَ أَبُو حَازِمٍ: فَحَدَّثْتُ بِهِ النُّعْمَانَ ابْنَ أَبِي عَيَّاشٍ فَقَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَشَجَرَةً يَسِيرُ الرَّاكِبُ الْجَوَادَ أَوِ الْمُضَمَّرَ السَّرِيعَ مِائَةَ عَامٍ مَّا يَقْطَعُهَا».

[6553] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''بلاشبہ جنت میں ایک ایسا درخت ہے جس کے سائے میں گھوڑ دوڑ کے لیے تیار کردہ تیز رفتار گھوڑے پر سوار شخص سو سال تک چلتا رہے گا، لیکن پھر بھی اسے طے نہ کر سکے گا۔''

فوائد ومسائل: ① حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس طرح کی ایک حدیث کے آخر میں ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم اس کی تصدیق چاہتے ہو تو قرآن کریم کی اس آیت کو پڑھو: ''اور لمبے لمبے سائے۔''[4] ② حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''اس کی ٹہنیوں کے سائے میں سوار سو سال تک چلتا رہے گا یا سو سال تک اس کے سائے میں رہے گا۔''[5] ③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ بخاری کی پیش کردہ حدیث میں درخت سے مراد سدرۃ المنتہیٰ ہے جیسا کہ ترمذی کی حدیث سے پتا چلتا ہے۔[6]

٦٥٥٤ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ

[6554] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

---

1 مسند أحمد: 117/6. 2 جامع الترمذي، صفة القيامة، حديث: 2492. 3 فتح الباري: 516/11. 4 الواقعة 30:56، وصحيح البخاري، بدء الخلق، حديث: 3252. 5 جامع الترمذي، صفة الجنة، حديث: 2541. 6 فتح الباري: 517/11.

أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ - أَوْ سَبْعُمِائَةِ أَلْفٍ، لَا يَدْرِي أَبُو حَازِمٍ أَيُّهُمَا قَالَ - مُتَمَاسِكُونَ آخِذٌ بَعْضُهُمْ بَعْضًا، لَا يَدْخُلُ أَوَّلُهُمْ حَتَّى يَدْخُلَ آخِرُهُمْ، وُجُوهُهُمْ عَلَى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ». [راجع: ٣٢٤٧]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میری امت میں سے ستر ہزار...... یا سات لاکھ (راویٔ حدیث) ابوحازم کو یاد نہیں رہا کہ (استاد) سہل نے کون سا لفظ بولا تھا...... آدمی جنت میں اس طرح داخل ہوں گے کہ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہوں گے۔ ان میں سے پہلا شخص جنت میں داخل نہ ہوگا یہاں تک آخری شخص بھی اس کے ساتھ داخل ہوگا۔ ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔“

فوائدومسائل: ① یہ وہی خوش قسمت حضرات ہوں گے جنھیں حساب کتاب کے بغیر جنت میں داخلہ ملے گا اور وہ صف واحد میں بیک وقت داخل ہوں گے۔ حضرت انس ؓ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ چار لاکھ آدمی آپ کی امت سے بلا حساب جنت میں جائیں گے۔“ حضرت ابوبکر ؓ نے عرض کی: اللہ کے رسول! اس سے زیادہ ہوں تو؟ آپ نے دونوں ہاتھ جمع کر کے اشارہ فرمایا، پھر دوسری مرتبہ بھی دونوں ہاتھوں کو جمع کر کے اشارہ فرمایا، حضرت عمر ؓ نے عرض کی: کافی ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ایک ہی ہتھیلی سے ساری مخلوق کو جنت میں داخل کر دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”عمر نے سچ کہا ہے۔“[1] ② حافظ ابن حجر ؒ کہتے ہیں کہ اس کی سند عمدہ ہے لیکن راویٔ حدیث قتادہ کے متعلق بہت اختلاف ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ حضرت ابوسعید خدری ؓ نے فرمایا: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے پاس حساب لگایا تو ان کی تعداد انچاس لاکھ بنتی ہے۔[2] واللّٰہ أعلم.

٦٥٥٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سَهْلٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ لَيَتَرَاءَوْنَ الْغُرَفَ فِي الْجَنَّةِ كَمَا تَتَرَاءَوْنَ الْكَوْكَبَ فِي السَّمَاءِ».

[6555] حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ”اہل جنت، جنت میں بالا خانے اس طرح دیکھیں گے جیسے تم آسمان میں ستاروں کو دیکھتے ہو۔“

٦٥٥٦ - قَالَ أَبِي: فَحَدَّثْتُ النُّعْمَانَ بْنَ أَبِي عَيَّاشٍ فَقَالَ: أَشْهَدُ لَسَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ يُحَدِّثُ وَيَزِيدُ فِيهِ: «كَمَا تَرَاءَوْنَ الْكَوْكَبَ الْغَارِبَ فِي الْأُفُقِ الشَّرْقِيِّ وَالْغَرْبِيِّ». [راجع: ٣٢٥٦]

[6556] حضرت نعمان بن ابو عیاش سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے حضرت ابو سعید خدری ؓ کو یہ حدیث بیان کرتے سنا اور وہ اس میں ان الفاظ کا اضافہ کرتے تھے: ”جیسے تم مشرقی اور مغربی کناروں میں ڈوبتے ستاروں کو دیکھتے ہو۔“

① مسند أحمد: 165/3. ② فتح الباري: 500/11.

فوائد ومسائل: ① مشرقی یا مغربی افق میں جس طرح چمکنے والا ستارہ دور سے نظر آتا ہے اسی طرح جنت میں بلند درجات کے حامل اہل جنت کے بالا خانے اور مکانات بھی دور سے نظر آئیں گے۔ اے اللہ! تو ہمیں بھی ان لوگوں میں شامل کر دے اور ہمیں اہل وعیال اور والدین، بہن، بھائیوں سمیت جنت الفردوس میں داخل فرمادے۔ آمین یارب العالمین۔ ② ایک روایت میں ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اللہ کے رسول! یہ تو انبیائے کرام علیہم السلام کے محلات ہوں گے جنھیں، ان کے علاوہ اور کوئی نہیں پا سکے گا۔ آپ نے فرمایا: ''کیوں نہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ ان لوگوں کے لیے ہوں گے جو اللہ پر ایمان لائے اور انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کی۔''[1] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ ان محلات میں شیشے سے اس طرح مینا کاری کی گئی ہوگی کہ اندر سے باہر اور باہر سے اندر کا نظارہ کیا جا سکے گا۔[2]

٦٥٥٧ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «يَقُولُ اللهُ تَعَالَى لِأَهْوَنِ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ: لَوْ أَنَّ لَكَ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ أَكُنْتَ تَفْتَدِي بِهِ؟ فَيَقُولُ: نَعَمْ، فَيَقُولُ: أَرَدْتُ مِنْكَ أَهْوَنَ مِنْ هٰذَا وَأَنْتَ فِي صُلْبِ آدَمَ: أَنْ لَا تُشْرِكَ بِي شَيْئًا، فَأَبَيْتَ إِلَّا أَنْ تُشْرِكَ بِي». [راجع: ٣٣٣٤]

[6557] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دوزخ کا سب سے ہلکا عذاب پانے والے سے پوچھے گا: اگر تجھے روئے زمین کی تمام چیزیں میسر ہوں تو کیا تو وہ فدیے میں دے دے گا؟ وہ کہے گا: ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے تجھ سے اس سے زیادہ آسان چیز کا مطالبہ کیا تھا جبکہ تو آدم کی پیٹھ میں تھا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، لیکن تو میرے ساتھ شرک پر مصر رہا۔''

فائدہ: قیامت کے دن جو کافر اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہوں گے وہ کسی صورت میں نجات نہیں پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ صرف ذلیل ورسوا کرنے کے لیے انھیں یہ بات کہے گا جو حدیث میں بیان کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''بلاشبہ جو لوگ کافر ہوئے پھر کفر ہی کی حالت میں مر گئے اگر وہ زمین بھر سونا دے کر بھی خود چھوٹ جانا چاہیں گے تو ان سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔''[3] بلکہ اس سے بھی زیادہ صراحت اور وضاحت کے ساتھ فرمایا: ''جو لوگ کافر ہیں اگر زمین میں موجود سارا مال و دولت ان کی ملکیت ہو بلکہ اتنا اور بھی ہو اور وہ چاہیں کہ یہ سب کچھ دے دلا کر قیامت کے دن عذاب سے چھوٹ جائیں تو بھی ان سے یہ فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔''[4]

٦٥٥٨ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ:

[6558] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ

---

[1] صحيح البخاري، بدء الخلق، حديث: 3256. [2] جامع الترمذي، صفة الجنة، حديث: 2527. [3] آل عمران 3:91.
[4] المائدة 5:36.

عَمْرٍو، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ بِالشَّفَاعَةِ كَأَنَّهُمُ الثَّعَارِيرُ»، قُلْتُ: مَا الثَّعَارِيرُ؟ قَالَ: «الضَّغَابِيسُ»، وَكَانَ قَدْ سَقَطَ فَمُهُ فَقُلْتُ لِعَمْرِو بْنِ دِينَارٍ: أَبَا مُحَمَّدٍ! سَمِعْتَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «يَخْرُجُ بِالشَّفَاعَةِ مِنَ النَّارِ»؟ قَالَ: نَعَمْ.

نے فرمایا: ''(کچھ لوگ) شفاعت کی وجہ سے جہنم سے ثعاریر کی طرح نکلیں گے۔'' (حماد کہتے ہیں کہ) میں نے (عمرو بن دینار سے) پوچھا: ثعاریر کیا چیز ہے؟ انھوں نے کہا: اس سے مراد چھوٹی ککڑیاں ہیں۔ ہوا یہ تھا کہ عمر کے آخری حصے میں عمرو بن دینار کے دانت گر گئے تھے (اس لیے اس لفظ کا صحیح تلفظ نہ کر سکتے تھے)۔ حماد کہتے ہیں: میں نے عمرو بن دینار سے کہا: اے ابومحمد! کیا واقعی آپ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے: میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا: ''(کچھ لوگ) شفاعت کی وجہ سے جہنم سے نکلیں گے؟'' انھوں نے کہا: ہاں۔

فوائد ومسائل: ① اہل ایمان میں سے کچھ لوگ اپنے گناہوں کی پاداش میں جل کر کوئلہ بن جائیں گے، پھر جب شفاعت کے ذریعے سے نکلیں گے اور آب حیات میں انھیں ڈالا جائے گا تو وہ چھوٹی چھوٹی ککڑیوں کی طرح سفید ہو جائیں گے اور از سر نو ان میں زندگی پیدا ہوگی۔ ② اس حدیث سے ان لوگوں کا رد ہوا جو کہتے ہیں کہ کبیرہ گناہ کرنے والے جہنم میں نہیں جائیں گے اور ان لوگوں کی بھی تردید ہے جن کا موقف ہے کہ شفاعت سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا جیسا کہ معتزلہ اور خوارج کا خیال ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ اس امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو رجم، دجال، عذاب قبر اور شفاعت کا انکار کریں گے۔[1]

٦٥٥٩ - حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «يَخْرُجُ قَوْمٌ مِّنَ النَّارِ بَعْدَمَا مَسَّهُمْ مِّنْهَا سَفْعٌ فَيَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ فَيُسَمِّيهِمْ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَهَنَّمِيِّينَ». [انظر: ٧٤٥٠]

[6559] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''ایک قوم جہنم سے نکلے گی جسے دوزخ کی حرارت نے جلا دیا ہوگا۔ پھر وہ جنت میں داخل ہوں گے تو اہل جنت انھیں جہنمی کہیں گے۔''

٦٥٦٠ - حَدَّثَنَا مُوسَى: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ، وَأَهْلُ النَّارِ

[6560] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اہل جنت، جنت میں اور جہنم والے دوزخ میں چلے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہے اس کو

[1] فتح الباري: 519/11.

النَّارَ يَقُولُ اللهُ تَعَالٰى: مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ إِيمَانٍ فَأَخْرِجُوهُ، فَيُخْرَجُونَ قَدِ امْتُحِشُوا وَعَادُوا حُمَمًا، فَيُلْقَوْنَ فِي نَهَرِ الْحَيَاةِ فَيَنْبُتُونَ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ، أَوْ قَالَ: حَمِيَّةٌ». وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَلَمْ تَرَوْا أَنَّهَا تَخْرُجُ صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً؟».

[راجع: ٢٢]

بھی دوزخ سے نکال لیا جائے۔ اس وقت ایسے لوگ نکال لیے جائیں گے جو جل کر کوئلہ بن چکے ہوں گے۔ پھر انھیں نہر حیات میں ڈالا جائے گا تو اس طرح اُگ آئیں گے جس طرح خس و خاشاک کے سیلاب میں دانہ اُگتا ہے۔'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم نے دیکھا نہیں کہ دانہ پیچ و تاب کھاتا ہوا زرد رنگ اور شگفتہ حالت میں اُگتا ہے؟''

فوائد و مسائل: ① جو لوگ جہنم سے نکالے جائیں گے انھیں اہل جنت جہنمی کے لقب سے یاد کریں گے جبکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا نام ''اللہ کے آزاد کردہ'' ہوگا جیسا کہ ایک حدیث میں ہے۔[1] ② لوگوں کے اصلی حالت میں لوٹ آنے کو اس دانے سے تشبیہ دی گئی ہے جو خس و خاشاک کے سیلاب میں بہت جلد اُگ پڑتا ہے۔ اہل جہنم کو جب آب حیات میں ڈالا جائے گا تو وہ بہت جلد اپنے اصلی بدنوں کی طرح لوٹ آئیں گے۔ کچھ اہل علم کا خیال ہے کہ جہنمی لقب ان کی رسوائی کے لیے نہیں بلکہ اس لیے ہوگا تا کہ وہ اللہ کی نعمت کو یاد کر کے اس کا شکریہ ادا کرتے رہیں لیکن حافظ ابن حجر ؒ نے اس خیال سے اتفاق نہیں کیا بلکہ لکھا ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو اس لقب کے دور کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔[2]

٦٥٦١ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ أَهْوَنَ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَرَجُلٌ تُوضَعُ فِي أَخْمَصِ قَدَمَيْهِ جَمْرَةٌ يَغْلِي مِنْهَا دِمَاغُهُ». [انظر: ٦٥٦٢]

[6561] حضرت نعمان ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''قیامت کے دن سب سے ہلکے (اور کم) عذاب والا وہ شخص ہوگا جس کے پاؤں تلے آگ کا انگارا رکھا جائے گا، اس کی وجہ سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔''

٦٥٦٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ رَجَاءٍ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ أَهْوَنَ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ عَلٰى أَخْمَصِ قَدَمَيْهِ جَمْرَتَانِ يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهُ كَمَا يَغْلِي

[6562] حضرت نعمان بن بشیر ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا: ''قیامت کے دن اہل جہنم میں عذاب کے اعتبار سے ہلکا عذاب پانے والا وہ شخص ہوگا جس کے دونوں قدموں کے نیچے آگ کے دو انگارے رکھے جائیں گے جن کی وجہ

[1] صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 454 (183). [2] فتح الباري: 11/523.

الْمِرْجَلُ بِالْقُمْقُمِ». [راجع: ٦٥٦١]

سے اس کا دماغ اس طرح کھول رہا ہوگا جس طرح ہنڈیا اور کیتلی جوش مارتی ہے۔

فوائد ومسائل: ① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اہل جہنم میں ہلکا اور کم ترین عذاب ابو طالب کو ہوگا۔ اسے آگ کے دو جوتے پہنائیں جائے گے جس سے اس کا دماغ اُبل رہا ہوگا۔''[1] ایک روایت میں ہے، وہ خیال کرے گا کہ مجھے سب سے زیادہ عذاب ہو رہا ہے، حالانکہ اسے سب سے ہلکا عذاب دیا جا رہا ہوگا۔[2] ② جس طرح آگ ہانڈی کو جوش دیتی ہے اسی طرح دوزخ کی آگ انسان کے بدن کو سخت گرم کرے گی حتی کہ اس کے اثر سے دماغ کھول رہا ہوگا۔ أعاذنا الله منه.

٦٥٦٣ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ خَيْثَمَةَ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ذَكَرَ النَّارَ فَأَشَاحَ بِوَجْهِهِ فَتَعَوَّذَ مِنْهَا، ثُمَّ ذَكَرَ النَّارَ فَأَشَاحَ بِوَجْهِهِ فَتَعَوَّذَ مِنْهَا، ثُمَّ قَالَ: «اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ، فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ». [راجع: ١٤١٣]

[6563] حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک مرتبہ جہنم کا ذکر کیا تو آپ نے اپنا چہرۂ انور پھیر لیا اور اس سے پناہ مانگی، پھر آگ کا ذکر کیا تو آپ نے اپنا چہرۂ انور پھیر لیا اور اس سے پناہ مانگی پھر فرمایا: ''آگ سے بچو اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر ممکن ہو۔ اگر کسی کو یہ بھی میسر نہ ہو تو وہ اچھی بات کہہ کر اس سے محفوظ رہے۔''

٦٥٦٤ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي حَازِمٍ وَّالدَّرَاوَرْدِيُّ عَنْ يَّزِيدَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ خَبَّابٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: وَذُكِرَ عِنْدَهُ عَمُّهُ أَبُو طَالِبٍ فَقَالَ: «لَعَلَّهُ تَنْفَعُهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُجْعَلُ فِي ضَحْضَاحٍ مِّنَ النَّارِ يَبْلُغُ كَعْبَيْهِ يَغْلِي مِنْهُ أُمُّ دِمَاغِهِ». [راجع: ٣٨٨٥]

[6564] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ کے سامنے آپ کے چچا ابو طالب کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا: ''ممکن ہے کہ قیامت کے دن میری شفاعت اس کے کام آ جائے تو اسے جہنم میں ٹخنوں تک رکھا جائے جس سے اس کا دماغ کھولتا رہے گا۔''

فوائد ومسائل: ① قرآن مجید میں ہے: ''کفار کو سفارش کرنے والوں کی سفارش کام نہیں دے گی۔''[3] اس سے مراد یہ ہے کہ انھیں جہنم سے نکالا نہیں جائے گا۔ ایک دوسری آیت میں ہے کہ کفار سے عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا۔[4] تو اس کا مطلب

---

① صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: 515 (212). ② صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: 517 (213). ③ المدثر 74: 48.

④ البقرة 2: 86.

یہ ہے کہ جو عذاب ان پر شروع ہوگا اس میں تخفیف نہیں کی جائے گی۔ ابو طالب پر شروع ہی سے ہلکا عذاب ہوگا۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہنم میں تمام کفار کو ایک جیسا عذاب نہیں دیا جائے گا بلکہ اس میں مختلف مدارج ہوں گے۔ عقل اس کا تقاضا کرتی ہے کہ کچھ کافر اپنے کفر کے ساتھ اسلام کے دشمن بھی ہوں گے لیکن کچھ کافر کفر پر ہوں گے لیکن مسلمانوں کے ساتھ ان کی دشمنی نہیں ہوگی۔ سورۂ ممتحنہ میں کفار کی اس تفریق کو برقرار رکھا گیا ہے۔ واللہ أعلم.

٦٥٦٥ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَجْمَعُ اللهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُونَ: لَوِ اسْتَشْفَعْنَا عَلَى رَبِّنَا حَتَّى يُرِيحَنَا مِنْ مَكَانِنَا، فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ: أَنْتَ الَّذِي خَلَقَكَ اللهُ بِيَدِهِ وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ وَأَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوا لَكَ، فَاشْفَعْ لَنَا عِنْدَ رَبِّنَا، فَيَقُولُ: لَسْتُ هُنَاكُمْ، وَيَذْكُرُ خَطِيئَتَهُ، وَيَقُولُ: ائْتُوا نُوحًا أَوَّلَ رَسُولٍ بَعَثَهُ اللهُ، فَيَأْتُونَهُ فَيَقُولُ: لَسْتُ هُنَاكُمْ، وَيَذْكُرُ خَطِيئَتَهُ، ائْتُوا إِبْرَاهِيمَ الَّذِي اتَّخَذَهُ اللهُ خَلِيلًا، فَيَأْتُونَهُ فَيَقُولُ: لَسْتُ هُنَاكُمْ، وَيَذْكُرُ خَطِيئَتَهُ، ائْتُوا مُوسَى الَّذِي كَلَّمَهُ اللهُ فَيَأْتُونَهُ، فَيَقُولُ: لَسْتُ هُنَاكُمْ، فَيَذْكُرُ خَطِيئَتَهُ، ائْتُوا عِيسَى، فَيَأْتُونَهُ فَيَقُولُ: لَسْتُ هُنَاكُمْ، ائْتُوا مُحَمَّدًا ﷺ فَقَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ، فَيَأْتُونِي فَأَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّي فَإِذَا رَأَيْتُهُ وَقَعْتُ لَهُ سَاجِدًا، فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللهُ ثُمَّ يُقَالُ لِي: ارْفَعْ رَأْسَكَ، وَسَلْ تُعْطَهْ، وَقُلْ يُسْمَعْ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ، فَأَرْفَعُ رَأْسِي، فَأَحْمَدُ رَبِّي بِتَحْمِيدٍ يُعَلِّمُنِي، ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا، ثُمَّ أُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ

[6565] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ قیامت کے دن لوگوں کو جمع کرے گا۔ اس وقت لوگ کہیں گے: اگر ہم اپنے رب کے حضور کسی کی سفارش لے جائیں تو ممکن ہے کہ ہم اس حالت سے نجات پا جائیں، چنانچہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے: آپ ہی وہ نبی ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے بنایا، آپ کے اندر اپنی طرف سے روح پھونکی پھر فرشتوں کو حکم دیا تو انھوں نے آپ کو سجدہ کیا، لہٰذا ہمارے رب کے حضور ہمارے لیے سفارش کر دیں۔ وہ کہیں گے: میں تو اس لائق نہیں، پھر وہ اپنی لغزش کا ذکر کر کے کہیں گے: تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ پہلے رسول ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا، چنانچہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ بھی یہی جواب دیں گے کہ میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں۔ وہ اپنی ایک لغزش ذکر کر کے کہیں گے: تم ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا تھا۔ لوگ ان کے پاس جائیں گے تو وہ بھی یہی کہیں گے کہ میں اس قابل نہیں ہوں۔ وہ اپنی ایک خطا کا ذکر کر کے کہیں گے: تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ ان سے اللہ تعالیٰ ہم کلام ہوا تھا۔ لوگ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ بھی یہی کہیں گے: میں اس قابل نہیں ہوں اور وہ اپنی ایک لغزش ذکر کریں گے (اور کہیں گے:) تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ لوگ حضرت عیسیٰ

وَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ، ثُمَّ أَعُودُ فَأَقَعُ سَاجِدًا مِّثْلَهُ فِي الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ حَتَّى مَا يَبْقَى فِي النَّارِ إِلَّا مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ».

علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ بھی کہیں گے کہ میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں۔ تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیے ہیں، چنانچہ لوگ میرے پاس آئیں گے تو میں اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا، پھر جب اسے دیکھوں گا تو سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ جتنی دیر چاہے گا مجھے سجدے میں پڑا رہنے دے گا۔ پھر مجھے کہا جائے گا: اپنا سر (سجدے سے) اٹھاؤ، مانگو، تمھیں دیا جائے گا، گفتگو کرو آپ کی بات سنی جائے گی، سفارش کریں آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔ اس وقت میں اپنے رب کی ایسی حمد وثنا کروں گا جس کی اللہ تعالیٰ نے مجھے تعلیم دی ہو گی۔ پھر سفارش کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی، پھر میں لوگوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دوں گا، پھر میں اللہ کے حضور جاؤں گا اور سجدے میں گر جاؤں گا، دوسری، تیسری یا چوتھی بار اسی طرح سجدے میں گر جاؤں گا حتی کہ جہنم میں وہی لوگ رہ جائیں گے جنھیں قرآن نے روک لیا ہو گا۔

وَكَانَ قَتَادَةُ يَقُولُ عِنْدَ هٰذَا: أَيْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُودُ. [راجع: ٤٤]

قتادہ اس موقع پر کہا کرتے تھے: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر جہنم میں ہمیشہ رہنا واجب ہو گا۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کے آغاز میں جس شفاعت کا ذکر ہے اس سے مراد شفاعت کبریٰ ہے جو صرف رسول اللہ ﷺ کریں گے اور کسی نبی کو وہاں بات کرنے کی ہمت نہیں ہو گی۔ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام نے جن جن لغزشوں کا ذکر کیا ہے ان کی صراحت اس حدیث میں نہیں ہے دوسری احادیث میں ان کی تفصیل ذکر کی گئی ہے۔ یہ خطائیں اگرچہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیں لیکن پھر بھی بڑے لوگوں کا مقام بھی بڑا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ حق ہے کہ وہ ان لغزشوں کی بنا پر ان سے باز پرس کرے، اس لیے حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی لغزشوں کو یاد کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور بات کرنے کی ہمت نہیں پائیں گے، آخر کار معاملہ رسول اللہ ﷺ پر آ کر ٹھہر جائے گا۔ یہی وہ مقام محمود ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آپ کو عطا فرمائے گا۔ ② حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کو سفارش عظمیٰ کے اہل سمجھا اور فرمایا کہ ان کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بتا چکا ہے کہ اگر آپ سے کوئی گناہ سرزد بھی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ آپ سے مؤاخذہ نہیں کرے گا۔ اس بنا پر

سفارش کرنے کا منصب صرف آپ ﷺ کے لیے خاص ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ ایک عمدہ اور نفیس وضاحت ہے جو اللہ تعالیٰ نے فتح الباری لکھتے وقت مجھے الہام کی ہے۔[1] ③ واضح رہے کہ سفارش کی کئی قسمیں ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: * میدان حشر کی تکلیف سے نجات دینے کے لیے سفارش کرنا، اسے شفاعت کُبریٰ کہتے ہیں اور یہ ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ کے ساتھ خاص ہے اور کوئی رسول یہ سفارش نہیں کرے گا۔ * بعض لوگوں کو حساب کے بغیر جنت میں داخلے کی سفارش کرنا۔ * جو لوگ حساب کے بعد عذاب کے حق دار ہوں گے، انھیں عذاب دیے بغیر جنت میں جانے کی سفارش کرنا۔ * جو لوگ دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے، انھیں وہاں سے نکالنے کے لیے سفارش کرنا۔ اس حدیث کے آخر میں اسی قسم کی سفارش کا ذکر ہے۔ * اہل جنت کے درجات کو بلند کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور سفارش کرنا۔ پہلی قسم کے علاوہ باقی سفارش کی اقسام میں انبیاء علیہم السلام، صلحاء اور شہداء وغیرہ سب شریک ہوں گے۔ واللہ أعلم.

٦٥٦٦ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنِ الْحَسَنِ بْنِ ذَكْوَانَ: حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ: حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «يَخْرُجُ قَوْمٌ مِّنَ النَّارِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ ﷺ فَيَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُسَمَّوْنَ الْجَهَنَّمِيِّينَ».

[6566] حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”جہنم سے ایک قوم کو حضرت محمد ﷺ کی سفارش سے نکالا جائے گا اور وہ جنت میں داخل ہوں گے تو انھیں جہنمی کے نام سے پکارا جائے گا۔“

فائدہ: یہ وہ لوگ ہوں گے جو جہنم میں جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے، انھیں وہاں سے نکال کر آبِ حیات میں ڈالا جائے گا، ان کی وہاں اس طرح نشو ونما ہوگی جس طرح خس و خاشاک کے سیلاب میں دانہ اُگتا ہے۔

٦٥٦٧ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ أَنَّ أُمَّ حَارِثَةَ أَتَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَقَدْ هَلَكَ حَارِثَةُ يَوْمَ بَدْرٍ، أَصَابَهُ غَرْبُ سَهْمٍ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! قَدْ عَلِمْتَ مَوْقِعَ حَارِثَةَ مِنْ قَلْبِي، فَإِنْ كَانَ فِي الْجَنَّةِ لَمْ أَبْكِ عَلَيْهِ، وَإِلَّا سَوْفَ تَرَى مَا أَصْنَعُ، فَقَالَ لَهَا: «هَبِلْتِ، أَجَنَّةٌ وَّاحِدَةٌ هِيَ؟ إِنَّهَا جِنَانٌ كَثِيرَةٌ، وَّإِنَّهُ فِي الْفِرْدَوْسِ

[6567] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ام حارثہ رضی اللہ عنہا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں جبکہ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں ایک نامعلوم طرف سے تیر لگنے کی وجہ سے شہید ہو چکے تھے۔ انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! آپ کو معلوم ہے کہ حارثہ رضی اللہ عنہ سے مجھے کس قدر محبت تھی! اگر وہ جنت میں ہے تو میں اس پر نہیں روؤں گی بصورت دیگر آپ دیکھیں گے کہ میں کس قدر اس پر گریہ و زاری کرتی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو بے وقوف ہے،

1 فتح الباري: 530/11.

الْأَعْلَى». [راجع: ٢٨٠٩]

کیا جنت ایک ہی ہے؟ وہاں تو بہت سی جنتیں ہیں اور وہ (حارثہ) تو سب سے اونچی جنت الفردوس میں ہے۔"

٦٥٦٨ - وَقَالَ: «غَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، وَلَقَابُ قَوْسِ أَحَدِكُمْ - أَوْ مَوْضِعُ قَدَمٍ - مِنَ الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، وَلَوْ أَنَّ امْرَأَةً مِّنْ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ إِلَى الْأَرْضِ لَأَضَاءَتْ مَا بَيْنَهُمَا، وَلَمَلَأَتْ مَا بَيْنَهُمَا رِيحًا، وَلَنَصِيفُهَا - يَعْنِي الْخِمَارَ - خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا».

[راجع: ٢٧٩٢]

[6568] اور آپ ﷺ نے مزید فرمایا: "اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام گزارنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ جنت میں ایک قوس یا قدم رکھنے کی جگہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس سے بہتر ہے۔ اور اگر جنت کی عورتوں میں سے کوئی عورت زمین کی طرف جھانکے تو آسمان سے لے کر زمین تک کو روشن کر دے اور اسے خوشبو سے بھر دے، اس عورت کا دوپٹا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔"

فائدہ: یہ حارثہ بن سراقہ انصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی والدہ کا نام حضرت ربیع بنت نضر رضی اللہ عنہا تھا جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں۔ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں ایک نامعلوم طرف سے آنے والے تیر سے شہید ہوئے تو ماں کی مامتا پریشان ہوگئی کہ میرا بیٹا شہید ہے یا نہیں، ایسا نہ ہو کہ کسی مسلمان کے تیر سے موت واقع ہوئی ہو، اس لیے رسول اللہ ﷺ کے ہاں پیش ہو کر عرض گزار ہوئیں۔ جب تسلی ہوگئی تو خوشی خوشی واپس چلی گئیں۔

٦٥٦٩ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا يَدْخُلُ أَحَدٌ الْجَنَّةَ إِلَّا أُرِيَ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ لَوْ أَسَاءَ؛ لِيَزْدَادَ شُكْرًا، وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ إِلَّا أُرِيَ مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ لَوْ أَحْسَنَ؛ لِيَكُونَ عَلَيْهِ حَسْرَةً».

[6569] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جنت میں کوئی بھی داخل نہیں ہوگا مگر اسے دوزخ میں اس کی جگہ دکھائی جائے گی اگر وہ برائی کرتا تاکہ وہ زیادہ شکر کرے۔ اور کوئی بھی دوزخ میں داخل نہیں ہوگا مگر جنت میں اس کی جگہ اسے دکھائی جائے گی کہ اگر وہ اچھے عمل والا ہوتا (تو یہ اس کا مقام تھا) تاکہ اس کی حسرت و ندامت میں مزید اضافہ ہو۔"

فوائد و مسائل: ① اس امر کی وضاحت ایک دوسری حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے ہر ایک کے دو گھر ہیں: ایک گھر جنت میں اور ایک گھر جہنم میں۔ جب کوئی فوت ہو کر جہنم میں جاتا ہے تو اس کا جنت والا گھر وراثت میں اہل جنت کو مل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد۔ "یہی لوگ وراثت پانے والے ہیں۔" یہی مطلب ہے۔"[1] ② ہر مرنے والے کو یہ

---

[1] المومنون 10:23، وسنن ابن ماجه، الزهد، حديث: 4341.

دونوں گھر اس وقت دکھائے جاتے ہیں جب وہ قبر میں پہنچتا ہے جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ قبر میں اسے جہنمی ٹھکانا دکھاتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے: ''دیکھو اللہ تعالیٰ نے تجھے کس چیز سے بچا لیا ہے۔''[1] اس سے اللہ تعالیٰ کے بے مثال عدل اور اس کی انتہائی رحمت کا پتا چلتا ہے۔

٦٥٧٠ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَنْ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ فَقَالَ: «لَقَدْ ظَنَنْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! أَنْ لَا يَسْأَلَنِي عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ أَحَدٌ أَوَّلَ مِنْكَ لِمَا رَأَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الْحَدِيثِ، أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، خَالِصًا مِّنْ قِبَلِ نَفْسِهِ». [راجع: ٩٩]

[6570] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے پوچھا: اللہ کے رسول! قیامت کے دن آپ کی سفارش کی سعادت سب سے زیادہ کون حاصل کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابو ہریرہ! میرا بھی یہی خیال تھا کہ یہ حدیث تم سے پہلے اور کوئی مجھ سے نہیں پوچھے گا کیونکہ حدیث کے سلسلے میں میں تجھے بہت زیادہ حریص پاتا ہوں۔ قیامت کے دن میری شفاعت کی سعادت سب سے زیادہ اسے حاصل ہوگی جس نے کلمۂ لا الہ الا اللہ خلوص دل سے پڑھا ہوگا۔''

فوائد ومسائل: ① کلمۂ توحید خلوص دل سے پڑھا، پھر اس کے تقاضے کے مطابق عمل کیا۔ ساری عمر اس پر قائم رہا، کفر و شرک کی ہوا تک نہ لگنے دی تو یقیناً ایسے شخص کو رسول اللہ ﷺ کی سفارش حاصل ہوگی۔ توحید کی برکت اور عملی تگ و دو، محنت اور کوشش سے اس کے تمام گناہ بخش دیے جائیں گے۔ ② ایسے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ نے یہ سوال اس وقت کیا جب رسول اللہ ﷺ نے درج ذیل حدیث بیان کی: ''ہر نبی کے لیے ایک دعا مستجاب (یقینی طور پر قبول ہونے والی) تھی جو اس نے دنیا میں کر لی لیکن میں چاہتا ہوں کہ اپنی دعا آخرت میں اپنی امت کی سفارش کے لیے محفوظ رکھوں۔''[2] ایک روایت میں ہے کہ میری شفاعت کا حق دار وہ شخص ہوگا جس نے اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کی گواہی دی۔ اس کے دل نے زبان اور زبان نے اس کے دل کی تصدیق کی۔[3] پھر سفارش کی سعادت حاصل کرنے والوں کے مختلف مراتب ہوں گے جیسا کہ لفظ اسعد سے معلوم ہوتا ہے۔[4]

٦٥٧١ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبِيدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ:

[6571] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں آخری دوزخی کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں دوزخ سے نکلے گا اور آخری

1 سنن ابن ماجه، الزهد، حديث: 4268. 2 صحيح البخاري، الدعوات، حديث: 6304. 3 مسند أحمد: 2/307.
4 فتح الباري: 11/539.

«إِنِّي لَأَعْلَمُ آخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا مِّنْهَا، وَآخِرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولًا، رَجُلٌ يَّخْرُجُ مِنَ النَّارِ حَبْوًا، فَيَقُولُ اللهُ: اِذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ، فَيَأْتِيهَا فَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا مَلْأَى فَيَرْجِعُ فَيَقُولُ: يَا رَبِّ! وَجَدْتُّهَا مَلْأَى، فَيَقُولُ: اِذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ. فَإِنَّ لَكَ مِثْلَ الدُّنْيَا وَعَشَرَةَ أَمْثَالِهَا - أَوْ إِنَّ لَكَ مِثْلَ عَشَرَةِ أَمْثَالِ الدُّنْيَا - فَيَقُولُ: أَتَسْخَرُ مِنِّي أَوْ تَضْحَكُ مِنِّي، وَأَنْتَ الْمَلِكُ؟» فَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ وَكَانَ يُقَالُ: ذَلِكَ أَدْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً. [انظر: ٧٥١١]

جنتی کو بھی جانتا ہوں جو سب سے آخر میں جنت میں داخل ہو گا۔ ایک شخص جہنم سے گھٹنوں کے بل گھسٹتے ہوئے نکلے گا، اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا: جاؤ، جنت میں داخل ہو جاؤ۔ وہ اس (جنت) کے پاس آئے گا تو خیال کرے گا کہ وہ تو بھری پڑی ہے، چنانچہ وہ واپس آ کر (اللہ سے) عرض کرے گا: اے میرے رب! میں نے اسے (جنت کو) بھرا ہوا پایا ہے۔ اللہ تعالیٰ پھر (اسے) فرمائے گا: جاؤ، جنت میں داخل ہو جاؤ، تمھیں دنیا اور اس سے دس گنا زیادہ دیا جاتا ہے۔ وہ کہے گا: اے میرے رب! تو میرا مذاق اڑاتا ہے، حالانکہ تو شہنشاہ ہے؟" اس وقت میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ اس بات پر ہنس دیے اور آپ کے اگلے دانت مبارک ظاہر ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ جنت میں سب سے کم درجے والا شخص ہو گا۔

فائدہ: بندے کو بار بار جنت میں جگہ خالی نہ ہونے کا احساس اس لیے دلایا گیا کہ جب وہ جنت میں جائے تو اسے زیادہ خوشی ہو۔ بہر حال جہنم سے نکلنے والے گناہ گار اپنے اپنے درجے کے مطابق جہنم سے نکالے جائیں گے۔ کم گناہوں والے پہلے اور زیادہ گناہوں والے آخر میں نکالے جائیں گے۔ کم سے کم درجے والے جنتی کو بھی کسی بادشاہ کی سلطنت سے دس گنا زیادہ جگہ ملے گی۔ اسی طرح کا واقعہ پل صراط سے گزرنے والے آخری شخص سے متعلق ہے کہ وہ پل صراط سے گزرتے ہوئے کبھی چلے گا اور کبھی گرے گا، کبھی اسے جہنم کی آگ جھلسا دے گی، آخر کار جب پل صراط سے گزر جائے گا تو اسے مخاطب ہو کر کہے گا بابرکت ہے وہ ذات جس نے مجھے تجھ سے نجات دے دی۔[1]

٦٥٧٢ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ ابْنِ نَوْفَلٍ، عَنِ الْعَبَّاسِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ: «هَلْ نَفَعْتَ أَبَا طَالِبٍ بِشَيْءٍ؟».

[راجع: ٣٨٨٣]

[6572] حضرت عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا آپ نے ابوطالب کو کوئی فائدہ پہنچایا؟

فائدہ: اختصار کے پیش نظر حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا جواب ذکر نہیں کیا گیا۔ دوسری روایت میں اس کی تفصیل ہے کہ

---

(1) صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: 463 (187).

آپ نے اپنے چچا ابوطالب کو کوئی نفع پہنچایا جبکہ وہ آپ کی حفاظت کرتا تھا اور آپ کی خاطر دوسروں سے ناراض ہوتا تھا؟ آپ نے فرمایا: ''اب جہنم کا عذاب اس کے ٹخنوں تک ہے، اگر میری سفارش نہ ہوتی تو وہ جہنم کے نچلے گڑھے میں ہوتا۔''[1] ابوطالب کو برادری کی جھوٹی عزت نے تباہ کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

(٥٢) بَابٌ: اَلصِّرَاطُ جَسْرُ جَهَنَّمَ

باب: 52- صراط، جہنم کا پل ہے

وضاحت: الصراط ایک پل ہے جسے جہنم پر رکھا جائے گا اور ہر شخص، خواہ وہ مسلم ہو یا کافر، نیک ہو یا بد، اسے ایک دفعہ اس کے اوپر سے گزرنا ہوگا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کا جہنم پر سے گزر نہ ہو۔''[2] حدیث میں ہے کہ وہ پل بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا۔[3] صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: یہ پل صراط کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا: ''یہ ایک پل ہے جسے جہنم کی پشت پر رکھا جائے گا۔ یہ گرنے اور پھسلنے کا مقام ہے، اس پر لوہے کے نوک دار کانٹے اور آنکڑے ہیں، چوڑے چوڑے کانٹے ہیں، ان کا سر خمدار سعدان کے کانٹوں کی طرح ہوگا جو ملک نجد میں ہوتے ہیں۔ مسلمان اس پر سے پلک جھپکنے کی طرح، بجلی کی طرح، آندھی کی طرح، تیز گھوڑوں کی طرح اور اونٹوں کی طرح گزر جائیں گے۔ کچھ صحیح وسلامت وہاں سے بچ کر نکل جائیں گے اور کچھ زخمی ہو کر اور چھل چھلا کر اور کچھ دوزخ میں گر پڑیں گے۔ آخری شخص جو پل صراط سے پار ہوگا اسے کھینچ کھینچ کر پار کریں گے۔''[4] پل صراط کا مزید تعارف درج ذیل حدیث میں ہے۔

٦٥٧٣ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: قَالَ سَعِيدٌ وَّعَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. وَحَدَّثَنِي مَحْمُودٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ أُنَاسٌ: يَا رَسُولَ اللهِ! هَلْ نَرٰى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ: «هَلْ تُضَارُّونَ فِي الشَّمْسِ لَيْسَ دُونَهَا سَحَابٌ؟» قَالُوا: لَا يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «هَلْ تُضَارُّونَ فِي الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَيْسَ دُونَهُ سَحَابٌ؟» قَالُوا: لَا يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «فَإِنَّكُمْ تَرَوْنَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذٰلِكَ،

[6573] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ کچھ لوگوں نے پوچھا: اللہ کے رسول! ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھ سکیں گے؟ آپ نے فرمایا: ''کیا سورج دیکھنے میں تمھیں کوئی دشواری ہوتی ہے جبکہ اس پر کوئی بادل وغیرہ نہ ہو؟'' لوگوں نے کہا: نہیں، اللہ کے رسول! پھر آپ نے فرمایا: ''کیا جب کوئی بادل نہ ہو تو تمھیں چودھویں رات کا چاند دیکھنے میں کوئی دقت ہوتی ہے؟ لوگوں نے کہا: نہیں، اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً تم قیامت کے دن اسی طرح اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع کرے گا اور ان سے کہے گا: جو کوئی کسی کی پوجا کرتا تھا وہ اسی کے پیچھے لگ جائے، چنانچہ جو لوگ

---

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، حديث: 3883. [2] مريم 19: 71. [3] صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 455 (183).
[4] صحيح البخاري، التوحيد، حديث: 7439.

يَجْمَعُ اللهُ النَّاسَ فَيَقُولُ: مَنْ كَانَ يَعْبُدُ شَيْئًا فَلْيَتْبَعْهُ، فَيَتْبَعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الشَّمْسَ، وَيَتْبَعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الْقَمَرَ، وَيَتْبَعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الطَّوَاغِيتَ، وَتَبْقٰى هٰذِهِ الْأُمَّةُ فِيهَا مُنَافِقُوهَا، فَيَأْتِيهِمُ اللهُ فِي غَيْرِ الصُّورَةِ الَّتِي يَعْرِفُونَ فَيَقُولُ: أَنَا رَبُّكُمْ، فَيَقُولُونَ: نَعُوذُ بِاللهِ مِنْكَ، هٰذَا مَكَانُنَا حَتّٰى يَأْتِيَنَا رَبُّنَا، فَإِذَا أَتَانَا رَبُّنَا عَرَفْنَاهُ، فَيَأْتِيهِمُ اللهُ فِي الصُّورَةِ الَّتِي يَعْرِفُونَ فَيَقُولُ: أَنَا رَبُّكُمْ، فَيَقُولُونَ: أَنْتَ رَبُّنَا، فَيَتْبَعُونَهُ، وَيُضْرَبُ جِسْرُ جَهَنَّمَ»، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُجِيزُ، وَدُعَاءُ الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ: اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ، سَلِّمْ، وَبِهِ كَلَالِيبُ مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ، أَمَا رَأَيْتُمْ شَوْكَ السَّعْدَانِ؟» قَالُوا: بَلٰى يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «فَإِنَّهَا مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ غَيْرَ أَنَّهَا لَا يَعْلَمُ قَدْرَ عِظَمِهَا إِلَّا اللهُ، فَتَخْطَفُ النَّاسَ بِأَعْمَالِهِمْ، مِنْهُمُ الْمُوبَقُ بِعَمَلِهِ، وَمِنْهُمُ الْمُخَرْدَلُ، ثُمَّ يَنْجُو حَتّٰى إِذَا فَرَغَ اللهُ مِنَ الْقَضَاءِ بَيْنَ عِبَادِهِ وَأَرَادَ أَنْ يُخْرِجَ مِنَ النَّارِ مَنْ أَرَادَ أَنْ يُخْرِجَ مِمَّنْ كَانَ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، أَمَرَ الْمَلَائِكَةَ أَنْ يُخْرِجُوهُمْ، فَيَعْرِفُونَهُمْ بِعَلَامَةِ آثَارِ السُّجُودِ، وَحَرَّمَ اللهُ عَلَى النَّارِ أَنْ تَأْكُلَ مِنِ ابْنِ آدَمَ أَثَرَ السُّجُودِ، فَيُخْرِجُونَهُمْ قَدِ امْتُحِشُوا، فَيُصَبُّ عَلَيْهِمْ مَاءٌ يُقَالُ لَهُ: مَاءُ الْحَيَاةِ، فَيَنْبُتُونَ نَبَاتَ الْحِبَّةِ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ، وَيَبْقٰى رَجُلٌ مُقْبِلٌ بِوَجْهِهِ عَلَى النَّارِ، فَيَقُولُ: يَا رَبِّ! قَدْ قَشَبَنِي رِيحُهَا وَأَحْرَقَنِي ذَكَاؤُهَا،

سورج کی عبادت کرتے تھے وہ اس کے پیچھے لگ جائیں گے اور جو لوگ چاند کی پرستش کرتے تھے وہ اس کے پیچھے ہو لیں گے اور جو لوگ بتوں کی پرستش کرتے تھے وہ ان کے پیچھے لگ جائیں گے اور آخر میں یہ امت باقی رہ جائے گی۔ اس میں منافقین کی جماعت بھی ہو گی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ان کے سامنے اس صورت میں آئے گا جس کو وہ پہچانتے نہ ہوں گے اور ان سے کہے گا: میں تمھارا رب ہوں۔ لوگ کہیں گے: تجھ سے اللہ کی پناہ! ہم اپنی جگہ پر اس وقت تک رہیں گے جب تک ہمارا رب ہمارے سامنے نہ آئے، جب ہمارا رب ہمارے سامنے آئے گا تو ہم اسے پہچان لیں گے۔ پھر حق تعالیٰ اس صورت میں آئے گا جس کو وہ پہچانتے ہوں گے اور ان سے کہے گا: میں تمھارا رب ہوں۔ لوگ کہیں گے واقعی تو ہمارا رب ہے، پھر اسی کے پیچھے ہو لیں گے اور جہنم پر پل رکھا جائے گا۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جو اس پل کو عبور کروں گا۔ اس دن رسولوں کی دعا یہ ہوگی: اے اللہ! سلامتی سے گزار دے۔ اے اللہ! سلامتی سے گزار دے۔ پل صراط کے ساتھ سعدان کے کانٹوں کی طرح کانٹے ہوں گے۔ کیا تم نے سعدان کے کانٹے دیکھے ہیں؟" لوگوں نے کہا: اللہ کے رسول! ہاں، دیکھے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "وہ آنکڑے سعدان کے کانٹوں کی طرح ہوں گے، البتہ ان کی لمبائی چوڑائی اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ وہ لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق پکڑ لیں گے۔ ان میں سے کچھ تو اپنے اعمال کی پاداش میں ہلاک ہو جائیں گے اور کچھ زخمی ہو کر نجات پا جائیں گے یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں فیصلے سے فارغ ہو گا اور جہنم سے انھیں نکالنا چاہے گا جنھیں نکالنے کی اس کی مشیت ہو گی وہ جو گواہی

فَاصْرِفْ وَجْهِي عَنِ النَّارِ، فَلَا يَزَالُ يَدْعُو اللهَ فَيَقُولُ: لَعَلَّكَ إِنْ أَعْطَيْتُكَ أَنْ تَسْأَلَنِي غَيْرَهُ، فَيَقُولُ: لَا وَعِزَّتِكَ، لَا أَسْأَلُكَ غَيْرَهُ، فَيُصْرَفُ وَجْهُهُ عَنِ النَّارِ، ثُمَّ يَقُولُ بَعْدَ ذٰلِكَ: يَا رَبِّ! قَرِّبْنِي إِلٰى بَابِ الْجَنَّةِ، فَيَقُولُ: أَلَيْسَ قَدْ زَعَمْتَ أَنْ لَا تَسْأَلَنِي غَيْرَهُ؟ وَيْلَكَ يَا ابْنَ آدَمَ مَا أَغْدَرَكَ، فَلَا يَزَالُ يَدْعُو فَيَقُولُ: لَعَلِّي إِنْ أَعْطَيْتُكَ ذٰلِكَ تَسْأَلُنِي غَيْرَهُ، فَيَقُولُ: لَا وَعِزَّتِكَ، لَا أَسْأَلُكَ غَيْرَهُ، فَيُعْطِي اللهَ مَا شَاءَ مِنْ عَهْدٍ وَمِيثَاقٍ أَنْ لَا يَسْأَلَهُ غَيْرَهُ فَيُقَرِّبُهُ إِلٰى بَابِ الْجَنَّةِ، فَإِذَا رَأٰى مَا فِيهَا سَكَتَ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَسْكُتَ، ثُمَّ قَالَ: رَبِّ أَدْخِلْنِي الْجَنَّةَ، ثُمَّ يَقُولُ: أَوَ لَيْسَ قَدْ زَعَمْتَ أَنْ لَّا تَسْأَلَنِي غَيْرَهُ؟ وَيْلَكَ يَا ابْنَ آدَمَ مَا أَغْدَرَكَ! فَيَقُولُ: يَا رَبِّ! لَا تَجْعَلْنِي أَشْقٰى خَلْقِكَ، فَلَا يَزَالُ يَدْعُو حَتّٰى يَضْحَكَ فَإِذَا ضَحِكَ مِنْهُ أَذِنَ لَهُ بِالدُّخُولِ فِيهَا، فَإِذَا دَخَلَ فِيهَا قِيلَ: تَمَنَّ مِنْ كَذَا، فَيَتَمَنّٰى، ثُمَّ يُقَالُ لَهُ: تَمَنَّ مِنْ كَذَا، فَيَتَمَنّٰى حَتّٰى تَنْقَطِعَ بِهِ الْأَمَانِيُّ فَيَقُولُ: هٰذَا لَكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ».

دیتے تھے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے تو اللہ فرشتوں کو حکم دے گا کہ وہ ایسے لوگوں کو جہنم سے نکالیں۔ فرشتے انھیں سجدوں کے نشانات سے پہچانتے ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دوزخ پر حرام کر دیا ہے کہ وہ ابن آدم کے جسم سے سجدوں کے نشانات کو کھائے، چنانچہ جب فرشتے ان کو نکالیں گے تو وہ جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے۔ پھر ان پر پانی بہایا جائے گا جسے آب حیات کہا جاتا ہے۔ وہ اس وقت اس طرح تر و تازہ ہو جائیں گے جس طرح سیلاب کے خس و خاشاک میں دانہ اُگتا ہے۔ ایک ایسا شخص باقی رہ جائے گا جس کا چہرہ جہنم کی طرف ہوگا۔ وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! اس کی بدبو نے مجھے پریشان کر دیا ہے اور اس کی تیزی نے مجھے جلا ڈالا ہے، میرا چہرہ دوزخ سے دوسری طرف کر دے۔ وہ مسلسل اسی طرح اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے گا آخر کار اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اگر میں تیرا مطالبہ پورا کر دوں تو اس کے علاوہ کوئی اور سوال تو نہیں کرے گا۔ وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! مجھے تیری عزت کی قسم! اس کے علاوہ میں تجھ سے کوئی مطالبہ نہیں کروں گا، چنانچہ اس کا چہرہ جہنم کے علاوہ دوسری طرف پھیر دیا جائے گا۔ اب اس کے بعد وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! مجھے جنت کے دروازے کے قریب کر دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تو نے یقین نہیں دلایا تھا کہ میں اس کے علاوہ کوئی مطالبہ نہیں کروں گا؟ افسوس اے ابن آدم! تو کس قدر عہد شکن اور وعدہ فراموش ہے۔ پھر وہ مسلسل دعائیں کرتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اگر میں تیری یہ دعا قبول کر لوں تو پھر اس کے علاوہ کوئی اور چیز تو نہیں مانگے گا؟ وہ عرض کرے گا: نہیں، تیری عزت کی قسم! میں اس کے علاوہ اور کوئی چیز تجھ سے نہیں مانگوں گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کو مضبوط عہد و

بیان دے گا کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور چیز کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے دروازے کے قریب کر دے گا۔ پھر جب وہ جنت کی اشیاء دیکھے گا تو جتنی دیر تک اللہ چاہے گا وہ خاموش رہے گا، پھر عرض کرے گا: اے میرے رب! مجھے جنت میں داخل کر دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تو نے یہ یقین نہیں دلایا تھا کہ اب تو اس کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں مانگے گا؟ اے ابن آدم! تو کس قدر وعدہ خلاف ہے۔ وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! مجھے اپنی مخلوق میں سب سے بڑا بدبخت نہ کر۔ وہ مسلسل دعائیں کرتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہنس دے گا۔ جب اللہ تعالیٰ اس سے ہنس دے گا تو اس شخص کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت مل جائے گی۔ جب وہ اندر چلا جائے گا تو اس سے کہا جائے گا: تو ایسی ایسی چیز کی خواہش کر۔ وہ خواہش کرے گا۔ پھر اس سے کہا جائے گا: تو فلاں فلاں چیز کی تمنا کر، چنانچہ وہ پھر خواہش کرے گا یہاں تک کہ اس کی تمام خواہشات ختم ہو جائیں گی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا: تیری یہ تمام خواہشات پوری کی جاتی ہیں اور اتنی ہی زیادہ نعمتیں مزید دی جاتی ہیں۔“

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: وَذٰلِكَ الرَّجُلُ آخِرُ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولًا. [راجع: ٨٠٦]

حضرت ابوہریرہ ؓ نے کہا: یہ شخص سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا۔

٦٥٧٤ - قَالَ عَطَاءٌ: وَأَبُو سَعِيدٍ جَالِسٌ مَّعَ أَبِي هُرَيْرَةَ لَا يُغَيِّرُ عَلَيْهِ شَيْئًا مِّنْ حَدِيثِهِ حَتَّى انْتَهَى إِلَى قَوْلِهِ: «هٰذَا لَكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ»، قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: هٰذَا لَكَ وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ؟ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: حَفِظْتُ: «مِثْلُهُ مَعَهُ». [راجع: ٢٢]

[6574] حضرت عطاء سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت ابوسعید خدری ؓ بھی اس وقت حضرت ابوہریرہ ؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے ان کی کسی بات پر اعتراض نہیں کیا لیکن حضرت ابوہریرہ ؓ جب حدیث کے اس ٹکڑے پر پہنچے: ”تمھاری تمام خواہشات پوری کی جاتی ہیں اور اتنی ہی اور نعمتیں دی جاتی ہیں“ تو حضرت ابوسعید

خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا، آپ نے فرمایا: ''تمھاری یہ خواہشات پوری کی جاتی اور ان سے دس گنا مزید دی جاتی ہیں۔'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے تو یہی الفاظ یاد کیے ہیں کہ ''یہ سب چیزیں اور اتنی ہی اور تجھے دی جاتی ہیں۔''

فوائد ومسائل: ① پل صراط اور اس سے گزرنے کی کیفیت کے متعلق درج ذیل احادیث میں وضاحت ہے: * جب میدان محشر میں رسول اللہ ﷺ کو سفارش کرنے کی اجازت مل جائے گی تو امانت اور صلہ رحمی کو بھیجا جائے گا، وہ پل صراط کے دونوں جانب کھڑی ہو جائیں گی، پھر تم میں سے پہلا بجلی کی مانند گزر جائے گا۔ راویٔ حدیث کہتے ہیں: میں نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! بجلی کی طرح گزرنے کی کیا صورت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: ''کیا تم نے بجلی نہیں دیکھی وہ آنکھ جھپکنے میں گزرتی ہے اور واپس آ جاتی ہے، پھر ہوا کے چلنے کی طرح، پھر پرندے کی طرح اور تیز چلنے والے آدمیوں کی طرح ان کے اعمال انھیں لے کر چلیں گے۔ اور تمھارے نبی پل صراط پر کھڑے ہوں گے۔ وہ کہہ رہے ہوں گے: اے میرے رب! سلامتی عطا فرما، سلامتی عطا فرما، حتی کہ بندوں کے اعمال عاجز آ جائیں گے یہاں تک کہ ایک آدمی آئے گا جو چلنے کی طاقت نہیں رکھتا ہوگا بلکہ وہ سرین کے بل گھسٹ رہا ہوگا۔'' آپ نے فرمایا: ''پل صراط کے دونوں کناروں پر آنکڑے ہوں گے۔ وہ اس بات پر مامور ہوں گے کہ جس کے متعلق حکم دیا جائے گا وہ اسے اچک لیں گے۔ کچھ لوگ زخمی ہوں گے، نجات پانے والے ہوں گے اور کچھ جہنم میں دھکیل دیے جائیں گے۔ اور اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں ابوہریرہ کی جان ہے! جہنم کی گہرائی ستر سال کی مسافت ہوگی۔''[1] * حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمام لوگ آگ (پل صراط) پر وارد ہوں گے، پھر وہ اپنے اعمال کے مطابق وہاں سے پار ہوں گے۔ ان میں سے پہلے بجلی چمکنے کی مانند گزر جائیں گے، پھر ہوا کی مانند، پھر تیز رفتار گھوڑے کی مانند، پھر سواری پر سوار کی مانند، پھر دوڑنے والے آدمی کی مانند، پھر پیدل چلنے والے کی مانند اس پل کو عبور کریں گے جو جہنم پر نصب ہوگا۔''[2] ② پل صراط کے نیچے جہنم ہوگی۔ اہل جہنم کی پست و بلند آوازیں، دھواں اور جلن نظر آئے گی۔ لوگ پل پر سے پھسلتے اور جہنم میں گرتے نظر آئیں گے۔ یہ بے انتہا مشکل منظر ہوگا، اس لیے اپنے عقیدے اور عمل کی اصلاح کریں۔ واللہ المستعان.

(٥٣) بَابٌ: فِي الْحَوْضِ

باب: 53- حوض کوثر کا بیان

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے۔''

وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدٍ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ:

حضرت عبداللہ بن زید مازنی نے بیان کیا کہ نبی ﷺ

---

1 صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 482 (195). 2 جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3159.

«اِصْبِرُوا حَتّٰى تَلْقَوْنِي عَلَى الْحَوْضِ».

نے (انصار سے) فرمایا: ''تم صبر سے کام لینا حتی کہ حوض کوثر پر مجھ سے ملاقات کرو۔''

وضاحت: حوض کوثر جنت کی ایک نہر ہے۔ قیامت کے دن حوض کوثر رسول اللہ ﷺ کو ملے گا۔ آپ کی امت کے لوگ اس سے پانی پییں گے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف یہ معلوم ہوتا ہے کہ پل صراط سے گزرنے کے بعد لوگ اس سے پانی نوش کریں گے، لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے احادیث کے پیش نظر اس امر کو ترجیح دی ہے کہ حوض کوثر میدان محشر میں ہوگا۔[1] کچھ اہل علم کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دو حوض ہیں: ایک میدان محشر میں جس سے پل صراط پر گزرنے سے پہلے لوگ پانی پییں گے جبکہ قبروں سے پیاسے برآمد ہوں گے اور دوسرا حوض جنت میں ہے۔ واللہ أعلم.

٦٥٧٥ - حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ شَقِيقٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ».

[انظر: ٦٥٧٦، ٧٠٤٩]

[6575] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''میں حوض پر تمھارا پیش رو ہوں گا۔''

٦٥٧٦ - وَحَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْمُغِيرَةِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ، وَلَيُرْفَعَنَّ رِجَالٌ مِّنْكُمْ ثُمَّ لَيُخْتَلَجُنَّ دُونِي فَأَقُولُ: يَا رَبِّ! أَصْحَابِي. فَيُقَالُ: إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ». [راجع: ٦٥٧٥]

[6576] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''میں حوض پر تمھارا پیش رو ہوں گا اور تم میں سے کچھ لوگ میرے سامنے لائے جائیں گے، پھر انھیں میرے سامنے سے ہٹا دیا جائے گا۔ میں عرض کروں گا: اے میرے رب! یہ میرے ساتھی ہیں۔ مجھ سے کہا جائے گا: آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا نئی چیزیں ایجاد کر لی تھیں۔''

تَابَعَهُ عَاصِمٌ عَنْ أَبِي وَائِلٍ. وَقَالَ حُصَيْنٌ عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اس روایت کی متابعت عاصم نے ابو وائل سے کی ہے، ان سے حضرت حذیفہ نے اور ان سے نبی ﷺ نے بیان فرمایا۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے حوض کوثر اور اس کے پانی کا تعارف ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: ''اس کا پانی برف سے زیادہ سفید اور شہد ملے دودھ سے زیادہ میٹھا اور لذیذ ہوگا، اس کے آبخورے ستاروں کی تعداد سے زیادہ ہیں اور میں

1 فتح الباري: 568/11.

دوسرے لوگوں کو اس طرح دور ہٹاؤں گا جس طرح آدمی دوسرے لوگوں کے اونٹوں کو اپنے حوض سے دور کرتا ہے۔" صحابہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! کیا آپ اس روز ہمیں پہچان لیں گے؟ آپ نے فرمایا: "ہاں، تمھارے لیے ایک خاص نشان ہوگا جو کسی اور امت کے لیے نہیں ہوگا۔ تم میرے پاس اس حالت میں آؤ گے کہ وضو کے نشانات کی وجہ سے پیشانی اور ہاتھ پاؤں چمکتے ہوں گے۔"[1] پھر نماز پڑھنے والوں سے کچھ لوگ سنگین قسم کی بدعات کے مرتکب ہوں گے جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "کچھ لوگ میرے پاس آئیں گے، میں انھیں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے، پھر میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی جائے گی۔ میں کہوں گا: "یہ تو مجھ سے ہیں۔" مجھے کہا جائے گا آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا نئے کام ایجاد کر لیے تھے؟ میں کہوں گا: اس شخص کے لیے دوری ہو، اس کے لیے دوری ہو جس نے میرے بعد دین کو بدل کر رکھ دیا۔"[2]

٦٥٧٧ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أَمَامَكُمْ حَوْضٌ كَمَا بَيْنَ جَرْبَاءَ وَأَذْرُحَ».

[6577] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: "تمھارے سامنے ہی میرا حوض ہوگا۔ وہ اتنا بڑا ہے جتنا جرباء اور اذرح کے درمیان فاصلہ ہے۔"

فوائد و مسائل: ① جرباء اور اذرح شام کے علاقے میں دو گاؤں ہیں جن کے درمیان تین دن کی مسافت ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ میرا حوض ایک ماہ کی مسافت ہے، دوسری حدیث میں ہے کہ جتنا فاصلہ ایلہ اور صنعاء میں ہے، تیسری حدیث میں ہے جتنا فاصلہ مدینہ اور صنعاء میں ہے، چوتھی حدیث میں ہے جتنا فاصلہ ایلہ سے عدن تک ہے، پانچویں حدیث میں ہے جتنا فاصلہ ایلہ سے جحفہ تک ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو سمجھانے کے لیے ان مسافتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ لوگ جو جو مقام جانتے تھے آپ ﷺ نے وہ بیان فرمائے۔ ② ممکن ہے کہ کسی حدیث میں حوض کے طول اور کسی میں اس کے عرض کا بیان ہو۔ یہ سب مقام قریب قریب ایک ہی فاصلہ رکھتے ہیں، یعنی آدھے ماہ کی مسافت یا اس سے کچھ کم وبیش، پھر تیز رفتار سواری اور سست رفتار سواری کے اعتبار سے بھی مسافت میں اختلاف ہو سکتا ہے۔[3] کچھ لوگوں نے اس اختلاف کے پیش نظر حوض کوثر ہی کا انکار کر دیا ہے، حالانکہ اس سلسلے میں اتنی تعداد میں صحیح حدیثیں ہیں جو حد تواتر کو پہنچتی ہیں۔ واللّٰہ أعلم.

٦٥٧٨ - حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ: أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ: أَخْبَرَنَا أَبُو بِشْرٍ وَعَطَاءُ بْنُ السَّائِبِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ

[6578] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: کوثر سے مراد خیر کثیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا فرمائی تھی۔

1 صحيح مسلم، الطهارة، حديث: 581 (247). ② صحيح مسلم، الفضائل، حديث: 5969,5968 (2291,2290).

3 فتح الباري: 574/11.

عَنْهُمَا قَالَ: اَلْكَوْثَرُ: اَلْخَيْرُ الْكَثِيرُ الَّذِي أَعْطَاهُ اللهُ إِيَّاهُ.

قَالَ أَبُو بِشْرٍ: قُلْتُ لِسَعِيدٍ: إِنَّ أُنَاسًا يَزْعُمُونَ أَنَّهُ نَهَرٌ فِي الْجَنَّةِ، فَقَالَ سَعِيدٌ: اَلنَّهَرُ الَّذِي فِي الْجَنَّةِ مِنَ الْخَيْرِ الَّذِي أَعْطَاهُ اللهُ إِيَّاهُ. [راجع: ٤٩٦٦]

(راویٔ حدیث) ابوبشر نے کہا: میں نے حضرت سعید بن جبیر سے کہا: کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ کوثر جنت میں ایک نہر ہے تو انھوں نے جواب دیا: جو نہر جنت میں ہے وہ بھی خیر کثیر کا ایک حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا فرمائی ہے۔

فوائد ومسائل: ① ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا۔''[1] اس کوثر کے مختلف مفہوم اور مختلف پہلو ہیں: لفظ کوثر میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔ اہل لغت نے اس کے معنی لکھے ہیں: خیر کثیر۔ ② بہت سی احادیث سے ثابت ہے کہ کوثر بہشت میں ایک نہر کا نام ہے جو آپ ﷺ کو عطا کی گئی، چنانچہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قصۂ معراج میں بیان فرمایا: ''میں ایک نہر پر پہنچا جس کے دونوں کناروں پر خول دار موتیوں کے قبے تھے۔ میں نے جبرئیل سے پوچھا: یہ نہر کیسی ہے؟ تو انھوں نے کہا: یہ کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے۔''[2] علاوہ ازیں کوثر سے مراد حوض کوثر بھی ہے جو آپ کو میدان محشر میں قیامت کے دن عطا کیا جائے گا جس دن سب لوگ پیاس سے بے تاب اور نڈھال ہو رہے ہوں گے اور العطش العطش، یعنی پیاس پیاس پکار رہے ہوں گے۔ ③ اس خیر کثیر کا تعلق تو اخروی زندگی سے ہے۔ دنیا میں بھی آپ ﷺ کو خیر کثیر سے نوازا گیا۔ آپ کو نبوت دی گئی اور قرآن عظیم جیسی بہت بڑی نعمت عطا کی گئی جس نے ایک وحشی قوم کی 23 سال کے مختصر عرصے میں کایا پلٹ کر رکھ دی۔ آپ ﷺ نے اپنے پیچھے صحابۂ کرام ؓ کی ایک جماعت چھوڑی جو تھوڑے سے عرصے ہی میں تمام دنیا پر چھا گئی۔ بہرحال یہ خیر کثیر ہی کا حصہ ہے کہ آپ نے اپنے مشن کو جیتے جی پوری طرح کامیاب ہوتے دیکھ لیا۔

٦٥٧٩ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ: حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «حَوْضِي مَسِيرَةُ شَهْرٍ، مَاؤُهُ أَبْيَضُ مِنَ اللَّبَنِ، وَرِيحُهُ أَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ، وَكِيزَانُهُ كَنُجُومِ السَّمَاءِ، مَنْ شَرِبَ مِنْهَا فَلَا يَظْمَأُ أَبَدًا».

[6579] حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میرا حوض ایک مہینے کی مسافت کے برابر ہوگا۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور اس کی خوشبو کستوری سے زیادہ عمدہ ہوگی۔ اور اس کے آبخورے آسمان کے ستاروں کی طرح ہوں گے۔ جو شخص اس میں سے ایک مرتبہ پی لے گا پھر وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔''

٦٥٨٠ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي

[6580] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ

[1] الکوثر 108:1. [2] صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4964، 4966.

ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ: قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ قَدْرَ حَوْضِي كَمَا بَيْنَ أَيْلَةَ وَصَنْعَاءَ مِنَ الْيَمَنِ، وَإِنَّ فِيهِ مِنَ الْأَبَارِيقِ كَعَدَدِ نُجُومِ السَّمَاءِ».

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بلاشبہ میرے حوض کی لمبائی اتنی ہوگی جتنی ایلہ اور یمن کے شہر صنعاء کے درمیان کی لمبائی ہے۔ وہاں اتنی بڑی تعداد میں آبخورے ہوں گے جتنی آسمان کے ستاروں کی تعداد ہے۔“

٦٥٨١ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. وَحَدَّثَنَا هُدْبَةُ ابْنُ خَالِدٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «بَيْنَمَا أَنَا أَسِيرُ فِي الْجَنَّةِ إِذَا أَنَا بِنَهَرٍ حَافَتَاهُ قِبَابُ الدُّرِّ الْمُجَوَّفِ، قُلْتُ: مَا هٰذَا يَا جِبْرِيلُ؟ قَالَ: هٰذَا الْكَوْثَرُ الَّذِي أَعْطَاكَ رَبُّكَ، فَإِذَا طِيبُهُ، - أَوْ طِينُهُ - مِسْكٌ أَذْفَرُ» شَكَّ هُدْبَةُ. [راجع: ٣٥٧٠]

[6581] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”میں جنت کی سیر کرتے کرتے ایک نہر پر پہنچا جس کے دونوں کناروں پر خول دار موتیوں کے گنبد بنے ہوئے تھے۔ میں نے پوچھا: جبریل! یہ کیا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ یہ کوثر ہے جو آپ کو آپ کے رب نے دیا ہے۔ میں نے دیکھا کہ اس کی خوشبو یا مٹی تیز مشک جیسی تھی۔“ خوشبو یا مٹی کے الفاظ میں راوی ہدبہ کو شک تھا۔

فائدہ: ایک حدیث میں تین دن کی مسافت بیان ہوئی تھی اور اس میں ایک ماہ کی مسافت کا ذکر ہے؟ ان میں تضاد نہیں ہے کیونکہ جس وقت رسول اللہ ﷺ نے تین دن کی مسافت بیان کی اس وقت اتنی ہی مقدار ہوگی، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ پر فضل و احسان فرمایا اور حوض کو وسیع کر دیا تو جس قدر حوض وسیع ہوتا گیا اسی اعتبار سے آپ امت کو مطلع کرتے رہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا حوض کے آبخوروں کو آسمان کے ستاروں سے تشبیہ دینا بھی اس کی چمک دمک بتانا ہے اور ان کی نورانیت کو بیان کرنا ہے۔ حضرت ثوبان ؓ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے حوض کوثر کے مشروب کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ”وہ دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ اس میں جنت میں سے دو پرنالے گرتے ہیں۔ ان میں سے ایک سونے کا ہے اور دوسرا خالص چاندی سے بنا ہوا ہے۔“[1]

٦٥٨٢ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ نَاسٌ مِّنْ أُصَيْحَابِي الْحَوْضَ حَتَّى إِذَا عَرَفْتُهُمُ اخْتُلِجُوا

[6582] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”میرے کچھ ساتھی حوض پر میرے پاس آئیں گے اور میں انھیں پہچان بھی لوں گا لیکن پھر وہ میرے سامنے سے ہٹا دیے جائیں گے۔ میں

1 صحيح مسلم، الفضائل، حديث: 5990 (2301).

دُونِي فَأَقُولُ: أَصْحَابِي، فَيَقُولُ: لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ».

کہوں گا: یہ تو میرے ساتھی ہیں، لیکن مجھ سے کہا جائے گا: آپ کو معلوم نہیں کہ انھوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا نئی چیزیں ایجاد کر لی تھیں۔"

٦٥٨٣ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْن مُطَرِّفٍ: حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنِّي فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ، مَنْ مَرَّ عَلَيَّ شَرِبَ، وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ أَبَدًا، لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ أَقْوَامٌ أَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُونِي، ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ». [انظر: ٧٠٥٠]

[6583] حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "میں حوض پر تمھارا پیش رو ہوں گا۔ جو شخص بھی میرے پاس سے گزرے گا وہ اس کا پانی نوش کرے گا۔ جس نے اس کا پانی ایک مرتبہ نوش کر لیا وہ پھر کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔ وہاں کچھ لوگ ایسے بھی آئیں گے جنھیں میں پہچان لوں گا اور وہ مجھے پہچان لیں گے لیکن پھر انھیں میرے سامنے سے ہٹا دیا جائے گا۔"

٦٥٨٤ - قَالَ أَبُو حَازِمٍ: فَسَمِعَنِي النُّعْمَانُ بْنُ أَبِي عَيَّاشٍ فَقَالَ: هٰكَذَا سَمِعْتَ مِنْ سَهْلٍ؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَقَالَ: أَشْهَدُ عَلَى أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ لَسَمِعْتُهُ وَهُوَ يَزِيدُ فِيهَا: «فَأَقُولُ: إِنَّهُمْ مِنِّي، فَيُقَالُ: إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ، فَأَقُولُ: سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِي».

[6584] حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث حضرت ابوسعید خدری ؓ سے سنی تھی وہ اس میں کچھ اضافہ کرتے تھے۔ وہ اس طرح کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "میں کہوں گا: یہ تو مجھ سے ہیں۔ اس کے جواب میں کہا جائے گا: آپ کو معلوم نہیں کہ انھوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا نئی چیزیں ایجاد کر لی تھیں۔ میں کہوں گا: دوری ہو اس شخص کے لیے جس نے میرے بعد دین میں تبدیلی کر لی تھی۔"

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: سُحْقًا: بُعْدًا، يُقَالُ: ﴿سَحِيقٍ﴾ [الحج: ٣١]: بَعِيدٌ، سَحَقَهُ وَأَسْحَقَهُ: أَبْعَدَهُ. [انظر: ٧٠٥١]

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: سُحْقًا کے معنی ہیں: دور ہو جانا۔ ﴿سَحِيق﴾ کے معنی بھی دور کے ہیں۔ عربی زبان میں سَحَقَهُ وَ أَسْحَقَهُ کے معنی ہیں: أَبْعَدَهُ یعنی اس نے اس کو دور کر دیا ہے۔

٦٥٨٥ - وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ شَبِيبِ بْنِ سَعِيدٍ الْحَبَطِيُّ: حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي

[6585] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن میرے ساتھیوں میں سے ایک جماعت مجھ پر پیش کی جائے

هُرَيْرَةَ أَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «يَرِدُ عَلَيَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَهْطٌ مِنْ أَصْحَابِي فَيُجْلَوْنَ عَنِ الْحَوْضِ فَأَقُولُ: يَا رَبِّ! أَصْحَابِي، فَيَقُولُ: إِنَّكَ لَا عِلْمَ لَكَ بِمَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ، إِنَّهُمُ ارْتَدُّوا عَلَى أَدْبَارِهِمُ الْقَهْقَرَى». [انظر: ٦٥٨٦]

گی۔ پھر انھیں حوض سے دور کر دیا جائے گا۔ میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ تو میرے ساتھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تمھیں معلوم نہیں کہ انھوں نے تمھارے بعد کیا کیا نئی چیزیں گھڑ لی تھیں۔ بلاشبہ یہ لوگ ایڑیوں کے بل الٹے لوٹ گئے تھے۔"

٦٥٨٦ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ عَنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «يَرِدُ عَلَى الْحَوْضِ رِجَالٌ مِّنْ أَصْحَابِي فَيُحَلَّؤُونَ عَنْهُ فَأَقُولُ: يَا رَبِّ! أَصْحَابِي، فَيَقُولُ: إِنَّكَ لَا عِلْمَ لَكَ بِمَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ، إِنَّهُمُ ارْتَدُّوا عَلَى أَدْبَارِهِمُ الْقَهْقَرَى».

[6586] حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ کے صحابۂ کرام سے بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "حوض پر میرے ساتھیوں کی ایک جماعت آئے گی۔ پھر انھیں وہاں سے دور کر دیا جائے گا۔ میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ تو میرے ساتھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تمھیں معلوم نہیں کہ انھوں نے تمھارے بعد کیا کیا نئی چیزیں ایجاد کر لی تھیں۔ یہ الٹے پاؤں اسلام سے واپس ہو گئے تھے۔"

وَقَالَ شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: كَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «فَيُجْلَوْنَ». وَقَالَ عُقَيْلٌ: «فَيُحَلَّؤُونَ».

شعیب نے امام زہری سے بیان کیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فَيُجْلَوْنَ کے الفاظ بیان کرتے تھے اور عقیل فَيُحَلَّؤُونَ بیان کرتے تھے۔

قَالَ الزُّبَيْدِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٦٥٨٥]

زبیدی نے امام زہری سے بیان کیا، انھوں نے محمد بن علی سے، وہ عبیداللہ بن ابی رافع سے، وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① روایت میں اصحابی سے مراد وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے جن سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جہاد کیا تھا۔ یا ان سے مراد بعد میں آنے والے وہ نام نہاد مسلمان ہوں گے جنھوں نے دین میں نئی نئی بدعات نکال کر اس کا حلیہ بگاڑ دیا تھا کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بدعت سے کوسوں دور تھے۔ ② مجالس میلاد، مروجہ تیجہ، فاتحہ، ساتا، گیارہویں، چالیسواں، قل خوانی، قبر پرستی، عرس کرنے والے، تعزیہ پرست، اولیاء کی قبروں پر مزارات تعمیر کر کے انھیں مساجد کا درجہ دینے والے، مکار قسم کے پیر و مرشد اور خود ساختہ امام یہ سب حدیث کا مصداق ہیں۔ ظاہر میں یہ مسلمان نظر آتے

ہیں لیکن اندر سے کفر و شرک اور بدعات و رسومات میں سرتا پا غرق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے اہل بدعت کو رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک سے جام کوثر نصیب نہیں کرے گا۔ ③ مروجہ بدعات سے ہر حال میں بچنا مخلص مسلمان کے لیے ضروری ہے تاکہ حوض کوثر کا پانی نصیب ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''میرے حوض کوثر پر زیادہ تعداد (صحابہ میں سے) فقراء مہاجرین کی ہوگی، پراگندہ بالوں والے اور ان کے کپڑے بھی میلے کچیلے ہوں گے، یہ وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے ناز و نعمت والی عورتوں سے نکاح کیا ہو گا نہ ان کے لیے دروازے کھولے جاتے تھے۔''[1]

٦٥٨٧ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنِي هِلَالٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ فَإِذَا زُمْرَةٌ حَتَّى إِذَا عَرَفْتُهُمْ خَرَجَ رَجُلٌ مِّنْ بَيْنِي وَبَيْنِهِمْ، فَقَالَ: هَلُمَّ، فَقُلْتُ: أَيْنَ؟ قَالَ: إِلَى النَّارِ وَاللهِ، قُلْتُ: وَمَا شَأْنُهُمْ؟ قَالَ: إِنَّهُمُ ارْتَدُّوا بَعْدَكَ عَلَى أَدْبَارِهِمُ الْقَهْقَرَى، ثُمَّ إِذَا زُمْرَةٌ حَتَّى إِذَا عَرَفْتُهُمْ خَرَجَ رَجُلٌ مِّنْ بَيْنِي وَبَيْنِهِمْ، فَقَالَ: هَلُمَّ، قُلْتُ: أَيْنَ؟ قَالَ: إِلَى النَّارِ وَاللهِ، قُلْتُ: مَا شَأْنُهُمْ؟ قَالَ: إِنَّهُمُ ارْتَدُّوا بَعْدَكَ عَلَى أَدْبَارِهِمُ الْقَهْقَرَى، فَلَا أُرَاهُ يَخْلُصُ مِنْهُمْ إِلَّا مِثْلُ هَمَلِ النَّعَمِ».

[6587] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''میں سویا ہوا تھا کہ ایک جماعت میرے سامنے آئی۔ جب میں نے انھیں پہچان لیا تو ایک آدمی میرے اور ان کے درمیان سے نکلا اور ان سے کہا: اِدھر آؤ۔ میں نے کہا: انھیں کدھر جانا ہے؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! جہنم کی طرف لے جانا ہے۔ میں نے کہا: ان کا کیا حال ہے؟ یعنی کیا وجہ؟ اس نے کہا: یہ لوگ آپ کے بعد الٹے پاؤں واپس لوٹ گئے تھے۔ پھر ایک اور گروہ میرے سامنے آیا۔ جب میں نے انھیں بھی پہچان لیا تو ایک شخص میرے اور ان کے درمیان سے نکلا اور ان سے کہا: ادھر آؤ۔ میں نے پوچھا: انھیں کدھر جانا ہے؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! جہنم کی طرف۔ میں نے کہا: ان کا کیا حال ہے؟ یعنی کیا وجہ؟ اس نے کہا: یہ لوگ آپ کے بعد اپنی ایڑیوں کے بل پھر گئے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ ان گروہوں میں سے ایک آدمی بھی نہیں بچے گا مگر اِکا دُکا لوگ جو چرواہے کے بغیر بے کار اونٹوں کی طرح ہوں گے۔''

فائدہ: اس حدیث میں جن لوگوں کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ وہ حوض کوثر پر رسول اللہ ﷺ کے پاس جانے سے روک دیے جائیں گے، ان کی تعیین مشکل ہے کہ یہ کون لوگ ہوں گے اور کس طبقے سے ان کا تعلق ہو گا۔ ان کا معلوم کرنا ہمارے لیے ضروری نہیں۔ ہمارے لیے تو خاص سبق ہے کہ اگر ہم حوض کوثر پر رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کرنے کے خواہش مند ہیں تو مضبوطی کے ساتھ اس دین پر قائم رہیں جو رسول اللہ ﷺ ہمارے لیے لائے تھے اور اس میں اپنی طرف سے کوئی ترمیم یا کمی بیشی نہ کریں

[1] مسند أحمد: 132/2، 275/5، وسلسلة الأحاديث الصحيحة، للألباني، حديث: 1082.

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس امت کے نیک افراد سے بہت امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں جیسا کہ آپ نے فرمایا: ”آخرت میں ہر نبی کا ایک حوض ہوگا اور وہ اس بات پر باہم فخر کریں گے کہ ان میں سے کس کے پاس زیادہ پینے والے آتے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ ان سب میں سے میرے پاس آنے والوں کی تعداد زیادہ ہوگی۔“[1]

٦٥٨٨ - حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ خُبَيْبٍ، عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ، وَمِنْبَرِي عَلَى حَوْضِي». [راجع:١١٩٦]

[6588] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کا حصہ جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہوگا۔“

٦٥٨٩ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ قَالَ: سَمِعْتُ جُنْدَبًا قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ».

[6589] حضرت جندب ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”میں میر کارواں کے طور پر تم سے پہلے حوض پر موجود ہوں گا۔“

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر اور منبر کے درمیان والے حصے کو جنت کا باغیچہ قرار دیا ہے، اس کے تین معنی ہیں: * یہ جگہ بعینہٖ جنت میں منتقل کر دی جائے گی، لہٰذا اس جگہ سے حقیقی معنی مراد ہے۔ * اس مقام میں عبادت کرنے والے کا انجام جنت میں ہے، اس لیے مجازاً اس جگہ کو جنت کہہ دیا گیا ہے۔ لیکن یہ معنی محل نظر ہیں کیونکہ اس معنی میں اس مبارک جگہ کی کوئی خصوصیت نہیں جبکہ آپ کی مراد اس کی خصوصیت بیان کرنا ہے۔ * اس مقام کو جنت کے باغ سے تشبیہ دی گئی ہے، یعنی یہ مقام جنت کے باغ کی طرح ہے۔ ② علامہ خطابی ؒ نے لکھا ہے کہ اس کا مقصد مدینہ طیبہ میں رہائش اختیار کرنے کی ترغیب دینا ہے، یعنی جو شخص یہاں عبادت کرے گا وہ اسے جنت میں پہنچا دے گی اور جو کوئی منبر کے پاس عبادت کرے گا اسے قیامت کے دن حوض کوثر سے پانی پلایا جائے گا۔[2] واللّٰه أعلم بالصواب.

٦٥٩٠ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَوْمًا فَصَلَّى عَلَى أَهْلِ أُحُدٍ صَلَاتَهُ عَلَى الْمَيِّتِ، ثُمَّ انْصَرَفَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ: «إِنِّي فَرَطٌ لَكُمْ، وَأَنَا شَهِيدٌ عَلَيْكُمْ، وَإِنِّي وَاللهِ لَأَنْظُرُ إِلَى

[6590] حضرت عقبہ بن عامر ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ باہر تشریف لائے اور شہدائے احد کے لیے اس طرح دعا کی جس طرح میت کے لیے جنازے میں دعا کی جاتی ہے۔ پھر آپ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا: ”میں میر کارواں کے طور پر تم سے آگے جاؤں گا اور تم پر گواہ ہوں گا۔ اللہ کی قسم! میں اپنے حوض کو اس وقت بھی دیکھ رہا

① جامع الترمذي، صفة القيامة، حديث: 2443. ② فتح الباري: 11/598.

حَوْضِي الْآنَ، وَإِنِّي أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ - أَوْ مَفَاتِيحَ الْأَرْضِ - وَإِنِّي وَاللهِ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي وَلٰكِنْ أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنَافَسُوا فِيهَا». [راجع: ١٣٤٤]

ہوں۔ اور مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں یا زمین کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ اللہ کی قسم! میں تمھارے متعلق اس امر سے نہیں ڈرتا کہ تم میرے بعد شرک کرو گے، البتہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ تم دنیا کے لالچ میں مبتلا ہو کر ایک دوسرے سے حسد کرنے لگو گے۔''

٦٥٩١ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا حَرَمِيُّ بْنُ عُمَارَةَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَعْبَدِ بْنِ خَالِدٍ: أَنَّهُ سَمِعَ حَارِثَةَ بْنَ وَهْبٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَذَكَرَ الْحَوْضَ فَقَالَ: «كَمَا بَيْنَ الْمَدِينَةِ وَصَنْعَاءَ».

[6591] حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے سنا کہ آپ نے حوض کا ذکر کیا اور فرمایا: ''(وہ اتنا بڑا ہے) جتنی مدینہ اور صنعاء کے درمیان دوری ہے۔''

٦٥٩٢ - وَزَادَ ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ مَعْبَدِ بْنِ خَالِدٍ، عَنْ حَارِثَةَ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «حَوْضُهُ مَا بَيْنَ صَنْعَاءَ وَالْمَدِينَةِ»، فَقَالَ لَهُ الْمُسْتَوْرِدُ: أَلَمْ تَسْمَعْهُ قَالَ: الْأَوَانِي؟ قَالَ: لَا، قَالَ الْمُسْتَوْرِدُ: «تُرٰى فِيهِ الْآنِيَةُ مِثْلَ الْكَوَاكِبِ».

[6592] حضرت حارثہ کی نبی ﷺ سے سنی ہوئی ایک روایت میں یہ اضافہ ہے: ''آپ کا حوض اتنا وسیع ہوگا جتنی صنعاء اور مدینہ کے درمیان مسافت ہے۔'' اس پر (راوئ حدیث) مستورد نے کہا: آپ نے برتنوں والی روایت نہیں سنی؟ انھوں نے کہا: نہیں۔ مستورد نے کہا: ''وہاں برتن اس طرح نظر آئیں گے جیسے آسمان پر ستارے نظر آتے ہیں۔''

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے حوض کی مسافت عدن سے عمان بلقاء تک ہے۔''[1] واضح رہے کہ یہ مسافت کوئی ناپی ہوئی مسافت نہیں کہ ٹھیک اتنے ہی میل، اتنے ہی فرلانگ اور اتنے ہی گز ہوں گے بلکہ حوض کی وسعت سمجھانے کے لیے عرف کے مطابق یہ ایک اندازے کے مطابق بات کہی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حوض کی وسعت اور لمبائی سیکڑوں میل تک پھیلی ہوئی ہوگی۔ ② پہلی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس امت کو دنیا کی بے رغبتی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم صدق دل سے حوض کوثر پر رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں اور آپ کے مبارک ہاتھوں سے حوض کوثر کے جام پینے کے خواہش مند ہیں تو دنیا پرستی سے کنارہ کشی کر کے آخرت بنانے کی فکر میں رہنا چاہیے جیسا کہ ہم پہلے بھی اس کی وضاحت کر آئے ہیں۔

٦٥٩٣ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ عَنْ نَافِعِ

[6593] حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے،

① مسند أحمد: 275/5.

ابْنِ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَتْ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنِّي عَلَى الْحَوْضِ حَتَّى أَنْظُرَ مَنْ يَرِدُ عَلَيَّ مِنْكُمْ، وَسَيُؤْخَذُ نَاسٌ دُونِي فَأَقُولُ: يَا رَبِّ! مِنِّي وَمِنْ أُمَّتِي؟ فَيُقَالُ: هَلْ شَعَرْتَ مَا عَمِلُوا بَعْدَكَ؟ وَاللهِ مَا بَرِحُوا يَرْجِعُونَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ». فَكَانَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ يَقُولُ: اللَّهُمَّ إِنَّا نَعُوذُ بِكَ أَنْ نَرْجِعَ عَلَى أَعْقَابِنَا، أَوْ نُفْتَنَ عَنْ دِينِنَا.

انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں حوض پر موجود ہوں گا اور دیکھوں گا کہ تم میں سے کون میرے پاس آتا ہے۔ پھر کچھ لوگوں کو مجھ سے الگ کر دیا جائے گا۔ میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ تو میرے آدمی اور میری امت کے لوگ ہیں۔ مجھ سے کہا جائے گا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ انھوں نے تمھارے بعد کیا کیا کام کیے تھے؟ اللہ کی قسم! یہ مسلسل الٹے پاؤں لوٹتے رہے۔'' ابن ابی ملیکہ کہا کرتے تھے: اے اللہ! ہم اس سے تیری پناہ مانگتے ہیں کہ الٹے پاؤں لوٹ جائیں یا اپنے دین کے متعلق کسی فتنے میں مبتلا ہو جائیں۔

﴿عَلَىٰٓ أَعۡقَـٰبِكُمۡ تَنكِصُونَ﴾ [المؤمنون: ٦٦]: تَرْجِعُونَ عَلَى الْعَقِبِ. [انظر: ٧٠٤٨]

﴿عَلٰى اَعْقَابِكُمْ تَنكِصُوْنَ﴾ کے معنی یہی ہیں: تم اپنے دین سے ایڑیوں کے بل پھر گئے، یعنی اسلام سے مرتد ہو گئے۔

فوائد ومسائل: ① جو انسان دین اسلام سے مرتد ہو جائے یا دین اسلام میں بدعات کو رواج دے، اسے قیامت کے دن حوض کوثر سے دور رکھا جائے گا۔ اسی طرح وہ شخص جو حق کو دبائے اور لوگوں پر ظلم وستم کرے، اسلام اور اہل اسلام کو ذلیل کرے اسے بھی اس سزا سے دوچار ہونا پڑے گا۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''میں تجھے ان امراء سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں جو میرے بعد ہوں گے۔ جو شخص ان کے پاس جائے گا، ان کے جھوٹ کی تصدیق کرے گا اور ان کے ظلم وستم پر ان کا تعاون کرے گا وہ مجھ سے نہیں اور میں اس سے نہیں اور وہ حوض کوثر پر میرے نزدیک نہیں آسکے گا۔ اور جو انسان ان کے دروازے پر نہیں جائے گا، ان کے جھوٹ کی تصدیق نہیں کرے گا اور نہ ان کے ظلم وستم پر ان کی مدد کرے گا وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ وہ حوض پر میرے پاس آئے گا اور اس کا پانی نوش کرے گا۔''[1] ② ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہمارا خاتمہ ایمان پر کر اور ہمیں ان لوگوں کی رفاقت نصیب کر جو تیری بارگاہ میں کامران وکامیاب ہیں اور قیامت کے دن ہمیں رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں حوض کوثر کا پانی پینے کی توفیق دے۔ آمین یا رب العالمین.

[1] جامع الترمذي، الفتن، حديث: 2259.

تقدیر کا معنی و مفہوم، مراتب اور اس پر ایمان لانے کی حقیقت اور تقاضے

قدر کے لغوی معنی تقدیر، یعنی اندازہ کرنے کے ہیں۔ قرآن مجید میں یہ لفظ کئی مرتبہ استعمال ہوا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ہر چیز کا خزانہ ہمارے پاس ہے اور ہم اسے ایک خاص مقدار میں نازل کرتے ہیں۔''[1] نیز فرمان باری تعالیٰ ہے: ''اس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اس کا اندازہ مقرر کیا، پورا اندازہ۔''[2] قدر کے اصطلاحی معنی قدرتِ الٰہی اور باقاعدہ طریقے سے ایک محکم فیصلے کے ساتھ چیزوں کا اندازہ مقرر کرنا ہیں۔ قدر ہی کے معنی میں لفظ قضا بھی مستعمل ہے۔ یہ دونوں الفاظ ہم معنی ہیں۔ کچھ اہل علم نے ان میں فرق کیا ہے کہ قضا ازل میں اجمالی کلی حکم کا نام ہے اور قدر اس اجمالی کلی کی جزئیات اور تفصیلی امور ہیں جو مستقبل میں واقع ہوتے ہیں۔ مجموعی طور پر دونوں الفاظ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پختہ اور محکم انداز میں، منصوبہ بندی کے تحت وجود بخشا اور ایسے قوانین جاری کیے جو ناقابل تغییر ہیں۔

ارکان اسلام پانچ ہیں اور اصول ایمان چھ ہیں۔ اصول ایمان میں ایک اصل ایمان بالقدر، یعنی تقدیر پر ایمان لانا ہے۔ تقدیر پر ایمان لانے کی حقیقت یہ ہے کہ اس بات کو تسلیم کیا جائے اور یقین محکم کے ساتھ مانا جائے کہ اس عالم رنگ و بو میں جو کچھ ہو رہا ہے، خواہ وہ اچھا ہو یا برا وہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مشیت سے ہے جسے وہ پہلے سے طے کر چکا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تو کچھ چاہے لیکن دنیا کا یہ کارخانہ اس کی مرضی کے خلاف چلے یا کائنات کا نظام کسی اتفاقی حادثہ کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوا ہو۔ اسے تسلیم کرنے سے نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی انتہائی عاجزی اور بے بسی لازم آتی ہے۔ واضح رہے کہ تقدیر کا مسئلہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے تعلق رکھتا ہے۔ اس پر ایمان لانے کا یہ بھی تقاضا ہے کہ اگر اس کے متعلق کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو اس کے متعلق بحث و کٹ حجتی نہ کی جائے بلکہ عقل اور اپنے ذہن کی نارسائی کا اعتراف کرتے ہوئے اس پر یقین کر لیا جائے بلکہ اپنے دل اور دماغ کو اس طرح مطمئن کر لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ﷺ نے اسی طرح بیان کیا ہے، لہٰذا ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اس کے متعلق بحث و جدال کا دروازہ نہ کھولا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس انداز کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے، چنانچہ حدیث میں ہے، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگ مسجد نبوی میں بیٹھے قضا و قدر کے متعلق بحث کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ نے ہمیں اس حالت میں دیکھ کر انتہائی خفگی اور ناراضی کا اظہار فرمایا حتی کہ آپ کا چہرۂ انور غصے سے

---

[1] الحجر 21:15. [2] الفرقان 2:25.

سرخ ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کے رخساروں میں انار کے سرخ دانے نچوڑ دیے گئے ہیں، پھر آپ نے فرمایا: ''کیا تمھیں یہی حکم دیا گیا ہے؟ کیا میں تمھارے لیے یہی پیغام لے کر آیا ہوں؟ خبردار! تم سے پہلی قومیں اس بنا پر تباہ ہوئیں کہ انھوں نے تقدیر کے متعلق بحث و حجت کا طریقہ اپنا لیا تھا۔ میں تمھیں قسم دیتا ہوں، میں تم پر لازم کرتا ہوں کہ اس مسئلے کے متعلق ہرگز بحث و جدال نہ کیا کرو۔''[1]

اس حدیث میں امتوں کی تباہی سے مراد ان کی گمراہی ہے کیونکہ ہلاکت کا لفظ گمراہی کے لیے بکثرت استعمال ہوتا ہے، اس بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ پہلی امتوں میں اعتقادی گمراہیاں اس وقت آئیں جب انھوں نے تقدیر کو بحث و جدال کا موضوع بنایا۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس امت میں بھی اعتقادی گمراہیوں کا سلسلہ ''مسئلۂ تقدیر'' سے شروع ہوا۔ ہاں، اگر کوئی تقدیر پر ایمان و یقین رکھتے ہوئے صرف اطمینان قلب کے لیے تقدیر کے کسی مسئلے کے متعلق کسی اہل علم سے سوال کرتا ہے تو اس کی ممانعت نہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بعض اوقات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال کرنے پر تقدیر کے بعض پہلوؤں پر خود روشنی ڈالی ہے۔ ایک مرتبہ حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! ہمارے لیے ہمارا دین بیان فرمائیں، گویا ہم اب پیدا ہوئے ہیں، آپ وضاحت فرمائیں کہ ہم لوگ جو عمل کرتے ہیں وہ اس لیے ہے کہ قلم اسے لکھ کر خشک ہو چکا ہے اور اس کے متعلق تقدیر جاری کی گئی ہے یا اس مقصد کے لیے ہے جو آگے ہونے والا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ اعمال اسی مقصد کے لیے ہیں جسے لکھ کر قلم خشک ہو گیا ہے اور تقدیر جاری ہو چکی ہے۔'' حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی وضاحت سن کر عرض کی: ایسے حالات میں عمل کا کیا فائدہ؟ آپ نے فرمایا: ''تم عمل کرتے رہو! ہر انسان کو اسی کام کی توفیق دی جاتی ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔''[2]

تقدیر کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابو مظفر بن سمعانی کے حوالے سے بہت عمدہ بات لکھی ہے، وہ فرماتے ہیں: تقدیر کا باب صرف کتاب و سنت کی روشنی میں سمجھنے پر موقوف ہے۔ اس میں عقل و قیاس کو مطلق طور پر کوئی دخل نہیں ہے۔ جو شخص کتاب و سنت سے ہٹ کر اسے سمجھنے کی کوشش میں لگا وہ گمراہ ہو گیا اور حیرت و تعجب کے سمندر میں ڈوب گیا۔ اس نے چشمۂ شفا کو نہیں پایا اور اس چیز تک نہیں پہنچ سکے گا جس سے اس کا دل مطمئن ہو کیونکہ مسئلۂ تقدیر اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ علیم و خبیر کے ساتھ اسے خاص کیا ہے۔ اس نے مخلوق کی عقل، نیز ان کے علوم اور تقدیر کے درمیان پردہ حائل کر دیا ہے۔ یہ ایک ایسا راز اور حکمت ہے کہ اس کا علم کسی نبیٔ مرسل اور مقرب فرشتے کو بھی نہیں دیا گیا۔[3]

---

① جامع الترمذي، القدر، حديث: 2133. ② صحيح مسلم، القدر، حديث: 6735 (2648). ③ فتح الباري: 582/11.

تقدیر کے معاملے میں بندہ نہ بالکل مجبور ہے اور نہ بالکل مختار بلکہ اسے ایک ظاہری اختیار دیا گیا ہے جسے کسب کہتے ہیں۔ اسی اختیار کے استعمال کرنے سے اسے قیامت کے دن جزا یا سزا ملے گی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور جماعت سلف کا یہی موقف ہے۔ اس کے بعد امت میں جبریہ اور قدریہ پیدا ہوئے۔ جبریہ کہتے ہیں کہ بندہ جمادات کی طرح بالکل مجبور اور بے بس ہے۔ اسے اپنے کسی فعل کا اختیار نہیں ہے۔ اس کے برعکس قدریہ کا کہنا ہے کہ بندے کے افعال میں اللہ تعالیٰ کو کچھ دخل نہیں بلکہ وہ اپنے افعال کا خود خالق ہے اور جو کرتا ہے وہ مختارِ کل ہونے کی حیثیت سے کرتا ہے۔ ایک گروہ نے افراط کیا جبکہ دوسرا تفریط میں مبتلا ہوا اور اہل سنت نے ان کے درمیان درمیان موقف اختیار کیا ہے اور یہ موقف عقل و نقل پر قائم ہے۔ ان کے نزدیک کائنات میں جو حوادث ہوتے ہیں اس کی دو قسمیں ہیں: * ایک وہ حوادث ہیں جن میں بندوں کو کوئی اختیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے انھیں ظاہر کرتا ہے، مثلاً: بارش برسانا، کھیت اگانا، کسی کو پیدا کرنا اور اسے موت دینا، صحت و بیماری کا آنا اس قسم کے افعال میں کسی مخلوق کو کوئی دخل نہیں۔ * دوسرے وہ افعال ہیں جو ایسی مخلوق سے سرزد ہوتے ہیں جو ارادہ اور اختیار رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس قسم کے افعال کی نسبت بندوں کی طرف کی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ''تم میں سے کچھ دنیا چاہتے تھے جبکہ کچھ آخرت کے چاہنے والے تھے۔''[1] اس آیت میں ارادے کی نسبت بندوں کی طرف کی گئی ہے۔

اہل علم کے نزدیک تقدیر کے چار مراتب ہیں: * اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے جو کائنات میں ہونے والا ہے یا مخلوق کرنے والی ہے۔ * اللہ تعالیٰ نے اپنے سابق علم کے مطابق تمام اشیاء کی تقدیر لوح محفوظ میں لکھ دی ہے۔ * کائنات میں اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ * اس عالم رنگ و بو میں تمام مخلوقات اور ان کے تمام اعمال کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اہل حق کو چاہیے کہ وہ تقدیر کے مندرجہ بالا چاروں مراتب پر ایمان رکھیں اور انھیں تسلیم کریں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے تقدیر کے متعلق امت کی رہنمائی کرتے ہوئے کتاب القدر کا عنوان قائم کیا ہے۔ اس میں انھوں نے انتیس (29) مرفوع احادیث بیان کی ہیں جن میں تین (3) معلق اور چھبیس (26) متصل سند سے ذکر کی ہیں۔ ان میں بائیس (22) مکرر اور سات (7) خالص ہیں۔ بیان کردہ احادیث کو، سوائے دو (2) کے امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔ مرفوع احادیث کے علاوہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام سے پانچ (5) آثار بھی مروی ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث و آثار پر چھوٹے چھوٹے سولہ (16) عنوان قائم کیے ہیں جن کے ذریعے سے تقدیر سے

---

[1] آل عمران 3:152.

متعلقہ مشکل گتھیوں کو سلجھایا گیا ہے۔ ہم ان احادیث کے فوائد میں اس کی وضاحت کریں گے۔ باذن اللّٰہ تعالیٰ۔

ہمارے ہاں عام طور پر گناہ کرنے کے لیے تقدیر کو بہانہ بنایا جاتا ہے جبکہ ایسا کرنا تقدیر پر ایمان لانے کے بالکل منافی ہے۔ انسان دنیا بنانے کے لیے دن رات دوڑ دھوپ کرتا ہے لیکن آخرت سنوارنے کے لیے بہانہ سازی سے کام لیتا ہے جبکہ نیک اعمال بھی تقدیر کا حصہ ہیں۔ ان کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا میں پیدا کیا ہے، لہٰذا ہمیں تقدیر پر بھروسا کر کے بدعملی کا راستہ اختیار نہیں کرنا چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق نیک اعمال کی طلب اور جستجو میں لگے رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے۔ آمین۔

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

82 - كِتَابُ الْقَدَرِ

تقدیر سے متعلق احکام و مسائل

(١) [بَابٌ]:

٦٥٩٤ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: أَنْبَأَنِي سُلَيْمَانُ الْأَعْمَشُ قَالَ: سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ وَهْبٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ قَالَ: «إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، ثُمَّ عَلَقَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يَبْعَثُ اللهُ مَلَكًا فَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعَةٍ: بِرِزْقِهِ، وَأَجَلِهِ، وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ، ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ الرُّوحُ فَوَاللهِ إِنَّ أَحَدَكُمْ أَوِ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتّٰى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا غَيْرُ ذِرَاعٍ أَوْ بَاعٍ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا غَيْرُ ذِرَاعٍ أَوْ ذِرَاعَيْنِ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا».

باب:1- بلاعنوان

[6594] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم سے رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا جو صادق و مصدوق ہیں: ''تم میں سے ہر ایک (کا مادۂ تخلیق) اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک جمع رہتا ہے۔ پھر وہ اتنی ہی مدت میں خون بستہ (جمے ہوئے خون) کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ پھر اتنے ہی عرصے میں وہ گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے اور اسے چار باتوں کا حکم ہوتا ہے: اس کی روزی، اس کی عمر، اس کا نیک یا بد ہونا یہ سب لکھ لیتا ہے۔ پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ اللہ کی قسم! تم میں سے ایک شخص اہل جہنم کے سے عمل کرنے لگتا ہے حتی کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس کی تقدیر اس پر غالب آ جاتی ہے اور وہ اہل جنت کے کام کرنے لگتا ہے، پھر وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک شخص اہل جنت کے کام کرتا رہتا ہے حتی کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک یا دو ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس کی تقدیر اس پر غالب آ جاتی ہے اور وہ اہل جہنم کے کام کرنے لگتا ہے اور دوزخ میں چلا جاتا ہے۔''

قَالَ آدَمُ: «إِلَّا ذِرَاعٌ». [راجع: ٣٢٠٨]

(امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ) آدم بن ابی ایاس نے اپنی روایت میں یوں کہا: ''جب ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔''

٦٥٩٥ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ [بْنِ أَنَسٍ]، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «وَكَّلَ اللهُ بِالرَّحِمِ مَلَكًا فَيَقُولُ: أَيْ رَبِّ! نُطْفَةٌ، أَيْ رَبِّ! عَلَقَةٌ، أَيْ رَبِّ! مُضْغَةٌ، فَإِذَا أَرَادَ اللهُ أَنْ يَقْضِيَ خَلْقَهَا قَالَ: أَيْ رَبِّ! ذَكَرٌ أَمْ أُنْثَى؟ أَشَقِيٌّ أَمْ سَعِيدٌ؟ فَمَا الرِّزْقُ؟ فَمَا الْأَجَلُ؟ فَيُكْتَبُ كَذٰلِكَ فِي بَطْنِ أُمِّهِ». [راجع: ٣١٨]

[6595] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے رحم مادر پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا ہے جو کہتا رہتا ہے کہ اے رب! یہ نطفہ قرار پایا ہے۔ اے رب! یہ خون بستہ بن گیا ہے، اے رب! یہ گوشت کے لوتھڑے کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اس کی پیدائش کا فیصلہ کرتا ہے تو فرشتہ پوچھتا ہے: اے رب! یہ لڑکا ہے یا لڑکی؟ نیک ہے یا بد؟ اس کا رزق کیا ہے؟ اس کی مدت حیات کیا ہے؟ اسی طرح یہ سب باتیں شکم مادر ہی میں لکھ دی جاتی ہیں۔''

فوائد ومسائل: ① ان احادیث میں نبی ﷺ نے دو مضمون بیان فرمائے ہیں: شروع میں انسانی تخلیق کے ان چند مراحل کا ذکر ہے جن سے انسان نطفۂ امشاج کے بعد نفخ روح تک رحم مادر میں گزرتا ہے۔ ان مراحل کا ذکر اگلے مضمون کے لیے بطور تمہید ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس نوشتہ (لکھے ہوئے) کا ذکر کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا فرشتہ نفخ روح کے وقت پیدا ہونے والے انسان کے متعلق لکھتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی نوشتۂ تقدیر کی وضاحت کے پیش نظر ان احادیث کو یہاں بیان کیا ہے۔ ② کچھ اہل علم نے تقدیر کی درج ذیل چار قسمیں بیان کی ہیں: * تقدیر ازلی: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا ازلی اور ابدی علم ہے۔ کہیں بھی اس سے ذرہ بھر مختلف نہیں ہو سکتا، مگر یہ ازلی علم بندوں کو ان کے اعمال و کردار میں مجبور نہیں کرتا۔ اس ازلی تقدیر کی دو قسمیں ہیں: (ا) علم: اللہ تعالیٰ کو اس سب کچھ کا علم ہے جو کائنات میں ہونے والا ہے یا اس کی مخلوق کرنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے ازلی علم کے ذریعے سے ان تمام چیزوں کو اجمالاً وتفصیلاً جاننے والا ہے جو ظاہر ہو چکی ہیں یا وجود میں آنے والی ہیں۔ (ب) کتابت: اللہ تعالیٰ نے اپنے ازلی علم کے مطابق تمام اشیاء کو لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ سب سے پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی وہ قلم تھی، پھر اسے فرمایا لکھ۔ اس نے عرض کی: اے میرے رب! میں کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قیامت قائم ہونے تک ہر ہر چیز کی تقدیر لکھ دے، چنانچہ اس نے لکھ دیا۔[1] ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے کائنات میں ہونے والے تمام واقعات کو تحریر کر لیا تھا۔[2] ان دونوں قسموں کے متعلق

① سنن أبي داود، السنة، حديث: 4700. ② صحيح مسلم، القدر، حديث: 6748 (2653).

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آسمان وزمین کی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے؟ یہ سب لکھی ہوئی کتاب میں محفوظ ہے۔''[1] * تقدیر عمری: انسان نے عمر بھر میں جو کچھ کرنا ہے وہ الگ سے محفوظ ہے اس کی پھر دو قسمیں ہیں: (ا) اولاد آدم سے عہد و پیمان لیتے وقت لکھا گیا تھا جیسا کہ سورۂ اعراف کی آیت: 172 میں ہے۔ (ب) شکم مادر میں تقدیر عمری کا بیان امام بخاری رحمہ اللہ کی پیش کردہ پہلی حدیث میں ہے۔ * تقدیر یومی: ہر روز اس کے تازہ فیصلے نافذ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہر روز کوئی بیمار ہو رہا ہے، کسی کو بیماری سے شفا دے رہا ہے، کوئی موت کے گھاٹ اتر رہا ہے: ''ہر روز (ہر وقت) وہ ایک (نئی) شان میں ہے۔''[2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے روایات کے حوالے سے لکھا ہے کہ جو امور انسان کو دنیا میں پیش آنے والے ہوتے ہیں وہ سب لکھ دیے جاتے ہیں حتی کہ جو ذرا سی خراش بھی لگنی ہے وہ بھی لکھ دی جاتی ہے، اور ان امور کی کتابت کسی متعلق دفتر میں ہوتی ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے: ''پھر یہ صحیفہ لپیٹ دیا جاتا ہے اور اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی۔''[3] واللّٰہ أعلم.

(٢) بَابٌ: جَفَّ الْقَلَمُ عَلَى عِلْمِ اللهِ

باب: 2- اللہ کے علم کے مطابق قلم خشک ہو چکا ہے

وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ﴾ [الجاثية: ٢٣]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ تعالیٰ نے اسے علم کے باوجود گمراہ کر دیا۔''

وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: قَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ: «جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا أَنْتَ لَاقٍ».

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھ سے نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو کچھ تمھارے ساتھ ہونے والا ہے، اس پر قلم خشک ہو چکا ہے۔''

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿لَهَا سَابِقُونَ﴾ [المؤمنون: ٦١] سَبَقَتْ لَهُمُ السَّعَادَةُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿لَهَا سَابِقُونَ﴾ کی تفسیر میں فرمایا: ان کے لیے سعادت سبقت کر چکی ہے۔

وضاحت: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ زنا سے بچنے کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ سے خصی ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا: ''ابو ہریرہ! تمھارے ساتھ جو کچھ ہونا ہے اس کے متعلق قلم لکھ کر خشک ہو چکا ہے، لہٰذا تم خصی ہو جاؤ یا اس خیال کو چھوڑ دو (جو لکھا جا چکا ہے) وہ تو ہو کر رہے گا۔''[4] رسول اللہ نے قضا و قدر کی گرفت اور اس کے اثرات کو بڑے زوردار انداز سے بیان کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بار بار اصرار سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ شاید وہ اپنی تدبیر سے تقدیر کو پلٹ دیں گے لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تقدیر کے سامنے تدبیر کی کچھ پیش نہیں جاتی۔ تقدیر کا قلم چل چکا ہے۔ اب اگر تمھاری قسمت میں زنا لکھا جا چکا ہے تو وہ ہو کر رہے گا اور اگر مقدر نہیں ہوا تو اس قسم کی ناجائز تدبیر کی کوئی ضرورت نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس جواب کے بعد دوبارہ سوال کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور نہ اس کی ضرورت ہی رہی۔

---

[1] الحج 22: 70. [2] الرحمٰن 55: 29. [3] صحيح مسلم، القدر، حديث: 6725 (2644)، و فتح الباري: 11/ 588.
[4] صحيح البخاري، النكاح، حديث: 5076.

٦٥٩٦ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ الرِّشْكُ قَالَ: سَمِعْتُ مُطَرِّفَ بْنَ عَبْدِ اللهِ ابْنِ الشِّخِّيرِ يُحَدِّثُ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَيُعْرَفُ أَهْلُ الْجَنَّةِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ؟ قَالَ: «نَعَمْ»، قَالَ: فَلِمَ يَعْمَلُ الْعَامِلُونَ؟ قَالَ: «كُلٌّ يَعْمَلُ لِمَا خُلِقَ لَهُ أَوْ لِمَا يُيَسَّرُ لَهُ». [انظر: ٧٥٥١]

[6596] حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک آدمی نے پوچھا: اللہ کے رسول! کیا جنتی لوگ اہل جہنم سے پہچانے جا چکے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔'' اس نے عرض کی: پھر عمل کرنے والے عمل کیوں کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''ہر شخص وہی عمل کرتا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے یا جو اس کے لیے آسان کیا گیا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل فیصلہ وہی ہوتا ہے جو قضا وقدر انسان کے متعلق کر چکی ہے، باقی رہے ہمارے ظاہری اعمال تو وہ انسان کے اچھے اور برے ہونے کی صرف ظاہری نشانیاں ہیں۔ اچھے اعمال سے حسن خاتمہ کی امید اور برے اعمال سے برے خاتمے کا اندیشہ ضرور ہوتا ہے۔ اس کی مزید وضاحت درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے۔ ② حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ قبیلۂ مزینہ کے دو آدمیوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! لوگ جو آج عمل کر رہے ہیں اور اس کے لیے محنت وکوشش کر رہے ہیں کیا یہ ایسی چیز ہے جس کا فیصلہ کیا جا چکا ہے اور پہلے سے جو تقدیر ہے وہ نافذ ہو چکی ہے یا وہ اس چیز کی طرف جا رہے ہیں جو ان کے نبی ان کے پاس لے کر آئے اور ان کے خلاف حجت قائم کی؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کا ان کے متعلق فیصلہ ہو چکا ہے اور تقدیر ان کے متعلق نافذ ہو چکی ہے اور اس بات کی تصدیق اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے: ''اور نفس کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے درست کیا! پھر بدکاری اور پرہیزگاری (دونوں) کی اسے سمجھ عطا کی۔''[1] ③ واضح رہے کہ اس معنی کی دیگر احادیث میں اہل خیر کو ایک حد تک خیر کی بشارت اور امید دلائی گئی ہے اور دوسروں کے لیے تنبیہ اور توبہ کی دعوت ہے۔ بہرحال ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ نیک اعمال کی کوشش کرے اور اللہ تعالیٰ سے جنتی ہونے کی دعا کرتا رہے۔ واللہ المستعان.

(٣) بَابٌ: اَللهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ

باب: 3- اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کیا عمل کرنے والے تھے

٦٥٩٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ

[6597] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ سے مشرکین کی اولاد کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''اللہ کو خوب معلوم ہے کہ انھوں نے

① الشمس 91: 7، 8، وصحيح مسلم، القدر، حديث: 6739 (2650).

أَوْلَادِ الْمُشْرِكِينَ، فَقَالَ: «اللهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ». [راجع: ١٣٨٣]

کیا عمل کرنا تھا۔"

٦٥٩٨ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: وَأَخْبَرَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: سُئِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ ذَرَارِيِّ الْمُشْرِكِينَ، فَقَالَ: «اللهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ». [راجع: ١٣٨٤]

[6598] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کی (نابالغ) اولاد کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو وہ (بڑے ہو کر) عمل کرنے والے تھے۔"

٦٥٩٩ - أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ وَيُنَصِّرَانِهِ كَمَا تُنْتِجُونَ الْبَهِيمَةَ، هَلْ تَجِدُونَ فِيهَا مِنْ جَدْعَاءَ حَتَّى تَكُونُوا أَنْتُمْ تَجْدَعُونَهَا؟». [راجع: ١٣٥٨]

[6599] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی بنا لیتے ہیں جیسا کہ تمھارے جانوروں کے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ کیا ان میں سے کوئی کان کٹا ہوتا ہے؟ وہ تو تم ہی اس کا کان کاٹ دیتے ہو۔"

٦٦٠٠ - قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! أَفَرَأَيْتَ مَنْ يَمُوتُ وَهُوَ صَغِيرٌ؟ قَالَ: «اللهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ». [راجع: ١٣٨٤]

[6600] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کا حصہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اللہ کے رسول! اس بچے کے متعلق کیا خیال ہے جو بچپن ہی میں فوت ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا: "اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ بڑا ہو کر کیا عمل کرتا۔"

فوائد ومسائل: ① کفار کے بچوں کا کیا حکم ہے اس بارے میں اختلاف ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: "مشرکین کی اولاد کا کیا انجام ہے؟ تو آپ نے فرمایا: "وہ اپنے آباء میں سے ہیں۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کی: عمل کے بغیر ہی؟ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کو بہتر علم ہے جو وہ عمل کرنے والے تھے۔"[1] دوسری حدیث میں ہے بچے فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتے ہیں، خواہ وہ مسلمانوں کے ہاں پیدا ہوں یا کافروں کے ہاں جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی پیش کردہ حدیث: (6599) سے معلوم ہوتا ہے۔ بعض علماء نے یہ تطبیق دی ہے کہ دنیا میں ان بچوں سے کفار والا معاملہ کیا جائے گا، یعنی انھیں مرنے کے بعد غسل نہیں دیا جائے گا، نہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہی کیا جائے گا،

[1] سنن أبي داود، السنة، حديث: 4712.

آخر سانپوں کے بچے سانپ ہوتے ہیں۔ آخرت میں ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ کافروں کے وہ بچے جو بچپن ہی میں فوت ہو جائیں وہ جنت میں جائیں گے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنت میں ہوں گے جیسا کہ انھوں نے کتاب الجنائز میں ایک عنوان قائم کیا ہے: [بَابُ مَا قِيلَ فِي أَوْلَادِ الْمُشْرِكِينَ] ''اولاد مشرکین کے متعلق جو کہا گیا ہے۔''[1] نیز صحیح بخاری ہی میں صراحت ہے کہ مشرکین کے بچے جنتی ہیں۔[2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں چند مذاہب ذکر کیے ہیں، پھر امام بخاری رحمہ اللہ کے موقف کو مذہب مختار قرار دیا ہے۔ ② کچھ اہل علم کا رجحان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انھیں کوئی حکم دے کر ان کی آزمائش کرے گا، اگر وہ اطاعت کر لیں تو اہل جنت بصورت دیگر انھیں جہنم رسید کر دیا جائے گا۔[3] والله أعلم.

(٤) بَابٌ: ﴿وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا﴾ [الأحزاب: ٣٨].

باب: 4- (ارشاد باری تعالیٰ ہے:) ''اللہ کا حکم اٹل اور ہو کر رہتا ہے۔'' کا بیان

وضاحت: اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں جن کاموں کا فیصلہ کیا ہے وہ ضرور پورے ہوں گے اور اس کے اسباب بھی ہو کر رہیں گے۔ انسان ان کے خلاف خواہ کتنی ہی کوشش کر لے، انھیں دنیا کی کوئی طاقت واقع ہونے سے نہیں روک سکتی۔

٦٦٠١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تَسْأَلِ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَهَا وَلْتَنْكِحْ، فَإِنَّ لَهَا مَا قُدِّرَ لَهَا». [راجع: ٢١٤٠]

[6601] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی عورت اپنی کسی بہن کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے تاکہ اس کے پیالے کو بالکل خالی کر دے بلکہ چاہیے کہ وہ نکاح کر لے کیونکہ اس کے لیے تو وہی کچھ ہے جو اس کا مقدر ہے۔''

فوائد و مسائل: ① اگر کوئی عورت کسی شادی شدہ مرد سے شادی کرنا چاہتی ہے تو وہ یہ شرط نہ لگائے کہ پہلی بیوی کو طلاق دے دے تاکہ یہ اس کی تنہا بیوی ہو اور معاشرت میں کوئی عورت اس کی شریک نہ ہو۔ انسانی پست ہمتی اور خود غرضی کی یہ بدترین مثال ہے کہ کوئی عورت دوسری عورت کی طلاق کا مطالبہ اس لیے کرے کہ اس کی اسلامی بہن کا حصہ بھی اسے مل جائے۔ اسلام اپنے نفع کی خاطر دوسرے کو نقصان پہنچانے کی اس بدترین صورت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس مشکل کام کو یہ کہہ کر آسان کر دیتا ہے کہ سرے سے لالچ کا یہ تصور ہی غلط ہے کہ کسی کے مقدر کا رزق دوسرے کو مل جائے۔ یہ ممکن ہی نہیں، تو پھر مفت میں خود غرضی پر مبنی اس غیر شرعی اور غیر اخلاقی مطالبے کی کیا ضرورت ہے۔ ② بہرحال تقدیر کا مسئلہ بہت سی مشکلات کا حل ہے۔ زندگی کا کوئی بھی گوشہ جب انسان کے لیے مشکل بن رہا ہو تو تقدیر کا سبق اسے بڑی آسانی سے حل کر دیتا ہے۔

① صحيح البخاري، الجنائز، باب: 92. ② صحيح البخاري، التعبير، حديث: 7047. ③ فتح الباري: 313/3.

٦٦٠٢ - حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ أُسَامَةَ قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ جَاءَهُ رَسُولُ إِحْدٰى بَنَاتِهِ وَعِنْدَهُ سَعْدٌ وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَمُعَاذٌ أَنَّ ابْنَهَا يَجُودُ بِنَفْسِهِ، فَبَعَثَ إِلَيْهَا: «لِلّٰهِ مَا أَخَذَ، وَلِلّٰهِ مَا أَعْطٰى، كُلٌّ بِأَجَلٍ، فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ». [راجع: ١٢٨٤]

[6602] حضرت اسامہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نبی ﷺ کی خدمت میں موجود تھا کہ اچانک آپ کے پاس آپ کی کسی صاحبزادی کا قاصد آیا۔ اس وقت آپ کے پاس حضرت سعد، ابی بن کعب اور حضرت معاذ ؓ بھی تھے۔ قاصد نے کہا کہ ان کا بچہ نزع کی حالت میں ہے۔ آپ ﷺ نے انھیں پیغام بھیجا: ''اللہ ہی کا ہے جو وہ لے لیتا ہے اور اسی کا ہے جو وہ دے دے۔ ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے، اس لیے وہ صبر کریں اور اللہ سے اجر کی امید رکھیں۔''

فوائد ومسائل: ① امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ دنیا کی ہر چیز ایک معین وقت سے وابستہ ہے اور اس کے یہاں رہنے کا ایک وقت مقرر ہے۔ وقتِ مقرر آنے پر ہر کام ضرور ہو جاتا ہے۔ انسانوں کا بھی یہی معاملہ ہے کہ جب ان کے دنیا سے جانے کا وقت آ جاتا ہے تو ایک لمحے کا آگا پیچھا نہیں ہوتا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ہر گروہ کے لیے ایک مدت مقرر ہے۔ وہ مدت پوری ہو جاتی ہے تو پھر لحہ بھر کی تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی۔''[1] حضرت یعقوب ؑ نے جب اپنے بیٹوں کو مصر روانہ کیا تو نظر بد سے تحفظ کے لیے فرمایا: ''بیٹو! ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے اندر جانا۔''[2] ② ایک طرف انھوں نے نظر بد سے بچنے کے لیے تدبیر بتائی تو دوسری طرف تقدیر کے مؤثر ہونے سے آگاہ فرمایا: ''میری یہ تدبیر عالم اسباب کی ایک تسلی ہے لیکن جو مقدر ہو چکا ہے میں اسے نہیں ٹال سکتا ہوں، وہ بہر صورت ہو کر رہے گا۔'' کہتے ہیں: تدبیر کند بندہ تقدیر کند خندہ، یعنی انسان کی کوشش سے تقدیر نہیں بدلتی۔

٦٦٠٣ - حَدَّثَنَا حَبَّانُ بْنُ مُوسٰى: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَيْرِيزٍ الْجُمَحِيُّ: أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ بَيْنَمَا هُوَ جَالِسٌ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ جَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّا نُصِيبُ سَبْيًا وَنُحِبُّ الْمَالَ، كَيْفَ تَرٰى فِي الْعَزْلِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَوَ إِنَّكُمْ تَفْعَلُونَ ذٰلِكَ؟ لَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَا

[6603] حضرت ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے خبر دی کہ وہ نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں قبیلۂ انصار کا ایک آدمی آیا اور عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! ہم لونڈیوں سے ہم بستری کرتے ہیں لیکن ہمیں اپنے مال سے بھی بہت پیار ہے، لہٰذا آپ کا عزل کرنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اچھا تم ایسا کرتے ہو؟ اگر تم ایسا نہ کرو تو تمھارے لیے کچھ قباحت نہیں کیونکہ جس جان کا پیدا ہونا اللہ نے لکھ

[1] الأعراف 7:34. [2] یوسف 12:67.

تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ لَيْسَتْ نَسَمَةٌ كَتَبَ اللهُ أَنْ تَخْرُجَ إِلَّا هِيَ كَائِنَةٌ». [راجع: ٢٢٢٩]

دیا ہے وہ تو پیدا ہو کر رہے گی۔"

فوائد و مسائل: ① جس لونڈی کو حمل ہو جائے اور وہ بچہ جنم دے لے تو وہ ام ولد بن جاتی ہے جسے فروخت نہیں کیا جا سکتا، اس لیے وہ آدمی یہ تدبیر کرنا چاہتا تھا کہ ہم بستری بھی ہو جائے لیکن حمل کا امکان بھی نہ رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس انداز کو پسند نہیں فرمایا اور اس کے بے کار ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ ایک دوسری حدیث میں اس امر کی مزید وضاحت ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: میری ایک باندی ہے جو میرے کام کاج کرتی ہے اور میں اس سے صحبت بھی کرتا ہوں۔ مجھے یہ پسند نہیں کہ وہ حاملہ ہو جائے (کیا میں عزل کر سکتا ہوں؟) آپ نے فرمایا: "اگر تم چاہو تو عزل کر لو مگر اس کے مقدر میں جو بچہ لکھا جا چکا ہے وہ اسے جنم دے کر رہے گی۔" کچھ عرصہ گزرا کہ وہی شخص پھر حاضر ہوا اور عرض کی کہ وہ تو حاملہ ہو گئی ہے۔ آپ نے فرمایا: "میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ جو بچہ اس کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے وہ اس سے ضرور پیدا ہو کر رہے گا۔"[1] ② حدیث کی مراد یہ نہیں کہ اگر تقدیر میں اولاد مقدر ہو گی تو مرد کے نطفے کے بغیر بھی ہو کر رہے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر اولاد مقدر ہو گی تو عزل کے بعد بھی غیر شعوری طور پر اتنا مادہ رحم میں پہنچ جائے گا جو بچہ پیدا ہونے کے لیے کافی ہو گا، چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا تو اس وقت دوبارہ آپ نے اپنی بات دہرا دی۔ ③ یہ بات بھی مدنظر رہے کہ تقدیر تو آ کر رہتی ہے مگر اسباب کو توڑ کر نہیں بلکہ اس طرح کہ اس کے اسباب بھی ہو کر رہتے ہیں، مثلاً: ممکن ہے کہ عزل سے پہلے نطفے کا کوئی نہ کوئی حصہ نکل جائے اور اسی سے بچہ پیدا ہو جائے۔ اولاد کی پیدائش کے لیے پورے کا پورا مادہ تو ضروری نہیں ہے، چنانچہ ایک حدیث میں اس بات کی بھی صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عزل کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: "مرد کی ساری منی سے تو بچہ نہیں بنتا۔ اللہ تعالیٰ جب کسی بچے کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو پھر کوئی چیز اس کے لیے رکاوٹ نہیں ہوتی۔"[2] ایسے حالات میں انسان کیا احتیاط کر سکتا ہے کہ عزل کرتے وقت ایک قطرہ منی بھی اندر نہ نکلنے پائے؟

٦٦٠٤ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ مَسْعُودٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَقَدْ خَطَبَنَا النَّبِيُّ ﷺ خُطْبَةً مَّا تَرَكَ فِيهَا شَيْئًا إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا ذَكَرَهُ، عَلِمَهُ مَنْ عَلِمَهُ، وَجَهِلَهُ مَنْ جَهِلَهُ، إِنْ كُنْتُ لَأَرَى الشَّيْءَ قَدْ نَسِيتُ فَأَعْرِفُهُ كَمَا يَعْرِفُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ إِذَا غَابَ عَنْهُ فَرَآهُ فَعَرَفَهُ.

[6604] حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے ہمیں ایک خطبہ دیا اور قیامت تک کوئی چیز نہ چھوڑی جس کا بیان نہ کیا ہو، جسے یاد رکھنا تھا اس نے یاد رکھا اور جسے بھولنا تھا وہ بھول گیا، لہٰذا جب میں کوئی فراموش کردہ چیز دیکھتا ہوں تو اس طرح اسے پہچان لیتا ہوں جس طرح وہ شخص جس کی کوئی چیز گم ہو گئی ہو جب وہ اسے دیکھتا ہے تو فوراً پہچان لیتا ہے۔

---

① صحیح مسلم، النکاح، حدیث: 3556 (1439). ② صحیح مسلم، النکاح، حدیث: 3554 (1438).

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھی واقعی بھول گئے ہیں یا بھولے بنے ہوئے ہیں۔ اللہ کی قسم! دنیا ختم ہونے تک آنے والے فتنوں کے قائدین جن کے ساتھ تین سو یا اس سے زیادہ لوگ ہوں گے، رسول اللہ ﷺ نے کسی کو نہیں چھوڑا، آپ نے ان کے نام مع ولدیت اور ان کے قبیلوں تک کے نام بتا دیے ہیں۔[1] ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب ان واقعات میں سے کوئی پیش آتا ہے تو مجھے وہ سب یاد آ جاتا ہے جیسے کسی کو کسی کے چلے جانے کے بعد اس کا چہرہ یاد رہتا ہے، پھر مدت بعد جب دیکھتا ہے تو اسے پہچان لیتا ہے۔[2] ② یہ وہ فتنے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مقدر کیے ہیں اور وہ بہرصورت واقع ہو کر رہیں گے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی نشاندہی کی ہے، چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''اللہ کی قسم! میرے اور قیامت کے درمیان جو فتنے رونما ہونے والے ہیں میں ان سب کو جانتا ہوں، یہ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے خاص طور پر مجھے راز داری کے طور پر ان کی نشاندہی فرمائی تھی، میرے علاوہ اور کسی کو نہیں بتایا تھا۔[3]

٦٦٠٥ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ، عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا مَّعَ النَّبِيِّ ﷺ وَمَعَهُ عُودٌ يَّنْكُتُ بِهِ فِي الْأَرْضِ فَنَكَسَ فَقَالَ: «مَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ إِلَّا قَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ أَوْ مِنَ الْجَنَّةِ». فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ: أَلَا نَتَّكِلُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «لَا، اِعْمَلُوا فَكُلٌّ مُّيَسَّرٌ»، ثُمَّ قَرَأَ ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ﴾ [الليل: ٥] اَلْآيَةَ.

[راجع: ١٣٦٢]

[6605] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے آپ زمین کرید رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک کا جنت و جہنم میں ٹھکانا لکھا جا چکا ہے۔'' حاضرین میں سے ایک آدمی نے کہا: اللہ کے رسول! پھر ہم کیوں نہ اس پر بھروسا کر لیں۔ آپ نے فرمایا: ''نہیں، تم عمل کرو (جس کے لیے انسان پیدا کیا گیا ہے) اس کے لیے وہ چیز آسان کر دی گئی ہے۔'' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''جس نے اللہ کی راہ میں دیا اور تقویٰ اختیار کیا...... آخر تک۔''

فوائد و مسائل: ① پوری آیات کا ترجمہ: ''پھر جس نے مال دیا اور پرہیزگاری اختیار کی اور بھلی باتوں کی تصدیق کی تو یقیناً ہم اسے آسان راہ پر چلنے کی سہولت دیتے ہیں اور جس نے بخل سے کام لیا اور بے پروا بنا رہا اور بھلائی کو جھٹلایا تو یقیناً ہم اسے تنگی کی راہ پر چلنے کی سہولت دیتے ہیں۔''[4] ② بھلی بات سے مراد ایمان بالغیب بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آیات بھی ہیں، اللہ تعالیٰ کی توحید بھی، رسول کی تصدیق بھی اور اخلاق فاضلہ کی بجا آوری بھی۔ عنوان سے تعلق اس طرح ہے کہ جو شخص مذکورہ بالا کام کرے

1 سنن أبي داود، الفتن و الملاحم، حديث: 4243. 2 صحيح مسلم، الفتن، حديث: 7263 (2891). 3 صحيح مسلم، الفتن، حديث: 7262 (2891). 4 الليل 92: 5-10.

اس کے لیے احکامِ شریعت پر چلنا اور جنت میں داخلے کا مستحق ہونا آسان بنا دیا جاتا ہے اور اسے نیکی کے کاموں کی توفیق دی جاتی ہے حتی کہ بدی کی راہ پر چلنا انسان کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس دوسرے شخص کے لیے جہنم کا راستہ آسان اور نیکی کی راہیں بہت مشکل بنا دی جاتی ہیں، پھر اس کی زندگی گناہ اور حرام کاموں میں گزرتی ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! جب سب کچھ پہلے سے طے شدہ ہے تو پھر عمل کس لیے ہوا؟ آپ نے فرمایا: عمل کے بغیر تو جنت نہیں مل سکتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر عرض کی: اللہ کے رسول! پھر تو ہم عمل کرنے میں جان توڑ کوشش کریں گے۔[1] ③ حیرت کی بات ہے کہ جس حدیث کو سن کر آج عمل چھوڑ دینے کا عہد کیا جاتا ہے، اسی کو سن کر کل صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جدوجہد کا عہد کرتے تھے۔ بات اصل یہ ہے کہ وہ حکم کے فرمانبردار تھے لیکن ہم عقل کے بندے ہیں۔ عقل بے چاری دنیا کی معمولی الجھنیں نہیں سلجھا سکتی، وہ تقدیر کے مسئلے کو کیسے حل کر سکتی ہے؟ ہاں، جب وہ بھی اسلام قبول کر لیتی ہے تو پھر مسائلِ شریعت میں اس کے نزدیک کوئی الجھن، الجھن نہیں رہتی؟ پھر اس میں وہ بصیرت پیدا ہو جاتی ہے کہ جتنا اختیار اسے مل چکا ہے، اسے کام میں لانا اپنا فرض منصبی خیال کرتی ہے۔ ④ تقدیر کا ہمیں علم نہیں تو پھر عمر میں اختیار سے کام کیوں نہ لیا جائے؟ رہا کسی شخص کے انجام کے متعلق اللہ تعالیٰ کے پیشگی علم کا مسئلہ تو اللہ تعالیٰ کا یہ علم کسی شخص کو اس بات پر مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ وہی کچھ کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فیصلہ کر رکھا ہے۔ بہرحال انسان کو جیسا اور جتنا اختیار ملا ہے اس سے فائدہ اٹھائے۔ ⑤ تقدیر کے مسئلے کو ہم ایک مثال سے حل کرتے ہیں کہ ایک مریض کسی ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے اور وہ اس کی تشخیص کر کے اپنے تجربے کے پیش نظر کسی کاغذ پر لکھ دیتا ہے کہ اس نے دوسرے دن مر جانا ہے، پھر ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ دوسرے دن مر جاتا ہے، اب کیا وہ اس تحریر سے پابند ہو گیا ہے کہ وہ دوسرے دن ہی مرے گا، اگر ڈاکٹر نہ لکھتا تو کیا وہ مریض زندہ رہتا؟ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیشگی تحریر یا مشیت یا تقدیر کی بات اسے مجبور سمجھنے کی دلیل نہیں بلکہ یہ جو کام بھی کرتا ہے اپنے عزم اور کھلے اختیار سے کرتا ہے۔ تقدیر تو اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت کی دلیل ہے نہ کہ اس کے مجبور محض بننے کی۔ واللہ أعلم.

(٥) بَابٌ: اَلْعَمَلُ بِالْخَوَاتِيمِ

باب:5- عمل کا اعتبار خاتمے پر موقوف ہے

وضاحت: حدیث علی رضی اللہ عنہ کے ظاہری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ انسان کے ظاہری اعمال کا اعتبار ہوتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ظاہری اعمال کے بجائے خاتمے کا اعتبار کیا جاتا ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے خاتمے کی حیثیت و اہمیت کے پیش نظر یہ عنوان قائم کیا ہے۔

٦٦٠٦ - حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ مُوسٰى: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ

[6606] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ خیبر میں تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کے متعلق، جو آپ کے ساتھ شریک جہاد

[1] فتح الباري: 606/11.

عَنْهُ قَالَ: شَهِدْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ خَيْبَرَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِرَجُلٍ مِّمَّنْ مَّعَهُ يَدَّعِي الْإِسْلَامَ: «هٰذَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ»، فَلَمَّا حَضَرَ الْقِتَالُ قَاتَلَ الرَّجُلُ مِنْ أَشَدِّ الْقِتَالِ، وَكَثُرَتْ بِهِ الْجِرَاحُ فَأَثْبَتَتْهُ، فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَرَأَيْتَ الَّذِي تَحَدَّثْتَ أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ؟ قَدْ قَاتَلَ فِي سَبِيلِ اللهِ مِنْ أَشَدِّ الْقِتَالِ فَكَثُرَتْ بِهِ الْجِرَاحُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَمَا إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ»، فَكَادَ بَعْضُ الْمُسْلِمِينَ يَرْتَابُ، فَبَيْنَمَا هُوَ عَلَى ذٰلِكَ إِذْ وَجَدَ الرَّجُلُ أَلَمَ الْجِرَاحِ فَأَهْوٰى بِيَدِهِ إِلٰى كِنَانَتِهِ فَانْتَزَعَ مِنْهَا سَهْمًا فَانْتَحَرَ بِهَا، فَاشْتَدَّ رِجَالٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ إِلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! صَدَّقَ اللهُ حَدِيثَكَ، قَدِ انْتَحَرَ فُلَانٌ فَقَتَلَ نَفْسَهُ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَا بِلَالُ، قُمْ فَأَذِّنْ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا مُؤْمِنٌ، وَإِنَّ اللهَ لَيُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ». [راجع: ٣٠٦٢]

اور اسلام کا دعویدار تھا، فرمایا: ''یہ جہنمی ہے۔'' جب جنگ شروع ہوئی تو اس آدمی نے بہت جم کر لڑائی میں حصہ لیا اور بہت زیادہ زخمی ہو گیا لیکن پھر بھی وہ ثابت قدم رہا۔ نبی ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک صحابی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: اللہ کے رسول! اس شخص کے بارے میں آپ کو معلوم ہے جس کے متعلق ابھی آپ نے فرمایا تھا کہ وہ دوزخی ہے؟ وہ اللہ کے راستے میں بہت جم کر لڑا ہے اور بہت زیادہ زخمی ہو گیا ہے۔ نبی ﷺ نے اب بھی یہی فرمایا: ''وہ جہنمی ہے۔'' ممکن تھا کہ کچھ مسلمان شبے میں پڑ جاتے لیکن اس دوران میں اس شخص نے زخموں کی تاب نہ لا کر اپنا ترکش کھولا اور اس سے ایک تیر نکالا، پھر اس سے خود کو ذبح کر لیا۔ اس کے بعد بہت سے مسلمان دوڑتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ کی بات سچی کر دکھائی ہے۔ اس شخص نے اپنے آپ کو ذبح کر کے خودکشی کر ڈالی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے بلال! اُٹھو اور لوگوں میں اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوگا، نیز یہ (بھی اعلان کر دو) کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی خدمت کسی بے دین آدمی سے بھی لے لیتا ہے۔''

٦٦٠٧ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ: حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ: حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلٍ: أَنَّ رَجُلًا مِّنْ أَعْظَمِ الْمُسْلِمِينَ غَنَاءً عَنِ الْمُسْلِمِينَ فِي غَزْوَةٍ غَزَاهَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، فَنَظَرَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَنْظُرَ إِلٰى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَلْيَنْظُرْ إِلٰى هٰذَا». فَاتَّبَعَهُ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ وَهُوَ عَلٰى تِلْكَ الْحَالِ مِنْ أَشَدِّ النَّاسِ عَلَى

[6607] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کے ساتھ ایک لڑائی میں شرکت کی۔ بلاشبہ وہ بہت سے مسلمانوں سے کفایت کرتے ہوئے (کافروں کے مقابلے میں اکیلا) بڑی بہادری سے لڑ رہا تھا۔ نبی ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا: ''جو شخص کسی جہنمی کو دیکھنا چاہتا ہے وہ اس شخص کو دیکھ لے۔'' چنانچہ وہ شخص جب لڑنے میں مصروف تھا اور مشرکین کو اپنی بہادری کی وجہ سے سخت تر

الْمُشْرِكِينَ حَتَّى جُرِحَ فَاسْتَعْجَلَ الْمَوْتَ فَجَعَلَ ذُبَابَةَ سَيْفِهِ بَيْنَ ثَدْيَيْهِ حَتَّى خَرَجَ مِنْ بَيْنِ كَتِفَيْهِ، فَأَقْبَلَ الرَّجُلُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ مُسْرِعًا فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللهِ، فَقَالَ: «وَمَا ذَاكَ؟» قَالَ: قُلْتَ لِفُلَانٍ: «مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِّنْ أَهْلِ النَّارِ فَلْيَنْظُرْ إِلَيْهِ»، وَكَانَ مِنْ أَعْظَمِنَا غَنَاءً عَنِ الْمُسْلِمِينَ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ لَا يَمُوتُ عَلَى ذٰلِكَ، فَلَمَّا جُرِحَ اسْتَعْجَلَ الْمَوْتَ فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ عِنْدَ ذٰلِكَ: «إِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ وَإِنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَإِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ». [راجع: ٢٨٩٨]

تکالیف میں مبتلا کر رہا تھا تو ایک مسلمان اس کے پیچھے پیچھے چلا۔ آخر وہ زخمی ہو گیا اور جلدی سے مرنا چاہا، اس لیے اس نے اپنی تلوار کی نوک سینے کے درمیان رکھی اور دباؤ دیا تو وہ تلوار اس کے شانوں کو پار کرتی ہوئی نکل گئی۔ اس کے بعد اس کا پیچھا کرنے والا شخص نبی ﷺ کی خدمت میں دوڑتا ہوا حاضر ہوا اور کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''بات کیا ہے؟'' اس نے کہا: آپ نے فلاں شخص کے بارے میں فرمایا تھا: ''جو کسی جہنمی کو دیکھنا چاہے وہ اس کو دیکھ لے۔'' حالانکہ وہ شخص مسلمانوں کی طرف سے بڑی پامردی سے لڑ رہا تھا۔ میں سمجھا کہ وہ کفر پر نہیں مرے گا لیکن جب وہ سخت زخمی ہو گیا تو مرنے میں جلدی سے کام لیا اور خودکشی کر لی۔ نبی ﷺ نے اس وقت فرمایا: ''بلاشبہ بندہ اہل جہنم کے سے عمل کرتا رہتا ہے، حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے، اسی طرح دوسرا آدمی اہل جنت کے کام کرتا رہتا ہے، حالانکہ وہ دوزخی ہوتا ہے۔ یقیناً اعمال کا اعتبار خاتمے پر موقوف ہے۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کی اللہ تعالیٰ کی راہ میں جاں بازی اور پامردی دیکھ کر بھی کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اچھے اعمال سے حسن خاتمہ کی امید اور برے اعمال سے سوء خاتمہ کا اندیشہ ضرور ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم کسی عمل کرنے والے کے عمل کو دیکھ کر خوش نہ ہو جاؤ یہاں تک کہ اس کے خاتمے کو نہ دیکھ لو۔''[1] ② جب مدار خاتمے پر ہے تو ظاہری اعمال کو دیکھ کر کسی کے جنتی ہونے کا فیصلہ کیسے کیا جا سکتا ہے۔ اس قسم کی احادیث نے اولیاء اللہ کا خون، پانی بنا رکھا ہے کیونکہ یہ خبر کس کو ہے کہ اس کا خاتمہ کیسے اعمال پر ہو گا۔ اصل فیصلہ وہی ہوتا ہے جو تقدیر کر چکی ہے، باقی ہے ظاہری اعمال تو یہ انسان کے اچھے یا برے ہونے کی ظاہری علامتیں ہیں، اس کے باوجود اُس جہان میں فیصلہ بیشتر عمل کے تابع رکھا گیا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جسے جنت دینی ہے تو اس سے عمل بھی اہل جنت کے کرائے جائیں گے اور جسے بخشا منظور نہیں اس سے اعمال بھی اسی کے مطابق کرائے جائیں گے تاکہ اعمال اور جزا کے درمیان ظاہری تناسب بھی باقی رہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے: ''جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو جنت کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے جنتی شخص کے سے عمل بھی کرا

[1] مسند أحمد: 120/3.

لیتا ہے یہاں تک کہ اس کا خاتمہ بھی اسی قسم کے اعمال پر ہو جاتا ہے۔ بالآخر وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔''[1] ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ سے کہا گیا اللہ تعالیٰ عمل کیسے کرا لیتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''موت سے پہلے اسے نیک اعمال کرنے کی توفیق دیتا ہے۔''[2] ③ بہرحال نجات کا دارومدار خاتمے پر ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص جنتی لوگوں جیسے عمل کرتا نظر آتا ہے......[3] اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو حقیقت کی خبر نہیں ہوتی کہ وہ دوزخی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں برے خاتمے سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

(٦) بَابُ إِلْقَاءِ الْعَبْدِ النَّذْرَ إِلَى الْقَدَرِ

باب: 6- نذر، بندے کو تقدیر کی طرف لے جاتی ہے

٦٦٠٨ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُرَّةَ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ النَّذْرِ، قَالَ: «إِنَّهُ لَا يَرُدُّ شَيْئًا، إِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ». [انظر: ٦٦٩٢، ٦٦٩٣]

[6608] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے نذر سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ''نذر کوئی چیز رد نہیں کر سکتی۔ بس اس کے ذریعے سے بخیل سے مال نکالا جاتا ہے۔''

٦٦٠٩ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا يَأْتِي ابْنَ آدَمَ النَّذْرُ بِشَيْءٍ لَمْ يَكُنْ قَدْ قَدَّرْتُهُ، وَلٰكِنْ يُلْقِيهِ الْقَدَرُ وَقَدْ قَدَّرْتُهُ لَهُ، أَسْتَخْرِجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ». [انظر: ٦٦٩٤]

[6609] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:) نذر، بندے کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں لاتی جو میں نے اس کے لیے مقدر نہ کی ہو بلکہ تقدیر اسے وہ چیز دیتی ہے جو میں نے اس کے لیے مقرر کر دی ہے، البتہ میں اس کے ذریعے سے بخیل سے مال نکلوا لیتا ہوں۔''

فوائد و مسائل: ① انسانی بخل کی حد ہے کہ وہ اپنے خالق کی بارگاہ میں بھی اس وقت تک اپنا مال خرچ کرنا پسند نہیں کرتا جب تک اس سے اپنا معاوضہ وصول نہ کرے اور وہ بھی پیشگی، یعنی وہ بھی نذر و نیاز ادا کرنے کا عزم اس وقت کرتا ہے جب اس کا مریض پہلے شفایاب ہو جائے، جبکہ حدیث کہتی ہے کہ کارکنانِ قضا و قدر کے سامنے یہ مشروط نذر و نیاز بے کار اور لا حاصل بات ہے وہ ایک طے شدہ معاملہ ہے جو ہو کر رہے گا۔ اس طرح کی مشروط نذریں تقدیر کے فیصلوں پر ذرا بھر بھی اثر انداز نہیں ہوتیں، صدقہ کرنے سے بے شک بلائیں ٹل جاتی ہیں، اس لیے اگر تم یہ چاہتے ہو تو شرط کے بغیر صدقہ دیتے رہو۔ اگر عالم تقدیر میں یہ

1 سنن أبي داود، السنة، حديث: 4703. 2 جامع الترمذي، القدر، حديث: 2142. 3 صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 306 (112).

طے پا چکا ہے کہ تم صدقہ کرو گے تو یہ بلاتم سے ٹل جائے گی تو تمھارا مقصد بھی پورا ہو جائے گا اور تمھارے اس بخل کا مظاہرہ بھی نہیں ہوگا۔ ② بہر حال امور مقدرہ کے لیے اسباب بھی مقدر ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی حدیث میں ہے کہ بعض اسباب ایسے ہیں جن کا ارتکاب بے فائدہ ہے، عالم تقدیر پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا، اس لیے ایسے اسباب کو بروئے کار لانا وقت ضائع کرنے کے ساتھ ساتھ حماقت بھی ہے جیسا کہ عورت کسی مرد سے شادی کرنے کے لیے یہ شرط لگائے کہ پہلی بیوی کو طلاق دے دو، اسی طرح صدقہ و خیرات کرنے کے لیے یہ شرط لگانا کہ اگر میرا یہ کام ہوگا تو اتنا روپیہ اللہ تعالیٰ کے لیے دوں گا، اس قسم کے اسباب اسی میں داخل ہیں۔ واللّٰہ أعلم.

(٧) بَابُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ

باب:7- لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ کا بیان

وضاحت: امام بخاری ؒ نے پہلے کتاب الدعوات میں اس کلمے کی فضیلت بیان کرنے کے لیے ایک عنوان (67) قائم کیا تھا، اب اس کلمے کا تقدیر کے ساتھ تعلق بیان کرنے کے لیے یہ عنوان قائم کیا گیا ہے کیونکہ اس کے معنی ہیں کہ انسان، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اللہ تعالیٰ کی عصمت کے ذریعے سے ہی محفوظ رہ سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کی اطاعت کر سکتا ہے، یعنی اسے اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر مکمل بھروسا ہونا چاہیے۔[1]

٦٦١٠ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ، عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي غَزَاةٍ فَجَعَلْنَا لَا نَصْعَدُ شَرَفًا وَلَا نَعْلُو شَرَفًا وَلَا نَهْبِطُ فِي وَادٍ إِلَّا رَفَعْنَا أَصْوَاتَنَا بِالتَّكْبِيرِ، قَالَ: فَدَنَا مِنَّا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ، ارْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ، فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا، إِنَّمَا تَدْعُونَ سَمِيعًا بَصِيرًا»، ثُمَّ قَالَ: «يَا عَبْدَ اللهِ بْنَ قَيْسٍ، أَلَا أُعَلِّمُكَ كَلِمَةً هِيَ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ؟: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ». [راجع: ٢٩٩٢]

[6610] حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم ایک جنگ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ جب ہم کسی اونچی جگہ پر چڑھتے اور اس پر بلند ہوتے یا کسی وادی کے نشیب میں اترتے تو آواز بلند اللہ اکبر کہتے۔ اس دوران میں رسول اللہ ﷺ ہمارے قریب آئے اور فرمایا: ”لوگو! اپنے آپ پر رحم کرو کیونکہ تم کسی بہرے یا غیر حاضر کو نہیں پکار رہے، بلکہ تم اس ہستی کو پکارتے ہو جو بہت سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے، پھر فرمایا: ”اے عبداللہ بن قیس! کیا میں تجھے ایک کلمہ نہ سکھاؤں جو جنت کے خزانوں میں سے ہے؟ وہ کلمہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ ہے۔“

---

[1] فتح الباري: 609/11.

فوائد ومسائل: ① اس کلمے کے معنی یہ ہیں کہ گناہوں سے بچنے کی ہمت اور اچھے کام کرنے کی طاقت صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے سامنے انتہائی بے بس اور لاچار ہے۔ اس کی توفیق کے علاوہ نہ تو گناہوں سے محفوظ رہ سکتا ہے اور نہ اس میں کوئی اچھا کام کرنے کی ہمت ہی ہے، ہاں جب اللہ توفیق دے تو اس کی اطاعت میں مصروف رہتا ہے۔ ② اس کلمے میں توحید کے ساتھ ساتھ تقدیر پر ایمان بھی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب بندہ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰه پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ مطیع ہو گیا اور اس نے خود کو میرے حوالے کر دیا۔[1] ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ معراج کی رات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملے تو انھوں نے فرمایا: اے محمد! اپنی امت سے کہیں کہ وہ جنت میں بکثرت پودے لگائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''جنت میں پودے کیسے لگائے جا سکتے ہیں؟'' تو انھوں نے فرمایا: وہ بکثرت لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰه پڑھیں۔[2]

(٨) بَابٌ: اَلْمَعْصُومُ مَنْ عَصَمَ اللهُ

باب: 8- معصوم وہ ہے جسے اللہ بچائے

عَاصِمٌ: مَانِعٌ. قَالَ مُجَاهِدٌ: سُدًّا عَنِ الْحَقِّ، يَتَرَدَّدُونَ فِي الضَّلَالَةِ. ﴿دَسَّىٰهَا﴾ [الشمس: ١٠]: أَغْوَاهَا.

عاصم کے معنی ہیں: روکنے والا۔ مجاہد نے کہا: سَدًّا کے معنی ہیں: حق سے آڑ، وہ گمراہی میں ڈگمگا رہے ہیں۔ ﴿دَسَّاهَا﴾ کے معنی ہیں: اس نے اس کو گمراہ کر دیا۔

٦٦١١ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَا اسْتُخْلِفَ خَلِيفَةٌ إِلَّا لَهُ بِطَانَتَانِ: بِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالْخَيْرِ وَتَحُضُّهُ عَلَيْهِ، وَبِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالشَّرِّ وَتَحُضُّهُ عَلَيْهِ، وَالْمَعْصُومُ مَنْ عَصَمَ اللهُ». [انظر: ٧١٩٨]

[6611] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جب بھی کوئی شخص خلیفہ بنایا جاتا ہے تو اس کے دو خفیہ مشیر ہوتے ہیں: ایک اسے اچھے کام کا مشورہ دیتا ہے اور اس پر آمادہ کرتا ہے اور دوسرا اسے برائی کا حکم دیتا ہے اور اس پر ابھارتا ہے۔ اور معصوم وہ ہے جسے اللہ (گناہوں سے) محفوظ رکھے۔''

فائدہ: گناہوں اور آفات سے وہی بچ سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے، حضرت نوح علیہ السلام کے واقعے میں اسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔

---

1 المستدرك للحاكم: 21/7. 2 مسند أحمد: 418/5.

(٩) بَابٌ: وَحِرَامٌ عَلَى قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا [أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ]

باب: 9- جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا اس پر واجب ہے کہ اس کے باشندے دنیا میں نہیں آئیں گے

﴿أَنَّهُ لَن يُؤْمِنَ مِن قَوْمِكَ إِلَّا مَن قَدْ ءَامَنَ﴾ [هود: ٣٦]

(ارشاد باری تعالیٰ ہے:) ”جو لوگ تمھاری قوم سے ایمان لے آتے ہیں، ان کے علاوہ اب اور کوئی ایمان نہیں لائے گا۔“

﴿وَلَا يَلِدُوٓاْ إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾ [نوح: ٢٧]

نیز فرمایا: ”وہ بدکردار اور کافر لوگوں ہی کو جنم دیں گے۔“

وَقَالَ مَنْصُورُ بْنُ النُّعْمَانِ عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: وَحِرْمٌ بِالْحَبَشِيَّةِ: وَجَبَ.

منصور بن نعمان نے عکرمہ سے، انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا کہ حِرم حبشی زبان میں ضروری اور واجب کو کہتے ہیں۔

٦٦١٢ - حَدَّثَنِي مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: مَا رَأَيْتُ شَيْئًا أَشْبَهَ بِاللَّمَمِ مِمَّا قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ اللهَ كَتَبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ حَظَّهُ مِنَ الزِّنَا أَدْرَكَ ذٰلِكَ لَا مَحَالَةَ، فَزِنَا الْعَيْنِ: النَّظَرُ، وَزِنَا اللِّسَانِ: الْمَنْطِقُ، وَالنَّفْسُ تَمَنَّى وَتَشْتَهِي، وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذٰلِكَ وَيُكَذِّبُهُ».

[6612] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ میں تو لمم کے مشابہ اس بات سے زیادہ کوئی اور بات نہیں جانتا جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کی ہے: ”اللہ تعالیٰ نے انسان کے زنا کا کوئی نہ کوئی حصہ لکھ دیا ہے جس سے لامحالہ اسے دوچار ہونا پڑے گا۔ آنکھ کا زنا نظر بازی ہے۔ زبان کا گناہ لوچ دار گفتگو کرنا ہے۔ اور دل کا زنا خواہشات اور شہوات ہیں، پھر شرمگاہ اس کی تصدیق کر دیتی ہے اور اسے جھٹلا دیتی ہے۔“

وَقَالَ شَبَابَةُ: حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٦٢٤٣]

شبابہ نے کہا: ہم سے ورقاء نے بیان کیا، ابن طاؤس سے، انھوں نے اپنے باپ طاؤس سے، انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے اس حدیث کو بیان کیا۔

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس حقیقت کو بیان کرنا ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ قضا و قدر کے فولادی شکنجے

میں کسا ہوا ہے۔ جو کچھ تقدیر میں لکھا ہوا ہے وہ بہرصورت ہو کر رہے گا، چنانچہ آیت کریمہ میں ہے: جب کسی قوم کے اعمال و کردار کے پیش نظر یقین ہو جاتا ہے اوران پر لازم ہو جاتا ہے کہ اب وہ رجوع نہیں کریں گے تب اللہ تعالیٰ ان پر اپنے عذاب کا کوڑا برساتا ہے۔[1] اسی طرح قوم نوح کے متعلق بھی تقدیر کا لکھا ہوا غالب آیا۔ مہلت کے باوجود وہ ایمان لانے والے نہیں تھے، اس لیے انھیں بھی تباہی سے دوچار ہونا پڑا۔ ② حدیث سے بھی تقدیر کے دائرے کی وسعت کا پتا چلتا ہے کہ اس میں صرف حسنات اور سیئات ہی نہیں بلکہ ان کے مقدمات بھی لکھ دیے گئے ہیں۔ انسان یہ سمجھتا ہے کہ جب اس نے عملی طور پر زنا نہیں کیا تو شاید اس سے پہلے جو خرافات اس سے سرزد ہوئی ہیں وہ نہ ہونے کے برابر ہیں، اس لیے وہ شاید محاسبۂ تقدیر میں داخل نہ ہوں لیکن اس مشت خاک کو یقین رکھنا چاہیے کہ وہ بھی مقدرات میں شامل ہیں پھر تقدیر کی گرفت بھی کتنی زبردست ہے کہ جو حصہ زنا اس کے لیے مقدر ہو چکا ہے اس کا ارتکاب کیے بغیر بھی اسے چارۂ کار نہیں، تعجب ہے کہ جبر تو اس قدر لیکن آگے جو کچھ ہوتا ہے وہ ہوتا بھی انسان کے اختیار و ارادے سے۔ ③ چونکہ زانی کا سارا جسم اس جرم میں شریک ہوتا ہے، اس لیے اس کی سزا بھی ہر ہر عضو کو بھگتنا پڑتی ہے، شاید جنابت میں تمام جسم کا غسل بھی اسی لیے فرض قرار دیا گیا ہے۔ واللہ أعلم.

(١٠) بَابٌ: ﴿وَمَا جَعَلْنَا ٱلرُّءْيَا ٱلَّتِىٓ أَرَيْنَٰكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾ [الإسراء: ٦٠]

باب: 10- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”وہ رؤیا (منظر) جو ہم نے آپ کو دکھایا اسے ہم نے لوگوں کے لیے باعث آزمائش بنا دیا“ کا بیان

٦٦١٣ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا ﴿وَمَا جَعَلْنَا ٱلرُّءْيَا ٱلَّتِىٓ أَرَيْنَٰكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾ قَالَ: هِيَ رُؤْيَا عَيْنٍ أُرِيهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ، قَالَ: ﴿وَٱلشَّجَرَةَ ٱلْمَلْعُونَةَ فِى ٱلْقُرْءَانِ﴾ [الإسراء: ٦٠] قَالَ: هِيَ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ. [راجع: ٣٨٨٨]

[6613] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے درج ذیل آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: ”وہ منظر جو ہم نے آپ کو دکھایا ہے اسے ہم نے لوگوں کے لیے باعث آزمائش بنایا ہے۔“ انھوں نے فرمایا: اس سے مراد آنکھ سے دیکھنا ہے جو رسول اللہ ﷺ کو معراج کی رات دکھایا گیا جب آپ کو بیت المقدس تک رات کے وقت سیر کرائی گئی۔ نیز فرمایا: قرآن مجید میں ﴿وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ﴾ سے مراد زقوم کا درخت ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں واقعۂ معراج کی طرف اشارہ ہے۔ یہ ایک خرق عادت واقعہ اور معجزہ تھا لیکن اس کا بہت مذاق اڑایا گیا، پھر جن کافروں نے بیت المقدس دیکھا تھا انھوں نے نبی ﷺ سے سوالات پوچھنا شروع کر دیے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے تمام پردے دور کر دیے اور آپ نے انھیں تمام سوالات کا جواب دیا۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ

---

1 الأنبياء 21:95.

حسی معجزے کے طلب گار کافر ایمان لے آتے لیکن کاتب ازلی نے ان کے لیے کفر ہی مقدر کیا تھا، اس لیے وہ پہلے سے بھی زیادہ سرکشی کی راہ اختیار کرنے لگے۔ ② واقعۂ معراج کی طرح تھوہر کے درخت کا آگ میں پیدا ہونا بھی ان کے لیے فتنہ بن گیا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ آگ تو لکڑی کو جلا دیتی ہے، اس لیے درخت کا آگ میں پیدا ہونا کیسے ممکن ہے۔ اس درخت کو ملعون اس لیے کہا گیا کہ اس میں غذائیت نام کی کوئی چیز نہیں بلکہ اس کے کانٹے بڑے سخت اور تیز ہوتے ہیں جو اہل دوزخ کی اذیت و تکلیف میں مزید اضافے کا باعث ہوں گے۔ ③ واقعۂ معراج کے فتنہ بننے سے یہ بات از خود ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ سفر جسمانی تھا، روحانی یا کشفی نہیں تھا کیونکہ خواب میں تو ہر انسان ایسے یا اس سے بھی عجیب تر واقعات دیکھ سکتا ہے لیکن کبھی کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ دراصل کفار مکہ نے واقعۂ معراج اور زقوم کی پیدائش کو عقل کے پیمانے سے ناپنے کی کوشش کی جو دراصل اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا انکار ہے۔ اسی طرح تقدیر کے معاملات کو عقل سے پرکھنا بھی گمراہی اور ضلالت ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی تقدیر میں یہ بات لکھ دی تھی کہ انھوں نے واقعۂ معراج کو خواہ مخواہ جھٹلانا ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ واللہ أعلم.

(١١) بَابٌ: تَحَاجَّ آدَمُ وَمُوسَى عِنْدَ اللهِ

باب: 11- اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضرت آدم اور موسیٰ ؑ کا مباحثہ کرنا

٦٦١٤ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَفِظْنَاهُ مِنْ عَمْرٍو عَنْ طَاوُسٍ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «احْتَجَّ آدَمُ وَمُوسَى، فَقَالَ لَهُ مُوسَى: يَا آدَمُ! أَنْتَ أَبُونَا خَيَّبْتَنَا وَأَخْرَجْتَنَا مِنَ الْجَنَّةِ، قَالَ لَهُ آدَمُ: يَا مُوسَى! اصْطَفَاكَ اللهُ بِكَلَامِهِ، وَخَطَّ لَكَ بِيَدِهِ، أَتَلُومُنِي عَلَى أَمْرٍ قَدَّرَ اللهُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَنِي بِأَرْبَعِينَ سَنَةً؟ فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى، فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى»، ثَلَاثًا. [راجع: ٣٤٠٩]

[6614] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”حضرت آدم اور موسیٰ ؑ نے مباحثہ کیا۔ موسیٰ ؑ نے آدم ؑ سے کہا: اے آدم! آپ ہمارے باپ ہیں، آپ ہی نے ہمیں محرومی سے دوچار کیا اور جنت سے باہر نکال پھینکا۔ آدم ؑ نے موسیٰ ؑ سے کہا: اے موسیٰ اللہ تعالیٰ نے تجھے ہم کلامی کے ساتھ برگزیدہ کیا اور اپنے ہاتھ سے تیرے لیے (تورات کو) لکھا، کیا تم مجھے ایک ایسے کام پر ملامت کرتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کرنے سے چالیس سال پہلے میری تقدیر میں لکھ دیا تھا؟ آخر آدم ؑ اس مباحثے میں موسیٰ ؑ پر غالب آ گئے۔“ آپ نے یہ جملہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔

وَقَالَ سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَهُ.

سفیان نے کہا: ہم سے ابو زناد نے بیان کیا اعرج سے، انھوں نے ابو ہریرہ ؓ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے اس

جیسی حدیث بیان کی۔

فوائد و مسائل: ① صحیح مسلم میں یہ مباحثہ تفصیل سے بیان ہوا ہے جس میں حضرت آدم اور حضرت موسیٰ ؑ کے فضائل کا ذکر ہے، اس روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آدم ؑ نے حضرت موسیٰ ؑ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے کتنا عرصہ پہلے تورات لکھی تھی؟ موسیٰ ؑ نے کہا: چالیس سال پہلے۔ حضرت آدم ؑ نے فرمایا: کیا تمھیں اس میں یہ لکھا ہوا ملا تھا: آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو وہ بہک گیا؟ انھوں نے کہا: جی ہاں۔ حضرت آدم ؑ نے فرمایا: ''پھر تم مجھے اسی بات پر ملامت کیوں کرتے ہو جس کا کرنا اللہ تعالیٰ نے میری قسمت میں میری پیدائش سے بھی چالیس سال پہلے لکھ دیا تھا۔''[1] ② اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا کرنے سے پہلے حضرت آدم ؑ کو پیدا کرنے، فرشتوں سے سجدہ کرانے، جنت میں ٹھہرانے اور ایک درخت کے پاس جانے سے منع کرنے، پھر اس کے کھانے اور اس کی پاداش میں جنت سے نکل جانے کا واقعہ تقدیر میں لکھا تھا۔ اس کے جواب میں حضرت آدم ؑ صرف گریہ وزاری کرتے رہے، اس کے علاوہ ایک حرف تک منہ سے نہیں نکالا۔ کلمات استغفار بھی اس وقت کہنے کی جرأت کی جب پروردگار ہی کی طرف سے ان کا القاء کیا گیا۔ یہ صرف خالق کا حق ہے کہ وہ مخلوق سے کسی معاملے کے متعلق باز پرس کرے۔ ③ ممکن تھا کہ کسی کے دل میں یہ خیال آئے کہ شاید حضرت آدم ؑ کے دل میں اس وقت جواب نہ آ سکا ہوگا، اس عقدہ کے حل کے لیے اللہ تعالیٰ نے عالم غیب میں ایک محفل مکالمہ مرتب فرمائی، حضرت آدم ؑ سے گفتگو کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ؑ کے ایک ایسے فرزند کا انتخاب کیا جو فطرتاً تیز مزاج اور نازوں میں پلے ہوئے تھے تاکہ ان سے گفتگو کی ابتدا کر سکیں اور ان کے سامنے سوال و جواب کا یہی موضوع رکھ دیا۔ بہرحال حضرت آدم ؑ نے ایسا جواب دیا جس سے موسیٰ ؑ کو خاموش ہونا پڑا مگر یہاں معاملہ مخلوق کا مخلوق کے سامنے تھا لیکن جب یہی معاملہ خالق کے سامنے پیش آیا تو آدم ؑ کے پاس گریہ وزاری کرنے (رونے پیٹنے) کے علاوہ اور کوئی جواب نہ تھا۔ ④ مصیبت میں تقدیر کا ذکر کرنا رضا بالقضاء کی علامت ہے لیکن گناہ اور معصیت پر تقدیر کا بہانہ پیش کرنا انتہائی جسارت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تقدیر، یعنی اللہ تعالیٰ کا ازلی اور ابدی علم عین برحق ہے کہیں بھی اس سے ذرہ برابر کچھ مختلف نہیں ہوسکتا، مگر یہ علم بندوں کو مجبور نہیں کرتا۔ انسانوں کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے آئندہ کے امور میں تقدیر کو بطور بہانہ یا عذر پیش کریں کیونکہ ہر شخص کو صحیح راہ اختیار کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کا مکلف ٹھہرایا گیا ہے لیکن اگر گناہ ہو جائے تو تقدیر کا بیان بطور عذر مباح ہے۔ واللّٰه أعلم.

(١٢) بَابٌ: لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَى اللهُ

باب: 12- جو چیز اللہ دینا چاہے اسے کوئی روک نہیں سکتا

٦٦١٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ: حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ أَبِي لُبَابَةَ عَنْ وَرَّادٍ مَوْلَى

[6615] حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ کے آزاد کردہ غلام وراد سے روایت ہے کہ حضرت امیر معاویہ ؓ نے حضرت

[1] صحيح مسلم، القدر، حديث: 6744 (2652).

الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ: كَتَبَ مُعَاوِيَةُ إِلَى الْمُغِيرَةِ: اكْتُبْ إِلَيَّ مَا سَمِعْتَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ خَلْفَ الصَّلَاةِ. فَأَمْلَى عَلَيَّ الْمُغِيرَةُ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ خَلْفَ الصَّلَاةِ: «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ».

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ مجھے نبی ﷺ کی وہ دعا لکھ بھیجو جو تم نے آپ ﷺ کو نماز کے بعد کرتے سنی ہو، چنانچہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے مجھے لکھنے کا حکم دیا اور کہا: میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے، آپ ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے: ''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اے اللہ! جو تو دینا چاہے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو تو روکنا چاہے اسے کوئی دینے والا نہیں اور تیرے حضور کسی دولت مند کی دولت کچھ کام نہیں آ سکتی۔''

وَقَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: أَخْبَرَنِي عَبْدَةُ أَنَّ وَرَّادًا أَخْبَرَهُ بِهٰذَا، ثُمَّ وَفَدْتُ بَعْدُ إِلَى مُعَاوِيَةَ فَسَمِعْتُهُ يَأْمُرُ النَّاسَ بِذٰلِكَ الْقَوْلِ. [راجع: ٨٤٤]

ابن جریج نے کہا: مجھے عبدہ نے خبر دی اور انھیں وراد نے بتایا، پھر اس کے بعد میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو میں نے سنا کہ وہ لوگوں کو یہ دعا پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ ان کلمات کو نماز کے بعد پڑھنے کا اہتمام کیا کرتے تھے کیونکہ ان میں کمال توحید اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی وسعت کا ذکر ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو تقدیر پر ایمان لانے کے اثرات کو بیان کرنے کے لیے روایت کیا ہے کہ اس سے مومن کا عقیدہ راسخ اور پختہ ہو جاتا ہے کہ عطا کرنے یا روک لینے کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اگر اللہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو اس کے سوا کوئی اسے دور نہیں کر سکتا اور اگر وہ آپ سے کوئی بھلائی کرنا چاہے تو کوئی اسے ٹالنے والا نہیں۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے، اس سے نوازتا ہے۔''[1] ② راسخ اور پختہ عقیدے کے نتیجے میں خودداری، جرأت مندی اور دلیری پیدا ہوتی ہے۔ جس شخص کا عقیدہ یہ ہو کہ تمام چیزیں تقدیر الٰہی سے ہیں اسے پچھلی باتوں پر رنج اور مستقبل کا فکر دامن گیر نہیں ہوتا۔ واللہ المستعان.

(١٣) بَابُ مَنْ تَعَوَّذَ بِاللهِ مِنْ دَرَكِ الشَّقَاءِ وَسُوءِ الْقَضَاءِ

باب: 13- جس نے بدبختی اور بری قضا سے اللہ کی پناہ مانگی

وَقَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِن شَرِّ مَا خَلَقَ﴾ [الفلق: ١، ٢]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''کہہ دیجیے! میں صبح کے رب کی پناہ طلب کرتا ہوں ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا

① یونس 10:107.

کی۔"

٦٦١٦ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «تَعَوَّذُوا بِاللهِ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ، وَدَرَكِ الشَّقَاءِ، وَسُوءِ الْقَضَاءِ، وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ». [راجع: ٦٣٤٧]

[6616] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: "مصیبت کی شدت، بدبختی سے، برے خاتمے اور دشمن کی خوشی سے اللہ کی پناہ مانگا کرو۔"

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ سخت مصیبت، بدبختی لاحق ہونے، بری تقدیر اور دشمنوں کی خوشی سے پناہ مانگا کرتے تھے۔[1] تقدیر کا اچھا یا برا ہونا مخلوق کے اعتبار سے ہے کیونکہ خالق کا ہر کام خیر و برکت پر مبنی ہوتا ہے۔ ② حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ امام بخاری ؒ نے اس عنوان پر پیش کردہ آیات سے اس شخص کی تردید کی جو دعویٰ کرتا ہے کہ انسان اپنے فعل کا خود خالق ہے کیونکہ اگر برا کام انسان نے خود پیدا کیا ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ کے ذریعے سے پناہ مانگنے کا کیا فائدہ ہے۔[2] والله أعلم. اس حدیث کی تشریح حدیث: 6347 کے فوائد میں گزر چکی ہے، اسے ایک نظر دیکھ لیا جائے۔

(١٤) بَابٌ: ﴿يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِۦ﴾

باب: 14- اللہ بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے

وضاحت: آیت کے اس حصے کو سمجھنے کے لیے پوری آیت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے جو حسب ذیل ہے: "اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو جبکہ رسول تمھیں ایسی چیز کی طرف بلائے جو تمھارے لیے زندگی بخش ہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔"[3] اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانی دل کے اتنا قریب ہے کہ وہ راز، ارادے اور نیت تک کو جانتا ہے۔ دل ہی خیر و شر کا منبع ہے، لہٰذا مسلمان کو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں دیر نہیں کرنی چاہیے ورنہ ممکن ہے کہ بعد میں کوئی اور خیال پیدا ہو جائے اور انسان، اللہ تعالیٰ کی بات ماننے کی بجائے دوسری طرف پھر جائے، اللہ تعالیٰ کا قانون بھی یہ ہے کہ انسان جیسا ارادہ یا نیت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو اسی طرح کی راہیں سمجھا دیتا ہے، اس بنا پر دل کو حتی الامکان شیطانی وسوسوں کی آماجگاہ بننے سے بچانا چاہیے اور اس کی واحد صورت یہ ہے کہ بلا تاخیر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی جائے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے: "اے دلوں کے پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔"[4] امام بخاری ؒ کی پیش کردہ حدیث اس امر کی مزید وضاحت کرتی ہے۔

1 صحيح البخاري، الدعوات، حديث: 6347. 2 فتح الباري: 625/11. 3 الأنفال 8:24. 4 سنن ابن ماجه، السنة، حديث: 199.

٦٦١٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كَثِيرًا مَّا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَحْلِفُ: «لَا، وَمُقَلِّبِ الْقُلُوبِ». [انظر: ٦٦٢٨، ٧٣٩١]

[6617] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ اکثر طور پر یوں قسم اٹھایا کرتے تھے: ''نہیں، نہیں، دلوں کو پھیرنے والے کی قسم!''

فوائد ومسائل: ① مقلب القلوب کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندے کے دل کو ایمان سے کفر اختیار کرنے کی طرف اور کفر سے ایمان اختیار کرنے کی طرف پھیرنے والا ہے، یعنی ایک مومن کو کافر بنانے اور کافر کو کفر اختیار کرانے پر قادر ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ انسان کے دل کی مثال اس پَر کی طرح ہے جو ایک چٹیل میدان میں پڑا ہو اور تیز وتند ہوائیں اس کو کبھی سیدھا اور کبھی الٹا کر رہی ہوں۔[1] ایک وسیع جنگل میں تیز وتند ہوا اور ایک ذرا سے پَر کا بھلا کیا مقابلہ ہے۔ ② امام بخاری ؒ نے آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کا بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہونے کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اس سے مراد دل کے ارادوں کو پھیرنا ہے، چنانچہ اس کی وضاحت ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمام انسانوں کے دل رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے ان کو پھیر دیتا ہے۔'' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ میں دعا فرمائی: ''اے دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی فرمانبرداری پر جھکائے رکھنا۔''[2] ③ حق تعالیٰ کی علی الاطلاق قدرت اور بندوں کی انتہائی بے چارگی کا نقشہ اس سے زیادہ مؤثر اور مختصر انداز میں ادا نہیں کیا جا سکتا۔ صحابۂ کرام ؓ نے جب رسول اللہ ﷺ کی مذکورہ دعا سنی تو عرض کرنے لگے کہ جب ہم آپ پر ایمان لا چکے ہیں تو کیا آپ کو ہمارے متعلق اب بھی کوئی خطرہ باقی ہے تو آپ نے وہی الفاظ بیان فرمائے جو پہلی حدیث میں بیان ہو چکے ہیں۔[3] اس کا مطلب یہ ہے کہ مقام صحابیت پر فائز ہو جانے کے بعد بھی کوئی شخص قضا وقدر کے قاہرانہ تصرف سے بے خوف نہیں ہو سکتا۔ شان بندگی اسی میں ہے کہ کسی بلند سے بلند مقام پر پہنچ جانے کے بعد بھی مختار کل کے اختیارات سے انسان ڈرتا رہے۔ اس سے یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ صحابۂ کرام ؓ جو بڑی حد تک ان خطرات سے محفوظ تھے، جب ان کے متعلق بارگاہ نبوت سے یہ جواب ملا تو پھر ہم جیسے کمزور و ناتواں لوگوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ واللہ المستعان.

٦٦١٨ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حَفْصٍ وَبِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِابْنِ صَيَّادٍ: «خَبَأْتُ لَكَ خَبِيئًا»، قَالَ: الدُّخُّ، قَالَ:

[6618] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے ابن صیاد سے فرمایا: ''میں نے تیرے لیے ایک بات اپنے دل میں چھپا رکھی ہے (بتا وہ کیا ہے؟'') اس نے کہا: وہ درخ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بدبخت، دور ہو جا! تو اپنی حیثیت سے ہرگز آگے نہیں بڑھ

---

① مسند أحمد: 419/4. ② مسند أحمد: 251/6. ③ جامع الترمذي، القدر، حديث: 2140.

«اخْسَأْ فَلَنْ تَعْدُوَ قَدْرَكَ»، قَالَ عُمَرُ: ائْذَنْ لِي فَأَضْرِبَ عُنُقَهُ، قَالَ: «دَعْهُ، إِنْ يَكُنْهُ فَلَا تُطِيقُهُ، وَإِنْ لَّمْ يَكُنْهُ فَلَا خَيْرَ لَكَ فِي قَتْلِهِ». [راجع: ١٣٥٤]

سکے گا۔'' حضرت عمر ؓ نے عرض کی: آپ مجھے اجازت دیں، میں اس کی گردن اڑاؤں۔ آپ نے فرمایا: ''اسے چھوڑ دو، اگر یہ وہی ہے تو تم اسے قتل نہیں کر سکتے اور اگر یہ وہ نہیں تو اس کے قتل کرنے میں تمھیں کوئی فائدہ نہیں۔''

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ اگر یہ وہی دجال ہے جس کا خروج اور لوگوں کو گمراہ کرنا، اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے تو تمھارا خالق و مالک تمھیں اسے قتل کرنے کی قدرت نہیں دے گا بلکہ درمیان میں حائل ہو جائے گا۔ اگر تجھے اسے قتل کرنے کی قدرت دے دے تو اللہ تعالیٰ کے علم میں نقص آئے گا جو محال ہے۔ مقصد یہ ہے کہ تقدیر کا فیصلہ قطعی اور اٹل ہے۔ اگر کہیں کسی کے لیے ٹل سکتا تو آج حضرت عمر ؓ کو یہ کہہ کر مایوس نہ کیا جاتا کہ تم اس بچے (ابن صیاد) کو قتل کر ہی نہیں سکتے۔ ② حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دنیا میں دوبارہ آنا اور تشریف لا کر دجال کو قتل کرنا تقدیر کے ان حتمی فیصلوں میں داخل ہو چکا ہے جو اٹل ہیں۔ یہاں حضرت عمر ؓ جیسے بہادر کی قوت آزمائی بھی بے کار ہے۔ یہ قدرت کے راز ہیں، اگر وہ کسی قید وشرط کو بیان کر کے اپنے فیصلے کو ٹال دیتا تو آج ہی یہ امت ان ہولناک مصائب سے نجات پا لیتی جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، مگر اس ذات بے نیاز کو اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔ ③ اس وضاحت کے بعد حضرت عمر ؓ کے دل میں یہ وسوسہ بھی پیدا نہیں ہوا کہ لاؤ، ذرا آزمائش تو کر کے دیکھوں کہ مجھ میں اس کے قتل کی طاقت ہے یا نہیں۔ بہر حال تقدیر میں جس طرح دجال کا قتل مقدر ہو چکا ہے۔ اسی طرح اس کا قاتل بھی مقدر ہو چکا ہے، یہ ناممکن ہے کہ وہ قتل تو ہو جائے مگر ہو کسی اور سبب سے، وہ یقیناً قتل ہوگا مگر اسی سبب سے جو اس کے لیے مقدر ہو چکا ہے۔ واللہ أعلم.

(١٥) بَابٌ: ﴿قُل لَّن يُصِيبَنَآ إِلَّا مَا كَتَبَ ٱللَّهُ لَنَا﴾ [التوبة: ٥١]

باب: 15- (ارشاد باری تعالیٰ:) ''آپ کہہ دیں، ہمیں صرف وہی (نقصان) پہنچے گا جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے لکھ دیا ہے'' کا بیان

قَضَى. قَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿بِفَاتِنِينَ﴾ [الصافات: ١٦٢]: بِمُضِلِّينَ إِلَّا مَنْ كَتَبَ اللهُ أَنَّهُ يَصْلَى الْجَحِيمَ. ﴿قَدَّرَ فَهَدَىٰ﴾ [الأعلى: ٣]: قَدَّرَ الشَّقَاءَ وَالسَّعَادَةَ، وَهَدَى الْأَنْعَامَ لِمَرَاتِعِهَا.

کتب کے معنی ہیں: قَضٰی، یعنی اس نے فیصلہ کیا۔ مجاہد نے کہا: ﴿بِفَاتِنِين﴾ کی تفسیر یہ ہے کہ تم کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے مگر اسے جس کی قسمت میں اللہ تعالیٰ نے دوزخ لکھ دی ہے۔ اور انھوں نے ﴿قَدَّرَ فَهَدٰى﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے کہا: جس نے نیک بختی اور شقاوت دونوں تقدیر میں لکھ دیں اور جس نے جانوروں کو ان کی چراگاہ بتائی۔

وضاحت: امام بخاری نے کَتَبَ کے معنی قضٰی کیے ہیں۔ اس تعبیر میں اشارہ ہے کہ اس دنیا میں جو حوادث، مصائب اور

قحط سالی یا خوش حالی آتی ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے متعلق جو چاہتا ہے فیصلہ کر دیتا ہے اور انھیں اچھے برے حوادث سے دوچار کرتا ہے۔ یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق اور لوح محفوظ میں لکھے ہوتے ہیں۔ واللہ أعلم.

٦٦١٩ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ: أَخْبَرَنَا النَّضْرُ: حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ أَبِي الْفُرَاتِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا سَأَلَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الطَّاعُونِ، فَقَالَ: «كَانَ عَذَابًا يَبْعَثُهُ اللهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ، فَجَعَلَهُ اللهُ رَحْمَةً لِلْمُؤْمِنِينَ، مَا مِنْ عَبْدٍ يَكُونُ فِي بَلَدٍ يَكُونُ فِيهِ وَيَمْكُثُ فِيهِ لَا يَخْرُجُ مِنَ الْبَلَدِ صَابِرًا مُحْتَسِبًا يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا يُصِيبُهُ إِلَّا مَا كَتَبَ اللهُ لَهُ إِلَّا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ شَهِيدٍ». [راجع: ٣٤٧٤]

[6619] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے طاعون کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: ''طاعون ایک عذاب تھا، اللہ جس پر چاہتا اسے نازل کرتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے حق میں اسے باعث رحمت بنا دیا ہے، لہٰذا جو شخص طاعون میں مبتلا ہو اور یہ یقین رکھتا ہو کہ جو کچھ اس کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے اس کے علاوہ اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی، پھر صبر کے ساتھ ثواب کی امید میں اسی شہر میں پڑا رہے تو اسے شہید کے برابر ثواب ملتا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① طاعون ایک پھوڑے سے شروع ہوتا ہے جو بغل یا گردن پر نکلتا ہے، اس کی وجہ سے بخار ہوتا ہے اور انسان جلدی موت کا لقمہ بن جاتا ہے۔ طاعون جیسی تکلیف دہ بیماری دنیا میں اپنے اسباب ہی سے آتی ہے لیکن اس بیماری کو رسول اللہ ﷺ کی امت کے لیے باعث رحمت بنا دیا گیا ہے جس کی چند شرائط ہیں: ٭ جب اس کے شہر میں طاعون آئے تو ڈر کر وہاں سے بھاگ نہ جائے کیونکہ ڈر کر بھاگنا اس کی پختگی اور تقدیر پر اعتماد کے خلاف ہے۔ ٭ شہر میں رہنا بھی ہو تو صابر بن کر رہے کسی کاروباری یا برادری کی مجبوری سے نہ ہو۔ ٭ وہاں رہتے ہوئے ثواب کی نیت کو شامل کر لے کیونکہ اعمال میں نیت کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ ٭ یہ عقیدہ رکھے کہ جو اللہ تعالیٰ نے میرے مقدر میں لکھ دیا ہے نہ تو اس کے خلاف ہو سکتا ہے اور نہ اس سے فرار ہی ممکن ہے۔ اگر ان شرائط کی ادائیگی کے بعد وہاں موت آ گئی تو اسے شہید کا ثواب ملے گا۔ ② بہر حال رضا بالقضاء کے عقیدے سے انسان کی زندگی پر بہت اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں، مثلاً: ☆ تقدیر پر ایمان لانے سے بندے پر مصائب آسان ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، بندۂ مومن ان مصائب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان سمجھتا ہے اور صبر کرتا ہے۔ ☆ ایمان بالقدر سے انسان ہمیشہ اپنی زندگی کے لیے نیک اعمال کی تمنا اور اچھے کردار کی جستجو کرتا ہے، اسی کو تقدیر کا فیصلہ قرار دیتا ہے، پھر وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہر وقت مصروف رہتا ہے۔ ☆ تقدیر پر ایمان کے نتیجے میں بندے سے صحیح افعال صادر ہوتے ہیں اور اچھے اوصاف پیدا ہوتے ہیں، نیز وہ راہ حق میں دین کی حمایت کے لیے خطرات مول لیتا ہے اور اس پر لوگوں کو

آمادہ کرتا ہے۔ ② ایمان بالقدر کے ذریعے سے انسان مایوسی اور ناامیدی کو اپنے قریب نہیں آنے دیتا، نیز نقصان اور پریشانی کے وقت خودکشی جیسی لعنت کو گلے نہیں لگاتا۔ ③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا اس حدیث میں مقصود یہ ہے کہ انسان کو جو تکلیف بھی پہنچتی ہے وہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کے ہاں فیصلہ شدہ ہے۔ انسان کو چاہیے کہ اس پر صبر کرے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے اجر وثواب کی امید رکھے۔[1]

(١٦) بَابٌ: ﴿وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ أَنْ هَدَىٰنَا ٱللَّهُ﴾ [الأعراف: ٤٣] ﴿لَوْ أَنَّ ٱللَّهَ هَدَىٰنِى لَكُنتُ مِنَ ٱلْمُتَّقِينَ﴾ [الزمر: ٥٧]

باب: 16- (ارشاد باری تعالیٰ:) ”اگر اللہ ہمیں یہ راہ نہ دکھاتا تو ہم کبھی یہ راہ نہ پا سکتے تھے۔“ نیز: ”اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت کی ہوتی تو میں اہل تقویٰ میں ہوتا۔“ کا بیان

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان میں دو آیات کا حوالہ دیا ہے، آپ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ”لَوْلَا“ کا استعمال اللہ تعالیٰ کے احسان و امتنان کے لیے استعمال ہو تو جائز ہے، اسی طرح حرف لَوْ اگر اپنی بدعقیدگی یا بدعملی کو سہارا دینے کے لیے استعمال کیا جائے تو محل نظر ہے جیسا کہ آیت کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ قیامت کے دن کافر کہے گا: ”افسوس! میری اس کوتاہی پر جو میں اللہ کے حق میں کرتا رہا اور بلاشبہ میں تو مذاق اڑانے والوں میں سے تھا یا یوں کہے: اگر اللہ مجھے ہدایت دیتا تو میں اہل تقویٰ میں سے ہوتا۔“[2] مگر اس حسرت کا کچھ فائدہ نہ ہوگا کیونکہ عمل کا وقت گزر چکا ہوگا۔ بہرحال تقدیر کے باب میں لَوْ کا استعمال انتہائی محل نظر ہے جیسا کہ ہم آئندہ اس کی وضاحت کریں گے۔

٦٦٢٠ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ - هُوَ ابْنُ حَازِمٍ - عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ ابْنِ عَازِبٍ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَوْمَ الْخَنْدَقِ يَنْقُلُ مَعَنَا التُّرَابَ، وَهُوَ يَقُولُ:

«وَاللهِ لَوْلَا اللهُ مَا اهْتَدَيْنَا
وَلَا صُمْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَأَنْزِلَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا
وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا
وَالْمُشْرِكُونَ قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا

[6620] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے غزوۂ خندق کے دن نبی ﷺ کو دیکھا، آپ ہمارے ساتھ مٹی اٹھا رہے تھے اور فرما رہے تھے:

”اللہ کی قسم! اگر اللہ نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پا سکتے
نہ روزہ رکھ سکتے اور نہ نماز پڑھ سکتے
اے اللہ! ہم پر سکینت نازل فرما
اگر ہم دشمن سے لڑیں تو ہمیں ثابت قدم رکھ
مشرکین نے ہم پر زیادتی کی ہے

[1] فتح الباري: 627/11. [2] الزمر 39: 56، 57.

إِذَا أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا». جس وقت انھوں نے فتنے کا ارادہ کیا تو ہم نے انکار کر دیا۔"

[راجع: ٢٨٣٦]

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں "لَوْلَا" کا استعمال اللہ تعالیٰ کے احسان کے طور پر استعمال ہوا ہے، ایسا جائز ہے اور قرآن کریم میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں، البتہ اپنے عجز کو ظاہر کرنے کے لیے یا تقدیر پر تدبیر کو حاکم بنانے کے لیے "لَوْ" کا استعمال شرعاً جائز نہیں جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے: "جو چیز تجھے نفع دے اس کے لیے حریص بنو، اس کے حصول کے لیے اللہ سے مدد طلب کرو اور عاجزی اختیار نہ کرو۔ اور اگر کبھی کوئی نقصان ہو جائے تو اس طرح نہ کہنا: اگر میں ایسا کرتا تو ایسا ہو جاتا بلکہ یوں کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح مقدر فرما دیا تھا، لہٰذا جیسا اس نے چاہا تھا اسی کے موافق ہو گیا کیونکہ اس "اگر" کے کلمے سے شیطانی عمل کا دروازہ کھلتا ہے۔"[1] ② اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو انسان نفع اور فائدہ دینے والے اعمال میں حریص نہیں وہ عاجز انسان ہے۔ انسان کا کمال عجز اختیار کرنے میں نہیں بلکہ کامیابی کے لیے سرتوڑ کوشش کرنے میں ہے اور یہ عقیدہ رکھ کر جدوجہد کی جائے کہ ہمارے مقدر میں جو لکھا جا چکا ہے یہ اس کے لیے ہے، یعنی تدبیر کرنا ضروری ہے لیکن اسے حاکم بنا کر نہیں بلکہ تقدیر کا محکوم بنا کر کوشش کی جائے۔ اب اگر تدبیر کارگر نہ ہوئی اور اسباب اختیار کر لینے کے بعد مقصد پورا نہ ہو سکا تو یہ کہنا شروع کر دیا جائے، اگر میں یوں کرتا تو کامیاب ہو جاتا۔ یہ بھی دراصل تقدیر کو تدبیر کا محکوم بنانے کے مترادف ہے، اس لیے یہ مومن بندے کی شان نہیں بلکہ یہ شیطان کی حرکت ہے کیونکہ اب اگر، مگر کہنے سے سوائے ندامت، پشیمانی اور افسوس کے کچھ حاصل نہیں ہوگا، جو مقدر تھا وہ تو ہو چکا، لہٰذا اب اگر مگر کے دروازے کو کھولنے کا فائدہ؟ ہاں جدوجہد کے بعد بھی اگر مقصد حاصل نہ ہو تو اب اسے قضائے الٰہی کے حوالے کر دینا یہ مومن کی شان ہے اور یہ اس کے لیے باعث تسلی بھی ہے، لہٰذا نتیجہ ظاہر ہونے سے پہلے تدبیر سے غفلت کا نام عجز ہے، اسے تقدیر پر اعتماد کا نام نہیں دیا جا سکتا اور نتائج کے خلاف ہونے کی صورت میں اپنی تدبیر کی کمزوری کو یاد کرنا شیطانی عمل ہے اور اسے تقدیر الٰہی کے حوالے کر دینا مومن کی شان ہے۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ قضا و قدر اپنی جگہ پر ہے اور کسب و اختیار اپنی جگہ پر لیکن شان مومن یہ ہے کہ کامیابی ہو یا ناکامی دونوں حالتوں میں وہ اپنی بندگی اور عبودیت کو قائم رکھے اور شیطان کو در آنے (گھسنے اور داخل ہونے) کا موقع نہ دے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اپنے معاملات کے لیے پوری جدوجہد کرے، پھر اگر نتیجہ موافق برآمد ہو تو اس پر اترائے نہیں اور اگر خلاف ہو جائے تو اس پر بے صبری کا مظاہرہ نہ کرے۔ قرآن کریم کی درج ذیل آیت میں بھی یہی سبق دیا گیا ہے: "تاکہ اس پر غم نہ کھاؤ جو تمھیں حاصل نہ ہو سکا اور اس پر اتراؤ نہیں جو تمھیں عطا فرمایا۔"[2]

① صحیح مسلم، القدر، حدیث: 6774 (2664). ② الحدید 57:23.

أیمان اور نذور کے معنی ومفہوم اور ان کی اقسام

أَیمان، یَمِین کی جمع ہے۔لغوی طور پر دائیں ہاتھ کو یمین کہا جاتا ہے۔اس لفظ کو قسم کے لیے استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ اہل عرب جب کسی معاملے میں باہم حلفیہ معاہدہ کرتے تو ہر شخص اپنے ساتھی کا دایاں ہاتھ پکڑتا اور قسم کھا کر پختہ وعدہ کرتا، اس بنا پر یمین کا لفظ قسم پر بولا جانے لگا۔اس کی دوسری توجیہ اس طرح بیان کی گئی ہے کہ دایاں ہاتھ طاقت کے لحاظ سے جسے پکڑے وہ دوسروں کی دست وبرد سے محفوظ ہوجاتا ہے۔اس مناسبت سے یمین کا اطلاق قسم پر ہونے لگا کہ جس چیز کے متعلق قسم کھائی جائے وہ چیز بھی محفوظ ہوجاتی ہے۔اسی طرح نذور، نذر کی جمع ہے۔لغوی طور پر ذمے داری کو نذر کہا جاتا ہے۔چونکہ انسان خود پر اس کے ذریعے سے ایک غیر واجب چیز کو اپنے ذمے لے لیتا ہے، اس لیے اسے نذر کا نام دیا جاتا ہے، وہ ذمے داری عبادت یا صدقہ یا کسی دوسری چیز کے متعلق ہوتی ہے۔چونکہ احکام اور نتیجے کے اعتبار سے قسم اور نذر ایک ہی چیز کے دو نام ہیں، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے ان دونوں کو ایک عنوان میں بیان کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے نذر کا کفارہ وہی بتایا ہے جو قسم کا ہے، فرمان نبوی ہے: ''نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔''[1]

کسی بات کو مضبوط کرنے اور اس میں زور پیدا کرنے کے لیے قسم کھائی جاتی ہے۔شریعت نے اسے مشروع قرار دیا ہے۔اگر کسی اچھے کام کے لیے قسم کھائی گئی ہو تو شریعت نے اسے پورا کرنے کی تاکید کی ہے اور اگر کسی برے یا گناہ کے کام کی قسم اٹھائی ہے تو اسے پورا نہ کرنے اور قسم توڑ دینے پر زور دیا ہے اور اس جرم کی پاداش میں کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔اگر کوئی شخص کسی مقصد کے بغیر قسم اٹھاتا ہے تو شریعت نے اسے ناپسند کیا ہے کیونکہ اس انداز سے قسم اٹھانے سے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی توہین ہوتی ہے، اس کے علاوہ قسم اٹھانے والا لوگوں کی نگاہوں میں بھی گر جاتا ہے۔ فقہائے اسلام نے قسم کی درج ذیل تین قسموں کی نشاندہی کی ہے: ○ یمین غموس، یعنی جھوٹی قسم، کسی واقعہ کے متعلق جانتے ہوئے کہہ دینا اور قسم اٹھانا کہ ایسا نہیں ہے۔اس قسم کی جھوٹی قسم کبھی تو ذاتی فائدے کے لیے کھائی جاتی ہے اور کبھی دوسرے کا حق مارنے کے لیے۔بعض لوگ عادت کے طور پر جھوٹی قسم اٹھاتے ہیں۔اس طرح کی تمام قسمیں شریعت کی نظر میں کبیرہ گناہ ہیں، بلکہ قرآن کریم نے جھوٹی قسم کا تعلق نفاق سے جوڑا ہے، اس بنا پر جھوٹی قسم بہت بڑا گناہ اور قابل ملامت فعل ہے۔ ○ یمین لغو: بے کار اور بے مقصد قسم، قرآن کریم نے صراحت کی ہے کہ لغو قسم پر مؤاخذہ

---

[1] مسند أحمد: 144/4.

نہیں ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ تعالیٰ تمھاری لغو قسموں پر تمھاری گرفت نہیں کرے گا لیکن جو قسمیں تم سچے دل سے کھاتے ہو ان پر ضرور مؤاخذہ کرے گا۔''[1] اہل عرب میں بات بات پر قسمیں کھانے کا عام رواج تھا اور ان میں سے زیادہ تر قسمیں یا تو محض تکیۂ کلام کے طور پر ہوا کرتی تھیں یا پھر کلام میں حسن پیدا کرنے کے لیے اسے استعمال کیا جاتا تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پہلی قسم کو بیان کیا ہے کہ آدمی عام بات چیت میں جو لا واللہ اور بلٰی واللہ کہہ دیتا ہے وہ یمین لغو ہے جس پر مؤاخذہ نہیں ہوگا۔[2] ○ یمین منعقدہ: اس سے مراد وہ قسم ہے جو آدمی کسی کام کے آئندہ کرنے یا نہ کرنے کے متعلق کھاتا ہے۔ اس قسم کا حکم یہ ہے کہ جس کام کے کرنے کی اس نے قسم کھائی ہے وہ کام جب نہ کرے گا یا جس کام کے نہ کرنے کی قسم کھائی ہے وہ کرے گا تو اسے کفارہ دینا پڑے گا جس کا ذکر امام بخاری رحمہ اللہ ایک مستقل عنوان کے تحت کریں گے۔ حلف کی اس قسم میں قصد و ارادے کا پایا جانا ضروری ہے کیونکہ قرآن کریم نے اس کے لیے عَقَّدْتُّمُ الْأَيْمَانَ اور كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ کے الفاظ استعمال کیے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک دل کا ارادہ اور نیت شامل نہ ہو قسم نہ ہوگی۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے قسم اور نذر کے احکام و مسائل بیان کرنے کے لیے ستاسی (87) مرفوع احادیث کا انتخاب کیا ہے جن میں اٹھارہ (18) احادیث نذر سے متعلق ہیں، ان پر تقریباً (33) تینتیس چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کیے ہیں جن میں تیئیس (23) قسم کے بارے میں اور دس (10) عنوان نذر سے متعلق ہیں۔ چیدہ چیدہ حسب ذیل ہیں: رسول اللہ ﷺ کی قسم کس انداز سے ہوتی تھی؟ اپنے باپ دادا کی قسم نہ اٹھائی جائے۔ لات و عزیٰ اور دیگر طواغیت کے نام کی قسم نہ اٹھائی جائے۔ اگر بھول کر قسم کے منافی کام کر لیا جائے تو کیا حکم ہے؟ یمین غموس کا کیا حکم ہے؟ قسم میں نیت کا اعتبار ہوتا ہے۔

اسی طرح نذر کے متعلق جستہ جستہ عنوانات حسب ذیل ہیں: نذر کے طور پر اپنا مال ہدیہ کر دینا، نذر کے اعتبار سے کسی چیز کو خود پر حرام کر لینا، نذر کو پورا کرنے کی اہمیت، نذر کو پورا نہ کرنے کا گناہ، نذر اچھے کاموں میں ہونی چاہیے۔ اگر مرنے والے کے ذمے کوئی نذر ہو تو کیا کیا جائے؟ ایسی چیز کی نذر ماننا جس کا وہ مالک نہیں یا کسی گناہ کی نذر ماننا۔

اس طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے قسم اور نذر کے متعلق بے شمار احکام ذکر کیے ہیں جن کی ہم آئندہ تفصیل بیان کریں گے۔ بہر حال قسم کے متعلق درج ذیل امور کا خیال رکھنا چاہیے: ○ قسم ہمیشہ اچھے امر کے متعلق کھائی جائے۔ قسم کھانے کے بعد قسم کی حفاظت کرنی چاہیے۔ ○ تکیۂ کلام کے طور پر قسم اٹھانے سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ اس سے اعتماد مجروح ہوتا ہے۔ ○ جب قسم کھانی ہو تو صرف اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھائی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری کسی چیز کی قسم

---

① المآئدة 5:89. ② صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4613.

اٹھانا کفر یا شرک ہے۔ ○ جھوٹی قسم نہ اٹھائی جائے کیونکہ ایسا کرنا کبیرہ گناہ اور جہنم میں جانے کا موجب ہے۔ ○ جو شخص کسی کام کرنے کی قسم اٹھائے، پھر ان شاء اللہ کہہ دے تو کام نہ کرنے پر کوئی گناہ نہیں ہوگا اور نہ کفارہ ہی دینا پڑے گا۔ ○ قسم میں قسم دلانے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ ○ اگر کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم اٹھالی جائے پھر اس کے کرنے یا نہ کرنے میں بہتری ہو تو بہتر چیز کا لحاظ کرتے ہوئے اپنی قسم کو توڑ دیا جائے اور کفارہ دیا جائے۔

اسی طرح نذر کے سلسلے میں درج ذیل باتوں کا خیال رکھا جائے: ○ نذر ایسے عہد کو کہا جاتا ہے جو خود انسان اپنے اوپر واجب قرار دے لیتا ہے، لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ کسی اچھے عہد کو اپنے اوپر واجب کرے، اسے نذر طاعت کہتے ہیں۔ اس کی تین قسمیں ہیں: ○ واجبات کی ادائیگی، مثلاً: نماز پنجگانہ، صوم رمضان اور بیت اللہ کا حج کرنا۔ ○ واجبات کے علاوہ دیگر عبادات کی نذر، مثلاً: صدقہ کرنا یا اعتکاف بیٹھنا۔ ○ عبادات کے علاوہ دیگر قربات کی نذر، مثلاً: تیمار داری اور فقراء کی خبر گیری کرنا۔ نذر کی ایک قسم نذر معصیت بھی ہے۔ وہ ایسا عہد ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہے، مثلاً: شراب نوشی، سود خوری اور رشوت ستانی۔ اس قسم کی نذر کو ترک کرنا ضروری ہے بلکہ شریعت نے ایسی نذر سے منع کیا ہے اور اس قسم کی نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس قسم کے متعدد احکام ومسائل بیان کیے ہیں۔ قارئین کرام ہماری مذکورہ گزارشات کو پیش نظر رکھتے ہوئے پیش کردہ احادیث کا مطالعہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اچھے کام کرنے اور برے کاموں سے بچنے کی توفیق دے۔ آمین.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

83- كِتَابُ الْأَيْمَانِ وَالنُّذُورِ

قسموں اور نذروں سے متعلق احکام ومسائل

(١) [بَابُ] قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَٰنِكُمْ﴾ اَلْآيَةَ [المائدة: ٨٩]

باب:1- ارشاد باری تعالیٰ: ''اللہ تعالیٰ تمھاری لغو قسموں پر تمھاری گرفت نہیں کرے گا'' کا بیان

وضاحت: لغو قسموں سے مراد ایسی قسمیں ہیں جو انسان تکیۂ کلام کے طور پر اٹھاتا ہے، جیسے لا واللہ اور بلی واللہ۔ ایسی قسموں پر اللہ تعالیٰ مؤاخذہ نہیں فرمائے گا اور ان پر کوئی کفارہ نہیں ہے، البتہ جو قسم دل کے ارادے سے اٹھائی جائے اس کی دو قسمیں ہیں: ○ جو قسم کسی درست بات پر اٹھائی جائے اور اس کا تعلق مستقبل سے ہو تو اسے قسم کے مطابق پورا بھی کر دیا جائے تو ایسی قسم پر کفارے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ○ وہ قسم جس کا تعلق مستقبل سے ہے اور جس کام پر قسم اٹھائی گئی ہے وہ شرعاً ممنوع ہے تو ایسی قسم کو توڑ کر اس کا کفارہ ادا کر دیا جائے۔ ایک قسم ایسی بھی ہے کہ جس کام پر قسم اٹھائی گئی وہ ممنوع تو نہ تھا مگر اس کام پر قسم نہ اٹھانا ہی بہتر تھا جیسا کہ خود رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ شہد نہ پینے پر قسم اٹھائی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہ فرمائی، ایسی قسم کو بھی توڑ کر اس کا کفارہ ادا کر دینا چاہیے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد قسم کے احکام بیان کرنا ہے جس کی تفصیل آئندہ پیش کردہ احادیث میں ذکر ہوگی۔

٦٦٢١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ لَمْ يَكُنْ يَحْنَثُ فِي يَمِينٍ قَطُّ حَتَّى أَنْزَلَ اللهُ كَفَّارَةَ الْيَمِينِ، وَقَالَ: لَا أَحْلِفُ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَيْتُ غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَّكَفَّرْتُ عَنْ يَّمِينِي. [راجع: ٤٦١٤]

[6621] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کبھی قسم نہیں توڑتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قسم کا کفارہ نازل فرمایا۔ اس وقت وہ کہنے لگے: اب اگر میں کوئی قسم کھاؤں گا، پھر اس کے خلاف کو اچھا اور بہتر سمجھوں گا تو میں اچھا اور بہتر کام کروں گا اور اپنی قسم کا کفارہ دے دوں گا۔

فوائد و مسائل: ① ایک روایت کے مطابق اس حدیث کا آغاز اس طرح ہے، سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ لغو قسموں سے مراد ایسی قسمیں ہیں جو انسان تکیۂ کلام کے طور پر کہہ دیتا ہے، جیسے لا واللہ اور بلی واللہ۔ [1] ② امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ اس قسم کی لغو قسموں پر کوئی کفارہ نہیں ہے جیسا کہ قرآن کریم نے اس کی صراحت کی ہے۔ جب سیدہ عائشہ ؓ پر تہمت لگی تو تہمت لگانے والوں میں حضرت مسطح بھی شامل تھے جن کی حضرت ابوبکر ؓ کفالت کرتے تھے۔ انھوں نے غیرت میں آ کر قسم اٹھائی کہ وہ آئندہ اس پر کچھ بھی خرچ نہیں کریں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: ''اور تم میں سے فضیلت اور وسعت والے لوگوں کو اس بات پر قسم نہیں کھانی چاہیے کہ وہ قرابت داروں، مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو (اپنا مال نہیں) دیں گے، انھیں چاہیے کہ وہ انھیں معاف کر دیں اور ان سے درگزر کریں کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمھیں بخش دے؟'' [2] اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فوراً اس حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور پہلے سے بھی زیادہ ان کی مدد کرنے لگے۔ [3] شاید امام بخاری ؒ نے اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں یمین لغو کی وضاحت ہے۔ واللہ أعلم.

٦٦٢٢ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ: حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ: حَدَّثَنَا الْحَسَنُ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سَمُرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ سَمُرَةَ! لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُوتِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا، وَإِنْ أُوتِيتَهَا مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا، وَإِذَا حَلَفْتَ عَلٰى يَمِينٍ، فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا فَكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ وَائْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ». [انظر: ٦٧٢٢، ٧١٤٦، ٧١٤٧]

[6622] حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''اے عبدالرحمٰن بن سمرہ! امارت طلب نہ کرنا کیونکہ اگر طلب کرنے سے تجھے امارت دی گئی تو تو اس کے سپرد کر دیا جائے گا اور اگر طلب کے بغیر تجھے امارت سونپ دی گئی تو تیری مدد کی جائے گی۔ اور جب تو قسم کھائے، پھر اس کی خلاف ورزی میں تجھے بہتری نظر آئے تو اپنی قسم توڑ کر اس کا کفارہ دے دو اور جو کام بہتر ہو اسے ضرور کرو۔''

فوائد و مسائل: ① اگر کوئی آدمی خود کو کسی منصب کے اہل سمجھتا ہے اور اسے معلوم ہے کہ کوئی دوسرا اس منصب پر آ کر ملک و ملت کا نقصان کرے گا تو امارت طلب کرنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے وزارت مال کا قلمدان خود طلب کیا تھا۔ اس کی تفصیل کتاب الاحکام حدیث: 7147,7146 میں بیان ہوگی، البتہ اس مقام پر یہ حدیث بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم اٹھاتا ہے لیکن وہ سمجھتا ہے کہ قسم توڑ کر وہ کام کرنا یا نہ کرنا بہتر ہے تو اپنی قسم کا کفارہ دے دے جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں ہے: ''اگر کوئی قسم اٹھاتا ہے، پھر دیکھتا ہے کہ اس کے غیر میں بھلائی ہے تو بہتر کام کو کرے اور اپنی قسم کو چھوڑ دے۔'' [4] ایک حدیث میں ہے: ''بہتر کام کر گزرے اور اپنی قسم کا کفارہ دے دے۔'' [5]

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4613. [2] النور 24:22. [3] فتح الباري: 11/631. [4] مسند أحمد: 4/258.
[5] صحيح مسلم، الأيمان، حديث: 4277 (1651).

٦٦٢٣ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيرٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي رَهْطٍ مِّنَ الْأَشْعَرِيِّينَ أَسْتَحْمِلُهُ فَقَالَ: «وَاللهِ لَا أَحْمِلُكُمْ وَمَا عِنْدِي مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ»، قَالَ: ثُمَّ لَبِثْنَا مَا شَاءَ اللهُ أَنْ نَّلْبَثَ ثُمَّ أُتِيَ بِثَلَاثِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرٰى فَحَمَلَنَا عَلَيْهَا، فَلَمَّا انْطَلَقْنَا قُلْنَا - أَوْ قَالَ بَعْضُنَا -: وَاللهِ لَا يُبَارَكُ لَنَا، أَتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ نَسْتَحْمِلُهُ فَحَلَفَ أَنْ لَّا يَحْمِلَنَا ثُمَّ حَمَلَنَا، فَارْجِعُوا بِنَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَنُذَكِّرُهُ فَأَتَيْنَاهُ فَقَالَ: «مَا أَنَا حَمَلْتُكُمْ بَلِ اللهُ حَمَلَكُمْ وَإِنِّي وَاللهِ إِنْ شَاءَ اللهُ لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِينٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا كَفَّرْتُ عَنْ يَّمِينِي وَأَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ، أَوْ أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ، وَكَفَّرْتُ عَنْ يَّمِينِي». [راجع: ٣١٣٣]

[6623] حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں چند اشعری لوگوں کے ہمراہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے سواری کا مطالبہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی قسم! میں تمھیں سواری نہیں دے سکتا اور نہ میرے پاس کوئی چیز ہی ہے جس پر تمھیں سوار کروں۔“ حضرت ابوموسیٰ ؓ نے کہا: پھر ہم جس قدر اللہ کو منظور تھا وہاں ٹھہرے رہے، اس دوران میں سفید کوہان والے تین اونٹ آپ ﷺ کے پاس لائے گئے تو آپ نے ہمیں ان پر سوار کر دیا۔ جب ہم وہاں سے روانہ ہونے لگے تو ہم نے یا ہم میں سے بعض نے کہا: اللہ کی قسم! ان میں ہمارے لیے کوئی برکت نہیں ہوگی کیونکہ ہم نبی ﷺ کے پاس آئے تھے اور آپ سے سواری کا مطالبہ کیا تھا تو آپ نے قسم اٹھائی تھی کہ وہ ہمیں سواری مہیا نہیں کر سکتے پھر آپ نے ہمیں سواریاں عنایت کی ہیں، لہٰذا تم سب نبی ﷺ کی خدمت میں واپس جاؤ تاکہ ہم آپ کو قسم یاد دلائیں، چنانچہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: ”میں نے تمھیں سوار نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمھاری سواری کا بندوبست کیا ہے۔ اللہ کی قسم! ان شاء اللہ میں کسی چیز کے متعلق قسم نہیں اٹھاتا مگر جب اس کے خلاف کو بہتر خیال کرتا ہوں تو اپنی قسم کا کفارہ دے دیتا ہوں اور وہ کام کر گزرتا ہوں جو بہتر ہوتا ہے۔ یا (بایں طور فرمایا کہ) بہتر کام کر لیتا ہوں، اور اپنی قسم کا کفارہ دے دیتا ہوں۔“

فوائد ومسائل: ① یہ غزوۂ تبوک کا واقعہ ہے اور درج ذیل آیات اسی واقعہ کے پس منظر میں نازل ہوئیں: ”اور نہ ان لوگوں پر ہی کچھ الزام ہے جو آپ کے پاس حاضر ہوئے تاکہ آپ انھیں سواری مہیا کر دیں، تو آپ نے کہا: میرے پاس تمھارے لیے سواری کا بندوبست نہیں، تو وہ واپس چلے گئے اور اس غم سے ان کی آنکھیں اشکبار تھیں کہ ان کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں ہے۔“[1] ② ایک دوسری روایت میں یہ واقعہ ذرا تفصیل سے بیان ہوا ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کہتے ہیں کہ میرے

[1] التوبة 9:92.

ساتھیوں نے مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سواری مانگنے کے لیے بھیجا۔ میں نے جا کر عرض کی: اللہ کے رسول! میرے ساتھیوں نے مجھے سواری طلب کرنے کے لیے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''واللہ! میں تمھیں کوئی سواری نہیں دوں گا۔'' آپ ﷺ اس وقت غصے میں تھے مگر میں سمجھ نہ سکا۔ میں افسردہ ہو کر واپس آیا اور اپنے ساتھیوں کو آپ ﷺ کے انکار کی اطلاع دی۔ مجھے ایک تو یہ غم تھا کہ آپ ﷺ نے ہمیں سواری مہیا نہیں کی اور دوسرا یہ کہ شاید آپ ﷺ مجھ سے ناراض ہیں۔ مجھے واپس آئے ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ میں نے سنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ مجھے پکار رہے ہیں۔ میں نے جواب دیا تو وہ کہنے لگے: چلو، تمھیں رسول اللہ ﷺ بلا رہے ہیں۔ میں حاضر خدمت ہوا تو آپ نے فرمایا: ''یہ اونٹوں کے تین جوڑے ہیں جو میں نے ابھی سعد سے خریدے ہیں۔ یہ چھ اونٹ لے لو اور اپنے ساتھیوں سے کہنا کہ یہ اونٹ اللہ تعالیٰ نے یا اللہ کے رسول نے تمھیں سواری کے لیے دیے ہیں، انھیں اپنے کام میں لاؤ۔''[1]

٦٦٢٤ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ قَالَ: هٰذَا مَا حَدَّثَنَا بِهِ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: «نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ». [راجع: ٢٣٨]

[6624] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''ہم آخری امت ہیں اور قیامت کے دن جنت میں سب سے پہلے داخل ہوں گے۔''

٦٦٢٥ - وَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «وَاللهِ لَأَنْ يَلِجَّ أَحَدُكُمْ بِيَمِينِهِ فِي أَهْلِهِ آثَمُ لَهُ عِنْدَ اللهِ مِنْ أَنْ يُعْطِيَ كَفَّارَتَهُ الَّتِي افْتَرَضَ اللهُ عَلَيْهِ». [انظر: ٦٦٢٦]

[6625] اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! اپنے اہل خانہ کے معاملے میں تمھارا اپنی قسموں پر اصرار کرتے رہنا اللہ کے ہاں اس سے زیادہ گناہ کی بات ہوتی ہے کہ وہ قسم توڑ کر اس کا کفارہ ادا کر دے جو اللہ نے اس پر فرض کیا ہے۔''

٦٦٢٦ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ يَعْنِي ابْنَ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ: حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ عَنْ يَحْيَى، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنِ اسْتَلَجَّ فِي أَهْلِهِ بِيَمِينٍ فَهُوَ أَعْظَمُ إِثْمًا لِيَبَرَّ»، يَعْنِي الْكَفَّارَةَ. [راجع: ٦٦٢٥]

[6626] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے گھر والوں کے معاملے میں قسم پر اڑا رہے وہ بہت گناہ گار ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ نیکی کرے۔'' یعنی قسم توڑ کر اس کا کفارہ ادا کر دے۔

---

1 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4415.

فوائدومسائل: ① اگر کسی کے قسم پر قائم رہنے سے اس کے اہل خانہ کو نقصان ہو اور وہ اس سے پریشان ہوں تو وہ اپنی قسم پر اصرار نہ کرے بلکہ قسم توڑ کر اس کا کفارہ دے دے۔ اسے یہ گمان نہیں کرنا چاہیے کہ قسم پر اڑے رہنا نیکی ہے۔ ایسے حالات میں قسم توڑ دی جائے تاکہ اس کے گھر والے ضرر اور نقصان سے محفوظ رہیں۔ اگر وہ کہے کہ میں قسم نہیں توڑتا کیونکہ مجھے اس اقدام سے گناہ کا خوف ہے تو وہ غلطی پر ہے۔ واللہ أعلم. ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اہل خانہ کا ذکر اتفاقی ہے اگر یہی علت دوسروں میں پائی جائے تو ان کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ قسم کو توڑ کر اس کا کفارہ دے دیا جائے۔[1]

(٢) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «وَايْمُ اللهِ»

باب:2- نبی ﷺ کا یوں قسم اٹھانا: "وایم اللہ"

٦٦٢٧ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ ابْنِ جَعْفَرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: بَعَثَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَعْثًا وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ فَطَعَنَ بَعْضُ النَّاسِ فِي إِمْرَتِهِ فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «إِنْ كُنْتُمْ تَطْعَنُونَ فِي إِمْرَتِهِ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعَنُونَ فِي إِمْرَةِ أَبِيهِ مِنْ قَبْلُ، وَايْمُ اللهِ إِنْ كَانَ لَخَلِيقًا لِلْإِمَارَةِ، وَإِنْ كَانَ لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ، وَإِنَّ هٰذَا لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ بَعْدَهُ».

[راجع: ٣٧٣٠]

[6627] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر روانہ کیا اور اس کا امیر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ کچھ لوگوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت پر اعتراض کیا تو رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا: "اگر تم اسامہ کی امارت پر اعتراض کرتے ہو تو تم قبل ازیں اس کے والد کی امارت پر بھی اعتراض کر چکے ہو۔ اللہ کی قسم! وہ (زید رضی اللہ عنہ) امیر بنائے جانے کے قابل تھے اور مجھے سب لوگوں سے زیادہ عزیز تھے اور یہ (اسامہ) ان کے بعد مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہے۔"

فوائدومسائل: ① لفظ "أيم" کے متعلق اہل لغت کا اختلاف ہے کہ اس کا ماخذ کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ اگر اس لفظ کی اضافت لفظ اللہ کی طرف کر دی جائے تو اس سے قسم منعقد ہو جاتی ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ أَيْمُ اللّٰهِ کے معنی حَقُّ اللّٰهِ ہیں اور جب یہ مطلق بولا جائے تو اس سے قسم ہی مراد ہوتی ہے۔ اس کی تائید ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق فرمایا تھا: "مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! اگر وہ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو سب بچے زندہ رہتے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے۔"[2] اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے [وَايْمُ الَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ] کہا۔[3]

(٣) بَابٌ: كَيْفَ كَانَتْ يَمِينُ النَّبِيِّ ﷺ؟

باب:3- نبی ﷺ کی قسم کس طرح کی تھی؟

---

① فتح الباري: 635/11. ② صحيح البخاري، الأيمان والنذور، حديث: 6639. ③ فتح الباري: 636/11.

وَقَالَ سَعْدٌ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ».

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے!“

وَقَالَ أَبُو قَتَادَةَ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ: لَا هَا اللهِ إِذًا، يُقَالُ: وَاللهِ، وَبِاللهِ، وَتَاللهِ.

ابو قتادہ کہتے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی موجودگی میں فرمایا تھا: لَا هَا اللّٰهِ إِذًا ”اللہ کی قسم! تب ایسا نہیں ہوسکتا۔“ قسم کے لیے اس طرح بھی کہا جاتا ہے: وَاللّٰهِ، بِاللّٰهِ اور تَاللّٰهِ.

وضاحت: اس عنوان کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کے وہ الفاظ بیان کیے ہیں جنھیں آپ عام طور پر قسم کے لیے استعمال کرتے تھے، وہ چار ہیں: ○ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ. ○ لَا، وَمُقَلِّبِ الْقُلُوبِ. ○ وَاللّٰهِ. ○ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ. حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے سامنے قسم کے لیے لَا هَا اللّٰهِ کا لفظ استعمال کیا، لہٰذا اس کے مشروع ہونے میں کوئی اختلاف نہیں اگرچہ اسے آپ نے خود استعمال نہیں کیا۔[1]

٦٦٢٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كَانَتْ يَمِينُ النَّبِيِّ ﷺ: «لَا، وَمُقَلِّبِ الْقُلُوبِ». [راجع: ٦٦١٧]

[6628] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ کی قسم: لَا وَمُقَلِّبِ الْقُلُوبِ ہوتی تھی، یعنی دلوں کو پھیرنے والے کی قسم۔

٦٦٢٩ - حَدَّثَنَا مُوسَى: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهُ، وَإِذَا هَلَكَ كِسْرَى فَلَا كِسْرَى بَعْدَهُ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَتُنْفَقَنَّ كُنُوزُهُمَا فِي سَبِيلِ اللهِ». [راجع: ٣١٢١]

[6629] حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”جب قیصر (شاہ روم) ہلاک ہوجائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر پیدا نہیں ہوگا اور جب کسریٰ (شاہ ایران) ہلاک ہوجائے گا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ پیدا نہیں ہوگا۔ اور اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ان کے خزانوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے گا۔“

٦٦٣٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا هَلَكَ

[6630] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب کسریٰ (شاہ ایران) ہلاک ہوجائے گا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ پیدا نہیں

[1] فتح الباري:11/640.

كِسْرٰى فَلَا كِسْرٰى بَعْدَهُ، وَإِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهُ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَتُنْفَقَنَّ كُنُوزُهُمَا فِي سَبِيلِ اللهِ». [راجع: ٣٠٢٧]

ہوگا اور جب قیصر (شاہ روم) ہلاک ہوجائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر پیدا نہیں ہوگا۔ اور اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! ان کے خزانوں کو اللہ کی راہ میں ضرور خرچ کیا جائے گا۔"

٦٦٣١ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: «يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ! وَاللهِ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا وَلَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا». [راجع: ١٠٤٤]

[6631] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: "اے امت محمد! اللہ کی قسم! اگر تمھیں ان حقائق کا علم ہوجاتا جو میں جانتا ہوں تو تم زیادہ روتے اور بہت کم ہنستے۔"

٦٦٣٢ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي حَيْوَةُ: حَدَّثَنِي أَبُو عُقَيْلٍ زُهْرَةُ بْنُ مَعْبَدٍ: أَنَّهُ سَمِعَ جَدَّهُ عَبْدَ اللهِ بْنَ هِشَامٍ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللهِ! لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا مِنْ نَفْسِي، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَهُ: «لَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ». فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: «فَإِنَّهُ الْآنَ وَاللهِ لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «الْآنَ يَا عُمَرُ». [راجع: ٣٦٩٤]

[6632] حضرت عبداللہ بن ہشام ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نبی ﷺ کے ہمراہ تھے جبکہ آپ نے حضرت عمر بن خطاب ؓ کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ حضرت عمر ؓ نے آپ سے کہا: اللہ کے رسول! آپ میری جان کے علاوہ مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں۔ نبی ﷺ نے انھیں فرمایا: "نہیں نہیں، مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! (ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا) جب تک میری ذات تمھیں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز نہ ہو۔ حضرت عمر ؓ نے آپ سے کہا: "اللہ کی قسم! اب آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "اے عمر! اب (تیرا ایمان مکمل ہوا ہے)۔"

٦٦٣٣، ٦٦٣٤ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ أَنَّهُمَا أَخْبَرَاهُ أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ أَحَدُهُمَا:

[6634,6633] حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید بن خالد ؓ سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ دو آدمیوں نے رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں اپنا ایک مقدمہ پیش کیا۔ ان میں سے ایک نے کہا: (اللہ کے رسول!) آپ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کر دیں۔ دوسرا جو زیادہ سمجھ دار

اقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ، وَقَالَ الْآخَرُ وَهُوَ أَفْقَهُهُمَا: أَجَلْ يَا رَسُولَ اللهِ، فَاقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ وَائْذَنْ لِي أَنْ أَتَكَلَّمَ، قَالَ: «تَكَلَّمْ». قَالَ: إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلَى هٰذَا - قَالَ مَالِكٌ: وَالْعَسِيفُ الْأَجِيرُ - زَنَى بِامْرَأَتِهِ فَأَخْبَرُونِي أَنَّ عَلَى ابْنِي الرَّجْمَ، فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ لِي وَجَارِيَةٍ، ثُمَّ إِنِّي سَأَلْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ فَأَخْبَرُونِي أَنَّ مَا عَلَى ابْنِي جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ، وَإِنَّمَا الرَّجْمُ عَلَى امْرَأَتِهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَمَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ، أَمَّا غَنَمُكَ وَجَارِيَتُكَ فَرَدٌّ عَلَيْكَ»، وَجَلَدَ ابْنَهُ مِائَةً وَغَرَّبَهُ عَامًا، وَأَمَرَ أُنَيْسًا الْأَسْلَمِيَّ أَنْ يَأْتِيَ امْرَأَةَ الْآخَرِ، فَإِنِ اعْتَرَفَتْ، رَجَمَهَا، فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا. [راجع: ٢٣١٤، ٢٣١٥]

تھا، اس نے کہا: ہاں اللہ کے رسول! ٹھیک ہے آپ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق ہی فیصلہ کریں لیکن مجھے اجازت دیں کہ میں اس معاملے میں کچھ عرض کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں تم بات کرو۔'' اس نے کہا: میرا بیٹا اس کے ہاں مزدور تھا...... امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: عسیف مزدور کو کہتے ہیں...... اور اس نے اس کی بیوی سے زنا کر لیا۔ لوگوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے کو رجم کیا جائے گا تو میں نے اسے سو بکریوں اور ایک لونڈی کا تاوان دے دیا۔ پھر میں نے اہل علم سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ میرے بیٹے کو سو کوڑے لگیں گے اور ایک سال کے لیے جلا وطن ہونا ہے، سنگساری کی سزا صرف اس کی بیوی کو ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تمھارا فیصلہ اللہ کی کتاب کے مطابق کروں گا۔ تمھاری بکریاں اور تمھاری لونڈی تمھیں واپس ملے گی۔'' پھر آپ نے اس کے بیٹے کو سو کوڑے لگوائے اور ایک سال کے لیے جلا وطن کر دیا۔ اور آپ نے حضرت انیس اسلمی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ دوسرے شخص کی بیوی کے پاس جائے، اگر وہ زنا کا اقرار کرے تو اسے سنگسار کر دے، چنانچہ اس نے زنا کا اعتراف کر لیا تو انھوں نے اسے سنگسار کر دیا۔

٦٦٣٥ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا وَهْبٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي يَعْقُوبَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ أَسْلَمُ وَغِفَارُ وَمُزَيْنَةُ وَجُهَيْنَةُ خَيْرًا مِّنْ تَمِيمٍ وَّعَامِرِ بْنِ صَعْصَعَةَ وَغَطَفَانَ وَأَسَدٍ، خَابُوا وَخَسِرُوا؟» قَالُوا: نَعَمْ، فَقَالَ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّهُمْ خَيْرٌ مِّنْهُمْ». [راجع: ٣٥١٥]

[6635] حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''مجھے بتاؤ اگر اسلم، غفار، مزینہ اور جہینہ کے قبائل، تمیم، عامر بن صعصعہ، غطفان اور اسد والوں سے بہتر ہوں تو یہ تمیم، عامر، غطفان اور اسد والے گھاٹے میں پڑے اور نقصان میں رہے یا نہیں؟'' صحابہ نے کہا: جی ہاں، یہ لوگ خسارے میں رہے۔ پھر آپ نے فرمایا: ''مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! (پہلے) قبائل، ان (دوسروں) سے بہتر ہیں۔''

٦٦٣٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ: أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ اسْتَعْمَلَ عَامِلًا فَجَاءَهُ الْعَامِلُ حِينَ فَرَغَ مِنْ عَمَلِهِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! هٰذَا لَكُمْ وَهٰذَا أُهْدِيَ لِي، فَقَالَ لَهُ: «أَفَلَا قَعَدْتَ فِي بَيْتِ أَبِيكَ وَأُمِّكَ فَنَظَرْتَ أَيُهْدٰى لَكَ أَمْ لَا؟» ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَشِيَّةً بَعْدَ الصَّلَاةِ فَتَشَهَّدَ وَأَثْنٰى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ: «أَمَّا بَعْدُ! فَمَا بَالُ الْعَامِلِ نَسْتَعْمِلُهُ فَيَأْتِينَا فَيَقُولُ: هٰذَا مِنْ عَمَلِكُمْ، وَهٰذَا أُهْدِيَ لِي أَفَلَا قَعَدَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ وَأُمِّهِ فَنَظَرَ هَلْ يُهْدٰى لَهُ أَمْ لَا، فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَا يَغُلُّ أَحَدُكُمْ مِنْهَا شَيْئًا إِلَّا جَاءَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَحْمِلُهُ عَلٰى عُنُقِهِ، إِنْ كَانَ بَعِيرًا جَاءَ بِهِ لَهُ رُغَاءٌ، وَإِنْ كَانَتْ بَقَرَةً جَاءَ بِهَا لَهَا خُوَارٌ، وَإِنْ كَانَتْ شَاةً جَاءَ بِهَا تَيْعَرُ، فَقَدْ بَلَّغْتُ». فَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ: ثُمَّ رَفَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدَهُ حَتّٰى إِنَّا لَنَنْظُرُ إِلٰى عُفْرَةِ إِبْطَيْهِ. قَالَ أَبُو حُمَيْدٍ: وَقَدْ سَمِعَ ذٰلِكَ مَعِيَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ مِّنَ النَّبِيِّ ﷺ فَسَلُوهُ. [راجع: ٩٢٥]

[6636] حضرت ابو حمید ساعدی ؓ سے روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک عامل مقرر فرمایا۔ جب وہ اپنے کام سے فارغ ہو کر واپس آیا تو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: اللہ کے رسول! یہ آپ کا مال ہے اور یہ مجھے تحفہ دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: ”تم اپنے والدین کے گھر کیوں نہیں بیٹھے رہے، پھر تم دیکھتے کہ تمھیں کوئی تحفہ دیتا ہے یا نہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ رات کی نماز پڑھنے کے بعد کھڑے ہوئے، خطبہ پڑھا اور اللہ تعالیٰ کے شایان شان تعریف کی، پھر فرمایا: ”اما بعد! اس عامل کا کیا حال ہے؟ ہم اسے کسی کام کے لیے تعینات کرتے ہیں، وہ ہمارے پاس آ کر کہتا ہے کہ یہ تو آپ کا وصول کردہ مال ہے اور یہ مجھے تحفہ دیا گیا ہے۔ وہ اپنے والدین کے گھر کیوں نہ بیٹھا رہا، پھر وہ دیکھتا کہ اسے تحفہ دیا جاتا ہے یا نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اگر تم میں سے کوئی اس مال میں سے کچھ بھی خیانت کرے گا تو قیامت کے دن وہ اسے اپنی گردن پر اٹھائے گا۔ اگر وہ اونٹ ہوگا تو وہ اس حال میں اسے لائے گا کہ وہ بلبلا رہا ہوگا۔ اگر وہ گائے ہوگی تو وہ اسے لائے گا اور اس کے ڈکارنے کی آواز آ رہی ہوگی۔ اگر بکری کی خیانت کی ہوگی تو وہ اسے اس حال میں لائے گا کہ وہ ممیاتی ہوگی۔ الغرض میں نے تمھیں اللہ کا حکم پہنچا دیا ہے۔“ حضرت ابو حمید ؓ بیان کرتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک اس قدر اوپر اٹھایا کہ ہمیں آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔ حضرت ابو حمید ؓ نے مزید فرمایا: میرے ساتھ یہ حدیث حضرت زید بن ثابت ؓ نے بھی نبی ﷺ سے سنی تھی تم لوگ ان سے بھی پوچھ سکتے ہو۔

٦٦٣٧ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسٰى: أَخْبَرَنَا

[6637] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں

هِشَامٌ - هُوَ ابْنُ يُوسُفَ - عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ: «وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا، وَلَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا». [راجع: ٦٤٨٥]

نے کہا: حضرت ابو القاسم ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر ان (اخروی حقائق اور قیامت کی ہولنا کیوں) کا تمھیں علم ہو جائے، جو میں جانتا ہوں تو تم زیادہ روتے اور بہت کم ہنستے۔''

٦٦٣٨ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنِ الْمَعْرُورِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: انْتَهَيْتُ إِلَيْهِ وَهُوَ يَقُولُ فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ: «هُمُ الْأَخْسَرُونَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ! هُمُ الْأَخْسَرُونَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ!»، قُلْتُ: مَا شَأْنِي؟ أَيُرَى فِيَّ شَيْءٌ؟ مَا شَأْنِي؟ فَجَلَسْتُ إِلَيْهِ وَهُوَ يَقُولُ - فَمَا اسْتَطَعْتُ أَنْ أَسْكُتَ - وَتَغَشَّانِي مَا شَاءَ اللهُ، فَقُلْتُ: مَنْ هُمْ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «الْأَكْثَرُونَ أَمْوَالًا إِلَّا مَنْ قَالَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا». [راجع: ١٤٦٠]

[6638] حضرت ابو ذر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں آپ ﷺ تک پہنچا تو آپ کعبے کے سائے میں بیٹھے فرما رہے تھے: ''رب کعبہ کی قسم! وہی سب سے زیادہ خسارے والے ہیں۔ رب کعبہ کی قسم! وہی سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔'' میں نے (دل میں) کہا: میری کیا حالت ہے شاید میرے متعلق کوئی چیز نظر آئی ہے؟ پھر میں آپ ﷺ کے پاس بیٹھ گیا اور آپ مسلسل یہ فرماتے رہے تو میں خاموش نہ رہ سکا۔ اللہ کی مشیت کے مطابق مجھ پر ایک عجیب سی بے قراری طاری ہو گئی۔ میں نے پوچھا: اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، وہ کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس مال زیادہ ہے، لیکن ان سے وہ مستثنیٰ ہیں جنھوں نے اس طرح، اس طرح اور اس طرح (بے دریغ اللہ کی راہ میں) خرچ کیا ہوگا۔''

٦٦٣٩ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ [عَبْدِالرَّحْمٰنِ] الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «قَالَ سُلَيْمَانُ: لَأَطُوفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلٰى تِسْعِينَ امْرَأَةً كُلُّهُنَّ تَأْتِي بِفَارِسٍ يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللهِ، فَقَالَ لَهُ صَاحِبُهُ: قُلْ: إِنْ شَاءَ اللهُ، فَلَمْ يَقُلْ: إِنْ شَاءَ اللهُ، فَطَافَ عَلَيْهِنَّ جَمِيعًا فَلَمْ تَحْمِلْ مِنْهُنَّ إِلَّا امْرَأَةٌ وَاحِدَةٌ جَاءَتْ بِشِقِّ رَجُلٍ،

[6639] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حضرت سلیمان ؑ نے کہا: میں آج رات نوّے بیویوں سے جماع کروں گا، ہر ایک بچہ جنے گی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۔ انھیں ان کے ساتھی نے کہا: ان شاء اللہ کہو لیکن انھوں نے ان شاء اللہ نہ کہا، چنانچہ سلیمان ؑ نے تمام عورتوں سے جماع کیا تو ان میں سے ایک عورت کے علاوہ کوئی بھی حاملہ نہ ہوئی اور اس نے بھی ناتمام بچے کو جنم دیا۔ اللہ کی

وَايْمُ الَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ قَالَ: إِنْ شَاءَ اللهُ، لَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللهِ فُرْسَانًا أَجْمَعُونَ». [راجع: ٢٨١٩]

قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اگر وہ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو سب بچے شہسوار بن کر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے۔''

٦٦٤٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: أُهْدِيَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ سَرَقَةٌ مِّنْ حَرِيرٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَتَدَاوَلُونَهَا بَيْنَهُمْ وَيَعْجَبُونَ مِنْ حُسْنِهَا وَلِينِهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَتَعْجَبُونَ مِنْهَا؟» قَالُوا: نَعَمْ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَمَنَادِيلُ سَعْدٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنْهَا».

[6640] حضرت براء بن عازب ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کی خدمت میں ریشم کا ایک ٹکڑا ہدیے کے طور پر پیش کیا گیا تو لوگ اسے دست بدست پکڑنے لگے اور اس کی خوبصورتی، نرمی پر اظہار حیرت کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمھیں اس پر حیرت ہے؟'' صحابہ نے کہا: ہاں، اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جنت میں سعد (بن معاذ) کے رومال اس سے کہیں بڑھ کر ہیں۔''

لَمْ يَقُلْ شُعْبَةُ وَإِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ». [راجع: ٣٢٤٩]

شعبہ اور اسرائیل نے ابواسحاق سے یہ روایت بیان کی تو اس میں وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِه کے الفاظ ذکر نہیں کیے۔

٦٦٤١ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: إِنَّ هِنْدَ بِنْتَ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَا كَانَ مِمَّا عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَهْلُ أَخْبَاءٍ أَوْ خِبَاءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَذِلُّوا مِنْ أَهْلِ أَخْبَائِكَ - أَوْ خِبَائِكَ - شَكَّ يَحْيَى - ثُمَّ مَا أَصْبَحَ الْيَوْمَ أَهْلُ أَخْبَاءٍ أَوْ خِبَاءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَعِزُّوا مِنْ أَهْلِ أَخْبَائِكَ أَوْ خِبَائِكَ. قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «وَأَيْضًا وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ». قَالَتْ: يَا رَسُولَ الله! إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ مِّسِّيكٌ، فَهَلْ عَلَيَّ حَرَجٌ أَنْ أُطْعِمَ مِنَ الَّذِي

[6641] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہند بنت عتبہ بن ربیعہ ؓ نے کہا: اللہ کے رسول! روئے زمین پر جتنے خیمے والے ہیں، ان میں کسی کا ذلیل و خوار ہونا مجھے اتنا پسند نہیں تھا جتنا آپ کا، لیکن آج میرا یہ حال ہو گیا ہے کہ کوئی بھی اہل خیمہ مجھے اس قدر پسند نہیں جس قدر آپ کا ڈیرہ مجھے محبوب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تیری فدا کاری میں مزید اضافہ ہوگا۔'' اس نے کہا: اللہ کے رسول! ابوسفیان ایک بخیل آدمی ہے، کیا مجھ پر کوئی حرج تو نہیں اگر میں اس کے مال سے بچوں کو کھلاؤں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں، بشرطیکہ تم دستور کے مطابق خرچ کرو۔''

لَهُ؟ قَالَ: «لَا، إِلَّا بِالْمَعْرُوفِ». [راجع: ٢٢١١]

٦٦٤٢ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ: حَدَّثَنَا شُرَيْحُ بْنُ مَسْلَمَةَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوسُفَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: سَمِعْتُ عَمْرَو ابْنَ مَيْمُونٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَيْنَمَا رَسُولُ اللهِ ﷺ مُضِيفٌ ظَهْرَهُ إِلَى قُبَّةٍ مِنْ أَدَمٍ يَمَانٍ إِذْ قَالَ لِأَصْحَابِهِ: «أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا رُبُعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟» قَالُوا: بَلَى، قَالَ: «أَفَلَمْ تَرْضَوْا أَنْ تَكُونُوا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟» قَالُوا: بَلَى، قَالَ: «فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ تَكُونُوا نِصْفَ أَهْلِ الْجَنَّةِ». [راجع: ٦٥٢٨]

[6642] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ یمنی چمڑے کے خیمے سے پشت لگائے بیٹھے تھے کہ آپ نے اپنے صحابۂ کرام سے فرمایا: ”کیا تم اس پر خوش ہو کہ تم اہل جنت کا چوتھا حصہ بنو؟“ انھوں نے کہا: کیوں نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تم اہل جنت کا ایک تہائی حصہ ہو جاؤ؟“ صحابۂ کرام نے کہا: کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا نصف ہو گے۔“

٦٦٤٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ [بْنِ عَبْدِاللهِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ]، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ: أَنَّ رَجُلًا سَمِعَ رَجُلًا يَقْرَأُ ﴿قُلْ هُوَ ٱللَّهُ أَحَدٌ﴾ يُرَدِّدُهَا، فَلَمَّا أَصْبَحَ جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ، وَكَأَنَّ الرَّجُلَ يَتَقَالُّهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! إِنَّهَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ». [راجع: ٥٠١٣]

[6643] حضرت ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ ایک صحابی نے دوسرے صحابی کو قل ھو اللہ احد پڑھتے سنا جو اسے بار بار پڑھ رہا تھا۔ جب صبح ہوئی تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے یہ واقعہ ذکر کیا۔ وہ صحابی اس سورت کی قراءت کو بہت کم خیال کرتا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ سورت، قرآن مجید کے ایک تہائی حصے کے برابر ہے۔“

٦٦٤٤ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا حَبَّانُ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «أَتِمُّوا الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ بَعْدِ ظَهْرِي إِذَا مَا

[6644] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”تم رکوع اور سجود کو پورے طور پر ادا کیا کرو۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جب تم رکوع اور سجود کرتے ہو تو میں تمھیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھ لیتا ہوں۔“

رَكَعْتُمْ وَإِذَا مَا سَجَدْتُمْ». [راجع: ٤١٩]

٦٦٤٥ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ: حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ مَعَهَا أَوْلَادُهَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! إِنَّكُمْ لَأَحَبُّ النَّاسِ إِلَيَّ». قَالَهَا ثَلَاثَ مِرَارٍ. [راجع: ٣٧٨٦]

[6645] حضرت انس بن مالک ؓ ہی سے روایت ہے کہ ایک انصاری خاتون نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس کے ساتھ اس کے بچے بھی تھے۔ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! مجھے تم دوسرے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو۔'' یہ الفاظ آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمائے۔

فوائدومسائل: ① قسم سے اس ہستی کی عظمت مقصود ہوتی ہے جس کے نام کی قسم اٹھائی جائے۔ رسول اللہ ﷺ صرف اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھاتے تھے۔ مندرجہ بالا سترہ احادیث میں رسول اللہ ﷺ کی قسم کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ کس انداز کی ہوتی تھی۔ پہلے ہم نے بتایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی قسم چار طرح کی ہوتی تھی: ○ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ بعض اوقات وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ فرماتے، اس کے علاوہ کبھی شروع میں ''لا'' یا ''أمَا'' لاتے اور کبھی کبھار لفظ ''ایم'' سے شروع کرتے تھے۔ ② لَا، وَمُقَلِّبِ الْقُلُوبِ: اس میں ''لا'' تو کلام سابق کی نفی کے لیے ہوتا اور مقلب القلوب کے نام سے قسم اٹھاتے۔ ○ وَاللّٰهِ قرآن کریم میں بِاللّٰهِ اور واللّٰه نیز تَاللّٰهِ کو بطور قسم استعمال کیا گیا ہے۔ ○ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ حدیث: 6638 میں اس قسم کا ذکر ہے۔ اللہ کے نام کی قسم اٹھانے کی تین قسمیں ہیں: ○ ایسی صفت کے حوالے سے قسم اٹھانا جو صرف اللہ تعالیٰ سے مختص ہے، جیسے: الرحمٰن، رب العالمین اور خالق الخلق۔ ○ ایسی صفت جس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے لیکن غیر اللہ کے لیے مقید طور پر ہوتا ہے جیسا کہ رب اور حق وغیرہ ان کے ساتھ قسم اٹھائی جا سکتی ہے۔ ○ وہ صفات جو اللہ تعالیٰ اور غیر اللہ دونوں کے لیے یکساں استعمال ہوتی ہیں جیسا کہ حيّ، موجود اور مومن وغیرہ۔ ان میں اگر اللہ تعالیٰ کی نیت ہو تو ان صفات کے حوالے سے قسم اٹھائی جا سکتی ہے لیکن ان صفات باری تعالیٰ کو معرف باللام استعمال کرنا ضروری ہے، جیسے الحي، الموجود وغیرہ۔ اسی طرح وَالَّذِي خَلَقَ الْجَنَّةَ، وَالَّذِي أَعْبُدُهُ وَالَّذِي أَسْجُدُ لَهُ اور وَالَّذِي أُصَلِّي لَهُ سے بھی قسم اٹھانا صحیح ہے۔ واللہ أعلم.[1]

(٤) بَابٌ: لَا تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ

باب: 4- اپنے باپ دادا کے نام کی قسم نہ اٹھاؤ

وضاحت: یہ عنوان دراصل حدیث نبوی ہے جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے باپ دادا، ماؤں اور بتوں کے نام کی قسمیں نہ اٹھاؤ بلکہ صرف اللہ کی قسم کھاؤ۔''[2]

٦٦٤٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ،

[6646] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ

① فتح الباري: 641/11. ② سنن أبي داود، الأيمان والنذور، حديث: 3248.

عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَدْرَكَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَهُوَ يَسِيرُ فِي رَكْبٍ يَحْلِفُ بِأَبِيهِ فَقَالَ: «أَلَا إِنَّ اللهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ، مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللهِ أَوْ لِيَصْمُتْ».

[راجع: ٢٦٧٩]

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پایا جبکہ وہ ایک قافلے کے ساتھ چل رہے تھے اور اپنے باپ کی قسم اٹھا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''آگاہ رہو! اللہ تعالیٰ نے تمھیں اپنے باپ دادا کی قسم کھانے سے منع کیا ہے، لہٰذا جو کوئی قسم کھائے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی کھائے یا پھر خاموش رہے۔''

٦٦٤٧ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: قَالَ سَالِمٌ: قَالَ ابْنُ عُمَرَ: سَمِعْتُ عُمَرَ يَقُولُ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ اللهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ»، قَالَ عُمَرُ: فَوَاللهِ مَا حَلَفْتُ بِهَا مُنْذُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ ذَاكِرًا وَّلَا آثِرًا.

[6647] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمھیں اپنے باپ دادا کی قسم کھانے سے منع کرتا ہے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: جب سے میں نے یہ بات نبی ﷺ سے سنی ہے میں نے اپنے باپ دادا کی قسم نہیں اٹھائی، نہ ذاتی طور پر اور نہ کسی دوسرے کی نقل کرتے ہوئے۔

قَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿أَوْ أَثَرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ﴾ [الأحقاف: ٤]، يَأْثُرُ عِلْمًا.

امام مجاہد نے کہا: سورۂ احقاف میں جو ﴿أَوْ أَثَرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ﴾ ہے اس کے معنی ہیں: ''پہلے لوگوں کی خبر نقل کرنا''۔

تَابَعَهُ عُقَيْلٌ وَالزُّبَيْدِيُّ وَإِسْحَاقُ الْكَلْبِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ.

حضرت امام زہری سے اس حدیث کو نقل کرنے میں عقیل، زبیدی اور اسحاق کلبی نے یونس کی متابعت کی ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ وَمَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: سَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ عُمَرَ.

ابن عیینہ اور معمر نے امام زہری سے اس حدیث کو بایں سند بیان کیا ہے کہ حضرت سالم، ابن عمر سے، انھوں نے نبی ﷺ سے کہ آپ نے حضرت عمر کو غیر اللہ کی قسم کھاتے ہوئے سنا۔

٦٦٤٨ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ». [راجع: ٢٦٧٩]

[6648] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنے باپ دادا کی قسم نہ اٹھاؤ۔''

فوائد ومسائل: ① زمانۂ جاہلیت میں لوگ اپنے باپ دادا اور بتوں کے نام کی قسمیں اٹھاتے تھے تاکہ ان کی عظمت کا بول بالا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ لوگوں کی زبانوں سے صرف اس کی عظمت وتکریم کا اظہار ہو کیونکہ وہی معبود برحق ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کی قسم اٹھانے سے منع کر دیا۔ ② باپ دادا کی قسم اٹھانے سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ قسم کا مقصد اس ذات کی عظمت کا اظہار ہے جس کی قسم اٹھائی جائے اور حقیقی عظمت تو اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہے، اس لیے غیر اللہ کی قسم اٹھانا منع ہے۔ ③ یہ پابندی جن وانس کے لیے ہے جو شریعت پر عمل کرنے کے مکلف ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس پابندی سے بالا ہے، وہ مخلوق کی شرافت کے لیے جو چاہے قسم اٹھائے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید، الطور، السماء، التین اور الزیتون کی قسم اٹھائی ہے۔ کعبہ کی قسم اٹھانا بھی ناجائز ہے۔ قرآن چونکہ اللہ کا کلام ہے، لہٰذا اس کی قسم اٹھائی جاسکتی ہے کیونکہ اللہ کا کلام اس کی صفت ہے اور صفات باری تعالیٰ کی قسم اٹھانا جائز ہے۔ ④ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی قسم، اور آپ ﷺ کے شہر مدینے کی قسم اٹھانا جائز نہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے ایک آدمی کو کعبے کی قسم اٹھاتے ہوئے سنا تو فرمایا کہ غیر اللہ کی قسم نہ اٹھاؤ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ نے فرمایا: ”جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی اس نے کفر یا شرک کا ارتکاب کیا۔“[1] امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم نے اس حدیث کی تفسیر یوں بیان کی ہے کہ حدیث میں غیر اللہ کی قسم اٹھانے کو شرک اور کفر قرار دیا گیا ہے، اس سے مراد سخت وعید ہے، قسم اٹھانے والا دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے باپ کی قسم اٹھاتے دیکھ کر انھیں دوبارہ مسلمان ہونے کے متعلق نہیں کہا۔ وہاں البتہ اگر کوئی شخص بتوں کی قسم اٹھاتا ہے اور اس سے مقصود ان کی تعظیم اور عظمت ہے تو وہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه کا اقرار کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص نے لات وعزیٰ کی قسم اٹھائی، وہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه پڑھے۔“ والله أعلم.

٦٦٤٩ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، وَالْقَاسِمِ التَّمِيمِيِّ، عَنْ زَهْدَمٍ قَالَ: كَانَ بَيْنَ هٰذَا الْحَيِّ مِنْ جَرْمٍ وَبَيْنَ الْأَشْعَرِيِّينَ وُدٌّ وَإِخَاءٌ، فَكُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، فَقُرِّبَ إِلَيْهِ طَعَامٌ فِيهِ لَحْمُ دَجَاجٍ، وَعِنْدَهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَيْمِ اللهِ أَحْمَرُ كَأَنَّهُ مِنَ الْمَوَالِي، فَدَعَاهُ إِلَى الطَّعَامِ، فَقَالَ: إِنِّي رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ شَيْئًا فَقَذِرْتُهُ فَحَلَفْتُ أَنْ لَا آكُلَهُ، فَقَالَ: قُمْ فَلَأُحَدِّثَنَّكَ عَنْ ذَاكَ: إِنِّي أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي نَفَرٍ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ

[6649] حضرت زہدم سے روایت ہے، انھوں نے کہا: قبیلۂ جرم اور اشعری حضرات کے درمیان محبت اور بھائی چارہ تھا۔ ہم ایک دفعہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں موجود تھے کہ انھیں کھانا پیش کیا گیا جس میں مرغ کا گوشت تھا۔ اس وقت آپ کے پاس قبیلۂ بنوتیم اللہ سے ایک سرخ رنگ کا آدمی موجود تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ غلاموں میں سے ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس کو کھانے کی دعوت دی تو اس نے کہا: میں نے مرغی کو گندی چیز کھاتے دیکھا تو مجھے گھن آئی، پھر میں نے قسم کھالی کہ آئندہ میں اس کا گوشت نہیں کھاؤں گا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: کھڑے ہو جاؤ! میں تمھیں اس

① جامع الترمذي، النذور والأيمان، حديث: 1535.

نَسْتَحْمِلُهُ، فَقَالَ: «وَاللهِ لَا أَحْمِلُكُمْ وَمَا عِنْدِي مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ»، فَأُتِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِنَهْبِ إِبِلٍ فَسَأَلَ عَنَّا فَقَالَ: «أَيْنَ النَّفَرُ الْأَشْعَرِيُّونَ؟» فَأَمَرَ لَنَا بِخَمْسِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرٰى، فَلَمَّا انْطَلَقْنَا قُلْنَا: مَا صَنَعْنَا؟ حَلَفَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَا يَحْمِلُنَا وَمَا عِنْدَهُ مَا يَحْمِلُنَا ثُمَّ حَمَلَنَا؟ تَغَفَّلْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ يَمِينَهُ؟ وَاللهِ لَا نُفْلِحُ أَبَدًا، فَرَجَعْنَا إِلَيْهِ فَقُلْنَا لَهُ: إِنَّا أَتَيْنَاكَ لِتَحْمِلَنَا فَحَلَفْتَ أَنْ لَا تَحْمِلَنَا وَمَا عِنْدَكَ مَا تَحْمِلُنَا، فَقَالَ: «إِنِّي لَسْتُ أَنَا حَمَلْتُكُمْ، وَلٰكِنَّ اللهَ حَمَلَكُمْ، وَاللهِ لَا أَحْلِفُ عَنْ يَمِينٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَتَحَلَّلْتُهَا». [راجع: ٣١٣٣]

کے متعلق ایک حدیث سناتا ہوں۔ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس قبیلۂ اشعر کے چند لوگوں کے ہمراہ حاضر ہوا۔ ہم نے آپ سے سواری کا مطالبہ کیا تو آپ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں تمھیں سواری نہیں دے سکتا اور نہ ذاتی طور پر میرے پاس کوئی سواری ہی ہے جو تمھیں دے سکوں۔'' پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس مال غنیمت سے کچھ اونٹ آئے تو آپ نے ہمارے بارے میں پوچھا: ''اشعری حضرات کہاں ہیں؟'' پھر آپ نے ہمیں سفید کوہانوں والے پانچ عمدہ اونٹ عطا کرنے کا حکم دیا۔ جب ہم ان کو لے کر چلے تو ہم نے (آپس میں) کہا: یہ ہم نے کیا کیا؟ رسول اللہ ﷺ تو قسم کھا چکے تھے کہ وہ ہمیں سواری مہیا نہیں کریں گے اور نہ اس وقت آپ کے پاس سواری موجود ہی تھی، اس کے باوجود آپ نے ہمیں سواری مہیا کر دی ہے؟ ہم نے تو رسول اللہ ﷺ کو قسم سے غافل کر دیا ہے۔ اللہ کی قسم! ہم تو اس حرکت کے بعد کبھی فلاح سے ہمکنار نہیں ہوسکیں گے، چنانچہ ہم آپ کی طرف واپس آئے اور کہا: ہم آپ کے پاس آئے تھے کہ آپ ہمیں سواریاں مہیا کریں تو آپ نے قسم اٹھائی تھی کہ آپ ہمیں سواریاں نہیں دیں گے اور درحقیقت اس وقت آپ کے پاس سواریاں موجود بھی نہ تھیں۔ آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: ''میں نے تمھیں سواریاں نہیں دیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا بندوبست کیا ہے۔ اللہ کی قسم! جب میں کوئی قسم اٹھاتا ہوں، پھر اس سے بہتر کوئی معاملہ دیکھتا ہوں تو وہی کرتا ہوں جو بہتر ہوتا ہے اور قسم سے حلال ہو جاتا ہوں۔'' یعنی اسے توڑ کر اس کا کفارہ دے دیتا ہوں۔

فوائد و مسائل: ① صحیح بخاری ہی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وہ اونٹ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے خرید کر اشعری حضرات کو عنایت فرمائے تھے جبکہ اس حدیث کے مطابق وہ غنیمت کے طور پر آپ کو ملے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ

مذکورہ اونٹ غنیمت ہی کے تھے لیکن حضرت سعد ؓ کے حصے میں جو اونٹ آئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے وہ خرید کر اشعری حضرات کو عنایت کیے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دو الگ الگ واقعات ہوں۔ واللہ أعلم. ② اس حدیث کی عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی قسم کی کیفیت بتائی گئی ہے کہ اس میں کفارہ دیا گیا اور کفارہ اس قسم پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نام پر اٹھائی جائے، لہٰذا معلوم ہوا کہ آپ صرف اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھاتے تھے، غیر اللہ کی قسم اٹھانا آپ کا معمول نہ تھا۔ واللہ أعلم.[1]

(٥) بَابٌ: لَا يُحْلَفُ بِاللَّاتِ وَالْعُزَّى، وَلَا بِالطَّوَاغِيتِ

باب:5- لات، عزیٰ اور دیگر بتوں کی قسم نہ اٹھائی جائے

وضاحت: طواغیت، طاغوت کی جمع ہے، عام طور پر اس کے معنی بت اور شیطان کیے جاتے ہیں۔ شرعی طور پر جو گمراہی کا سرغنہ ہو اسے طاغوت کہتے ہیں۔

٦٦٥٠ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِي حَلِفِهِ: بِاللَّاتِ وَالْعُزَّى، فَلْيَقُلْ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ. وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ: تَعَالَ أُقَامِرْكَ، فَلْيَتَصَدَّقْ». [راجع: ٤٨٦٠]

[6650] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”جو کوئی قسم اٹھائے اور اپنی قسم میں کہے: لات اور عزیٰ کی قسم تو اسے چاہیے کہ فوراً لا الہ الا اللہ پڑھے۔ اور جس نے اپنے ساتھی سے کہا: آ، میں تیرے ساتھ جوا کھیلتا ہوں تو اسے صدقہ کرنا چاہیے۔“

فوائد و مسائل: ① حدیث میں لات و عزیٰ کی قسم کھانے کا ذکر ہے جبکہ عنوان میں طواغیت کا حوالہ ہے؟ امام بخاری ؒ نے اس لفظ سے ایک دوسری روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جس کے الفاظ ہیں: ”تم اپنے باپ دادا اور طواغیت کی قسم نہ اٹھاؤ۔“[2] ② جمہور اہل علم کا کہنا ہے کہ جس نے لات و عزیٰ یا اس کے علاوہ دیگر بتوں کی قسم اٹھائی یا کہا کہ اگر میں یہ کام کروں تو یہودی اور عیسائی ہوں گا یا میں اسلام اور رسول اللہ ﷺ سے بری ہوں تو اس طرح قسم منعقد نہیں ہوگی۔ اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے اس گناہ کی معافی مانگے اور اس پر توبہ کے علاوہ اور کوئی کفارہ نہیں۔ توبہ کے لیے وہ لا الہ الا اللہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے۔ ③ حدیث میں لا الہ الا اللہ پڑھنے کی تلقین کی گئی ہے کیونکہ بتوں کے نام کی قسم کھا کر انسان نے کفار کی مشابہت کی ہے، اس لیے وہ لا الہ الا اللہ کلمۂ توحید پڑھ کر اس کی تلافی کرے اور جوئے کی دعوت دے کر اس نے کفار کے ساتھ ایک کھیل میں موافقت کی ہے، اس لیے حکم ہے کہ مالی صدقہ دے کر اس جرم کی معافی مانگے۔ اس میں صرف دعوت دینے والے کو صدقے کا

---

① فتح الباري:11/653. ② سنن النسائي، الأيمان والنذور، حديث: 3805.

حکم دیا گیا ہے اور اگر کوئی عملی طور پر جوا کھیلتا ہے تو اسے بالاولی صدقہ کرنا چاہیے تاکہ اس گناہ کا کفارہ ہو جائے۔[1] ④ بہر حال غیر اللہ کی قسم اٹھانا مطلقاً منع ہے۔ اگر کوئی بتوں، دیوتاؤں، ولیوں اور پیروں کی قسم اٹھاتا ہے تو وہ ایک حرام فعل کا ارتکاب کرتا ہے اسے چاہیے کہ کلمۂ توحید پڑھ کر اس کا ازالہ کرے۔

(٦) بَابُ مَنْ حَلَفَ عَلَى الشَّيْءِ وَإِنْ لَمْ يُحَلَّفْ

باب:6- قسم کے مطالبے کے بغیر قسم کھانا

٦٦٥١ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ اصْطَنَعَ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ، وَكَانَ يَلْبَسُهُ، فَجَعَلَ فَصَّهُ فِي بَاطِنِ كَفِّهِ، فَصَنَعَ النَّاسُ خَوَاتِيمَ، ثُمَّ إِنَّهُ جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَنَزَعَهُ فَقَالَ: «إِنِّي كُنْتُ أَلْبَسُ هٰذَا الْخَاتَمَ وَأَجْعَلُ فَصَّهُ مِنْ دَاخِلٍ، فَرَمَى بِهِ ثُمَّ قَالَ: وَاللهِ لَا أَلْبَسُهُ أَبَدًا»، فَنَبَذَ النَّاسُ خَوَاتِيمَهُمْ. [راجع: ٥٨٦٥]

[6651] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سونے کی ایک انگوٹھی بنوائی اور آپ نے اسے پہننا شروع کر دیا۔ آپ اس کا نگینہ ہتھیلی کے اندرونی حصے کی طرف رکھتے تھے۔ پھر لوگوں نے بھی ایسی انگوٹھیاں بنوا لیں۔ آپ ایک دن منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اپنی انگوٹھی اتار کر فرمایا: ”میں اسے پہنتا تھا اور اس کا نگینہ اندر کی طرف رکھتا تھا۔“ پھر آپ نے اسے پھینک دیا اور فرمایا: ”اللہ کی قسم! اب میں اسے آئندہ نہیں پہنوں گا۔“ اس کے بعد لوگوں نے بھی اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں۔

فوائد و مسائل: ① ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”تم اپنی قسموں کے لیے اللہ کے نام کو ڈھال نہ بناؤ۔“[2] اس آیت کریمہ کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھاتے وقت احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ اگر ضرورت ہو تو قسم کھائی جائے، بلاوجہ اور بلا ضرورت قسمیں اٹھانا مستحسن اقدام نہیں ہے، ہاں اگر کوئی عظیم مقصد پیش نظر ہو تو مطالبے کے بغیر قسم اٹھانے میں کوئی حرج نہیں۔ امام بخاری ؒ کے عنوان کا یہی مقصد ہے، چنانچہ اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قسم اٹھائی کہ وہ سونے کی انگوٹھی کبھی نہیں پہنیں گے، حالانکہ کسی نے آپ ﷺ سے قسم کھانے کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ ② دراصل دور جاہلیت میں لوگ لات و عزیٰ اور اپنے باپ دادا کی قسمیں اٹھاتے تھے، رسول اللہ ﷺ کے پیش نظر اس رسم بد کا خاتمہ تھا اور آپ بکثرت کلام میں اللہ تعالیٰ کی قسم اس لیے کھاتے تھے تاکہ ان پر واضح کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی قسم کھانا جائز نہیں، نیز لوگ آپ ﷺ کا عمل دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی قسم کھایا کریں اور دور جاہلیت کی قسموں کو خیر باد کہہ دیں۔[3]

(٧) بَابُ مَنْ حَلَفَ بِمِلَّةٍ سِوٰى [مِلَّةِ] الْإِسْلَامِ

باب:7- جس نے ملت اسلام کے علاوہ کسی اور ملت کی قسم اٹھائی

---

1 فتح الباري: 654/11. 2 البقرة 2:224. 3 فتح الباري: 655/11.

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ حَلَفَ بِاللَّاتِ وَالْعُزَّى فَلْيَقُلْ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ». وَلَمْ يَنْسُبْهُ إِلَى الْكُفْرِ.

نبی ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص لات وعزیٰ کی قسم اٹھائے تو وہ فوراً کلمہ طیبہ پڑھے، یعنی لا الہ الا اللہ کہے۔“ آپ ﷺ نے اسے کفر کی طرف منسوب نہیں کیا۔

وضاحت: ملت اسلام کے علاوہ دیگر ملتوں، جیسے: یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت وغیرہ ہیں، ان کی قسم اٹھانے والے کے متعلق امام بخاری ؒ نے کوئی حکم بیان نہیں کیا لیکن ان کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا آدمی دین اسلام سے خارج نہیں ہوگا۔[1]

٦٦٥٢ - حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ مِلَّةِ الْإِسْلَامِ فَهُوَ كَمَا قَالَ. وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ عُذِّبَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ، وَلَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ، وَمَنْ رَمٰى مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَتْلِهِ».
[راجع: ١٣٦٣]

[6652] حضرت ثابت بن ضحاک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص نے اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کی قسم کھائی تو وہ ایسا ہی ہے جیسا اس نے کہا۔ اور جس نے کسی چیز کو قتل کیا اسے دوزخ کی آگ میں اسی چیز سے عذاب دیا جائے گا۔ اور مومن پر لعنت کرنا قتل کے مترادف ہے اور جس نے کسی مومن پر کفر کا الزام لگایا وہ بھی قتل کے برابر ہے۔“

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس نے دین اسلام کے علاوہ کسی اور دین کی قسم اٹھائی، مثلاً: اگر میں نے یہ کام کیا تو میں یہودی بن جاؤں یا عیسائی ہو جاؤں، اس طرح کہنے والے کا اسلام خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ یہودی ہو جائے جیسا کہ اس نے کہا ہے۔ ② رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے مراد زجر وتہدید اور وعید معلوم ہوتی ہے، گویا وہ یہودیوں جیسے عذاب کا حق دار ہو جاتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اس کی مزید وضاحت ہے، حضرت بریدہ ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے قسم اٹھائی اور کہا کہ میں اسلام سے بے زار ہوں، اگر جھوٹا ہے تو واقعی اسلام سے بے زار ہوگا جیسا کہ اس نے کہا ہے اور اگر وہ سچا ہے تو پھر بھی اسلام کی طرف صحیح سالم نہیں لوٹ سکے گا۔“[2] صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے: ”جس نے جان بوجھ کر ملت اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کی جھوٹی قسم اٹھائی وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے کہا۔“[3] ③ حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ کسی چیز کو شرط کے ساتھ معلق کرنا بھی قسم ہوتا ہے کیونکہ اس سے بھی کسی چیز کے کرنے یا نہ کرنے کا عہد ہوتا ہے اور قسم میں یہی مقصود ہے۔ جمہور کا موقف ہے کہ ایسے آدمی کو توبہ واستغفار کرنا چاہیے، نیز اس کے ذمے کوئی کفارہ وغیرہ نہیں ہے لیکن اس میں کچھ تفصیل ہے کہ اگر وہ اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کی تعظیم کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ بلاشبہ دین اسلام سے خارج ہوگا اور اگر تعظیم مقصود نہیں بلکہ تعلیق ہی پیش نظر ہے تو اگر دوسرا دین اپنانے کا ارادہ ہے تو کافر ہو جائے گا کیونکہ

---

[1] فتح الباري: 11/655. [2] سنن أبي داود، الأيمان والنذور، حديث: 3258. [3] صحيح البخاري، الجنائز، حديث: 1363.

کفر کا ارادہ بھی کفر ہے اور اگر وہ اس سے دور رہنا چاہتا ہے تو کافر نہیں ہوگا۔ ④ بہر حال امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسے آدمی کو دین سے خارج خیال نہیں کرنا چاہیے۔[1]

(٨) بَابٌ: لَا يَقُولُ: مَا شَاءَ اللهُ وَشِئْتَ، وَهَلْ يَقُولُ: أَنَا بِاللهِ ثُمَّ بِكَ؟

باب: 8- کوئی یہ نہ کہے: جو اللہ چاہے اور جو تو چاہے۔ اور کیا یوں کہا جا سکتا ہے کہ مجھے اللہ کا سہارا ہے پھر آپ کا؟

وضاحت: اس عنوان کے دو جز ہیں: پہلے جز کے متعلق قطعی حکم بیان کیا کہ ایسا نہیں کہنا چاہیے: ''جو اللہ چاہے اور جو تو چاہے'' کیونکہ واؤ عطف اشتراک کے لیے ہے اور خالق ومخلوق کو کسی ایک صفت میں جمع کرنا ادب کے خلاف ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''تم میں سے کوئی شخص یوں نہ کہے: مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ، بلکہ یوں کہو: مَاشَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ مَا شَاءَ مُحَمَّدٌ''[2] اس کا مطلب یہ ہے کہ ''واؤ'' عطف کے بجائے ''ثُمَّ'' لانا جائز ہے کیونکہ ''ثُمَّ'' تراخی کو چاہتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اس کی مخلوق کی مشیت سے مقدم ہوگی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''تم نہیں چاہ سکتے مگر جب چاہے اللہ تعالیٰ جو رب العالمین ہے۔''[3] دوسرے جز کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ نے قطعی حکم بیان نہیں کیا بلکہ توقف کیا ہے جس کی تفصیل ہم حدیث کے بعد فوائد میں بیان کریں گے۔

٦٦٥٣ - وَقَالَ عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي عَمْرَةَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ حَدَّثَهُ: أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ ثَلَاثَةً فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ أَرَادَ اللهُ أَنْ يَبْتَلِيَهُمْ، فَبَعَثَ مَلَكًا فَأَتَى الْأَبْرَصَ، فَقَالَ: تَقَطَّعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فَلَا بَلَاغَ لِي إِلَّا بِاللهِ ثُمَّ بِكَ»، فَذَكَرَ الْحَدِيثَ. [راجع: ٣٤٦٤]

[6653] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ کو یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے تین آدمیوں کا امتحان لینے کا ارادہ کیا تو ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا۔ وہ کوڑھی کے پاس آیا اور اس سے کہا: میرے تمام اسباب و ذرائع ختم ہو چکے ہیں، میرے لیے اب اللہ کے سوا پھر تیرے علاوہ کوئی سہارا نہیں ہے۔'' پھر راوی نے پوری حدیث بیان کی۔

فوائد ومسائل: ① بنی اسرائیل کے تین شخصوں: کوڑھ والے، گنجے اور نابینے کا واقعہ مشہور ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے دوسرے مقام پر تفصیل سے بیان کیا ہے۔[4] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس دوسرے جز کے جواز یا عدم جواز کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ

1 فتح الباري: 656/11. 2 مسند أحمد: 393/5. 3 التكوير 29:81. 4 صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3464.

بیان نہیں کیا کیونکہ حدیث میں ایک فرشتے کی بات ہے جو بطور امتحان کہی گئی تھی، لہٰذا اس میں احتمال کی گنجائش ہے اور جس میں دوسرے پہلو کا احتمال ہو اس سے استدلال منع ہوتا ہے، البتہ امام مہلب نے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد ان الفاظ میں بیان کیا ہے: امام بخاری کے نزدیک مَاشَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ مَاشِئْتَ کہنا جائز ہے، پھر بطور دلیل مذکورہ حدیث بیان کی ہے جس میں أَنَا بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ استعمال ہوا ہے، کیونکہ اس میں ''ثُمَّ'' کا استعمال ہوا جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت بندوں کی مشیت پر مقدم ہے۔ چونکہ اس سلسلے میں صریح حدیث ان کی شرائط کے مطابق نہ تھی، اس لیے انھوں نے ایک صحیح حدیث سے اس کا جواز استنباط کیا جو ان کی شرط کے مطابق تھی۔ [1] ② اسی طرح أَعُوذُ بِاللّٰهِ وَبِكَ جائز نہیں کیونکہ واؤ سے اشتراک لازم آتا ہے جبکہ أَعُوذُ بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ جائز ہے کیونکہ ''ثُمَّ'' سے اشتراک لازم نہیں آتا بلکہ یہ لفظ تراخی کو چاہتا ہے۔ [2] ③ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت مذکورہ حدیث درج ذیل وجوہات کی بنا پر پیش کی ہے: ○ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث ان الفاظ میں مروی ہے: ''جب تم میں سے کوئی قسم اٹھائے تو یوں نہ کہے مَاشَآءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ بلکہ اس طرح کہے: مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شِئْتَ [3] ○ أَنَا بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ سے غیر اللہ کی قسم کا جواز کشید کیا جا سکتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ قسم کے علاوہ تو جائز ہے لیکن قسم اٹھاتے وقت یہ انداز صحیح نہیں کیونکہ اس کے متعلق بصراحت حکم امتناعی ہے۔ [4]

(٩) بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: ﴿وَأَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ﴾ [الأنعام: ١٠٩]،

باب: 9- ارشاد باری تعالیٰ: ''اور انھوں نے اپنی پختہ قسمیں کھاتے ہوئے اللہ کی قسم اٹھائی'' کا بیان

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ: فَوَاللّٰهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! لَتُحَدِّثَنِّي بِالَّذِي أَخْطَأْتُ فِي الرُّؤْيَا، قَالَ: «لَا تُقْسِمْ».

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! آپ مجھے ضرور بتائیں جو میں نے خواب کی تعبیر میں خطا کی ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''قسم نہ دو۔''

وضاحت: لفظ قسم، قسامة سے ماخوذ ہے اور اس سے مراد وہ قسم ہے جو اندھے قتل میں مقتول کے ورثاء پر لازم ہوتی ہے، پھر اس کا اطلاق ہر قسم کے حلف پر ہونے لگا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد ان لوگوں کی تردید کرنا ہے جو لفظ ''أَقْسَمْتُ'' سے حلف مراد نہیں لیتے۔ وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اس لفظ سے بھی قسم منعقد ہو جاتی ہے، خواہ اس کے ساتھ لفظ ''اللّٰه'' کا استعمال نہ کیا جائے جیسا کہ پیش کردہ حدیث میں ہے، تاہم مطلق حدیث میں قسم باللہ ہی مقصود ہے۔ والله أعلم. [5] امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث دوسرے مقام پر تفصیل سے بیان کی ہے۔ [6]

٦٦٥٤ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ

[6654] حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے

---

① فتح الباري: 11/656. ② عمدة القاري: 15/702. ③ سنن ابن ماجه، الكفارات، حديث: 2117. ④ فتح الباري: 11/659. ⑤ فتح الباري: 11/660. ⑥ صحيح البخاري، التعبير، حديث: 7046.

أَشْعَثَ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ، عَنِ الْبَرَاءِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ؛ ح: وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَشْعَثَ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ، عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَمَرَنَا النَّبِيُّ ﷺ بِإِبْرَارِ الْمُقْسِمِ. [راجع: ١٢٣٩]

کہا: نبی ﷺ نے ہمیں قسم اٹھانے والے کی قسم کو پورا کرنے کا حکم دیا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں بھی حلف کے بجائے لفظ قسم استعمال ہوا ہے، اس سے بھی قسم منعقد ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے قسم اٹھانے والے کی قسم کو سچا کرنے کا حکم دیا ہے، یہ اس وقت ہے جب کسی قسم کے نقصان کا خطرہ نہ ہو۔ اگر جسے قسم دی جائے اسے یا دوسرے دینداروں کو نقصان کا خطرہ ہو تو اس کا پورا کرنا ضروری نہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قسم کو پورا نہیں فرمایا کیونکہ ان کی تعبیر میں خطا کا مقام بیان کرنے سے مسلمانوں کے نقصان کا خطرہ تھا، اس لیے مذکورہ حدیث میں قسم کو پورا کرنے کا امر استحبابی ہے۔ یہ بھی اس وقت جب وہاں کوئی امر مانع نہ ہو۔ واللہ أعلم.[1] ② مذکورہ حدیث ایک طویل حدیث کا حصہ ہے جسے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔[2]

٦٦٥٥ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: أَخْبَرَنَا عَاصِمٌ الْأَحْوَلُ: سَمِعْتُ أَبَا عُثْمَانَ يُحَدِّثُ عَنْ أُسَامَةَ: أَنَّ ابْنَةً لِرَسُولِ اللهِ ﷺ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِ - وَمَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ أُسَامَةُ [ابْنُ زَيْدٍ] وَسَعْدٌ وَأَبِي أَوْ أُبَيٌّ -: أَنَّ ابْنِي قَدِ احْتُضِرَ فَاشْهَدْنَا، فَأَرْسَلَ يَقْرَأُ السَّلَامَ وَيَقُولُ: «إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَمَا أَعْطَى، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ مُسَمًّى، فَلْتَصْبِرْ وَتَحْتَسِبْ، فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ تُقْسِمُ عَلَيْهِ فَقَامَ وَقُمْنَا مَعَهُ فَلَمَّا قَعَدَ رُفِعَ إِلَيْهِ فَأَقْعَدَهُ فِي حَجْرِهِ وَنَفْسُ الصَّبِيِّ تَقَعْقَعُ فَفَاضَتْ عَيْنَا رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ سَعْدٌ: مَا هٰذَا يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «هٰذِهِ رَحْمَةٌ يَضَعُهَا

[6655] حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک صاحبزادی نے آپ کو پیغام بھیجا۔ اس وقت آپ کے پاس حضرت اسامہ بن زید، حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ (پیغام یہ تھا) کہ میرا بیٹا قریب الوفات ہے، آپ تشریف لائیں۔ آپ نے جواب میں پیغام بھیجا کہ میرا سلام کہو اور اسے کہو: ''بے شک سب اللہ کا مال ہے جو اس نے لے لیا اور جو عنایت فرمایا۔ اس کے ہاں ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے، لہٰذا اسے چاہیے کہ صبر کرے اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھے۔'' صاحبزادی نے دوبارہ پیغام بھیجا اور آپ کو قسم دی کہ ضرور تشریف لائیں، چنانچہ آپ اسی وقت اٹھے، ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ تیار ہوئے۔ جب آپ وہاں جا کر بیٹھے تو بچہ

---

1 عمدة القاري: 704/15. 2 صحيح البخاري، الجنائز، حديث: 1239.

اللهُ فِي قُلُوبِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ، وَإِنَّمَا يَرْحَمُ اللهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ». [راجع: ١٢٨٤]

اٹھا کر آپ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اسے اپنی آغوش میں بٹھایا جبکہ وہ دم توڑ رہا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اللہ کے رسول! یہ رونا کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''یہ رونا رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جن کے دلوں میں چاہتا ہے اسے رکھ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے ان پر رحم کرتا ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں حلف یا یمین کے بجائے لفظ قسم آیا ہے بلکہ ایک روایت میں صراحت ہے کہ وہ صاحبزادی آپ کو قسم دیتی تھیں کہ آپ ضرور تشریف لائیں۔[1] ② اس امر میں اختلاف ہے کہ أَقْسَمْتُ بِاللهِ یا صرف أَقْسَمْتُ کہنے سے قسم ہوتی ہے یا نہیں؟ کچھ حضرات کا خیال ہے کہ اس طرح قسم ہو جاتی ہے اگرچہ اس کی نیت نہ ہو جبکہ اکثریت کا موقف ہے کہ جب قسم کی نیت ہو تو اس طرح قسم منعقد ہو جاتی ہے۔ اس حدیث سے اسی موقف کی تائید ہوتی ہے کہ جب صاحبزادی نے قسم کے الفاظ سے آپ کو گزارش کی تو آپ اسے پورا کرنے کے لیے فوراً چل پڑے کیونکہ قسم کو پورا کرنا ایک مستحسن اور پسندیدہ عمل ہے۔ واللہ أعلم.[2]

٦٦٥٦ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا يَمُوتُ لِأَحَدٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْوَلَدِ تَمَسُّهُ النَّارُ إِلَّا تَحِلَّةَ الْقَسَمِ». [راجع: ١٢٥١]

[6656] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس مسلمان کے تین بچے فوت ہو جائیں تو اسے جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی مگر صرف قسم کو پورا کرنے کے لیے ایسا ہوگا۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں لفظ قسم استعمال ہوا ہے جس سے مراد یمین یا حلف ہے۔ روایت میں قسم سے مراد اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: [وَاللهِ! مَا مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا] ''تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو دوزخ پر سے ہو کر نہ جائے۔''[3] اس ارشاد باری تعالیٰ میں قسم کا لفظ مقدر ہے۔ اصل عبارت یوں ہے: ''اللہ کی قسم! تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو دوزخ پر سے گزر کر نہ جائے۔''[4] ② کچھ حضرات کا خیال ہے کہ اس میں قسم مقدر (پوشیدہ) نہیں بلکہ آیت سابقہ پر عطف ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: آپ کے پروردگار کی قسم! ہم انھیں اور ان کے ساتھ شیطانوں کو ضرور جمع کریں گے۔'' اس قسم پر عطف ڈالا گیا ہے۔[5] ③ واضح رہے کہ وارد ہونے سے مراد داخل ہونا نہیں بلکہ اوپر سے گزرنا ہے۔ واللہ أعلم.

---

① صحيح البخاري، الجنائز، حديث: 1284. ② فتح الباري: 11/660. ③ مريم 19:71. ④ عمدة القاري: 15/706.
⑤ فتح الباري: 11/661.

٦٦٥٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنِي غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَعْبَدِ بْنِ خَالِدٍ: سَمِعْتُ حَارِثَةَ بْنَ وَهْبٍ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى أَهْلِ الْجَنَّةِ؟ كُلُّ ضَعِيفٍ مُتَضَعَّفٍ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ، وَأَهْلِ النَّارِ: كُلُّ جَوَّاظٍ عُتُلٍّ مُسْتَكْبِرٍ». [راجع: ٤٩١٨]

[6657] حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''میں تمھیں بتاؤں کہ جنتی کون ہے؟ ہر وہ ناتواں جسے لوگ کمزور اور حقیر خیال کرتے ہوں، اگر وہ کسی بات پر اللہ کی قسم اٹھائے تو اللہ اسے پورا کر دیتا ہے۔ اور اہل جہنم ہر وہ موٹی گردن والا، بدخلق اور تکبر کرنے والا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں بھی قسم کا لفظ بول کر حلف مراد لیا گیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی مقصد کے لیے اس حدیث کو بیان کیا ہے۔ ② ضعیف سے مراد کمزور و ناتواں اور مُتَضَعَّف سے مراد وہ شخص جسے لوگ اس کے ضعف حال کے پیش نظر حقیر خیال کرتے ہوں۔ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ اس حدیث میں ضعیف سے مراد کون ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: جو انسان ایک دن میں پچیس سے پچاس مرتبہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھتا ہو، یعنی جو انسان خود کو بری کرتا ہو کہ مجھ میں اللہ کی توفیق کے علاوہ نیکی کرنے اور گناہ سے بچنے کی ہمت نہیں ہے۔[1] اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر کمزور مسلمان جنتی ہے اور ہر بدخلق، متکبر انسان دوزخی ہے۔ اس کا برعکس مراد نہیں کہ اس کے علاوہ دوسرے اوصاف کے حاملین جنت یا دوزخ میں نہیں جائیں گے۔[2]

(١٠) بَابٌ: إِذَا قَالَ: أَشْهَدُ بِاللهِ، أَوْ شَهِدْتُ بِاللهِ

باب: 10- جب کوئی کہے: میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں یا میں نے اللہ کو گواہ بنایا

وضاحت: اس عنوان کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ الفاظ سے قسم ہوگی یا نہیں؟ یعنی میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں یہ کام کروں گا یا نہیں کروں گا، یا اس طرح کہے کہ میں نے اللہ کو گواہ بنایا ہے کہ میں یہ کام کروں گا یا نہیں کروں گا۔ اگر وہ کام نہیں کرتا یا کر لیتا ہے تو اس پر کفارہ ہوگا یا نہیں؟ جمہور اہل علم کا موقف ہے کہ مذکورہ الفاظ قسم کے لیے کنایہ ہیں۔ اگر اس کا ارادہ قسم کا ہے تو قسم توڑنے کی صورت میں کفارہ دے گا، بصورت دیگر کوئی کفارہ وغیرہ نہیں۔ واللہ أعلم.

٦٦٥٨ - حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَبِيدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ؟ قَالَ: «قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ

[6658] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون لوگ اچھے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''میرے زمانے کے لوگ بہتر ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے، پھر وہ جو ان کے

1 فتح الباري: 662/11. 2 عمدة القاري: 706/15.

يَلُونَهُمْ، ثُمَّ يَجِيءُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِينَهُ، وَيَمِينُهُ شَهَادَتَهُ». [راجع: ٢٦٥٢]

قریب ہوں گے۔ پھر ایسے لوگ پیدا ہوں کہ ان کی گواہی قسم سے پہلے زبان پر آجایا کرے گی اور ان کی قسم ان کی شہادت سے سبقت کرے گی۔“

قَالَ إِبْرَاهِيمُ: وَكَانَ أَصْحَابُنَا يَنْهَوْنَا وَنَحْنُ غِلْمَانٌ أَنْ نَحْلِفَ بِالشَّهَادَةِ وَالْعَهْدِ. [راجع: ٢٦٥٢]

ابراہیم نخعی نے کہا: جب ہم کمسن تھے تو ہمارے اساتذہ ہمیں قسم اٹھانے سے منع کرتے تھے کہ ہم گواہی یا عہد میں قسم کھائیں۔

فوائد ومسائل: ① اس عنوان کے متعلق اہل علم کے چار قول ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ میں گواہی دیتا ہوں یا قسم اٹھاتا ہوں یا میں عزم کرتا ہوں۔ یہ قسم کے الفاظ ہیں حانث ہونے کی صورت میں کفارہ دینا ہوگا۔ ○ صرف ”میں گواہی دیتا ہوں۔“ کے الفاظ قسم کے لیے کافی نہیں بلکہ یوں کہا جائے کہ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں اور قسم کا ارادہ کیا تو ایسا کہنا قسم ہے۔ ○ شہادت کے الفاظ قسم کے لیے کافی نہیں ہوں گے کیونکہ قسم اٹھانا اور گواہی دینا دونوں الگ الگ معاملات ہیں۔ ○ میں کعبے کو گواہ بناتا ہوں یا نبی کو گواہ کرتا ہوں، یہ الفاظ قسم نہیں ہوں گے۔[1] ② امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہادت کے الفاظ قسم کے لیے کافی نہیں ہیں کیونکہ انھوں نے حدیث کے جو الفاظ بیان کیے ہیں کہ ان کی گواہی قسم سے اور ان کی قسم ان کی گواہی سے سبقت کرے گی، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ قسم اور شہادت کے درمیان فرق ہے۔ ہاں، اگر ان الفاظ سے قسم کی نیت کی ہے تو یقیناً قسم ہی مراد ہوگی۔ واللہ أعلم.[2] ③ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے قریب لوگ شریعت کی پابندی نہیں کریں گے اور انھیں شرعی ضوابط کا علم نہ ہوگا، اس لیے وہ گواہی کی جگہ قسم کھائیں گے اور قسم کی جگہ گواہی دیں گے۔

(١١) بَابُ عَهْدِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ

باب: 11- اللہ عزوجل کے عہد کا اظہار کرنا

وضاحت: مجھ پر اللہ تعالیٰ کا عہد ہے میں یہ کام ضرور کروں گا، کیا یہ الفاظ قسم کے ہم معنی ہیں؟ حانث ہونے کی صورت میں کفارہ دینا ہوگا، اس عنوان میں اس امر کی وضاحت ہوگی۔

٦٦٥٩ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ وَمَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ كَاذِبَةٍ لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ رَجُلٍ مُسْلِمٍ - أَوْ قَالَ: أَخِيهِ - لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ»، فَأَنْزَلَ اللهُ تَصْدِيقَهُ

[6659] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”جس نے جھوٹی قسم اس لیے کھائی کہ کسی مسلمان یا اپنے بھائی کا مال ہضم کرے تو اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ وہ اس پر غضبناک ہوگا۔“ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تصدیق نازل فرمائی: ”بلاشبہ وہ لوگ جو اللہ کے عہد (اور اپنی

---

① عمدة القاري: 707/15. ② فتح الباري: 662/11.

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ ٱللَّهِ﴾ [آل عمران: ٧٧]. [راجع: ٢٣٥٦]

قسموں) کو قلیل رقم میں بیچ ڈالتے ہیں۔"

٦٦٦٠ - قَالَ سُلَيْمَانُ فِي حَدِيثِهِ: فَمَرَّ الْأَشْعَثُ بْنُ قَيْسٍ فَقَالَ: مَا يُحَدِّثُكُم عَبْدُ اللهِ؟ قَالُوا لَهُ فَقَالَ الْأَشْعَثُ: نَزَلَتْ فِيَّ وَفِي صَاحِبٍ لِّي فِي بِئْرٍ كَانَتْ بَيْنَنَا. [راجع: ٢٣٥٧]

[6660] سلیمان نے بیان کیا کہ پھر حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے تو انھوں نے پوچھا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تم سے کیا بیان کر رہے تھے؟ لوگوں نے انھیں بتایا تو حضرت اشعث رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ آیت کریمہ میرے اور میرے ایک ساتھی کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ میرا ان سے ایک کنویں کے متعلق جھگڑا تھا۔

فائدہ: اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا عہد ہے کہ میں فلاں کام ضرور کروں گا اور ان الفاظ میں اس نے قسم کی نیت کی ہے تو کام نہ کرنے کی صورت میں اسے کفارہ دینا ہوگا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک اللہ کے عہد سے مراد اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھانا ہے۔ آیت کریمہ میں بھی عَهْدُ اللّٰه سے مراد اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھانا ہے۔ اگر قسم کی نیت نہیں تو کام نہ کرنے کی صورت میں کوئی کفارہ نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر مکلف سے عہد لیا ہے کہ وہ شیطان کی عبادت نہیں کریں گے بلکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔ بہر حال اس طرح کے الفاظ میں انسان کی نیت دیکھی جائے گی۔ واللہ أعلم.[1]

(١٢) بَابُ الْحَلِفِ بِعِزَّةِ اللهِ وَصِفَاتِهِ وَكَلَامِهِ

باب: 12- اللہ تعالیٰ کی عزت، اس کی صفات اور اس کے کلمات کی قسم کھانا

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ: «أَعُوذُ بِعِزَّتِكَ».

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے: "اے اللہ! میں تیری عزت کی پناہ لیتا ہوں۔"

وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «يَبْقَى رَجُلٌ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، فَيَقُولُ: يَا رَبِّ! اصْرِفْ وَجْهِي عَنِ النَّارِ، لَا وَعِزَّتِكَ لَا أَسْأَلُكَ غَيْرَهَا».

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا: "جنت اور دوزخ کے درمیان ایک آدمی باقی رہ جائے گا تو وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! میرا چہرہ دوزخ سے دوسری طرف پھیر دے۔ تیری عزت کی قسم! اس کے علاوہ میں تجھ سے اور کچھ نہیں مانگوں گا۔"

وَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «قَالَ اللهُ: لَكَ ذٰلِكَ وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ».

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تیرے لیے یہ ہے اور اس سے دس گنا

[1] فتح الباري: 664/11.

اور زیادہ۔''

وَقَالَ أَيُّوبُ: «وَعِزَّتِكَ لَا غِنًى لِي عَنْ بَرَكَتِكَ».

حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا: ''تیری عزت کی قسم! مجھے تیری برکت سے استغنا نہیں ہے۔''

وضاحت: عنوان میں تین چیزوں کی قسم کا ذکر ہے: ○ مجھے عزت الٰہی کی قسم! میں یہ کام کروں گا۔ ○ مجھے کبریائی الٰہ کی قسم! میں فلاں کام سرانجام دوں گا۔ ○ مجھے اس کے کلمات کی قسم جو اس نے نازل فرمائے ہیں! ان تمام صورتوں میں اگر وہ کام نہ کیا تو حانث (گناہ گار) ہو جائے گا اور کفارہ دینا ہوگا۔

٦٦٦١ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا تَزَالُ جَهَنَّمُ تَقُولُ: هَلْ مِنْ مَّزِيدٍ؟ حَتَّى يَضَعَ رَبُّ الْعِزَّةِ فِيهَا قَدَمَهُ فَتَقُولُ: قَطْ قَطْ وَعِزَّتِكَ، وَيُزْوٰى بَعْضُهَا إِلٰى بَعْضٍ». رَوَاهُ شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ. [راجع: ٤٨٤٨]

[6661] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''دوزخ، ہمیشہ یہ کہتی رہے گی: کیا کچھ مزید ہے؟ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھ دے گا تو وہ کہہ اٹھے گی: بس بس، مجھے تیری عزت کی قسم! اس کا ایک حصہ سکڑ کر دوسرے سے مل جائے گا۔'' اس روایت کو شعبہ نے قتادہ سے روایت کیا ہے۔

فوائد ومسائل: ① قسم کی تین قسمیں ہیں: ○ صریح: اس میں نیت اور ارادے کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ وہ اپنے مفہوم میں اس قدر واضح ہوتی ہے کہ اسے اٹھاتے ہی منعقد ہو جاتی ہے۔ ○ کنایہ: وہ اپنے مفہوم اور مدعیٰ میں واضح نہیں ہوتی۔ اس میں انسان کے عزم وارادے کو دیکھا جاتا ہے۔ نیت کی صورت میں وہ منعقد ہو جاتی ہے۔ ○ متردد: اس کا واضح فیصلہ نہیں ہوتا۔ اگر اسے صریح سے ملایا جائے تو ارادہ دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی اور اگر اسے کنائے سے ملایا جائے تو نیت کا اعتبار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کو بعض لوگوں نے متردد قسم میں شمار کیا ہے لیکن ہمارے رجحان کے مطابق صفات ذات کو صریح سے ملانا چاہیے اور صفات فعل کو کنائے میں شمار کیا جائے۔ ② حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عزت الٰہی کی قسم سے منع کرتے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عزت اس کی صفت ذات ہے اور اس کی قسم اٹھانا جائز ہے جیسا کہ روایت میں ہے لیکن حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ممانعت کا حکم محل نظر ہے کیونکہ اس روایت کی سند معیار صحت کے مطابق نہیں ہے۔[1] ③ صفت قدم کے متعلق ہم اپنی گزارشات کتاب التوحید میں بیان کریں گے، البتہ اس بات کا اظہار ضروری خیال کرتے ہیں کہ اسے ظاہر پر محمول کرتے ہوئے مبنی بر حقیقت تسلیم کیا جائے۔ اس کی تاویل کرنا علمائے سلف کا طریقہ نہیں۔ اس کی کیفیت بیان کرنا بھی بدعتی حضرات کا وتیرہ ہے۔ ④ بعض حضرات کی طرف سے یہ تاویل کی گئی ہے کہ قدم سے مراد ایک مخلوق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے پیدا کیا تھا۔ ان کے سر کتوں اور چوپایوں کے سروں جیسے اور باقی اعضاء انسانوں جیسے ہیں۔ انھوں نے نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں ہلاک کر دیا۔ جب دوزخ زیادہ طلب کرے گی تو اللہ تعالیٰ اس مخلوق کو اس میں ڈال دے گا۔

1 فتح الباري: 665/11.

نعوذ باللہ من ذالك. صفات باری تعالیٰ کے متعلق اس طرح رکیک تاویلات کرنا اہل علم کی شان کے خلاف ہے۔ واللہ أعلم.

(١٣) بَابُ قَوْلِ الرَّجُلِ: لَعَمْرُ اللهِ

باب: 13- آدمی کا لعمر اللہ کہنا

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: ﴿لَعَمْرُكَ﴾ [الحجر: ٧٢]: لَعَيْشُكَ.

حضرت ابن عباس ؓ نے لَعَمْرُكَ کے متعلق کہا ہے کہ اس سے مراد "تیری زندگی کی قسم" ہے۔

وضاحت: اس عنوان کا مطلب یہ ہے کہ لَعَمْرُاللہ کے الفاظ سے قسم واقع ہوگی یا نہیں، غالباً اس کے لیے امام بخاری ؒ نے حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ایک اثر پیش کیا ہے۔ بہر حال ان الفاظ سے قسم کا ہونا یا نہ ہونا انسان کی نیت پر موقوف ہے۔ واللہ أعلم.

٦٦٦٢ - حَدَّثَنَا الْأُوَيْسِيُّ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ؛ ح: وَحَدَّثَنَا حَجَّاجُ ابْنُ مِنْهَالٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ النُّمَيْرِيُّ: حَدَّثَنَا يُونُسُ قَالَ: سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ قَالَ: سَمِعْتُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ وَسَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ وَعَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ وَعُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ عَنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ قَالَ لَهَا أَهْلُ الْإِفْكِ مَا قَالُوا فَبَرَّأَهَا اللهُ، وَكُلٌّ حَدَّثَنِي طَائِفَةً مِّنَ الْحَدِيثِ، فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَاسْتَعْذَرَ مِنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أُبَيٍّ فَقَامَ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ فَقَالَ لِسَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ: لَعَمْرُ اللهِ لَنَقْتُلَنَّهُ. [راجع: ٢٥٩٣]

[6662] نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ ام المومنین حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ جب بہتان تراشوں نے ان پر طوفان باندھا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی پاک دامنی واضح کر دی تو نبی ﷺ کھڑے ہوئے اور عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) سے انتقام کے متعلق فرمایا تو حضرت اسید بن حضیر ؓ کھڑے ہوئے اور حضرت سعد بن عبادہ ؓ سے کہا: حیات الٰہی (اللہ کی بقا) کی قسم! ہم اس کو ضرور قتل کریں گے۔

فوائد ومسائل: ① بعض حضرات کا خیال ہے عَمْرُاللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ باقی رہنا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے، لہٰذا لعمر اللہ کہنے سے قسم واقع ہو جاتی ہے لیکن امام شافعی ؒ کا کہنا ہے کہ قسم کا واقع ہونا کہنے والے کی نیت پر موقوف ہے کیونکہ عمر اللہ سے مراد علم اور حق بھی ہے، اس بنا پر ضروری نہیں کہ صرف ان الفاظ کے کہنے سے قسم واقع ہو جائے۔[1] ② ہمارے رجحان کے مطابق امام شافعی ؒ کا موقف ہی درست معلوم ہوتا ہے۔ مذکورہ روایت میں حضرت اسید بن

1 فتح الباري: 11/666.

حضیر رضی اللہ عنہ نے حیات الٰہی کی قسم اٹھائی تھی، اس لیے یہ الفاظ قسم کے لیے استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ واللہ أعلم۔ حضرت لقیط بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں خود رسول اللہ ﷺ نے "لعمر اللہ" کے الفاظ کئی دفعہ استعمال فرمائے ہیں۔[1]

(١٤) بَابٌ: ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ أَيْمَٰنِكُمْ﴾ اَلْآيَةَ [البقرة: ٢٢٥].

باب: 14- ارشاد باری تعالیٰ: "اللہ تعالیٰ تمھاری لغو قسموں پر تمھاری گرفت نہیں کرے گا" کا بیان

وضاحت: قرآن مجید میں مذکورہ الفاظ دو مرتبہ آئے ہیں: ایک سورۂ بقرہ (225) میں اور دوسرے سورۂ مائدہ (89) میں۔ اس مقام پر سورۂ بقرہ والے الفاظ مراد ہیں کیونکہ سورۃ المائدہ کی آیت آغاز میں بیان ہو چکی ہے۔ اس آیت کا تتمہ یہ ہے: "بلکہ ان قسموں پر باز پرس کرے گا جن کا تمھارے دلوں نے کسب کیا اور اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا نہایت بردبار ہے۔"

٦٦٦٣ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ هِشَامٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ﴾ قَالَ: قَالَتْ: أُنْزِلَتْ فِي قَوْلِهِ: لَا وَاللهِ، وَبَلَى وَاللهِ.

[راجع: ٤٦١٣]

[6663] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: یہ آیت آدمی کے کلام: لَا وَاللّٰهِ اور بَلٰى وَاللّٰهِ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یمین لغو کی وضاحت کی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لغو قسم" یہ ہے کہ آدمی اپنے گھر میں کلا واللہ اور بلی واللہ بے ساختہ کہہ دیتا ہے۔"[2] لیکن امام ابوداود رحمہ اللہ نے اس کے مرفوع یا موقوف ہونے کے متعلق اختلاف کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ ② بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ نے یمین لغو کے متعلق ثابت کیا ہے کہ اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں اور نہ اس میں کوئی کفارہ ہی پڑتا ہے۔ یمین لغو کی حقیقت ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ وہاں اس کی وضاحت موجود ہے۔ بہرحال کچھ لوگوں کا تکیۂ کلام ہوتا ہے کہ وہ دوران گفتگو میں قصد و ارادہ کے بغیر بطور عادت قسم اٹھاتے ہیں اگرچہ یہ عادت اچھی نہیں، تاہم اس میں کوئی گناہ یا کفارہ نہیں۔ واللہ أعلم۔

(١٥) بَابٌ: إِذَا حَنِثَ نَاسِيًا فِي الْأَيْمَانِ

باب: 15- جب کوئی بھول کر قسم توڑ دے تو

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَآ أَخْطَأْتُم بِهِۦ﴾ [الأحزاب: ٥]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو تم بھول کر کرو۔"

وَقَالَ: ﴿لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ﴾ [الكهف: ٧٣].

نیز فرمایا: "بھول چوک پر میرا مؤاخذہ نہ کرو۔"

---

① مسند أحمد: 13/4. ② سنن أبي داود، الأيمان والنذور، حديث: 3254، بعد حديث: 3324.

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے بھول کر قسم توڑنے والے کے متعلق کوئی حکم بیان نہیں کیا لیکن پیش کردہ آیات و احادیث سے ان کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھول اور غلطی کے عذر کی وجہ سے اس قسم کے متعلق نرم گوشہ رکھتے ہیں کہ اس میں کوئی کفارہ نہیں ہے۔ اس کی ہم آئندہ وضاحت کریں گے۔ بإذن الله تعالٰى.

٦٦٦٤ - حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيٰى: حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ: حَدَّثَنَا زُرَارَةُ بْنُ أَوْفٰى عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يَرْفَعُهُ قَالَ: «إِنَّ اللهَ تَجَاوَزَ لِأُمَّتِي عَمَّا وَسْوَسَتْ - أَوْ حَدَّثَتْ - بِهِ أَنْفُسَهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ بِهِ أَوْ تَكَلَّمْ». [راجع: ٢٥٢٨]

[6664] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ اسے مرفوع بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالٰی نے میری امت سے وسوسے اور ان کے دل کی باتوں سے درگزر فرمایا ہے، جب تک وہ ان پر عمل پیرا نہ ہوں یا انھیں زبان پر نہ لے آئیں۔''

فائدہ: کسی چیز کے وجود ذہنی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اعتبار صرف وجود قولی کا ہے جس کا تعلق گفتار سے ہے یا وجود عملی کا اعتبار ہے جس کا تعلق کردار سے ہے۔ غلطی سے یا بھول کر قسم توڑنا شرعاً اس کا بھی کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا ایسی قسم پر کوئی گناہ یا کفارہ نہیں ہے۔ ہاں، گناہ پر اصرار یہ وسوسہ یا دلی خیال نہیں بلکہ دل کا فعل ہے، اس اصرار پر ضرور مؤاخذہ ہوگا۔ والله أعلم.

٦٦٦٥ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ الْهَيْثَمِ - أَوْ مُحَمَّدٌ: عَنْهُ - عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ شِهَابٍ يَقُولُ: حَدَّثَنِي عِيسَى بْنُ طَلْحَةَ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ حَدَّثَهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَيْنَمَا هُوَ يَخْطُبُ يَوْمَ النَّحْرِ إِذْ قَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ فَقَالَ: كُنْتُ أَحْسِبُ يَا رَسُولَ اللهِ كَذَا وَكَذَا قَبْلَ كَذَا وَكَذَا، ثُمَّ قَامَ آخَرُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! كُنْتُ أَحْسِبُ كَذَا وَكَذَا لِهٰؤُلَاءِ الثَّلَاثِ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «افْعَلْ وَلَا حَرَجَ» لَهُنَّ كُلِّهِنَّ يَوْمَئِذٍ، فَمَا سُئِلَ يَوْمَئِذٍ عَنْ شَيْءٍ إِلَّا قَالَ: «اِفْعَلْ اِفْعَلْ وَلَا حَرَجَ». [راجع: ٨٣]

[6665] حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ قربانی کے دن خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، ایک صحابی کھڑے ہوئے اور کہا: اللہ کے رسول! میں فلاں فلاں ارکان کو فلاں فلاں ارکان سے پہلے خیال کرتا تھا۔ پھر ایک دوسرا کھڑا ہوا اور اس نے کہا: اللہ کے رسول! میں فلاں فلاں ارکان کے متعلق یونہی خیال کرتا تھا، اس کا اشارہ (حلق، رمی اور نحر) تینوں کی طرف تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''یونہی کر لو (ان میں سے کسی کام کے پہلے یا بعد کرنے میں) کوئی حرج نہیں۔'' چنانچہ اس دن آپ ﷺ سے جس کام کے متعلق بھی دریافت کیا گیا تو آپ نے یہی فرمایا: ''کر لو، یونہی کر لو، کوئی حرج نہیں۔''

فوائد و مسائل: ① حج کے تین ارکان ذبح، حلق اور رمی کے متعلق فرمایا کہ بھول کر تقدیم و تاخیر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ آپ نے بھول چوک کی بنا پر یہ قاعدہ جاری فرمایا کیونکہ جان بوجھ کر تقدیم و تاخیر کرنا جائز نہیں۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ جب ارکان حج کے متعلق تقدیم و تاخیر میں رسول اللہ ﷺ نے کسی قسم کے کفارے کا حکم نہیں دیا اور نہ فدیے ہی کو

لازم کہا ہے تو قسم کے متعلق بھی یہی ضابطہ ہے کہ اگر اسے بھی بھول چوک اور سہو ونسیان سے توڑ دیا جائے تو اس پر کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

٦٦٦٦ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ: زُرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ، قَالَ: «لَا حَرَجَ»، قَالَ آخَرُ: حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ، قَالَ: «لَا حَرَجَ». قَالَ آخَرُ: ذَبَحْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ، قَالَ: «لَا حَرَجَ». [راجع: ٨٤]

[6666] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے کہا: میں نے رمی سے پہلے طواف زیارت کرلیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی حرج نہیں۔'' ایک دوسرے نے کہا: میں نے قربانی ذبح کرنے سے پہلے اپنا سر منڈوادیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''کوئی حرج نہیں۔'' تیسرے نے کہا: میں نے رمی کرنے سے پہلے اپنی قربانی ذبح کردی ہے؟ آپ نے فرمایا: ''کوئی حرج نہیں۔''

فوائد ومسائل: ① یہ تمام واقعات حجۃ الوداع کے موقع پر پیش آئے۔ ان سے دین اسلام کے آسان ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اس نازک دور میں بھی رسول اللہ ﷺ کی طرح بہت دوررس نگاہوں کی ضرورت ہے۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خطا کرنے والے اور نسیان کا شکار ہونے والے پر کوئی مؤاخذہ نہیں حتی کہ فرض ادا کرنے میں اگر بھول چوک سے تقصیر ہو جائے تو وہ بھی قابل مؤاخذہ نہیں ہے، اس لیے اگر بھول کی بنا پر قسم ٹوٹ جائے تو اس پر کوئی کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ امام بخاری ؒ نے اسی مقصد کے لیے یہ حدیث پیش کی ہے۔

٦٦٦٧ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ سَعِيدِ ابْنِ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ يُصَلِّي وَرَسُولُ اللهِ ﷺ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ، فَجَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، فَقَالَ لَهُ: «ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ». فَرَجَعَ فَصَلَّى ثُمَّ سَلَّمَ، فَقَالَ: «وَعَلَيْكَ، ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ». قَالَ فِي الثَّالِثَةِ: فَأَعْلِمْنِي، قَالَ: «إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوءَ، ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ وَاقْرَأْ بِمَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ، ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا، ثُمَّ ارْفَعْ

[6667] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے داخل ہوا جبکہ رسول اللہ ﷺ مسجد کے ایک کونے میں تشریف فرما تھے۔ نماز سے فراغت کے بعد وہ شخص آیا اور آپ کو سلام کیا تو آپ نے فرمایا: ''لوٹ جا، دوبارہ نماز پڑھ، تو نے نماز نہیں پڑھی۔'' وہ واپس گیا، نماز پڑھ کر دوبارہ آیا اور آپ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے اس مرتبہ بھی یہی فرمایا: ''واپس جا اور نماز پڑھ کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔'' آخر تیسری مرتبہ اس نے کہا: آپ مجھے نماز کا طریقہ سکھا دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو پہلے اچھی طرح سے وضو کرو، پھر قبلہ رو ہو کر تکبیر تحریمہ کہو اور قرآن کا جو حصہ آسانی سے پڑھ سکتے ہو اسے تلاوت

رَأْسَكَ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَسْتَوِيَ وَتَطْمَئِنَّ جَالِسًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَسْتَوِيَ قَائِمًا، ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا». [راجع: ٧٥٧]

کرو، اس کے بعد اطمینان کے ساتھ رکوع کرو، پھر اپنا سر اٹھاؤ، جب سیدھے کھڑے ہو جاؤ تو پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کرو، پھر اپنا سر اٹھاؤ یہاں تک کہ سیدھے اطمینان سے بیٹھ جاؤ، پھر اطمینان سے سجدہ کرو، پھر اپنا سر اٹھاؤ یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ تم یہ عمل اپنی پوری نماز میں کرو۔''

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز درحقیقت وہی درست ہے جس میں سجدہ، رکوع، قیام، جلسہ اور قومے وغیرہ کو ٹھیک طور پر ادا کیا جائے۔ نماز میں اگرچہ بھول چوک معاف ہے لیکن اگر کوئی شخص بھول چوک کو مستقل معمول بنالے تو ایسی بھول قابل معافی نہیں ہے۔ قسم کا بھی یہی معاملہ ہے کہ اگر کوئی بھول کر اسے توڑ دیتا ہے تو قابل معافی ہے لیکن اگر کوئی اسے اپنا معمول بنالیتا ہے تو اسے معافی نہیں دینی چاہیے۔ مسیئ الصلاۃ نے بار بار نماز جلدی جلدی ادا کی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اسے تنبیہ فرمائی۔ واللّٰہ أعلم.

٦٦٦٨ - حَدَّثَنَا فَرْوَةُ بْنُ أَبِي الْمَغْرَاءِ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: هُزِمَ الْمُشْرِكُونَ يَوْمَ أُحُدٍ هَزِيمَةً تُعْرَفُ فِيهِمْ، فَصَرَخَ إِبْلِيسُ: أَيْ عِبَادَ اللهِ! أُخْرَاكُمْ، فَرَجَعَتْ أُولَاهُمْ فَاجْتَلَدَتْ هِيَ وَأُخْرَاهُمْ، فَنَظَرَ حُذَيْفَةُ بْنُ الْيَمَانِ فَإِذَا هُوَ بِأَبِيهِ، فَقَالَ: أَبِي أَبِي، قَالَتْ: فَوَاللهِ! مَا انْحَجَزُوا حَتَّى قَتَلُوهُ، فَقَالَ حُذَيْفَةُ: غَفَرَ اللهُ لَكُمْ. قَالَ عُرْوَةُ: فَوَاللهِ! مَا زَالَتْ فِي حُذَيْفَةَ مِنْهَا بَقِيَّةٌ حَتَّى لَقِيَ اللهَ. [راجع: ٣٢٩٠]

[6668] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: غزوۂ احد میں مشرکین شکست سے دوچار ہوئے اور اپنی شکست ان میں مشہور ہوگئی تو شیطان لعین زور سے چلایا: اللہ کے بندو! اپنے پیچھے سے دشمن کا خیال کرو، چنانچہ آگے والے لوگ پیچھے کی طرف پلٹ پڑے، پھر یہ (آگے والے) اور پیچھے والے باہم مصروف پیکار ہوگئے۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما نے دیکھا کہ اچانک ان کے والد اس جماعت میں ہیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ پکارنے لگے: یہ میرا باپ ہے۔ یہ میرا باپ ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ کی قسم! لوگ پھر بھی نہ رکے حتی کہ انھیں قتل کر دیا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ تمھاری مغفرت کرے۔ حضرت عروہ نے کہا: اللہ کی قسم! حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اپنے والد گرامی کی اس طرح شہادت کا آخر وقت تک افسوس رہا یہاں تک کہ وہ اپنے اللہ سے جا ملے۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ''بَقِیَّةُ خَیْرٍ'' کے الفاظ ہیں۔[1] اس روایت کے مطابق ترجمہ یوں ہوگا: حضرت

[1] صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4065.

حذیفہ ؓ پر مرتے دم تک اس دعا کی خیر و برکت کا اثر رہا جو اس وقت انھوں نے اپنے باپ کے قاتلوں کے لیے کی تھی کہ اللہ تعالیٰ تمھیں معاف فرمائے۔[1] ② رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو کچھ نہیں کہا جنھوں نے حضرت حذیفہ ؓ کے والد کو بھول کر غلطی اور لاعلمی میں شہید کر دیا تھا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بھول چوک سے اپنی قسم توڑ دے تو اس پر کفارہ واجب نہیں ہو گا۔ واللّٰه أعلم.

٦٦٦٩ - حَدَّثَنِي يُوسُفُ بْنُ مُوسَى: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ: حَدَّثَنِي عَوْفٌ عَنْ خِلَاسٍ وَمُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ أَكَلَ نَاسِيًا وَهُوَ صَائِمٌ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللهُ وَسَقَاهُ». [راجع: ١٩٣٣]

[6669] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے روزے کی حالت میں بھول چوک کر کھا لیا تو اسے چاہیے کہ اپنا روزہ پورا کرے کیونکہ اسے اللہ نے کھلایا اور پلایا ہے۔''

فائدہ: بھول چوک کے کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اس پر قیاس کرتے ہوئے امام بخاری ؒ نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ سہو و نسیان اور بھول چوک سے قسم کے منافی کام کر لینا قابل مؤاخذہ نہیں اور نہ اس پر کوئی کفارہ ہی لازم آتا ہے۔

٦٦٧٠ - حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَامَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ، فَمَضَى فِي صَلَاتِهِ، فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ انْتَظَرَ النَّاسُ تَسْلِيمَهُ فَكَبَّرَ وَسَجَدَ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَسَلَّمَ. [راجع: ٨٢٩]

[6670] حضرت عبداللہ ابن بحینہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک مرتبہ نماز پڑھائی اور پہلی دو رکعتوں کے بعد بیٹھنے سے پہلے ہی کھڑے ہو گئے اور نماز پڑھاتے رہے۔ پھر جب آپ نے اپنی نماز پوری کر لی تو لوگوں نے آپ کے سلام کا انتظار کیا لیکن آپ ﷺ نے اللہ اکبر کہا اور سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ کیا، پھر سر مبارک اٹھایا اور اللہ اکبر کہا، اور سجدہ کیا، پھر سجدے سے اپنا سر اٹھایا اور سلام پھیر دیا۔

٦٦٧١ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: سَمِعَ عَبْدَ الْعَزِيزِ بْنَ عَبْدِ الصَّمَدِ: حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ صَلَّى بِهِمْ صَلَاةَ

[6671] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے انھیں ظہر کی نماز پڑھائی تو نماز میں کچھ اضافہ یا کمی کر دی...... (راویٔ حدیث) منصور نے کہا: معلوم نہیں ہو سکا کہ ابراہیم سے وہم ہوا ہے یا علقمہ بھول گئے

① فتح الباري: 674/11.

الظُّهْرِ فَزَادَ أَوْ نَقَصَ مِنْهَا - قَالَ مَنْصُورٌ: لَا أَدْرِي إِبْرَاهِيمُ وَهِمَ أَمْ عَلْقَمَةُ - قَالَ: قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَقَصُرَتِ الصَّلَاةُ أَمْ نَسِيتَ؟ قَالَ: «وَمَا ذَاكَ؟» قَالُوا: صَلَّيْتَ كَذَا وَكَذَا، قَالَ: فَسَجَدَ بِهِمْ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ قَالَ: «هَاتَانِ السَّجْدَتَانِ لِمَنْ لَا يَدْرِي، زَادَ فِي صَلَاتِهِ أَمْ نَقَصَ فَيَتَحَرَّى الصَّوَابَ فَيُتِمُّ مَا بَقِيَ ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ». [راجع: ٤٠١]

ہیں...... انھوں نے کہا: پوچھا گیا: اللہ کے رسول! نماز کم ہو گئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''اصل بات کیا ہے؟'' لوگوں نے کہا: آپ نے اس طرح نماز پڑھائی ہے۔ ابن مسعود ؓ نے کہا: آپ ﷺ نے لوگوں کے ساتھ دو سجدے کیے، پھر فرمایا: ''یہ دو سجدے اس شخص کے لیے ہیں جسے معلوم نہ ہو کہ اس نے نماز میں کمی کی ہے یا زیادتی۔ اسے چاہیے کہ صحیح بات تک پہنچنے کے لیے اپنے ذہن پر زور ڈالے، پھر باقی ماندہ نماز کو پورا کرے، پھر سہو کے دو سجدے کرے۔''

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں سہو و نسیان قابل معافی ہے، نماز دہرانے کی ضرورت نہیں، صرف شیطان کو رسوا کرنے کے لیے دو سجدے کر دیے جائیں تا کہ اسے ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے۔ اسی طرح قسم کھانے کے بعد اگر کوئی سہو و نسیان اور بھول چوک سے اپنی قسم توڑ دے تو قابل مؤاخذہ نہیں اور نہ اس پر کوئی کفارہ ہی لازم آتا ہے۔ امام بخاری ؒ نے اسی بات کو ثابت کرنے کے لیے یہ حدیثیں پیش فرمائی ہیں۔

٦٦٧٢ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ: حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ: حَدَّثَنَا أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: ﴿قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا﴾ [الكهف: ٧٣] قَالَ: «كَانَتِ الْأُولَى مِنْ مُوسَى نِسْيَانًا». [راجع: ٧٤]

[6672] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھ سے حضرت ابی بن کعب ؓ نے بیان کیا، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو درج ذیل آیت کی تفسیر کرتے ہوئے سنا: ''اس چیز کے متعلق مجھ سے مؤاخذہ نہ کرنا جو مجھ سے بھول کی بنا پر سرزد ہو، نیز میرے کام میں مجھ پر تنگی نہ کرنا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''حضرت موسیٰ ؑ سے پہلی مخالفت بھولنے کے باعث تھی۔''

فائدہ: حدیث بالا کی عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ حضرت موسیٰ ؑ نے سہو و نسیان کو قابل مؤاخذہ نہ ہونے کے متعلق عذر خواہی کی۔ حضرت خضر ؑ نے بھی اس نسیان کو معاف کر دیا۔ نسیان واقعی قابل معافی ہوتا ہے، اس لیے اگر کوئی قسم کھاتا ہے اور سہو و نسیان کی وجہ سے اسے توڑ بیٹھتا ہے تو یہ قابل معافی ہے اور اس پر کوئی کفارہ نہیں اور نہ اس پر کوئی مؤاخذہ اور گناہ ہی ہے۔ واللہ أعلم.

٦٦٧٣ - قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: كَتَبَ إِلَيَّ مُحَمَّدُ ابْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ مُعَاذٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ

[6673] حضرت براء بن عازب ؓ سے روایت ہے کہ ان کے ہاں کچھ مہمان ٹھہرے ہوئے تھے۔ انھوں نے

عَوْنٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ: قَالَ الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ وَكَانَ عِنْدَهُمْ ضَيْفٌ لَهُمْ فَأَمَرَ أَهْلَهُ أَنْ يَذْبَحُوا قَبْلَ أَنْ يَرْجِعَ لِيَأْكُلَ ضَيْفُهُمْ، فَذَبَحُوا قَبْلَ الصَّلَاةِ فَذَكَرُوا ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَأَمَرَهُ أَنْ يُعِيدَ الذَّبْحَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! عِنْدِي عَنَاقٌ جَذَعٌ، عَنَاقُ لَبَنٍ هِيَ خَيْرٌ مِّنْ شَاتَيْ لَحْمٍ.

اپنے اہل خانہ سے کہا کہ ان کے واپس آنے سے پہلے جانور ذبح کرلیں تاکہ مہمان اسے تناول کریں، چنانچہ انھوں نے (عیدالاضحیٰ کی) نماز سے قبل اپنا جانور ذبح کرلیا۔ پھر نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے حکم دیا کہ نماز کے بعد دوبارہ ذبح کریں۔ انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! میرے پاس دودھ پینے والا ایک بکری کا بچہ ہے جو گوشت کی دو بکریوں سے بہتر ہے۔ (رسول اللہ ﷺ نے وہی ذبح کرنے کی اجازت دے دی۔)

وَكَانَ ابْنُ عَوْنٍ يَقِفُ فِي هٰذَا الْمَكَانِ عَنْ حَدِيثِ الشَّعْبِيِّ وَيُحَدِّثُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ بِمِثْلِ هٰذَا الْحَدِيثِ، وَيَقِفُ فِي هٰذَا الْمَكَانِ وَيَقُولُ: لَا أَدْرِي أَبَلَغَتِ الرُّخْصَةُ غَيْرَهُ أَمْ لَا؟

راویٔ حدیث کہتے ہیں: مجھے معلوم نہیں ہوسکا کہ مذکورہ رخصت دوسرے لوگوں کے لیے بھی ہے یا صرف ان (حضرت براء بن عازب ؓ) کے لیے تھی۔

رَوَاهُ أَيُّوبُ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ٩٥١]

اس روایت کو ایوب نے ابن سیرین سے، انھوں نے حضرت انس سے اور انھوں نے نبی ﷺ سے ذکر کیا ہے۔

٦٦٧٤ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ: سَمِعْتُ جُنْدَبًا قَالَ: شَهِدْتُ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى يَوْمَ عِيدٍ، ثُمَّ خَطَبَ، ثُمَّ قَالَ: «مَنْ ذَبَحَ فَلْيُبَدِّلْ مَكَانَهَا، وَمَنْ لَّمْ يَكُنْ ذَبَحَ، فَلْيَذْبَحْ بِاسْمِ اللهِ». [راجع: ٩٨٥]

[6674] حضرت جندب ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں اس وقت موجود تھا جب نبی ﷺ نے نماز عید پڑھائی، پھر آپ نے خطبہ دیا اور فرمایا: ''جس نے نماز سے پہلے ذبح کرلیا ہو اسے چاہیے کہ اس کی جگہ دوسرا جانور ذبح کرے اور جس نے ابھی ذبح نہ کیا ہو اسے چاہیے کہ اللہ کا نام لے کر اسے ذبح کردے۔''

فائدہ: حضرت براء بن عازب ؓ اور ان کے ماموں حضرت ابو بردہ بن نیار ؓ ایک ہی مکان میں رہتے تھے، اس بنا پر مذکورہ واقعے کی نسبت کبھی تو حضرت براء بن عازب ؓ نے اپنی طرف کی ہے اور کبھی وہ یہ واقعہ اپنے ماموں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ ان احادیث کی عنوان سے اس طرح مناسبت ہے کہ ذبح کے وقت حقیقت سے جاہل انسان بھولنے والے کی طرح ہے، اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں، اسی طرح قسم کے متعلق بھی بھولنے والا قابل مؤاخذہ نہیں ہے۔ واللہ أعلم.

(١٦) بَابُ الْيَمِينِ الْغَمُوسِ

باب: 16- جھوٹی قسم کا بیان

﴿وَلَا تَتَّخِذُوٓا۟ أَيْمَٰنَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوتِهَا﴾ اَلْآيَةَ [النحل: ٩٤]. ﴿دَخَلًا﴾: مَكْرًا وَّخِيَانَةً.

(ارشاد باری تعالیٰ ہے:) ”تم اپنی قسموں کو باہمی معاملات میں دھوکا دینے کا ذریعہ نہ بناؤ، ورنہ قدم جم جانے کے بعد (اسلام سے) پھسل جائیں گے۔“ دَخَلًا کے معنی ہیں: دغا اور فریب کا ذریعہ۔

وضاحت: کسی واقعے کے بارے میں جانتے ہوئے جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھا کر کہہ دینا کہ ایسا نہیں ہے، اسے یمین غموس کہتے ہیں کیونکہ اس قسم سے انسان جہنم میں ڈوب جاتا ہے۔ مذکورہ آیت کی یمین غموس سے یہ مناسبت ہے کہ مکروفریب کی قسم پر جو وعید مذکورہ آیت میں ہے وہی وعید یمین غموس کے متعلق ہے کیونکہ یمین غموس بھی دوزخ میں ڈبو دینے والی قسم کو کہتے ہیں۔ جھوٹی قسم کبھی تو ذاتی مفادات کے لیے کھائی جاتی ہے اور کبھی کسی کا حق مارنے کے لیے اس کا سہارا لیا جاتا ہے۔ بہرحال شریعت میں اس قسم کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے جیسا کہ آئندہ حدیث میں بیان ہوگا۔

٦٦٧٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ: أَخْبَرَنَا النَّضْرُ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا فِرَاسٌ: قَالَ الشَّعْبِيُّ: عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلْكَبَائِرُ: اَلْإِشْرَاكُ بِاللهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَالْيَمِينُ الْغَمُوسُ».

[انظر: ٦٨٧٠، ٦٩٢٠]

[6675] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”بڑے گناہ یہ ہیں: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا، والدین کی نافرمانی کرنا، ناحق قتل کرنا اور جھوٹی قسم اٹھانا۔“

فائدہ: کَبَائِر، کَبِیرَۃٌ کی جمع ہے۔ مذکورہ حدیث میں چار کبیرہ گناہوں کا ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ بعض روایات میں سات اور بعض میں دس بیان ہوئے ہیں۔ یہ تضاد نہیں کیونکہ ایک عدد کا ذکر دوسرے عدد کے منافی نہیں ہوتا۔ ② واضح رہے کہ اس قسم میں کفارہ نہیں ہوتا، صرف اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کیا جائے۔ اگر کسی کا حق مارا ہے تو وہ واپس کیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم یمین غموس کو ایسا گناہ شمار کرتے تھے جو کفارے سے بھی نہیں ڈھل سکتا۔ یمین غموس یہ ہے کہ آدمی کسی دوسرے کا مال ہڑپ کرنے کے لیے جھوٹی قسم کھائے۔ اس امر میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی ان کی مخالفت نہیں کی۔ [1]

(١٧) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ ٱللَّهِ وَأَيْمَٰنِهِمْ﴾ اَلْآيَةَ [آل عمران: ٧٧]

باب: 17- ارشاد باری تعالیٰ: ”بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو (تھوڑی سی قیمت کے عوض) بیچ ڈالتے ہیں......“ کا بیان

1 فتح الباري: 679/11.

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِّأَيْمَانِكُمْ﴾ [البقرة: ٢٢٤]

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور تم اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ......''

وَقَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ: ﴿وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ [اَلْآيَةَ] [النحل: ٩٥]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ سے کیے ہوئے عہد کو تھوڑی سی قیمت کے عوض مت فروخت کرو......''

[وَقَوْلِهِ تَعَالَى] ﴿وَلَا تَنقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا﴾ [النحل: ٩١]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور اپنی قسموں کو پکا کرنے کے بعد مت توڑو جبکہ تم اپنے قول و اقرار پر اللہ کو ضامن بنا چکے ہو۔''

وضاحت: ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ جب تم کوئی معاملہ کرنے لگو تو تمھاری نیت صاف ہونی چاہیے۔ دل میں کسی قسم کی خیانت یا بددیانتی یا عہد شکنی کا ارادہ نہیں ہونا چاہیے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تمھاری اپنی ساکھ ختم ہو جائے گی اور اس کے بجائے تم ذلیل و رسوا ہو گے۔ ذلت و رسوائی کے علاوہ آخرت میں بھی سخت ترین سزا سے دوچار ہونا پڑے گا، نیز مذکورہ آیات میں عہد سے مراد ہر وہ عہد ہے جس میں اللہ تعالیٰ کو درمیان میں لا کر اسے شاہد و ضامن بنا کر یا اس کی قسم کھا کر کیا گیا ہو۔ اس قسم کے عہد کو توڑنے کے عوض اگر دنیا بھر کے مفادات اور اموال مل جائیں تو وہ بھی ایفائے عہد کے مقابلے میں ہیچ ہیں، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ دنیوی مفادات پر نظر رکھنے کے بجائے آخرت کے اجر کو پیش نظر رکھیں جو ان مفادات کے مقابلے میں بدرجہا بہتر ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا ان آیات سے مقصود یہ ہے کہ یمین غموس اگرچہ بہت بڑا گناہ ہے لیکن اس میں کوئی کفارہ وغیرہ نہیں ہے، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آدمی اگر قسم کھالے کہ میں اپنے رشتے داروں سے صلہ رحمی نہیں کروں گا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے نکلنے کا ایک راستہ بتایا ہے کہ وہ کفارہ دے اور صلہ رحمی کرنا شروع کر دے لیکن یمین غموس کے لیے کسی قسم کے کفارے کا ذکر نہیں کیا اور نہ اس سے نکلنے کا کوئی راستہ ہی بتایا ہے، اس لیے اس کا حل توبہ و استغفار کرنا ہے اور دوسروں کے تباہ و برباد کیے ہوئے حقوق واپس کرنے ہیں۔[1]

٦٦٧٦ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينِ صَبْرٍ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِىءٍ مُسْلِمٍ لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ»، فَأَنْزَلَ اللهُ تَصْدِيقَ ذٰلِكَ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ. [راجع:

[6676] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے جھوٹی قسم بایں طور کھائی کہ اس کے ذریعے سے کسی مسلمان کا مال ناجائز طریقے سے حاصل کرے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ اس پر سخت غضبناک ہو گا۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق بایں الفاظ نازل فرمائی: ''بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو معمولی قیمت کے

[1] فتح الباري: 11/681.

[۲۳۵٦

عوض بیچ دیتے ہیں......۔''

٦٦٧٧ - فَدَخَلَ الْأَشْعَثُ بْنُ قَيْسٍ فَقَالَ: مَا حَدَّثَكُمْ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ؟ فَقَالُوا: كَذَا وَكَذَا، قَالَ: فِيَّ أُنْزِلَتْ، كَانَ لِي بِئْرٌ فِي أَرْضِ ابْنِ عَمٍّ لِّي فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «بَيِّنَتُكَ أَوْ يَمِينُهُ»، فَقُلْتُ: إِذًا يَحْلِفُ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ اللهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِينِ صَبْرٍ وَّهُوَ فِيهَا فَاجِرٌ يَّقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ لَّقِيَ اللهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ». [راجع: ۲۳۵۷]

[6677] (حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جب یہ حدیث بیان کر رہے تھے) تو حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ آئے اور انھوں نے پوچھا کہ ابوعبدالرحمٰن نے تم لوگوں سے کیا حدیث بیان کی ہے؟ لوگوں نے کہا: انھوں نے ایسا ایسا بیان کیا ہے۔ انھوں نے کہا: یہ آیت تو میرے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ میرے ایک چچا زاد بھائی کی زمین میں میرا ایک کنواں تھا، اس کے متعلق مقدمہ لے کر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: ''تم اپنے گواہ لاؤ بصورت دیگر مدعا علیہ سے قسم لی جائے گی۔'' میں نے کہا: اللہ کے رسول! وہ تو جھوٹی قسم کھا لے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے بدنیتی کے ساتھ جھوٹی قسم اس لیے اٹھائی کہ اس کے ذریعے سے کسی مسلمان کا مال ہڑپ کر جائے تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ (اللہ تعالیٰ) اس پر انتہائی غضبناک ہوگا۔''

فائدہ: ایک دوسری حدیث میں مذکورہ آیت کی شان نزول کا اس طرح ذکر ہوا ہے جس کی تفصیل حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے بازار میں اپنا مال رکھا اور ایک مسلمان کو پھانسنے کے لیے جھوٹی قسم کھا کر کہنے لگا: مجھے اس مال کی اتنی قیمت ملتی تھی، حالانکہ یہ بات غلط تھی، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔''[1] ممکن ہے کہ دونوں مواقع پر یہ آیت نازل ہوئی ہو کیونکہ اس کے لفظ عام ہیں جو دونوں مواقع کو شامل ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ آیت پہلے نازل ہو چکی ہو لیکن حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کو اس کا علم مذکورہ واقعے کے بعد ہوا ہو، اس لیے انھوں نے خیال کیا کہ یہ آیت اسی واقعے کے متعلق نازل ہوئی ہے۔[2] بہرحال حقوق العباد کا معاملہ انتہائی سنگین اور حساس ہے، انسان کو چاہیے کہ اس سلسلے میں محتاط رہے۔

(۱۸) بَابُ الْيَمِينِ فِيمَا لَا يَمْلِكُ، وَفِي الْمَعْصِيَةِ، وَالْغَضَبِ

باب: 18- ایسی چیز کے متعلق قسم کھانا جس کا وہ مالک نہیں، نیز گناہ اور غصے میں قسم اٹھانا

وضاحت: اس عنوان کے تین اجزاء ہیں: ○ ایسی چیز کے متعلق قسم اٹھانا جس کا وہ مالک نہیں۔ ○ کسی گناہ کے کام کی قسم

1 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4551. 2 فتح الباري: 682/1.

اٹھانا۔ ○ بحالت غصہ قسم کھانا۔ ان تینوں کی مثال یہ ہے۔ ایک آدمی کہتا ہے جبکہ وہ غصہ میں تھا: اللہ کی قسم! اگر میں اس لونڈی کا مالک بنا تو میں اس سے گفتگو نہیں کروں گا، حالانکہ اس وقت وہ اس کا مالک نہیں تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تینوں اجزاء کے متعلق اسی ترتیب سے تین احادیث بیان کی ہیں۔

٦٦٧٨ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسٰى قَالَ: أَرْسَلَنِي أَصْحَابِي إِلَى النَّبِيِّ ﷺ أَسْأَلُهُ الْحُمْلَانَ فَقَالَ: «وَاللهِ لَا أَحْمِلُكُمْ عَلٰى شَيْءٍ»، وَوَافَقْتُهُ وَهُوَ غَضْبَانُ فَلَمَّا أَتَيْتُهُ قَالَ: «انْطَلِقْ إِلٰى أَصْحَابِكَ فَقُلْ: إِنَّ اللهَ أَوْ إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَحْمِلُكُمْ». [راجع: ٣١٣٣]

[6678] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھے میرے ساتھیوں نے نبی ﷺ کے پاس بھیجا تاکہ میں آپ سے سواریوں کا مطالبہ کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی قسم! میں تمھیں کسی چیز پر سوار نہیں کروں گا۔“ اس وقت میں نے آپ ﷺ کو اس حالت میں پایا کہ آپ غصے میں تھے۔ پھر جب میں دوبارہ آپ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا: ”تم اپنے ساتھیوں کے پاس جاؤ اور ان سے کہو: اللہ تعالیٰ نے یا اللہ کے رسول ﷺ نے تمھیں سواریاں مہیا کی ہیں۔“

فائدہ: اس حدیث سے تینوں اجزاء ثابت کیے جا سکتے ہیں، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ رسول اللہ ﷺ نے جب قسم اٹھائی تو آپ اس وقت سواریوں کے مالک نہ تھے۔ ○ قسم اٹھاتے وقت رسول اللہ ﷺ غصے کی حالت میں تھے۔ ○ سواری مہیا کرنا نیکی ہے۔ اس کے ترک پر آپ نے قسم اٹھائی۔ ایسے حالات میں اگر قسم اٹھالی جائے تو واقع ہوجاتی ہے۔ اس کا خلاف کرنے پر کفارہ دینا ہوگا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی قسم کا کفارہ دیا اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں نے اس سے یہی سمجھا اور دوبارہ واپس آکر معذرت کی اور خود رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی وضاحت فرمائی کہ اگر میں کسی کام کے متعلق قسم اٹھالوں، بعد میں مجھے اس کام کے اچھے ہونے کا پتا چلے تو میں وہ کام کرلیتا ہوں اور اپنی قسم کا کفارہ دے دیتا ہوں۔[1]

٦٦٧٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ؛ ح: وَحَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ النُّمَيْرِيُّ: حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ الْأَيْلِيُّ قَالَ: سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ، قَالَ: سَمِعْتُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ وَسَعِيدَ ابْنَ الْمُسَيَّبِ وَعَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ وَعُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ

[6679] امام زہری سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے عروہ بن زبیر، سعید بن مسیب، علقمہ بن وقاص اور عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ایک حدیث سنی جب ان پر بہتان تراشوں نے طوفان باندھا اور اللہ تعالیٰ نے انھیں اس بہتان سے پاک قرار دیا اور ان کی باتوں سے بری کیا۔ ان میں سے ہر ایک نے مجھے حدیث کا کچھ حصہ بتایا کہ حضرت

[1] فتح الباري: 689/11.

ﷺ حِينَ قَالَ لَهَا أَهْلُ الْإِفْكِ مَا قَالُوا، فَبَرَّأَهَا اللهُ مِمَّا قَالُوا، كُلٌّ حَدَّثَنِي طَائِفَةً مِّنَ الْحَدِيثِ، فَأَنْزَلَ اللهُ ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ جَآءُو بِٱلْإِفْكِ﴾ [النور: ١١-٢٠] اَلْعَشْرَ الْآيَاتِ كُلَّهَا فِي بَرَاءَتِي، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ وَكَانَ يُنْفِقُ عَلَى مِسْطَحٍ لِقَرَابَتِهِ مِنْهُ: وَاللهِ لَا أُنْفِقُ عَلَى مِسْطَحٍ شَيْئًا أَبَدًا بَعْدَ الَّذِي قَالَ لِعَائِشَةَ. فَأَنْزَلَ اللهُ: ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُوْلُواْ ٱلْفَضْلِ مِنكُمْ وَٱلسَّعَةِ أَن يُؤْتُوٓاْ أُوْلِي ٱلْقُرْبَىٰ﴾ اَلْآيَةَ [النور: ٢٢]. قَالَ أَبُو بَكْرٍ: بَلَى وَاللهِ إِنِّي لَأُحِبُّ أَنْ يَغْفِرَ اللهُ لِي، فَرَجَعَ إِلَى مِسْطَحٍ النَّفَقَةَ الَّتِي كَانَ يُنْفِقُ عَلَيْهِ، وَقَالَ: وَاللهِ! لَا أَنْزِعُهَا عَنْهُ أَبَدًا. [راجع: ٢٥٩٣]

عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُ وْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ﴾ سے دس آیات تک میری براءت نازل فرمائی۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے کہا: اللہ کی قسم! میں مسطح پر خرچ نہیں کروں گا، جبکہ وہ مسطح پر قرابت داری کی وجہ سے خرچ کیا کرتے تھے۔ یہ اس لیے کیا کہ انھوں نے حضرت عائشہ ؓ پر بہتان لگانے میں حصہ لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ”تم میں سے اہل فضل و وسعت قسمیں نہ کھائیں کہ وہ اپنے اقارب پر خرچ نہیں کریں گے۔“ نزول آیات کے بعد حضرت ابوبکر ؓ نے کہا: اللہ کی قسم! کیوں نہیں، ہم یہ پسند کرتے ہیں کہ اللہ ہمیں بخش دے۔ پھر انھوں نے مسطح پر خرچ کرنا شروع کر دیا اور کہا: اللہ کی قسم! میں مسطح کا خرچہ کبھی بند نہیں کروں گا۔

فوائد ومسائل: ① جن لوگوں نے حضرت عائشہ ؓ پر بہتان لگایا تھا ان میں حضرت مسطح بھی شامل تھے، حالانکہ وہ حضرت ابوبکر ؓ کی کفالت میں تھے۔ حضرت ابوبکر ؓ نے غصے میں آ کر قسم کھائی کہ وہ آئندہ ان پر خرچ نہیں کریں گے۔ ان کی یہ قسم ترک طاعت (نیکی نہ کرنے) پر تھی، جس پر انھیں قائم نہیں رہنے دیا گیا۔ معصیت کی قسم پر تو بالاولیٰ قائم رہنے کی اجازت نہیں ہے۔ ② حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے یہ قسم بحالت غصہ کھائی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے بھی غصے کی حالت میں قسم کھائی تھی لیکن ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب قسم کھائی تو آپ اس وقت کسی چیز کے مالک نہ تھے اور نہ اسے پورا ہی کر سکتے تھے جبکہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ قسم اٹھاتے وقت مال و وسعت والے تھے اور خرچ کرنے کی ہمت بھی رکھتے تھے۔ بہر حال ایسے حالات میں قسم اٹھانے سے وہ منعقد ہو جاتی ہے اور اس کے خلاف کرنے میں کفارہ بھی دینا ہو گا۔[1]

٦٦٨٠ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ زَهْدَمٍ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ فَقَالَ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي نَفَرٍ مِّنَ الْأَشْعَرِيِّينَ، فَوَافَقْتُهُ وَهُوَ غَضْبَانُ فَاسْتَحْمَلْنَاهُ، فَحَلَفَ أَنْ لَّا يَحْمِلَنَا، ثُمَّ قَالَ: «وَاللهِ! إِنْ شَاءَ اللهُ لَا

[6680] حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں قبیلۂ اشعر کے چند لوگوں کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب میں آپ کے پاس آیا تو آپ بحالت غصہ تھے۔ ہم نے آپ سے سواریاں طلب کیں تو آپ نے قسم کھائی کہ آپ ہمیں سواریاں نہیں دیں گے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: ”اللہ

1 فتح الباري: 690/11.

أَحْلِفُ عَلَى يَمِينٍ فَأَرَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَّتَحَلَّلْتُهَا» . [راجع: ٣١٣٣]

کی قسم! اللہ نے چاہا تو میں کبھی ایسی قسم نہیں کھاتا کہ اس کے سوا دوسری چیز کو بہتر خیال کروں تو وہی کرتا ہوں جس میں بھلائی اور خیر خواہی ہے اور اپنی قسم توڑ کر اس کا کفارہ دے دیتا ہوں۔"

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بحالت غصہ کھائی ہوئی قسم منعقد ہو جاتی ہے اور اس کا خلاف کرنے پر کفارہ دینا پڑتا ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا عمل مبارک ہے لیکن بعض روایات سے پتا چلتا ہے کہ غصے کی حالت میں قسم منعقد نہیں ہوتی جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بحالت غصہ قسم اٹھانے کا کوئی اعتبار نہیں۔"[1] اس کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔[2] ② بہرحال غصے کی حالت میں اٹھائی گئی قسم بھی معتبر ہے اور اس کا خلاف کرنے پر کفارہ دینا پڑتا ہے۔ واللّٰه أعلم. ③ ابن بطال کہتے ہیں کہ اس حدیث سے ان حضرات کی تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ بحالت غصہ کھائی ہوئی قسم لغو ہوتی ہے اور اس پر کسی قسم کا کفارہ نہیں۔[3]

(١٩) بَابٌ: إِذَا قَالَ: وَاللهِ لَا أَتَكَلَّمُ الْيَوْمَ، فَصَلَّى أَوْ قَرَأَ أَوْ سَبَّحَ أَوْ كَبَّرَ أَوْ حَمِدَ أَوْ هَلَّلَ فَهُوَ عَلَى نِيَّتِهِ

باب: 19- جب کسی نے کہا: اللہ کی قسم! میں آج کلام نہیں کروں گا، پھر اس نے نماز پڑھی یا قرآن کی تلاوت کی یا سبحان اللہ، اللہ اکبر، الحمد للہ یا لا الہ الا اللہ کہا تو وہ اپنی نیت پر ہے

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَفْضَلُ الْكَلَامِ أَرْبَعٌ: سُبْحَانَ اللهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَاللهُ أَكْبَرُ» .

نبی ﷺ نے فرمایا: "افضل کلام چار ہیں: سبحان اللّٰه، الحمدللّٰه، لا إله إلا اللّٰه اور اللّٰه أكبر۔"

وَقَالَ أَبُو سُفْيَانَ: كَتَبَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى هِرَقْلَ: ﴿تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ [آل عمران: ٦٤]

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے ہرقل کو لکھا تھا: "تم ایسی بات کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان مشترک ہے۔"

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: ﴿كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ﴾ [الفتح: ٢٦]: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ.

امام مجاہد نے کہا: كَلِمَةَ التَّقْوٰى سے مراد لا إِلٰه إِلَّا اللّٰه ہے۔

وضاحت: اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں آج کلام نہیں کروں گا تو اس قسم کے متعلق اس کی نیت کے مطابق عمل ہوگا۔ اگر اس

---

① المعجم الأوسط للطبراني، حديث: 2029. ② فتح الباري: 688/11. ③ فتح الباري: 690/11.

کی نیت میں ہر قسم کا کلام ہے تو مذکورہ اذکار، قراءتِ قرآن اور نماز پڑھنے سے اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور اگر اس کی نیت عرف عام کا کلام ہے تو مذکورہ اذکار سے قسم نہیں ٹوٹے گی اور وہ شخص گناہ گار نہیں ہوگا۔ اگرچہ عرف عام میں بات کرنے سے مراد کسی انسان سے بات کرنا ہے جیسا کہ حضرت مریم علیہا السلام نے روزہ رکھا تھا کہ وہ آج کسی سے بات نہیں کریں گی، حالانکہ وہ عبادت اور ذکر الٰہی میں مصروف رہیں، گو اذکار کے کلمات بھی کلام کے حکم میں آتے ہیں، لیکن عرف عام میں ان پر کلام کا اطلاق نہیں ہوتا، ہاں اگر قسم کھاتے وقت ان اذکار کو بھی کلام میں شامل کرنے کی نیت کی ہو تو ان اذکار کے کرنے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے چند آثار پیش کیے ہیں جن میں اذکار وغیرہ پر کلمہ اور کلام کا اطلاق ہوا ہے۔

٦٦٨١ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ جَاءَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «قُلْ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، كَلِمَةً أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللهِ». [راجع: ١٣٦٠]

[6681] حضرت سعید بن مسیب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا: جب ابوطالب کی موت کا وقت قریب آیا تو رسول اللہ ﷺ اس کے پاس گئے اور اس سے کہا: ''آپ لا الہ الا اللہ کہہ دیں، میں اس کلمے کے سبب اللہ کے پاس تمھارے لیے حجت پیش کروں گا۔''

٦٦٨٢ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ فُضَيْلٍ: حَدَّثَنَا عُمَارَةُ بْنُ الْقَعْقَاعِ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ، حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ: سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ». [راجع: ٦٤٠٦]

[6682] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دو کلمے زبان پر ہلکے، ترازو میں وزنی اور اللہ کو بہت پیارے ہیں: وہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ اور سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ ہیں۔''

٦٦٨٣ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ شَقِيقٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ كَلِمَةً وَقُلْتُ أُخْرٰى، قَالَ: «مَنْ مَّاتَ يَجْعَلُ لِلّٰهِ نِدًّا أُدْخِلَ النَّارَ». وَقُلْتُ أُخْرٰى: مَنْ مَّاتَ لَا يَجْعَلُ لِلّٰهِ نِدًّا أُدْخِلَ الْجَنَّةَ. [راجع: ١٢٣٨]

[6683] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ایک کلمہ کہا اور میں نے (اس پر قیاس کرتے ہوئے) دوسرا کلمہ کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اس حالت میں مرا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہو تو وہ جہنم میں جائے گا۔'' میں نے دوسرا کلمہ کہا: جو شخص اس حالت میں فوت ہو کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو تو وہ جنت میں جائے گا۔

فوائدومسائل: ① ان احادیث میں لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اور سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ پر کلمات کا اطلاق ہوا ہے۔ اگرچہ عرف عام میں یہ کلام نہیں ہیں، لیکن اگر کوئی شخص قسم اٹھاتے وقت ان اذکار کو بھی اپنی نیت میں شامل کرتے ہوئے قسم اٹھاتا ہے کہ میں آج کلام نہیں کروں گا اور پھر اذکار کرتا ہے تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ ② اس مسئلے کی ایک نوعیت یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم اٹھائی کہ وہ زید کو سلام نہیں کرے گا تو اگر زید نے اس کے ساتھ نماز پڑھی اور دوسرے شخص نے سلام پھیرا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اگرچہ شرعی طور پر اس کا سلام زید کو بھی شامل ہے لیکن عرف عام میں ایسا نہیں ہوتا، تاہم اگر اس نے اس قسم کے شرعی سلام کو بھی اپنی نیت میں شامل کیا تھا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔ واللّٰه أعلم.[1]

(٢٠) بَابُ مَنْ حَلَفَ أَنْ لَّا يَدْخُلَ عَلٰى أَهْلِهِ شَهْرًا، وَّكَانَ الشَّهْرُ تِسْعًا وَّعِشْرِينَ

باب: 20- جس نے قسم کھائی کہ وہ مہینہ بھر اپنی بیوی کے پاس نہیں جائے گا اور مہینہ انتیس دن کا ہو

وضاحت: مطلب یہ ہے کہ پھر وہ گھر میں داخل ہوا تو کیا اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور کفارہ دینا پڑے گا یا اس کی قسم برقرار ہے؟

٦٦٨٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: آلٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ نِّسَائِهِ وَكَانَتِ انْفَكَّتْ رِجْلُهُ فَأَقَامَ فِي مَشْرُبَةٍ تِسْعًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً ثُمَّ نَزَلَ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! آلَيْتَ شَهْرًا، فَقَالَ: «إِنَّ الشَّهْرَ يَكُونُ تِسْعًا وَعِشْرِينَ». [راجع: ٣٧٨]

[6684] حضرت انس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں سے ایلاء فرمایا اور آپ کے پاؤں کو موچ آ گئی تھی۔ آپ اپنے بالا خانے میں انتیس دن تک قیام پذیر رہے، پھر وہاں سے نیچے اترے تو صحابۂ کرام نے کہا: اللہ کے رسول! آپ نے تو ایک ماہ تک کے لیے ایلاء فرمایا تھا، یعنی آپ نے قسم کھائی تھی کہ ایک ماہ تک نہیں اتریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔''

فوائدومسائل: ① ایلاء کے معنی قسم کھانا ہیں۔ حدیث میں ایلاء لغوی مراد ہے، یعنی آپ ﷺ نے قسم کھائی تھی کہ ایک ماہ تک بالا خانے میں قیام رکھیں گے اور نیچے نہیں اتریں گے۔ ② امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ جب کسی نے قسم کھائی کہ ایک مہینہ اپنے گھر والوں کے پاس نہیں جائے گا اور وہ مہینہ انتیس دن کا ہو، پھر اگر وہ انتیس دن بعد اپنے گھر میں داخل ہوا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ یہ اس وقت ہے جب مہینے کے آغاز میں قسم کھائے اور اگر کچھ دن گزر جانے کے بعد قسم کھائے تو تیس دن پورے کرنا ضروری ہیں کیونکہ اس صورت میں چاند کے طلوع پر بنیاد نہیں رکھی جا سکے گی، اس لیے تعداد کا اعتبار کرتے ہوئے تیس دن پورے کرنا پڑیں گے۔ واللّٰه أعلم.[2]

---

[1] فتح الباري: 691/11. [2] فتح الباري: 692/11.

(٢١) بَابٌ: إِذَا حَلَفَ أَنْ لَا يَشْرَبَ نَبِيذًا فَشَرِبَ طِلَاءً أَوْ سَكَرًا أَوْ عَصِيرًا لَمْ يَحْنَثْ فِي قَوْلِ بَعْضِ النَّاسِ، وَلَيْسَتْ هٰذِهِ بِأَنْبِذَةٍ عِنْدَهُ

باب: 21- اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ نبیذ نہیں پیے گا اس کے بعد اس نے طلاء، سکر یا عصیر پی لیا تو بعض لوگوں کے نزدیک وہ حانث نہیں ہوگا کیونکہ ان کے نزدیک یہ چیزیں نبیذ نہیں ہیں

وضاحت: نبیذ وہ شربت ہے جو کھجور یا منقی سے بنایا جائے۔ اسے نبیذ اس لیے کہتے ہیں کہ ان اشیاء پر پانی ڈالا جاتا ہے تاکہ ان کی شیرینی اور مٹھاس نکلے۔ اس کا پینا جائز ہے بشرطیکہ اس میں نشہ پیدا نہ ہوا ہو اگر اس میں نشہ پیدا ہو جائے تو اس کا پینا حرام ہے۔ طلاء انگور کے اس شیرے کو کہتے ہیں جسے جوش دیا جائے، سکر، انگور کے نچوڑ کو اور عصیر وہ ہے جو کھجور سے نچوڑا جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی انسان نبیذ نہ پینے کی قسم کھائے، پھر وہ طلاء یا سکر یا عصیر پی لے تو قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ عرف عام میں ان تینوں کے الگ الگ نام ہیں۔

٦٦٨٥ - حَدَّثَنِي عَلِيٌّ: سَمِعَ عَبْدَ الْعَزِيزِ بْنَ أَبِي حَازِمٍ: أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ: أَنَّ أَبَا أُسَيْدٍ صَاحِبَ النَّبِيِّ ﷺ أَعْرَسَ فَدَعَا النَّبِيَّ ﷺ لِعُرْسِهِ، فَكَانَتِ الْعَرُوسُ خَادِمَهُمْ. فَقَالَ سَهْلٌ لِلْقَوْمِ: هَلْ تَدْرُونَ مَا سَقَتْهُ؟ قَالَ: أَنْقَعَتْ لَهُ تَمْرًا فِي تَوْرٍ مِّنَ اللَّيْلِ حَتَّى أَصْبَحَ عَلَيْهِ فَسَقَتْهُ إِيَّاهُ. [راجع: ٥١٧٦]

[6685] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے ایک صحابی حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا اور اپنی شادی کے موقع پر انھوں نے نبی ﷺ کو دعوت دی۔ دلہن ہی میزبانی کا کام کر رہی تھی۔ پھر حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا: کیا تمھیں معلوم ہے کہ اس دلہن نے کیا پلایا تھا؟ اس نے رات ہی کو پتھر کے ایک برتن میں کھجوریں بھگو رکھی تھیں حتی کہ جب صبح ہوئی تو اس نے ان کا پانی ہی آپ ﷺ کو پلایا تھا۔

٦٦٨٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، عَنْ سَوْدَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ: مَاتَتْ لَنَا شَاةٌ فَدَبَغْنَا مَسْكَهَا ثُمَّ مَا زِلْنَا نَنْبِذُ فِيهِ حَتَّى صَارَ شَنًّا.

[6686] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا: ہماری ایک بکری مرگئی تو اس کے چمڑے کو ہم نے دباغت دی، پھر ہم اس کی مشک میں نبیذ بناتے رہے حتی کہ وہ پرانی ہوگئی۔

فوائد و مسائل: ① حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نقیع اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں نبیذ کا ذکر ہے۔ نبیذ یا نقیع اس

شربت کو کہتے ہیں جو کھجور یا انگور کو پانی میں بھگونے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح کا نبیذ پینا جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے لیے رات کے وقت کھجوریں بھگوئی جاتی تھیں تو آپ ان کا شربت دن کے وقت پیتے تھے اور کھجوریں دن کو بھگوئی جاتیں، ان کا شربت رات کے وقت پیتے تھے۔ ② امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بھی کھجور کے پانی کو نبیذ ہی کہتے ہیں لیکن طلاء، سکر اور عصیر عرف میں علیحدہ ناموں سے موسوم ہو چکے ہیں، اس لیے عرف میں انھیں نبیذ نہیں کہا جاتا اور قسموں کا دارومدار بھی عرف پر ہوتا ہے، اس لیے نبیذ نہ پینے کی قسم اٹھانے کے بعد طلاء، سکر اور عصیر پینے سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ بھی احناف کی تائید فرما رہے ہیں۔ واللہ أعلم.

(٢٢) بَابٌ: إِذَا حَلَفَ أَنْ لَّا يَأْتَدِمَ فَأَكَلَ تَمْرًا بِخُبْزٍ وَّمَا يَكُونُ مِنْهُ الْأُدْمُ

باب: 22- اگر کسی نے قسم کھائی کہ سالن نہیں کھائے گا، پھر اس نے روٹی کے ساتھ کھجور کھائی، اور سالن کیا ہوتا ہے

وضاحت: اس عنوان کے دو جز ہیں: ○ اگر سالن نہ کھانے کی قسم کھائی اور کھجور کو بطور سالن استعمال کیا تو قسم ٹوٹے گی یا نہیں۔ ○ سالن کیا ہوتا ہے، اس کی کیا تعریف ہے؟ دونوں کا حکم اور جواب بیان نہیں کیا کیونکہ دونوں کا جواب، احادیث مذکورہ سے بآسانی اخذ کیا جا سکتا ہے۔

٦٦٨٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَابِسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ ﷺ مِنْ خُبْزِ بُرٍّ مَّأْدُومٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ حَتّٰى لَحِقَ بِاللهِ. [راجع: ٥٤٢٣]

[6687] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: محمد ﷺ کے اہل خانہ کبھی مسلسل تین دن تک سالن کے ساتھ گیہوں کی روٹی نہیں کھا سکے حتی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔

وَقَالَ ابْنُ كَثِيرٍ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِيهِ: أَنَّهُ قَالَ لِعَائِشَةَ، بِهٰذَا.

ابن کثیر بیان کرتے ہیں: ہمیں سفیان نے بتایا، ان سے عبدالرحمٰن نے حدیث ذکر کی، ان سے ان کے والد نے، ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہی حدیث بیان کی۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں اکثر اوقات کھجور ہوتی تھی اور آپ ﷺ اسی سے سیر ہوتے تھے۔ کبھی کبھار گندم کی روٹی کے ساتھ کھجور بھی تناول فرماتے، یہی کھجور ان کا سالن تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ روٹی کے علاوہ گھر میں جو چیز بھی ہوتی اسے سالن کہا جاتا تھا جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دوپہر کا کھانا

طلب کیا تو آپ کو روٹی اور گھر میں موجود کوئی بھی سالن پیش کر دیا گیا۔[1] ② ابن بطال نے کہا کہ گھر میں جو بھی چیز بطور سالن استعمال کی جاتی ہے اسے عرف میں سالن ہی کہا جاتا ہے، خواہ وہ مائع ہو یا جامد۔[2] لغوی اعتبار سے روٹی پر جس چیز کی بھی ہلکی سی تہ بنائی جا سکے وہ سالن ہے، جیسے: گھی اور شہد وغیرہ، پھر اس میں توسع کیا گیا تو ہر اس چیز پر سالن کا اطلاق کر دیا گیا جو روٹی کے ساتھ کھائی جائے۔ یہ ضروری نہیں کہ اس سے روٹی مل کر کھائی جائے اور روٹی کے اجزاء اس میں تحلیل ہوں۔ ③ سالن کی یہ تعریف محض تکلف ہے۔ بہر حال اگر کسی نے روٹی کے ساتھ کوئی بھی چیز بطور سالن استعمال کی تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ والله أعلم.

٦٦٨٨ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَّالِكٍ عَنْ إِسْحَاقَ ابْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ: أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ أَبُو طَلْحَةَ لِأُمِّ سُلَيْمٍ: لَقَدْ سَمِعْتُ صَوْتَ رَسُولِ اللهِ ﷺ ضَعِيفًا أَعْرِفُ فِيهِ الْجُوعَ، فَهَلْ عِنْدَكِ مِنْ شَيْءٍ؟ فَقَالَتْ: نَعَمْ، فَأَخْرَجَتْ أَقْرَاصًا مِّنْ شَعِيرٍ ثُمَّ أَخَذَتْ خِمَارًا لَّهَا فَلَفَّتِ الْخُبْزَ بِبَعْضِهِ ثُمَّ أَرْسَلَتْنِي إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَذَهَبْتُ فَوَجَدْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ وَمَعَهُ النَّاسُ فَقُمْتُ عَلَيْهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَأَرْسَلَكَ أَبُو طَلْحَةَ؟» فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِمَنْ مَّعَهُ: «قُومُوا»، فَانْطَلَقُوا، وَانْطَلَقْتُ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ حَتَّى جِئْتُ أَبَا طَلْحَةَ فَأَخْبَرْتُهُ، فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ: يَا أُمَّ سُلَيْمٍ! قَدْ جَاءَ رَسُولُ اللهِ ﷺ [وَالنَّاسُ]، وَلَيْسَ عِنْدَنَا مِنَ الطَّعَامِ مَا نُطْعِمُهُمْ، فَقَالَتِ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، فَانْطَلَقَ أَبُو طَلْحَةَ حَتَّى لَقِيَ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَأَقْبَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَبُو طَلْحَةَ مَعَهُ حَتَّى دَخَلَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «هَلُمِّي يَا أُمَّ سُلَيْمٍ! مَّا

[6688] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ کی آواز کمزور سنائی دی ہے۔ مجھے اس میں بھوک کے اثرات معلوم ہوتے ہیں۔ کیا تمھارے پاس کھانے کی کوئی چیز موجود ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، چنانچہ انھوں نے جو کی چند روٹیاں نکالیں، پھر اپنا دوپٹہ لیا اور اس کے ایک طرف انھیں لپیٹ دیا، پھر وہ دے کر انھوں نے مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا۔ میں وہ روٹیاں لے کر گیا تو رسول اللہ ﷺ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ میں نے دیکھا کہ اس وقت آپ کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ میں آپ کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''کیا تمھیں ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟'' میں نے کہا: جی ہاں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں سے کہا جو آپ کے ساتھ تھے: ''اٹھو۔'' چنانچہ وہ چلے اور میں ان کے آگے آگے چلا حتی کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور انھیں (آپ کے آنے کی) خبر دی۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ام سلیم! رسول اللہ ﷺ اور لوگوں کے ہمراہ تشریف لا رہے ہیں جبکہ ہمارے پاس تو کوئی ایسا کھانا نہیں ہے جو سب کو پیش کیا جائے۔ انھوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ علم ہے۔ پھر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ باہر نکلے اور رسول

---

[1] صحيح البخاري، الأطعمة، حديث: 5430. [2] فتح الباري: 696/11.

عِنْدَكِ»، فَأَتَتْ بِذٰلِكَ الْخُبْزِ، قَالَ: فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِذٰلِكَ الْخُبْزِ فَفُتَّ وَعَصَرَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ عُكَّةً لَّهَا فَأَدَمَتْهُ، ثُمَّ قَالَ فِيهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَّقُولَ. ثُمَّ قَالَ: «ائْذَنْ لِّعَشَرَةٍ»، فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوا حَتّٰى شَبِعُوا ثُمَّ خَرَجُوا، ثُمَّ قَالَ: «ائْذَنْ لِّعَشَرَةٍ»، فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ وَشَبِعُوا، وَالْقَوْمُ سَبْعُونَ أَوْ ثَمَانُونَ رَجُلًا. [راجع:٤٢٢]

اللہ ﷺ سے ملے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اور ابوطلحہ ؓ گھر کی طرف بڑھے حتی کہ اندر داخل ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے ام سلیم! جو کچھ تمھارے پاس ہے میرے پاس لاؤ۔“ حضرت ام سلیم ؓ وہ روٹیاں لے کر آئیں۔ حضرت انس ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ان روٹیوں کے ٹکڑے کر دیے گئے اور حضرت ام سلیم ؓ نے اپنی کپی سے گھی نچوڑا اور ان میں ملایا گویا یہی سالن تھا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ اللہ نے چاہا پڑھا، پھر فرمایا: ”دس آدمیوں کو اندر بلاؤ۔“ انھیں بلایا گیا۔ سیر ہو کر کھانا کھانے کے بعد وہ باہر نکلے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”دس آدمیوں کو اندر بلاؤ۔“ انھیں بلایا گیا، اس طرح سب لوگوں نے کھانا کھایا اور خوب سیر ہو گئے جبکہ وہ ستر (70) یا اسی (80) آدمی تھے۔

فوائد ومسائل: ① اہل کوفہ کے نزدیک سالن کی تعریف یہ ہے کہ جس میں روٹی کو ملا کر کھایا جائے اور روٹی کے اجزاء اس کے اجزاء میں شامل ہو جائیں۔ ان کے ہاں بھونا ہوا گوشت اور انڈے سالن نہیں ہے لیکن یہ تعریف جملہ اہل لغت کے خلاف ہے۔ ابن قصار کہتے ہیں کہ اگر روٹی بھونے ہوئے گوشت کے ساتھ کھائی جائے تو اسے ادام، یعنی سالن ہی کہا جائے گا۔ اگر کوئی انسان اس طرح روٹی کھانے کے بعد کہے کہ میں نے سالن کے بغیر روٹی کھائی ہے تو اس نے جھوٹ کہا ہے اور اگر کہے کہ میں نے سالن کے ساتھ روٹی تناول کی ہے تو یہ صحیح ہے۔[1] ② حضرت ام سلیم ؓ کا تعلق خالص عرب سے ہے۔ وہ روٹی پر اپنے کپے میں بچا ہوا گھی ڈال کر اسے ادام (سالن) سے تعبیر کرتی ہیں۔ امام بخاری ؒ نے اسی مقصد کے لیے یہ حدیث پیش کی ہے۔ اتنے گھی سے روٹی تو نہیں کھائی جا سکتی، البتہ روٹی کے ٹکڑوں میں گھی کی خوشبو ضرور آ سکتی ہے۔ واللہ أعلم.

(٢٣) بَابُ النِّيَّةِ فِي الْأَيْمَانِ

باب: 23- قسموں میں نیت کا اعتبار کرنا

وضاحت: اگر قسم بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہو تو بندے کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا اور اگر بندے اور دوسرے لوگوں کے درمیان ہو تو وہ اگر غیر ظاہر نیت کا دعویٰ کرے تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی بلکہ قسم لینے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ یہ موقف اہل کوفہ کا ہے جیسا کہ علامہ عینی ؒ نے ذکر کیا ہے۔[2] امام بخاری ؒ کا موقف ہے کہ قسم ایک عمل ہے اور ہر عمل میں نیت کا اعتبار ہوتا ہے، مثلاً: کسی نے قسم کھائی کہ وہ زید کے گھر میں داخل نہیں ہوگا اور اس کی نیت ایک مہینے کی تھی تو ایک ماہ کے

[1] فتح الباري: 696/11. [2] عمدة القاري: 733/15.

بعد گھر میں داخل ہونے سے گناہ گار نہیں ہوگا، یعنی ہر حال میں قسم کھانے والے کی نیت کو دیکھا جائے گا۔[1]

٦٦٨٩ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ: سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ يَقُولُ: أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: أَنَّهُ سَمِعَ عَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ اللَّيْثِيَّ يَقُولُ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ، وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّا نَوَى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا، فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ». [راجع: ١]

[6689] حضرت عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ ہر انسان کو وہی حاصل ہوگا جو اس نے نیت کی۔ جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہوگی اس کی ہجرت واقعی اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا کمانے کے لیے یا کسی عورت سے شادی رچانے کے لیے ہوگی تو اس کی ہجرت اسی کے لیے ہوگی جس کے لیے اس نے ہجرت کی ہے۔“

فائدہ: امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے اعمال میں نیت کے معتبر ہونے کو ثابت کیا ہے، مثلاً: اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ زید سے گفتگو نہیں کرے گا اور نیت اس کے گھر میں کلام کرنے سے متعلق تھی تو اگر اس کے گھر سے باہر زید سے گفتگو کرتا ہے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ بہرحال قسم کے متعلق فیصلہ قسم کھانے والے کی نیت پر موقوف ہے، اس کی جو نیت ہوگی اس کے مطابق حکم لگایا جائے گا۔ واللہ أعلم.

(٢٤) بَابٌ: إِذَا أَهْدَى مَالَهُ عَلَى وَجْهِ النَّذْرِ وَالتَّوْبَةِ

باب: 24- جب کوئی شخص اپنا مال نذر اور توبہ کے طور پر صدقہ کرے

وضاحت: كتاب الأيمان والنذور میں یہ پہلا عنوان نذر کے متعلق ہے۔ لغوی طور پر اچھی یا بری چیز کو اپنے ذمے لینے کو نذر کہتے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں کسی غیر واجب کو خود پر واجب کر لینا نذر کہلاتا ہے۔ عمومی اعتبار سے اس کی دو قسمیں ہیں:

○ مُنَجَّز: اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اپنے ذمے کوئی کام لے لینا، مثلاً: میں اللہ تعالیٰ کے لیے روزہ رکھنے کی نذر مانتا ہوں۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ میں اس بیماری سے شفا کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے لیے نفل ادا کرنے کی نذر مانتا ہوں۔

○ معلق: کسی چیز سے مشروط کرتے ہوئے کوئی نذر ماننا، مثلاً: اگر میری گمشدہ چیز مل گئی تو میں ہزار روپے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینے کی نذر مانتا ہوں۔ ان دونوں قسم کی نذر کا حکم یہ ہے کہ انسان کے لیے ان کا ادا کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ عنوان کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی سارے مال کی نذر مان لے تو کیا اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ امام بخاری ؒ نے اس کے لیے درج ذیل حدیث کا

---

1 فتح الباري: 697/11.

حوالہ دیا ہے۔

٦٦٩٠ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ- وَكَانَ قَائِدَ كَعْبٍ مِّنْ بَنِيهِ حِينَ عَمِيَ - قَالَ: سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ فِي حَدِيثِهِ: ﴿وَعَلَى ٱلثَّلَٰثَةِ ٱلَّذِينَ خُلِّفُوا۟﴾، [التوبة، ١١٨] فَقَالَ فِي آخِرِ حَدِيثِهِ: إِنَّ مِنْ تَوْبَتِي أَنْ أَنْخَلِعَ مِنْ مَّالِي صَدَقَةً إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَمْسِكْ عَلَيْكَ بَعْضَ مَالِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ».

[راجع: ٢٧٥٧]

[6690] عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کعب بن مالک سے روایت ہے (وہ اپنے باپ عبداللہ بن کعب سے بیان کرتے ہیں۔)......اور جب حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نابینا ہو گئے تھے تو ان کی اولاد میں سے یہی (عبداللہ بن کعب) ان کو لے کر چلا کرتے تھے...... انھوں نے بیان کیا کہ میں نے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے ان کی حدیث سنی جو ان حضرات سے متعلق تھی جو غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔ انھوں نے اپنی سرگزشت کے آخر میں کہا: میں نے یہ پیش کش کی کہ اپنی توبہ کی خوشی میں اپنا مال اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے صدقہ کر کے اس سے خالی ہونا چاہتا ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اپنا کچھ مال اپنے پاس ہی رکھو، یہ تمھارے لیے بہتر ہے۔''

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں تفصیل ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے توبہ قبول ہونے کی خوشی میں رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: میں اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں دینا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''نہیں۔'' پھر انھوں نے نصف مال دینے کی اجازت مانگی تو بھی آپ نے انکار کر دیا۔ آخر میں ایک تہائی مال دینے کے متعلق کہا تو آپ نے فرمایا: ''ہاں۔'' اس کے بعد حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں اپنا خیبر سے ملنے والا حصہ روک لیتا ہوں، چنانچہ انھوں نے خیبر کا حصہ اپنے پاس رکھ کر باقی تمام مال صدقہ کر دیا۔[1] اس تفصیل کی بنا پر ہمارا موقف ہے کہ اگر کسی نے نذر مانی کہ میرے مریض کو شفا ملنے پر میرا تمام مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ ہے تو اسے زیادہ سے زیادہ ایک تہائی مال دینے کی اجازت ہے۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک دوسرا موقف بیان کیا ہے کہ تمام مال صدقہ کرنا انسان کے اپنے حالات پر موقوف ہے، اگر مال دار صابر وشاکر ہے تو اسے تمام مال صدقہ کرنے سے منع نہیں کیا جائے گا جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے اور جیسا کہ انصار کے ایثار کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے۔ اگر وہ غریب ہے تو اسے سارا مال صدقہ کرنے کی اجازت نہیں جیسا کہ حدیث میں بہترین صدقہ اسے قرار دیا گیا ہے کہ اس کے بعد انسان کسی دوسرے کا محتاج نہ ہو جائے۔ واللہ أعلم.[2]

(٢٥) بَابٌ: إِذَا حَرَّمَ طَعَامًا

باب: 25- اگر کوئی اپنا کھانا خود پر حرام کرلے

وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اے نبی! آپ کیوں اس چیز کو

① سنن أبي داود، الأيمان والنذور، حديث: 3321. ② فتح الباري: 11/699.

لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ﴾ [التحريم: ١]

حرام کرتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے، آپ اپنی بیویوں کی خوشی چاہتے ہیں۔"

وَقَوْلُهُ: ﴿لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَٰتِ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكُمْ﴾ [المائدة: ٨٧].

نیز فرمایا: "جو پاکیزہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے حلال کی ہیں، انھیں حرام مت کرو۔"

وضاحت: اگر کوئی شخص خود پر حلال چیز کا استعمال بطور نذر حرام کر لیتا ہے تو اس قسم کی نذر پوری کرنا ضروری نہیں بلکہ اسے چاہیے کہ ایسے موقع پر قسم توڑ دے اور اس کا کفارہ دے دے جیسا کہ پیش کردہ آیات سے معلوم ہوتا ہے۔

٦٦٩١ - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ: زَعَمَ عَطَاءٌ: أَنَّهُ سَمِعَ عُبَيْدَ بْنَ عُمَيْرٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَزْعُمُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَمْكُثُ عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَيَشْرَبُ عِنْدَهَا عَسَلًا، فَتَوَاصَيْتُ أَنَا وَحَفْصَةُ أَنَّ أَيَّتَنَا دَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ ﷺ فَلْتَقُلْ: إِنِّي أَجِدُ مِنْكَ رِيحَ مَغَافِيرَ، أَكَلْتَ مَغَافِيرَ؟ فَدَخَلَ عَلَى إِحْدَاهُمَا فَقَالَتْ ذٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ: «لَا بَلْ شَرِبْتُ عَسَلًا عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَلَنْ أَعُودَ لَهُ»، فَنَزَلَتْ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكَ﴾ ﴿إِن تَتُوبَآ إِلَى ٱللَّهِ﴾ [التحريم: ٤] لِعَائِشَةَ وَحَفْصَةَ ﴿وَإِذْ أَسَرَّ ٱلنَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَٰجِهِۦ حَدِيثًا﴾ [التحريم: ٣] لِقَوْلِهِ: «بَلْ شَرِبْتُ عَسَلًا».

[6691] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ حضرت زینب بنت جحش ؓ کے پاس ٹھہرا کرتے تھے اور وہاں شہد نوش فرماتے تھے۔ میں نے اور حضرت حفصہ ؓ نے پروگرام بنایا کہ جس کے پاس نبی ﷺ تشریف لائیں تو وہ کہے: میں آپ سے مغافیر کی بو پاتی ہوں۔ کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ چنانچہ جب آپ ایک کے ہاں تشریف لائے تو اس نے آپ سے یہی کہا۔ تو آپ نے فرمایا: "(میں نے مغافیر) نہیں (کھایا) بلکہ زینب بنت جحش ؓ کے ہاں شہد نوش کیا ہے، آئندہ میں شہد بھی نوش نہیں کروں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: "اے نبی! آپ ایسی چیز کو کیوں حرام کرتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے؟" اس آیت کریمہ میں سے ﴿إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللّٰهِ﴾ سے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ ؓ کی طرف اشارہ ہے۔ اور ﴿وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ......﴾ سے مراد آپ کا یہ کہنا ہے: "نہیں، بلکہ میں نے شہد نوش کیا ہے۔"

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسٰى عَنْ هِشَامٍ: «وَلَنْ أَعُودَ لَهُ وَقَدْ حَلَفْتُ، فَلَا تُخْبِرِي بِذٰلِكَ أَحَدًا». [راجع: ٤٩١٢]

ایک روایت کے مطابق (آپ ﷺ نے فرمایا تھا): "اب کبھی میں شہد نوش نہیں کروں گا۔ میں نے اس بات کی قسم کھائی ہے۔ تم اس کی کسی کو خبر نہ کرنا۔" (پھر آپ نے اس قسم کو توڑ دیا اور کفارہ ادا کیا)۔

فوائدومسائل: ① یہ نذر معصیت یا لجاج کی مثال ہے، یعنی وہ نذر جس میں انسان کسی حلال چیز کو بطور نذر خود پر حرام کر لیتا ہے۔ ایسی نذر کے متعلق اہل کوفہ کا موقف ہے کہ قسم کا کفارہ دے کر ایسی نذر کا ختم کرنا ضروری ہے لیکن راجح بات یہ ہے کہ ایسی نذر کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اسے ختم کر دیا جائے اور اگر قسم اٹھائی ہے تو اس کا کفارہ دے، بصورت دیگر کفارہ نہیں ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا یہی رجحان معلوم ہوتا ہے کیونکہ انھوں نے حدیث کے آخر میں اس روایت کا حوالہ دیا ہے جس میں بصراحت رسول اللہ ﷺ کے قسم کھانے کا ذکر ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی اسی موقف کو اختیار کیا ہے۔ ③ واضح رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے جس روایت کا ذکر کیا ہے وہ کتاب التفسیر، حدیث: 4912 میں ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(٢٦) بَابُ الْوَفَاءِ بِالنَّذْرِ

باب: 26- نذر کا پورا کرنا

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿يُوفُونَ بِالنَّذْرِ﴾ [الإنسان: ٧]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وہ اپنی نذر پوری کرتے ہیں۔“

وضاحت: نذر اطاعت کا پورا کرنا ضروری ہے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان کے بعد آیت کریمہ کا حوالہ اسی مقصد کے لیے دیا ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو اپنی نذر پوری کرتے ہیں۔ اس سے مراد طاعت کی نذر ہے کیونکہ معصیت کی نذر قابل تعریف نہیں ہوتی جبکہ نذر طاعت کے پورا کرنے پر اجماع ہے۔ واللّٰہ أعلم.

٦٦٩٢ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ: حَدَّثَنَا فُلَيْحُ ابْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ الْحَارِثِ: أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: أَوَ لَمْ يُنْهَوْا عَنِ النَّذْرِ؟ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ النَّذْرَ لَا يُقَدِّمُ شَيْئًا وَّلَا يُؤَخِّرُ، وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِالنَّذْرِ مِنَ الْبَخِيلِ». [راجع: ٦٦٠٨]

[6692] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: کیا لوگوں کو نذر سے منع نہیں کیا گیا؟ بلاشبہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”نذر کسی چیز کو آگے پیچھے نہیں کر سکتی، اس کے ذریعے سے تو صرف بخیل سے مال نکالا جاتا ہے۔“

فوائدومسائل: ① ایک واقعے کے پس منظر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث بیان کی تھی۔ وہ واقعہ امام حاکم رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے، سعید بن حارث کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تھا جبکہ ان کے ہاں عمرو بن کعب کا بیٹا مسعود بن عمرو آیا اور کہنے لگا: ابوعبدالرحمٰن! میرا بیٹا عمر بن عبیداللہ کے ہمراہ ایران کی سرزمین میں ہے اور وہاں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی ہے۔ میں نے نذر مانی ہے کہ اگر میرا بیٹا صحیح سالم واپس آ گیا تو میں پیدل بیت اللہ کا سفر کروں گا۔ وہ بیماری کی حالت میں ہمارے پاس آیا، کچھ دن زندہ رہا پھر فوت ہو گیا، اب آپ کا اس نذر کے متعلق کیا خیال ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس وقت مذکورہ حدیث بیان کی۔[1] ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے علامہ قرطبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ بہترین نذر یہ ہے کہ انسان کسی قسم کی شرط

---

1. عمدة القاري: 737/15.

کے بغیر کسی عبادت کو خود پر لازم کر لے جیسا کہ انسان کسی مرض سے شفایاب ہو تو کہے کہ میں شکریے کے طور پر روزے رکھوں گا۔ اس امر کی اللہ تعالیٰ کے لیے نذر مانے۔ اس کے برعکس اگر کوئی اپنے غلام کو خود پر بوجھ خیال کرتا ہے اور اس کے آزاد کرنے کے لیے نذر مان لیتا ہے تاکہ اس سے نجات مل جائے تو اس قسم کی نذر اللہ تعالیٰ کے تقرب کے لیے نہیں ہے۔ واللہ أعلم.[1]

٦٦٩٣ - حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُرَّةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ النَّذْرِ وَقَالَ: «إِنَّهُ لَا يَرُدُّ شَيْئًا وَلٰكِنَّهُ يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ». [راجع: ٦٦٠٨]

[6692] حضرت ابن عمر ؓ ہی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے نذر ماننے سے منع کیا، نیز آپ نے فرمایا: ''یقیناً وہ کسی چیز کو واپس نہیں کر سکتی، البتہ اس کے ذریعے سے بخیل سے مال نکالا جا سکتا ہے۔''

٦٦٩٤ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا يَأْتِي ابْنَ آدَمَ النَّذْرُ بِشَيْءٍ لَمْ أَكُنْ قَدَّرْتُهُ، وَلٰكِنْ يُلْقِيهِ النَّذْرُ إِلَى الْقَدَرِ قَدْ قُدِّرَ لَهُ فَيَسْتَخْرِجُ اللهُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ، فَيُؤْتِينِي عَلَيْهِ مَا لَمْ يَكُنْ يُؤْتِينِي عَلَيْهِ مِنْ قَبْلُ». [راجع: ٦٦٠٩]

[6694] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''نذر، ابن آدم کو کوئی ایسی چیز نہیں دیتی جو اس کے مقدر میں نہ ہو لیکن وہ اسے (انسان کو) اس کام کی طرف لے جاتی ہے جو اس کے مقدر میں لکھ دیا ہوتا ہے، چنانچہ نذر کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ بخیل سے مال نکالتا ہے، اس طرح وہ چیزیں صدقہ کر دیتا ہے جس کی اس سے پہلے اس سے امید نہیں کی جا سکتی تھی۔''

فوائد و مسائل: ① لوگوں کی عادت ہے کہ وہ کسی فائدے کے حصول یا کسی نقصان کے دور ہونے کی نذر مانتے ہیں۔ اس قسم کی نذر سے منع کیا گیا ہے کیونکہ ایسا کرنا بخیلوں کا کام ہے، وہ بھی صدقہ خیرات نہیں کرتے لیکن جب کسی خوف یا حرص کے باعث کوئی نذر مانتے ہیں تو مال خرچ کرتے ہیں۔ اگر خوف یا طمع نہ ہو تو ایک کوڑی خرچ کرنے کے روادار نہیں ہیں جبکہ سخی آدمی ایسا نہیں کرتا۔ سخی آدمی تو سخاوت کے ساتھ کسی طمع یا خوف کو وابستہ ہی نہیں کرتا۔ ② واضح رہے کہ نذر، دعا کی طرح ہے۔ دونوں اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو رد نہیں کرتیں لیکن تقدیر کا حصہ ضرور ہیں، اس کے باوجود دعا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور نذر سے منع کیا گیا ہے۔ اس کا سبب اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ دعا عبادت عاجلہ ہے، انسان اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے حضور عجز و انکسار پیش کرتا ہے جبکہ نذر میں عبادت کسی مفاد سے وابستہ کی جاتی ہے اور کسی ضرورت کے پورا ہونے کے بعد عبادت کو سرانجام دیا جاتا ہے۔ بہرحال نذر طاعت کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے اور مفادات کی نذر کو بنظر استحسان نہیں دیکھا گیا اور نہ اس کو اچھا ہی سمجھا گیا ہے اگرچہ اس کا پورا کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ واللہ أعلم.

---

① فتح الباري: 702/11.

(٢٧) بَابُ إِثْمِ مَنْ لَا يَفِي بِالنَّذْرِ

باب: 27- اس شخص کا گناہ جو نذر کو پورا نہیں کرتا

٦٦٩٥ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيٰى، عَنْ شُعْبَةَ: حَدَّثَنِي أَبُو جَمْرَةَ: حَدَّثَنَا زَهْدَمُ بْنُ مُضَرِّبٍ قَالَ: سَمِعْتُ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «خَيْرُكُمْ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، - قَالَ عِمْرَانُ: لَا أَدْرِي ذَكَرَ ثِنْتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا بَعْدَ قَرْنِهِ - ثُمَّ يَجِيءُ قَوْمٌ يَنْذُرُونَ وَلَا يَفُونَ، وَيَخُونُونَ - وَلَا يُؤْتَمَنُونَ، وَيَشْهَدُونَ وَلَا يُسْتَشْهَدُونَ، وَيَظْهَرُ فِيهِمُ السِّمَنُ». [راجع: ٢٦٥١]

[6695] حضرت عمران بن حصین ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''تم میں سے بہتر لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں، پھر وہ جو ان کے متصل ہیں، پھر وہ جو ان کے متصل ہیں...... حضرت عمران ؓ کہتے ہیں: مجھے یاد نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد دو زمانوں کا ذکر کیا تھا یا تین کا...... پھر وہ لوگ آئیں گے جو نذر مانیں گے لیکن اسے پورا نہیں کریں گے، خیانت پیشہ ہوں گے، امانت کی حفاظت نہیں کریں گے اور گواہی دیں گے جبکہ ان سے گواہی کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ ان میں موٹاپا نمایاں طور پر ظاہر ہوگا۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں امانت کی خیانت اور نذر کے پورا کرنے کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ جب خیانت کرنا مذموم ہے تو نذر کو پورا نہ کرنا بھی انتہائی قابل مذمت ہے، نیز اس حدیث میں نذر کو پورا نہ کرنا بطور عیب بیان کیا گیا ہے اور جو کام جائز ہوتا ہے اسے اس انداز سے بیان نہیں کیا جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نذر پوری نہ کرنا مستحسن امر نہیں ہے۔[1] ② واضح رہے کہ حدیث میں مذکور موٹاپے سے مراد کسبی موٹاپا ہے کیونکہ پیدائشی موٹاپا غیر اختیاری ہوتا ہے اور یہ قابل مذمت نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرب قیامت کے وقت لوگ عیش وعشرت کی زندگی گزاریں گے، نیز وہ حلال وحرام کی پروا نہیں کریں گے اور دنیا میں جانوروں کی طرح کھائیں گے، ان کا مقصد حیات صرف کھانا پینا ہوگا، اس بنا پر ان کے جسم پر چربی کی بہتات ہوگی اور ان میں موٹاپا نمایاں طور پر ظاہر ہوگا۔ واللہ أعلم.

(٢٨) بَابُ: النَّذْرِ فِي الطَّاعَةِ

باب: 28- طاعت کے کاموں کی نذر ماننا

﴿وَمَآ أَنفَقْتُم مِّن نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُم مِّن نَّذْرٍ﴾ [البقرة: ٢٧٠]

(ارشاد باری تعالیٰ ہے:) ''تم جو بھی خرچ کرو کوئی خرچ یا نذر مانو کوئی نذر۔''

وضاحت: نذر کی چار قسمیں ہیں: ○ نذر طاعت، جیسے: نماز پڑھنے کی نذر ماننا۔ ○ نذر معصیت، جیسے: شراب نوشی کی نذر

① فتح الباري: 708/11.

ماننا۔ ○ نذر مباح، جیسے: مباح چیزیں استعمال کرنے کی نذر ماننا۔ ○ نذر مکروہ، کسی مکروہ چیز کی نذر ماننا، جیسے: نوافل ترک کرنے کی نذر ماننا۔ ان میں صرف نذر طاعت لازم ہے اور نذر معصیت کا نہ کرنا ضروری ہے اور باقی پر عمل کرنا لازم نہیں۔

٦٦٩٦ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ، وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَهُ فَلَا يَعْصِهِ». [انظر: ٦٧٠٠]

[6696] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”جس نے نذر مانی کہ اللہ کی اطاعت کرے گا تو وہ اسے پورا کرے اور جس نے نذر مانی کہ وہ اللہ کی نافرمانی کرے گا تو وہ اس (اللہ تعالیٰ) کی نافرمانی نہ کرے۔“

فوائد و مسائل: ① نذر طاعت امر واجب میں ہوتی ہے اور امر مستحب میں بھی۔ امر واجب کی مثال یہ ہے کہ میں اول وقت میں نماز پڑھوں گا۔ اسے حتی المقدور اس پر عمل کرنا ہوگا، یعنی اول وقت میں نماز ادا کرنا ہوگی اور امر مستحب کی مثال دیگر مالی اور بدنی عبادات ہیں۔ نذر کے بعد اس قسم کی عبادت واجب ہو جاتی ہے۔ ② مذکورہ حدیث اس امر میں صریح ہے کہ نذر طاعت کو پورا کرنا ضروری ہے اور اگر کسی معصیت اور گناہ و نافرمانی کی نذر ہے تو اس کا ترک کر دینا ضروری ہے۔ نذر معصیت کے ترک پر کفارہ دینا ہوگا یا نہیں؟ اس کی وضاحت ہم آئندہ کریں گے۔[1]

(٢٩) بَابٌ: إِذَا نَذَرَ أَوْ حَلَفَ أَنْ لَا يُكَلِّمَ إِنْسَانًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ ثُمَّ أَسْلَمَ

باب: 29- جب کسی نے دور جاہلیت میں نذر مانی یا قسم کھائی کہ کسی شخص سے بات نہیں کرے گا، پھر وہ مسلمان ہو گیا

٦٦٩٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ عُمَرَ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي نَذَرْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ أَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، قَالَ: «أَوْفِ بِنَذْرِكَ». [راجع: ٢٠٣٢]

[6697] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر ؓ نے کہا: اللہ کے رسول! میں نے زمانۂ جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اپنی نذر پوری کرو۔“

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں جاہلیت سے مراد حضرت عمر ؓ کے اسلام لانے سے پہلے کا زمانہ ہے کیونکہ ہر شخص کی جاہلیت اس کے اسلام کے اعتبار سے ہے۔ بعثت رسول اللہ ﷺ سے پہلے کا زمانۂ جاہلیت مراد نہیں ہے۔ امام طحاوی ؒ نے اس

[1] فتح الباري: 709/11.

حدیث پر ان الفاظ میں عنوان قائم کیا ہے: [مَنْ نَذَرَ وَهُوَ مُشْرِكٌ ثُمَّ أَسْلَمَ] ''جس نے بحالت شرک نذر مانی پھر مسلمان ہو گیا۔'' یہ عنوان مقصد کے ادا کرنے میں زیادہ واضح ہے۔ غزوۂ حنین سے واپس ہوتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے مذکورہ سوال کیا تھا جیسا کہ ایک حدیث میں اس کی صراحت ہے۔[1] ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمانۂ جاہلیت کی نذر کو پورا کرنا ضروری ہے۔ زمانۂ کفر و شرک نذر پوری کرنے میں رکاوٹ نہیں بنتا۔ بہر حال نذر طاعت کا پورا کرنا ضروری ہے، خواہ وہ زمانۂ کفر و شرک ہی میں کیوں نہ مانی گئی ہو۔ ③ واضح رہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ غزوۂ حنین میں حاصل ہونے والی غنیمتوں کی تقسیم کے بعد مسجد حرام میں اعتکاف بیٹھے تھے جیسا کہ انھوں نے اس امر کی وضاحت کی ہے۔[2]

(٣٠) بَابُ مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ نَذْرٌ

باب: 30- جو فوت ہو جائے اور اس کے ذمے نذر کی ادائیگی باقی ہو

وَأَمَرَ ابْنُ عُمَرَ امْرَأَةً جَعَلَتْ أُمُّهَا عَلَى نَفْسِهَا صَلَاةً بِقُبَاءٍ فَقَالَ: صَلِّي عَنْهَا. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ نَحْوَهُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک عورت سے کہا جس کی ماں نے قباء میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تھی: تو اس کی طرف سے نماز پڑھ لے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی یہی کہا تھا۔

وضاحت: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: کوئی دوسرے کی طرف سے نہ نماز پڑھے اور نہ روزے ہی رکھے۔[3] نسائی میں اس طرح کی ایک روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے،[4] جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ کی پیش کردہ روایات ان کے خلاف ہیں۔ ان روایات میں تطبیق کی یہ صورت ہے کہ کوئی زندہ آدمی کسی زندہ کی طرف سے نماز روزہ نہیں کر سکتا اور میت کی طرف سے کرنے کی اجازت ہے جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا۔[5]

٦٦٩٨ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ الْأَنْصَارِيَّ اسْتَفْتَى النَّبِيَّ ﷺ فِي نَذْرٍ كَانَ عَلَى أُمِّهِ فَتُوُفِّيَتْ قَبْلَ أَنْ تَقْضِيَهُ فَأَفْتَاهُ أَنْ يَقْضِيَهُ عَنْهَا، فَكَانَتْ سُنَّةً بَعْدُ. [راجع: ٢٧٦١]

[6698] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے ایک نذر کے متعلق دریافت کیا جو ان کی والدہ کے ذمے باقی تھی اور وہ نذر پوری کرنے سے پہلے وفات پا گئی تھیں، تو آپ ﷺ نے انھیں فتوی دیا کہ وہ اپنی ماں کی طرف سے نذر پوری کریں، چنانچہ بعد میں یہی طریقہ مسنونہ قرار پایا۔

٦٦٩٩ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي بِشْرٍ

[6699] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے،

---

① صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4320. ② فتح الباري: 709/11. ③ الموطأ للإمام مالك، الصيام، حديث: 686.
④ السنن الكبرٰى للنسائي، الصيام، حديث: 2930. ⑤ فتح الباري: 711/11.

قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ لَهُ: إِنَّ أُخْتِي نَذَرَتْ أَنْ تَحُجَّ وَإِنَّهَا مَاتَتْ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَوْ كَانَ عَلَيْهَا دَيْنٌ أَكُنْتَ قَاضِيَهُ؟» قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: «فَاقْضِ اللهَ فَهُوَ أَحَقُّ بِالْقَضَاءِ». [راجع: ۱۸۵۲]

انھوں نے کہا: ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: میری بہن نے حج کرنے کی نذر مانی تھی لیکن وہ فوت ہوگئی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر اس کے ذمے کوئی قرض ہوتا تو کیا تو اسے ادا کرتا؟'' اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر اللہ کے قرض کو بھی ادا کرو کیونکہ وہ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کا قرض ادا کیا جائے۔''

فوائد ومسائل: ① حضرت سعد ؓ کی والدہ کے ذمے نذر کیا تھی؟ اس کے تعین میں اختلاف ہے۔ کچھ حضرات کا خیال ہے کہ وہ روزے کی نذر تھی جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی: اللہ کے رسول! میری والدہ اس حالت میں فوت ہوئی ہے کہ اس کے ذمے ایک ماہ کے روزے تھے، کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھوں تو آپ نے فرمایا: ''ہاں۔''[1] لیکن اس روایت میں آدمی کی تعیین کے متعلق یقین نہیں کہ وہ حضرت سعد ؓ تھے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ والدہ کی نذر مالی صدقے کے متعلق تھی جیسا کہ موطا امام مالک کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے لیکن اس روایت میں نذر کی صراحت نہیں ہے۔[2] ظاہر روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نذر مال کے متعلق تھی۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ میت کے ذمے واجب حقوق کی ادائیگی ضروری ہے۔ جمہور اہل علم کا خیال ہے کہ اگر کوئی مر جائے اور اس کے ذمے مالی نذر ہو تو اس کے ترکے سے اس کا پورا کرنا ضروری ہے، اگرچہ مرنے والے نے وصیت نہ کی ہو، ہاں اگر نذر مرض موت میں مانی تھی تو ایک تہائی مال سے اس کی نذر پوری کی جاسکے گی۔[3] واللہ أعلم۔

(۳۱) بَابُ النَّذْرِ فِيمَا لَا يَمْلِكُ، وَفِي مَعْصِيَةٍ

باب: 31- ایسی چیز کی نذر ماننا جس کا وہ مالک نہیں اور معصیت کی نذر ماننا

۶۷۰۰ - حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ مَّالِكٍ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ، وَمَنْ نَذَرَ أَنْ

[6700] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے نذر مانی کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے گا تو اسے چاہیے کہ وہ اطاعت کرے اور جس نے اس (اللہ) کی نافرمانی کی نذر مانی تو وہ اس کی نافرمانی

---

[1] صحيح مسلم، الصيام، حديث: (154) 1148. [2] الموطأ للإمام مالك، الأقضية، حديث: 1515. [3] فتح الباري: 713/11.

يَّعْصِيَهُ فَلَا يَعْصِهِ». [راجع: ٦٦٩٦]

نہ کرے۔"

فوائدومسائل: ① اس حدیث میں گناہ کی نذر کے متعلق حکم بتایا گیا ہے کہ اسے پورا نہیں کرنا چاہیے لیکن غیر کی ملکیت کے متعلق نذر ماننے کا حکم اس حدیث میں بیان نہیں ہوا لیکن جو انسان کسی چیز کا مالک نہیں، اس کے متعلق نذر ماننا گویا غیر کی ملکیت میں تصرف کرنا ہے۔ یہ معصیت اور گناہ ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے دونوں اجزاء کو اس حدیث سے ثابت کیا ہے، لہٰذا یہ حدیث عنوان بالا کے عین مطابق ہے۔[1] ② واضح رہے کہ غیر مملوکہ چیز کی نذر ماننا یہ ہے کہ اس طرح کہا جائے اگر مجھے شفا مل گئی تو میں فلاں کے غلام کو آزاد کروں گا جبکہ وہ غلام اس کی ملک نہیں ہے۔ اسی طرح معصیت کی نذر یہ ہے کہ کوئی اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر مانے، اس طرح کی نذر شرعاً جائز نہیں۔ واللہ أعلم.

٦٧٠١ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ اللهَ لَغَنِيٌّ عَنْ تَعْذِيبِ هٰذَا نَفْسَهُ»، وَرَآهُ يَمْشِي بَيْنَ ابْنَيْهِ.

[6701] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس سے بے پروا ہے کہ یہ شخص اپنی جان کو عذاب میں ڈالے۔" آپ ﷺ نے اسے دیکھا کہ وہ اپنے دو بیٹوں کے درمیان چل رہا تھا۔

وَقَالَ الْفَزَارِيُّ عَنْ حُمَيْدٍ: حَدَّثَنِي ثَابِتٌ عَنْ أَنَسٍ. [راجع: ١٨٦٥]

فزاری نے حمید سے بیان کیا، انھوں نے ثابت سے، انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

فوائدومسائل: ① مذکورہ روایت پہلے تفصیل سے بیان ہو چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے دونوں بیٹوں کے سہارے چل رہا تھا تو آپ نے دریافت فرمایا: "اسے کیا ہوا ہے؟" انھوں نے عرض کی: اس نے پیدل چلنے کی نذر مانی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس نے خواہ مخواہ خود کو اذیت میں ڈال رکھا ہے۔ اس کی اذیت رسانی سے اللہ تعالیٰ بے پروا ہے۔" پھر آپ نے اسے سوار ہونے کا حکم دیا۔[2] ② ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص پیدل نہیں چل سکتا تھا۔ شاید اس کے پاؤں فالج زدہ تھے۔ بہرحال رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کی نذر پوری کرنے سے منع فرمایا جس میں خود کو تکلیف میں ڈالنا مقصود ہو۔ واللہ أعلم.

٦٧٠٢ - حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ الْأَحْوَلِ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى رَجُلًا يَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ بِزِمَامٍ أَوْ غَيْرِهِ فَقَطَعَهُ. [راجع: ١٦٢٠]

[6702] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو بیت اللہ کا طواف لگام وغیرہ کے ذریعے سے کر رہا تھا تو آپ نے اسے کاٹ دیا۔

٦٧٠٣ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسٰى: أَخْبَرَنَا

[6703] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے،

① فتح الباري: 714/11. ② صحيح البخاري، الحج، حديث: 1865.

هِشَامٌ: أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ: أَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ الْأَحْوَلُ: أَنَّ طَاوُسًا أَخْبَرَهُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَرَّ وَهُوَ يَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ بِإِنْسَانٍ يَقُودُ إِنْسَانًا بِخِزَامَةٍ فِي أَنْفِهِ، فَقَطَعَهَا النَّبِيُّ ﷺ بِيَدِهِ ثُمَّ أَمَرَهُ أَنْ يَقُودَهُ بِيَدِهِ. [راجع: ١٦٢٠]

نبی ﷺ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ آپ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو ایک انسان کو کھینچ رہا تھا جس کی ناک میں رسی تھی۔ نبی ﷺ نے اپنے دست مبارک سے وہ کاٹ دی، پھر حکم دیا کہ اپنے ہاتھ سے اس کی رہنمائی کرے۔

فوائد و مسائل: ① ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ طواف کر رہے تھے تو آپ نے ایک انسان کو دیکھا جس کا ہاتھ دوسرے انسان کے ساتھ رسی وغیرہ سے بندھا ہوا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے وہ رسی کاٹ دی اور فرمایا: ''اسے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر چلو۔''[1] ② روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے نذر مانی تھی کہ اس انداز سے بیت اللہ کا طواف کرے گا جیسا کہ امام نسائی رحمہ اللہ نے اسے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔[2] بہرحال ایسی نذر کو پورا کرنے کی شرعاً اجازت نہیں جس سے خواہ مخواہ خود کو تکلیف میں ڈالنا مقصود ہو۔ واللہ أعلم.

٦٧٠٤ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: بَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ إِذَا هُوَ بِرَجُلٍ قَائِمٍ، فَسَأَلَ عَنْهُ فَقَالُوا: أَبُو إِسْرَائِيلَ نَذَرَ أَنْ يَقُومَ وَلَا يَقْعُدَ، وَلَا يَسْتَظِلَّ وَلَا يَتَكَلَّمَ، وَيَصُومَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مُرْهُ فَلْيَتَكَلَّمْ، وَلْيَسْتَظِلَّ، وَلْيَقْعُدْ، وَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ».

[6704] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک دفعہ نبی ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک آپ نے ایک آدمی کو کھڑے ہوئے دیکھا۔ آپ نے اس کے متعلق پوچھا تو لوگوں نے کہا: یہ ابو اسرائیل ہے۔ اس نے نذر مانی تھی کہ کھڑا رہے گا بیٹھے گا نہیں، نہ سایہ لے گا اور نہ کسی سے گفتگو ہی کرے گا، نیز روزے سے ہوگا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اسے کہو کہ گفتگو کرے، سایہ لے، بیٹھ جائے اور روزہ پورا کرے۔''

قَالَ عَبْدُ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

عبدالوہاب نے کہا: ہمیں ایوب نے حضرت عکرمہ کے ذریعے سے نبی ﷺ سے خبر دی۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کی عنوان سے مناسبت اس طرح ہے کہ دھوپ میں کھڑے رہنا، سایہ نہ لینا، گفتگو نہ کرنا طاعت نہیں اور جو طاعت نہ ہو وہ معصیت ہوتی ہے جبکہ معصیت کی نذر کو پورا کرنا درست نہیں۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم

---

[1] صحيح البخاري، الحج، حديث: 1620. [2] سنن النسائي، الأيمان والنذور، حديث :3841، و فتح الباري:11/718.

ہوا کہ مباح شے یا اللہ تعالیٰ کے ذکر سے سکوت اختیار کرنا طاعت نہیں، اسی طرح دھوپ میں بیٹھے رہنا طاعت نہیں۔ طاعت وہ ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے دیا ہو۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے قرطبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس واقعے سے عدم کفارہ ثابت ہوتا ہے کیونکہ معصیت کے متعلق اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے کفارے کا حکم نہیں دیا۔[1] لیکن ہمارے رجحان کے مطابق جس نے کوئی غیر معین یا معصیت و نافرمانی یا ایسے کام کی نذر مانی جس کی اس میں طاقت نہیں تو اس پر قسم کا کفارہ لازم ہے۔ دلائل حسب ذیل ہیں: ○ کعبے کے لیے اپنا تمام مال وقف کرنے والے کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا تھا کہ وہ قسم کا کفارہ دے۔[2] ○ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نذر کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔''[3] ○ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ معصیت و نافرمانی کے کام میں نذر جائز نہیں اور اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔[4] ان دلائل کے پیش نظر مذکورہ نذر میں قسم توڑنے کا کفارہ ادا کر دینا چاہیے۔ واللہ أعلم.

(٣٢) بَابُ مَنْ نَذَرَ أَنْ يَصُومَ أَيَّامًا، فَوَافَقَ النَّحْرَ أَوِ الْفِطْرَ

باب: 32- جس نے نذر مانی کہ وہ چند دن کے روزے رکھے گا، اتفاقاً ان میں یوم فطر یا یوم اضحیٰ آ گیا

وضاحت: جس آدمی نے چند روزے رکھنے کی نذر مانی، پھر ان دنوں میں عیدالفطر یا عیدالاضحیٰ کا دن آ گیا تو کیا اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس دن روزہ رکھے اور اپنی نذر پوری کرے؟ فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ وہ اس دن روزہ نہیں رکھے گا لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان میں اس کا حکم بیان نہیں کیا کیونکہ حدیث میں واضح طور پر اس کی ممانعت تھی۔

٦٧٠٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ: حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ: حَدَّثَنَا حَكِيمُ بْنُ أَبِي حُرَّةَ الْأَسْلَمِيُّ: أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ نَذَرَ أَنْ لَا يَأْتِيَ عَلَيْهِ يَوْمٌ إِلَّا صَامَ، فَوَافَقَ يَوْمَ أَضْحًى أَوْ فِطْرٍ فَقَالَ: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ، لَمْ يَكُنْ يَصُومُ يَوْمَ الْأَضْحَى وَالْفِطْرِ، وَلَا نَرَى صِيَامَهُمَا. [راجع: ١٩٩٤]

[6705] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، ان سے ایک آدمی کے متعلق پوچھا گیا جس نے نذر مانی تھی کہ اس پر کوئی دن (فلاں دن) نہیں آئے گا مگر وہ اسی روز روزے سے ہو گا، اگر اتفاق سے عیدالفطر یا عیدالاضحیٰ کا دن آ جائے تو کیا کرے؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ ﷺ میں بہترین نمونہ ہے۔ آپ یوم فطر اور یوم اضحیٰ کا روزہ نہیں رکھتے تھے اور نہ ہم ان دنوں میں روزہ رکھنا جائز سمجھتے تھے۔

[1] فتح الباري: 719/11. [2] السنن الكبرىٰ للبيهقي: 65/1. [3] صحيح مسلم، النذر، حديث: 4253 (1645). [4] سنن أبي داود، الأيمان والنذور، حديث: 3290.

٦٧٠٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ يُونُسَ، عَنْ زِيَادِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ: كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فَسَأَلَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: نَذَرْتُ أَنْ أَصُومَ كُلَّ يَوْمِ ثُلَاثَاءَ أَوْ أَرْبِعَاءَ مَا عِشْتُ، فَوَافَقْتُ هٰذَا الْيَوْمَ يَوْمَ النَّحْرِ، فَقَالَ: أَمَرَ اللهُ بِوَفَاءِ النَّذْرِ، وَنُهِينَا أَنْ نَصُومَ يَوْمَ النَّحْرِ، فَأَعَادَ عَلَيْهِ، فَقَالَ مِثْلَهُ، لَا يَزِيدُ عَلَيْهِ.

[راجع: ١٩٩٤]

[6706] حضرت زیاد بن جبیر سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں ایک دن حضرت ابن عمر ؓ کے ساتھ تھا، ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ میں نے ہر منگل یا بدھ کے دن زندگی بھر روزہ رکھنے کی نذر مانی تھی۔ اتفاق سے اس دن عیدالاضحیٰ آ گئی ہے؟ حضرت ابن عمر ؓ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے نذر پوری کرنے کا حکم دیا ہے اور ہمیں عیدالاضحیٰ کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت ہے۔ اس شخص نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا تو آپ نے پھر اس قدر جواب دیا، اس پر کوئی اضافہ نہ کیا۔

فوائد و مسائل: ① اہل علم کا اس امر پر اتفاق ہے کہ عید الفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن نفلی یا فرض یا نذر کا روزہ جائز نہیں۔ حضرت ابو سعید خدری ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید الفطر اور عیدالاضحیٰ کے روزے سے منع فرمایا ہے۔[1] اگر کوئی شخص کچھ دنوں کے لیے روزے رکھنے کی نذر مانتا ہے اور ان دنوں میں عید الفطر یا عیدالاضحیٰ آ جائے تو امام شافعی ؒ کہتے ہیں کہ ان دنوں کا روزہ نہ رکھے اور نہ چھوڑے ہوئے روزوں کی قضا ہی دے جبکہ امام ابو حنیفہ ؒ کہتے ہیں کہ ان دنوں روزہ تو نہ رکھے، البتہ اس کی قضا ضروری ہے۔ ② حافظ ابن حجر ؒ نے پہلی حدیث کے آخر میں علامہ اسماعیلی کے حوالے سے ایک اضافہ نقل کیا ہے کہ جب اس کا ذکر حضرت حسن بصری ؒ کے پاس ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ اس کے بجائے بعد میں ایک دن کا روزہ رکھ لیا جائے۔[2] واللہ أعلم.

(٣٣) بَابٌ: هَلْ يَدْخُلُ فِي الْأَيْمَانِ وَالنُّذُورِ الْأَرْضُ وَالْغَنَمُ وَالزَّرْعُ وَالْأَمْتِعَةُ؟

باب: 33- کیا قسم اور نذر میں زمین، بکریاں، کھیتی اور سامان وغیرہ بھی آ جاتے ہیں؟

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: قَالَ عُمَرُ لِلنَّبِيِّ ﷺ: أَصَبْتُ أَرْضًا لَمْ أُصِبْ مَالًا قَطُّ أَنْفَسَ مِنْهُ، قَالَ: «إِنْ شِئْتَ حَبَّسْتَ أَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا».

عبداللہ بن عمر ؓ نے کہا: حضرت عمر ؓ نے نبی ﷺ سے کہا: مجھے ایسی زمین مل گئی ہے کہ میں نے کبھی اس سے عمدہ مال نہیں پایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر چاہو تو اصل زمین اپنے پاس رکھو اور اس کی پیداوار صدقہ کر دو۔''

وَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ لِلنَّبِيِّ ﷺ: أَحَبُّ أَمْوَالِي

حضرت ابو طلحہ ؓ نے نبی ﷺ سے کہا: بیرحاء نامی باغ

[1] صحيح البخاري، الصوم، حديث: 1991. [2] فتح الباري: 720/11.

إِلَيَّ بَيْرُحَاءُ، لِحَائِطٍ لَّهُ مُسْتَقْبِلَةِ الْمَسْجِدِ.

مجھے اپنے تمام اموال سے زیادہ پسند ہے، یہ باغ مسجد نبوی کے سامنے تھا۔

وضاحت: امام بخاری ؒ اس عنوان میں یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ہر مملوک چیز پر مال کا اطلاق ہوتا ہے، خواہ وہ سونا چاندی ہو یا زمین اور کپڑے وغیرہ ہوں۔ اگر کوئی قسم اٹھاتا ہے یا نذر مانتا ہے کہ میرا یہ مال صدقہ یا نذر ہے تو امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک صرف وہ مال مراد ہوگا جس کا صدقہ دیا جاتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک مال کا اطلاق صرف سونے چاندی پر ہوتا ہے جبکہ امام مالک ؒ کے نزدیک ایسی نذر اس کی تمام مملوکہ اشیاء کو شامل ہوگی کیونکہ ان کے نزدیک ہر مملوکہ چیز پر مال کا لفظ بولا جاتا ہے، خواہ وہ سونا چاندی ہو یا سامان اور زمین وغیرہ۔ امام بخاری ؒ کا رجحان امام مالک ؒ کے موقف کی تائید کرتا ہے، چنانچہ حضرت عمر ؓ نے زمین پر مال کا اطلاق کیا اور حضرت ابوطلحہ ؓ نے باغ کو مال کہا۔

٦٧٠٧ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الدِّيلِيِّ، عَنْ أَبِي الْغَيْثِ مَوْلَى ابْنِ مُطِيعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَوْمَ خَيْبَرَ فَلَمْ نَغْنَمْ ذَهَبًا وَّلَا فِضَّةً إِلَّا الْأَمْوَالَ الْمَتَاعَ وَالثِّيَابَ، فَأَهْدَى رَجُلٌ مِّنْ بَنِي الضُّبَيْبِ يُقَالُ لَهُ: رِفَاعَةُ بْنُ زَيْدٍ لِّرَسُولِ اللهِ ﷺ غُلَامًا يُقَالُ لَهُ: مِدْعَمٌ، فَوَجَّهَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَى وَادِي الْقُرَى حَتَّى إِذَا كَانَ بِوَادِي الْقُرَى، بَيْنَمَا مِدْعَمٌ يَحُطُّ رَحْلًا لِّرَسُولِ اللهِ ﷺ إِذَا سَهْمٌ عَائِرٌ فَقَتَلَهُ، فَقَالَ النَّاسُ: هَنِيئًا لَّهُ الْجَنَّةُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «كَلَّا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! إِنَّ الشَّمْلَةَ الَّتِي أَخَذَهَا يَوْمَ خَيْبَرَ مِنَ الْمَغَانِمِ لَمْ تُصِبْهَا الْمَقَاسِمُ لَتَشْتَعِلُ عَلَيْهِ نَارًا»، فَلَمَّا سَمِعَ ذٰلِكَ النَّاسُ جَاءَ رَجُلٌ بِشِرَاكٍ أَوْ شِرَاكَيْنِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: «شِرَاكٌ مِّنْ نَّارٍ، أَوْ شِرَاكَانِ مِنْ نَّارٍ». [راجع: ٤٢٣٤]

[6707] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم خیبر کے دن رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نکلے تو ہم نے سونے اور چاندی کی غنیمت نہ پائی بلکہ دیگر اموال، یعنی چوپائے، کپڑے اور سامان وغیرہ حاصل کیا۔ قبیلۂ بنوضبیب کے ایک آدمی نے جسے رفاعہ بن زید کہا جاتا تھا، رسول اللہ ﷺ کو ایک غلام کا ہدیہ پیش کیا جسے مدعم کہا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے وادی القری بھیجا۔ وادی القری پہنچ کر وہ رسول اللہ ﷺ کا کجاوا اتار رہا تھا کہ اس کی پشت پر اچانک ایک تیر لگا جس کے مارنے والے کا علم نہ ہو سکا۔ اس تیر نے مدعم کو وہیں ڈھیر کر دیا۔ لوگوں نے کہا: اسے جنت مبارک ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہرگز نہیں، مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ کمبل جو اس نے تقسیم سے پہلے خیبر کے مال غنیمت سے چرالیا تھا اس پر آگ بن کر بھڑک رہا ہے۔“ جب لوگوں نے یہ بات سنی تو ایک شخص چپل کا ایک تسمہ یا دو تسمے لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ آگ کے ایک یا دو تسمے ہیں۔“

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے امام بخاری ؒ نے استدلال کیا ہے کہ مال کا اطلاق کپڑوں اور سامان پر بھی ہوتا ہے

جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں وہاں مال غنیمت کے طور پر سونا چاندی نہیں بلکہ اموال، یعنی مویشی، کپڑے اور دیگر سامان ملا تھا، پھر انھی اموال میں سے وہ کمبل تھا جسے مدعم نے چوری کرلیا تھا اور وہ چپل کے تسمے بھی انھی اموال کا حصہ تھے جو لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبانی وعید سن کر پیش کیے تھے۔ ② دراصل مال کے اطلاق میں علماء کے مختلف اقوال ہیں: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مال کا اطلاق صرف اس مملوکہ چیز پر ہوتا ہے جس میں زکاۃ فرض ہے جبکہ دیگر ائمہ کے نزدیک ہر مملوکہ چیز پر مال کا اطلاق ہوتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان اسی امر کی طرف ہے کہ ہر چیز مملوکہ کو مال کہا جاتا ہے، اس کے متعلق نذر بھی مانی جاسکتی ہے، پھر آپ نے مختلف احادیث پیش کی ہیں جن میں ہر مملوکہ چیز پر مال کا اطلاق ہوا ہے۔ واللہ أعلم.

کفارات کا لغوی و اصطلاحی معنی و مفہوم

کفّارات، کفّارۃٌ کی جمع ہے۔اس کی اصل ک،ف،ر ہے۔اس کے لغوی معنی ڈھانکنا اور چھپانا ہیں۔کفارہ گناہ کو ڈھانک لیتا ہے، اس لیے اسے یہ نام دیا گیا ہے۔کاشتکار کو بھی کافر اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ﴾ "جیسے بارش ہوتی ہے تو اس کی نباتات نے کاشت کاروں کو خوش کر دیا۔"① اس آیت کریمہ میں کاشت کاروں کو کفار کہا گیا ہے اور اس میں اس کے لغوی معنی ملحوظ ہیں، یعنی وہ بیج کو زمین میں چھپا دیتے ہیں۔اسی طرح عربی زبان میں کہا جاتا ہے: [كَفَرَتِ الشَّمْسُ النُّجُومَ] "سورج نے ستاروں کو چھپا دیا۔" بادل کو بھی کافر کہا جاتا ہے کیونکہ وہ سورج کو اوٹ میں کر دیتا ہے۔اہلِ عرب رات پر بھی کافر کا اطلاق کرتے ہیں کیونکہ وہ آنکھوں سے ہر چیز کو چھپا دیتی ہے۔آدمی جب ہتھیاروں سے ڈھانک دیا جاتا ہے تو اس پر لفظ کافر بولا جاتا ہے۔اس کفارہ کے دوسرے معنی ازالۂ کفر بھی ہیں جیسا کہ تمریض کے معنی ازالۂ مرض ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ﴾ "اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور اللہ سے ڈر جاتے تو ہم ان کے گناہ مٹا دیتے۔"② اس آیت میں تکفیر کے معنی ازالۂ کفر ہیں۔اس میں ستر کے معنی بھی کیے جا سکتے ہیں۔

شرعی اصطلاح میں کفارہ اس مال کو کہا جاتا ہے جو قسم توڑنے والا دیتا ہے۔اسی طرح قتل اور ظہار کے تاوان کو بھی کفارہ کہا جاتا ہے۔اس میں لغت کے اعتبار سے دونوں معنوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے، یعنی اس کفارہ کے باعث قسم توڑنے کے گناہ کو مٹا دیا جاتا ہے اور مکلف کے نامۂ اعمال سے اسے زائل اور ختم کر دیا جاتا ہے اور دوسرے معنی بھی اس میں موجود ہیں کہ کفارہ اس کے برے فعل کو چھپا دیتا ہے اور اس پر پردہ ڈال دیتا ہے۔اس کے ادا کرنے کے بعد مکلف ایسا ہو جاتا ہے گویا اس نے وہ فعل سرانجام ہی نہیں دیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت قسموں کا کفارہ بیان کیا ہے اور چھوٹے چھوٹے دس (10) عنوان قائم کر کے کفارے کے احکام و مسائل بیان کیے ہیں جن کی تفصیل ہم آئندہ بیان کریں گے۔اس مناسبت سے امام بخاری رحمہ اللہ نے صاع مدینہ اور رسول اللہ ﷺ کے مُد کو بھی ذکر کیا ہے۔اس کی وضاحت بھی آئندہ کی جائے گی۔امام

---

① الحدید 20:57. ② المآئدۃ 65:5.

بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کی وضاحت کے لیے پندرہ (15) مرفوع احادیث کا انتخاب کیا ہے۔ اس عنوان میں معلق احادیث اور دیگر آثار واقوال ہیں۔ جن سے امام بخاری رحمہ اللہ کی دقت فہم، قوت استنباط اور زور اجتہاد واستدلال کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ قارئین کرام ہماری ان معروضات کو مدنظر رکھتے ہوئے آئندہ منتخب احادیث کا مطالعہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔ آمین!

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

84- كِتَابُ كَفَّارَاتِ الْأَيْمَانِ

قسموں کے کفارے سے متعلق احکام و مسائل

(1) وَ[بَابُ] قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿فَكَفَّـٰرَتُهُۥٓ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَـٰكِينَ﴾ [المائدة: ٨٩]

وَمَا أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ حِينَ نَزَلَتْ: ﴿فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ﴾ [البقرة: ١٩٦] وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّعَطَاءٍ وَّعِكْرِمَةَ: مَا كَانَ فِي الْقُرْآنِ «أَوْ، أَوْ» فَصَاحِبُهُ بِالْخِيَارِ، وَقَدْ خَيَّرَ النَّبِيُّ ﷺ كَعْبًا فِي الْفِدْيَةِ.

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ”پھر قسم کا کفارہ دس مساکین کو کھانا کھلانا ہے“ کا بیان

درج ذیل آیت جب نازل ہوئی: ”پھر روزے، صدقہ یا قربانی کا فدیہ دینا ہے۔“ تو نبی ﷺ نے (حضرت کعب ؓ کو) کیا حکم دیا؟ حضرت ابن عباس ؓ، حضرت عطاء اور حضرت عکرمہ سے منقول ہے کہ قرآن مجید میں جہاں اَوْ، اَوْ کا لفظ آیا ہے تو وہاں کفارہ دینے والے کو اختیار ہوتا ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے حضرت کعب ؓ کو فدیے کے معاملے میں اختیار دیا تھا۔

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ”اللہ تمھاری لغو قسموں پر تمھاری پکڑ نہیں کرے گا لیکن جو قسمیں تم سچے دل سے، یعنی پختہ قسمیں کھاتے ہو، ان پر ضرور مؤاخذہ کرے گا۔ (اگر تم ایسی قسموں کو توڑ دو تو) اس کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا ان کے لیے لباس مہیا کرنا ہے یا ایک غلام آزاد کرنا ہے اور جسے یہ میسر نہ ہوں وہ تین دن کے روزے رکھے۔ یہ تمھاری قسموں کا کفارہ ہے جو تم قسم اٹھا کر توڑ دو اور اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔“ کتاب و سنت میں بہت سے ایسے گناہوں کا ذکر آیا ہے جن کے کفارے بیان کیے گئے ہیں، مثلاً: قتل خطا کا کفارہ، ظہار کا کفارہ، حالتِ احرام میں شکار کرنے کا کفارہ، فرض روزہ توڑنے کا کفارہ۔ کسی کو زخمی کرنے کا کفارہ اور قسم توڑنے کا کفارہ، ان تمام کفاروں میں قدر مشترک غلام آزاد کرنا ہے جیسا کہ درج بالا آیت میں بھی اس کا ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے غلامی کا رواج ایک مذموم چیز تھی جسے آہستہ آہستہ ختم کر دیا گیا ہے۔ آج اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے غلامی کا رواج

نہیں رہا۔ اب قسم کا کفارہ باقی تین متبادل چیزیں باقی ہیں: * دس مسکینوں کو اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اوسط درجے کا کھانا کھلانا۔ * یا دس مسکینوں کو لباس دینا۔ * یا تین دن کے روزے رکھنا۔ پہلے دو میں سے کوئی ایک دیا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں اَوْ، اَوْ کا لفظ آیا ہے۔ یہ دونوں میسر نہ آنے کی صورت میں تین دن کے مسلسل اور متفرق طور پر روزے رکھے جا سکتے ہیں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ دس مسکینوں کو اکٹھے بٹھا کر ہی کھانا کھلایا جائے بلکہ اس کھانے کی قیمت لگا کر یہ رقم دس مسکینوں یا دو تین کو یا کسی ایک کو بھی دی جا سکتی ہے۔ یہی صورت حال لباس کی بھی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان کے بعد جس آیت کا ذکر کیا ہے وہ کفارۂ اذی سے متعلق ہے جو حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "مگر جو شخص مریض ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو (تو سر منڈوا سکتا ہے بشرطیکہ) روزوں سے یا صدقے سے یا قربانی سے اس کا فدیہ ادا کر دے۔"[1] اس آیت کریمہ میں بھی اَوْ اَوْ آیا ہے، اس لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وضاحت کے مطابق ان تینوں میں سے کسی ایک کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت کعب کو فدیے کے معاملے میں اختیار دیا تھا جیسا کہ آئندہ حدیث میں ہے۔

٦٧٠٨ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا أَبُو شِهَابٍ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ: أَتَيْتُهُ - يَعْنِي النَّبِيَّ ﷺ - فَقَالَ: «ادْنُ»، فَدَنَوْتُ، فَقَالَ: أَيُؤْذِيكَ هَوَامُّكَ؟» قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: «فِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ».

[6708] حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: "قریب ہو جاؤ۔" پھر میں قریب ہوا تو آپ نے پوچھا: "کیا تمھارے سر کی جوئیں تمھیں تکلیف دے رہی ہیں؟" میں نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: "پھر روزے رکھو، یا صدقہ دو یا قربانی کا فدیہ دو۔"

وَأَخْبَرَنِي ابْنُ عَوْنٍ، عَنْ أَيُّوبَ قَالَ: الصِّيَامُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ، وَالنُّسُكُ: شَاةٌ، وَالْمَسَاكِينُ: سِتَّةٌ. [راجع: ١٨١٤]

ابن عون کے طریق سے ایوب نے کہا: روزے تین دن کے ہوں گے، قربانی ایک بکری کی اور کھانا چھ مساکین کے لیے ہوگا۔

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنا سر منڈوا دو لیکن تین دن کے روزے رکھو، یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ یا ایک بکری ذبح کر دو۔"[2] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کا حوالہ اس لیے دیا ہے کہ قسم کے کفارے میں انسان کو اختیار ہے، ان میں سے جسے چاہے اختیار کرے، جیسا کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارۂ اذی، یعنی حالت احرام میں کسی مجبوری اور ضرورت کی بنا پر سر کے بال منڈوانے کے کفارے میں اختیار دیا تھا کیونکہ کفارۂ یمین اور کفارۂ اذی، اختیار میں دونوں ایک جیسے ہیں بلکہ کفارۂ یمین میں ترتیب کا اضافہ ہے، اس لیے قسم کے کفارے میں کھانا کھلانے، لباس دینے اور غلام آزاد کرنے میں اختیار ہے پھر ان تینوں اور تین دن کے روزے رکھنے میں ترتیب ہے، جبکہ کفارۂ اذی میں روزے رکھنے، کھانا کھلانے اور قربانی دینے میں اختیار ہے، ان میں ترتیب وغیرہ نہیں ہے۔ واللہ أعلم. ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ذکر کرنے کی

---

① البقرة 2:196. ② صحيح البخاري، المحصر، حديث: 1814.

ایک دوسری توجیہ بیان کی ہے، فرماتے ہیں: امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود ان لوگوں کی تردید کرنا ہے جو کہتے ہیں: پانچ مساکین کو کھانا اور پانچ کو لباس دیا جا سکتا ہے، اسی طرح پانچ کو لباس اور نصف غلام آزاد کیا جا سکتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ موقف ہے کہ آیت کریمہ کے مطابق اختیار کی یہ توجیہ غلط ہے بلکہ دس مساکین کو کھانا دیا جائے یا دس مساکین کو لباس پہنایا جائے یا ایک غلام آزاد کیا جائے۔ اگر تینوں میسر نہیں ہیں تو تین دن کے روزے رکھ لیے جائیں۔[1]

(٢) بَابٌ مَتَى تَجِبُ الْكَفَّارَةُ عَلَى الْغَنِيِّ وَالْفَقِيرِ؟

باب: 2- مال دار اور فقیر پر کفارہ کب واجب ہوتا ہے؟

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَنِكُمْ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾ [التحريم: ٢]

ارشاد باری تعالیٰ: ''اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے تمھاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے...... سب کچھ جاننے والا، ہر چیز سے باخبر ہے۔''

وضاحت: اس عنوان کا مقصد یہ ہے کہ قسم کا کفارہ اس وقت واجب ہوتا ہے جب قسم توڑ دی جائے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ روزہ توڑنے والے پر کفارہ اس وقت واجب ہوا جب اس نے عملاً روزے کے منافی کام، یعنی اپنی بیوی سے جماع کیا، نیز یہ بتانا مقصود ہے کہ کفارہ ہر صورت میں ادا کرنا ہوتا ہے، خواہ ادا کرنے والا تنگدست ہی کیوں نہ ہو۔[2]

٦٧٠٩ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: سَمِعْتُهُ مِنْ فِيهِ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: هَلَكْتُ، قَالَ ﷺ: «وَمَا شَأْنُكَ؟»، قَالَ: وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِي فِي رَمَضَانَ، قَالَ: «تَسْتَطِيعُ تُعْتِقُ رَقَبَةً؟» قَالَ: لَا. قَالَ: «فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ؟»، قَالَ: لَا، قَالَ: «فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُطْعِمَ سِتِّينَ مِسْكِينًا؟» قَالَ: لَا، قَالَ: «اجْلِسْ»، فَجَلَسَ فَأُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِعَرَقٍ فِيهِ تَمْرٌ، - وَالْعَرَقُ: الْمِكْتَلُ الضَّخْمُ - قَالَ: «خُذْ هٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ»، قَالَ: عَلَى أَفْقَرَ مِنَّا؟ فَضَحِكَ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ،

[6709] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: میں ہلاک ہو گیا ہوں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کیا بات ہے؟'' اس نے کہا: میں نے رمضان المبارک میں اپنی بیوی سے جماع کر لیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''کیا تم ایک غلام آزاد کر سکتے ہو؟'' اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''کیا تو طاقت رکھتا ہے کہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے؟'' اس نے کہا: نہیں۔ پھر فرمایا: ''کیا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے؟'' اس نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیٹھ جاؤ۔'' اس کے بعد نبی ﷺ کے پاس ایک عرق لایا گیا جس میں کھجوریں تھیں...... عرق ایک بڑے ٹوکرے کو کہتے ہیں...... آپ نے فرمایا: ''یہ لے لو اور اسے صدقہ کر دو۔'' اس نے کہا: اپنے سے زیادہ محتاج پر

[1] فتح الباري: 725/11. [2] فتح الباري: 726/11.

قَالَ: «أَطْعِمْهُ عِيَالَكَ». [راجع: ١٩٣٦]

صدقہ کروں؟ اس پر نبی ﷺ ہنس دیے حتی کہ آپ کے سامنے والے دانت دکھائی دینے لگے، پھر آپ نے فرمایا: ''اپنے اہل خانہ کو کھلا دو۔''

فوائد ومسائل: ① امام بخاری ؒ کا مقصد اس حدیث سے یہ ہے کہ جس طرح حدیث میں مذکور شخص نے روزے کے منافی کام کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے کفارہ دینے کی تلقین کی، اسی طرح قسم میں بھی اگر کوئی شخص قسم کے منافی کام کرے گا تو قسم کا کفارہ دینا پڑے گا۔ اگرچہ اس حدیث میں رمضان کے روزے کا کفارہ ذکر ہوا ہے، تاہم قسم کے کفارے کو اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ ② قرآن کریم کی ظاہر آیت سے یہ حکم سمجھا جاسکتا ہے کہ کفارہ، قسم کے فوراً بعد پڑ جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ﴾ ''یہ تمھاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھالو۔''[1] امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے قرآنی آیت کے مفہوم کو متعین کیا ہے کہ کفارہ اس وقت واجب ہوتا ہے جب قسم کے منافی کام کیا جائے جیسا کہ روزے کا کفارہ اس وقت واجب ہوا جب اس نے روزے کے منافی کام کیا۔ ③ واضح رہے کہ روزے کا کفارہ بالترتیب ہے، یعنی پہلے غلام آزاد کرے اگر اس کی ہمت نہیں تو دو ماہ مسلسل روزے رکھے اور اگر اس کی بھی ہمت نہیں تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے جبکہ قسم کے کفارے میں اسے اختیار ہے: دس مساکین کو کھانا کھلا دے یا انھیں پوشاک دے دے یا ایک غلام آزاد کردے۔ اگر ان میں سے کسی کی ہمت نہیں تو تین دن کے روزے رکھ لے۔ واللہ أعلم.

(٣) بَابُ مَنْ أَعَانَ الْمُعْسِرَ فِي الْكَفَّارَةِ

باب: 3- کفارے میں کسی تنگ دست کی مدد کرنا

٦٧١٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوبٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: هَلَكْتُ، فَقَالَ: «وَمَا ذَاكَ؟»، قَالَ: وَقَعْتُ بِأَهْلِي فِي رَمَضَانَ، قَالَ: «تَجِدُ رَقَبَةً؟»، قَالَ: لَا، قَالَ: «فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ؟» قَالَ: لَا، قَالَ: «فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُطْعِمَ سِتِّينَ مِسْكِينًا؟» قَالَ: لَا، قَالَ: فَجَاءَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ بِعَرَقٍ - وَالْعَرَقُ: الْمِكْتَلُ

[6710] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور کہا: میں تو تباہ ہوگیا ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا بات ہے؟'' اس نے کہا: میں رمضان المبارک میں اپنی بیوی سے صحبت کر بیٹھا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''تیرے پاس کوئی غلام ہے (جسے تو آزاد کرسکے)؟'' اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے پوچھا: کیا تم متواتر دو ماہ کے روزے رکھ سکتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے پوچھا: ''کیا تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟'' اس نے کہا: نہیں۔ اس دوران میں ایک انصاری کھجوروں سے بھرا ہوا ایک ''عرق'' لے کر حاضر

[1] المآئدة 5:89.

فِيهِ تَمْرٌ - فَقَالَ: «اذْهَبْ بِهٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ»، قَالَ: أَعَلَى أَحْوَجَ مِنَّا يَا رَسُولَ اللهِ؟ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا أَهْلُ بَيْتٍ أَحْوَجُ مِنَّا، ثُمَّ قَالَ: «اذْهَبْ فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ». [راجع: ١٩٣٦]

ہوئے...... عرق بڑے ٹوکرے کو کہتے ہیں...... آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے لے جاؤ اور صدقہ کر دو۔'' اس نے کہا: اللہ کے رسول! کیا میں اپنے سے زیادہ ضرورت مند پر صدقہ کروں؟ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! مدینہ طیبہ کے ان دونوں کناروں کے درمیان ہم سے زیادہ کوئی اور محتاج نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ''اچھا لے جاؤ اور اپنے گھر والوں کو کھلا دو۔''

فوائد ومسائل: ① کفارہ ہر شخص پر واجب ہے جو قسم کے منافی کام کرتا ہے اگرچہ وہ تنگ دست ہی کیوں نہ ہو۔ تنگ دستی اس کی معافی کا سبب نہیں بن سکتی، چنانچہ مذکورہ حدیث کے مطابق جس شخص سے روزے کے منافی کام ہوا وہ انتہائی تنگ دست اور محتاج تھا جیسا کہ اس کے بیان سے ظاہر ہے، اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے اسے کفارہ معاف نہیں کیا بلکہ کفارے کی ادائیگی میں اس کا تعاون فرمایا ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے کفارۂ قسم کو کفارہ رمضان پر قیاس کیا ہے۔ بہر حال تنگ دستی، کفارے کے لیے معافی کا سبب نہیں ہوگی، ہر حال میں کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ اگر کوئی محتاج ہے تو کفارے کی ادائیگی میں اس کا تعاون کیا جا سکتا ہے لیکن شریعت میں اس کی معافی نہیں ہے۔ واللہ أعلم.[1]

(٤) بَابٌ: يُعْطِي فِي الْكَفَّارَةِ عَشَرَةَ مَسَاكِينَ قَرِيبًا كَانَ أَوْ بَعِيدًا

باب: 4- کفارے میں دس مساکین کو کھانا دیا جائے، خواہ وہ قریبی رشتے دار ہوں یا دور کے

٦٧١١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: هَلَكْتُ، قَالَ: «وَمَا شَأْنُكَ؟»، قَالَ: وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِي فِي رَمَضَانَ، قَالَ: «هَلْ تَجِدُ مَا تُعْتِقُ رَقَبَةً؟»، قَالَ: لَا، قَالَ: «فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ؟»، قَالَ: لَا، قَالَ: «فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُطْعِمَ سِتِّينَ مِسْكِينًا؟»، قَالَ: لَا أَجِدُ، فَأُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ

[6711] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: میں تو ہلاک ہو گیا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا بات ہے؟'' اس نے کہا: میں نے ماہ رمضان میں اپنی بیوی سے صحبت کر لی ہے۔ آپ نے فرمایا: ''تیرے پاس کوئی غلام ہے جسے تو آزاد کر سکے؟'' اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے پوچھا: ''کیا تو متواتر دو ماہ کے روزے رکھ سکتا ہے؟'' اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''کیا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے؟'' اس نے کہا نہیں۔ اس کے

[1] فتح الباري: 727/11.

بِعَرَقٍ فِيهِ تَمْرٌ، فَقَالَ: «خُذْ هٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ»، فَقَالَ: أَعَلٰى أَفْقَرَ مِنَّا؟ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا أَفْقَرُ مِنَّا، ثُمَّ قَالَ: «خُذْهُ فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ». [راجع: ١٩٣٦]

بعد نبی ﷺ کے پاس ایک ٹوکرا لایا گیا جس میں کھجوریں تھیں۔ آپ نے فرمایا: ''اسے لے جاؤ اور صدقہ کر دو۔'' اس نے کہا: اپنے سے زیادہ محتاج پر؟ جبکہ مدینہ طیبہ کے دونوں کناروں کے درمیان ہم سے زیادہ کوئی محتاج نہیں ہے۔ آخر کار آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے لے جاؤ اور اپنے اہل خانہ کو کھلا دو۔''

فوائد و مسائل: ① کفارۂ قسم کا ایک مصرف دس مساکین کو کھانا کھلانا ہے۔ اس میں عموم ہے کہ وہ مساکین قریبی رشتے دار ہوں یا دور کی تعلق داری رکھتے ہوں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کفارۂ رمضان دینے والے سے فرمایا کہ یہ (کھجوروں کا ٹوکرا) لے جاؤ اور اپنے گھر والوں کو کھلا دو۔ گھر والوں میں دور اور نزدیک کے تمام رشتے دار آ جاتے ہیں۔ ② اگرچہ یہ حدیث کفارۂ رمضان کے متعلق ہے مگر امام بخاری ؒ نے قسم کے کفارے کو اس پر قیاس کرتے ہوئے مذکورہ حکم مستنبط فرمایا۔ جب قریبی رشتے دار مساکین کو کفارہ دیا جا سکتا ہے تو دور والے تعلق دار تو اس کے زیادہ حق دار ہیں۔ حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ حکم کا استنباط اس شخص کی رائے کے مطابق ہے جو اہل خانہ کو کفارہ دینے کا موقف رکھتا ہے لیکن جس کی رائے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے بطور صدقہ دیا، کفارہ جوں کا توں اس کے ذمے تھا، اس رائے کے مطابق یہ استنباط صحیح نہیں ہوگا۔[1] ③ واضح رہے کہ کفارہ ان اقرباء کو دیا جا سکتا ہے جن کے نان و نفقہ کی ذمہ داری کفارہ دینے والے پر نہ ہو، اگر ان کی کفالت اس کے ذمے ہے تو انھیں کفارہ دینا جائز نہیں ہے جیسا کہ بیوی کو زکاۃ دینا جائز نہیں ہے۔ واللہ أعلم.[2]

(٥) بَابُ صَاعِ الْمَدِينَةِ، وَمُدِّ النَّبِيِّ ﷺ وَبَرَكَتِهِ وَمَا تَوَارَثَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ مِنْ ذٰلِكَ قَرْنًا بَعْدَ قَرْنٍ

باب: 5- مدینہ طیبہ کا صاع اور نبی ﷺ کا مد، نیز اس میں برکت کا بیان اور اس کی وضاحت کہ ہر دور میں اہل مدینہ کا پیمانہ ہی استعمال ہوتا جو انھیں نسل در نسل ورثے میں ملا

وضاحت: اس عنوان کے دو جز ہیں جس کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ مدینہ طیبہ کے صاع اور مد، نیز ان کی برکت کا بیان، اس میں اشارہ ہے کہ واجبات کی ادائیگی کے لیے اہل مدینہ کا صاع ضروری ہے کیونکہ پہلے اس کے ساتھ ادائیگی ہوتی تھی۔ ○ ایک زمانے تک بطور وراثت یہی پیمانہ جاری رہا اور اس میں کوئی تبدیلی نہ آئی اگرچہ بعض حکمرانوں نے اس میں اضافہ کیا لیکن پذیرائی نہ ملی۔ اس عنوان کی مناسبت یہ ہے کہ قسم کے کفارے میں اہل مدینہ کا پیمانہ ہی معتبر ہوگا، جس کی تفصیل ہم آئندہ بیان کریں گے۔

---

① فتح الباري: 727/11. ② عمدة القاري: 754/15.

٦٧١٢ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ مَالِكٍ الْمُزَنِيُّ: حَدَّثَنَا الْجُعَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: كَانَ الصَّاعُ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ مُدًّا وَّثُلُثًا بِمُدِّكُمُ الْيَوْمَ، فَزِيدَ فِيهِ فِي زَمَنِ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ. [راجع: ١٨٥٩]

[6712] حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کے عہد مبارک میں ایک صاع تمھارے ہاں رائج الوقت $1\frac{1}{3}$ مد کے برابر ہوتا تھا، پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور حکومت میں اس کے اندر اضافہ کر دیا گیا۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں مد کی مقدار دو رطل سے کم تھی۔ ہشام کے دور میں کمی کو پورا کر کے مد کی مقدار دو رطل کے برابر کر دی گئی، پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے عہد خلافت میں دو گنا اضافہ کر کے مد کی مقدار چار رطل کر دی گئی۔ اگر اس میں ایک تہائی جمع کیا جائے تو عہد نبوی کے صاع کے برابر ہو جاتا ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ کے دور میں صاع کی مقدار $5\frac{1}{3}$ رطل تھی۔ جب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور میں رائج مد، یعنی چار رطل میں مزید ایک تہائی مد، یعنی $1\frac{1}{3}$ رطل کا اضافہ کیا جائے تو صاع نبوی کی مقدار کے برابر ہو جاتا ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کے دور میں صاع آٹھ رطل کا ہوتو حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کو یوں کہنا چاہیے تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ایک صاع تمھارے آج کے مد کے حساب سے دو مد کا تھا پھر عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور میں اضافہ ہو گیا لیکن انھوں نے ایسا نہیں کہا بلکہ یوں کہا ہے کہ عہد نبوی میں جو صاع تھا وہ تمھارے آج کے مد کے حساب سے ایک مد اور تہائی مد، یعنی $1\frac{1}{3}$ مد کے برابر تھا۔ ② بہر حال رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک صاع $5\frac{1}{3}$ رطل کا تھا، آٹھ رطل کا نہیں تھا بصورت دیگر مذکورہ حدیث میں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کا بیان صحیح نہیں ہوگا۔

٦٧١٣ - حَدَّثَنَا مُنْذِرُ بْنُ الْوَلِيدِ الْجَارُودِيُّ: حَدَّثَنَا أَبُو قُتَيْبَةَ وَهُوَ سَلْمٌ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ قَالَ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ يُعْطِي زَكَاةَ رَمَضَانَ بِمُدِّ النَّبِيِّ ﷺ، الْمُدِّ الْأَوَّلِ، وَفِي كَفَّارَةِ الْيَمِينِ بِمُدِّ النَّبِيِّ ﷺ.

[6713] حضرت نافع سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رمضان المبارک کا فطرانہ نبی ﷺ ہی کے پہلے مد سے دیتے تھے اور قسم کا کفارہ بھی نبی ﷺ ہی کے مد سے دیا کرتے تھے۔

قَالَ أَبُو قُتَيْبَةَ: قَالَ لَنَا مَالِكٌ: مُدُّنَا أَعْظَمُ مِنْ مُدِّكُمْ، وَلَا نَرَى الْفَضْلَ إِلَّا فِي مُدِّ النَّبِيِّ ﷺ. وَقَالَ لِي مَالِكٌ: لَوْ جَاءَكُمْ أَمِيرٌ فَضَرَبَ مُدًّا أَصْغَرَ مِنْ مُدِّ النَّبِيِّ ﷺ، بِأَيِّ شَيْءٍ كُنْتُمْ تُعْطُونَ؟ قُلْتُ: كُنَّا نُعْطِي بِمُدِّ النَّبِيِّ ﷺ.

ابو قتیبہ کا بیان ہے کہ امام مالک نے ہم سے کہا: ہمارا اہل مدینہ کا مد تمھارے مد سے زیادہ باعظمت ہے اور ہم تو اسی مد کو افضل جانتے ہیں جو نبی ﷺ کا مد ہے۔ امام مالک نے مجھ سے (دوبارہ) کہا: (فرض کرو) اگر ایک حاکم آ جائے اور نبی ﷺ کے مد سے چھوٹا مد رائج کر دے تو تم فطرانہ

قَالَ: أَفَلَا تَرَى أَنَّ الْأَمْرَ إِنَّمَا يَعُودُ إِلَى مُدِّ النَّبِيِّ ﷺ؟.

وغیرہ کس مد سے ادا کرو گے؟ میں نے کہا: ایسے حالات میں تو ہم نبی ﷺ کے مد ہی سے ادا کریں گے تو انھوں نے فرمایا: آخر کار نبی ﷺ ہی کے مد کا اعتبار کیا جائے گا (تو اب بھی اسی مد کا حساب رکھو، تمھیں بنوامیہ کے مد سے کیا غرض ہے؟)

فوائد ومسائل: ① ایک صاع میں چار مد ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں مد کی مقدار $1\frac{1}{3}$ رطل تھی، اس طرح صاع نبوی کی مقدار $5\frac{1}{3}$ رطل ہوئی۔ لیکن بنوامیہ کے دور میں ہشام نے ایک دوسرا مد رائج کیا جو رسول اللہ ﷺ کے مد سے دو تہائی بڑا تھا، البتہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس مد کی طرف کوئی توجہ نہ دی بلکہ پہلے مد ہی کو استعمال کرتے رہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ہشام کا رائج کردہ مد رسول اللہ ﷺ کے مد سے دو تہائی رطل زیادہ تھا اور اس کی مقدار دو رطل تھی اور اس اعتبار سے صاع آٹھ رطل کے برابر تھا جبکہ رسول اللہ ﷺ کے مد کی مقدار $1\frac{1}{3}$ رطل اور صاع $5\frac{1}{3}$ رطل کا تھا۔[1] ② عام طور پر رسول اللہ ﷺ کے صاع کو صاع حجازی اور بنوامیہ کے صاع کو صاع بغدادی یا صاع عراقی کہا جاتا ہے اور صاع عراقی، صاع حجازی سے ایک تہائی بڑا ہے۔ احناف نے بنوامیہ کے ایجاد کردہ مد اور صاع کو معیاری قرار دیا جبکہ محدثین نے صاع حجازی کا اعتبار کیا۔ اس سلسلے میں درج ذیل واقعہ سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، حسین بن ولید قرشی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہمارے پاس حج سے فراغت کے بعد امام ابو یوسف رحمہ اللہ تشریف لائے اور فرمایا کہ میں تمھارے لیے ایک اہم علم کا دروازہ کھولنا چاہتا ہوں جس کے متعلق میں نے خوب تحقیق کی ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ میں نے مدینہ طیبہ جا کر لوگوں سے صاع کے متعلق دریافت کیا تو کہنے لگے: ہمارا صاع وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ کا صاع تھا۔ میں نے اس دعویٰ کی دلیل مانگی تو کہنے لگے: ہم کل اس کی دلیل پیش کریں گے۔ جب اگلا دن ہوا تو میرے پاس انصار ومہاجرین کی اولاد میں سے پچاس کے قریب بزرگ آئے اور ہر ایک کی چادر کے نیچے بغل میں صاع تھا۔ ہر ایک نے رسول اللہ ﷺ تک اس صاع کی سند بیان کی۔ میں نے دیکھا تو وہ سب برابر تھے۔ جب میں نے ان کا وزن کیا تو ہر ایک صاع کا وزن $5\frac{1}{3}$ رطل تھا۔ اس کے بعد میں نے صاع کے مسئلے میں اہل مدینہ کے قول کو صحیح اور قوی سمجھ کر اختیار کر لیا اور اپنے استاد ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول چھوڑ دیا۔[2]

٦٧١٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي مِكْيَالِهِمْ وَصَاعِهِمْ وَمُدِّهِمْ». [راجع: ٢١٣٠]

[6714] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بایں الفاظ دعا فرمائی: ”اے اللہ! ان کے پیمانے، ان کے صاع اور ان کے مد میں برکت عطا فرما۔“

① فتح الباري: 729/11. ② السنن الكبرىٰ للبيهقي: 171/4.

فوائد و مسائل: ① حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کی گئی: اللہ کے رسول! ہمارا صاع دوسرے صاعوں اور ہمارا مد دیگر مدوں میں سب سے چھوٹا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ میں دعا فرمائی: ''اے اللہ! ہمارے صاع میں برکت کر دے اور ہمارے قلیل و کثیر میں برکت ڈال دے، یعنی دوگنی برکت عطا فرما۔''[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے شارح بخاری ابن منیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ مذکورہ دعا اس مد کے لیے خاص ہے جو رسول اللہ ﷺ کے وقت میں وہاں رائج تھا کیونکہ اس کے بعد اہل مدینہ کے اوزان میں بہت تبدیلی آئی لیکن رسول اللہ ﷺ کی دعا کا نتیجہ اس طرح ظاہر ہوا کہ مختلف کفاروں کی ادائیگی میں اکثر فقہاء نے رسول اللہ ﷺ کے مد اور صاع کو معیاری قرار دیا ہے۔[2] ② اس روایت میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ کہنا کہ ہمارا صاع تمام صاعوں سے چھوٹا ہے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے کوئی انکار نہیں کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ واقعی اہل مدینہ کا صاع تمام رائج الوقت صاعوں سے چھوٹا تھا اور اب تک جو صاع کی مقدار میں اختلاف سامنے آیا ہے وہ حجازیوں اور عراقیوں کا اختلاف ہے۔ اہل حجاز کا دعویٰ ہے کہ صاع $5\frac{1}{3}$ رطل کا ہے جبکہ اہل عراق کا کہنا ہے کہ صاع آٹھ رطل کا ہے۔ درج بالا روایت سے ثابت ہوا کہ صاع نبوی آٹھ رطل کا نہیں بلکہ $5\frac{1}{3}$ رطل کا تھا کیونکہ یہی صاع چھوٹا ہے۔ واللہ أعلم.

تتمہ: گزشتہ بحث میں تین پیمانوں کا اکثر ذکر ہوا ہے: رطل، مد اور صاع۔ ہم ان کے متعلق اپنی گزارشات پیش کرنا چاہتے ہیں: ○ رطل: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ ایسے برتن سے وضو کرتے تھے جس میں دو رطل پانی کی گنجائش ہوتی تھی اور ایک صاع پانی سے غسل کر لیتے تھے۔[3] رطل کے متعلق علامہ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ بغدادی رطل کی مقدار کے متعلق مختلف اقوال ہیں، ان میں واضح اور مناسب قول یہ ہے کہ رطل $128\frac{4}{7}$ درہم کا ہوتا ہے۔[4] ہماری تحقیق کے مطابق برصغیر میں رائج قدیمی اوزان کے مطابق ایک رطل کا وزن چھ چھٹانک، تین تولے اور نو ماشے ہے اور اعشاری اوزان کے مطابق 393.660 گرام ہے۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔ پہلے درہم کے حساب سے رطل کے وزن کا اندازہ کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں علماء کا اتفاق ہے کہ زکاۃ میں چاندی کا نصاب $52\frac{1}{2}$ تولہ ہے جو حدیث میں دو سو درہم کی تعیین ہے۔ جب $52\frac{1}{2}$ کو 200 پر تقسیم کیا جائے گا تو جواب $\frac{21}{80}$ تولے آتا ہے جو ایک درہم کا وزن ہے۔ جب $\frac{21}{80}$ کو $12\frac{4}{7}$ سے ضرب دیں تو جواب میں ایک رطل کا ہندی قدیمی وزن چھ چھٹانک تین تولے اور نو ماشے آئے گا، اعشاری نظام میں ایک تولہ 11.664 گرام کے برابر ہے، لہٰذا ایک رطل کا اعشاری وزن 393.660 گرام ہے۔ ○ مد: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک صاع سے پانچ مد پانی تک غسل کر لیا کرتے تھے اور ایک مد پانی سے وضو فرما لیتے تھے۔[5] مد کے وزن میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے، چنانچہ مذکورہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے علامہ عینی لکھتے ہیں کہ احناف کے نزدیک مد میں دو رطل اور امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں ایک مد $1\frac{1}{3}$ رطل کا ہے۔[6] اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل حجاز کا مد $1\frac{1}{3}$ رطل کا ہے جبکہ اہل عراق کے ہاں اس کا وزن دو رطل ہے لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی حجاز، یعنی مکے اور مدینے میں گزاری۔ یہی علاقہ دین اسلام کا سرچشمہ اور وحی کا مرکز رہا، اس کے علاوہ زکاۃ، فطرانہ اور کفارات کی ادائیگی کے احکام یہیں سے صادر ہوئے، لہٰذا احکام میں وہی وزن معتبر ہوگا جو مکہ مکرمہ

---

[1] السنن الكبرىٰ للبيهقي: 171/4. [2] فتح الباري: 729/11. [3] سنن أبي داود، الوضوء، حديث: 95. [4] شرح صحيح مسلم: 315/1. [5] صحيح البخاري، الوضوء، حديث: 201. [6] عمدة القاري: 94/3.

اور مدینہ طیبہ میں رہنے والوں کے ہاں رائج تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''ماپ اہل مدینہ کا اور وزن اہل مکہ کا معتبر ہے۔''[1] اس حدیث کی روشنی میں ہم کہتے ہیں کہ ایک حجازی مد کا وزن 1⅓ رطل ہے کیونکہ اہل حجاز میں یہی رائج تھا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن احمد کہتے ہیں کہ میرے والد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کے مد کا وزن گندم کے ساتھ کیا تو ایک رطل اور تہائی رطل، یعنی 1⅓ رطل تھا۔ (محلی ابن حزم 245/5) مد نبوی کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ بشر بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے کہا: مجھے آپ رسول اللہ ﷺ کا مد دیجیے۔ انھوں نے ایک نوجوان کے ذریعے سے مد منگوایا۔ وہ نوجوان مد لے کر آیا اور مجھے دے دیا۔ میں نے وہ مد حضرت امام مالک رحمہ اللہ کو دکھایا اور پوچھا کیا یہی مد نبوی ہے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں، یہی مد نبوی ہے۔ خود میں نے رسول اللہ ﷺ کا دور تو نہیں پایا، البتہ ہم اسی مد سے مد نبوی کی تعیین کرتے ہیں۔ میں نے کہا: عشر، صدقات اور کفارات اسی مد کے حساب سے ادا کیے جائیں؟ انھوں نے فرمایا: ہاں، ہم اہل مدینہ اسی سے ادا کرتے ہیں۔ میں نے پھر کہا: اگر کوئی صدقۂ فطر اور قسم کا کفارہ اس بڑے مد سے ادا کرنا چاہیے تو کیا درست ہوگا؟ امام صاحب نے فرمایا: ہرگز نہیں، اسے چاہیے کہ وہ اسی مد سے ادا کرے۔ اس کے بعد جو نفلی طور پر ادا کرنا چاہتا ہے، ادا کردے۔[2] سابقہ تصریحات سے معلوم ہوا کہ حجازی مد 1⅓ رطل کے برابر تھا۔ ایک رطل کا وزن 6 چھٹانک 3 تولے اور 9 ماشے ہے، جب اس میں ⅓ رطل کا اضافہ کیا تو مد کا وزن مکمل نو چھٹانک ہوا۔ اس مد حجازی کا اعشاری وزن 524.880 گرام کے مساوی ہے۔ ہمارے اس موقف کی تائید اس مد سے بھی ہوتی ہے جو مولانا احمد اللہ مرحوم دہلوی مدینہ طیبہ سے لائے تھے جس کی باقاعدہ سند تھی، اس کی مقدار بھی نو چھٹانک تھی، نیز مولانا عبدالجبار مرحوم کے پاس بھی ایک صاحب مد لائے تھے اس کی مقدار بھی اتنی ہی تھی۔ ○ صاع: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صاع صدقۂ فطر مقرر کیا تھا جو کھجور اور جو سے ادا کیا جاتا۔ یہ ہر مسلمان: آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت پر فرض تھا۔[3] مسلمانوں میں اس صاع کی متعدد اقسام رائج تھیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ صاع حجازی: اسے صاع نبوی بھی کہتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ اسی صاع کے مطابق صدقۂ فطر وغیرہ ادا کرتے تھے۔ یہی صاع مکے اور مدینے اور ان کے گرد ونواح میں رائج تھا۔ اس وقت تمام لوگ اسی حساب سے صدقۂ فطر اور کفارہ وغیرہ ادا کرتے تھے۔ اس کی مقدار 5⅓ رطل تھی جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔ ○ صاع عراقی: اسے صاع بغدادی بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ بلاد عراق، یعنی کوفہ اور بغداد وغیرہ میں رائج تھا۔ چونکہ اسے حجاج بن یوسف نے رواج دیا تھا، اس لیے اسے صاع حجاجی بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی مقدار 8 رطل تھی۔ یہ صاع حجازی سے ایک تہائی بڑا تھا۔ ○ صاع عمر بن عبدالعزیز: حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور میں صاع نبوی میں دوبارہ اضافہ کر کے اسے رائج کیا گیا۔ اس کے مد کی مقدار چار رطل اور صاع کی مقدار سولہ رطل تھی۔ اس کی تفصیل حدیث: 6712 کے فوائد میں بیان کی گئی ہے۔ ○ صاع ہاشمی: پھر ایک وقت آیا کہ کچھ لوگوں نے صاع کی مذکورہ مقدار کو بھی قائم نہ رہنے دیا بلکہ اسے مزید دوگنا کر دیا گیا جو صاع ہاشمی کہلایا۔ اس میں مد کی مقدار آٹھ رطل اور صاع کی مقدار بتیس رطل ہوگئی۔[4] اگرچہ مختلف زمانوں میں صاع اور مد کی مقدار میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں، تاہم شرعی طور پر

---

[1] سنن النسائي، الزكاة، حديث: 2521. [2] سنن الدارقطني: 151/2. [3] صحيح البخاري، الزكاة، حديث: 1504.
[4] هداية، باب صدقة الفطر.

وہی مد اور صاع قابل عمل اور معتبر ہو گا جو رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں جاری و ساری تھا۔ صحابۂ کرام ؓ نے بھی کسی دوسرے مد یا صاع کو کوئی اہمیت نہ دی۔ تمام صحابۂ کرام ؓ نبوی صاع اور نبوی مد کے حساب سے شرعی احکام کی بجا آوری کرتے تھے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کا عمل حدیث: 6713 میں بیان ہوا ہے، نیز امام ابوداود ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل ؒ سے سنا، وہ فرماتے تھے: ابن ابی ذئب کا صاع $5\frac{1}{3}$ رطل تھا۔ میں نے ان سے آٹھ رطل کے متعلق دریافت کیا تو فرمانے لگے کہ آٹھ رطل کا صاع محفوظ نہیں ہے، نیز امام موصوف فرمایا کرتے تھے کہ جس نے $5\frac{1}{3}$ رطل صدقہ دیا تو اس نے پورا صدقۂ فطر ادا کر دیا۔[1] امام ترمذی ؒ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا صاع $5\frac{1}{3}$ رطل کا تھا جبکہ اہل کوفہ کے ہاں صاع کی مقدار آٹھ رطل تھی۔[2] سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے جسے فرق کہا جاتا تھا۔[3] اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں: فرق تین صاع کا ہوتا ہے۔ اس کی دلیل ابن حبان کی وہ روایت ہے جس میں سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ ہم چھ اقساط کی مقدار میں پانی استعمال کرتے تھے، پھر لکھتے ہیں کہ اہل لغت کا اتفاق ہے کہ قسط نصف صاع کا ہوتا ہے اور اس امر میں بھی اختلاف نہیں کہ فرق میں سولہ رطل ہوتے ہیں، لہٰذا ایک صاع $5\frac{1}{3}$ رطل کا درست ثابت ہوا۔[4] ○ صاع حجازی کا وزن: ہمارے ہاں صاع حجازی کے ہندی وزن کی تعیین میں اختلاف ہے۔ عام طور پر تین موقف مشہور ہیں: ✱ دو سیر چار چھٹانک۔ ✱ دو سیر دس چھٹانک، تین تولے اور چار ماشے۔ ✱ اڑھائی سیر۔ ہمارے نزدیک پہلا موقف زیادہ قرین قیاس، صحیح اور معتبر ہے، اسے ہم بیان کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ مد اور صاع کی تعیین میں درہم اور دینار اصل ہیں۔ ان دونوں کا وزن بھی عہد قدیم سے ائمۂ کرام اور محدثین عظام ؒ نے بیان کر دیا ہے، لہٰذا درہم و دینار کے وزن سے مد اور صاع کا وزن طے کرتے ہیں۔ ✱ پہلا طریقہ بذریعۂ مثقال (دینار): محدثین کی تصریح کے مطابق ایک رطل، نوے مثقال کا ہے اور حجازی صاع $5\frac{1}{3}$ رطل ہے، اس لیے نوے کو جب $5\frac{1}{3}$ سے ضرب دیں تو 480 مثقال، حجازی صاع کا وزن آتا ہے۔ یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ ایک مثقال تقریباً $4\frac{1}{2}$ ماشے کا ہے۔ جب 480 مثقال کو $4\frac{1}{2}$ ماشے سے ضرب دیں تو صاع حجازی کا وزن اکیس سو ساٹھ (2160) ماشے آتا ہے۔ چونکہ بارہ ماشے کا ایک تولہ ہے، اس لیے $2160 \div 12 = 180$ تولے ہوئے۔ پانچ تولے کی ایک چھٹانک ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے کل چھتیس (36) چھٹانک حجازی صاع کا وزن آتا ہے جو دو سیر چار چھٹانک کے برابر ہے۔ ✱ دوسرا طریقہ بذریعۂ درہم: سابقہ تحقیق کے مطابق ایک رطل $128\frac{4}{7}$ درہم کا ہے، گویا صاع حجازی $5\frac{1}{3} \times 128\frac{4}{7} = \frac{4800}{7}$ درہم کے برابر ہے۔ ایک درہم کا وزن تین ماشے اور $1\frac{1}{5}$ رتی ہے۔ آٹھ رتی کا ایک ماشہ ہوتا ہے $8 \times 1\frac{1}{5} = \frac{126}{5}$ رتی کا ایک درہم ہوا، اس اعتبار سے $\frac{4800}{7}$ درہم کے دو ہزار ایک سو ساٹھ (2160) ماشے ہوئے۔ جب ان ماشوں کو سیر اور چھٹانک میں ڈھالا گیا تو وہی دو سیر چار چھٹانک صاع حجازی کا وزن آتا ہے۔ ✱ تیسرا طریقہ بذریعۂ مد: ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے اور مد حجازی $1\frac{1}{3}$ رطل کا ہے۔ رطل میں $128\frac{4}{7}$ درہم ہوتے ہیں تو اس اعتبار سے ایک مد کے $1\frac{1}{3} \times 128\frac{4}{7} = 157\frac{1}{7}$ درہم ہوئے۔ چونکہ ایک صاع حجازی میں چار مد ہوتے ہیں، اس لیے صاع حجازی کے

---

[1] سنن أبي داود، الطهارة، حديث: 238. [2] جامع الترمذي، الزكاة، حديث: 627. [3] صحيح البخاري، الغسل، حديث: 250. [4] فتح الباري: 442/1.

$4\times157\frac{1}{7}=685\frac{5}{7}$ درہم ہوئے۔ حسب سابق ایک درہم کا وزن $\frac{126}{5}$ رتی ہے، اس اعتبار سے $685\frac{5}{7}$ درہم کے اکیس سو ساٹھ ماشے بنتے ہیں۔ جب اس کے تولے، چھٹانک اور سیر بنائے گئے تو وہی وزن دو سیر چار چھٹانک بنتا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ الغرض صاع حجازی کو ہندی اوزان میں منتقل کرنے کے تین طریقے جو پہلے بیان ہوئے ہیں ان کے مطابق اس کا وزن 180 تولے ہے، ان کا وزن 36 چھٹانک بنتا ہے اور پھر اس کا وزن دو سیر چار چھٹانک بنتا ہے۔ جب اس وزن کو اعشاری اوزان کے مطابق کریں تو دو کلو اور سو گرام (2100 گرام) بنتا ہے۔ ہم اس مقام پر یہ وضاحت کرنا ضروری خیال کرتے ہیں کہ مد اور صاع وزن کے نہیں بلکہ ماپ کے پیمانے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں وزن کے پیمانے بھی موجود تھے لیکن آپ ﷺ نے صدقۂ فطر اور قسم کا کفارہ دینے کے لیے وزن کے بجائے ماپ کو منتخب کیا ہے، اس لیے بہتر ہے کہ اس سنت کو زندہ کیا جائے۔ ویسے بھی مد اور صاع کا وزن مختلف اجناس کے اعتبار سے مختلف ہو سکتا ہے، لہٰذا وزن کے بجائے ماپ کو ترجیح دی جائے۔

(٦) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ﴾ [المائدة: ٨٩] وَأَيُّ الرِّقَابِ أَزْكَى؟

باب: 6- ارشاد باری تعالیٰ: ”یا غلام آزاد کرنا ہے۔“ نیز کس طرح کا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟

وضاحت: مذکورہ آیت کفارۂ قسم کے سلسلے میں بیان ہوئی ہے کہ دس مساکین کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا یا انھیں لباس دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے۔ اس میں غلام کے کافر یا مومن ہونے کی شرط نہیں بلکہ مطلق ہے جبکہ کفارۂ قتل میں مومن غلام آزاد کرنے کی شرط ہے۔ اب اس امر میں اختلاف ہے کہ کفارۂ قسم میں کس قسم کا غلام آزاد کرنا چاہیے؟ امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ ہر قسم کے کفارے میں مومن غلام آزاد کرنا ضروری ہے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس کے برعکس موقف اختیار کیا ہے۔

٦٧١٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ: حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ رُشَيْدٍ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ أَبِي غَسَّانَ مُحَمَّدِ بْنِ مُطَرِّفٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ مَرْجَانَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مُسْلِمَةً أَعْتَقَ اللهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِّنْهُ عُضْوًا مِّنَ النَّارِ حَتَّى فَرْجَهُ بِفَرْجِهِ». [راجع: ٢٥١٧]

[6715] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”جس نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ (غلام کے) ایک ایک عضو کے بدلے اس کا ایک ایک عضو جہنم سے آزاد کر دے گا حتی کہ اس (غلام) کی شرمگاہ کے عوض اس (آزاد کرنے والے) کی شرمگاہ بھی دوزخ سے آزاد ہو جائے گی۔“

فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے عنوان میں واضح طور پر کوئی حکم بیان نہیں کیا، البتہ پیش کردہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں مومن غلام آزاد کرنا افضل ہے کیونکہ جب کفارۂ قسم دینے والا غیر مومن غلام آزاد کرے گا تو اسے شک رہے گا کہ شاید میں اپنی ذمے داری سے عہدہ برآ نہیں ہوں، پھر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تھا کہ کون سا غلام آزاد کرنا

افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''جو قیمتی ہو اور اپنے آقا کے ہاں مرغوب و پسندیدہ ہو۔''[1] اس حدیث میں اگرچہ مومن کی شرط نہیں ہے، تاہم شک و شبہ سے نکلنے کے لیے بہتر ہے کہ مومن غلام آزاد کیا جائے۔ واللّٰہ أعلم.

(٧) بَابُ عِتْقِ الْمُدَبَّرِ وَأُمِّ الْوَلَدِ وَالْمُكَاتَبِ فِي الْكَفَّارَةِ، وَعِتْقِ وَلَدِ الزِّنَا

وَقَالَ طَاوُسٌ: يُجْزِئُ الْمُدَبَّرُ وَأُمُّ الْوَلَدِ.

امام طاؤس نے کہا: کفارے میں مدبر اور ام ولد کا آزاد کرنا کافی ہے۔

وضاحت: مدبر وہ غلام ہے جسے اس کے مالک نے کہہ دیا ہو کہ تو میری موت کے بعد آزاد ہے۔ ام ولد وہ لونڈی ہے جس کا اس کے مالک سے بچہ پیدا ہو چکا ہو۔ ایسی لونڈی بھی مالک کی موت کے بعد خود بخود آزاد ہو جاتی ہے۔ مکاتب وہ غلام ہے جس نے اپنے آقا سے کسی مقررہ مدت میں ایک خاص رقم کی ادائیگی کا معاہدہ لکھ دیا ہو۔ ان تمام صورتوں میں وہ نہ تو مکمل غلام ہے اور نہ مکمل آزاد۔ امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس قسم کا غلام کفارۂ قسم میں آزاد کیا جا سکتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کا غلام کفارے میں آزاد کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

٦٧١٦ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: أَخْبَرَنَا حَمَّادُ ابْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ جَابِرٍ: أَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ دَبَّرَ مَمْلُوكًا لَّهُ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ مَالٌ غَيْرُهُ، فَبَلَغَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: «مَنْ يَشْتَرِيهِ مِنِّي؟» فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بْنُ النَّحَّامِ بِثَمَانِمِائَةِ دِرْهَمٍ، فَسَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ: عَبْدًا قِبْطِيًّا مَاتَ عَامَ أَوَّلَ. [راجع: ٢١٤١]

[6716] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلۂ انصار میں سے ایک آدمی نے اپنے غلام کو مدبر بنایا جبکہ اس کے پاس غلام کے علاوہ اور کوئی مال نہ تھا۔ نبی ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا: ''یہ غلام مجھ سے کون خریدتا ہے؟'' نعیم بن نحام نے آٹھ سو درہم کے عوض اسے خرید لیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: وہ ایک قبطی غلام تھا جو پہلے ہی سال مر گیا۔

فوائد و مسائل: ① جمہور اہل علم کا موقف ہے کہ ہر قسم کے کفارے میں مدبر، ام ولد اور مکاتب وغیرہ کو آزاد کیا جا سکتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث سے جمہور کے موقف کی تائید کی ہے کہ جب مدبر غلام کو فروخت کیا جا سکتا ہے، تو اسے آزاد کیوں نہیں کیا جا سکتا؟ ام ولد اور مکاتب کو اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ ② ولد الزنا اگر مومن ہے تو وہ کافر غلام کے مقابلے میں افضل ہے۔ قرآنی آیت مطلق ہے تو اسے کفارۂ قسم میں آزاد کیا جا سکتا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

[1] صحيح البخاري، العتق، حديث: 2518.

بَابٌ: إِذَا أَعْتَقَ عَبْدًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ آخَرَ

باب:- مشترک غلام آزاد کرنے کا حکم

وضاحت: امام بخاری ﷫ نے اس باب کے تحت کوئی حدیث ذکر نہیں کی جس کی شارحین نے کئی توجیہات ذکر کی ہیں۔

(٨) بَابٌ: إِذَا أَعْتَقَ فِي الْكَفَّارَةِ لِمَنْ يَكُونُ وَلَاؤُهُ

باب: 8- جب غلام کو کفارے میں آزاد کیا تو ولا کس کے لیے ہوگی؟

٦٧١٧ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّهَا أَرَادَتْ أَنْ تَشْتَرِيَ بَرِيرَةَ فَاشْتَرَطُوا عَلَيْهَا الْوَلَاءَ، فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «اشْتَرِيهَا فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ».

[راجع: ٤٥٦]

[6717] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے حضرت بریرہ ؓ کو خریدنے کا ارادہ کیا تو اس کے آقاؤں نے شرط عائد کی کہ ولا ان کی ہوگی۔ حضرت عائشہ ؓ نے جب نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ”اسے خرید کر آزاد کر دو، ولا تو اسی کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے۔“

فائدہ: ولاء اس تعلق کو کہتے ہیں جو مالک اور غلام کے درمیان قائم ہوتا ہے۔ جب غلام مرجاتا ہے تو اس کا ترکہ ولاء کی وجہ سے مالک کو ملتا ہے۔ اگر کوئی کسی مالک سے خرید کر اسے آزاد کرتا ہے تو ولاء آزاد کرنے والے کی طرف منتقل ہوجاتی ہے۔ اگر کفارۂ قسم میں کوئی غلام کسی سے خرید کر آزاد کرتا ہے تو اس صورت میں بھی ولاء اس کی ہوگی جو اسے آزاد کرتا ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ واللہ أعلم.

(٩) بَابُ الْاِسْتِثْنَاءِ فِي الْأَيْمَانِ

باب: 9- قسم اٹھاتے وقت ان شاء اللہ کہنا

وضاحت: عربی زبان میں لفظ استثناء دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے: ○ کسی چیز کو إلّا کے ذریعے سے متعدد سے باہر نکالنا، مثلاً: لوگ آئے مگر زید نہیں آیا۔ ○ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے معلق کرنا، یعنی ان شاء اللہ کہنا۔ اس عنوان میں یہ آخری معنی مراد ہیں کہ قسم اٹھاتے وقت ان شاء اللہ کہنا۔ امام بخاری ﷫ اس کا حکم بیان کرنا چاہتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے قسم اٹھاتے وقت ان شاء اللہ کہہ دیا اس پر قسم توڑنے کا کفارہ نہیں ہے۔“[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے قسم اٹھاتے وقت ان شاء اللہ کہا تو وہ حانث اور گناہ گار نہیں ہوگا، یعنی اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔

٦٧١٨ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ

[6718] حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے،

---

① جامع الترمذي، الأيمان والنذور، حديث: 1532.

عَنْ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيرٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي مُوسٰى، عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي رَهْطٍ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ أَسْتَحْمِلُهُ فَقَالَ: «وَاللهِ لَا أَحْمِلُكُمْ، مَا عِنْدِي مَا أَحْمِلُكُمْ»، ثُمَّ لَبِثْنَا مَا شَاءَ اللهُ فَأُتِيَ بِإِبِلٍ فَأَمَرَ لَنَا بِثَلَاثِ ذَوْدٍ، فَلَمَّا انْطَلَقْنَا قَالَ بَعْضُنَا لِبَعْضٍ: لَا يُبَارِكُ اللهُ لَنَا، أَتَيْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ نَسْتَحْمِلُهُ فَحَلَفَ [أَنْ] لَا يَحْمِلَنَا فَحَمَلَنَا، فَقَالَ أَبُو مُوسٰى: فَأَتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرْنَا ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ: «مَا أَنَا حَمَلْتُكُمْ، بَلِ اللهُ حَمَلَكُمْ، إِنِّي وَاللهِ إِنْ شَاءَ اللهُ لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِينٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا كَفَّرْتُ عَنْ يَمِينِي وَأَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَّكَفَّرْتُ». [راجع: ٣١٣٣]

انھوں نے کہا: میں اشعری قبیلے کے چند آدمیوں کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے سواری کا مطالبہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں تمھیں سواری نہیں دوں گا اور نہ میرے پاس کوئی سواری ہے جس پر میں تمھیں سوار کروں۔'' پھر جس قدر اللہ نے چاہا ہم وہاں ٹھہرے۔ اس دوران میں آپ کے پاس اونٹ لائے گئے تو آپ نے ہمیں تین اونٹ دینے کا حکم دیا۔ جب ہم اونٹ لے کر چلے تو ہم نے ایک دوسرے سے کہا: اللہ تعالیٰ ہمیں ان میں کوئی برکت نہ دے گا کیونکہ ہم جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سواری لینے کے لیے آئے تھے تو آپ نے قسم کھائی تھی کہ وہ ہمیں سواریاں مہیا نہیں کریں گے، اس کے بعد آپ نے ہمیں سواریاں دے دی ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم نبی ﷺ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوئے اور آپ سے یہ ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ''میں نے تمھیں سواری نہیں دی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا بندوبست کیا ہے۔ اللہ کی قسم! ان شاء اللہ اگر میں کسی چیز کے متعلق قسم کھا لیتا ہوں، پھر اس سے بہتر کوئی چیز دیکھتا ہوں تو میں اپنی قسم کا کفارہ دے دیتا ہوں اور وہ کام کر گزرتا ہوں جو بہتر ہوتا ہے اور اپنی قسم کا کفارہ دے دیتا ہوں۔''

فائدہ: اس حدیث کے آخر میں رسول اللہ ﷺ نے قسم کھائی اور پھر ان شاء اللہ کہا، اس کا مطلب یہ ہے کہ قسم اٹھانے کے بعد ان شاء اللہ کہنا مشروع ہے۔ ایسا کرنے سے انسان حانث نہیں ہوتا بشرطیکہ وہ ان شاء اللہ کے الفاظ قسم اٹھانے کے متصل بعد کہہ دے۔ محض قصد اور ارادے سے مذکورہ حکم ثابت نہیں ہوگا اور نہ اس امر سے استثناء ہی ثابت ہوگا کہ قسم اٹھانے والا کافی دیر سکوت کرنے کے بعد ان شاء اللہ کے الفاظ کہے، نیز اگر ان شاء اللہ کے الفاظ محض تبرک کے لیے استعمال کیے ہیں، جبکہ اس کا ارادہ استثناء وغیرہ کا نہیں تھا تو قسم کے منافی کام کرنے سے قسم ٹوٹ جائے گی اور اسے کفارہ دینا ہوگا۔

٦٧١٩ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ وَّقَالَ: «إِلَّا كَفَّرْتُ عَنْ يَمِينِي وَأَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ، أَوْ أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَّكَفَّرْتُ».

[6719] ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں قسم کا کفارہ دے دیتا ہوں اور وہ کام کر گزرتا ہوں جو بہتر ہوتا ہے۔'' یا (بایں الفاظ فرمایا:) ''میں بہتر کام

[راجع: ۳۱۳۳]

کر گزرتا ہوں اور اپنی قسم کا کفارہ دے دیتا ہوں۔''

فوائد ومسائل: ① اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ قسم کا کفارہ پہلے دے دے اور قسم کے منافی کام بعد میں کرے یا اس کے برعکس قسم پہلے توڑے بعد میں اس کا کفارہ دے، دونوں صورتیں جائز ہیں جیسا کہ آئندہ باب میں اس کی وضاحت آئے گی۔ ② بہر حال اگر کوئی شخص قسم کے بعد ان شاء اللہ کہتا ہے اور اس کا ارادہ بھی استثناء کا ہے تو کسی صورت میں حانث نہیں ہوگا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ قسم اٹھا کر کہا اللہ کی قسم! میں ضرور قریش سے جنگ کروں گا، پھر آخر میں آپ نے ان شاء اللہ کہا: اس کے بعد آپ نے ان سے جنگ نہ کی۔[1]

٦٧٢٠ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامِ بْنِ حُجَيْرٍ، عَنْ طَاوُسٍ: سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: «قَالَ سُلَيْمَانُ: لَأَطُوفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلَى تِسْعِينَ امْرَأَةً كُلٌّ تَلِدُ غُلَامًا يُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللهِ، فَقَالَ لَهُ صَاحِبُهُ - قَالَ سُفْيَانُ: يَعْنِي الْمَلَكَ -: قُلْ: إِنْ شَاءَ اللهُ، فَنَسِيَ، فَطَافَ بِهِنَّ فَلَمْ تَأْتِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ بِوَلَدٍ إِلَّا وَاحِدَةٌ بِشِقِّ غُلَامٍ»، فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ يَرْوِيهِ: قَالَ: «لَوْ قَالَ إِنْ شَاءَ اللهُ لَمْ يَحْنَثْ وَكَانَ دَرَكًا فِي حَاجَتِهِ».

[6720] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ''حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: میں ضرور ایک رات اپنی نوے بیویوں کے پاس جاؤں گا اور ان میں سے ہر ایک بچہ جنے گی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۔ ان کے ساتھی ''فرشتے'' نے کہا: ان شاء اللہ کہہ دیں۔ لیکن وہ بھول گئے، چنانچہ وہ تمام بیویوں کے پاس گئے اور ان میں سے کسی بیوی کے ہاں بچہ پیدا نہ ہوا مگر ایک عورت نے ناقص بچہ جنم دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا: ''اگر وہ ان شاء اللہ کہتے تو حانث نہ ہوتے اور اپنا مقصد حاصل کر لیتے۔''

وَقَالَ مَرَّةً: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَوِ اسْتَثْنَى».

بعض اوقات رسول اللہ ﷺ نے یہ الفاظ فرمائے: ''اگر وہ استثناء'' کہہ لیتے۔

قَالَ: وَحَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ مِثْلَ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ. [راجع: ۲۸۱۹]

ہم سے ابو زناد نے بیان کیا، انھوں نے اعرج سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرح حدیث بیان کی۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں حنث سے مراد قسم ٹوٹنا نہیں بلکہ عدم وقوع ہے، یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو ارادہ کیا تھا وہ پورا نہ ہوا اور ''لم یحنث'' کے معنی یہ ہیں کہ اگر سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہہ لیتے تو اس طرح ہوتا جیسا کہ انھوں نے ارادہ کیا تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن منیر کے حوالے سے لکھا ہے: ''امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر عام حالات و واقعات میں ان شاء اللہ کہا جا سکتا ہے تو ایسی خبریں جنھیں قسم سے پختہ کر دیا گیا ہو ان میں ان شاء اللہ کہنا کیوں جائز

[1] سنن أبي داود، الأيمان والنذور، حديث: 3285.

نہیں، یعنی قسم میں ان شاء اللہ کہنے کی مشروعیت بیان کرنا ہے۔[1]

(١٠) بَابُ الْكَفَّارَةِ قَبْلَ الْحِنْثِ وَبَعْدَهُ

وضاحت: قسم توڑنے سے پہلے یا بعد میں کفارہ دینے کے متعلق علماء میں اختلاف ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قسم توڑنے سے پہلے بھی کفارہ دیا جاسکتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ کھانا کھلانا، کپڑے دینا اور غلام آزاد کرنا تو قسم توڑنے سے پہلے بھی جائز ہے، لیکن روزے قسم توڑنے سے پہلے نہیں رکھے جاسکتے۔ احناف کا موقف ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دینا درست نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ قسم کا کفارہ قسم توڑنے سے پہلے دینا یا بعد میں، دونوں طرح جائز ہے۔

٦٧٢١ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَيُّوبَ، عَنِ الْقَاسِمِ التَّمِيمِيِّ، عَنْ زَهْدَمٍ الْجَرْمِيِّ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَى وَكَانَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ هٰذَا الْحَيِّ مِنْ جَرْمٍ إِخَاءٌ وَمَعْرُوفٌ، قَالَ: فَقُدِّمَ طَعَامُهُ، قَالَ: وَقُدِّمَ فِي طَعَامِهِ لَحْمُ دَجَاجٍ، قَالَ: وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَيْمِ اللهِ - أَحْمَرُ كَأَنَّهُ مَوْلًى - قَالَ: فَلَمْ يَدْنُ، فَقَالَ لَهُ أَبُو مُوسَى: ادْنُ فَإِنِّي قَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَأْكُلُ مِنْهُ قَالَ: إِنِّي رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ شَيْئًا قَذِرْتُهُ فَحَلَفْتُ أَنْ لَا أَطْعَمَهُ أَبَدًا فَقَالَ: ادْنُ أُخْبِرْكَ عَنْ ذٰلِكَ، أَتَيْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي رَهْطٍ مِّنَ الْأَشْعَرِيِّينَ أَسْتَحْمِلُهُ وَهُوَ يَقْسِمُ نَعَمًا مِّنْ نَعَمِ الصَّدَقَةِ - قَالَ أَيُّوبُ: أَحْسِبُهُ قَالَ: وَهُوَ غَضْبَانُ - قَالَ: «وَاللهِ لَا أَحْمِلُكُمْ، وَمَا عِنْدِي مَا أَحْمِلُكُمْ»، قَالَ: فَانْطَلَقْنَا فَأُتِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِنَهْبِ إِبِلٍ،

[6721] حضرت زہدم جرمی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس تھے۔ ہمارے اور اس قبیلۂ جرم کے درمیان بھائی چارہ اور احسان شناسی کے تعلقات تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا۔ اس کھانے میں مرغ کا گوشت بھی تھا۔ ان لوگوں میں بنوتیم اللہ سے ایک سرخ رنگ کا آدمی تھا، وہ بظاہر غلام معلوم ہوتا تھا۔ وہ کھانے کے قریب نہ آیا تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: کھانے کے قریب ہوکر کھاؤ، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس نے کہا: میں نے اسے گندگی کھاتے دیکھا ہے، اس لیے مجھے اس سے گھن آتی ہے اور میں نے قسم کھائی تھی کہ میں اسے کبھی نہیں کھاؤں گا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کھانے میں شریک ہو جاؤ۔ میں تمھیں قسم کے متعلق آگاہ کرتا ہوں۔ ہم قبیلۂ اشعر کے لوگوں کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، میں نے آپ سے سواری کا جانور طلب کیا۔ اس

---

[1] فتح الباري: 738/11.

فَقِيلَ: «أَيْنَ هٰؤُلَاءِ الْأَشْعَرِيُّونَ؟ أَيْنَ هٰؤُلَاءِ الْأَشْعَرِيُّونَ؟» فَأَتَيْنَا، فَأَمَرَ لَنَا بِخَمْسِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرٰى، قَالَ: فَانْدَفَعْنَا فَقُلْتُ لِأَصْحَابِي: أَتَيْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ نَسْتَحْمِلُهُ فَحَلَفَ أَنْ لَّا يَحْمِلَنَا ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَيْنَا فَحَمَلَنَا، نَسِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَمِينَهُ؟ وَاللهِ لَئِنْ تَغَفَّلْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ يَمِينَهُ لَا نُفْلِحُ أَبَدًا، اِرْجِعُوا بِنَا إِلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَلْنُذَكِّرْهُ يَمِينَهُ، فَرَجَعْنَا فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ! أَتَيْنَاكَ نَسْتَحْمِلُكَ فَحَلَفْتَ أَنْ لَّا تَحْمِلَنَا ثُمَّ حَمَلْتَنَا فَظَنَنَّا - أَوْ فَعَرَفْنَا - أَنَّكَ نَسِيتَ يَمِينَكَ، قَالَ: «انْطَلِقُوا فَإِنَّمَا حَمَلَكُمُ اللهُ، إِنِّي وَاللهِ إِنْ شَاءَ اللهُ لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِينٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَّتَحَلَّلْتُهَا». [راجع: ٣١٣٣]

وقت آپ صدقے کے اونٹ تقسیم کر رہے تھے۔ میرے خیال کے مطابق اس وقت آپ غصے کی حالت میں تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں تمھیں سواری نہیں دوں گا اور نہ میرے پاس کوئی سواری ہے جو تمھیں مہیا کر سکوں۔'' اس وقت ہم واپس چلے گئے، پھر آپ کے پاس غنیمت کے اونٹ آئے تو آپ نے دریافت فرمایا: ''یہ اشعری لوگ کہاں ہیں؟ اشعری کہاں چلے گئے ہیں؟'' چنانچہ ہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ہمیں پانچ سفید کوہانوں والے عمدہ اونٹ دینے کا حکم دیا۔ ہم وہاں سے روانہ ہوئے تو اس دوران میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے تھے اور آپ سے سواری مہیا کرنے کا مطالبہ کیا تھا تو آپ نے قسم کھائی تھی کہ ہمیں سواری نہیں دیں گے، پھر ہمیں بلا بھیجا اور سواری کے جانور عنایت فرمائے۔ رسول اللہ ﷺ اپنی قسم بھول گئے ہوں گے؟ اللہ کی قسم! اگر ہم نے رسول اللہ ﷺ کو قسم کے متعلق غفلت میں رکھا تو ہم کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ چلو ہم سب آپ کے پاس واپس چلیں اور آپ کو قسم کی یاددہانی کرائیں، چنانچہ ہم واپس آئے اور کہا: اللہ کے رسول! ہم پہلے آئے تھے اور آپ سے سواری مہیا کرنے کے متعلق عرض کی تھی تو آپ نے قسم اٹھائی تھی کہ آپ اس کا انتظام نہیں کر سکتے۔ ہم نے خیال کیا شاید آپ اپنی قسم بھول گئے ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جاؤ تمھیں اللہ ہی نے سوار کیا ہے۔ واللہ! اگر اللہ نے چاہا تو میں جب بھی کوئی قسم کھالوں، پھر دوسری کسی چیز کو اس کے مقابل بہتر سمجھوں تو وہی کرتا ہوں جو بہتر ہوتا ہے اور قسم کا کفارہ دے دیتا ہوں۔''

تَابَعَهُ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ وَالْقَاسِمِ بْنِ عَاصِمٍ الْكُلَيْبِيِّ. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ وَالْقَاسِمِ التَّمِيمِيِّ، عَنْ زَهْدَمٍ بِهٰذَا. حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنِ الْقَاسِمِ، عَنْ زَهْدَمٍ بِهٰذَا.

حماد بن زید نے ایوب سے روایت کرنے میں اسماعیل بن ابراہیم کی متابعت کی ہے۔ ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا، ان سے عبدالوہاب نے، ان سے ایوب نے، ان سے ابو قلابہ اور قاسم تمیمی نے اور ان سے زہدم نے یہی حدیث بیان کی۔ ہم سے ابو معمر نے، ان سے عبدالوارث نے، ان سے ایوب نے، ان سے قاسم نے، ان سے زہدم نے یہ حدیث بیان کی۔

فائدہ: کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ کفارہ قسم توڑنے کے بعد دینا چاہیے کیونکہ کفارہ گناہ کو چھپاتا ہے اور قسم توڑنے سے پہلے گناہ ہی نہیں تو اس نے چھپانا کس چیز کو ہے، لہٰذا حانث ہونے سے پہلے کفارہ جائز نہیں، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ کفارہ قسم توڑنے سے پہلے بھی ادا کیا جا سکتا ہے کیونکہ جب قسم توڑنے کا ارادہ کر لیا تو گناہ کا ارادہ ہو گیا، اس بنا پر کفارہ پہلے دینے میں کوئی حرج نہیں، چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کے یہ الفاظ بھی مروی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں قسم کا کفارہ دے دیتا ہوں اور وہ کام کر گزرتا ہوں جو بہتر ہوتا ہے۔''[1]

٦٧٢٢ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ بْنِ فَارِسٍ: أَخْبَرَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا وَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا، وَإِذَا حَلَفْتَ عَلٰى يَمِينٍ فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا فَائْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَّكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ». [راجع: ٦٦٢٢]

[6722] حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''از خود امارت کا سوال نہ کرو کیونکہ اگر تجھے یہ امارت مانگے بغیر مل جائے تو اس پر تیری مدد کی جائے گی اور اگر تجھے مانگنے سے دی جائے تو تجھے اس کے سپرد کر دیا جائے گا، نیز جب تو کسی چیز پر قسم اٹھائے، پھر اس کا غیر اس سے بہتر دیکھے تو وہ کرو جو بہتر ہو اور اپنی قسم کا کفارہ دے دو۔''

تَابَعَهُ أَشْهَلُ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، وَتَابَعَهُ يُونُسُ وَسِمَاكُ بْنُ عَطِيَّةَ وَسِمَاكُ بْنُ حَرْبٍ وَحُمَيْدٌ وَقَتَادَةُ وَمَنْصُورٌ وَهِشَامٌ وَّالرَّبِيعُ.

اشہل نے ابن عون سے روایت کرنے میں عثمان بن عمر کی متابعت کی ہے۔ اور یونس، سماک بن عطیہ، سماک بن حرب، حمید، قتادہ، منصور، ہشام اور ربیع نے بھی ابن عون کی متابعت کی ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قسم کا کفارہ، قسم توڑنے کے بعد ادا کیا جائے جبکہ صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت

1 صحيح البخاري، الأيمان والنذور، حديث: 6623.

میں ہے: ''اپنی قسم کا کفارہ دے دو اور وہ کام کرو جو بہتر ہو۔''[1] اس روایت کا تقاضا ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے بھی کفارہ دیا جاسکتا ہے، اس سے امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف ثابت ہوا کہ کفارہ، قسم توڑنے سے پہلے اور بعد میں دیا جاسکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ أعلم.

① صحیح البخاري، الأیمان والنذور، حدیث: 6622.

فرائض کا معنی و مفہوم اور علم فرائض کی اہمیت وفضیلت

فَرَائِض، فَرِیضَةٌ کی جمع ہے۔ فریضہ اس ذمہ داری کو کہتے ہیں جو مکلّف پر شرعاً عائد کی جائے، جیسے: نماز، روزہ، حج اور زکاۃ وغیرہ فرض ہیں۔ میراث کو بھی فریضہ اور فرض کہا جاتا ہے جس کے لغوی معنی ہیں: کاٹنا اور مقرر کرنا۔ کہا جاتا ہے کہ میں نے اتنا مال فلاں کے لیے کاٹ کر الگ رکھ دیا۔ مواریث میں فرائض سے مراد وراثت کے مستحق لوگوں کے لیے وہ مقرر حصے ہیں جو قرآن و حدیث میں بیان ہوئے ہیں۔ ان میں کمی بیشی جائز نہیں۔ یہ نام قرآن کریم کی آیت کریمہ ﴿نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾ سے ماخوذ ہے۔[1] کتاب الفرائض میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ترکے کے مسائل اور ورثاء کو ملنے والے حصے بیان کیے ہیں۔ فرائض کا علم ایک ایسا علم ہے جس کی بہت سی تفصیلات ہیں۔ ان سے آگاہ ہونا ہر کسی کا کام نہیں کیونکہ ان میں علم ریاضی اور حساب، نیز جدید اعشاری قواعد وضوابط کی ضرورت پڑتی ہے۔ ہم تمہید کے طور پر چند حقائق ذکر کرتے ہیں تاکہ صحیح بخاری میں آمدہ وراثت کے احکام و مسائل سمجھنے میں آسانی ہو۔

○ اسلام دین فطرت ہے، اس لیے انسان کی فطری خواہشات کا احترام کرتے ہوئے اس میں شخصی جائیداد اور انفرادی ملکیت کی پوری پوری گنجائش ہے۔ اس میں احکام وصیت و وراثت اور مسائل ہبہ و وقف کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ انفرادی نظریۂ ملکیت ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے، پھر تمدن کی ترقی کے لیے انتقال ملکیت بھی ضروری ہے جس کی دو صورتیں ممکن ہیں ایک اختیاری اور دوسری غیر اختیاری۔ اختیاری انتقال ملکیت کی دو صورتیں حسب ذیل ہیں:

○ معاوضہ لے کر کوئی چیز دوسرے کے حوالے کرنا ایسا اشیائے خرید وفروخت یا اس کے مشابہ لین دین میں ہوتا ہے۔

○ بلا معاوضہ کوئی چیز دوسرے کے حوالے کرنا۔ اس کی مزید دو قسمیں ہیں: اگر بلا معاوضہ انتقال ملکیت بحالت صحت ہو اور اپنی زندگی میں کوئی چیز دوسرے کے حوالے کر دی جائے تو اسے ہبہ یا ہدیہ کہا جاتا ہے اور اگر بلا معاوضہ انتقال ملکیت بحالت مرض موت ہو اور مرنے کے بعد وہ چیز کسی دوسرے کو ملے تو اسے وصیت کہا جاتا ہے۔ انتقال ملکیت کی دوسری صورت جو غیر اختیاری ہے اس میں ایک انسان کی مملوکہ اشیاء خود بخود اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں۔ اس میں انتقال کرنے والے کے ارادے، نیت یا اختیار کو قطعاً کوئی دخل نہیں ہوتا، اس غیر اختیاری انتقال ملکیت کو شرعی اصطلاح میں ''وراثت'' کہا جاتا ہے۔

---

1 النسآء 4:7.

انتقال ملکیت کے ان مذکورہ دونوں طریقوں میں ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے کہ اختیاری طریقۂ انتقال میں بعض اوقات ایجاب وقبول اور بعض صورتوں میں صرف ایجاب شرط ہوتا ہے جیسا کہ خرید وفروخت اور وقف میں ہوتا ہے جبکہ وراثت میں ایجاب وقبول نہیں ہوتا بلکہ اس کے بغیر ہی وارث اس کا مالک بن جاتا ہے۔

آغاز اسلام میں انتقال ملکیت کے لیے وصیتی طریقہ رائج کیا گیا۔ اس کی بنیاد یہ تھی کہ جائیداد کا مالک خود اس امر کا اہتمام کرتا کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی جائیداد کا بندوبست کس طرح ہو اور کون کون لوگ اس میں حصہ دار ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''تم پر یہ فرض کر دیا گیا ہے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے اور کچھ مال و دولت چھوڑے جا رہا ہو تو مناسب طور پر اپنے والدین اور رشتہ داروں کے حق میں وصیت کر جائے، ایسا کرنا اہل تقویٰ کے ذمے حق ہے۔''[1] لیکن انسان کی خود غرضی اسے اکثر اوقات ظلم و زیادتی پر آمادہ کر دیتی ہے جس کے نتیجے میں کسی رشتہ دار کی ناجائز طرف داری یا بلاوجہ حق تلفی ہو جاتی ہے جو خاندان کے مختلف افراد کے درمیان رسہ کشی کا باعث بن جاتی ہے۔ اسلام نے اس سلسلے میں واضح طور پر رہنمائی فرمائی، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''البتہ جس شخص کو وصیت کرنے والے کی طرف سے کسی کے متعلق جانب داری یا حق تلفی کا اندیشہ ہو اور وہ ورثاء میں سمجھوتہ کرا دے تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔''[2] اسلام نے دانستہ یا نادانستہ طرف داری یا حق تلفی کا اس طرح سدباب کیا ہے کہ مُوَرِّث، یعنی فوت ہونے والے کو ایک تہائی کی حد تک وصیت کا اختیار دے کر باقی ترکے کی تقسیم کے لیے واضح اصول مقرر کر دیے تا کہ خاندان میں عزیز و اقارب کے درمیان نفرت و عداوت پیدا نہ ہو، نیز صلہ رحمی اور ہمدردی کے جذبات بھی ماند نہ پڑیں۔

اس کے علاوہ وراثت کے احکام کو اس اصول پر استوار کیا کہ فوت ہونے والے کا ترکہ ان لوگوں میں تقسیم ہو جو اپنی قرابت داری کے اعتبار سے مرحوم کی جائیداد کے زیادہ حق دار ہوں، پھر حق وراثت کو ایسا محکم اور پختہ فرض قرار دیا ہے جس میں تغیر و تبدل کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان اپنے پیچھے ایک سے زیادہ قرابت دار چھوڑ جاتا ہے جن کے متعلق وہ فیصلہ نہیں کر پاتا کہ اس کے حقوق دوسرے قرابت داروں کے اعتبار سے زیادہ اہم ہیں۔ عقل انسانی کے اس تذبذب کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں دور فرمایا: ''تم نہیں سمجھ سکتے کہ تمھیں فائدہ پہنچانے کے لحاظ سے تمھارے والدین اور تمھاری اولاد میں سے کون تمھارے قریب تر ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ حصے ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا کمال حکمت والا ہے۔''[3] لیکن افسوس کہ وراثت کے متعلق کتاب و سنت میں بیان کردہ واضح شرعی احکام اور ان کی خلاف ورزی پر کھلی وعید کے باوجود ہم مسلمان اس سلسلے میں برسر عام خلاف ورزی کرتے ہیں

---

1 البقرة 180:2. 2 البقرة 182:2. 3 النسآء 11:4.

اور واضح طور پر افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ ایک طرف مزعومہ عاق نامے کے ذریعے سے اپنی اولاد کو ان کے شرعی حق سے محروم کر دیتے ہیں تو دوسری طرف اپنے بیٹوں کی موجودگی میں اپنے پوتوں کو وراثت میں برابر کا حصے دار ٹھہراتے ہیں۔ اسی طرح ترکے کے متعلق بھی ہمارے ہاں بہت غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ عام طور پر ترکہ اسے خیال کیا جاتا ہے جو باپ دادا سے بطور وراثت ملا ہو اور جو کچھ اپنی محنت سے کمایا اسے ترکے میں شمار نہیں کیا جاتا، حالانکہ ہر منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کو شرعاً ترکہ کہا جاتا ہے جو مرنے کے بعد اس نے اپنے پیچھے چھوڑی ہو اور کسی دوسرے شخص کا اس میں کوئی حق نہ ہو۔ ایک اور مسئلہ جس کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے اور اس کا تعلق بھی تقسیم جائیداد سے ہے لیکن ہم اس سلسلے میں کوتاہی کا شکار ہیں، وہ یہ ہے کہ اولاد کی طرف سے بعض اوقات والد پر دباؤ ڈالا جاتا ہے یا والد از خود کسی پیش بندی کے طور پر اپنی جائیداد زندگی ہی میں تقسیم کر دیتا ہے، حالانکہ ایسا کرنا انتہائی محل نظر ہے کیونکہ ضابطۂ وراثت کے اجراء کے لیے مُوَرِّث کی موت کا یقین اور وارث کا زندہ ہونا ضروری ہے۔ زندگی میں ضابطۂ وراثت کے مطابق جائیداد کا تقسیم کرنا کئی ایک خطرات کا پیش خیمہ ہوسکتا ہے، ہاں اگر اولاد کو بطور ہبہ کچھ دینا چاہے تو اس کی شرعاً گنجائش ہے، بشرطیکہ تمام بیٹوں اور بیٹیوں کو برابر ہبہ دیا جائے۔ چند ایک کو دینا اور دوسروں کو نظر انداز کرنا شرعی طور پر جائز نہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے شرعی ورثاء کو محروم کرنے کے لیے ہبہ کو بطور حیلہ استعمال کرنا بھی ظلم اور زیادتی ہے۔

دراصل ہمارے ہاں جہالت کا دور دورہ ہے۔ عصر حاضر میں علم فرائض کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اکثر علمائے کرام بھی اس سے بے بہرہ ہیں، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق بہت تاکید فرمائی ہے۔ فرمان نبوی ہے: ”علم وراثت سیکھو اور دوسروں کو بھی سکھاؤ کیونکہ جلد ہی میری موت واقع ہو جائے گی، علم فرائض بھی قبض کر لیا جائے گا، فتنے رونما ہوں گے حتی کہ دو آدمی اپنے کسی مقررہ حصے میں اختلاف کریں گے اور کوئی آدمی ایسا نہیں پائیں گے جو ان میں فیصلہ کر سکے۔“ [1] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں ہماری مکمل رہنمائی فرمائی ہے۔ انھوں نے کتاب الفرائض میں وراثت کے بہت سے پیچیدہ مسائل بیان فرمائے ہیں۔ وراثت کے علاوہ دیگر بے شمار معاشرتی مسائل بھی ذکر کیے ہیں جن سے امام بخاری رحمہ اللہ کی وسعت علم کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ نے اس سلسلے میں تنتالیس (43) مرفوع احادیث کا انتخاب کیا ہے جن میں سینتیس (37) مکرر اور باقی چھ (6) خالص ہیں، اس کے علاوہ چوبیس (24) آثار بھی ذکر کیے جو صحابۂ کرام اور تابعین عظام سے مروی ہیں، پھر آپ نے ان منتخب احادیث پر تیس (30) سے زیادہ چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کیے ہیں جن میں وراثت کی اہمیت، رسول اللہ ﷺ کی وراثت، قیدی کی وراثت، جو خود کو اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کی

---

1 المستدرك للحاكم: 333/4.

طرف منسوب کرتا ہے، قیافہ شناس وغیرہ بہت اہم ہیں۔ اس کے علاوہ متعدد اسنادی مباحث ہیں جن کی ہم موقع ومحل کی مناسبت سے وضاحت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق دے اور ہمیں حقوق العباد ادا کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

نوٹ: ہم نے ''اسلامی قانون وراثت'' نامی کتاب پر ایک مدلل مقدمہ لکھا ہے، قارئین سے گزارش ہے کہ وہ صحیح بخاری کو پڑھتے ہوئے اسے ضرور زیر مطالعہ لائیں۔ یہ کتاب دارالسلام نے ہی شائع کی ہے۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

85- كِتَابُ الْفَرَائِضِ

وراثت سے متعلق احکام ومسائل

(١) وَ[بَابُ] قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ إِلَى قَوْلِهِ: ﴿وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ﴾ [النساء: ١١، ١٢].

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ''اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے متعلق حکم دیتا ہے..... یہ اللہ کی طرف سے ایک تاکیدی حکم ہے، اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا اور بڑے تحمل والا ہے۔'' کا بیان

وضاحت: واضح رہے کہ علم وراثت کے لیے یہ دونوں آیات بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس لیے آغاز میں انھیں ذکر کیا ہے۔

٦٧٢٣ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيَّ [رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا] يَقُولُ: مَرِضْتُ فَعَادَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ وَهُمَا مَاشِيَانِ، فَأَتَيَانِي وَقَدْ أُغْمِيَ عَلَيَّ، فَتَوَضَّأَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَصَبَّ عَلَيَّ وَضُوءَهُ فَأَفَقْتُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! كَيْفَ أَصْنَعُ فِي مَالِي؟ كَيْفَ أَقْضِي فِي مَالِي؟ فَلَمْ يُجِبْنِي بِشَيْءٍ حَتَّى نَزَلَتْ آيَةُ الْمِيرَاثِ. [راجع: ١٩٤]

[6723] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں ایک دفعہ بیمار ہوا تو رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پیدل چل کر میری عیادت کے لیے آئے۔ یہ دونوں حضرات جب آئے تو مجھ پر غشی طاری تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا اور وضو سے بچا ہوا پانی مجھ پر چھڑکا۔ مجھے جب ہوش آیا تو میں نے پوچھا: اللہ کے رسول! میں اپنے مال کا کیا کروں؟ اپنے مال کے متعلق کیا فیصلہ کروں؟ (یہ سن کر) آپ نے مجھے کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ میراث کی آیت کریمہ نازل ہوئی۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: میری تو صرف بہنیں ہیں تو اس وقت آیت فرائض

نازل ہوئی۔[1] کتاب التفسیر میں ہے کہ اس وقت ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾[2] نازل ہوئی۔[3] ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! میں تو کلالہ ہوں اور میری وراثت کس کو ملے گی تو آیت فرائض نازل ہوئی۔[4] امام نسائی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾[5] نازل ہوئی۔ ② ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں آیات میں کلالہ کا ذکر ہے۔ پہلی آیت میں مادری بہن بھائیوں کے لیے وراثت کا ذکر تھا جبکہ دوسری آیت میں حقیقی اور پدری بہن بھائیوں کو کلالہ کی وراثت ملنے کا بیان ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی شان نزول اس طرح مروی ہے کہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی: اللہ کے رسول! حضرت سعد تو آپ کے ہمراہ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے اور ان کی یہ دو بیٹیاں ہیں لیکن ان کے بھائی نے ان کا سارا مال قبضے میں لے لیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ”اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا، اس کے بعد آیت میراث نازل ہوئی تو آپ نے اس کے بھائی کو بلا کر کہا کہ سعد کے ترکے سے دو تہائی اس کی بیٹیوں کو اور آٹھواں حصہ اس کی بیوی کو دو، ان سے جو باقی بچے گا وہ آپ کا ہے۔“[6] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ ابتدائی حصہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بیٹیوں کے متعلق نازل ہوا ہو اور جس آیت میں کلالہ کا ذکر ہے وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہو۔[7]

(٢) بَابُ تَعْلِيمِ الْفَرَائِضِ

باب:2- فرائض کی تعلیم

وَقَالَ عُقْبَةُ بْنُ عَامِرٍ: تَعَلَّمُوا قَبْلَ الظَّانِّينَ، يَعْنِي الَّذِينَ يَتَكَلَّمُونَ بِالظَّنِّ.

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: گمان سے گفتگو کرنے والوں سے پہلے پہلے تم علم حاصل کرو۔

وضاحت: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا مذکورہ قول متصل سند سے ہمیں کہیں نہیں مل سکا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت لوگ ظن و تخمین سے پرہیز کرتے تھے اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ اس قول میں اگرچہ تمام علوم آجاتے ہیں لیکن علم فرائض اس میں بطور خاص داخل ہے کیونکہ اس کے مسائل و احکام میں رائے اور قیاس کو قطعاً کوئی دخل نہیں ہے جبکہ دوسرے علوم میں رائے وغیرہ کا بہت عمل دخل ہے۔[8]

٦٧٢٤ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ: حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ، وَلَا

[6724] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”گمان سے اجتناب کرو کیونکہ بدظنی انتہائی جھوٹی بات ہوتی ہے۔ آپس میں ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ رہو (ایک دوسرے کی برائی کی تلاش

① صحيح البخاري، الفرائض، حديث: 6743. ② النسآء 4:11. ③ صحيح البخاري، حديث: 4577. ④ صحيح البخاري، الوضوء، حديث: 194. ⑤ النسآء 4:176. ⑥ مسند أحمد: 352/3. ⑦ فتح الباري: 308/8. ⑧ فتح الباري: 7/12.

تَحَسَّسُوا وَلَا تَجَسَّسُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا». [راجع: ٥١٤٣]

نہ کرو) اور نہ ایک دوسرے سے بغض ہی رکھو، نیز پیٹھ پیچھے کسی دوسرے کی برائی بیان نہ کرو۔ اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو۔"

فوائد ومسائل: ① جس وقت علم اور علماء نہیں رہیں گے تو جہالت عام ہوگی۔ اس وقت گفتگو کا دارومدار صرف ظن وتخمین پر ہوگا۔ ایسے لوگوں کی زبانوں پر جھوٹ جلدی جاری ہوتا ہے۔ جب کسی کو قرآن وحدیث کا علم نہیں ہوگا تو اپنے گمان سے فیصلے کرے گا، اس طرح علم فرائض بھی ان کی بھینٹ چڑھ جائے گا۔ ② امام بخاری ؒ کو علم فرائض کے متعلق اپنے معیار کی کوئی حدیث نہ مل سکی، اس لیے مذکورہ حدیث سے تعلیم فرائض کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "فرائض کا علم سیکھو اور سکھاؤ کیونکہ میں جلد ہی دنیا سے رخصت ہونے والا ہوں اور وہ وقت آنے والا ہے کہ علم دنیا سے اٹھ جائے گا، اس حد تک کہ دو آدمی ترکے کے متعلق جھگڑا کریں گے، لیکن صحیح فیصلہ کرنے والا انھیں نہیں ملے گا۔"[1] ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "علم فرائض حاصل کرو کیونکہ یہ نصف علم ہے اور یہ پہلا علم ہوگا جو میری امت کے سینوں سے چھین لیا جائے گا۔"[2] علم فرائض کو نصف علم اس لیے کہا گیا ہے کہ انسان کی دو حالتیں ہوتی ہیں: حالت حیات اور حالت موت، اس علم کا تعلق حالت موت سے ہے۔ والله أعلم.

(٣) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ»

باب: 3- نبی ﷺ کے ارشاد: "ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہمارا ترکہ صدقہ ہوتا ہے" کا بیان

وضاحت: حضرات انبیاء ؑ کسی کے وارث نہیں ہوتے اور نہ کوئی ان کا وارث ہی ہوتا ہے۔ ان کی وراثت اللہ تعالیٰ کا دین ہے جس میں تمام امت شامل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام ؑ کے اہل خانہ پر وراثت کو حرام کیا ہے تاکہ انھیں یہ گمان نہ ہو کہ جمع شدہ سرمایہ ان کی میراث ہے اور وہ ان کی موت کی تمنا کریں، تاکہ ان کی وفات کے بعد وہ ترکہ ان کو مل جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں ہی اس کا سدباب کر دیا تھا۔

٦٧٢٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ فَاطِمَةَ وَالْعَبَّاسَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ أَتَيَا أَبَا بَكْرٍ يَلْتَمِسَانِ مِيرَاثَهُمَا مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَهُمَا حِينَئِذٍ يَطْلُبَانِ أَرْضَيْهِمَا مِنْ فَدَكٍ وَ[سَهْمَهُمَا] مِنْ خَيْبَرَ. [راجع: ٣٠٩٢]

[6725] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ سیدہ فاطمہ اور حضرت عباس ؓ، حضرت ابوبکر ؓ کے پاس آئے، وہ رسول اللہ ﷺ کے ترکے سے اپنا وراثتی حصہ طلب کرتے تھے، یعنی یہ دونوں فدک کی زمین اور خیبر سے اپنے حصے کا مطالبہ کرتے تھے۔

---

[1] المستدرك للحاكم: 333/4. [2] سنن ابن ماجه، الفرائض، حديث: 2719.

٦٧٢٦ - فَقَالَ لَهُمَا أَبُو بَكْرٍ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ، إِنَّمَا يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ مِّنْ هٰذَا الْمَالِ». قَالَ أَبُو بَكْرٍ: وَاللهِ لَا أَدَعُ أَمْرًا رَّأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَصْنَعُهُ فِيهِ إِلَّا صَنَعْتُهُ، قَالَ: فَهَجَرَتْهُ فَاطِمَةُ، فَلَمْ تُكَلِّمْهُ حَتّٰى مَاتَتْ. [راجع: ٣٠٩٣]

[6726] حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ نے فرمایا: ''ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، جو کچھ ہم چھوڑیں وہ سب صدقہ ہے۔ بلاشبہ حضرت محمد ﷺ کے اہل خانہ صرف اسی مال میں سے اپنے اخراجات پورے کریں گے۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مزید کہا: اللہ کی قسم! میں کوئی ایسی بات نہیں ہونے دوں گا بلکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو جو کام کرتے دیکھا میں بھی وہی کچھ کروں گا۔ اس وضاحت کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے مفارقت اختیار کر لی اور اپنی موت تک ان سے کلام نہ کیا۔

٦٧٢٧ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبَانَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يُونُسَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ». [راجع: ٤٠٣٤]

[6727] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہمارا کوئی وارث نہیں بن سکتا، ہم جو کچھ بھی چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔''

٦٧٢٨ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي مَالِكُ بْنُ أَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ، وَكَانَ مُحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ ذَكَرَ لِي ذِكْرًا مِّنْ حَدِيثِهِ ذٰلِكَ، فَانْطَلَقْتُ حَتّٰى دَخَلْتُ عَلَيْهِ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ: انْطَلَقْتُ حَتّٰى أَدْخُلَ عَلٰى عُمَرَ فَأَتَاهُ حَاجِبُهُ يَرْفَأُ فَقَالَ: هَلْ لَّكَ فِي عُثْمَانَ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَالزُّبَيْرِ وَسَعْدٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَأَذِنَ لَهُمْ ثُمَّ قَالَ: هَلْ لَّكَ فِي عَلِيٍّ وَّعَبَّاسٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ عَبَّاسٌ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! اقْضِ بَيْنِي وَبَيْنَ هٰذَا، قَالَ: أَنْشُدُكُمْ بِاللهِ الَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ، هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ

[6728] حضرت امام زہری سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھے محمد بن جبیر بن مطعم نے حضرت مالک بن اوس بن حدثان رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث بیان کی، پھر میں خود حضرت مالک بن اوس رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو ان سے مذکورہ حدیث کے متعلق دریافت کیا، انھوں نے بیان کیا کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کا دربان یرفا ان کے پاس آیا اور کہا: حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن، حضرت زبیر اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم آپ کے پاس آنا چاہتے ہیں اور وہ اجازت طلب کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: اچھا انھیں آنے دو، چنانچہ اس نے انھیں اندر آنے کی اجازت دی۔ اس نے پھر کہا: کیا آپ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کو بھی اندر آنے کی اجازت دیں گے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں۔

ﷺ قَالَ: «لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ»، يُرِيدُ رَسُولُ اللهِ ﷺ نَفْسَهُ؟ فَقَالَ الرَّهْطُ: قَدْ قَالَ ذٰلِكَ، فَأَقْبَلَ عَلٰى عَلِيٍّ وَّعَبَّاسٍ، فَقَالَ: هَلْ تَعْلَمَانِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ ذٰلِكَ؟ قَالَا: قَدْ قَالَ ذٰلِكَ، قَالَ عُمَرُ: فَإِنِّي أُحَدِّثُكُمْ عَنْ هٰذَا الْأَمْرِ، إِنَّ اللهَ قَدْ كَانَ خَصَّ لِرَسُولِهِ ﷺ فِي هٰذَا الْفَيْءِ بِشَيْءٍ لَّمْ يُعْطِهِ أَحَدًا غَيْرَهُ، فَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿مَّآ أَفَآءَ ٱللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِۦ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿قَدِيرٌ﴾ فَكَانَتْ خَالِصَةً لِّرَسُولِ اللهِ ﷺ، وَوَاللهِ مَا احْتَازَهَا دُونَكُمْ وَلَا اسْتَأْثَرَ بِهَا عَلَيْكُمْ، لَقَدْ أَعْطَاكُمُوهُ وَبَثَّهَا فِيكُمْ حَتّٰى بَقِيَ مِنْهَا هٰذَا الْمَالُ، فَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُنْفِقُ عَلٰى أَهْلِهِ مِنْ هٰذَا الْمَالِ نَفَقَةَ سَنَتِهِ، ثُمَّ يَأْخُذُ مَا بَقِيَ فَيَجْعَلُهُ مَجْعَلَ مَالِ اللهِ، فَعَمِلَ بِذَاكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَيَاتَهُ، أَنْشُدُكُمْ بِاللهِ هَلْ تَعْلَمُونَ ذٰلِكَ؟ قَالُوا: نَعَمْ، ثُمَّ قَالَ لِعَلِيٍّ وَّعَبَّاسٍ: أَنْشُدُكُمَا بِاللهِ هَلْ تَعْلَمَانِ ذٰلِكَ؟ قَالَا: نَعَمْ، فَتَوَفَّى اللهُ نَبِيَّهُ ﷺ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: أَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَبَضَهَا، فَعَمِلَ بِمَا عَمِلَ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ، ثُمَّ تَوَفَّى اللهُ أَبَا بَكْرٍ فَقُلْتُ: أَنَا وَلِيُّ [وَلِيِّ] رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَبَضْتُهَا سَنَتَيْنِ أَعْمَلُ فِيهَا مَا عَمِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ، ثُمَّ جِئْتُمَانِي وَكَلِمَتُكُمَا وَاحِدَةٌ وَّأَمْرُكُمَا جَمِيعٌ، جِئْتَنِي تَسْأَلُنِي نَصِيبَكَ مِنِ ابْنِ أَخِيكَ، وَأَتَانِي هٰذَا يَسْأَلُنِي نَصِيبَ امْرَأَتِهِ مِنْ أَبِيهَا، فَقُلْتُ: إِنْ شِئْتُمَا دَفَعْتُهَا إِلَيْكُمَا بِذٰلِكَ، فَتَلْتَمِسَانِ مِنِّي قَضَاءً غَيْرَ ذٰلِكَ؟ فَوَاللهِ الَّذِي

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: امیر المومنین! میرے اور اس کے درمیان فیصلہ کر دیجیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہے! کیا تمھیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہماری وراثت تقسیم نہیں ہوتی، جو کچھ ہم چھوڑیں وہ سب اللہ کی راہ میں صدقہ ہوتا ہے۔“ اس سے رسول اللہ ﷺ کی خود اپنی ذات ہی مراد تھی؟ جو حضرات وہاں موجود تھے سب نے کہا: ہاں رسول اللہ ﷺ نے ایسا فرمایا تھا۔ پھر آپ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کیا تمھیں علم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا؟ انھوں نے کہا: آپ ﷺ نے ضرور ایسا فرمایا تھا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب میں آپ لوگوں سے اس معاملے میں گفتگو کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے لیے مال فے میں سے کچھ حصہ مخصوص فرمایا جو آپ کے سوا کسی اور کو نہیں ملتا تھا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ... وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ یہ حصہ خالص رسول اللہ ﷺ کا تھا۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے تمھارے سوا کسی کے لیے اسے محفوظ نہیں کیا اور نہ تم پر کسی دوسرے کو ترجیح ہی دی۔ یقیناً آپ ﷺ نے وہ زمین تمھیں دی اور تم میں ہی تقسیم کی حتی کہ اس میں سے یہ مال باقی رہ گیا۔ نبی ﷺ اس میں سے اپنے گھر والوں کے لیے سال بھر کا خرچہ لیتے تھے، اس کے بعد جو کچھ باقی بچتا اسے ان مصارف میں خرچ کرتے جو اللہ کے مقرر کردہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ طرز عمل زندگی بھر قائم رہا۔ میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا آپ لوگوں کو اس کا علم ہے؟ حاضرین نے کہا: جی ہاں۔ پھر حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: میں تمھیں بھی اللہ کی قسم دے کر پوچھتا

بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ لَا أَقْضِي فِيهَا قَضَاءً غَيْرَ ذٰلِكَ حَتّٰى تَقُومَ السَّاعَةُ، فَإِنْ عَجَزْتُمَا فَادْفَعَاهَا إِلَيَّ فَأَنَا أَكْفِيكُمَاهَا. [راجع: ٢٩٠٤]

ہوں: کیا آپ لوگ بھی اس حقیقت سے آگاہ ہیں؟ انھوں نے کہا: جی ہاں ہمیں اس کا علم ہے۔ حضرت عمر ؓ نے کہا: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو وفات دی تو حضرت ابوبکر ؓ نے کہا: اب میں رسول اللہ ﷺ (کے کاروبار) کا متولی ہوں اور انھوں نے وہ مال اپنے قبضے میں کرلیا اور اس طرز عمل کو جاری رکھا جو رسول اللہ ﷺ اس میں سرانجام دیتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر ؓ کو وفات دی تو میں نے کہا: اب میں رسول اللہ ﷺ کے جانشین کا نائب ہوں۔ میں بھی دو سال تک اس پر قابض رہا اور اس مال میں وہی کچھ کرتا رہا جو رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر ؓ نے کیا۔ پھر آپ دونوں میرے پاس آئے، آپ دونوں کی بات بھی ایک تھی اور معاملہ بھی ایک تھا۔ آپ میرے پاس اپنے بھتیجے کی میراث سے اپنا حصہ لینے آئے اور یہ اپنی بیوی کے حصے کے طلبگار تھے جو ان کے والد کی طرف سے انھیں ملتا۔ میں نے کہا: اگر تم چاہتے ہو تو میں تم دونوں کو یہ مال دے دیتا ہوں (اس شرط پر کہ تم یہ مال انھیں مصارف میں خرچ کرو گے جن میں رسول اللہ ﷺ کرتے تھے) لیکن اب تم مجھ سے اس کے علاوہ فیصلہ چاہتے ہو (کہ ان کو آدھا آدھا تقسیم کر دوں؟) اس ذات کی قسم جس کے حکم سے آسمان وزمین قائم ہیں میں اس مال میں اس کے سوا اور کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے۔ اگر آپ اس کے مطابق عمل نہیں کر سکتے تو وہ جائیداد مجھے واپس کر دیں میں (جہاں دوسرے سارے انتظامات کرتا ہوں اس کا بھی بندوبست کرلوں گا)۔

٦٧٢٩ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا يَقْتَسِمُ وَرَثَتِي دِينَارًا،

[6729] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے وارث کوئی دینار تقسیم نہ کریں۔ میں نے اپنی بیویوں کے خرچ اور عاملین کی تنخواہوں کے

مَا تَرَكْتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِي وَمُؤْونَةِ عَامِلِي فَهُوَ صَدَقَةٌ». [راجع: ٢٧٧٦]

بعد جو چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔''

٦٧٣٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَرَدْنَ أَنْ يَبْعَثْنَ عُثْمَانَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ يَسْأَلْنَهُ مِيرَاثَهُنَّ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: أَلَيْسَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ»؟. [راجع: ٤٠٣٤]

[6730] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے تو آپ کی ازواج مطہرات نے ارادہ کیا کہ حضرت عثمان ؓ کو حضرت ابوبکر ؓ کے پاس بھیجیں تاکہ ان سے اپنی وراثت کا مطالبہ کریں۔ (اس وقت) حضرت عائشہ ؓ نے (انھیں یاد دلاتے ہوئے) کہا: کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا: ''ہماری وراثت تقسیم نہیں ہوتی، ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① ان احادیث کے پیش کرنے سے امام بخاری ؒ کا قطعاً یہ مقصود نہیں کہ مشاجرات صحابہ کے درمیان کوئی محاکمہ یا فیصلہ کن کردار ادا کریں کیونکہ ان مسائل کا کتاب الفرائض سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ہمارے رجحان کے مطابق ان احادیث کو حسب ذیل دو مقاصد کے لیے ذکر کیا گیا ہے: ○ حضرات انبیاء ؑ بالخصوص رسول اللہ ﷺ کا ترکہ ایک قومی صدقہ ہے، اس میں ضابطۂ وراثت جاری نہیں ہوگا۔ اگر ان کی طرف کسی مقام پر لفظ وراثت منسوب ہے تو اس سے علمی اور دینی ورثہ ہے جس کے حق دار تمام اہل اسلام ہیں، چنانچہ قرآن کریم میں ہے: حضرت سلیمان ؑ حضرت داود ؑ کے وارث ہوئے۔ اس سے مراد وراثتِ نبوت اور وراثتِ علم وحکمت ہے، مالی وراثت قطعاً مقصود نہیں۔ اسی طرح حضرت زکریا ؑ نے دعا کی تھی: ''اے اللہ! مجھے ایسا فرزند عطا فرما جو میرا اور آل یعقوب کا وارث بنے۔'' اس سے بھی علم وحکمت کی وراثت مراد ہے۔ ○ جو مال وقف ہوتا ہے وہ بھی ضابطۂ وراثت سے مستثنیٰ ہے کیونکہ جس مال میں ضابطۂ میراث جاری ہوتا ہے اس کا ذاتی ملکیت ہونا ضروری ہے۔ حضراتِ انبیاء ؑ کا مال وقف ہوتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''ہم انبیاء کی جماعت کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی جو کچھ ہم ترکہ چھوڑیں وہ صدقہ ہے۔''[1] معلوم ہوا کہ وقف مال میں ضابطۂ وراثت جاری نہیں ہوتا۔ ② بہر حال امام بخاری ؒ کا مقصد ہے کہ دو چیزیں ضابطۂ میراث سے خارج ہیں: ان میں ایک حضراتِ انبیاء ؑ کا ترکہ ہے اور دوسری چیز وقف مال ہے۔ یہ دونوں چیزیں ضابطۂ میراث سے مستثنیٰ ہیں۔ والله أعلم. باقی رہا فدک اور خیبر میں رسول اللہ ﷺ کے مملوکات کا معاملہ! تو اس کے متعلق آلِ رسول ﷺ کا مطالبہ اور اس کی شرعی حیثیت کے متعلق ہم آئندہ کسی موقع پر بحث کریں گے۔ إن شاء الله تعالٰی.

(٤) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِأَهْلِهِ»

باب: 4- ارشاد نبوی: ''جس نے مال چھوڑا وہ اس کے اہل خانہ کے لیے ہے۔'' کا بیان

1 السنن الکبرٰی للنسائي، الفرائض، حدیث: 6275.

٦٧٣١ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ، فَمَنْ مَّاتَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ وَّلَمْ يَتْرُكْ وَفَاءً فَعَلَيْنَا قَضَاؤُهُ، وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَهُوَ لِوَرَثَتِهِ». [راجع: ٢٢٩٨]

[6731] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''میں اہل ایمان کا خود ان کی جانوں سے زیادہ تعلق دار ہوں، چنانچہ جو شخص فوت ہو جائے اور اس پر قرض ہو اور اس کی ادائیگی کے لیے اس نے کچھ نہ چھوڑا ہو تو اس کا ادا کرنا ہمارے ذمے ہے اور جو شخص مال چھوڑ جائے تو وہ اس کے وارثوں کے لیے ہے۔''

فوائد ومسائل: ① امام بخاری ؒ نے اس حدیث کو یہاں مختصر طور پر بیان کیا ہے۔ ایک دوسری روایت میں تفصیل ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: رسول اللہ ﷺ کے پاس جب کوئی میت لائی جاتی اور اس کے ذمے قرض ہوتا تو آپ اس کے متعلق دریافت فرماتے: ''کیا اس نے قرض کی ادائیگی کے لیے کچھ مال چھوڑا ہے؟'' اگر بتایا جاتا کہ اس نے مال چھوڑا ہے تو آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھتے بصورت دیگر فرماتے: ''تم خود اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھو۔'' جب اللہ تعالیٰ نے فتوحات کا دروازہ کھول دیا تو آپ فرماتے: ''میں اہل ایمان کا خود ان سے زیادہ حق دار ہوں۔ ان میں سے اگر کوئی مقروض فوت ہو اور ادائیگی کے لیے کچھ نہ چھوڑا ہو تو ہم پر اس کی ادائیگی ہے اور جس نے مال چھوڑا ہے تو وہ اس کے ورثاء کے لیے ہے۔''[1] ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں دنیا و آخرت میں اہل ایمان سے زیادہ قربت رکھنے والا ہوں، اگر چاہو تو یہ پڑھ لو: بلاشبہ نبی اہل ایمان کے لیے ان کی اپنی ذات سے بھی زیادہ خیر خواہ ہے، لہٰذا اگر کوئی مومن فوت ہو جائے اور اس کا مال ہو تو وہ اس کے ورثاء کے لیے ہے، وہ جو بھی ہوں اور اگر قرض اور بال بچے چھوڑ گیا ہے تو وہ میرے پاس آئیں میں ان کا ضامن ہوں۔''[2] ② غریب، تنگدست میت کا قرض اتارنا رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے جو آپ اپنے مال خالص سے ادا کرتے تھے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ آپ بیت المال سے دیتے تھے، ان کے ہاں یہ ذمہ داری اسلامی حکومت کی ہے۔ واللہ أعلم.

(٥) بَابُ مِيرَاثِ الْوَلَدِ مِنْ أَبِيهِ وَأُمِّهِ

باب: 5- والدین کی طرف سے اولاد کی وراثت

وَقَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ: إِذَا تَرَكَ رَجُلٌ أَوِ امْرَأَةٌ بِنْتًا فَلَهَا النِّصْفُ، وَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ فَلَهُنَّ الثُّلُثَانِ، وَإِنْ كَانَ مَعَهُنَّ ذَكَرٌ بُدِئَ بِمَنْ شَرِكَهُمْ فَيُؤْتَى فَرِيضَتَهُ، فَمَا بَقِيَ فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ

حضرت زید بن ثابت ؓ نے فرمایا: جب کوئی مرد یا عورت ایک بیٹی چھوڑے تو اس کا نصف مال ہے، اگر دو یا زیادہ بیٹیاں ہوں تو انھیں دو تہائی حصہ ملے گا اور اگر ان کے ساتھ کوئی بیٹا بھی ہو تو پہلے وراثت کا آغاز دوسرے شرکاء

① صحيح البخاري، الكفالة، حديث: 2298. ② صحيح البخاري، الاستقراض، حديث: 2399.

حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ.

سے کیا جائے گا اور جو باقی بچے گا اس میں سے بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر حصہ دیا جائے گا۔

وضاحت: امام مالک اور امام شافعی ﷭ کے ہاں وراثت کے معاملات میں حضرت زید بن ثابت ﷜ کے اقوال بنیادی حیثیت رکھتے تھے جبکہ اہل عراق حضرت علی ﷜ کے اقوال کو ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ فرائض (وراثت) کے مسائل میں ان حضرات کا کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے۔ حضرت زید بن ثابت ﷜ کے قول سے تین مسائل کا استنباط ہوتا ہے۔ جن کی بنیاد قرآنی آیات ہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے: ○ مرنے والے (مرد یا عورت) کی ایک بیٹی ہے تو اسے نصف ملتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور اگر میت کی ایک بیٹی ہے تو اسے نصف ملے گا۔''[1] ○ اگر دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں ہیں تو انھیں دو تہائی ملے گا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اگر وہ لڑکیاں (دو یا) دو سے زیادہ ہوں تو انھیں دو تہائی ملے گا۔''[2] ○ اگر ان کے ساتھ کوئی لڑکا بھی ہے تو پہلے مقررہ حصہ پانے والوں کو دیا جائے، پھر اولاد میں اس طرح تقسیم ہوگی کہ لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ ملے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ تعالیٰ تمھیں تمھاری اولاد کے متعلق تاکیدی حکم دیتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔''[3] اس کی صورت یہ ہوگی کہ ایک آدمی فوت ہوا، اس کی ماں، دو لڑکے اور ایک لڑکی زندہ ہے تو پہلے ماں کا حصہ نکالا جائے گا جو چھٹا حصہ طے شدہ ہے۔ اس کے بعد باقی پانچ حصے اس طرح تقسیم کیے جائیں کہ ایک لڑکے کو لڑکی کے مقابلے میں دو گنا ملے، یعنی لڑکوں کو دو، دو اور لڑکی کو ایک حصہ مل جائے گا، مثلاً: اگر ترکہ چھ ہزار ہے تو پہلے چھٹا حصہ ایک ہزار ماں کو دیا جائے پھر باقی ماندہ پانچ ہزار اس طرح تقسیم کیا جائے کہ دو، دو ہزار فی لڑکا اور ایک ہزار لڑکی کو دیا جائے۔ اسی بات کو آئندہ حدیث میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: ''مقررہ حصے ان کے حق داروں کو دو، جو بچ رہے وہ میت کے زیادہ قریب مرد کے لیے ہے۔''

٦٧٣٢ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ: حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ». [انظر: ٦٧٣٥، ٦٧٣٧، ٦٧٤٦]

[6732] حضرت ابن عباس ﷠ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''مقررہ حصے، ان کے حقداروں تک پہنچا دو اور جو باقی بچے وہ میت کے سب سے زیادہ قریبی مرد کے لیے ہے۔''

فوائد و مسائل: ① مرنے والے کے ترکے سے حصہ پانے والوں کی دو قسمیں ہیں: ○ اصحاب الفرائض ○ عصبات۔ اصحاب الفرائض سے مراد وہ رشتے دار ہیں جن کا حصہ قرآن کریم میں طے شدہ ہے۔ مقررہ حصوں کی تعداد چھ ہے: نصف $\frac{1}{2}$، اس کا نصف ربع $\frac{1}{4}$، اس کا نصف ثمن $\frac{1}{8}$۔ اسے گروپ کا نام دیا جاتا ہے۔ ثلثان $\frac{2}{3}$، اس کا نصف ثلث $\frac{1}{3}$، اس کا نصف $\frac{1}{6}$۔ اسے علم وراثت میں گروپ دوم کا نام دیا جاتا ہے۔ مقررہ حصہ لینے والوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ مزید معلومات کے لیے ہماری کتاب ''اسلامی قانون وراثت'' کا مطالعہ کریں۔ عصبات سے مراد وہ رشتہ دار ہیں جن کا حصہ طے شدہ نہیں بلکہ اگر مقررہ حصہ لینے والا

---

[1] النسآء 4:11. [2] النسآء 4:11. [3] النسآء 4:11.

کوئی رشتہ دار نہ ہوتو پوری جائیداد کے مالک بن جاتے ہیں۔ اگر مقررہ حصہ لینے والے موجود ہوں تو ان کا حصہ دینے کے بعد باقی ماندہ جائیداد کے مالک عصبات ہوتے ہیں، مثلاً: بیٹا، پوتا اور بھائی وغیرہ عصبات ہیں۔ چار عصبات ایسے ہیں جو اپنی بہنوں کو بھی عصبہ بناتے ہیں: ○ بیٹا اپنی بہن، یعنی بیٹی کو۔ ○ پوتا اپنی بہن، یعنی پوتی کو۔ ○ حقیقی بھائی اپنی حقیقی بہن کو۔ ○ پدری بھائی اپنی پدری بہن کو۔ ان کے علاوہ کوئی عصبہ اپنی بہن کو عصبہ نہیں بناتا، مثلاً: چچا اپنی بہن کو یا چچے کا بیٹا اپنی بہن کو عصبہ نہیں بنائے گا۔ اگر مرنے والے کا چچا اور پھوپھی زندہ ہے تو جائیداد کا حق دار صرف چچا ہوگا، پھوپھی محروم ہوگی، اسی طرح اگر بھتیجا اور بھتیجی ہے تو بھتیجا حق دار اور بھتیجی محروم ہوگی۔ ② عصبات کی تین قسمیں ہیں: ○ عصبه بنفسه. ○ عصبه بالغير. ○ عصبه مع الغير. تفصیلات آئندہ بیان کی جائیں گی، ان شاء اللہ۔ ③ واضح رہے کہ ماوری بھائی نہ خود عصبہ بنتے ہیں اور نہ اپنی بہنوں ہی کو عصبہ بناتے ہیں۔ قرآن کریم میں ماوری بہن بھائیوں کا طے شدہ حصہ بیان ہوا ہے۔ اگر ایک ماوری بھائی یا ماوری بہن ہے تو انھیں چھٹا حصہ ملے گا اور اگر زیادہ ہیں تو ایک تہائی میں برابر کے شریک ہوں گے۔ ان میں لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ والا ضابطہ جاری نہیں ہوتا۔ واللّٰه أعلم.

''عاق نامے کی شرعی حیثیت''

گزشتہ تصریحات سے واضح ہے کہ اولاد کو اللہ تعالیٰ نے والدین کے ترکے سے حصہ دیا ہے، اس کے باوجود ہم آئے دن اخبارات میں عاق نامے کا اشتہار پڑھتے ہیں۔ کیا والد یا والدہ کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے نافرمان اور گستاخ بیٹے کو اپنی وراثت سے محروم کر دے؟ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کی جائیداد کو تقسیم کرنے کا طریقۂ کار اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے، اس میں کسی کو ترمیم یا اضافے کا حق نہیں ہے۔ جو حضرات قانونِ وراثت کو پامال کرتے ہوئے آئے دن اخبارات میں اپنی اولاد میں سے کسی کے متعلق عاق نامے کے اشتہارات دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں بڑے خوفناک عذاب کی دھمکی سنائی ہے۔ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ضابطۂ وراثت کے خلاف کھلی بغاوت ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ''مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور رشتے داروں نے چھوڑا اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں، باپ اور رشتے داروں نے چھوڑا ہو، خواہ مال تھوڑا ہو یا زیادہ، اس میں ہر ایک کا حصہ مقرر ہے۔''[1] اس آیت کے پیش نظر کسی وارث کو بلاوجہ وراثت سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ ماہرین وراثت نے ان وجوہ کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے جو وراثت سے محرومی کا باعث ہیں جنھیں اصطلاحِ فرائض میں ''مَوَانِع'' کہا جاتا ہے، مثلاً: والد کو قتل کر دینا یا دینِ اسلام سے پھر جانا، ان میں والدین کا نافرمان ہونا کوئی شرعی مانع نہیں ہے جس کی بنا پر بیٹے یا بیٹی کو وراثت سے محروم کر دیا جائے۔ اگر وہ نافرمان ہے تو اس نافرمانی کی سزا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں خود بھگتے گا لیکن والد کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس بنا پر اسے جائیداد سے محروم کر دے۔ بعض لوگ محض ڈرانے دھمکانے کے لیے ایسا کرتے ہیں، لیکن ایسا کرنا بھی بعض اوقات کئی خرابیوں کا پیش خیمہ ہوسکتا ہے، اس لیے رائج الوقت عاق نامہ کوئی شرعی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ ایسا کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ واللّٰه أعلم.

---

① النسآء 4:7.

(٦) بَابُ مِيرَاثِ الْبَنَاتِ

باب:6- بیٹیوں کی وراثت کا بیان

وضاحت: دور جاہلیت میں عربوں کے ہاں ترکے کے وارث صرف وہ بیٹے خیال کیے جاتے تھے جو دشمنوں سے لڑنے اور ان سے انتقام لینے کے اہل ہوں۔ عورتوں کو بطور خاص وراثت میں شامل کرنے کا دستور نہ تھا بلکہ عورت خود ترکہ شمار ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کو اس ذلت کے مقام سے نکال کر وراثت میں حصے دار بنایا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''مردوں کے لیے اس مال سے حصہ ہے جو والدین اور قریبی رشتے دار چھوڑ جائیں، خواہ یہ ترکہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔ ہر ایک کا طے شدہ حصہ ہے۔''[1] ہمارے ہاں بھی بیٹیوں کو جہیز کی آڑ میں جائیداد سے محروم کرنے کا رواج ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں بیٹیوں کو محروم کرنے کا ایک واقعہ پیش آیا تو آپ نے اس کا سختی سے نوٹس لیا، چنانچہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی: اللہ کے رسول! میرے خاوند حضرت سعد تو آپ کے ہمراہ غزوۂ احد میں شہید ہوگئے اور ان کی یہ دو بیٹیاں ہیں لیکن سعد کے بھائی نے ان کے سارے مال پر قبضہ کرلیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اس کے متعلق اللہ تعالیٰ ضرور فیصلہ فرمائے گا۔'' اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی: ''اللہ تعالیٰ تمھیں تمھاری اولاد کے متعلق تاکیدی حکم دیتا ہے کہ مرد کا حصہ، دو عورتوں کے برابر ہے۔''[2] آیت نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بھائی کو بلایا اور فرمایا: ''سعد کے ترکے سے دو تہائی اس کی بیٹیوں کو دو، آٹھواں حصہ اس کی بیوہ کو اور باقی ماندہ ترکہ آپ کا ہے۔''[3] بہر حال امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان سے بیٹیوں کی میراث کو ثابت کیا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث سے واضح ہے۔

٦٧٣٣ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ [قَالَ]: أَخْبَرَنِي عَامِرُ بْنُ سَعْدِ ابْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: مَرِضْتُ بِمَكَّةَ مَرَضًا فَأَشْفَيْتُ مِنْهُ عَلَى الْمَوْتِ فَأَتَانِي النَّبِيُّ ﷺ يَعُودُنِي، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ لِي مَالًا كَثِيرًا وَلَيْسَ يَرِثُنِي إِلَّا ابْنَتِي، أَفَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثَيْ مَالِي؟ قَالَ: «لَا»، قَالَ: قُلْتُ: فَالشَّطْرُ؟ قَالَ: «لَا»، قُلْتُ: الثُّلُثُ؟ قَالَ: «الثُّلُثُ كَبِيرٌ، إِنَّكَ إِنْ تَرَكْتَ وَلَدَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَتْرُكَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ، وَإِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً إِلَّا أُجِرْتَ عَلَيْهَا حَتَّى اللُّقْمَةَ تَرْفَعُهَا

[6733] حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں مکہ مکرمہ میں ایسا بیمار ہوا کہ مجھے موت نظر آنے لگی، نبی ﷺ میری عیادت کے لیے تشریف لائے تو میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میرے پاس بہت سا مال ہے جبکہ میری وارث صرف میری بیٹی ہے تو کیا میں اپنا دو تہائی مال صدقہ کردوں؟ آپ نے فرمایا: ''نہ۔'' میں نے پوچھا: پھر نصف مال صدقہ کردوں؟ فرمایا: ''نہ۔'' میں نے عرض کی: کیا ایک تہائی کی اجازت ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں، گو تہائی بھی بہت زیادہ ہے۔ اگر تم اپنے بچوں کو مالدار چھوڑ دو تو یہ اس سے بہت بہتر ہے کہ تم انھیں تنگدست چھوڑ و اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ اور تم

1 النسآء 4:7. 2 النسآء 4:11. 3 مسند أحمد: 3/352.

إِلَى فِي امْرَأَتِكَ». فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أُخَلَّفُ عَنْ هِجْرَتِي؟ فَقَالَ: «لَنْ تُخَلَّفَ بَعْدِي فَتَعْمَلَ عَمَلًا تُرِيدُ بِهِ وَجْهَ اللهِ إِلَّا ازْدَدْتَ بِهِ رِفْعَةً وَّدَرَجَةً، وَلَعَلَّكَ أَنْ تُخَلَّفَ بَعْدِي حَتَّى يَنْتَفِعَ بِكَ أَقْوَامٌ وَيُضَرَّ بِكَ آخَرُونَ، وَلٰكِنِ الْبَائِسُ سَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ» يَرْثِي لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ مَاتَ بِمَكَّةَ.

جو بھی خرچ کرو گے اس پر تمھیں ثواب ملے گا یہاں تک کہ اگر تو اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ ڈالے تو یہ بھی موجب اجر و ثواب ہوگا۔" میں نے پوچھا: اللہ کے رسول! کیا میں اپنی ہجرت میں پیچھے رہ جاؤں گا؟ آپ نے فرمایا: "اگر تو میرے بعد پیچھے رہ بھی گیا تب بھی جو عمل کرے گا اور اس سے اللہ کی خوشنودی مقصود ہوگی تو اس کے ذریعے سے تیرا درجہ اور مرتبہ بلند ہوگا۔ میرے بعد تم یقیناً زندہ رہو گے یہاں تک کہ تم سے بہت لوگوں کو فائدہ پہنچے گا جبکہ بہت سے لوگ ضرر اٹھائیں گے۔ قابل افسوس تو سعد بن خولہ ہیں۔" رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں اس لیے اظہار افسوس کیا کہ ان کی وفات مکہ مکرمہ میں ہی ہوگئی۔

قَالَ سُفْيَانُ: وَسَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ رَجُلٌ مِّنْ بَنِي عَامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ. [راجع: ٥٦]

سفیان نے کہا: سعد بن خولہ، قبیلۂ بنو عامر بن لؤی کے فرد تھے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ میری وارث صرف میری ایک بیٹی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا انکار نہیں کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ میت کے ترکے سے بیٹی وارث ہوتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہی ہے کہ بیٹیوں کی وراثت کو ثابت کیا جائے۔ ② واضح رہے کہ بیٹیوں کی تین حالتیں ہیں: ○ جب میت کی اولاد صرف ایک بیٹی ہو تو اسے جائیداد سے نصف ملے گا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اگر بیٹی اکیلی ہو تو اسے ساری جائیداد کا آدھا ملے گا۔"[1] ○ جب میت کی ایک سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو ساری جائیداد کا دو تہائی لیں گی، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اگر بیٹیاں (دو یا) دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لیے ترکے میں سے دو تہائی حصہ ہوگا۔"[2] ○ جب میت کی اولاد لڑکے اور لڑکیوں پر مشتمل ہو تو بیٹے کو دو حصے اور بیٹی کو ایک حصہ بطور عصبہ ملے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اللہ تعالیٰ تمھیں، تمھاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ مذکر کو دو مؤنث کے برابر حصہ دیا جائے۔"[3] ③ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے عصبات تو موجود تھے، البتہ اس وقت اولاد میں صرف ایک لڑکی تھی، ان کی نفی کو اولاد پر محمول کیا جائے گا۔[4]

٦٧٣٤ - حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ: حَدَّثَنَا أَبُو النَّضْرِ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ شَيْبَانُ عَنْ أَشْعَثَ، عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: أَتَانَا مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ

[6734] حضرت اسود بن یزید سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہمارے پاس یمن میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ معلم یا امیر کی حیثیت سے آئے، ہم نے ان سے ایک ایسے

① النسآء 4:11. ② النسآء 4:11. ③ النسآء 4:11. ④ فتح الباري:12/20.

بِالْيَمَنِ مُعَلِّمًا وَّأَمِيرًا، فَسَأَلْنَاهُ عَنْ رَجُلٍ تُوُفِّيَ وَتَرَكَ ابْنَتَهُ وَأُخْتَهُ، فَأَعْطَى الْابْنَةَ النِّصْفَ وَالْأُخْتَ النِّصْفَ. [انظر: ٦٧٤١]

شخص کے ترکے کے متعلق دریافت کیا جس کی وفات ہوئی ہو اور اس نے ایک بیٹی اور بہن چھوڑی ہو تو انھوں نے بیٹی کو نصف اور بہن کو نصف دیا۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں مذکورہ فیصلہ کیا۔[1] کتاب الزکاۃ میں بیان ہو چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے جب مذکورہ فیصلہ کیا تو رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ میں زندہ موجود تھے۔[2] حضرت اسود نے یہ حدیث اس وقت بیان کی جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بیٹی اور بہن کے بارے میں فیصلہ کیا کہ بیٹی کو نصف اور باقی دیگر عصبات کو ملے گا۔[3] ② اصول میراث میں بیٹی، بہن کو عصبہ کر دیتی ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص بیٹی اور بہن چھوڑ کر مر جائے تو قرآنی آیت کے اعتبار سے بیٹی کو نصف اور حدیث کی رو سے باقی نصف بہن کو بطور عصبہ ملے گا۔ واللہ أعلم.

(٧) بَابُ مِيرَاثِ ابْنِ الْابْنِ إِذَا لَمْ يَكُنِ ابْنٌ

باب: 7- پوتے کی میراث جبکہ بیٹا نہ ہو

وَقَالَ ابْنُ ثَابِتٍ: وَلَدُ الْأَبْنَاءِ بِمَنْزِلَةِ الْوَلَدِ إِذَا لَمْ يَكُنْ دُونَهُمْ وَلَدٌ ذَكَرٌ، ذَكَرُهُمْ كَذَكَرِهِمْ، وَأُنْثَاهُمْ كَأُنْثَاهُمْ، يَرِثُونَ كَمَا يَرِثُونَ وَيَحْجُبُونَ كَمَا يَحْجُبُونَ، وَلَا يَرِثُ وَلَدُ الْابْنِ مَعَ الْابْنِ.

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیٹوں کی اولاد بیٹوں کے درجے میں ہے۔ اگر مرنے والے کا کوئی بیٹا نہ ہو تو ایسی صورت میں پوتے بیٹوں کی طرح اور پوتیاں بیٹیوں کی طرح ہوں گی۔ انھیں اسی طرح وراثت ملے گی جس طرح بیٹوں اور بیٹیوں کو ملتی ہے۔ ان کی وجہ سے کچھ رشتے دار اسی طرح حق وراثت سے محروم ہوں گے جس طرح بیٹوں اور بیٹیوں کی موجودگی میں محروم ہو جاتے ہیں، البتہ اگر بیٹا ہو تو پوتا وراثت میں سے کچھ نہیں پائے گا۔

وضاحت: بیٹا پوتے کے لیے حاجب ہے۔ یہ لفظ حجب سے ماخوذ ہے۔ لغوی طور پر اس کے معنی روکنے اور پردہ کرنے کے ہیں۔ اصطلاح میں کسی وارث کی موجودگی دوسرے کو کل یا بعض حصے سے محروم کر دے تو اسے حجب کہتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں: ○ حجب نقصان۔ ○ حجب حرمان۔ حجب نقصان: کسی وارث کا دوسرے کے پائے جانے کی وجہ سے زیادہ حصے سے کم حصے کی طرف منتقل ہو جانا، مثلاً: خاوند کا میت کی اولاد کی وجہ سے نصف سے چوتھائی کی طرف منتقل ہو جانا۔ یہ صرف پانچ افراد میں ہوتا ہے: ○ خاوند۔ ○ بیوی۔ ○ ماں۔ ○ پوتی۔ ○ پدری بہن۔ حجب حرمان: کسی وارث کا دوسرے وارث کی وجہ سے کل حصے سے محروم ہو جانا، مثلاً: بیٹے کی موجودگی میں پوتے اور باپ کی موجودگی میں دادے کا محروم ہو جانا، حجب حرمان ہے۔ مندرجہ

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 6741. [2] فتح الباري: 31/12. [3] فتح الباري: 20/12.

ذیل افراد کے علاوہ باقی تمام ورثاء میں حجب حرمان ممکن ہے۔ ○ أَبَوَيْن (ماں، باپ) ○ زَوْجَين (میاں، بیوی) ○ وَلَدَيْن (بیٹا، بیٹی)۔ حجب حرمان معلوم کرنے کے دو اصول حسب ذیل ہیں: جس وارث کی وجہ سے کوئی شخص میت کی طرف منسوب ہوتو اس کی موجودگی میں وہ محروم ہوجاتا ہے، مثلاً: باپ کی موجودگی میں دادے کا محروم ہوجانا۔ ○ قریب رشتے دار کی موجودگی میں دور والے رشتے دار محروم ہوتے ہیں، مثلاً: بیٹے کی موجودگی میں پوتا محروم ہوجاتا ہے۔

٦٧٣٥ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ: حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا بَقِيَ فَلِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ». [راجع: ٦٧٣٢]

[6735] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مقررہ حصے ان کے حق داروں کو دو اور جو باقی رہ جائے وہ اس (میت) کے قریبی مذکر رشتے دار کے لیے ہے۔“

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے حجب حرمان کا دوسرا اصول معلوم ہوتا ہے کہ قریبی رشتے دار کی موجودگی میں دور والا رشتے دار محروم ہوجاتا ہے، مثلاً: بیٹا ہوتو پوتے کو کچھ نہیں ملتا اور پوتا موجود ہوتو پڑپوتا محروم ہوجاتا ہے۔ ② اگر میت، خاوند، باپ، بیٹی، پوتا اور پوتی چھوڑ جائے تو خاوند کو $\frac{1}{4}$، باپ کو $\frac{1}{6}$، بیٹی کو $\frac{1}{2}$ دیا جائے گا اور باقی پوتے اور پوتی میں اس طرح تقسیم کیا جائے گا کہ پوتے کو پوتی سے دوگنا ملے گا۔ ③ یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ: عصر حاضر میں وراثت کے متعلق جس مسئلے کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے وہ میت کی اپنی حقیقی اولاد کے ہوتے ہوئے یتیم پوتے اور پوتی کی وراثت کا مسئلہ ہے۔ ان کی بے چارگی اور محتاجی کو بنیاد بنا کر اسے بہت اچھالا گیا ہے، حالانکہ اس مسئلے میں رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر بیسویں صدی تک کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا، چنانچہ اس مسئلے میں نہ صرف مشہور فقہی مذاہب، حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ، نیز شیعہ، زیدیہ، امامیہ اور ظاہریہ سب متفق ہیں، بلکہ غیر معروف ائمہ وفقہاء کا بھی اس کے خلاف کوئی قول منقول نہیں کہ دادا کے انتقال پر اگر اس کا بیٹا موجود ہوتو اس کے دوسرے مرحوم بیٹے کی اولاد، یعنی پوتوں کو اس کی جائیداد سے کچھ نہیں ملے گا، البتہ حکومت پاکستان نے 1961ء میں مارشل لاء کا ایک آرڈی نینس (Ordinance) جاری کیا جس کے تحت یہ قانون نافذ کر دیا گیا کہ اگر کوئی شخص مر جائے اور اپنے پیچھے ایسے لڑکے یا لڑکی اولاد چھوڑ جائے جس نے اس کی زندگی میں وفات پائی ہوتو مرحوم یا مرحومہ کی اولاد دیگر بیٹوں کی موجودگی میں اس حصے کو لینے کی حق دار ہوگی جو ان کے باپ یا ماں کو ملنا تھا اگر وہ اس شخص کی وفات کے وقت زندہ ہوتے۔ پاکستان میں اس قانون کے خلاف شریعت ہونے کے متعلق بہت بڑی اکثریت نے دوٹوک فیصلہ کر دیا تھا کہ یہ قانون امت مسلمہ کے اجتماعی نقطۂ نظر کے خلاف ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اللہ تعالیٰ تمھیں تمھاری اولاد کے متعلق حکم دیتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔“[1] اس آیت کریمہ میں لفظ اولاد، ولد کی جمع ہے جو جنے ہوئے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ عربی زبان میں لفظ ولد دو طرح سے مستعمل ہے: ○ حقیقی جو بلا واسطہ جنا ہوا ہو، یعنی بیٹا اور بیٹی وغیرہ۔ ○ مجازی جو کسی واسطے سے جنا

[1] النسآء 4:11.

ذیل افراد کے علاوہ باقی تمام ورثاء میں حجب حرمان ممکن ہے۔ ○ أَبَوَيْن (ماں، باپ) ○ زَوْجَين (میاں، بیوی) ○ وَلَدَيْن (بیٹا، بیٹی)۔ حجب حرمان معلوم کرنے کے دو اصول حسب ذیل ہیں: جس وارث کی وجہ سے کوئی شخص میت کی طرف منسوب ہو تو اس کی موجودگی میں وہ محروم ہو جاتا ہے، مثلاً: باپ کی موجودگی میں دادے کا محروم ہو جانا۔ ○ قریب رشتے دار کی موجودگی میں دور والے رشتے دار محروم ہوتے ہیں، مثلاً: بیٹے کی موجودگی میں پوتا محروم ہو جاتا ہے۔

٦٧٣٥ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ: حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا بَقِيَ فَلِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ». [راجع: ٦٧٣٢]

[6735] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مقررہ حصے ان کے حق داروں کو دو اور جو باقی رہ جائے وہ اس (میت) کے قریبی مذکر رشتے دار کے لیے ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے حجب حرمان کا دوسرا اصول معلوم ہوتا ہے کہ قریبی رشتے دار کی موجودگی میں دور والا رشتے دار محروم ہو جاتا ہے، مثلاً: بیٹا ہو تو پوتے کو کچھ نہیں ملتا اور پوتا موجود ہو تو پڑپوتا محروم ہو جاتا ہے۔ ② اگر میت، خاوند، باپ، بیٹی، پوتا اور پوتی چھوڑ جائے تو خاوند کو $\frac{1}{4}$، باپ کو $\frac{1}{6}$، بیٹی کو $\frac{1}{2}$ دیا جائے گا اور باقی پوتے اور پوتی میں اس طرح تقسیم کیا جائے گا کہ پوتے کو پوتی سے دوگنا ملے گا۔ ③ یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ: عصر حاضر میں وراثت کے متعلق جس مسئلے کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے وہ میت کی اپنی حقیقی اولاد کے ہوتے ہوئے یتیم پوتے اور پوتی کی وراثت کا مسئلہ ہے۔ ان کی بے چارگی اور محتاجی کو بنیاد بنا کر اسے بہت اچھالا گیا ہے، حالانکہ اس مسئلے میں رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر بیسویں صدی تک کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا، چنانچہ اس مسئلے میں نہ صرف مشہور فقہی مذاہب، حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ، نیز شیعہ، زیدیہ، امامیہ اور ظاہریہ سب متفق ہیں، بلکہ غیر معروف ائمہ وفقہاء کا بھی اس کے خلاف کوئی قول منقول نہیں کہ دادا کے انتقال پر اگر اس کا بیٹا موجود ہو تو اس کے دوسرے مرحوم بیٹے کی اولاد، یعنی پوتوں کو اس کی جائیداد سے کچھ نہیں ملے گا، البتہ حکومت پاکستان نے 1961ء میں مارشل لاء کا ایک آرڈی نینس (Ordinance) جاری کیا جس کے تحت یہ قانون نافذ کر دیا گیا کہ اگر کوئی شخص مر جائے اور اپنے پیچھے ایسے لڑکے یا لڑکی اولاد چھوڑ جائے جس نے اس کی زندگی میں وفات پائی ہو تو مرحوم یا مرحومہ کی اولاد دیگر بیٹوں کی موجودگی میں اس حصے کو لینے کی حق دار ہو گی جو ان کے باپ یا ماں کو ملنا تھا اگر وہ اس شخص کی وفات کے وقت زندہ ہوتے۔ پاکستان میں اس قانون کے خلاف شریعت ہونے کے متعلق بہت بڑی اکثریت نے دوٹوک فیصلہ کر دیا تھا کہ یہ قانون امت مسلمہ کے اجتماعی نقطۂ نظر کے خلاف ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ تعالیٰ تمھیں تمھاری اولاد کے متعلق حکم دیتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔''[1] اس آیت کریمہ میں لفظ اولاد، ولد کی جمع ہے جو جنے ہوئے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ عربی زبان میں لفظ ولد دو طرح سے مستعمل ہے: ○ حقیقی جو بلا واسطہ جنا ہوا ہو، یعنی بیٹا اور بیٹی وغیرہ۔ ○ مجازی جو کسی واسطے سے جنا

1. النسآء 4:11.

ہوا ہو، یعنی پوتا اور پوتی۔ بیٹیوں کی اولاد، یعنی نواسی اور نواسے اس لفظ کے مفہوم میں شامل ہی نہیں کیونکہ نسب باپ سے چلتا ہے، اس بنا پر نواسا اور نواسی لفظ ولد میں شامل ہی نہیں کہ انھیں اولاد سمجھ کر حصہ دیا جائے، نیز یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب تک حقیقی معنی کا وجود ہوگا مجازی معنی مراد لینے جائز نہیں ہیں، یعنی لفظ ولد کے حقیقی معنی بیٹے اور بیٹی کی موجودگی میں پوتا اور پوتی مراد نہیں لیے جا سکتے، لہٰذا آیت کریمہ کا واضح مطلب یہ ہوا کہ حقیقی بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتے اور پوتی کا کوئی حق نہیں ہے، خواہ وہ پوتا پوتی زندہ بیٹے سے ہوں یا مرحوم بیٹے سے۔ اس کے متعلق امام جصاص اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''امت کے اہل علم کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حق تعالیٰ کے مذکورہ ارشاد میں صرف اولاد مراد ہے، اور اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ پوتا، حقیقی بیٹے کے ساتھ اس میں شامل نہیں ہے، نیز اس امر میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ اگر حقیقی بیٹا موجود نہ ہو تو اس سے مراد بیٹوں کی اولاد ہے، بیٹیوں کی نہیں، لہٰذا یہ لفظ صلبی اولاد کے لیے ہے اور جب صلبی اولاد نہ ہو تو بیٹے کی اولاد اس میں شامل ہے۔''[1] ③ امام بخاری رحمہ اللہ کی پیش کردہ حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مقررہ حصے لینے والوں کے بعد وہ وارث ہوگا جو میت سے قریب تر ہوگا، چنانچہ بیٹا، درجے کے اعتبار سے پوتے کی نسبت قریب تر ہے، اس لیے پوتے کے مقابلے میں صرف بیٹا وارث ہوگا اور پوتا محروم رہے گا، چنانچہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے جس کی تشریح ہم پہلے کر آئے ہیں۔ ④ واضح رہے کہ شریعت نے وراثت کے سلسلے میں الأقرب فالأقرب کے قانون کو پسند کیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ہر ایک کے لیے ہم نے اس ترکے کے وارث بنائے ہیں جسے والدین اور قریب تر رشتے دار چھوڑ جائیں۔''[2] اس آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قریبی رشتے دار کی موجودگی میں دور والا رشتے دار محروم ہوگا، لہٰذا بیٹے کی موجودگی میں پوتا وراثت سے حصہ نہیں پائے گا۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اسلام نے وراثت کے سلسلے میں رشتے داروں کے فقر واحتیاج اور ان کی بے چارگی کو سرے سے بنیاد ہی نہیں بنایا جیسا کہ یتیم پوتے کے متعلق یہ تأثر دے کر جذباتی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، بلکہ مستقبل میں مالی معاملات کے متعلق ان کی ذمہ داری کو بنیاد قرار دیا ہے۔ اگر اس سلسلے میں کسی کا محتاج اور بے بس ہونا بنیاد ہوتا تو لڑکی کو لڑکے کے مقابلے میں دوگنا حصہ ملنا چاہیے تھا کیونکہ لڑکے کے مقابلے میں لڑکی مال و دولت کی زیادہ ضرورت مند ہے، اور اس کی بے چارگی کے سبب میت کے مال میں اسے زیادہ حق دار قرار دیا جانا چاہیے تھا جبکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اس کا واضح مطلب ہے کہ وراثت میں حاجت مندی، عدم کسب معاش یا بے چارگی قطعاً ملحوظ نہیں ہے، البتہ اسلام نے اس جذباتی مسئلے کا حل یوں پیش کیا ہے کہ مرنے والا اپنے یتیم پوتے، پوتیوں اور دیگر غیر وارث حاجت مند رشتہ داروں کے حق میں مرنے سے پہلے اپنے ترکے سے $\frac{1}{3}$ حصے کی وصیت کر جائے۔ اگر کوئی یتیم پوتے پوتیوں کے موجودگی میں دیگر غیر وارث افراد یا کسی خیراتی ادارے کے لیے وصیت کرتا ہے تو حاکم وقت کو اختیار ہونا چاہیے کہ وہ اس وصیت کو ان کے حق میں کالعدم قرار دے کر ضرورت مند یتیم پوتے پوتیوں کے حق میں اسے نافذ قرار دے، ہاں اگر دادا نے اپنی زندگی میں یتیم پوتے پوتیوں کو بذریعۂ ہبہ جائیداد سے کچھ حصہ پہلے ہی دے دیا ہے تو اس صورت میں وصیت کو کالعدم قرار دینے کے بجائے اسے جوں کا توں نافذ کر دیا جائے۔ والله أعلم.

---

1 أحكام القرآن: 96/2. 2 النسآء 33:4.

(٨) بَابُ مِيرَاثِ ابْنَةِ ابْنٍ مَعَ ابْنَةٍ

باب:8- بیٹی کے ساتھ پوتی کی وراثت کا بیان

٦٧٣٦ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا أَبُو قَيْسٍ: سَمِعْتُ هُزَيْلَ بْنَ شُرَحْبِيلَ قَالَ: سُئِلَ أَبُو مُوسٰى عَنِ ابْنَةٍ وَابْنَةِ ابْنٍ وَأُخْتٍ، فَقَالَ: لِلِابْنَةِ النِّصْفُ، وَلِلْأُخْتِ النِّصْفُ، وَائْتِ ابْنَ مَسْعُودٍ فَسَيُتَابِعُنِي، فَسُئِلَ ابْنُ مَسْعُودٍ وَأُخْبِرَ بِقَوْلِ أَبِي مُوسٰى، فَقَالَ: لَقَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ، أَقْضِي فِيهَا بِمَا قَضَى النَّبِيُّ ﷺ لِلِابْنَةِ النِّصْفُ، وَلِابْنَةِ الِابْنِ السُّدُسُ تَكْمِلَةَ الثُّلُثَيْنِ، وَمَا بَقِيَ فَلِلْأُخْتِ، فَأَتَيْنَا أَبَا مُوسٰى فَأَخْبَرْنَاهُ بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ، فَقَالَ: لَا تَسْأَلُونِي مَا دَامَ هٰذَا الْحَبْرُ فِيكُمْ. [انظر: ٦٧٤٢]

[6736] حضرت ہذیل بن شرحبیل سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے بیٹی، پوتی اور بہن کی وراثت کے متعلق دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: بیٹی کے لیے نصف اور بہن کے لیے بھی نصف ہے۔ تم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ وہ بھی اس مسئلے میں میری موافقت کریں گے۔ پھر جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا اور انھیں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی بات پہنچائی گئی تو انھوں نے فرمایا: اگر میں ایسا فتویٰ دوں تو یقیناً میں گمراہ ہو گیا اور ٹھیک راستے سے بھٹک گیا۔ میں اس کے متعلق وہی فیصلہ کروں گا جو نبی ﷺ نے کیا تھا کہ بیٹی کو نصف ملے گا، پوتی کو چھٹا حصہ دیا جائے گا، اس طرح دو تہائی پورے ہو جائیں گے اور جو باقی بچے گا وہ بہن کو دیا جائے گا۔ ہم دوبارہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انھیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتویٰ سے آگاہ کیا تو انھوں نے فرمایا: جب تک علم کا یہ سمندر تم میں موجود ہے مجھ سے مسائل نہ پوچھا کرو۔

فوائد ومسائل: ① یہ واقعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پیش آیا کیونکہ انھوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا حاکم بنایا تھا۔ اس سے پہلے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ وہاں کے امیر تھے۔ انھیں معزول کر کے ان کی جگہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی تعیناتی عمل میں آئی تھی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ مذکورہ فتویٰ دینے میں سلمان بن ربیعہ باہلی بھی شریک تھے جنھیں جنگی گھوڑوں کے متعلق بہت مہارت تھی، اس لیے انھیں سلمان الخیل کہا جاتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتوے کے بعد دونوں حضرات نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا تھا۔[1] ② حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے فتوے کی بنیاد قرآن کی ظاہری آیات تھیں کیونکہ قرآن کریم میں ایک بیٹی کے متعلق نصف حصہ ملنے کی صراحت موجود ہے۔ اسی طرح ایک بہن کو نصف ملنے کی بھی وضاحت ہے۔ جب میت کا ترکہ پورا تقسیم ہو گیا تو بہن کے لیے کچھ نہیں بچا، اس لیے وہ محروم ہو گئی، لیکن حضرت

[1] فتح الباري: 12/23.

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا موقف تھا کہ اللہ تعالیٰ نے لڑکیوں کو زیادہ سے زیادہ دو تہائی دیا ہے، جب ایک لڑکی کو نصف دیا تو دو تہائی سے $\frac{1}{6}$ باقی بچا جو دو تہائی پورا کرنے کے لیے پوتی کو دیا جائے گا۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بنایا جائے،[1] اس لیے دو تہائی سے باقی ماندہ $\frac{1}{3}$ بہن کو مل جائے گا۔ اس کی تائید رسول اللہ ﷺ کے فیصلے سے بھی ہوتی ہے، جس کی طرف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اشارہ فرمایا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(۹) بَابُ مِيرَاثِ الْجَدِّ مَعَ الْأَبِ وَالْإِخْوَةِ

باب:9- باپ اور بھائیوں کے ساتھ دادے کی وراثت کا بیان

وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ وَّابْنُ عَبَّاسٍ وَّابْنُ الزُّبَيْرِ: اَلْجَدُّ: أَبٌ. وَقَرَأَ ابْنُ عَبَّاسٍ ﴿يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ﴾ [الأعراف:٢٦] ﴿وَٱتَّبَعْتُ مِلَّةَ ءَابَآءِيٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ﴾ [يوسف:٣٨] وَلَمْ يُذْكَرْ أَنَّ أَحَدًا خَالَفَ أَبَا بَكْرٍ فِي زَمَانِهِ وَأَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ مُتَوَافِرُونَ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: يَرِثُنِي ابْنُ ابْنِي دُونَ إِخْوَتِي، وَلَا أَرِثُ أَنَا ابْنَ ابْنِي، وَيُذْكَرُ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَّابْنِ مَسْعُودٍ وَّزَيْدٍ أَقَاوِيلُ مُخْتَلِفَةٌ.

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: دادا، باپ کی طرح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بطور دلیل یہ آیات پڑھیں: ''اے آدم کے بیٹو!'' (حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا:) ''میں نے اپنے باپ ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے مسلک کو اختیار کیا ہے۔'' اس امر کا کہیں ذکر نہیں ہے کہ اس وقت کسی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ان کے زمانے میں اختلاف کیا ہو، حالانکہ نبی ﷺ کے صحابۂ کرام کی تعداد اس وقت بہت زیادہ تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مزید کہا: میرے وارث میرے پوتے ہوں گے بھائی نہیں ہوں گے لیکن میں اپنے پوتوں کا وارث نہیں ہوں گا۔ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے اس مسئلے میں مختلف اقوال منقول ہیں۔

وضاحت: عنوان میں جد سے مراد جد صلبی ہے جو باپ کی طرف سے ہوتا ہے، جیسے: دادا پڑدادا وغیرہ۔ جد رحمی مراد نہیں ہے، جو ماں کی طرف سے ہوتا ہے، مثلاً: نانا، پڑنانا وغیرہ۔ اسی طرح بھائیوں سے مراد حقیقی یا پدری بھائی ہیں، مادری بھائی مراد نہیں ہیں۔ اس امر پر علمائے امت کا اجماع ہے کہ باپ کی موجودگی میں دادا وارث نہیں ہوتا اور دادا باپ کے قائم مقام ہوتا ہے لیکن قرب اور بُعد کے اعتبار سے ان کے مراتب مختلف ہوتے ہیں۔ باپ کی طرح دادے کی حسب ذیل تین حالتیں ہیں: * جب میت کی مذکر فرع وارث ہو، جیسے: بیٹا پوتا وغیرہ تو دادے کو میت کے ترکے سے چھٹا حصہ ملتا ہے۔ * جب میت کی

[1] صحيح البخاري، الفرائض، حديث: 6742.

مؤنث فرع وارث ہو، جیسے: بیٹی، پوتی وغیرہ تو دادا چھٹے حصے کے ساتھ عصبہ بھی ہوتا ہے۔ * جب میت کی کوئی فرع وارث نہ ہو تو دادا بطور عصبہ اس کے ترکے سے حصہ پائے گا۔ واضح رہے کہ مندرجہ ذیل صورتوں میں باپ، دادے سے مختلف حیثیت کا حامل ہو گا۔ * باپ کی موجودگی میں دادے کی طرح دادی بھی وارث نہیں ہوتی لیکن دادے کی موجودگی میں دادی وارث ہوگی۔ * باپ کی موجودگی میں دو صورتیں ایسی ہیں کہ ماں کو بقیہ مال کا تہائی ملتا ہے۔ * خاوند فوت ہو جائے اور اس کے وارث بیوی، ماں اور باپ ہوں۔ * بیوی فوت ہو جائے اور اس کے وارث خاوند، ماں اور باپ ہوں۔ ان دونوں صورتوں میں اگر باپ کے بجائے دادا ہو تو ماں کو کل ترکے سے تہائی ملتا ہے۔ * باپ کی موجودگی میں تمام قسم کے بھائی بالاتفاق محروم ہوتے ہیں لیکن دادا کی موجودگی میں ماوری بھائی تو بالاتفاق محروم ہوتے ہیں، لیکن حقیقی اور پدری بھائیوں کے متعلق اختلاف ہے جس کی تفصیل ہم آئندہ حدیث کے فوائد میں بیان کریں گے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف سے دو آیات کا بھی حوالہ دیا ہے۔ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو آدم کے بیٹے کہا ہے تو گویا وہ باپ ہوئے، حالانکہ وہ جد اکبر ہیں۔ دوسری آیت میں حضرت ابراہیم اور اسحاق علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے باپ کہا ہے، حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پڑدادا اور حضرت اسحاق علیہ السلام دادا ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنے متعلق کہا تھا کہ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں، حالانکہ آپ ان کے پوتے تھے، گویا عبدالمطلب کو آپ نے باپ قرار دیا جبکہ وہ دادا تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دادا، باپ کے قائم مقام ہے۔ جب باپ کی موجودگی میں بھائی محروم ہیں تو دادا کی موجودگی میں بھی محروم ہوں گے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ دادا، تمام معاملات میں باپ کا قائم مقام ہوتا ہے۔ واللہ أعلم.

٦٧٣٧ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا بَقِيَ فَلِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ». [راجع: ٦٧٣٢]

[6737] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''مقررہ حصے ان کے حقداروں تک پہنچا دو اور جو باقی رہ جائے وہ میت کے سب سے زیادہ قریب والے مرد کے لیے ہے۔''

٦٧٣٨ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: أَمَّا الَّذِي قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِّنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُهُ وَلٰكِنْ أُخُوَّةُ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ، أَوْ قَالَ: خَيْرٌ»، فَإِنَّهُ أَنْزَلَهُ أَبًا أَوْ قَالَ: قَضَاهُ أَبًا. [راجع: ٤٦٧]

[6738] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا ہے: ''اگر میں اس امت میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا لیکن اسلام کی دوستی افضل یا بہتر ہے۔'' ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دادے کو باپ کے قائم مقام قرار دیا ہے، یا انھوں نے فیصلہ دیا ہے کہ دادا، باپ کی جگہ پر ہے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے باپ اور بھائی کے ساتھ دادے کی وراثت کو بیان کیا ہے۔ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ باپ کی موجودگی میں دادا محروم رہتا ہے اور اس امر پر امت کے علماء کا اجماع ہے۔[1] نیز باپ کی موجودگی میں ہر قسم کے بھائی ترکے سے محروم قرار پاتے ہیں۔ اب دادے کی موجودگی میں بھائیوں کو میت کی جائیداد سے حصہ ملے گا یا نہیں، اس کے متعلق علمائے امت میں اختلاف ہے۔ حضرت ابوبکر، حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اور ائمہ اربعہ میں سے حضرت ابوحنیفہ کے نزدیک دادے کی موجودگی میں بھائی محروم رہتے ہیں کیونکہ دادا، باپ کے قائم مقام ہے، البتہ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور ائمہ اربعہ میں سے امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا موقف ہے کہ دادے کی موجودگی میں حقیقی اور پدری بھائی وارث ہوں گے لیکن ان کا طریقۂ تقسیم بہت پیچیدہ ہے۔ اسے علم میراث کی اصطلاح میں مقاسمة الجد کہا جاتا ہے، یعنی میت کی جائیداد کو دادے اور اس کے بہن بھائیوں میں تقسیم کرنے کا طریق کار۔ ہم اس کی وضاحت بیان کیے دیتے ہیں: اگر دادے اور میت کے بہن بھائیوں کے ساتھ دیگر اصحاب الفروض بھی ہوں اور ان کا مقررہ حصہ انھیں دینے کے بعد کل ترکے کا $\frac{1}{6}$ بچے تو وہ دادے کو دیا جائے گا، اس صورت میں بہن بھائی محروم ہوں گے، مثلاً: میت کے وارث خاوند، ماں، دادا اور بہن بھائی ہیں تو کل ترکے کے چھ حصے ہوں گے: خاوند کا حصہ $\frac{1}{2}$، یعنی کل جائیداد کے تین حصے، ماں کا حصہ $\frac{1}{3}$، یعنی کل جائیداد کے دو حصے، باقی ایک حصہ بچا جو کل ترکے کا چھٹا حصہ ہے وہ دادے کو مل جائے گا اور بہن بھائی محروم ہوں گے۔ اگر اصحاب الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد باقی $\frac{1}{6}$ سے کم ہو تو دادے کا چھٹا حصہ بطریق عول (ابتدائی تقسیم کے بعد مزید ردوبدل کے ذریعے سے) پورا کیا جائے گا، بہن بھائی محروم رہیں گے، مثلاً: میت کے وارث خاوند، بیٹی، ماں، دادا اور دیگر بہن بھائی ہیں تو کل جائیداد کے بارہ حصے ہوں گے: خاوند کا $\frac{1}{4}$، یعنی تین حصے، لڑکی $\frac{1}{2}$، یعنی چھ حصے، ماں کا $\frac{1}{6}$، یعنی دو حصے دادے کے لیے صرف ایک حصہ بچا جو کل ترکے کا بارھواں حصہ ہے، اس لیے یہاں عول کے اصول پر بارہ کے بجائے تیرہ حصے کر کے دادے کو ان میں سے دو دیے جائیں گے۔ اگر دوسرے اصحاب الفروض کو دینے کے بعد کل ترکے کے چھٹے حصے سے زیادہ بچے تو پھر مقاسمہ ہوگا، یعنی دادے کو ایک بھائی سمجھ کر دادے اور دوسرے بہن بھائیوں کے درمیان ترکہ تقسیم ہوگا۔ ② حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا موقف ہے کہ دادے کے ساتھ بہن بھائیوں کی تین صورتیں ہیں: ○ اگر صرف دادا اور بہن بھائی وارث ہوں تو مقاسمہ یا تمام ترکے کا تہائی، ان دو صورتوں میں جو صورت دادے کے لیے بہتر ہوگی اسے اختیار کیا جائے گا، مثلاً: دادا اور ایک بھائی ہو تو اس صورت میں دادے کے لیے مقاسمہ بہتر ہے کیونکہ اس طرح دادا آدھی جائیداد کا حق دار ہوگا اور اگر وارث دادا اور تین بھائی ہیں تو پھر دادے کے لیے کل ترکے کا ایک تہائی بہتر ہے، اس لیے کہ مقاسمہ کی صورت میں اسے $\frac{1}{4}$ ملے گا جو $\frac{1}{3}$ سے کم ہے۔ ○ اگر دادے اور بہن بھائیوں کے ساتھ دیگر اصحاب الفروض بھی ہوں اور اصحاب الفروض کو ان کا حصہ دینے کے بعد کچھ بچے تو اگر چھٹے حصے سے زیادہ باقی بچے تو ایسی حالت میں دادے کے لیے حسب ذیل تین صورتیں اختیار کی جاتی ہیں، ان میں بہتر صورت کو دیکھا جائے: ○ مقاسمہ، ○ باقی ترکے کا تہائی۔ ○ کل

---

[1] فتح الباري: 24/12.

ترکے کا چھٹا حصہ۔مثال: میت کے وارث خاوند، دادا اور بھائی ہیں تو اس صورت میں مقاسمہ بہتر ہے کیونکہ اس طرح دادے کو کل ترکے کا $\frac{1}{4}$ ملے گا اور اگر میت کے وارث ماں، دادا پانچ بہنیں ہوں تو اس صورت میں باقی ترکے کی تہائی بہتر ہے اور اگر وارث خاوند، ماں، دادا اور دو بھائی ہیں تو اس صورت میں دادے کے لیے کل ترکے کا چھٹا حصہ بہتر ہے۔ ○ اگر دادے اور بہن بھائیوں کے ساتھ دیگر اصحاب الفروض بھی ہیں اور اصحاب الفروض کو دینے کے بعد باقی چھٹا حصہ بچتا ہو تو اس صورت میں دادے کو چھٹا حصہ دیا جائے گا اور بہن بھائی سب محروم ہوں گے، مثلاً: میت کے وارث خاوند، ماں، دادا اور دیگر بھائی ہیں تو کل ترکے کے چھے حصے ہوں گے: خاوند کا نصف تین حصے، ماں کا تہائی، یعنی دو حصے، باقی ایک حصہ بچا جو کل ترکے کا $\frac{1}{6}$ ہے وہ دادے کو ملے گا اور بہن بھائی محروم ہوں گے۔ اگر اصحاب الفروض کو دینے کے بعد چھٹے حصے سے کم بچے تو بہن بھائی محروم اور دادے کا چھٹا حصہ بطریق عول پورا کیا جائے گا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں جو احادیث پیش کی ہیں ان سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے موقف کی تائید ہوتی ہے کہ دادے کی موجودگی میں حقیقی اور پدری بہن بھائی محروم ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسی موقف کو اختیار کیا ہے۔ واللہ أعلم.

(١٠) بَابُ مِيرَاثِ الزَّوْجِ مَعَ الْوَلَدِ وَغَيْرِهِ

باب: 10- اولاد وغیرہ کی موجودگی میں شوہر کی میراث

٦٧٣٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ وَرْقَاءَ، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ الْمَالُ لِلْوَلَدِ، وَكَانَتِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ، فَنَسَخَ اللهُ مِنْ ذٰلِكَ مَا أَحَبَّ، فَجَعَلَ لِلذَّكَرِ مِثْلَ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ، وَجَعَلَ لِلْأَبَوَيْنِ، لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسَ، وَجَعَلَ لِلْمَرْأَةِ الثُّمُنَ وَالرُّبُعَ، وَلِلزَّوْجِ الشَّطْرَ وَالرُّبُعَ. [راجع: ٢٧٤٧]

[6739] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: پہلے سارا مال اولاد کے لیے ہوتا تھا اور والدین کے لیے وصیت تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس میں سے جو چاہا منسوخ کر دیا اور لڑکوں کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ دیا، نیز والدین میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ دیا۔ اس کے علاوہ بیوی کے لیے آٹھواں اور چوتھا حصہ مقرر فرمایا اور شوہر کو نصف یا چوتھائی حصے کا حق دار قرار دیا۔

فوائد ومسائل: ① دور جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ ترکے کی وارث صرف بالغ اولاد نرینہ ہوا کرتی تھی، ماں، باپ اور قریبی رشتے دار محروم رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت کی رو سے والدین اور قریبی رشتے داروں کے لیے وصیت فرض کر دی: ''تم پر فرض کر دیا گیا کہ اگر تم میں سے کسی کو موت آجائے اور وہ کچھ مال و دولت چھوڑے جا رہا ہو تو مناسب طور پر اپنے والدین اور قریبی رشتے داروں کے حق میں وصیت کر جائے۔''[1] پھر اللہ تعالیٰ نے آیت میراث کے ذریعے سے اس آیت کو

---

① البقرة 2:180.

منسوخ کر دیا اور والدین، نیز قریبی رشتے داروں کے لیے حصے مقرر کر دیے۔ آیت میراث یہ ہے: ''اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔''[1] ② اس آیت میں شوہر کے حصے بھی متعین کر دیے۔ اس کی دو حالتیں ہیں: ○ جب فوت شدہ بیوی کی اولاد اور نرینہ اولاد کی اولاد نہ ہو تو اسے $\frac{1}{2}$ ملتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اگر تمھاری بیویوں کی اولاد نہ ہو تو ان کے ترکے سے تمھارے لیے $\frac{1}{2}$ ہے۔''[2] ○ جب فوت شدہ بیوی کی اولاد یا نرینہ اولاد کی اولاد موجود ہو تو اسے $\frac{1}{4}$ ملتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اگر بیویوں کی اولاد ہو تو تمھارے لیے ترکے سے چوتھا حصہ ہے۔''[3] واضح رہے کہ بیوی کی اولاد، خواہ موجودہ خاوند سے ہو یا سابقہ سے اس صورت میں خاوند صرف $\frac{1}{4}$ کا حق دار ہوگا۔

(١١) بَابُ مِيرَاثِ الْمَرْأَةِ وَالزَّوْجِ مَعَ الْوَلَدِ وَغَيْرِهِ

باب: 11- اولاد وغیرہ کی موجودگی میں بیوی اور شوہر کی میراث

٦٧٤٠ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ: قَضَى رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي جَنِينِ امْرَأَةٍ مِّنْ بَنِي لِحْيَانَ سَقَطَ مَيِّتًا، بِغُرَّةٍ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ، ثُمَّ إِنَّ الْمَرْأَةَ الَّتِي قَضَى لَهَا بِالْغُرَّةِ تُوُفِّيَتْ، فَقَضَى رَسُولُ اللهِ ﷺ بِأَنَّ مِيرَاثَهَا لِبَنِيهَا وَزَوْجِهَا، وَأَنَّ الْعَقْلَ عَلَى عَصَبَتِهَا. [راجع: ٥٧٥٨]

[6740] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے بنولحیان کی ایک عورت کے جنین کے متعلق فیصلہ فرمایا جو مردہ پیدا ہوا تھا کہ مارنے والی عورت ایک غلام یا لونڈی خون بہا کے طور پر ادا کرے، پھر وہ عورت جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا مر گئی تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کی وراثت اس کے بیٹوں اور شوہر کے لیے ہے جبکہ دیت اس کے کنبے والوں کو ادا کرنا ہوگی۔

فوائد ومسائل: ① قبیلۂ بنولحیان کی دو عورتیں لڑ پڑیں۔ ان میں سے ایک نے دوسری کو پتھر مارا تو دوسری کے پیٹ میں جو بچہ تھا وہ مر گیا تو نبی ﷺ نے مارنے والی پر تاوان ڈالا کہ وہ ایک غلام یا لونڈی ادا کرے۔ ② اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ بیوی کسی حالت میں بھی وراثت سے محروم نہیں رہتی۔ اس کی درج ذیل دو حالتیں ہیں: ○ جب فوت شدہ خاوند کی اولاد یا نرینہ اولاد کی اولاد نہ ہو تو بیوی کو ترکے میں سے $\frac{1}{4}$ ملتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے: ''اگر تمھاری اولاد نہ ہو تو ان بیویوں کے لیے تمھارے ترکے کا $\frac{1}{4}$ ہے۔''[4] ○ اگر مرنے والے خاوند کی اولاد یا نرینہ اولاد کی اولاد نہ ہو تو بیوی کو ترکے میں سے $\frac{1}{8}$ ملتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اگر تمھاری اولاد نہ ہو تو تمھاری بیویاں تمھارے ترکے سے $\frac{1}{8}$ کی حق دار ہوں گی۔''[5] واضح رہے کہ بیوی ایک ہو یا متعدد ان کا مقررہ حصہ وہی ہے جو آیات بالا میں بیان ہوا ہے متعدد ہونے کی صوت میں اس مقررہ حصے کو

1 النسآء 11:4. 2 النسآء 12:4. 3 النسآء 12:4. 4 النسآء 12:4. 5 النسآء 12:4.

تقسیم کریں گے، نیز رجعی طلاق کی عدت میں بھی عورت وارث ہوگی۔ اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ کے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ جب خاوند اولاد کے ساتھ اپنی بیوی کا وارث ہوا تو بیوی بھی اولاد کے ہمراہ اپنے خاوند کے ترکے سے حصہ پائے گی، جبکہ تاوان وغیرہ کنبے والوں کو ادا کرنا پڑتا ہے کیونکہ تنگی اور آسانی میں قبیلے والے ہی ذمہ دار ہوتے ہیں۔ واللّٰہ أعلم.

(١٢) بَابُ مِيرَاثِ الْأَخَوَاتِ مَعَ الْبَنَاتِ عَصَبَةً

باب:12- بہنوں کی وراثت جبکہ وہ بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بن جائیں

وضاحت: مرنے والوں کی اولاد ہو تو حقیقی یا پدری بہنوں کی دو حالتیں ہیں: ○ جب مرنے والے کی مؤنث فرع وارث ہو تو بہنیں بطور عصبہ وارث ہوتی ہیں۔ ○ جب مرنے والے کی مذکر فرع وارث ہو تو بہنیں محروم ہوتی ہیں۔ اس عنوان کے تحت پہلی حالت کو بیان کیا ہے کہ بیٹیوں کے ہمراہ بہنیں عصبہ بن جاتی ہیں۔

٦٧٤١ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ: قَضَى فِينَا مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ: النِّصْفُ لِلِابْنَةِ، وَالنِّصْفُ لِلْأُخْتِ. ثُمَّ قَالَ سُلَيْمَانُ: قَضَى فِينَا، وَلَمْ يَذْكُرْ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ. [راجع: ٦٧٣٤]

[6741] حضرت اسود بن یزید سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہمارے درمیان یہ فیصلہ کیا تھا کہ آدھا بیٹی کو ملے گا اور آدھا بہن کو۔ پھر سلیمان نے یہ حدیث بیان کی تو اتنا ہی کہا کہ (حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے) ہمارے درمیان فیصلہ کیا تھا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک کا ذکر نہیں کیا۔

فوائد ومسائل: ① علمائے امت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ بہنیں، بیٹیوں کے ہمراہ عصبہ ہوتی ہیں، یعنی بیٹیوں کا حصہ دینے کے بعد جو باقی بچے وہ بہنوں کو ملے گا۔ اس کی متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں، مثلاً: ○ اگر میت کی ایک بیٹی اور ایک بہن ہو تو نصف دینے کے بعد باقی نصف کی حق دار بہن ہے۔ ○ اگر میت کی ایک بیٹی، ایک پوتی اور ایک بہن ہے تو بیٹی کو نصف، پوتی کو $\frac{1}{6}$، جب دو تہائیاں پوری ہو گئیں تو باقی ایک تہائی کی وارث بہنیں ہوں گی۔ ○ اگر دو بیٹیاں اور ایک بہن ہو تو بیٹیوں کو دو تہائی دیں گے اور باقی ایک تہائی بہن کو دیا جائے گا۔ ② اس اجماعی موقف سے صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اختلاف کیا ہے۔ ان کے نزدیک بیٹی کی موجودگی میں بہن وارث نہیں ہوگی بلکہ اگر کوئی دوسرا عصبہ موجود ہے تو بیٹی سے بچا ہوا ترکہ اسے ملے گا بصورت دیگر وہ بیٹی کو بطور رد دے دیا جائے گا۔ بہرحال دلائل کا تقاضا ہے کہ بہنوں کو بیٹیوں کے ہمراہ عصبہ قرار دیا جائے جیسا کہ آئندہ حدیث سے معلوم ہوگا۔

٦٧٤٢ - حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ

[6742] حضرت ہذیل سے روایت ہے، انھوں نے کہا

الرَّحْمٰنِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي قَيْسٍ، عَنْ هُزَيْلٍ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: لَأَقْضِيَنَّ فِيهَا بِقَضَاءِ النَّبِيِّ ﷺ: لِلْاِبْنَةِ النِّصْفُ، وَلِابْنَةِ الْاِبْنِ السُّدُسُ، وَمَا بَقِيَ فَلِلْأُخْتِ. [راجع: ٦٧٣٦]

کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تو اس معاملے میں وہی فیصلہ کروں گا جو نبی ﷺ نے کیا تھا، آپ نے بیٹی کو نصف، پوتی کو چھٹا حصہ اور جو باقی بچا وہ بہن کو دیا تھا۔

فوائد ومسائل: ① قبل ازیں ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے وراثت کا ایک سوال کیا گیا کہ بیٹی، پوتی اور بہن کی وراثت کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں تو انھوں نے فرمایا کہ بیٹی کے لیے نصف اور بہن کے لیے نصف ہے۔ تم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور وہ بھی اس مسئلے میں میری موافقت کریں گے۔ جب وہ لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انھیں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا فیصلہ بتایا گیا تو انھوں نے یہ حدیث بیان کی۔[1] ② سابقہ حدیث کے فوائد میں ہم نے وضاحت کی تھی کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بالآخر اپنے موقف سے رجوع کر لیا تھا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر عصبات اور ان کی قسمیں بیان کر دی جائیں، چنانچہ میت کے وہ قریبی رشتے دار عصبہ کہلاتے ہیں جن کے حصے متعین نہیں ہیں بلکہ اصحاب الفرائض سے بچا ہوا ترکہ لیتے ہیں۔ ان کی عدم موجودگی میں تمام ترکے کے وارث بنتے ہیں۔ اگر کچھ نہ بچے تو محروم رہتے ہیں۔ عام طور پر خونی رشتے داروں کی تین قسمیں ہیں: ○ عصبہ بالنفس: میت کے وہ مذکر رشتہ دار کہ میت کی طرف اگر ان کی نسبت کی جائے تو درمیان میں کسی مؤنث کا واسطہ نہ آئے اور عصبہ بننے میں کسی دوسرے کے محتاج نہ ہوں۔ ان کی چار جہات ہیں۔ ○ بیٹا ہونا: میت کا بیٹا، اس کی عدم موجودگی میں پوتا پھر پڑپوتا آخر تک۔ اسے جزء المیت کہا جاتا ہے۔ ○ باپ ہونا: میت کا باپ، اس کی عدم موجودگی میں دادا، پھر پڑدادا آخر تک۔ اسے اصل المیت کہا جاتا ہے۔ ○ بھائی ہونا: میت کا بھائی، اس کی عدم موجودگی میں بھتیجا آخر تک۔ اسے جزء أب المیت کہا جاتا ہے۔ ○ چچا ہونا: میت کا چچا اس کی عدم موجودگی میں چچا کا بیٹا آخر تک۔ اسے جزء جد المیت کہا جاتا ہے۔ ○ عصبہ بالغیر، ہر وہ مؤنث جو مقررہ حصہ لیتی ہو اور اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ بنے۔ یہ قسم عصبہ بننے میں کسی دوسرے کی محتاج ہوتی ہے اور وہ دوسرا بھی عصبہ ہوتا ہے۔ یہ چار فرد ہیں: بیٹی، پوتی، حقیقی بہن اور پدری بہن۔ ان میں ترکہ اس طرح تقسیم کیا جاتا ہے کہ مذکر کو مؤنث سے دوگنا دیا جائے۔ ○ عصبہ مع الغیر: ہر وہ مؤنث جو کسی دوسری مقررہ حصہ لینے والی مؤنث کی وجہ سے عصبہ بنے۔ اس صورت میں مقررہ حصہ لینے والی عصبہ نہیں بنے گی بلکہ دوسری مؤنث کو عصبہ بنائے گی۔ اس قسم میں صرف حقیقی بہن اور پدری بہن آتی ہے جس وقت اس کے ساتھ میت کی بیٹی یا پوتی ہو۔ ③ واضح رہے کہ وراثت میں اس عصبہ کو مقدم کیا جاتا ہے جو درجے میں میت کے زیادہ قریب ہو، مثلاً: بیٹا، پوتے سے زیادہ حق دار ہوگا، اسی طرح قوی قرابت دار، ضعیف سے مقدم ہوگا، مثلاً: حقیقی بھائی، پدری بھائی سے مقدم ہوگا۔ ④ بیٹا، پوتا، حقیقی بھائی اور پدری بھائی، اپنی بہنوں کو عصبہ بناتے ہیں جبکہ چچا، اس کا بیٹا، حقیقی بھائی کا بیٹا اور پدری بھائی کا بیٹا اپنی بہنوں کو

1 صحيح البخاري، الفرائض، حديث: 6736.

عصبہ نہیں بناتے ہیں۔ واللہ أعلم. ⑤ جب حقیقی بہن، بیٹی کی موجودگی میں عصبہ بن جائے تو وہ حقیقی بھائی کی سی حیثیت اختیار کر لیتی ہے، یعنی جو رشتے دار حقیقی بھائی کی وجہ سے محروم ہوتے ہیں وہ حقیقی بہن کے عصبہ بننے سے بھی محروم ہو جائیں گے۔ ⑥ ایک مشہور اشکال کا جواب دینا بھی ضروری ہے۔ اس اشکال کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی فوت ہوا، پس ماندگان میں ایک بیٹی، ایک بہن اور ایک سوتیلا، یعنی پدری بھائی ہے، بیٹی کو تمام ترکے سے نصف دینے کے بعد باقی ماندہ ترکہ کسے ملے گا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک روایت ہے کہ مقررہ حق لینے والوں کو ان کا حق دو اور جو باقی بچے وہ میت کے قریبی مذکر رشتے دار کے لیے ہے۔[1] اس روایت کا تقاضا ہے کہ باقی ترکہ پدری بھائی کو ملنا چاہیے اور بہن محروم ہے اور مذکورہ عنوان کہ بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بنایا جائے، اس کا تقاضا ہے کہ باقی ماندہ ترکے کی حق دار حقیقی بہن ہے، سوتیلا بھائی محروم ہے۔ اس صورت میں کس کو ترجیح دی جائے اور کیوں؟ فتاویٰ ثنائیہ میں مذاکرۂ علمیہ کے عنوان سے اس اشکال اور اس کے حل کو پیش کیا گیا ہے جو صفحہ 510 تا 518 جلد: 2 میں ہے۔ ہم اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کا مفہوم علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ اس میں لفظ ''ذکر أولٰی'' کی صفت ہے رَجُلٍ کی نہیں۔ أَولٰی کے معنی قریب کے ہیں، اس بنا پر حدیث کے معنی یہ ہوئے کہ باقی ماندہ ترکہ میت کے اس مذکر قریبی رشتے دار کا ہے جو صلب (باپ) کی طرف سے ہو، نہ اس کے لیے جو بطن (ماں) کی جانب سے ہو۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ میراث کی نفی اس قریبی رشتے دار سے کی گئی ہے جو ماں کی طرف سے ہے، مثلاً: ماموں وغیرہ اور لفظ ذکر سے میراث کی نفی عورت سے ہے اگرچہ وہ میت کی جانب باعتبار صلب کے منسوب ہو، جیسے: پھوپھی وغیرہ۔

علامہ طحاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جو لوگ مذکورہ صورت میں بہن کو محروم کرتے ہیں وہ قرآن مجید کی اس آیت سے دلیل لیتے ہیں: ''اگر کوئی شخص بے اولاد مر جائے اور اس کی ایک بہن ہی ہو تو اسے ترکے کا نصف ملے گا۔''[2] ان کا کہنا ہے کہ بیٹی (اولاد) کی موجودگی میں بہن کو نصف دینا بظاہر قرآن کے خلاف لگتا ہے، نیز حدیث میں ہے کہ بیٹی کو حصہ دینے کے بعد باقی قریبی مذکر رشتے دار کا ہے، اس لیے بہن مذکر رشتے دار نہیں کہ اسے بیٹی سے بچا ہوا دیا جائے۔ علامہ طحاوی رحمہ اللہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ میت نے اگر بیٹی اور سوتیلا بھائی چھوڑا ہو تو اس امر پر اجماع ہے کہ بیٹی کو نصف اور باقی نصف سوتیلے بھائی کو ملے گا، حالانکہ یہ بھی بظاہر قرآن کے خلاف ہے، تاہم آیت میں ولد سے مراد وہ ولد ہے جو کل ترکے کا وارث ہو، وہ ولد مراد نہیں جو کل کا نہیں بلکہ کچھ حصے کا مالک ہے، نیز ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث اپنے عموم پر نہیں ہے کیونکہ اگر کسی نے بیٹی، پوتا اور پوتی چھوڑی ہو تو بالاتفاق نصف بیٹی کو اور باقی پوتے اور پوتی میں تقسیم ہوگا، پوتے کے مذکر ہونے کی وجہ سے بقیہ ترکہ تمام کا تمام اس کے حوالے نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کے ساتھ اس کی بہن کو بھی وارث بنایا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث اپنے عموم پر نہیں بلکہ کسی خاص صورت سے متعلق ہے، وہ یہ ہے کہ اگر کوئی بیٹی، چچا اور پھوپھی چھوڑے تو اس صورت میں بیٹی کو نصف دینے کے بعد بقیہ صرف چچا کو دیا جائے گا، پھوپھی اس میں شریک نہ ہوگی۔[3] ⑦ بہرحال ابن

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 6732. [2] النسآء 4: 176. [3] فتح الباري: 12/20.

عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مقررہ حصہ لینے والوں سے بچا ہوا مال عصبہ کو ملتا ہے اور عصبہ کی تین قسمیں ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ بسا اوقات کئی ایک عصبات ایک صورت میں جمع ہو جاتے ہیں، مثلاً: ○ عصبہ بنفسہ: عصبہ بالغیر اور عصبہ مع غیرہ جمع ہو جائیں، جیسے ماں، بیٹا، بیٹی اور بہن تو اس صورت میں ماں کا حصہ نکالنے کے بعد باقی بیٹا اور بیٹی تقسیم کریں گے بہن محروم ہوگی۔ ○ عصبہ بنفسہ قریب اور عصبہ بنفسہ بعید جمع ہو جائیں تو جو رشتہ دار میت کے زیادہ قریب ہوگا وہ باقی ماندہ ترکے کا حق دار ہوگا، جیسے ماں، بیٹا اور بھائی، تو اس صورت میں ماں کا حصہ نکالنے کے بعد بیٹا وارث ہوگا کیونکہ وہ عصبہ بنفسہ قریب ہے اور بھائی محروم ہوگا کیونکہ بنفسہ بعید ہے۔ ○ عصبہ بنفسہ بعید اور عصبہ مع الغیر جمع ہو جائیں تو بھی اقرب کا لحاظ رکھا جائے گا، جیسے: بیٹی، بہن اور سوتیلا پدری بھائی تو بیٹی کو مقررہ حصہ دینے کے بعد باقی بہن کو دیا جائے گا کیونکہ وہ سوتیلے بھائی کی بہ نسبت میت کے زیادہ قریب ہے۔ گویا پہلی دو صورتوں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث پر عمل ہوگا اور آخری صورت میں بہن کو عصبہ بنانے پر عمل ہوگا۔ ⑤ بہر حال ہمارے رجحان کے مطابق اگر بیٹی کے ساتھ بہن نہ ہو تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث پر عمل کیا جائے گا اور اگر بیٹی کے ساتھ بہن ہو تو عصبۂ قوی کے پیش نظر بقیہ ترکہ اسے دیا جائے گا، نیز علمائے فرائض کا قاعدہ ہے کہ جب بہن عصبہ مع الغیر بن جائے تو اسے حقیقی بھائی کی پوزیشن حاصل ہو جاتی ہے، جیسے: حقیقی بھائی کی موجودگی میں سوتیلا بھائی محروم ہوتا ہے، اسی طرح بہن کے عصبہ مع الغیر ہونے کی صورت میں سوتیلا بھائی محروم ہوگا۔ واللہ أعلم.

(۱۳) بَابُ مِيرَاثِ الْأَخَوَاتِ وَالْإِخْوَةِ

باب: 13- بہنوں اور بھائیوں کی وراثت کا بیان

وضاحت: بہن بھائیوں کی تین قسمیں ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ حقیقی بہن بھائی، جو ماں باپ دونوں کی طرف سے ہوں۔ ○ پدری بہن بھائی: جن کا باپ ایک اور مائیں مختلف ہوں۔ ○ مادری بہن بھائی: جن کی ماں ایک اور باپ مختلف ہوں۔ اس عنوان سے مراد پہلی دو قسمیں ہیں۔

٦٧٤٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُثْمَانَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ وَأَنَا مَرِيضٌ فَدَعَا بِوَضُوءٍ فَتَوَضَّأَ، ثُمَّ نَضَحَ عَلَيَّ مِنْ وَضُوئِهِ فَأَفَقْتُ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّمَا لِي أَخَوَاتٌ، فَنَزَلَتْ آيَةُ الْفَرَائِضِ. [راجع: ١٩٤]

[6743] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ میرے ہاں تشریف لائے جبکہ میں بیمار تھا۔ آپ نے پانی منگوایا اور وضو فرمایا، پھر اپنے وضو کے پانی سے مجھ پر چھینٹے مارے تو مجھے ہوش آ گیا۔ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میری بہنیں ہیں، اس پر فرائض سے متعلقہ آیت نازل ہوئی۔

فوائدومسائل: ① ایک حدیث میں صراحت ہے کہ تیمارداری کرنے والوں میں حضرت ابوبکر ؓ بھی تھے اور يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ نازل ہوئی تھی۔[1] ایک روایت میں ہے کہ میرا وارث تو کلالہ ہے۔[2] اس سے مراد ان کی بہنیں ہیں۔ یہ صراحت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ حضرت جابر ؓ کی اولاد نہ تھی۔ ② فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ حقیقی بہن بھائی یا پدری بہن بھائی، بیٹے اور پوتے کی موجودگی میں وارث نہیں ہوتے لیکن دادے کی موجودگی میں بہنوں کے وارث ہونے کے متعلق اختلاف ہے۔ ایک بہن ہو تو نصف، دو یا زیادہ کو دو تہائی، اگر صرف ایک بھائی ہو تو سارا مال اور متعدد ہوں تو اسے آپس میں تقسیم کریں گے۔ اگر بہن بھائی ملے جلے ہوں تو بھائی کو بہن سے دوگنا دیا جائے گا جیسا کہ قرآن کریم میں اس کی صراحت ہے، مذکورہ صورتوں میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ درج ذیل صورت میں اختلاف ہے: ایک عورت فوت ہوئی، اس کا خاوند، ماں، دو مادری بہنیں اور حقیقی بھائی موجود تھا۔ اس صورت میں خاوند کا حصہ نصف، ماں کو $\frac{1}{6}$ اور دو مادری بہنوں کو $\frac{2}{3}$ ملے گا۔ مسئلہ 6 سے ہوگا تین حصے خاوند کا، ایک حصہ ماں کا اور دو حصے مادری بہنوں کے ہیں، اس طرح ترکہ ختم ہو جاتا ہے اور حقیقی بھائی کے لیے کچھ نہیں رہتا، لہٰذا وہ محروم ہے۔ حضرت علی، حضرت ابی اور حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کا یہی موقف ہے جبکہ جمہور اہل علم کہتے ہیں کہ حقیقی بھائی کو مادری بہنوں کے ساتھ $\frac{1}{3}$ میں شریک کیا جائے، اسے محروم کرنا مناسب نہیں ہے۔[3]

(١٤) بَابٌ: ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِن لَّمْ يَكُن لَّهَا وَلَدٌ فَإِن كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ وَإِن كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَن تَضِلُّوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ [النساء: ١٧٦]

باب: 14- ارشاد باری تعالیٰ: "لوگ آپ سے (کلالہ کے متعلق) فتویٰ پوچھتے ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیں: اللہ تعالیٰ تمھیں کلالہ کے بارے میں یہ فتویٰ دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص مر جائے جس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کی صرف ایک بہن ہو تو اسے ترکے کا نصف ملے گا اور وہ (بھائی) خود اس (بہن) کا وارث ہوگا اگر اس (بہن) کی کوئی اولاد نہ ہو اور اگر بہنیں دو ہوں تو انھیں ترکے کا دو تہائی ملے گا اور اگر وہ کئی بھائی بہن ہوں تو مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ تمھارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم بھٹکتے نہ پھرو اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔" کا بیان

٦٧٤٤ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ

[6744] حضرت براء ؓ سے روایت ہے، انھوں نے

① صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4577. 2 صحيح البخاري، حديث: 5676. 3 فتح الباري: 12/32.

إِسْرَائِيلَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: آخِرُ آيَةٍ نَزَلَتْ خَاتِمَةُ سُورَةِ النِّسَاءِ: ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾. [راجع: ٤٣٦٤]

فرمایا: سب سے آخری آیت جو نازل ہوئی وہ سورۂ نساء کا خاتمہ ہے اور وہ یہ ہے: ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ آیت بطور عنوان اس لیے پیش کی ہے کہ اس میں بہن بھائیوں کی وراثت کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ ② کلالہ وہ میت ہے جس کے والدین اور اولاد نہ ہو۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ایسی میت کے ورثاء کو کلالہ کہا جاتا ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک وہ مال کلالہ ہے جس کا وارث باپ اور بیٹے کے علاوہ کوئی دوسرا شخص ہو۔[1] اس امر میں اختلاف ہے کہ بہن، بیٹی کی موجودگی میں وارث بنتی ہے یا نہیں؟ اس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔ کلالہ کے متعلق احکام سورۂ نساء آیت:12 میں پہلے بھی بیان ہو چکے ہیں، وہاں جو کلالہ کی میراث کے احکام بیان ہوئے تھے وہ مادری بہن بھائیوں سے تعلق رکھتے تھے اور اس آیت میں جو احکام بیان ہوئے ہیں وہ حقیقی یا پدری بہن بھائیوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ③ کلالہ کی وراثت تقسیم کرتے وقت دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے: ایک یہ کہ اگر کلالہ کے حقیقی بہن بھائی بھی موجود ہوں اور سوتیلے بھی تو حقیقی بہن بھائیوں کی موجودگی میں پدری بہن بھائی محروم رہیں گے اور اگر حقیقی نہ ہوں تو پھر پدری بہن بھائیوں میں وراثت تقسیم ہوگی۔ دوسری بات یہ ہے کہ کلالہ کے ترکے کے متعلق احکام وہی ہیں جو اولاد کی صورت میں ہوتے ہیں، یعنی اگر ایک بہن ہے تو اس کو نصف، دو یا دو سے زیادہ بہنیں ہوں تو انھیں $\frac{2}{3}$، اگر صرف ایک بھائی ہو تو تمام ترکے کا واحد وارث ہوگا اور اگر بہن بھائی ملے جلے ہوں تو ان میں سے ہر بھائی کو دو حصے اور ہر بہن کو ایک حصہ ملے گا۔ ④ کلالہ کی مزید دو صورتیں حسب ذیل ہیں: ○ میت عورت ہو اور اس کا خاوند بھی موجود نہ ہو یا میت مرد ہو اور اس کی بیوی بھی موجود نہ ہو۔ ○ میت عورت ہو اور اس کا خاوند موجود ہو یا میت مرد ہو اور اس کی بیوی بھی موجود ہو۔ دوسری صورت میں زوجین بھی وراثت میں مقررہ حصہ لیتے ہیں، مثلاً: کلالہ عورت ہے جس کا خاوند موجود ہے اور اس کی بہن بھی زندہ ہے تو آدھا حصہ خاوند کو اور آدھا بہن کو ملے گا۔ اب سوال ہے کہ پہلی صورت میں اگر کلالہ عورت کا خاوند بھی نہ ہو یا کلالہ مرد کی بیوی بھی نہ ہو اور اس کی صرف ایک بہن ہو تو آدھا اس بہن کو مل جائے گا باقی آدھے کا وارث کون ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ باقی آدھا رد (اصحاب الفرائض کے حصوں کے بعد اصل مسئلہ سے باقی ماندہ انھی پر لوٹا دینے کو ''رد'' کہتے ہیں) کے طور پر بہن کو بھی دیا جا سکتا ہے اور دور کے رشتے داروں، مثلاً: ماموں، پھوپھی کو بھی مل سکتا ہے، اور اگر وہ بھی نہ ہوں تو بقایا آدھا ترکہ بیت المال میں بھی جمع کرایا جا سکتا ہے، اور ایسے حالات شاذ و نادر ہی پیش آتے ہیں۔ واللّٰه أعلم.

(١٥) بَابٌ: ابْنَيْ عَمٍّ أَحَدُهُمَا أَخٌ لِلْأُمِّ وَالْآخَرُ زَوْجٌ

باب: 15- چچا کے دو بیٹے جن میں سے ایک میت کا مادری بھائی اور دوسرا اس کا شوہر ہو تو؟

1 فتح الباري: 33/12.

وَقَالَ عَلِيٌّ: لِلزَّوْجِ النِّصْفُ، وَلِلْأَخِ مِنَ الْأُمِّ السُّدُسُ، وَمَا بَقِيَ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خاوند کو نصف ملے گا اور مادری بھائی کو $\frac{1}{6}$ دیا جائے گا اور باقی ($\frac{1}{3}$) ان دونوں (خاوند اور مادری بھائی) میں برابر، برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔

وضاحت: اس کی صورت اس طرح ہوگی کہ رشید نامی آدمی نے کلثوم نامی عورت سے شادی کی، اس سے بشیر نامی ایک بیٹا پیدا ہوا، پھر رشید نے عابدہ نامی ایک عورت سے دوسری شادی کی تو اس سے نذیر نامی ایک بیٹا پیدا ہوا۔ رشید نے دوسری عورت کو طلاق دے دی تو اس نے رشید کے بھائی راشد سے شادی کر لی، اس سے راشدہ نامی ایک بیٹی پیدا ہوئی، اب یہ راشدہ، نذیر کی مادری بہن اور چچا زاد بیٹی ہے۔ اس راشدہ نے رشید کی پہلی بیوی کلثوم کے بطن سے پیدا ہونے والے لڑکے بشیر سے شادی کر لی اور وہ اس کا چچا زاد بھائی ہے۔ اب راشدہ فوت ہو چکی ہے تو پس ماندگان میں اس کا خاوند بشیر جو اس کا چچا زاد بھائی ہے اور دوسرا نذیر جو اس کا مادری بھائی اور چچا زاد بھی ہے۔ راشدہ کی جائیداد کی تقسیم کا طریقہ یہ ہوگا: راشدہ کی اولاد نہیں، لہٰذا اس کے خاوند بشیر کو نصف ملے گا اور اس کے مادری بھائی نذیر کا چھٹا حصہ ہے۔ ایک تہائی ترکہ جو باقی ہے اسے پھر دونوں بشیر اور نذیر جو میت کے چچا زاد ہیں برابر برابر تقسیم کر لیں گے کیونکہ یہ دونوں عصبہ ہیں، یعنی شوہر بشیر کو دو تہائی حصہ ملے گا: نصف بطور فرض اور چھٹا حصہ بطور عصبہ، مادری بھائی نذیر کو ایک تہائی، چھٹا حصہ بطور فرض اور $\frac{1}{6}$ بطور عصبہ، ائمہ اربعہ کا یہی موقف ہے۔

٦٧٤٥ - حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ: أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ أَبِي حَصِينٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ، فَمَنْ مَاتَ وَتَرَكَ مَالًا فَمَالُهُ لِمَوَالِي الْعَصَبَةِ، وَمَنْ تَرَكَ كَلًّا أَوْ ضَيَاعًا فَأَنَا وَلِيُّهُ فَلِأُدْعَى لَهُ». اَلْكَلُّ: الْعِيَالُ. [راجع: ٢٢٩٨]

[6745] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں اہل ایمان کا خود ان کی ذاتوں سے بھی زیادہ قریبی ہوں، لہٰذا جو شخص مر جائے اور مال چھوڑ جائے تو وہ مال اس کے رشتے داروں کا ہے جو عصبہ ہیں اور جس نے عاجز عیال یا بچے چھوڑے ہوں (اور مال نہ ہو) ان کا میں ضامن ہوں، ان کے لیے مجھے کہا جائے۔ اَلْكَلُّ کے معنی ہیں: اہل وعیال۔

٦٧٤٦ - حَدَّثَنَا أُمَيَّةُ بْنُ بِسْطَامٍ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ ابْنُ زُرَيْعٍ عَنْ رَوْحٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا تَرَكَتِ الْفَرَائِضُ فَلِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ». [راجع: ٦٧٣٢]

[6746] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''مقررہ حصے ان کے حقداروں کو پہنچا دو اور جو کچھ ان سے باقی رہے وہ قریبی عزیز مرد کا حصہ ہے۔''

فوائد ومسائل: ① وہ عصبہ جو جہت کے اعتبار سے برابر ہوں وہ باقی ترکے میں برابر کے شریک ہوں گے جیسا کہ مذکورہ

بالاصورت میں خاوند اور مادری بھائی کو دینے کے بعد باقی ایک تہائی میں پھر دونوں برابر کے شریک ہیں لیکن کچھ حضرات کہتے ہیں کہ باقی مادری بھائی کو دیا جائے کیونکہ اس میں دو قرابتیں ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی تردید کے لیے یہ احادیث پیش کی ہیں کہ عصبہ اگر جہت میں برابر ہیں تو باقی مال برابر ہی تقسیم کریں گے۔[1] ② دراصل امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان میں دو قرابتیں رکھنے والے وارث کا حق بتایا ہے کہ اسے دونوں قرابتوں کے لحاظ سے حصہ دیا جائے گا یا اسے ایک قرابت کے اعتبار سے حق دار ٹھہرایا جائے گا؟ علم فرائض میں دو قرابتیں رکھنے والے کی تین قسمیں حسب ذیل ہیں: ○ دونوں قرابتیں مقررہ حصے کے اعتبار سے ہوں گی، مثلاً: ایک آدمی اپنی پھوپھی زاد سے شادی کرتا ہے اور ان سے ایک لڑکا پیدا ہوتا ہے جب وہ لڑکا فوت ہو جائے تو اس کی دادی میں دو قرابتیں جمع ہیں، باپ کی طرف سے دادی اور ماں کی طرف سے نانی ہے۔ اس صورت میں صرف ایک قرابت کا لحاظ ہوگا۔ ○ دونوں قرابتیں عصبہ ہونے کی حیثیت سے ہوں، مثلاً: ایک عورت اپنے چچا زاد سے شادی کرتی ہے اور ایک بیٹا چھوڑ کر فوت ہو جاتی ہے تو اس کا بیٹا دو قرابتوں کا حامل ہے: ایک تو بیٹا ہونے کی حیثیت سے عصبہ ہے اور ایک وہ چچا زاد کا بیٹا بھی ہے، اس صورت میں زیادہ قوت والی جہت کا اعتبار ہوگا دوسری جہت کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا۔ ○ ایک قرابت مقررہ حصے کے اعتبار سے اور دوسری عصبہ ہونے کے لحاظ سے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے قائم کردہ عنوان میں ہے: تو اس صورت میں دونوں جہتوں کا اعتبار ہوگا کیونکہ دونوں ہی وراثت کی حق دار بناتی ہیں، اگر کوئی رکاوٹ کھڑی ہو جائے تو الگ بات ہے۔ ③ واضح رہے کہ مسلمانوں کے ہاں جو نکاح ہوتے ہیں ان میں درج ذیل صورت میں دو قرابتیں ہو سکتی ہیں: ○ میت کا بیٹا جبکہ وہ میت کے چچا کے بیٹے کا بیٹا بھی ہو۔ ○ مادری بھائی جبکہ وہ چچا زاد بھی ہو۔ ○ خاوند جبکہ وہ چچا کا بیٹا بھی ہو۔ ○ بیوی جبکہ وہ میت کے چچا کی بیٹی ہو۔ شارحین میں سے کسی نے بھی امام بخاری رحمہ اللہ کے اس مقصود کو بیان نہیں فرمایا۔ هٰذَا مِمَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيَّ بِمَنِّهِ وَكَرَمِهِ وَفَضْلِهِ وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ.

(١٦) بَابُ ذَوِي الْأَرْحَامِ

باب: 16- ذوی الارحام کا بیان

وضاحت: ذوی الارحام وہ قریبی رشتے دار ہیں جو اصحاب الفروض اور عصبات میں سے نہ ہوں، مثلاً: ماموں، خالہ، نانا، نواسا اور بھانجا وغیرہ، ان کی وراثت کے متعلق امت مسلمہ میں دو موقف ہیں: ○ یہ وارث نہیں بنتے اور اصحاب الفرائض یا عصبات کی عدم موجودگی میں ترکے کو بیت المال میں جمع کرا دیا جائے۔ ○ اصحاب الفرائض یا عصبات کی عدم موجودگی میں ذوی الارحام کو ترکہ دیا جائے، اکثر صحابہ اس کے قائل ہیں۔ ہمارا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ اس کے دلائل آئندہ پیش ہوں گے، نیز ان میں تقسیم کرنے میں بھی اختلاف ہے جس کی ہم آئندہ وضاحت کریں گے۔

٦٧٤٧ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي أُسَامَةَ: حَدَّثَكُمْ إِدْرِيسُ: حَدَّثَنَا

[6747] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے درج ذیل آیت: (جو کچھ ترکہ والدین یا قریبی رشتے دار

[1] فتح الباري: 35/12.

طَلْحَةُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ [النساء:٣٣] (وَالَّذِينَ عَاقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ) قَالَ: كَانَ الْمُهَاجِرُونَ حِينَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ يَرِثُ الْأَنْصَارِيَّ الْمُهَاجِرِيُّ دُونَ ذَوِي رَحِمِهِ لِلْأُخُوَّةِ الَّتِي آخَى النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَهُمْ، فَلَمَّا نَزَلَتْ ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ قَالَ: نَسَخَتْهَا (وَالَّذِينَ عَاقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ) [راجع: ٢٢٩٢]

چھوڑ جائیں) ''ہم نے ان کے وارث مقرر کر دیے ہیں۔'' اور وہ لوگ بھی جن سے تم نے عقد باندھ رکھا ہے۔ کے متعلق فرمایا: جب مہاجرین اسلام مدینہ طیبہ آئے تو مہاجر اپنے انصاری بھائی کا وارث ہوتا اور انصاری کے رشتے داروں کو ترکے سے حصہ نہیں ملتا تھا کیونکہ نبی ﷺ نے ان کے درمیان مؤاخات کرا دی تھی، پھر جب یہ آیت اتری: ''ہم نے ہر ایک کے وارث بنا رکھے ہیں۔'' تو اس نے عقد موالات کا سلسلہ منسوخ کر دیا۔

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ اب مدد، دوستی اور خیر خواہی باقی ہے ترکے سے وراثت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور وصیت کا حکم باقی ہے۔[1] ② ذوی الارحام کی وراثت کے متعلق دو مذہب ہیں: ○ انھیں وراثت سے حصہ نہ دیا جائے بلکہ اصحاب الفروض اور عصبات کی عدم موجودگی میں میت کا ترکہ بیت المال میں جمع کرا دیا جائے۔ ○ جب اصحاب الفروض اور عصبات نہ ہوں تو میت کا ترکہ ذوی الارحام میں تقسیم کیا جائے۔ عقلی اور نقلی اعتبار سے دوسرا مذہب راجح اور عمل کے قابل ہے، بالخصوص جب بیت المال کا نظام درہم برہم ہو چکا ہے، اب چاروں مذاہب اس پر متفق ہیں کہ ذوی الارحام وارث ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''کتاب اللہ میں رشتے دار ایک دوسرے کے (وراثت میں) زیادہ حق دار ہیں۔''[2] نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''ماموں وارث ہوگا جس کا کوئی دوسرا وارث نہ ہو۔''[3] عقل بھی اس کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ میت کا ذوی الارحام کے ساتھ خونی اور اسلامی رشتہ ہے اور بیت المال کے ساتھ صرف اسلامی تعلق ہے۔ ظاہر ہے کہ دو تعلق رکھنے والا، ایک تعلق رکھنے والے سے زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔ ③ ذوی الارحام کی وراثت کی دو شرطیں ہیں: ○ کوئی صاحب فرض موجود نہ ہو۔ ○ کوئی عصبہ وارث موجود نہ ہو۔ واضح رہے کہ ذوی الارحام کی چار قسمیں ہیں: ○ اصول المیت: نانا وغیرہ۔ ○ فروع المیت: بیٹیوں کی اولاد، بھانجے، بھانجیاں وغیرہ۔ ○ فروع اب المیت: بھائیوں کی بیٹیاں بھتیجیاں وغیرہ۔ ○ فروع جد المیت: چچا مادری اور چچا حقیقی کی بیٹیاں وغیرہ۔ ④ ذوی الارحام میں ترکہ تقسیم کرنے کے متعلق علماء کے تین موقف حسب ذیل ہیں: ○ اصل رحم: ان کے نزدیک تمام ذوی الارحام میں ترکہ برابر تقسیم کیا جائے۔ مذکر مؤنث، قریب و بعید اور قوی و ضعیف میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ ○ اصل قرابت: ان کے نزدیک ذوی الارحام میں پہلے قرب کا درجہ پھر قوت و ضعف کا اعتبار اور مذکر و مؤنث میں عصبات کی طرح فرق کیا جائے گا۔ ○ اہل تنزیل: ان کے نزدیک ذوی الارحام کو ان اصحاب الفرائض یا عصبات کی جگہ اتارا جائے گا جن کی وجہ سے یہ میت کی طرف منسوب ہیں۔ جمہور علماء نے اہل تنزیل کے طریقے کو ترجیح دی ہے جس کی تفصیل تفصیلی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

---

(1) صحيح البخاري، الكفالة، حديث: 2292. (2) الأنفال 8:75. (3) سنن أبي داود، الفرائض، حديث: 2899.

(١٧) بَابُ مِيرَاثِ الْمُلَاعَنَةِ

باب: 17- لعان شدہ بچے کی وراثت کا بیان

وضاحت: اگر خاوند اپنی بیوی پر تہمت لگائے اور اس کے پاس مدعا ثابت کرنے کے لیے کوئی گواہ نہ ہو تو وہاں بیوی اور خاوند کے درمیان لعان ہوتا ہے جس کی تفصیل سورۃ النور آیت: 4 تا آیت: 9 میں بیان کی گئی ہے۔ اس لعان کے بعد جو بچہ پیدا ہوگا اسے ماں کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ وہ بچہ ماں کا وارث ہوگا اور ماں اس بچے کی وارث ہوگی۔

٦٧٤٨ - حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَجُلًا لَاعَنَ امْرَأَتَهُ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَانْتَفَى مِنْ وَلَدِهَا، فَفَرَّقَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَهُمَا وَأَلْحَقَ الْوَلَدَ بِالْمَرْأَةِ. [راجع: ٤٧٤٨]

[6748] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کے عہد مبارک میں اپنی بیوی سے لعان کیا اور اس کے بچے کو اپنا بچہ ماننے سے انکار کر دیا تو نبی ﷺ نے ان دونوں کے درمیان علیحدگی کرا دی اور بچے کو ماں کے ساتھ لاحق (منسوب) کر دیا۔

فائدہ: والد نے اس بچے کو اپنا بچہ ماننے سے انکار کر دیا تو گویا اس کا نسب والد سے منقطع ہو گیا، یعنی اب وہ اس کا باپ نہیں اور اس کی والدہ ہی اس کی وارث ہوگی۔

(١٨) بَابٌ: اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ حُرَّةً كَانَتْ أَوْ أَمَةً

باب: 18- بچہ صاحب فراش کا ہے اسے جنم دینے والی خواہ آزاد ہو یا لونڈی

وضاحت: فراش سے مراد صاحب فراش ہے اور یہ خاوند سے کنایہ ہے، بیوی پر اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ بیوی اور شوہر دونوں ایک دوسرے کے فرش ہوتے ہیں۔ جب بچہ صاحب فراش کا ہوا تو وراثت وغیرہ کا اجرا بھی اسی ضابطے کے مطابق ہوگا۔

٦٧٤٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ عُتْبَةُ عَهِدَ إِلَى أَخِيهِ سَعْدٍ: أَنَّ ابْنَ وَلِيدَةِ زَمْعَةَ مِنِّي فَاقْبِضْهُ إِلَيْكَ، فَلَمَّا كَانَ عَامُ الْفَتْحِ أَخَذَهُ سَعْدٌ فَقَالَ: ابْنُ أَخِي عَهِدَ إِلَيَّ فِيهِ، فَقَامَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ، فَقَالَ: أَخِي وَابْنُ وَلِيدَةِ أَبِي، وُلِدَ عَلَى فِرَاشِهِ:

[6749] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ عتبہ، اپنے بھائی حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کو وصیت کر گیا تھا کہ زمعہ کی لونڈی کا بیٹا میرا ہے، اسے اپنی پرورش میں لے لینا، چنانچہ فتح مکہ کے سال حضرت سعد ؓ نے اسے لینا چاہا اور کہا: یہ میرے بھائی کا لڑکا ہے اور اس نے مجھے اس کے متعلق وصیت کی تھی۔ عبد بن زمعہ ؓ کھڑے ہوئے اور کہا: یہ میرا بھائی ہے اور میرے باپ کی

فَتَسَاوَقَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ سَعْدٌ: يَا رَسُولَ اللهِ! ابْنُ أَخِي قَدْ كَانَ عَهِدَ إِلَيَّ فِيهِ، فَقَالَ عَبْدُ ابْنُ زَمْعَةَ: أَخِي وَابْنُ وَلِيدَةِ أَبِي وُلِدَ عَلٰى فِرَاشِهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ بْنَ زَمْعَةَ، اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ»، ثُمَّ قَالَ لِسَوْدَةَ بِنْتِ زَمْعَةَ: «اِحْتَجِبِي مِنْهُ» لِمَا رَأٰى مِنْ شَبَهِهِ بِعُتْبَةَ، فَمَا رَآهَا حَتّٰى لَقِيَ اللهَ.

[راجع: ٢٠٥٣]

لونڈی کا لڑکا ہے، نیز اس کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ آخر یہ دونوں اپنا معاملہ نبی ﷺ کے پاس لے گئے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے جبکہ اس نے مجھے اس کے متعلق وصیت بھی کی تھی۔ حضرت عبد بن زمعہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ میرا بھائی ہے، میرے باپ کی لونڈی کا بیٹا ہے اور اس کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ نبی ﷺ نے (بیانات سن کر) فرمایا: ”اے عبد بن زمعہ! یہ تمھارے پاس رہے گا۔ بچہ اسی کا ہوتا ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہو اور زانی کے لیے تو پتھر ہیں۔“ پھر آپ نے ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ”اس سے پردہ کیا کرو۔“ اس وجہ سے کہ آپ نے اس کی مشابہت عتبہ سے دیکھی، چنانچہ اس لڑکے نے پھر حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کو نہ دیکھا حتی کہ فوت ہو گیا۔

٦٧٥٠ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيٰى، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلْوَلَدُ لِصَاحِبِ الْفِرَاشِ».

[راجع: ٦٨١٨]

[6750] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”بچہ صاحب فراش کا ہوگا۔“

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم اسے اپنا بھتیجا خیال کرتے ہو، حالانکہ جس لونڈی نے اسے جنم دیا ہے وہ تیرے بھائی کا فراش نہ تھی، نسب تو اسی وقت ثابت ہوتا ہے جب فراش ثابت ہو۔ تیرا بھائی عتبہ زانی تھا اور زانی کی طرف بچہ منسوب نہیں ہوتا، لہٰذا وہ اس بچے سے محروم ہے اور بچے کے بجائے اس کے مقدر میں پتھر ہیں۔ ② چونکہ اس بچے کی مشابہت عتبہ سے ملتی جلتی تھی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے قانونی ضابطوں کو پورا کرنے کے بعد احتیاط کے طور پر حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کو پردے کا حکم دیا۔ جب قانونی طور پر اس کا نسب ثابت ہو گیا تو وراثت بھی اسی ضابطے کے تحت جاری ہوگی۔ اگر صاحب فراش اس کا انکار کر دے تو اسے ماں کی طرف منسوب کیا جائے گا اور وہی اس کی وارث ہوگی جیسا کہ پہلے عنوان میں یہ مسئلہ بیان ہو چکا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کتاب الفرائض میں اسی مقصد کے لیے بیان کی ہے۔ واللہ أعلم.

(١٩) بَابٌ: اَلْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ، وَمِيرَاثُ اللَّقِيطِ

باب: 19- غلام لونڈی کا ترکہ وہی لے گا جو اسے آزاد کرے، نیز لقیط کی وراثت کا بیان

وَقَالَ عُمَرُ: اَللَّقِيطُ حُرٌّ.

حضرت عمر ؓ نے فرمایا: لقیط آزاد ہے۔

وضاحت: لقیط اس بچے کو کہتے ہیں جو راستے میں پڑا ہوا ملے اور اسے اٹھا لیا جائے۔ حضرت عمر ؓ نے اس کے متعلق فیصلہ فرمایا کہ اسے غلام بنا لینا جائز نہیں وہ آزاد ہے اگرچہ وہ لاوارث ہے۔ اور اس کا ترکہ بیت المال میں جمع کرا دیا جائے کیونکہ اس کی ولا تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔ امام بخاری ؒ نے اس کی وراثت کے متعلق کوئی حدیث پیش نہیں کی کیونکہ انھیں ان کی شرائط کے مطابق کوئی حدیث نہیں پہنچ سکی بلکہ انھوں نے پیش کردہ حدیث سے اس کا حکم اخذ کیا ہے۔

٦٧٥١ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: اشْتَرَيْتُ بَرِيرَةَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اِشْتَرِيهَا فَإِنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْتَقَ»، وَأُهْدِيَ لَهَا شَاةٌ، فَقَالَ: «هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَّلَنَا هَدِيَّةٌ».

[6751] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے بریرہ کو خریدنے کا ارادہ کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ”اسے خرید لو، ولا تو اسی کے ساتھ قائم ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے۔“ حضرت بریرہ ؓ کو ایک بکری بطور صدقہ ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ اس کے لیے صدقہ تھی لیکن ہمارے لیے ہدیہ ہے۔“

قَالَ الْحَكَمُ: وَكَانَ زَوْجُهَا حُرًّا، وَقَوْلُ الْحَكَمِ مُرْسَلٌ.

حکم نے کہا: بریرہ کا شوہر آزاد تھا لیکن حکم کا قول مرسل طور پر منقول ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: رَأَيْتُهُ عَبْدًا. [راجع: ٤٥٦]

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: میں نے اسے غلام دیکھا ہے۔

٦٧٥٢ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَّافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ». [راجع: ٢١٥٦]

[6752] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ”ولا تو اسی کے لیے ہے جس نے آزاد کیا۔“

فوائد ومسائل: ① ولا کے لغوی معنی نصرت ومحبت کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں اس سے مراد وہ تعلق ہے جو غلام اور اس کے آزاد کرنے والے کے درمیان قائم ہوتا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اگر آزاد کردہ غلام مرجائے اور اس کا کوئی نسبی وارث نہ ہو تو اس کا ترکہ آزاد کرنے والے کو ملتا ہے۔ ② حضرت بریرہ ؓ کا شوہر مغیث تھا جو حضرت بریرہ ؓ کی آزادی کے وقت غلام

تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بریرہ ؓ کو اختیار دیا کہ تو چاہے تو اپنے شوہر مغیث کی زوجیت کو اختیار کرے اور چاہے تو اس سے علیحدگی اختیار کرلے، چنانچہ اس نے علیحدگی کو اختیار کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا حضرت بریرہ ؓ کو اختیار دینا اس امر کی دلیل ہے کہ مغیث غلام تھا۔ ③ بہرحال آزاد شدہ غلام کا ترکہ آزاد کرنے والے کو ملتا ہے اور راستے سے ملنے والا لاوارث بچہ اگر فوت ہو جائے تو اس کا ترکہ بیت المال میں جمع ہو جاتا ہے کیونکہ وہ آزاد ہے، اگر غلام ہوتا تو اس شخص کو اس کا ترکہ ملتا جس نے اسے اٹھایا تھا۔ امام بخاری ؒ نے پیش کردہ حدیث سے لقیط کی وراثت کا حکم بھی بیان کیا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(٢٠) بَابُ مِيرَاثِ السَّائِبَةِ

باب: 20- سائبہ کی وراثت کا بیان

وضاحت: سائبہ سے مراد وہ غلام ہے جسے اس کا آقا کہتا ہے کہ تجھ پر کسی کی ولایت نہیں اور تو سائبہ ہے۔ اس سے مراد اس کی آزادی ہوتی تھی۔ ایسا غلام اگر مرجائے تو اس کا ترکہ کسے ملے گا؟ جمہور کا موقف ہے کہ اس کا ترکہ آزاد کرنے والے کو ملے گا۔[1]

٦٧٥٣ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ بْنُ عُقْبَةَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي قَيْسٍ، عَنْ هُزَيْلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: إِنَّ أَهْلَ الْإِسْلَامِ لَا يُسَيِّبُونَ، وَإِنَّ أَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوا يُسَيِّبُونَ.

[6753] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: مسلمان سائبہ نہیں بناتے (بتوں کے نام پر جانور نہیں چھوڑتے۔) دور جاہلیت میں مشرکین (بتوں کے نام پر) آزاد کرتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کا یہ اثر مختصر طور پر بیان ہوا ہے۔ علامہ اسماعیلی ؒ نے اسے وضاحت سے بیان کیا ہے کہ ایک آدمی حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے پاس آیا اور کہا: میں نے اپنا غلام بطور سائبہ آزاد کیا تھا، وہ مر گیا ہے، اس کا ترکہ تو موجود ہے لیکن اس نے اپنا کوئی وارث نہیں چھوڑا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا: مسلمان سائبہ نہیں کرتے۔ دور جاہلیت میں لوگ سائبہ کرتے تھے۔ تو اس کا محسن ہے اور آزادی کی نعمت کا سرپرست ہے، لہٰذا اس کی میراث تیرے لیے ہے......۔[2] ② قرآن کریم میں سائبہ کا ذکر ہے اور وہاں اس سے مراد وہ جانور ہے جسے مشرکین بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے تھے اور انھیں اپنے کام میں نہیں لاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس رسم کو کالعدم قرار دیا۔ اس بنا پر اگر کوئی اپنے غلام کو اس طرح آزاد کرتا ہے کہ تو اپنا مال جہاں چاہے رکھ لے اور اپنا تعلق جس سے چاہے جوڑ لے تو شریعت نے اسے ناپسند کیا ہے، اور سائبہ غلام کا وارث اس کے آزاد کرنے والے کو قرار دیا ہے۔

٦٧٥٤ - حَدَّثَنَا مُوسَى: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ: أَنَّ

[6754] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے بریرہ کو آزاد کرنے کے لیے خریدا تو اس کے آقاؤں

---

[1] فتح الباري: 50/12. [2] فتح الباري: 50/12.

عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا اشْتَرَتْ بَرِيرَةَ لِتُعْتِقَهَا وَاشْتَرَطَ أَهْلُهَا وَلَاءَهَا، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي اشْتَرَيْتُ بَرِيرَةَ لِأُعْتِقَهَا، وَإِنَّ أَهْلَهَا يَشْتَرِطُونَ وَلَاءَهَا فَقَالَ: «أَعْتِقِيهَا فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ»، أَوْ قَالَ: أَعْطَى الثَّمَنَ»، قَالَ: فَاشْتَرَتْهَا فَأَعْتَقَتْهَا، قَالَ: وَخُيِّرَتْ فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا وَقَالَتْ: لَوْ أُعْطِيتُ كَذَا وَكَذَا مَا كُنْتُ مَعَهُ. قَالَ الْأَسْوَدُ: وَكَانَ زَوْجُهَا حُرًّا، قَوْلُ الْأَسْوَدِ مُنْقَطِعٌ، وَقَوْلُ ابْنِ عَبَّاسٍ: رَأَيْتُهُ عَبْدًا، أَصَحُّ. [راجع: ٤٥٦]

نے شرط عائد کر دی کہ اس کی ولا ان کے لیے ہوگی۔ حضرت عائشہ ؓ نے کہا: اللہ کے رسول! میں نے بریرہ کو آزاد کرنے کے لیے خریدنا چاہا لیکن اس کے آقاؤں نے اپنے لیے اس کی ولا کو مشروط کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو اس کو آزاد کر دے، ولا تو آزاد کرنے والے کے ساتھ قائم ہوتی ہے۔“ یا فرمایا: ”قیمت ادا کرنے والے کے لیے ولا ہوتی ہے۔“ راوی کہتے ہیں: حضرت عائشہ ؓ نے اسے خرید کر آزاد کر دیا، پھر اسے اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ رہ سکتی ہیں اور اس سے علیحدہ بھی ہو سکتی ہیں، چنانچہ انھوں نے اپنے شوہر سے علیحدگی کو پسند کیا اور کہا: اگر مجھے اتنا اتنا مال دیا جائے تو بھی اس کے ساتھ رہنا پسند نہیں کروں گی۔ اسود نے کہا: اس کا شوہر آزاد تھا۔ ان کا قول منقطع ہونے کی وجہ سے قابل حجت نہیں اور حضرت ابن عباس ؓ کا قول صحیح تر ہے کہ میں نے اسے غلام دیکھا ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کے مطابق ولا کا حق آزاد کرنے والے کو دیا گیا ہے۔ یہ ایک ایسا تعلق ہے جسے اپنی مرضی سے ختم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ نسب کی طرح ہے جسے ہبہ یا فروخت بھی نہیں کیا جا سکتا، اس لیے اگر کوئی اپنے غلام سے کہتا ہے کہ تو سائبہ کے طور پر آزاد ہے، تو اپنا مال جہاں چاہے رکھ لے، تیری ولا کا تعلق کسی سے نہیں ہوگا تو یہ فضول حرکات ہیں، اصل ضابطے پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ ② امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے یہی ثابت کیا ہے کہ سائبہ کی رسم دور جاہلیت کی یادگار ہے، اصل ضابطے کے مطابق ولا کا تعلق اسی شخص سے قائم ہوگا جس نے اسے آزاد کیا ہے، اس کے ختم کرنے سے یہ تعلق ختم نہیں ہوگا۔ واللہ أعلم.

(٢١) بَابُ إِثْمِ مَنْ تَبَرَّأَ مِنْ مَوَالِيهِ

باب: 21- اس شخص کا گناہ جو اپنے آقاؤں سے اظہار براءت کرے

وضاحت: دور جاہلیت میں کچھ لوگ اپنے آزاد کردہ غلام کے تعلق ”ولا“ کو فروخت کر دیتے یا کسی کو ہبہ کر دیتے تھے، پھر وہ غلام خود کو دوسروں کی طرف منسوب کرتا، شریعت نے اس انداز کو ناپسند کیا ہے کیونکہ اس سے ضابطۂ وراثت مجروح ہوتا ہے اور احسان فراموشی کو بھی فروغ ملتا ہے، چنانچہ اس عنوان کے تحت اس جرم کی سنگینی کو بیان کیا گیا ہے۔

٦٧٥٥ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: مَا عِنْدَنَا كِتَابٌ نَّقْرَؤُهُ إِلَّا كِتَابُ اللهِ غَيْرَ هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ، قَالَ: فَأَخْرَجَهَا فَإِذَا فِيهَا أَشْيَاءُ مِنَ الْجِرَاحَاتِ وَأَسْنَانِ الْإِبِلِ، قَالَ: وَفِيهَا: «الْمَدِينَةُ حَرَمٌ مَّا بَيْنَ عَيْرٍ إِلٰى ثَوْرٍ، فَمَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا، أَوْ آوٰى مُحْدِثًا، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ، وَمَنْ وَالٰى قَوْمًا بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ، وَذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ، يَسْعٰى بِهَا أَدْنَاهُمْ، فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ». [راجع: ١١١]

[6755] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہمارے پاس اللہ کی کتاب کے علاوہ اور کوئی نوشتہ نہیں جسے ہم پڑھتے ہوں، ہاں یہ ایک صحیفہ بھی ہے، چنانچہ آپ نے وہ صحیفہ نکالا تو اس میں زخموں کے قصاص اور اونٹوں کی زکاۃ کے مسائل تھے۔ اس میں یہ بھی تھا: ''مدینہ عیر پہاڑ سے ثور تک حرم ہے۔ اس میں جس نے کسی بدعت کو ایجاد کیا یا کسی بدعتی کو جگہ دی تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ قیامت کے دن اس کا کوئی نفل یا فرض قبول نہیں کیا جائے گا اور جس نے اپنے مالکوں کی اجازت کے بغیر دوسرے لوگوں سے موالات قائم کرلی، اس پر اللہ کی لعنت، نیز فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ قیامت کے دن اس کا کوئی نفل یا فرض قبول نہیں ہوگا۔ مسلمانوں کا عہد ذمہ ایک ہی ہے۔ ادنیٰ مسلمان بھی اس کی تکمیل میں کوشش کرے۔ جس نے مسلمانوں کے عہد کو پامال کیا اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ قیامت کے دن اس کا کوئی نیک عمل فرض یا نفل قبول نہیں کیا جائے گا۔''

فائدہ: اس حدیث میں ''اجازت کے بغیر'' کے الفاظ محض اتفاقی ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر آقا اپنے غلام کو کسی دوسرے کی طرف نسبت کرنے کی اجازت دے دے تو ایسا کرنا جائز ہے اگرچہ حضرت عطاء بن ابی رباح نے اسے جائز قرار دیا ہے لیکن ایسا کرنا شارع کی منشا کے خلاف ہے جیسا کہ قرآن میں ہے کہ مفلسی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔[1] اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ اگر مفلسی کا اندیشہ نہ ہو تو پھر اولاد کا قتل کرنا جائز ہے۔ اس کی اجازت سے دوسروں کی مدد تو کی جاسکتی ہے لیکن اپنا حق وراثت منتقل نہیں کیا جاسکتا ہے جس کی وضاحت آئندہ حدیث میں بیان کی گئی ہے۔ واللّٰہ أعلم۔[2]

٦٧٥٦ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ

[6756] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے ولا کی خرید و فروخت اور اس

① الأنعام 151:6. ② فتح الباري: 52/12.

عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَعَنْ هِبَتِهِ. [راجع: ٢٥٣٥]

کے ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

فوائد ومسائل: ① چونکہ خرید وفروخت اور ہبہ کرنے میں قبضہ اور تسلیم بنیادی شرط ہے جو ولا میں نہیں ہو سکتا، اس لیے شریعت نے اسے ناجائز ٹھہرایا ہے۔ ولا، نسب کی طرح ہے۔ جس طرح نسب کی خرید وفروخت حرام ہے اسی طرح ولا کی خرید و فروخت بھی ناجائز ہے۔ ② بعض صحابۂ کرام ﷡ سے ولا کے ہبے کا جو جواز مذکور ہے تو اس میں اور مذکورہ حدیث میں تطبیق یہ ہے کہ انھیں منع والی روایت کا علم نہیں ہوگا۔[1] بہر حال یہ تعلق ناقابلِ انتقال اور ناقابلِ خرید وفروخت ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(٢٢) بَابٌ: إِذَا أَسْلَمَ عَلَى يَدَيْهِ

باب: 22- جب کوئی کافر، کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے تو؟

وَكَانَ الْحَسَنُ لَا يَرَى لَهُ وِلَايَةً. وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَلْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ»، وَيُذْكَرُ عَنْ تَمِيمِ الدَّارِيِّ رَفَعَهُ قَالَ: «هُوَ أَوْلَى النَّاسِ بِمَحْيَاهُ وَمَمَاتِهِ». وَاخْتَلَفُوا فِي صِحَّةِ هٰذَا الْخَبَرِ.

امام حسن بصری اس کے ساتھ تعلق ولا کو درست نہیں سمجھتے تھے کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”ولا صرف آزاد کرنے والے کے لیے ہے۔“ حضرت تمیم داری ﷜ سے مرفوع روایت ہے: ”وہ شخص زندگی اور موت دونوں حالتوں میں دیگر لوگوں سے اس کا زیادہ حق رکھتا ہے۔“ لیکن اس روایت کی صحت میں اختلاف ہے۔

وضاحت: اگر کوئی شخص دوسرے کے ہاتھ پر مسلمان ہو کر مر جائے تو اس کی تجہیز وتکفین وہی کرے گا کیونکہ اس کے ساتھ اس کی نسبت اسلام قائم ہو چکی ہے لیکن اس کی جائیداد کا حق دار ہوگا یا نہیں، اس میں اختلاف ہے۔ کچھ حضرات کا موقف ہے کہ وہ اس کے ترکے کا بھی حق دار ہوگا کیونکہ دوسرا کوئی وارث موجود نہیں ہے، لیکن امام بخاری ﷫ نے جمہور کی تائید کرتے ہوئے امام حسن بصری ﷫ کا قول پیش کیا ہے کہ وہ شخص اس کی جائیداد کا وارث نہیں ہوگا کیونکہ ولا کا حق دار صرف وہ ہوتا ہے جس نے اسے آزاد کیا۔ لیکن اس مقام پر ولا وغیرہ کی بات نہیں ہے۔ اس سلسلے میں حضرت تمیم داری ﷜ کی روایت پیش کی جاتی ہے۔ امام بخاری ﷫ نے اس کے ضعف کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس کی تجہیز وتکفین اور جنازے وغیرہ کا اہتمام کرے۔[2]

٦٧٥٧ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَّالِكٍ، عَنْ نَّافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ

[6757] حضرت ابن عمر ﷠ سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ ﷞ نے لونڈی (بریرہ) خرید کر آزاد

1 فتح الباري: 54/12. 2 فتح الباري: 87/12.

أَرَادَتْ أَنْ تَشْتَرِيَ جَارِيَةً تُعْتِقُهَا فَقَالَ أَهْلُهَا: نَبِيعُكِهَا عَلَى أَنَّ وَلَاءَهَا لَنَا، فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «لَا يَمْنَعُكِ ذٰلِكِ فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ». [راجع: ٢١٥٦]

کرنے کا ارادہ کیا تو لونڈی کے آقاؤں نے کہا: ہم آپ کو لونڈی اس شرط پر فروخت کرتے ہیں کہ اس کی ولا ہمارے لیے ہوگی۔ ام المومنین ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ''ان کی شرط تمھیں خریدنے سے منع نہ کرے کیونکہ ولا کا حق دار تو وہی ہوتا ہے جو اسے آزاد کرتا ہے۔''

٦٧٥٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتِ: اشْتَرَيْتُ بَرِيرَةَ فَاشْتَرَطَ أَهْلُهَا وَلَاءَهَا فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «أَعْتِقِيهَا فَإِنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْطَى الْوَرِقَ»، قَالَتْ: فَأَعْتَقْتُهَا، قَالَتْ: فَدَعَاهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَخَيَّرَهَا مِنْ زَوْجِهَا فَقَالَتْ: لَوْ أَعْطَانِي كَذَا وَكَذَا مَا بِتُّ عِنْدَهُ، فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا. [راجع: ٤٥٦]

[6758] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے بریرہ ؓ کو خریدنے کا ارادہ کیا تو اس کے آقاؤں نے ولا اپنے لیے رکھنے کی شرط عائد کی۔ میں نے اس امر کا تذکرہ نبی ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا: ''تم اسے خرید کر آزاد کر دو، ولا تو اس کے لیے ہوتی ہے جو روپے خرچ کرے، چنانچہ میں نے اسے خرید کر آزاد کر دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اسے بلایا اور اپنے خاوند کی زوجیت میں رہنے یا نہ رہنے کا اختیار دیا، حضرت بریرہ ؓ نے کہا: اگر وہ مجھے اتنا اتنا مال بھی دے تو میں پھر بھی اس کے پاس نہ رہوں گی، چنانچہ انھوں نے شوہر سے آزادی کو پسند کیا۔

فوائد ومسائل: ① اہل کوفہ کا موقف ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے ہاتھوں مسلمان ہوتا ہے، پھر مرجاتا ہے اور اس کا کوئی دوسرا وارث نہیں ہے تو اس کی جائیداد کا وہی حق دار ہے جس کے ہاتھوں اس نے اسلام قبول کیا۔ اس سلسلے میں حضرت تمیم داری ؓ کی روایت پیش کی جاتی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: اللہ کے رسول! اگر کوئی آدمی دوسرے کے ہاتھوں اسلام قبول کر کے مرجائے تو اسلام میں اس کی جائیداد کا وارث کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''وہی اس کی زندگی اور موت کا زیادہ حق رکھتا ہے۔'' لیکن اس روایت کو کئی محدثین نے ضعیف کہا ہے، چنانچہ امام شافعی ؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ ② امام بخاری ؒ نے جمہور اہل علم کی تائید میں دو روایات پیش کی ہیں جن میں ہے کہ ولا کا حق دار وہی ہے جو کسی کو آزاد کرتا ہے۔ اس حدیث میں ''لام'' اختصاص کے لیے ہے، یعنی ولا اس شخص کے ساتھ خاص ہے جو آزاد کرے اور اس کے متعلق مال خرچ کرے۔ ③ حاصل کلام یہ ہے کہ جو کوئی دوسرے کے ہاتھوں اسلام قبول کر کے فوت ہو جائے، اس کی ولا اس شخص کے لیے نہیں ہے جس کے ہاتھوں اس نے اسلام قبول کیا ہے کیونکہ ولا تو آزاد کرنے والے کے ساتھ خاص ہے۔ واللہ أعلم.

(٢٣) بَابُ مَا يَرِثُ النِّسَاءُ مِنَ الْوَلَاءِ

باب:23-عورتوں کا ولا کا وارث بننا

٦٧٥٩ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ نَّافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَرَادَتْ عَائِشَةُ أَنْ تَشْتَرِيَ بَرِيرَةَ فَقَالَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ: إِنَّهُمْ يَشْتَرِطُونَ الْوَلَاءَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اِشْتَرِيهَا فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ». [راجع: ٢١٥٦]

[6759] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ام المومنین حضرت عائشہ ؓ نے بریرہ کو خریدنے کا ارادہ کیا تو نبی ﷺ سے کہا: اس کے آقا اپنے لیے ولا کی شرط لگاتے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم بریرہ کو خریدلو، ولا اسی کے لیے ہے جو آزاد کرتا ہے۔''

٦٧٦٠ - حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ: أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مَّنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اَلْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْطَى الْوَرِقَ وَوَلِيَ النِّعْمَةَ». [راجع: ٤٥٦]

[6760] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ولا تو اس کا حق ہے جو قیمت دے اور (اسے آزاد کر کے) احسان کرے۔''

فوائد ومسائل: ① ''وَلِيَ النِّعْمَةَ'' کا مطلب یہ ہے کہ قیمت ادا کرنے کے بعد اس غلام یا لونڈی کو آزاد کر دیا جائے۔ ولا کا استحقاق آزادی سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ استحقاق جہاں آزاد کرنے والے مرد کے لیے ہے وہاں آزاد کرنے والی عورت کے لیے بھی ہے، لہٰذا اگر مرد اور عورت دونوں مل کر غلام آزاد کریں تو دونوں کے لیے ولا ثابت ہوگی۔ ② حافظ ابن حجر ؒ نے ابن بطال کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ حدیث اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ولا کا حق دار غلام کو آزاد کرنے والا ہے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔[1] چونکہ ان مسائل کا عملی طور پر کوئی وجود نہیں ہے صرف نظری طور پر پڑھے پڑھائے جاتے ہیں، اس لیے ہم ان کی تفصیل ذکر نہیں کرتے۔

(٢٤) بَابٌ: مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَابْنُ الْأُخْتِ مِنْهُمْ

باب: 24- کسی قوم کا آزاد کردہ غلام انھی میں سے ہے اور قوم کا بھانجا بھی انھی میں داخل ہوگا

٦٧٦١ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ قُرَّةَ وَقَتَادَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَّضِيَ

[6761] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''کسی

[1] فتح الباري: 58/12.

اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ» أَوْ كَمَا قَالَ.

گھرانے کا آزاد کردہ غلام اسی کا ایک فرد ہوتا ہے۔" أَوْ كَمَا قَالَ.

٦٧٦٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «ابْنُ أُخْتِ الْقَوْمِ مِنْهُمْ، أَوْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ». [راجع: ٣١٤٦]

[6762] حضرت انس بن مالک ؓ ہی سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "کسی گھرانے کا بھانجا انھی میں سے ہے۔"

فائدہ: کسی قوم کا آزاد کردہ غلام انھی کی طرف منسوب ہوتا ہے، اسی طرح ان کا بھانجا بھی انھی میں شمار ہوتا ہے۔ ان میں فرق یہ ہے کہ بھانجا اپنے ماموں کا وارث ہوسکتا ہے بشرطیکہ دیگر اصحاب الفروض اور عصبات نہ ہوں لیکن قوم کا آزاد کردہ غلام وارث نہیں ہوتا، یعنی آزادی، وراثت کا سبب ایک طرف سے ہے دونوں طرف سے نہیں ہے لیکن بھانجے کی وراثت نسب کی وجہ سے ہے، اس لیے یہ نسب دونوں جانب سے وراثت کا باعث ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(٢٥) بَابُ مِيرَاثِ الْأَسِيرِ

باب: 25- قیدی کی وراثت کا بیان

قَالَ: وَكَانَ شُرَيْحٌ يُوَرِّثُ الْأَسِيرَ فِي أَيْدِي الْعَدُوِّ وَيَقُولُ: هُوَ أَحْوَجُ إِلَيْهِ. وَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ: أَجِزْ وَصِيَّةَ الْأَسِيرِ وَعَتَاقَتَهُ وَمَا صَنَعَ فِي مَالِهِ مَا لَمْ يَتَغَيَّرْ عَنْ دِينِهِ، فَإِنَّمَا هُوَ مَالُهُ يَصْنَعُ فِيهِ مَا يَشَاءُ.

قاضی شریح دشمن کے ہاتھوں قیدی کو ترکے سے حصہ دلاتے تھے اور کہتے تھے: وہ تو اور زیادہ اس کا محتاج ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا: قیدی کی وصیت، اس کی آزادی اور جو کچھ وہ اپنے مال میں تصرف کرے وہ جائز اور نافذ ہے جب تک وہ اپنے دین سے برگشتہ نہ ہو کیونکہ وہ مال اسی کا ہے، وہ اس میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے۔

وضاحت: جو مسلمان کسی غیر مسلم حکومت کی حراست میں ہو اسے قیدی کہتے ہیں۔ اس کی تین حالتیں ہیں: ○ مسلمان: اگر وہ دین اسلام پر پابند ہو تو اس کا حکم عام مسلمانوں کا ہے۔ ○ مرتد: اگر وہ دین سے پھر جائے تو اس پر مرتد کے احکام جاری ہوں گے۔ ○ مجہول الحال: اگر اس کے متعلق کچھ معلومات نہ ہوں تو مفقود والا حکم جاری ہوگا۔

٦٧٦٣ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيٍّ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ، وَمَنْ

[6763] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "جس نے مال چھوڑا وہ اس کے وارثوں کے لیے ہے اور جس نے قرض یا

تَرَكَ كَلًّا فَإِلَيْنَا». [راجع: ٢٢٩٨]

محتاج اہل وعیال چھوڑا وہ ہمارے ذمے ہے۔"

فوائدومسائل: ① سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ جو شخص، دشمن کے ہاتھوں قیدی ہوا سے وراثت میں حصہ دار نہ بنایا جائے لیکن جمہور اہل علم کہتے ہیں کہ قیدی کو وراثت میں حصہ دار بنایا جائے گا اور اس کی وصیت کو بھی نافذ کیا جائے گا کیونکہ جب قیدی مسلمان ہے تو وہ درج بالا حدیث کے عموم میں داخل ہے کہ جس نے مال چھوڑا وہ اس کے ورثاء کے لیے ہے۔ قیدی بھی اس کا وارث ہے۔ صرف قید ہونے کی بنا پر اسے وراثت سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح جب تک وہ زندہ ہے اس کی بیوی کسی دوسرے شخص سے نکاح نہیں کرسکتی اور اس کا مال بھی تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اس کی زندگی کا علم نہ ہو اور نہ اس کے مقام ہی کا کوئی اتا پتا ہو تو اسے مفقود کے حکم میں شامل کیا جائے گا۔ ② دوران حراست میں اگر اس کے مرتد ہونے کی خبر ملے تو جب تک اس بات کا علم نہ ہو کہ وہ اپنی مرضی سے مرتد ہوا ہے اس وقت تک اس پر مرتد کے احکام بھی جاری نہیں ہوں گے۔ ممکن ہے کہ دوران حراست میں کسی مجبوری کی وجہ سے اس نے ارتداد کا لبادہ اوڑھا ہو۔[1]

(٢٦) بَابٌ: لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ، وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ، وَإِذَا أَسْلَمَ قَبْلَ أَنْ يُقْسَمَ الْمِيرَاثُ فَلَا مِيرَاثَ لَهُ

باب: 26- مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا۔ اگر ترکہ تقسیم ہونے سے پہلے مسلمان ہو گیا تو بھی ترکے میں اس کا حق نہیں ہوگا

وضاحت: اس عنوان کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے وہ امور ذکر کیے ہیں جن کی موجودگی میں آدمی ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوتا، وہ تین ہیں: غلام ہونا، قتل کرنا اور اختلاف دین کا ہونا۔ اس میں آخری مانع کو بیان کیا گیا ہے۔ چونکہ استحقاق وراثت کا سبب موت ہے اور اگر کوئی وارث، اپنے رشتے دار کی موت کے وقت کافر تھا تو اسے ترکے سے حصہ نہیں دیا جائے گا، خواہ وہ تقسیم ترکہ سے پہلے مسلمان ہی کیوں نہ ہو جائے۔[2]

٦٧٦٤ - حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ، وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ». [راجع: ١٥٨٨]

[6764] حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور نہ کافر کسی مسلمان ہی کا وارث بنتا ہے۔"

فوائدومسائل: ① وراثت کے لیے ملت کا اتحاد شرط ہے اور دین کا اختلاف محرومی کا باعث ہے، اس لیے کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں ہوگا۔ اس کی صورت اس طرح ہے کہ ایک مسلمان فوت ہوا، اس کے دو بیٹے تھے، ان میں ایک مسلمان اور دوسرا

[1] فتح الباري: 60/12. [2] فتح الباري: 61/12.

کافر، تو کافر مسلمان کی جائیداد کا وارث نہیں ہوگا اگرچہ تقسیم ترکہ سے پہلے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو جائے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ تعالیٰ کافروں کو مومنوں کے خلاف ہرگز کوئی راستہ نہیں دے گا۔''[1] اگر کافر کو مسلمان کا وارث بنایا جائے تو اسے مسلمان پر راہ مل جاتی ہے جو قرآن کے خلاف ہے۔[2] بہر حال کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا اس امر پر تمام علماء کا اتفاق ہے، لیکن کافر کا وارث مسلمان بننے کے متعلق اختلاف ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ایک مسلمان بیٹے کو اس کے یہودی باپ کا وارث بنایا تھا، لیکن ایسا کرنا صریح نص کے خلاف ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث میں صراحت ہے۔ اس کی موجودگی میں قیاس وغیرہ کو بطور دلیل پیش نہیں کیا جاسکتا۔ واللہ أعلم.

(٢٧) بَابُ مِيرَاثِ الْعَبْدِ النَّصْرَانِيِّ وَالْمُكَاتَبِ النَّصْرَانِيِّ، وَ إِثْمِ مَنِ انْتَفٰى مِنْ وَّلَدِهِ

باب: 27- عیسائی غلام اور عیسائی مکاتب کی وراثت کا بیان، نیز اس شخص کے گناہ کا بیان جو اپنے بچے کی نفی کرے

وضاحت: مکاتب وہ غلام ہوتا ہے جو اپنے آقا سے تحریری معاہدہ کرتا ہے کہ وہ ایک طے شدہ مدت میں مقررہ رقم ادا کر کے آزاد ہو جائے گا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے متعلق کوئی حدیث پیش نہیں کی کیونکہ اس کا حکم سابقہ حدیث سے اخذ کیا جاسکتا ہے کہ کوئی مسلمان کسی کافر کا مال بطور وراثت نہیں لے سکتا۔ وراثت کے بغیر کافر کا مال لینے میں کوئی حرج نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن بطال کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب عیسائی غلام فوت ہو جائے تو اس کا مال اس کے آقا کا ہے کیونکہ وہ اس کا غلام تھا اور غلام کا مال اس کے آقا کا ہوتا ہے کیونکہ غلام کسی چیز کا مالک نہیں بن سکتا، لہذا اس کا مالک بحیثیت وراثت اس کے مال کا حق دار نہیں ہے بلکہ ایک دوسری جہت سے مالک نے وہ مال لیا ہے۔[2] جو انسان اپنے بیٹے کی نفی کرتا ہے اس کے متعلق متعدد روایات ہیں کہ ایسا کرنا بہت سنگین جرم ہے۔ حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس آدمی نے اپنے بچے کا انکار کیا، حالانکہ وہ اسے پہچانتا بھی ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے اپنے دیدار سے محروم کر دے گا اور اسے تمام لوگوں کے سامنے ذلیل و رسوا کرے گا۔''[3]

(٢٨) بَابُ مَنِ ادَّعٰى أَخًا أَوِ ابْنَ أَخٍ

باب: 28- جو کسی شخص کے متعلق اپنا بھائی یا بھتیجا ہونے کا دعویٰ کرے

٦٧٦٥ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّهَا قَالَتْ: اخْتَصَمَ سَعْدُ بْنُ أَبِي

[6765] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ رضی اللہ عنہما کا ایک لڑکے کے متعلق جھگڑا ہوا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! یہ لڑکا

---

[1] النسآء 4:141. [2] فتح الباري: 12/64. [3] سنن ابن ماجه، الفرائض، حديث: 2743.

وَقَّاصٍ وَّعَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ فِي غُلَامٍ، فَقَالَ سَعْدٌ: هٰذَا يَا رَسُولَ اللهِ ابْنُ أَخِي عُتْبَةَ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَهِدَ إِلَيَّ أَنَّهُ ابْنُهُ، انْظُرْ إِلٰى شَبَهِهِ، وَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ: هٰذَا أَخِي يَا رَسُولَ اللهِ! وُلِدَ عَلٰى فِرَاشِ أَبِي مِنْ وَّلِيدَتِهِ، فَنَظَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلٰى شَبَهِهِ فَرَأٰى شَبَهًا بَيِّنًا بِعُتْبَةَ، فَقَالَ: «هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ بْنَ زَمْعَةَ، اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ، وَاحْتَجِبِي مِنْهُ يَا سَوْدَةُ بِنْتَ زَمْعَةَ»، قَالَتْ: فَلَمْ يَرَ سَوْدَةَ بَعْدُ. [راجع: ٢٠٥٣]

میرے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کا بیٹا ہے۔ اس نے مجھے وصیت کی تھی کہ وہ اس کا بیٹا ہے۔ آپ اس کی شکل و صورت پر نظر فرمائیں۔ عبد بن زمعہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! یہ میرا بھائی ہے۔ میرے والد کے بستر پر ان کی لونڈی سے پیدا ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے لڑکے کی شکل و صورت دیکھی تو اس کی عتبہ سے واضح طور پر مشابہت تھی، چنانچہ آپ نے فرمایا: ”اے عبد بن زمعہ! یہ لڑکا آپ کے لیے ہے کیونکہ بچہ بستر والے کا ہوتا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں، اور اے سودہ بنت زمعہ! تم اس لڑکے سے پردہ کرو۔“ چنانچہ پھر اس لڑکے نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو نہیں دیکھا۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس لڑکے کے متعلق اپنا بھتیجا ہونے کا دعویٰ کیا جبکہ عبد بن زمعہ نے اس کے متعلق اپنے بھائی ہونے کا دعویٰ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فراش کو بنیاد بنا کر اس بیٹے کا الحاق عبد بن زمعہ سے کر دیا اور واضح مشابہت کی وجہ سے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو اس سے پردہ کرنے کا حکم دیا۔ ② بہرحال دعویٰ کرنے سے نسب ثابت نہیں ہوتا، چنانچہ جب کوئی شخص فوت ہو جائے اور ایک بیٹا چھوڑ جائے اور اس کا کوئی دوسرا وارث نہ ہو، پھر بیٹا کسی کے متعلق اقرار کرے کہ فلاں اس کا بھائی ہے تو امام مالک رحمہ اللہ اور اہل کوفہ کے نزدیک اس اقرار سے اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا اور نہ اسے وراثت سے حصہ ہی دیا جائے گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ بیٹا اپنے والد کے قائم مقام ہے، لہٰذا اس کا اقرار ایسا ہے جیسے میت نے زندگی میں اس کا اقرار کیا تھا لیکن پہلا موقف زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ کسی کو اپنا بھائی کہنا باپ کی طرف اس کے بیٹا ہونے کی نسبت کرنا ہے، حالانکہ غیر کی طرف کسی کو منسوب کرنا جائز نہیں۔ ہاں اس کے قرائن موجود ہوں تو دوسری بات ہے۔ اس صورت میں کوئی قرینہ نہیں ہے جس کی بنا پر بھائی کے اقرار سے کسی کو باپ کا بیٹا ثابت کر دیا جائے۔[1]

(٢٩) بَابُ مَنِ ادَّعٰى إِلٰى غَيْرِ أَبِيهِ

باب: 29- جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا

٦٧٦٦ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ - هُوَ ابْنُ عَبْدِ اللهِ -: حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ

[6766] حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے

[1] عمدة القاري: 47/16.

سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «مَنِ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ غَيْرُ أَبِيهِ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ». [راجع: ٤٣٢٦]

ہوئے سنا: ''جس نے اپنی نسبت اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف کی، حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ اس کا باپ نہیں تو اس پر جنت حرام ہے۔''

٦٧٦٧ - فَذَكَرْتُهُ لِأَبِي بَكْرَةَ فَقَالَ: وَأَنَا سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِي مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ. [راجع: ٤٣٢٧]

[6767] میں نے اس حدیث کا ذکر حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے کیا تو انھوں نے کہا: اس حدیث کو رسول اللہ ﷺ سے میرے دونوں کانوں نے بھی سنا ہے اور میرے دل نے اس کو محفوظ (یاد) رکھا ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کا پس منظر اس طرح ہے کہ زیاد جو حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے عبید کے فراش پر پیدا ہوا تھا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیاسی وجوہات کی بنا پر نسب کے طور پر اسے اپنے ساتھ ملا یا اور اپنا بھائی قرار دے دیا تھا اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ زیاد کے مادری بھائی تھے۔ ابوعثمان نہدی نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کو اس کے متعلق کہا تو انھوں نے حدیث بیان کی۔ اس وقت کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس اقدام پر اعتراض کیا تھا۔[1] ② اہل علم نے حدیث میں ذکر کردہ وعید کو تہدید پر محمول کیا ہے۔ ہاں جو اسے جائز اور حلال کہتا ہے اس کے کفر میں کوئی شبہ نہیں اور کافروں پر جنت حرام ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ جس نے اپنے باپ سے اعراض کیا اس نے کفر کیا۔ اس سے مراد کفران نعمت ہے، یعنی اس نے اُبُوّت جیسی عظیم نعمت کا انکار کیا ہے۔[2]

٦٧٦٨ - حَدَّثَنَا أَصْبَغُ بْنُ الْفَرَجِ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي عَمْرٌو عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنْ عِرَاكٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا تَرْغَبُوا عَنْ آبَائِكُمْ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ أَبِيهِ فَهُوَ كُفْرٌ».

[6768] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''اپنے باپ دادا سے اعراض نہ کرو۔ جس نے اپنے باپ سے روگردانی کی، اس نے کفر کا ارتکاب کیا۔''

فائدہ: دور جاہلیت میں لوگ جب کسی کو منہ بولا بیٹا بنا لیتے تو وہ بیٹا خود کو اپنے باپ کے علاوہ اسی کی طرف منسوب کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ احزاب میں اس بات کا سختی سے نوٹس لیا ہے۔[3] امتناعی حکم کے باوجود آج اکثر لوگ لے پالک کو اپنی طرف ہی منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ شریعت میں اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ ابن بطال نے لکھا ہے کہ غیر شعوری طور پر اس طرح کی شہرت مذکورہ وعید کی زد میں نہیں آتی۔[4] بہرحال مذکورہ کفر سے مراد کفر حقیقی نہیں جو انسان کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتا ہے بلکہ اس سے مراد کفران نعمت ہے۔ واللہ أعلم.

---

① فتح الباري: 66/12. ② عمدة القاري: 48/16. ③ الأحزاب 33:5. ④ فتح الباري: 67/12.

(٣٠) بَابٌ: إِذَا ادَّعَتِ الْمَرْأَةُ ابْنًا

باب: 30- جب کوئی عورت کسی بیٹے کا دعویٰ کرے

٦٧٦٩ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ [قَالَ]: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «كَانَتِ امْرَأَتَانِ، مَعَهُمَا ابْنَاهُمَا، جَاءَ الذِّئْبُ فَذَهَبَ بِابْنِ إِحْدَاهُمَا فَقَالَتْ لِصَاحِبَتِهَا: إِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكِ، فَقَالَتِ الْأُخْرٰى: إِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكِ، فَتَحَاكَمَتَا إِلٰى دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَقَضٰى بِهِ لِلْكُبْرٰى، فَخَرَجَتَا عَلٰى سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوُدَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، فَأَخْبَرَتَاهُ فَقَالَ: ائْتُونِي بِالسِّكِّينِ أَشُقُّهُ بَيْنَهُمَا، فَقَالَتِ الصُّغْرٰى: لَا تَفْعَلْ، يَرْحَمُكَ اللهُ، هُوَ ابْنُهَا، فَقَضٰى بِهِ لِلصُّغْرٰى».

[6769] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دو عورتیں تھیں۔ ان کے ساتھ ان کے دو بیٹے بھی تھے۔ بھیڑیا آیا اور ان میں سے ایک بیٹا اٹھا کر لے گیا۔ اس نے اپنی سہیلی سے کہا کہ بھیڑیا تیرا بیٹا لے گیا ہے۔ دوسری عورت نے کہا: وہ تو تیرا بیٹا لے گیا ہے۔ دونوں حضرت داود ؑ کے پاس فیصلہ لے گئیں تو انھوں نے فیصلہ بڑی کے حق میں دے دیا۔ پھر وہ دونوں حضرت سلیمان ؑ کے پاس فیصلہ لے گئیں اور واقعہ سے انھیں آگاہ کیا تو انھوں نے فرمایا: میرے پاس چھری لاؤ، میں اس بچے کو تم دونوں کے درمیان تقسیم کر دیتا ہوں، چھوٹی عورت نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے! آپ ایسا نہ کریں، یہ اس (بڑی) کا ہی بیٹا ہے۔ اس کے بعد حضرت سلیمان ؑ نے چھوٹی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔''

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: وَاللهِ إِنْ سَمِعْتُ بِالسِّكِّينِ قَطُّ إِلَّا يَوْمَئِذٍ، وَمَا كُنَّا نَقُولُ إِلَّا: الْمُدْيَةَ.

[راجع: ٣٤٢٧]

حضرت ابو ہریرہ ؓ نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اس دن سے پہلے کبھی سکّین کا لفظ نہیں سنا تھا۔ ہم تو چھری کے لیے مدية کا لفظ بولتے تھے۔

فوائد ومسائل: ① حضرت سلیمان ؑ نے عورت کے دعویٰ ہی سے بچہ اس کے حوالے نہیں کیا بلکہ آثار و قرائن دیکھ کر چھوٹی عورت کو دے دیا۔ انھوں نے چھوٹی عورت کی شفقت سے استدلال کیا کہ وہ اس کی ماں ہے، چنانچہ حضرت سلیمان ؑ نے بڑی عورت سے کہا: اگر تیرا بیٹا ہوتا تو تو اسے دولخت کرنے پر کبھی راضی نہ ہوتی۔ ② اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی عورت جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو کسی غیر معروف نسب والے بچے کے متعلق دعویٰ کرے کہ یہ میرا بیٹا ہے اور کوئی دوسرا شخص اس دعوے کو مسترد نہ کرے تو اس کی بات اور دعویٰ تسلیم کیا جائے گا اور کسی ایک کے فوت ہونے پر دوسرا اس کا وارث ہوگا، نیز اس بچے کے مادری بھائی اس کے وارث ہوں گے۔ اگر اس کا شوہر زندہ ہو اور عورت اس کی موجودگی میں یہ دعویٰ کرے کہ فلاں بچہ اس کا بیٹا ہے لیکن شوہر اس کا انکار کرتا ہے تو عورت کا دعویٰ تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ ہاں، اگر وہ اس پر دو گواہ پیش کر دے

تو اس کی بات مان لی جائے گی۔ واللہ أعلم۔[1] ③ چھری کو مُدْيَة اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ حیوان کی زندگی کی مدت ختم کر دیتی ہے اور سِکِّین اس لیے کہتے ہیں کہ یہ حیوان کی حرکت میں سکون پیدا کر دیتی ہے۔

(٣١) بَابُ الْقَائِفِ

باب: 31- قیافہ شناس کا بیان

وضاحت: قیافہ کے معنی ہیں: آثار کی جان پہچان۔ اصطلاح میں قائف اس شخص کو کہا جاتا ہے جو مشابہت کو پہچانے اور آثار میں نظر کرے۔ ایسے شخص کو قائف اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اشیاء کی تتبع و تلاش کرتا ہے۔ اسے کتاب الفرائض میں اس لیے بیان کیا ہے کہ قیافہ شناسی کی بنا پر بعض اوقات مُلْحَق اور مُلْحَق بہ میں وراثت جاری ہوتی ہے۔ اس سے کوئی حکم تو ثابت نہیں ہوتا، البتہ تائید کے لیے اسے پیش کیا جا سکتا ہے۔

٦٧٧٠ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ دَخَلَ عَلَيَّ مَسْرُورًا تَبْرُقُ أَسَارِيرُ وَجْهِهِ فَقَالَ: «أَلَمْ تَرَيْ إِلَى مُجَزِّزٍ نَظَرَ آنِفًا إِلَى زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ وَأُسَامَةَ ابْنِ زَيْدٍ فَقَالَ: إِنَّ هٰذِهِ الْأَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ». [راجع: ٣٥٥٥]

[6770] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ میرے ہاں ایک دفعہ بہت خوش خوش تشریف لائے، آپ کے چہرے کے خطوط چمک رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ”اے عائشہ! تم نے نہیں دیکھا کہ مجزز (قیافہ شناس) نے ابھی ابھی زید بن حارثہ اور اسامہ بن زید کو دیکھا تو کہا: یہ پاؤں ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں۔“

٦٧٧١ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ وَهُوَ مَسْرُورٌ فَقَالَ: «يَا عَائِشَةُ! أَلَمْ تَرَيْ أَنَّ مُجَزِّزًا الْمُدْلِجِيَّ دَخَلَ عَلَيَّ فَرَأَى أُسَامَةَ وَزَيْدًا وَعَلَيْهِمَا قَطِيفَةٌ قَدْ غَطَّيَا رُؤُسَهُمَا وَبَدَتْ أَقْدَامُهُمَا فَقَالَ: إِنَّ هٰذِهِ الْأَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ». [راجع: ٣٥٥٥]

[6771] حضرت عائشہ ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے ہاں بہت خوش خوش تشریف لائے اور فرمایا: ”اے عائشہ! تم نے نہیں دیکھا کہ مجزز مدلجی آیا اور اس نے حضرت اسامہ اور زید کو دیکھا جبکہ ان دونوں کے جسم پر ایک چادر تھی، جس نے دونوں کے سروں کو چھپا رکھا تھا، ان کے صرف پاؤں کھلے تھے تو اس نے کہا: یہ پاؤں ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں۔“

فوائد ومسائل: ① زمانہ جاہلیت میں لوگ حضرت اسامہ ؓ کے نسب میں بہت طعن کرتے تھے کیونکہ ان کا رنگ انتہائی

① فتح الباري: 68/12.

سیاہ تھا، جبکہ ان کے والد گرامی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بہت زیادہ سفید تھے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اس لیے سیاہ تھے کہ ان کی والدہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سیاہ فام تھی۔ ان دونوں کے رنگ مختلف ہونے کے باوجود قیافہ شناس نے ان کے پاؤں دیکھ کر کہا کہ یہ باپ بیٹے کے قدم ہیں۔ رسول اللہ ﷺ قیافہ شناس کی بات سے بہت خوش ہوئے کیونکہ اس سے طعن کرنے والوں کے منہ بند ہو گئے۔ ② اگرچہ قیافہ شناسی سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا، تاہم ثابت شدہ حکم کی تائید اس سے ضرور ہوتی ہے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا نسب پہلے سے ثابت شدہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نسب کے اثبات کے لیے اس قسم کے اندازے اور قیافے کے محتاج نہ تھے، تاہم رسول اللہ ﷺ نے قیافہ شناس کی تردید نہیں کی کیونکہ اس سے کوئی نیا حکم ثابت کرنا مقصود نہ تھا جو پہلے سے ثابت نہ ہو۔[1]

[1] فتح الباري: 70/12، وعمدة القاري: 51/16.

حدود کا معنی و مفہوم اور اہمیت

دنیا میں مال و دولت کی فراوانی مفاسد وخرابیاں پیدا کرنے کا باعث ہے، اسی طرح بعض اوقات دنیا کے ساز و سامان سے محرومی بھی امن وسکون تباہ کرنے کا سبب بن جاتی ہے۔ تقسیم ترکہ کے وقت یہ دونوں چیزیں ہوتی ہیں۔ کچھ رشتے داروں کو مفت میں دولت مل جاتی ہے تو کچھ تعلق دار اس سے محروم رہ جاتے ہیں۔ پھر کچھ جرائم ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی روک تھام کے لیے صرف آخرت سے ڈرانا ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ سخت ترین ملامت اور تکلیف دہ سزا کا مقرر کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ شریعت میں ایسی سزاؤں کو حدود وتعزیرات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ غالبًا امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الفرائض کے بعد کتاب الحدود کو اسی مقصد کے پیش نظر بیان کیا ہے۔ حدود، حد کی جمع ہے۔ لغوی اعتبار سے اس کے معنی رکاوٹ ہیں۔ چوکیدار کو حد اسی معنی میں کہا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کو اندر داخل ہونے سے منع کرتا ہے اور ان کے لیے رکاوٹ بن جاتا ہے۔ شریعت کی نظر میں اس سے مراد وہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ کا حق ہونے کی وجہ سے مقرر ہو۔ اس سے تعزیر غیر مقرر سزا اور قصاص وغیرہ خارج ہے۔ چونکہ حد کی مختلف قسمیں ہیں، جیسے: حد زنا، حد قذف اور حد شراب نوشی وغیرہ، اس لیے قسموں کے اعتبار سے حد کی جمع حدود آئی ہے۔ بعض اوقات حدود سے گناہ بھی مراد لیے جاتے ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''یہ معاصی اور گناہ اللہ کی حدیں ہیں تم ان کے قریب نہ جاؤ۔''[1]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے حدود وتعزیرات کا فلسفہ ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: معلوم ہونا چاہیے کہ بعض گناہ ایسے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے حد جاری فرمائی ہے اور اس قسم کے گناہ وہ ہیں جن میں مختلف قسم کے مفاسد موجود ہیں۔ ان گناہوں کے کرنے سے زمین میں فساد پھیل جاتا ہے اور اہل زمین کا امن وسکون تباہ ہو جاتا ہے اور ایسے گناہوں کی خواہش انسانی نفوس میں ہمیشہ جذباتی کیفیت پیدا کر دیتی ہے جس کی روک تھام سے لوگ قاصر ہو جاتے ہیں اور ان سے ایسے ایسے نقصانات ہو جاتے ہیں کہ اکثر اوقات خود مظلوم شخص بھی ان کی مدافعت نہیں کر پاتا، پھر عام لوگوں میں یہ گناہ بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ اس قسم کے گناہوں کو روکنے کے لیے صرف آخرت سے ڈرانا کافی نہیں ہوتا بلکہ ان سے لوگوں کو باز رکھنے کے لیے سخت سزائیں مقرر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جن میں ملامت کا پہلو بھی ہوتا ہے، تاکہ یہ عقوبت وسزا اور خطرۂ لعن طعن سامنے رہے اور لوگ اس قسم کے گناہ کرنے سے ڈرتے رہیں۔ شریعت میں سزائیں مقرر

---

[1] البقرة 2:187.

کرنے کی یہی وجہ ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

واضح رہے کہ انسان دو طریقوں سے جرائم سے بچ سکتا ہے، چنانچہ وہ انسان جس میں حیوانیت کا غلبہ ہے اسے سخت قسم کی عقوبت اور سنگین سزا ہی جرم کرنے سے باز رکھ سکتی ہے جیسا کہ حیوانات کو سخت جسمانی سزا ہی سرکشی سے باز رکھتی ہے، اور کچھ انسان ایسے ہوتے ہیں جن کے اندر حیوانیت کے بجائے جاہ وجلال کی محبت غالب ہوتی ہے، اس قسم کے لوگوں کو سخت قسم کی عار اور غیرت جرم کرنے سے روکتی ہے۔ ایسے شخص کے حق میں جسمانی تکلیف کے مقابلے میں عار و غیرت زیادہ کارگر ثابت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حدود میں یہ دونوں طریقے سمو دیے گئے ہیں۔ بہرحال جرائم کی روک تھام کے لیے حدود اللہ کا نفاذ انتہائی ضروری ہے۔ احادیث میں انھیں قائم کرنے کی فضیلت بھی بیان ہوئی ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک حد جس کے مطابق زمین میں عمل کیا جاتا ہے وہ اہل زمین کے لیے چالیس دنوں کی بارش سے بہتر ہے۔''[1] سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''اللہ کی حدود میں سے ایک حد قائم کر دینا اللہ کے شہروں میں چالیس راتوں کی بارش سے بہتر ہے۔''[2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت زنا کاری، شراب نوشی اور چوری وغیرہ کی حدیں بیان کی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے حد کو سترہ گناہوں پر واجب مانا ہے۔ ان میں سے مرتد ہونا، ڈاکا مارنا، زنا کرنا، تہمت لگانا، شراب پینا اور چوری کرنا۔ ان پر حد قائم کرنے کے متعلق علماء کا اتفاق ہے اور کچھ جرائم پر حد قائم کرنے میں اختلاف ہے، مثلاً: مانگی ہوئی چیز کا انکار کرنا، شراب کے علاوہ اور کوئی نشہ آور چیز استعمال کرنا، زنا کے علاوہ کسی چیز کی تہمت لگانا یا لواطت اگرچہ اپنی بیوی سے ہو، حیوانات سے جنسی خواہش پوری کرنا، عورتوں کا باہمی بدکاری کرنا، عورت کا کسی جانور سے خواہش پوری کرنا، جادو کرنا، سستی کی وجہ سے نماز ترک کرنا اور شرعی عذر کے بغیر انسان کا روزہ توڑ دینا وغیرہ۔[3] جو شخص ان گناہوں کا مرتکب ہوگا اگر دنیا میں اس پر حد قائم ہوگئی تو وہ اس کے لیے کفارہ ہو جائے گی بصورت دیگر وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے، وہ چاہے تو اسے معاف کر دے اور چاہے تو اسے سزا دے کر اس کی تلافی کر دے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ''الحدود كفارة'' کے عنوان میں اس امر کو بیان کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلی لکھتے ہیں: ''حدود شرعیہ سے گناہوں کے کفارے کی دو جہتیں ہیں کیونکہ اس کا مرتکب یا تو ایسا شخص ہے جو امر الٰہی کا پابند اور حکم الٰہی کی اطاعت کرنے والا ہوگا اور خود کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنے والا ہوگا تو ایسے شخص کے حق میں اللہ تعالیٰ کی حد کفارہ بن

---

(1) سنن ابن ماجه، الحدود، حديث: 2538. (2) سنن ابن ماجه، الحدود، حديث: 2537. (3) فتح الباري: 71/12.

جاتی ہے اور دوسری جہت یہ ہے کہ اسے تکلیف وایذا پہنچائی جائے، اس طرح اسے گناہ کرنے سے روکا جاتا ہے۔ یہی باز رہنا اس کا کفارہ ہے۔''[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الحدود میں مختلف مسائل واحکام کے استنباط کے لیے ایک سو تین (103) احادیث کا انتخاب کیا ہے جن میں اناسی (79) موصول اور چوبیس (24) کے قریب معلق اور متابعات ہیں، نیز باسٹھ (62) مکرر اور سترہ (17) خالص ہیں۔ آپ نے مرفوع احادیث کے علاوہ مختلف صحابہ اور تابعین سے بیس (20) آثار بھی پیش کیے ہیں۔ ان تمام مرفوع روایات اور آثار پر چھیالیس (46) چھوٹے چھوٹے عنوانات قائم کیے ہیں۔ چیدہ چیدہ حسب ذیل ہیں: شراب نوشی کی سنگینی، شرابی کو مارنا، شراب کا رسیا دین اسلام سے خارج نہیں ہوتا، غیر معین چور کو لعنت کرنا، حدود کفارہ ہیں، اللہ کی خاطر حدود قائم کرنا، امیر وغریب پر حد قائم کرنا، حدود کے متعلق سفارش کی حیثیت، چور کی توبہ، فحش کاری ترک کرنے کی فضیلت، زناکاروں کا گناہ، شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنا، دیوانے مرد وعورت کو رجم نہ کیا جائے، غیر شادی شدہ زناکار کو کوڑے مارے جائیں، جرائم پیشہ لوگوں اور ہیجڑوں کو جلاوطن کرنا، تعزیر وتادیب کی سزا، پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا، غلام پر تہمت لگانا، حاکم کی غیر موجودگی میں حد لگانا۔ بہرحال اس عنوان کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے بہت سے ایسے مسائل کا ذکر کیا ہے جن کا تعلق اصلاح معاشرہ سے ہے۔ ہماری گزارشات کو مدنظر رکھتے ہوئے کتاب الحدود کا مطالعہ کریں اور اپنے گردوپیش میں پھیلی ہوئی برائیوں کی روک تھام کے لیے بھرپور کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔ آمین یارب العالمین.

1 حجة الله البالغه، بحث حدود.

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

86- كِتَابُ الْحُدُودِ

حدود سے متعلق احکام و مسائل

(۱) بَابُ مَا يُحْذَرُ مِنَ الْحُدُودِ - بَابُ الزِّنَا وَشُرْبِ الْخَمْرِ

باب: 1- حدود والے گناہوں کا بیان، نیز زنا کاری اور شراب نوشی کا بیان

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: يُنْزَعُ مِنْهُ نُورُ الْإِيمَانِ فِي الزِّنَا.

حضرت ابن عباس ؓ نے کہا: زنا کرتے وقت اس (زانی) سے نور ایمان اٹھا لیا جاتا ہے۔

وضاحت: حضرت ابن عباس ؓ سے مروی اس اثر کو ابن ابی شیبہ نے متصل سند سے بیان کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ وہ اپنے غلاموں میں سے ایک ایک کو بلا کر کہتے تھے: کیا میں تمھاری شادی نہ کر دوں کیونکہ جو شخص زنا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے نور ایمان چھین لیتا ہے۔ ان سے ایک مرفوع روایت بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی شخص زنا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل سے نور ایمان نکال دیتا ہے پھر اگر واپس کرنا چاہے تو واپس کر دیتا ہے۔''[1]

٦٧٧٢ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَسْرِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَنْتَهِبُ نُهْبَةً يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ فِيهَا أَبْصَارَهُمْ

[6772] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب بھی کوئی زنا کرتا ہے تو زنا کرتے وقت وہ مومن نہیں رہتا۔ جب بھی کوئی شراب نوشی کرتا ہے تو شراب پیتے وقت وہ مومن نہیں رہتا۔ جب بھی کوئی چوری کرتا ہے تو چوری کرتے وقت وہ ایمان سے نہیں ہوتا۔ اور جب بھی کوئی لوٹنے والا لوٹتا ہے کہ لوگ اپنی نظریں اٹھا اٹھا کر اسے دیکھتے ہیں تو وہ مومن نہیں رہتا۔''

---

① المصنف لابن أبي شيبة، حديث: 17640.

وَهُوَ مُؤْمِنٌ».

وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِمِثْلِهِ إِلَّا النُّهْبَةَ. [راجع: ٢٤٧٥]

ابن شہاب نے سعید بن مسیب اور ابوسلمہ سے، وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، وہ نبی ﷺ سے لوٹ مار کے الفاظ کے بغیر اسے بیان کرتے ہیں۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں زنا، شراب نوشی، چوری اور ڈاکا زنی کے وقت ایمان کی نفی آئی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ شخص اس وقت کامل ایمان والا نہیں رہتا کیونکہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ جس نے لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں جائے گا اگرچہ وہ زنا کرے اور چوری کرے۔[1] نیز حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ انھوں نے چوری اور زنا نہ کرنے کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی۔ اس کے آخر میں ہے کہ جو شخص ان گناہوں کا مرتکب ہوگا اگر دنیا میں اس پر حد قائم ہوگئی تو وہ اس کے لیے کفارہ بن جائے گی بصورت دیگر وہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، چاہے تو اسے معاف کردے اور چاہے تو اسے سزا دے۔[2] ② اہل سنت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ کبیرہ گناہوں کے مرتکب کو کافر نہیں کہا جائے گا، البتہ شرک کرنے سے وہ کافر ہوجائے گا جبکہ خوارج اور معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ کبیرہ گناہوں کے ارتکاب سے انسان دین اسلام سے خارج ہوجاتا ہے اور ایسا شخص ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ دیگر احادیث خوارج کے موقف کی تردید کرتی ہیں۔ بہرحال مذکورہ حدیث اپنے ظاہری معنی پر محمول نہیں بلکہ محققین نے اس کی تاویل کی ہے جس کی تفصیل ہم نے بیان کی ہے۔[3]

(٢) بَابُ مَا جَاءَ فِي ضَرْبِ شَارِبِ الْخَمْرِ

باب: 2- شراب پینے والے کو مارنے کا بیان

٦٧٧٣ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ؛ ح: وَحَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ضَرَبَ فِي الْخَمْرِ بِالْجَرِيدِ وَالنِّعَالِ، وَجَلَدَ أَبُو بَكْرٍ أَرْبَعِينَ. [انظر: ٦٧٧٦]

[6773] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے شراب نوشی کرنے پر کھجور کی شاخوں اور جوتوں سے مارنے کا حکم دیا تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (شرابی کو) چالیس کوڑے مارے تھے۔

فائدہ: ابتدائے اسلام میں شرابی کو مارنے کی حد مقرر نہ تھی، جوتوں اور چھڑیوں سے اس کی مرمت کرنے پر اکتفا کیا جاتا تھا، پھر رسول اللہ ﷺ نے شرابی کی سزا چالیس چھڑیاں مقرر فرمائی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی یہی سزا رہی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ لوگ اس سزا سے شراب نوشی سے باز نہیں آرہے تو انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہلکی سے ہلکی حد اسی (80) کوڑے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کوڑے مارنے کا حکم

[1] صحيح البخاري، اللباس، حديث: 5827. [2] صحيح البخاري، الحدود، حديث: 6784. [3] فتح الباري: 74/12.

دیا۔[1] حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب شرابی نشے میں ہوتا ہے تو بکواس کرتا ہے اور بہتان باندھتا ہے، بہتان باندھنے والے کی سزا اسی (80) کوڑے ہیں۔ اسی تعداد کو سرکاری طور پر نافذ کر دیا گیا۔[2]

(٣) بَابُ مَنْ أَمَرَ بِضَرْبِ الْحَدِّ فِي الْبَيْتِ

باب: 3- جس نے گھر میں حد لگانے کا حکم دیا

٦٧٧٤ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ أَيُّوبَ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ: جِيءَ بِالنُّعَيْمَانِ أَوْ بِابْنِ النُّعَيْمَانِ شَارِبًا، فَأَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ كَانَ بِالْبَيْتِ أَنْ يَضْرِبُوهُ، قَالَ: فَضَرَبُوهُ، فَكُنْتُ أَنَا فِيمَنْ ضَرَبَهُ بِالنِّعَالِ. [راجع: ٢٣١٦]

[6774] حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نعیمان یا ابن نعیمان کو نشے کی حالت میں لایا گیا تو نبی ﷺ نے گھر میں موجود لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اس کو ماریں، چنانچہ لوگوں نے اسے مارا۔ میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا جنھوں نے اسے جوتوں سے مارا تھا۔

فوائد و مسائل: ① کچھ حضرات کا موقف ہے کہ شرابی کو برسر عام سزا دینی چاہیے تاکہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔ وہ دلیل کے طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک عمل کا حوالہ دیتے ہیں کہ ان کے بیٹے ابوشحمہ نے مصر میں شراب نوشی کی تو وہاں کے حاکم حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اسے گھر میں سزا دی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو انھوں نے اسے مدینہ طیبہ طلب کیا اور برسر عام کوڑوں کی سزا دی، لیکن جمہور اہل علم کا موقف ہے کہ شرابی کو اگر گھر میں سزا دی جائے تو جائز ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے بیٹے کو سزا دینے میں مبالغہ مقصود تھا، یہ مطلب نہیں کہ گھر میں سزا دینی جائز نہیں ہے۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے جمہور اہل علم کی تائید میں یہ روایت پیش کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سے یہ عمل ثابت ہے تو اس کے جواز میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔[3]

(٤) بَابُ الضَّرْبِ بِالْجَرِيدِ وَالنِّعَالِ

باب: 4- شرابی کو چھڑیوں اور جوتوں سے مارنا

٦٧٧٥ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا وُهَيْبُ بْنُ خَالِدٍ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُتِيَ بِنُعَيْمَانَ أَوْ بِابْنِ نُعَيْمَانَ وَهُوَ سَكْرَانُ، فَشَقَّ عَلَيْهِ، وَأَمَرَ مَنْ فِي الْبَيْتِ أَنْ يَضْرِبُوهُ، فَضَرَبُوهُ بِالْجَرِيدِ وَالنِّعَالِ، وَكُنْتُ فِيمَنْ ضَرَبَهُ. [راجع: ٢٣١٦]

[6775] حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی خدمت میں نعیمان یا اس کے بیٹے کو حاضر کیا گیا جبکہ وہ شراب کے نشے میں دھت تھا۔ آپ ﷺ کو یہ حالت بہت ناگوار گزری تو آپ نے گھر میں موجود لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اس کو ماریں، چنانچہ انھوں نے کھجور کی چھڑیوں اور جوتوں سے اس کو مارا۔ میں بھی ان لوگوں میں تھا جنھوں نے اسے مارا تھا۔

---

① فتح الباري: 78/12. ② المصنف لعبدالرزاق، حديث: 13542. ③ فتح الباري: 79/12.

٦٧٧٦ - حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: جَلَدَ النَّبِيُّ ﷺ فِي الْخَمْرِ بِالْجَرِيدِ وَالنِّعَالِ، وَجَلَدَ أَبُو بَكْرٍ أَرْبَعِينَ. [راجع: ٦٧٧٣]

[6776] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے شراب نوشی پر چھڑی اور جوتوں سے مارا، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چالیس کوڑے لگوائے تھے۔

فوائدومسائل: ① شرابی کو کوڑے لگائے جائیں یا ویسے ہی مارا جائے، اس کے متعلق تین موقف ہیں۔ راجح مذہب یہ ہے کہ اسے کوڑے بھی لگائے جاسکتے ہیں اور چھڑیوں اور جوتوں سے بھی اس کی مرمت کی جاسکتی ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ اسے کوڑے ہی مارے جائیں۔ تیسرا یہ ہے کہ صرف چھڑیوں اور جوتوں سے مارا جائے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جوتوں اور چھڑیوں پر ہی اکتفا کیا اور اس کا نسخ ثابت نہیں اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے کوڑے لگانا ثابت ہے، لہٰذا دونوں استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ بعض حضرات نے ایک درمیانی راستہ نکالا ہے کہ جو شراب نوشی کے عادی مجرم ہوں انھیں کوڑوں سے سزا دی جائے اور کمزوروں کے لیے کپڑوں، جوتوں اور چھڑیوں سے مارنے کی سزا کافی ہے اور ان کے علاوہ دوسروں کے لیے حسب حال جو مناسب ہو اسے استعمال کیا جائے۔[1] ② واضح رہے کہ جلد کا لفظ جلد، یعنی کھال سے ماخوذ ہے۔ اس سے مراد ایسی مار ہے جس کا اثر جلد تک رہے ایسی مار جس سے گوشت کے ٹکڑے اڑ جائیں یا کھال پھٹ کر اندر تک زخم پڑ جائے، شریعت کی منشا کے خلاف ہے کیونکہ سزا سے زیادہ اسے عار دلانا اور شرمندہ کرنا مقصود ہے۔ واللہ أعلم.

٦٧٧٧ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا أَبُو ضَمْرَةَ أَنَسٌ عَنْ يَزِيدَ بْنِ الْهَادِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ قَالَ: «اضْرِبُوهُ»، قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: فَمِنَّا الضَّارِبُ بِيَدِهِ، وَالضَّارِبُ بِنَعْلِهِ، وَالضَّارِبُ بِثَوْبِهِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ: أَخْزَاكَ اللهُ، قَالَ: «لَا تَقُولُوا هَكَذَا، لَا تُعِينُوا عَلَيْهِ الشَّيْطَانَ». [انظر: ٦٧٨١]

[6777] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے ابھی ابھی شراب نوشی کی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے مارو۔'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم میں سے بعض نے اسے مکوں سے مارا۔ کچھ نے جوتوں اور کچھ نے کپڑوں سے اس کی مرمت کی۔ جب وہ جانے لگا تو کسی نے کہا: اللہ تجھے رسوا کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا مت کہو اور اس کے خلاف شیطان کی مدد نہ کرو۔''

فوائدومسائل: ① اس حدیث میں شرابی کو مارنے کے لیے تعداد کا تعین نہیں ہے کیونکہ شروع اسلام میں اس کی تعداد مقرر نہ تھی، البتہ آپ ﷺ نے اس پر رسوائی کی بددعا کرنے کو شیطان کی مدد قرار دیا ہے۔ اس طرح شیطان کو وسوسہ اندازی کا موقع ملے گا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں ایسا کرنا یہ تاثر دینا ہے کہ وہ بددعا کا مستحق ہے تو شیطان اس کے دل

[1] فتح الباري: 81/12.

میں گندے خیالات پیدا کرے گا، اس لیے آپ نے اس سے منع فرمایا۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے کوڑے نہیں لگوائے تھے بلکہ جوتوں، مکوں اور کپڑے کے سونٹوں کو کافی خیال کیا تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا اس حدیث سے یہی مقصود ہے۔

٦٧٧٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا أَبُو حَصِينٍ: سَمِعْتُ عُمَيْرَ بْنَ سَعِيدٍ النَّخَعِيَّ قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: مَا كُنْتُ لِأُقِيمَ حَدًّا عَلَى أَحَدٍ فَيَمُوتَ فَأَجِدَ فِي نَفْسِي، إِلَّا صَاحِبَ الْخَمْرِ فَإِنَّهُ لَوْ مَاتَ وَدَيْتُهُ، وَذٰلِكَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَمْ يَسُنَّهُ.

[6778] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں کسی پر حد قائم نہیں کرتا جس سے وہ مرجائے، پھر مجھے اس کا رنج ہو سوائے شرابی کے۔ اگر وہ حد قائم کرنے سے مرجائے تو میں اس کی دیت ادا کروں گا۔ یہ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی۔

فوائد ومسائل: ① چونکہ رسول اللہ ﷺ نے شرابی کے لیے کوڑوں کی سزا مقرر نہیں کی، اس لیے اگر کسی شرابی کی کوڑے کھاتے کھاتے موت واقع ہو جائے یا چالیس سے زیادہ کوڑے کھانے سے وہ مرجائے تو اس صورت میں اس کی دیت دی جائے گی اور یہ دیت حاکم وقت کے عاقلہ (عصبہ رشتے داروں) پر ہوگی۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوڑوں کے علاوہ جوتوں اور چھڑیوں سے موت واقع ہو جائے تو اس صورت میں دیت نہیں دی جائے گی۔[1] ② ہمارے ہاں کوڑے کے لیے خاص طور پر بید تیار کیا جاتا ہے، اسے مارنے کے لیے ایک خاص آدمی ہوتا ہے جو مارنے کی مشق کرتا رہتا ہے، بید کو بھگو بھگو کر مارا جاتا ہے تاکہ جسم کو چھری کی طرح کاٹ دیا جائے، مجرم کو ننگا کر کے باندھ دیا جاتا ہے تاکہ وہ تڑپ بھی نہ سکے۔ جب جلاد مارنے کے لیے بھاگتا ہوا آتا ہے اور پوری طاقت سے اس کے سرین پر مارتا ہے یہاں تک کہ گوشت قیمہ بن کر اڑتا چلا جاتا ہے۔ بسا اوقات تو ہڈی نظر آنے لگتی ہے۔ اس طرح کی ''مہذب'' سزائیں دینے والے حضرات اسلام کی سزاؤں کو وحشیانہ کہتے ہیں۔ اس پر ہم تعجب ہی کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں سمجھ عطا کرے۔

٦٧٧٩ - حَدَّثَنَا مَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْجُعَيْدِ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ خُصَيْفَةَ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: كُنَّا نُؤْتَى بِالشَّارِبِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَإِمْرَةِ أَبِي بَكْرٍ وَّصَدْرًا مِّنْ خِلَافَةِ عُمَرَ، فَنَقُومُ إِلَيْهِ بِأَيْدِينَا وَنِعَالِنَا وَأَرْدِيَتِنَا، حَتَّى كَانَ

[6779] حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور حکومت میں شراب پینے والے کو ہمارے پاس لایا جاتا تو ہم اسے اپنے ہاتھوں، جوتوں اور کپڑوں سے مارتے تھے۔ آخر

[1] فتح الباري: 83/12.

آخِرُ إِمْرَةِ عُمَرَ فَجَلَدَ أَرْبَعِينَ، حَتَّى إِذَا عَتَوْا وَفَسَقُوا جَلَدَ ثَمَانِينَ.

کار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری دور خلافت میں شراب پینے والوں کو چالیس کوڑے لگوائے۔ پھر جب لوگوں نے مزید سرکشی کی اور فسق و فجور کرنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسّی (80) کوڑے مارے۔

فوائدومسائل: ① حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں چھ سال عمر تھی۔ ممکن ہے کہ انھوں نے اپنے والد، چچا اور دیگر بزرگوں کے ہمراہ شرابی کو مارتے وقت شرکت کی ہو، لہٰذا ان کا اسے مارنے کے فعل کو اپنی طرف منسوب کرنا حقیقت پر مبنی ہوگا۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ شرابی کو حد لگانے کے متعلق علمائے امت کی چھ آراء ہیں: راجح رائے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق کوئی حد مقرر نہیں کی بلکہ شرابی کے حسب حال صرف زدوکوب کیا جاتا تھا اور اسے شرمسار کیا جاتا، نیز عار دلانے پر اکتفا کیا جاتا تھا۔ اگر اس سلسلے میں کوئی حد مقرر کی ہوتی تو اسے وضاحت سے بیان کیا جاتا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں یہ وبا زیادہ ہوئی تو انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا اور چالیس (40)، پھر اسی (80) کوڑے مقرر کیے، جن لوگوں سے مشورہ لیا گیا انھوں نے بھی رسول اللہ ﷺ کا کوئی ارشاد یا عمل پیش نہیں کیا بلکہ عقل و رائے سے کام لے کر انھیں مشورہ دیا۔ ③ امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی یہی رجحان معلوم ہوتا ہے کیونکہ انھوں نے کوڑوں کی تعداد کے متعلق کوئی عنوان قائم نہیں کیا اور نہ تعداد ہی کے تعین میں کوئی مرفوع حدیث ذکر کی ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ امر پر اکتفا کیا جائے۔ زیادہ سے زیادہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر عمل کیا جاسکتا ہے تاکہ لوگ اس ام الخبائث کو منہ لگانے سے پرہیز کریں۔[1]

(٥) بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ لَعْنِ شَارِبِ الْخَمْرِ، وَإِنَّهُ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنَ الْمِلَّةِ

باب: 5- شرابی پر لعنت کرنا مکروہ ہے اور وہ ملت اسلامیہ سے خارج نہیں ہوتا

وضاحت: اس عنوان کا مقصد یہ ہے کہ شراب پینے کے متعلق دو حدیثوں کے درمیان بظاہر تعارض کو دور کیا جائے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شرابی پر لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ وہ شراب پینے وقت مومن نہیں ہوتا۔ تعارض اس طرح دور کیا جاسکتا ہے کہ ایمان کی نفی سے مراد کمال ایمان کی نفی ہے، یہ مراد نہیں کہ وہ ایمان سے خالی ہوجاتا ہے۔ جب شرابی ملت اسلامیہ سے خارج نہیں ہے تو وہ لعنت کا حق دار کیونکر ہوسکتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے لفظ مکروہ استعمال کرکے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ لعنت نہ کرنے کی نہی تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے جبکہ لعنت کرنے والے کا مقصد صرف اسے برا بھلا کہنا ہو، ہاں اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور رہنے کی بددعا دینا ہے تو نہی تحریمی ہوگی۔[2]

٦٧٨٠ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ

[6780] حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

---

1 فتح الباري: 91/12. 2 فتح الباري: 92/12.

[قَالَ]: حَدَّثَنِي خَالِدُ بْنُ يَزِيدَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ: أَنَّ رَجُلًا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ كَانَ اسْمُهُ عَبْدَ اللهِ، وَكَانَ يُلَقَّبُ حِمَارًا، وَكَانَ يُضْحِكُ رَسُولَ اللهِ ﷺ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ قَدْ جَلَدَهُ فِي الشَّرَابِ، فَأُتِيَ بِهِ يَوْمًا فَأَمَرَ بِهِ فَجُلِدَ، فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ: اللّٰهُمَّ الْعَنْهُ، مَا أَكْثَرَ مَا يُؤْتَى بِهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا تَلْعَنُوهُ، فَوَاللهِ مَا عَلِمْتُ، أَنَّهُ يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ».

نبی ﷺ کے زمانے میں ایک شخص کا نام عبداللہ اور اس کا لقب حمار تھا، وہ رسول اللہ ﷺ کو ہنسایا کرتا تھا۔ نبی ﷺ نے اسے شراب پینے پر مارا تھا، ایک دن اس کو لایا گیا تو آپ ﷺ کے حکم سے اسے مارا گیا۔ حاضرین میں سے ایک آدمی نے کہا: اللہ اس پر لعنت کرے! اسے بکثرت اس سلسلے میں لایا جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اس پر لعنت نہ کرو، اللہ کی قسم! میں تو اس کے متعلق یہی جانتا ہوں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔“

٦٧٨١ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ الْهَادِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: أُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِسَكْرَانَ فَأَمَرَ بِضَرْبِهِ، فَمِنَّا مَنْ يَضْرِبُهُ بِيَدِهِ، وَمِنَّا مَنْ يَضْرِبُهُ بِنَعْلِهِ، وَمِنَّا مَنْ يَضْرِبُهُ بِثَوْبِهِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ رَجُلٌ: مَا لَهُ أَخْزَاهُ اللهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تَكُونُوا عَوْنَ الشَّيْطَانِ عَلَى أَخِيكُمْ».

[راجع: ٦٧٧٧]

[6781] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص نشے کی حالت میں لایا گیا تو آپ ﷺ نے اسے مارنے کا حکم دیا، چنانچہ ہم میں کچھ لوگ اسے ہاتھوں سے پیٹنے لگے اور بعض حضرات نے اسے جوتے مارے جبکہ کچھ لوگوں نے کپڑوں (کو بٹ دے کر ان) سے اس کی مرمت کی۔ جب وہ چلا گیا تو ایک شخص نے کہا: اسے کیا ہو گیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو رسوا کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم اپنے بھائی کے خلاف شیطان کے مددگار نہ بنو۔“

فوائد ومسائل: ① جب کوئی اپنے جرم کی سزا بھگت لے تو اسے برا بھلا کہنا یا اس پر لعنت کرنا درست نہیں بلکہ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش اور رحم کی دعا کرو۔“ اور مارنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اسے شرمسار کرو تو لوگوں نے اسے کہا: تو اللہ سے نہیں ڈرتا، تجھے اس کے عذاب سے خوف نہیں آتا، تجھے رسول اللہ ﷺ سے حیا نہیں آتی، اسے ملامت کرنے کے بعد چھوڑ دیا گیا۔“[1] ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے شارح صحیح بخاری ابن منیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ معین شخص پر لعنت کرنا مطلق طور پر منع ہے، البتہ نام لیے بغیر برا کام کرنے پر لعنت کرنا جائز ہے کیونکہ ایسا کرنے سے ممکن ہے کہ وہ باز آجائے، البتہ نام لے کر لعنت کرنا اس کے لیے باعث اذیت ہے اور مسلمان کو اذیت پہنچانا جائز نہیں۔ معین شخص پر لعنت کرنا اس لیے بھی منع ہے کہ ایسا کرنے سے وہ گناہ پر ڈٹ جائے گا اور توبہ سے مایوس ہو کر اس گندے

① سنن أبي داود، الحدود، حديث: 4478.

کام پر دلیر ہوگا۔ بعض حضرات نے نام لے کر لعنت کرنے کو جائز قرار دیا ہے لیکن ان کا موقف راجح نہیں۔[1] واللہ أعلم.

(٦) بَابُ السَّارِقِ حِينَ يَسْرِقُ

باب: 6- چور، جب چوری کرتا ہے

وضاحت: اس عنوان کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ وضاحت بیان کی ہے کہ چور، جس وقت چوری کرتا ہے، تو اس کے ایمان کی حالت کیا ہوتی ہے؟ کیا وہ ملت اسلامیہ سے خارج ہوجاتا ہے؟

٦٧٨٢ - حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دَاوُدَ: حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ غَزْوَانَ عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَّلَا يَسْرِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ». [انظر: ٦٨٠٩]

[6782] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جب زنا کرنے والا زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں رہتا اور چور بھی جب چوری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں رہتا۔''

فوائدومسائل: ① ایک روایت کے مطابق حضرت عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ ایمان کس طرح نکال لیا جاتا ہے تو انھوں نے اپنی انگلیوں کو انگلیوں میں ڈالا، پھر ان کو نکال کر دکھایا کہ اس طرح ایمان نکال لیا جاتا ہے اگر توبہ کر لے تو اس طرح لوٹ آتا ہے، پھر انھوں نے انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر دکھائیں۔[2] ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جب انسان زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان نکل کر چھتری کی طرح ہوجاتا ہے۔ اگر اس سے باز آجائے تو وہ اس میں لوٹ آتا ہے۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایمان نکل جانے کی وضاحت یوں بیان کی ہے کہ فراغت کے بعد مجرم کی یہ حالت نہیں رہتی بلکہ ایمان لوٹ آتا ہے۔[3] یہ بھی احتمال ہے کہ کلی طور پر اس سے پرہیز کرنا اس کی واپسی کا باعث ہو۔ اگر گناہ کرنے کے بعد اسے اصرار ہے تو وہ گویا مرتکب کی طرح ہے، اس سے ایمان خارج ہی رہتا ہے جیسا کہ حضرت عکرمہ کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت اس کی وضاحت کرتی ہے، البتہ ایک روایت میں ہے کہ اگر وہ فارغ ہوجائے تو ایمان لوٹ آتا ہے۔[4] واللہ أعلم.

(٧) بَابُ لَعْنِ السَّارِقِ إِذَا لَمْ يُسَمَّ

باب: 7- چور کا نام لیے بغیر اس پر لعنت کرنا

٦٧٨٣ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ: حَدَّثَنِي أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا

[6783] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ چور

1 فتح الباري: 93/12. 2 صحيح البخاري، الحدود، حديث: 6809. 3 المصنف لعبد الرزاق: 416/7، حديث: 13685، وفتح الباري: 72/12. 4 سنن أبي داود، السنة، حديث: 4690.

صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَعَنَ اللهُ السَّارِقَ يَسْرِقُ الْبَيْضَةَ فَتُقْطَعُ يَدُهُ، وَيَسْرِقُ الْحَبْلَ فَتُقْطَعُ يَدُهُ».

پر لعنت کرے کہ وہ ایک انڈا چراتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے، ایک رسی چراتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔"

قَالَ الْأَعْمَشُ: كَانُوا يَرَوْنَ أَنَّهُ بَيْضُ الْحَدِيدِ وَالْحَبْلُ، كَانُوا يَرَوْنَ أَنَّهُ مِنْهَا مَا يُسَاوِي دَرَاهِمَ. [انظر: ٦٧٩٩]

حضرت اعمش نے کہا: اہل علم کے خیال کے مطابق بیضہ سے مراد لوہے کا خود ہے اور حبل سے مراد ایسی رسی جو کئی دراہم کے مساوی ہو۔

فوائد ومسائل: ① ابن بطال نے کہا ہے کہ گناہ گاروں کا نام لے کر ان کے روبرو لعنت کرنا درست نہیں بلکہ ایسے برے کاموں کے ارتکاب پر نام لیے بغیر لعنت کرنا جائز ہے تاکہ وہ ان سے باز رہیں۔ کسی کا نام لینے سے وہ مایوس ہو سکتا ہے اور گناہ کرنے پر جری ہو سکتا ہے۔[1] ② حافظ ابن حجر ؒ نے "لَعَنَ اللّٰهُ السَّارِقَ" کے تین معنی بیان کیے ہیں: ○ اس سے مراد خبر دینا ہے تاکہ سننے والا چوری نہ کرے، یعنی اللہ تعالیٰ نے چور پر لعنت بھیجی ہے۔ ○ اس سے مراد بددعا کرنا ہے تاکہ چور، چوری سے پہلے ہی باز آجائے، یعنی اللہ تعالیٰ چور پر لعنت کرے۔ ○ اس سے مراد حقیقت کے طور پر لعنت نہیں بلکہ اس کام کی سنگینی مراد ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ کام انتہائی نفرت کے قابل ہے۔[2] ③ اس حدیث سے خوارج نے استدلال کیا ہے کہ ہر قلیل وکثیر کی چوری پر چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا لیکن یہ استدلال انتہائی کمزور ہے کیونکہ جب آیت کریمہ: "چور مرد یا عورت جب چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔"[3] نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے آیت کے ظاہری مفہوم کے پیش نظر مذکورہ ارشاد فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتایا کہ ربع دینار کی مالیت چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔ وہ مقدار مقرر ہی اجمال آیت کا بیان ہے، لہٰذا اس مقرر مقدار ہی کو اختیار کرنا چاہیے۔[4]

(٨) بَابٌ: اَلْحُدُودُ كَفَّارَةٌ

باب: 8- حدود کفارہ ہیں

وضاحت: جب انسان کوئی ایسا کام کرے جس پر حد لگانا ضروری ہو اور پھر اس پر حد قائم کر دی جائے تو حد قائم ہونے سے گناہ کا کفارہ ہو جاتا ہے اور وہ دھل جاتا ہے۔

٦٧٨٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيِّ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فِي مَجْلِسٍ فَقَالَ:

[6784] حضرت عبادہ بن صامت ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نبی ﷺ کے ہمراہ ایک مجلس میں تھے تو آپ نے فرمایا: "مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے، چوری نہیں کرو گے

① فتح الباري: 12/99. ② فتح الباري: 12/99. ③ المائدة 5:38. ④ فتح الباري: 12/100.

«بَایِعُونِي عَلٰى أَنْ لَّا تُشْرِكُوا بِاللّٰهِ شَيْئًا، وَّلَا تَسْرِقُوا، وَلَا تَزْنُوا - وَقَرَأَ هٰذِهِ الْآيَةَ كُلَّهَا - فَمَنْ وَفٰى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَتُهُ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَسَتَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ، إِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ، وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ». [راجع:١٨]

اور نہ زنا ہی کے مرتکب ہو گے۔ پھر آپ نے پوری آیت پڑھی۔ تم میں سے جو شخص اس عہد کو پورا کرے گا، اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے اور جس نے ان میں سے کسی جرم کا ارتکاب کیا، پھر اس پر اسے سزا ہوئی تو وہ اس کا کفارہ ہے اور جو شخص ان میں سے کوئی غلطی کر گزرا اور اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ ڈالا تو اگر اللہ چاہے گا تو اسے معاف کر دے گا اور اگر چاہے گا تو اس پر عذاب دے گا۔‘‘

فوائد ومسائل: ① ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’میں نہیں جانتا کہ حدود کفارہ ہیں؟‘‘[1] اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مطلع فرمایا کہ حدود کفارہ ہیں اور گناہوں سے پاکیزگی کا ذریعہ ہیں۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گناہوں کے ساتھ شرک کے ذکر کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ اگر مشرک کو دنیا میں سزا مل جائے تو وہ اس کے شرک کا کفارہ ہوگا کیونکہ کفار ومشرکین کا دوزخ میں ہمیشہ رہنا یقینی ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے۔ اس بنا پر اس حدیث کے ایک مخصوص معنی ہیں کہ جس مسلمان پر حد قائم ہوگئی تو وہ اس کے لیے کفارہ ہوگی۔ ② رسول اللہ ﷺ نے جو آیت کریمہ تلاوت فرمائی وہ حسب ذیل ہے: ’’اے نبی! جب آپ کے پاس اہل ایمان خواتین اس بات پر بیعت کرنے کے لیے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں گی، نہ وہ چوری کریں گی اور نہ وہ زنا کریں گی، نہ وہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان کوئی بہتان گھڑ کر نہ لائیں گی (بے بنیاد اور بلاثبوت بہتان طرازی نہیں کریں گی) اور کسی نیک کام میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی تو آپ ان سے بیعت کریں اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کریں، یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔‘‘[2] واضح رہے کہ اس حدیث میں بیعت مذکور فتح مکہ کے بعد ہوئی تھی کیونکہ آیت مذکورہ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی تھی اور لیلۂ عقبہ میں جو بیعت ہوئی تھی وہ تنگی وآسانی اور خوشی وپریشانی میں رسول اللہ ﷺ کی سمع واطاعت پر تھی۔[3] واللّٰہ أعلم.

(٩) بَابٌ: ظَهْرُ الْمُؤْمِنِ حِمًى إِلَّا فِي حَدٍّ أَوْ حَقٍّ

باب: 9- مومن کی پیٹھ محفوظ ہے، ہاں حد یا کسی حق میں اسے مارا جا سکتا ہے

٦٧٨٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ: حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ وَّاقِدِ بْنِ مُحَمَّدٍ: سَمِعْتُ أَبِي: قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ: «أَلَا أَيُّ

[6785] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: ’’بتاؤ تم کس مہینے کو حرمت میں عظیم تر جانتے ہو؟‘‘ صحابہ نے کہا: اسی مہینے (ذوالحجہ) کو۔ آپ نے فرمایا: ’’بتاؤ تم

[1] المستدرك للحاكم: 450/2، حديث: 3683. [2] الممتحنة 60:12. [3] فتح الباري: 103/12.

شَهْرٍ تَعْلَمُونَهُ أَعْظَمُ حُرْمَةً؟»، قَالُوا: أَلَا شَهْرُنَا هٰذَا، قَالَ: «أَلَا أَيُّ بَلَدٍ تَعْلَمُونَهُ أَعْظَمُ حُرْمَةً؟»، قَالُوا: أَلَا بَلَدُنَا هٰذَا، قَالَ: «أَلَا أَيُّ يَوْمٍ تَعْلَمُونَهُ أَعْظَمُ حُرْمَةً؟»، قَالُوا: أَلَا يَوْمُنَا هٰذَا، قَالَ: «فَإِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَدْ حَرَّمَ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا، فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا، أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟» ثَلَاثًا، كُلُّ ذٰلِكَ يُجِيبُونَهُ: أَلَا نَعَمْ، قَالَ: «وَيْحَكُمْ أَوْ وَيْلَكُمْ، لَا تَرْجِعُنَّ بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ». [راجع: ١٧٤٢]

کس شہر کو سب سے زیادہ حرمت والا خیال کرتے ہو؟'' لوگوں نے جواب دیا: اسی شہر (مکہ) کو۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا: ''تم کس دن کو سب سے زیادہ عزت والا سمجھتے ہو؟'' صحابۂ کرام نے کہا: اپنے اسی دن (یوم نحر) کو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے حق شرع کے سوا تمھارے خون، تمھارے مال اور تمھاری عزتیں تم پر حرام کر دی ہیں جیسا کہ اس دن کی حرمت اس شہر اور اس مہینے میں ہے۔'' پھر آپ نے تین مرتبہ فرمایا: ''کیا میں نے تمھیں اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے؟'' صحابۂ کرام نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا کہ ہاں پہنچا دیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: ''تمھاری خرابی ہو! میرے بعد تم کفار جیسے نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں اڑانے لگو۔''

فوائد ومسائل: ① حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مومن کی پیٹھ ہر قسم کی ایذا رسانی سے محفوظ ہے لیکن اگر اس پر حد واجب ہو تو محفوظ نہیں۔ اسی طرح اگر کسی کا حق اس کے ذمے ہو تو اسے وصول کر لینے کے لیے اس کی پیٹھ کو مارا جا سکتا ہے، اس کے سوا مومن کا خون، مال اور اس کی آبرو محفوظ ہے۔ کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کے جان و مال کو اپنے لیے مباح اور حلال خیال کرے یا اس کی آبرو کو اپنے لیے جائز سمجھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مسلمان کا مقام بہت بلند ہے جس کا لحاظ رکھنا ہر مسلمان کا اہم فریضہ ہے۔[1] ② ''میرے بعد تم کافر نہ بن جانا'' اس جملے کے کئی ایک مفہوم شارحین نے بیان کیے ہیں: ○ حق کے بغیر کسی کے قتل کو حلال خیال کرنا کفر ہے۔ ○ اس سے مراد کفران نعمت ہے۔ ○ یہ فعل کفر کے قریب کر دیتا ہے۔ ○ یہ فعل کافروں کے فعل جیسا ہے۔ ○ اس سے حقیقت کفر مراد ہے، یعنی کفر نہ کرو اور ہمیشہ اسلام پر قائم رہو۔ ○ یہ جملہ ان کے لیے ہے جو ہتھیار پہن کر خود کو ڈھانپ لیتے ہیں، ہتھیار لگانے والے کو کافر کہا جاتا ہے۔ ایک دوسرے کو کافر نہ کہو ورنہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو گے۔ ان تمام اقوال میں سے چوتھا قول زیادہ قرین قیاس ہے۔[2]

(١٠) بَابُ إِقَامَةِ الْحُدُودِ وَالْاِنْتِقَامِ لِحُرُمَاتِ اللهِ

باب: 10- حدود قائم کرنا اور اللہ کی حرمتوں کی وجہ سے انتقام لینا

٦٧٨٦ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ

[6786] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے

① فتح الباري: 104/12. ② عمدة القاري: 66/16.

عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَا خُيِّرَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا اخْتَارَ أَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَأْثَمْ، فَإِذَا كَانَ الْإِثْمُ كَانَ أَبْعَدَهُمَا مِنْهُ، وَاللهِ! مَا انْتَقَمَ لِنَفْسِهِ فِي شَيْءٍ يُؤْتَى إِلَيْهِ قَطُّ حَتَّى تُنْتَهَكَ حُرُمَاتُ اللهِ فَيَنْتَقِمُ لِلّٰهِ. [راجع: ٣٥٦٠]

فرمایا: نبی ﷺ کو جب بھی دو چیزوں میں سے ایک کے اختیار کرنے کا حکم دیا جاتا تو آپ ان میں سے آسان کو اختیار کرتے، بشرطیکہ اس میں گناہ کا کوئی پہلو نہ ہوتا۔ اگر اس میں گناہ ہوتا تو آپ اس سے بہت دور رہتے۔ اللہ کی قسم! آپ ﷺ نے کبھی اپنے ذاتی معاملے میں کسی سے بدلہ نہیں لیا، البتہ (جب) اللہ کی حرمتوں کو پامال کیا جاتا تو آپ اللہ کے لیے ضرور انتقام لیتے تھے۔

فوائد ومسائل: ① حدیث میں مذکور اختیار اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے دو امور میں اختیار نہیں دیتا جن میں سے ایک گناہ ہو اور نہ اخروی امور ہی میں اختیار دیا جاتا تھا کیونکہ اخروی امور اگر مشکل ہوں تو انھیں کرنے میں ثواب زیادہ ہوتا ہے، اگر دینی امور میں اختیار دیا جاتا جن میں ایک کا انجام گناہ ہوتا تو آپ ﷺ دوسرے کو اختیار کرتے جیسا کہ مجاہدہ اور میانہ روی میں اختیار دیا جاتا تو میانہ روی کو پسند کرتے کیونکہ وہ مجاہدہ جو ہلاکت تک پہنچا دے وہ گناہ ہے۔ ② اس حدیث سے حدود اللہ کی اہمیت کا پتا چلتا ہے کہ ان کے پامال ہونے پر رسول اللہ ﷺ ضرور انتقام لیتے، حالانکہ ذاتی معاملات میں انتقام لینا آپ کا شیوہ نہ تھا۔ بہرحال حدود اللہ کی پامالی آپ ﷺ کو برداشت نہ تھی۔ واللہ أعلم.

(١١) بَابُ إِقَامَةِ الْحُدُودِ عَلَى الشَّرِيفِ وَالْوَضِيعِ

باب: 11- ہر معزز و حقیر پر حد قائم کرنا

٦٧٨٧ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ أُسَامَةَ كَلَّمَ النَّبِيَّ ﷺ فِي امْرَأَةٍ فَقَالَ: «إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، أَنَّهُمْ كَانُوا يُقِيمُونَ الْحَدَّ عَلَى الْوَضِيعِ وَيَتْرُكُونَ عَلَى الشَّرِيفِ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ فَاطِمَةُ فَعَلَتْ ذٰلِكَ لَقَطَعْتُ يَدَهَا». [راجع: ٢٦٤٨]

[6787] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ حضرت اسامہ بن زید ؓ نے نبی ﷺ سے ایک عورت کے متعلق سفارش کی تو آپ نے فرمایا: ''تم سے پہلے لوگ اس لیے ہلاک ہوئے کہ وہ کمزور و حقیر پر تو حد قائم کرتے تھے اور بلند مرتبہ لوگوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر (میری بیٹی) فاطمہ ؓ نے بھی یہ (چوری) کی ہوتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔''

فائدہ: مذکورہ الفاظ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت ارشاد فرمائے جب فتح مکہ کے موقع پر قبیلۂ مخزوم کی فاطمہ نامی ایک عورت نے چوری کی تھی اور اس کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ مقصد یہ ہے کہ حدود اللہ کے قیام و نفاذ میں کسی معزز اور معمولی و حقیر میں فرق نہ کیا جائے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ بلند مرتبہ لوگوں کو چھوڑ دیا جائے اور کمزور و ناتواں پر حد جاری کر دی جائے۔ جو

ان میں فرق کرے گا وہ اسلام کے طریقے کی مخالفت کرتا ہے اور ایسا کرنا معاشرے کی تباہی کا باعث ہے۔

(١٢) بَابُ كَرَاهِيَةِ الشَّفَاعَةِ فِي الْحَدِّ إِذَا رُفِعَ إِلَى السُّلْطَانِ

باب: 12- جب حد کا مقدمہ عدالت میں پہنچ جائے تو پھر سفارش کرنا منع ہے

٦٧٨٨ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ قُرَيْشًا أَهَمَّتْهُمُ الْمَرْأَةُ الْمَخْزُومِيَّةُ الَّتِي سَرَقَتْ فَقَالُوا: مَنْ يُكَلِّمُ فِيهَا رَسُولَ اللهِ ﷺ وَمَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ إِلَّا أُسَامَةُ حِبُّ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ فَكَلَّمَ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِّنْ حُدُودِ اللهِ؟» ثُمَّ قَامَ فَخَطَبَ، فَقَالَ: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّمَا ضَلَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ الضَّعِيفُ فِيهِمْ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَايْمُ اللهِ! لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعَ مُحَمَّدٌ يَدَهَا». [راجع: ٢٦٤٨]

[6788] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک مخزومیہ عورت نے قریش کو پریشان کر دیا جس نے چوری کی تھی۔ قریش نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے محبوب حضرت اسامہ ؓ کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اس عورت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے گفتگو نہیں کر سکتا اور نہ کسی میں جرأت ہی ہے کہ وہ آپ سے اس قسم کی بات کرے، چنانچہ حضرت اسامہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق بات کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اسامہ! کیا تم اللہ کی حدود میں سفارش کرنے آئے ہو؟'' پھر آپ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا، پھر فرمایا: ''اے لوگو! تم سے پہلے لوگ صرف اس لیے گمراہ ہوئے کہ ان میں جب کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد (ﷺ) نے بھی چوری کی ہوتی تو محمد (ﷺ) اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتے۔''

فوائد ومسائل: ① اس عورت کا نام فاطمہ بنت اسود تھا۔ اس کا باپ اسود بن اسد غزوۂ بدر میں قتل ہوا تھا۔ یہ عورت حضرت ام سلمہ ؓ کے پہلے شوہر حضرت ابوسلمہ کی بھتیجی تھی۔ جب اس کی چوری ثابت ہو گئی تو پہلے اس کے خاندان نے چالیس اوقیے چاندی بطور فدیہ دینے کی پیش کش کی لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس پیشکش کو مسترد کرتے ہوئے فرمایا: ''اس پر حد کا قائم ہونا بہتر ہے۔'' پھر اس نے حضرت عمر بن ابی سلمہ ؓ کی پناہ لی اور ان سے سفارش کی اپیل کی، چنانچہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: اللہ کے رسول! اسے معاف کر دیں۔ یہ میری پھوپھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی سفارش کو بھی مسترد کر دیا۔ آخر کار انھوں نے حضرت اسامہ ؓ کا انتخاب کیا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلے میں کسی کی سفارش قبول نہ کی بلکہ آپ نے حضرت بلال ؓ کو حکم دیا کہ اٹھو اور اس کا ہاتھ کاٹ دو، چنانچہ انھوں نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا، اس نے عرض کی: اللہ کے رسول! میرے لیے توبہ کا دروازہ بند تو نہیں ہوا؟ تو آپ نے فرمایا: ''آج تو اس غلطی سے یوں پاک ہو چکی ہے گویا آج ہی تجھے تیری ماں نے

جنم دیا ہے۔'' چنانچہ اس نے توبہ کی اور بنو سلیم کے ایک آدمی سے نکاح کر لیا۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد وہ میرے پاس آتی تو میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کی حاجت پیش کرتی۔ ② بہر حال اس امر پر امت کا اجماع ہے کہ معاملہ عدالت میں زیر سماعت ہو تو کسی کو اس کے متعلق سفارش نہیں کرنی چاہیے۔ اگر کوئی سفارش کرتا ہے تو حاکم وقت کو چاہیے کہ وہ سختی سے اسے روک دے اور اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم کرے۔[1]

(١٣) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا أَيْدِيَهُمَا﴾ [المائدة: ٣٨] وَفِي كَمْ يُقْطَعُ؟

باب:13- ارشاد باری تعالیٰ: ''چور، خواہ مرد ہو یا عورت، اس کا ہاتھ کاٹ دو'' کا بیان، نیز کتنی مالیت (کی چوری) پر ہاتھ کاٹا جائے گا؟

وَقَطَعَ عَلِيٌّ مِّنَ الْكَفِّ. وَقَالَ قَتَادَةُ فِي امْرَأَةٍ سَرَقَتْ فَقُطِعَتْ شِمَالُهَا: لَيْسَ إِلَّا ذٰلِكَ.

حضرت علی ؓ نے ہتھیلی سے ہاتھ کاٹا تھا۔ حضرت قتادہ نے چوری کرنے والی عورت کے متعلق کہا جبکہ اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا تھا: نیز یہی سزا کافی ہے۔

وضاحت: قرآن کریم نے مطلق چوری اور مطلق ہاتھ کا ذکر کیا ہے لیکن اس سے دایاں ہاتھ مراد ہے۔ شرعی طور پر چوری کے معنی یہ ہیں کہ بالغ مکلف کم از کم ربع دینار ($\frac{1}{4}$) کی مالیت کی مقدار کسی محفوظ جگہ سے خفیہ طور پر اٹھائے تو چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے؟ پھر ہاتھ کاٹنے میں اختلاف ہے کہ کہاں سے کاٹا جائے؟ حضرت علی ؓ کے اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ پہنچے سے کاٹا جائے اور اگر کسی چور کا غلطی سے بایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے تو اتنی ہی سزا کافی ہے، اس کا دایاں ہاتھ کاٹنے کی ضرورت نہیں۔ اگر غلطی سے کسی ایسے شخص کا ہاتھ کاٹ دیا جائے جس نے چوری نہیں کی تو کاٹنے پر پانچ صد دینار تاوان پڑتا ہے جبکہ ربع دینار مالیت چوری کرنے سے وہ ہاتھ اپنی عصمت داؤ پر لگاتا ہے تو اتنی سی حقیر مالیت کی وجہ سے اسے کاٹ دیا جاتا ہے۔ اگر معصوم ہاتھ کی دیت ربع دینار ہوتی تو زمین میں ہاتھ کاٹنے کی واردات بہت زیادہ ہوتیں اور اگر چوری کا نصاب پانچ صد دینار ہوتا تو بھی فسادات ہوتے اور چوری کی واردات عام ہوتیں، اس لیے معصوم اور غیر معصوم کی تقسیم سے طرفین کا بھلا ہے۔[2]

٦٧٨٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «تُقْطَعُ الْيَدُ فِي رُبُعِ دِينَارٍ فَصَاعِدًا».

[6789] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ مالیت چوری کرنے پر ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔''

وَتَابَعَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خَالِدٍ، وَابْنُ أَخِي

عبدالرحمٰن بن خالد، امام زہری کے بھتیجے اور معمر نے زہری

1 فتح الباري: 12/113-116. 2 فتح الباري: 12/119.

الزُّهْرِيِّ، وَمَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ. [انظر: ٦٧٩٠، ٦٧٩١]

سے روایت کرنے میں ابراہیم بن سعد کی متابعت کی ہے۔

٦٧٩٠ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ عَنِ ابْنِ وَهْبٍ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ وَعَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ فِي رُبُعِ دِينَارٍ». [راجع: ٦٧٨٩]

[6790] حضرت عائشہ ؓ ہی سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”چور کا ہاتھ ربع دینار کی مالیت چوری کرنے پر کاٹ دیا جائے گا۔“

٦٧٩١ - حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ: حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: حَدَّثَتْهُ: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا حَدَّثَتْهُمْ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «تُقْطَعُ الْيَدُ فِي رُبُعِ دِينَارٍ». [راجع: ٦٧٨٩]

[6791] حضرت عائشہ ؓ سے ایک اور روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا: ”ربع دینار کی مالیت چوری کرنے پر ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔“

فائدہ: ان احادیث میں چوری کا نصاب بیان ہوا ہے کہ کتنی مالیت چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جائے! ان احادیث کی رو سے کم از کم $\frac{1}{4}$ دینار مالیت چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جائے گا، اب ہم دینار کی وضاحت کرتے ہیں کہ وہ کتنی مقدار اور مالیت کا ہوتا ہے؟ واضح رہے کہ دینار کا ایک قدیم سکہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں دینار، مثقال کے برابر ہوتا تھا۔ سونے کی زکاۃ کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے بیس مثقال (دینار) مقرر فرمائے ہیں اور ہمارے ہاں برصغیر میں بیس مثقال (دینار) کا وزن تقریباً ساڑھے سات تولے ہے۔ جب ساڑھے سات تولے کو بیس مثقال پر تقسیم کیا جائے تو حاصل تقسیم چار ماشے اور چار رتی آتا ہے، گویا یہ دینار کا وزن ہے۔ اعشاری نظام کے مطابق 4 ماشے 4 رتی 4.374 گرام کے برابر ہے اور ربع دینار ایک ماشہ ایک رتی، یعنی 1.0935 گرام کے مساوی سونا ہوگا، جس کی مالیت رائج الوقت سونے کے بازاری بھاؤ سے بنالی جائے۔ ہمارے ہاں آج کل (اپریل 2017ء) میں سونے کا بھاؤ پچاس ہزار سات سو پچاس روپے فی تولہ ہے۔ اس حساب سے ربع دینار سونے کی قیمت چار ہزار سات سو اٹھاون روپے بنتی ہے۔ اتنی مالیت کی کوئی چیز چوری کرنے پر چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ واللہ أعلم.

٦٧٩٢ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: أَخْبَرَتْنِي عَائِشَةُ أَنَّ يَدَ السَّارِقِ لَمْ تُقْطَعْ عَلَى

[6792] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں چور کا ہاتھ چمڑے کی ڈھال یا عام ڈھال کی چوری ہی پر کاٹا جاتا تھا۔

عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ إِلَّا فِي ثَمَنِ مِجَنٍّ حَجَفَةٍ أَوْ تُرْسٍ.

حَدَّثَنَا عُثْمَانُ: حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ مِثْلَهُ. [انظر: ٦٧٩٣، ٦٧٩٤]

عثمان کہتے ہیں کہ ہمیں حمید بن عبدالرحمٰن نے، ان سے ہشام نے، ان سے ان کے والد نے، ان سے حضرت عائشہ ؓ نے اسی طرح بیان کیا۔

٦٧٩٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: لَمْ تَكُنْ تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ فِي أَدْنٰى مِنْ حَجَفَةٍ أَوْ تُرْسٍ، كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا ذُو ثَمَنٍ. [راجع: ٦٧٩٢]

[6793] حضرت عائشہ ؓ ہی سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: چور کا ہاتھ چمڑے کی ڈھال یا عام ڈھال سے کم چوری پر نہیں کاٹا جاتا تھا اور یہ دونوں ڈھالیں قیمتی ہوتی تھیں۔

رَوَاهُ وَكِيعٌ وَّابْنُ إِدْرِيسَ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ مُرْسَلًا.

یہ حدیث وکیع اور ابن ادریس نے ہشام سے، انھوں نے اپنے والد عروہ سے مرسل طور پر بیان کی ہے۔

٦٧٩٤ - حَدَّثَنِي يُوسُفُ بْنُ مُوسٰى: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ: هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ أَخْبَرَنَا عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: لَمْ تُقْطَعْ يَدُ سَارِقٍ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فِي أَدْنٰى مِنْ ثَمَنِ الْمِجَنِّ: تُرْسٍ أَوْ حَجَفَةٍ وَّكَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا ذَا ثَمَنٍ. [راجع: ٦٧٩٢]

[6794] حضرت عائشہ ؓ سے ایک اور روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ کے عہد مبارک میں چور کا ہاتھ چمڑے کی ڈھال یا عام ڈھال کی قیمت سے کم پر نہیں کاٹا جاتا تھا، اوران میں سے ہر ایک ڈھال قیمتی ہوتی تھی۔

فوائد ومسائل: ① مجن، حجفہ اور ترس ایک ہی چیز ہیں۔ حدیث کے مطابق مجن اور حجفہ دونوں پر تنوین ہے اور حجفہ، مجن کا بیان ہے۔ انھیں میدان جنگ میں دشمن کے وار سے بچاؤ کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔[1] ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ ؓ سے ڈھال کی قیمت کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: اس کی قیمت ربع دینار تھی۔[2] ② مذکورہ روایات پیش کرنے سے امام بخاری ؒ کا مقصد یہ ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹنے کا نصاب ربع دینار ہے، اس سے کم مالیت کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ واللہ أعلم.

---

1 عمدة القاري: 73/16. 2 السنن الكبرىٰ للبيهقي: 256/8.

٦٧٩٥ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ نَّافِعٍ مَوْلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَطَعَ فِي مِجَنٍّ ثَمَنُهُ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ.

[6795] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ڈھال کے چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا تھا جس کی قیمت تین درہم تھی۔

تَابَعَهُ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ: قِيمَتُهُ. [انظر: ٦٧٩٦، ٦٧٩٧، ٦٧٩٨]

محمد بن اسحاق نے مالک بن انس کی متابعت کی ہے اور لیث نے نافع سے ثَمَنُهُ کی جگہ قِيمَتُهُ کے الفاظ ذکر کیے ہیں۔

٦٧٩٦ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَّافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَطَعَ النَّبِيُّ ﷺ فِي مِجَنٍّ قِيمَتُهُ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ. [راجع: ٦٧٩٥]

[6796] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ نے ایک ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹا جس کی قیمت تین درہم تھی۔

٦٧٩٧ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَطَعَ النَّبِيُّ ﷺ فِي مِجَنٍّ ثَمَنُهُ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ. [راجع: ٦٧٩٥]

[6797] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک اور روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ نے ایک ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹا تھا جس کی قیمت تین درہم تھی۔

٦٧٩٨ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا أَبُو ضَمْرَةَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَّافِعٍ: أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَطَعَ النَّبِيُّ ﷺ يَدَ سَارِقٍ فِي مِجَنٍّ ثَمَنُهُ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ.

[6798] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک مزید روایت ہے، انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ نے ایک چور کا ہاتھ ایک ڈھال چوری کرنے پر کاٹا تھا جس کی قیمت تین درہم تھی۔

تَابَعَهُ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ. وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ: قِيمَتُهُ. [راجع: ٦٧٩٥]

محمد بن اسحاق نے نافع سے روایت کرنے میں موسیٰ بن عقبہ کی متابعت کی ہے۔ لیث نے کہا: مجھ سے نافع نے ثَمَنُهُ کے بجائے قِيمَتُهُ کے الفاظ ذکر کیے ہیں۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک دینار، بارہ درہم کے برابر تھا، چنانچہ سنن بیہقی میں اس کی وضاحت

ہے کہ ربع دینار ان دنوں تین درہم کے مساوی ہوتا تھا اور دینار، بارہ درہم کے برابر تھا۔[1] غالباً اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چاندی والوں پر دیت کی مقدار بارہ ہزار درہم اور سونے والوں پر ایک ہزار دینار مقرر کی تھی۔[2] ② درہم، چاندی کا ڈھلا ہوا ایک ایسا سکہ ہے جسے عرب لین دین کے معاملات میں استعمال کرتے تھے۔ اس کی جمع دراہم ہے۔ ایک درہم تین ماشے اور $1\frac{1}{5}$ رتی کے برابر ہوتا ہے۔ ہمارے برصغیر میں دوسو درہم تقریباً ساڑھے باون تولے چاندی کے برابر ہیں، چنانچہ ہم جب ساڑھے باون تولے کو دوسو درہم پر تقسیم کرتے ہیں تو ایک درہم کا وزن $\frac{21}{80}$ بنتا ہے جو تین ماشے اور $1\frac{1}{5}$ رتی کے برابر ہے۔ اعشاری نظام کے مطابق 3.061 گرام ہے۔ چوری کا نصاب تین درہم ہے۔ جب اسے تین ماشے اور $1\frac{1}{5}$ سے ضرب دی تو نو ماشے $3\frac{3}{5}$ رتی وزن بنتا ہے۔ ③ اب چونکہ چاندی کی قیمت سونے کے مقابلے میں بہت گر چکی ہے، لہٰذا ہم چوری کے نصاب میں سونے کی قیمت کا اعتبار کریں گے، البتہ زکاۃ دیتے وقت چاندی کا نصاب پیش نظر رکھنا ہوگا، یعنی اگر ہمارے پاس اتنی کرنسی ہو کہ اس کے بدلے ساڑھے باون تولے چاندی خریدی جاسکے تو اس کرنسی پر زکاۃ دینی ہوگی۔ اس میں غرباء اور مساکین کا فائدہ ہے۔ لیکن چوری کے نصاب میں سونے کی قیمت کو سامنے رکھا جائے۔ واللّٰہ أعلم.

٦٧٩٩ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَعَنَ اللهُ السَّارِقَ يَسْرِقُ الْبَيْضَةَ فَتُقْطَعُ يَدُهُ، وَيَسْرِقُ الْحَبْلَ فَتُقْطَعُ يَدُهُ». [راجع: ٦٧٨٣]

[6799] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ چور پر لعنت کرے کہ ایک بیضہ چراتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور ایک رسی چوری کرنے پر بھی اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔“

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے چوری کے نصاب کے متعلق اس حدیث کو آخر میں بیان کیا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ چوری کے نصاب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کو بنیاد بنایا جائے کہ کم از کم ربع دینار یا اس کے برابر قیمت چوری کرنے پر چور کا ہاتھ کاٹا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے پہلے جب حدیث بیان کی تو امام اعمش کے حوالے سے لکھا تھا کہ بیضہ سے مراد لوہے کا خود ہے اور لوگ رسی سے مراد ایسی رسی سمجھتے تھے جو کئی درہموں کے برابر ہوتی تھی، یعنی عام رسی نہیں بلکہ اس سے کوئی خاص رسی مراد ہے۔[3] ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے چوری کے نصاب کے سلسلے میں بیس اقوال نقل کیے ہیں۔ ہمارے رجحان کے مطابق قرین قیاس یہی ہے کہ چوری کا کم از کم نصاب ربع دینار یا اس کی قیمت ہے۔ واللّٰہ أعلم.[4]

(١٤) بَابُ تَوْبَةِ السَّارِقِ

باب: 14- چور کی توبہ کا بیان

[1] السنن الكبرىٰ للبيهقي: 255/8. [2] السنن الكبرىٰ للبيهقي: 256/8. [3] صحيح البخاري، الحدود، حديث: 6783.
[4] فتح الباري: 12/129، 130.

٦٨٠٠ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَطَعَ يَدَ امْرَأَةٍ. قَالَتْ عَائِشَةُ: وَكَانَتْ تَأْتِي بَعْدَ ذٰلِكَ فَأَرْفَعُ حَاجَتَهَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَتَابَتْ وَحَسُنَتْ تَوْبَتُهَا. [راجع: ٢٦٤٨]

[6800] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک عورت کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: وہ عورت اس کے بعد بھی آتی تھی اور میں اس کی ضروریات کو نبی ﷺ کے حضور پیش کرتی تھی۔ اس عورت نے توبہ کر لی تھی اور اچھی توبہ کا ثبوت دیا تھا۔

فائدہ: چور جب چوری سے توبہ کرے تو کیا توبہ قبول ہوگی؟ کیا اس سے فسق کا نام دور ہو جائے گا؟ پھر کیا اس کی گواہی قبول ہوگی؟ ان تمام سوالات کا جواب اس حدیث سے ملتا ہے۔ حضرت عائشہ ؓ کی مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چور کی توبہ قبول ہے۔ حضرت عائشہ ؓ نے اس کی توبہ کو اچھا ہونے سے متصف کیا ہے، اس کا مطلب ہے کہ اس سے فسق کا نام دور ہو جائے گا، گویا وہ توبہ کرنے سے اپنی پہلی حالت پر لوٹ آتا ہے، پھر توبہ کے بعد اس کی گواہی بھی قبول کی جائے گی۔ الغرض توبہ کرنے سے اس کے کردار کا سیاہ دھبا دور ہو جائے گا اگرچہ توبہ کرنے سے حد معاف نہیں ہوگی۔

٦٨٠١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُعْفِيُّ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَايَعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي رَهْطٍ فَقَالَ: «أُبَايِعُكُمْ عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللهِ شَيْئًا، وَلَا تَسْرِقُوا، وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ، وَلَا تَأْتُوا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُونَهُ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ، وَلَا تَعْصُونِي فِي مَعْرُوفٍ، فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللهِ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَأُخِذَ بِهِ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَطَهُورٌ، وَمَنْ سَتَرَهُ اللهُ، فَذٰلِكَ إِلَى اللهِ إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ، وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ». [راجع: ١٨]

[6801] حضرت عبادہ بن صامت ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے چند لوگوں کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تم سے اس شرط پر بیعت لیتا ہوں کہ کسی کو اللہ کے ساتھ شریک نہ کرو گے، نہ چوری کے مرتکب ہو گے اور نہ اپنی اولاد کو قتل ہی کرو گے اور اپنے ہاتھوں اور پاؤں سے کسی کے خلاف بہتان نہیں اٹھاؤ گے، نیز بھلے کاموں میں میری نافرمانی نہیں کرو گے۔ تم میں سے جس نے اپنے اس عہد کو پورا کیا اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے اور جو کوئی ان میں کوئی غلطی کر گزرے گا اور دنیا میں اسے سزا دے دی گئی تو وہ اس کے گناہ کا کفارہ اور اس کی پاکیزگی کا ذریعہ ہے اور جس پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈالا، اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، چاہے تو اسے سزا دے اور چاہے تو اسے معاف کر دے۔''

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: إِذَا تَابَ السَّارِقُ بَعْدَمَا قُطِعَ يَدُهُ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُ، وَكُلُّ مَحْدُودٍ كَذٰلِكَ

ابو عبداللہ (امام بخاری ؒ) نے کہا: جب چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے پھر وہ توبہ کر لے تو اس کی گواہی قبول ہوگی،

إِذَا تَابَ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُ. [راجع: ١٨]

نیز ہر وہ شخص جس پر حد لگائی گئی ہو جب وہ توبہ کر لے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس انسان کو کسی گناہ کی سزا مل جائے اور اس پر حد قائم ہو جائے تو وہ اس کے جرم کی پاکیزگی کا ذریعہ ہے، نیز وہ اس گناہ کا کفارہ بن جاتی ہے، جب اس کے ساتھ توبہ بھی کر لی جائے تو سونے پر سہاگا ہے اور اس سے وہ اپنی حالت پر واپس آجائے گا اور فسق کا دھبا بھی اس سے دور ہو جائے گا۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی گواہی بھی قبول ہے۔ ② حدیث کے آخر میں امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنا رجحان بھی بیان کر دیا ہے کہ ہر وہ شخص جسے حد لگائی گئی ہو جب وہ اپنے جرم سے توبہ کر لے تو اس کی گواہی قبول ہوگی۔[1] ڈاکا زنی کی حد بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''یہ کام ان کے لیے دنیا میں ذلت کا باعث ہے اور آخرت میں اس کی پاداش میں بہت بڑے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ پھر فرمایا: مگر جو لوگ توبہ کر لیں پہلے اس سے کہ تم ان پر قابو پاؤ تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔''[2] ③ اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو معاف کر دیتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ توبہ کرنے سے حقوق اللہ تو معاف ہو جائیں گے لیکن حقوق العباد ادا کیے جائیں یا وہ معاف کرا لیے جائیں۔ واللہ أعلم.

(١٥) بَابٌ: كِتَابُ الْمُحَارِبِينَ مِنْ أَهْلِ الْكُفْرِ وَالرِّدَّةِ

باب: 15- ان کفار و مرتدین کی سزا کا بیان جو مسلمانوں سے لڑتے ہیں

وَقَوْلُ اللهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّمَا جَزَٰٓؤُاْ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ﴾ اَلْآيَةَ. [المائدة: ٣٣].

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں ان کی جزا یہی ہے......۔''

وضاحت: پہلے بدنی سزا اور ہاتھ کاٹنے کا بیان تھا، اب ان جرائم کا ذکر کیا جا رہا ہے جن کی پاداش میں مجرموں کو اس دنیا سے نیست و نابود کیا جاتا ہے۔ چونکہ ڈاکا زنی اور قتل و غارت کی سزا قرآن کریم نے بیان کی ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے حد زنا سے پہلے اسے بیان کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی پیش کردہ آیت کو آیتِ محاربہ کہتے ہیں۔ بہرحال جرم کی شدت کے ساتھ ہی سزا کی شدت میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ سعودی عرب میں جب اس قسم کی سزا دی جاتی ہے تو مجرم کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد یہی آیت تلاوت کی جاتی ہے۔ ملک میں بدامنی کے سدباب کے لیے اس قسم کی سخت سزائیں نافذ کرنا ضروری ہیں، تاکہ مفسدین کو اپنے بال پر پُرزے نکالنے کا موقع نہ ملے۔ سعودی عرب میں امن و امان کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کیا جا سکتا ہے اور یہ امن صرف حدود اللہ کے نفاذ کی برکت اور اسی کا نتیجہ ہے۔

٦٨٠٢ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ: حَدَّثَنِي

[6802] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کے پاس قبیلۂ عکل کے چند آدمی آئے اور

1 فتح الباري: 132/12. 2 المآئدة 5:33، 34.

يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ [قَالَ]: حَدَّثَنِي أَبُو قِلَابَةَ الْجَرْمِيُّ عَنْ أَنَسٍ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ نَفَرٌ مِّنْ عُكْلٍ فَأَسْلَمُوا، فَاجْتَوَوُا الْمَدِينَةَ، فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَّأْتُوا إِبِلَ الصَّدَقَةِ فَيَشْرَبُوا مِنْ أَبْوَالِهَا وَأَلْبَانِهَا، فَفَعَلُوا فَصَحُّوا، فَارْتَدُّوا وَقَتَلُوا رُعَاتَهَا وَاسْتَاقُوا الْإِبِلَ فَبَعَثَ فِي آثَارِهِمْ فَأُتِيَ بِهِمْ فَقَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ وَسَمَلَ أَعْيُنَهُمْ، ثُمَّ لَمْ يَحْسِمْهُمْ حَتَّى مَاتُوا. [راجع: ٢٣٣]

اسلام قبول کیا لیکن مدینہ طیبہ کی آب و ہوا ان کو موافق نہ آئی تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم صدقے کے اونٹوں کے پاس رہائش رکھو اور ان کا پیشاب اور دودھ نوش کرو۔ انھوں نے (ایسا) کیا تو صحت یاب ہوگئے، لیکن اس کے بعد وہ دین سے برگشتہ ہوگئے اور اونٹوں کے چرواہوں کو قتل کرکے اونٹوں کو ہانک کر لے گئے۔ آپ ﷺ نے ان کی تلاش میں سوار بھیجے تو وہ انھیں گرفتار کر کے لے آئے۔ آپ ﷺ نے ان کے ہاتھ اور پاؤں (مخالف سمت سے) کاٹنے کا حکم دیا، نیز ان کی آنکھیں بھی پھوڑ دی گئیں، پھر آپ نے ان کے زخموں پر داغ نہ دیا حتی کہ وہ سسک سسک کر مر گئے۔

فوائد ومسائل: ① عربوں کے ہاں ہاتھ پاؤں کاٹنے کے بعد انھیں جلتے تیل میں داغ دینے کا رواج تھا، اس طرح وہ زخم جلدی ٹھیک ہو جاتے لیکن ان ظالموں کو داغنے کے بغیر ہی چھوڑ دیا گیا، اس طرح وہ تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ مفسرین کی تصریح کے مطابق درج بالا آیت کریمہ اس واقعے کے پس منظر میں نازل ہوئی۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ کفار و مرتدین تھے جیسا کہ ان کے قائم کردہ عنوان سے ظاہر ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اگرچہ یہ آیت کفار و مرتدین کے متعلق نازل ہوئی ہے، لیکن الفاظ کے عموم کے اعتبار سے ہر جنگجو کے لیے ہے جو مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کے ساتھ ڈاکا زنی کا مرتکب ہو، البتہ ان کی سزائیں مختلف ہیں: اگر وہ کافر ہیں تو حاکم وقت کی صوابدید پر موقوف ہے کہ ان کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا ہے اور اگر وہ مسلمان ہیں تو ان کے جرم کی نوعیت کو دیکھا جائے گا۔ اگر اس نے قتل کیا ہے تو اس کے بدلے اسے قتل کیا جائے گا، اگر مال لوٹا ہے تو ہاتھ کاٹا جائے۔ اگر قتل یا مال لوٹنے کا ارتکاب نہیں کیا تو بحالئ امن کے لیے اسے جلا وطن کیا جا سکتا ہے۔ واللہ أعلم۔[1]

(١٦) بَابٌ: لَمْ يَحْسِمِ النَّبِيُّ ﷺ الْمُحَارِبِينَ مِنْ أَهْلِ الرِّدَّةِ حَتَّى هَلَكُوا

باب: 16- نبی ﷺ نے مرتد ڈاکوؤں کو داغ نہ دیا حتی کہ وہ مر گئے

٦٨٠٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّلْتِ أَبُو يَعْلَى: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ: حَدَّثَنِي الْأَوْزَاعِيُّ عَنْ يَحْيَى،

[6803] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اہل عرینہ کے ہاتھ پاؤں (مخالف سمت سے) کاٹنے کا

[1] فتح الباري: 12/134.

عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَطَعَ الْعُرَنِيِّينَ وَلَمْ يَحْسِمْهُمْ حَتَّى مَاتُوا. [راجع: ٢٣٣]

حکم دیا لیکن انھیں داغ نہیں دیا حتی کہ وہ مر گئے۔

فوائد و مسائل: ① چور کا ہاتھ کاٹنے کے بعد اس کا خون بند کرنے کے لیے آگ سے داغ دیا جاتا ہے تاکہ خون بہنے سے موت واقع نہ ہو جائے جس کی صورت یہ ہوتی کہ ہاتھ کاٹنے کے بعد اسے گرم تیل میں رکھ دیا جاتا ہے لیکن داغ دینے کی یہ ایک صورت ہے۔ اس کی اور بھی کئی صورتیں ہیں۔ ② ان مرتدوں کے ہاتھ پاؤں کاٹنے کے بعد ان کو داغ نہیں دیا کیونکہ انھیں مارنا ہی مقصود تھا لیکن چور کو موت کے گھاٹ اتارنا مقصود نہیں ہوتا، اس لیے خون روکنے کے لیے داغ دینا ضروری ہوتا ہے۔[1] ③ اس حدیث میں اہل عرینہ کی صراحت ہے جبکہ اس سے پہلے حدیث میں قبیلۂ عکل کا ذکر تھا؟ تطبیق یوں ہے کہ وہ دونوں قبیلوں سے تھے جیسا کہ ایک حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔[2]

(١٧) بَابٌ: لَمْ يُسْقَ الْمُرْتَدُّونَ الْمُحَارِبُونَ حَتَّى مَاتُوا

باب: 17- مرتد جنگجوؤں کو پانی بھی نہ پلایا گیا حتی کہ وہ مر گئے

٦٨٠٤ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ وُهَيْبٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَدِمَ رَهْطٌ مِّنْ عُكْلٍ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، كَانُوا فِي الصُّفَّةِ، فَاجْتَوَوُا الْمَدِينَةَ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! أَبْغِنَا رِسْلًا، فَقَالَ: «مَا أَجِدُ لَكُمْ إِلَّا أَنْ تَلْحَقُوا بِإِبِلِ رَسُولِ اللهِ ﷺ»، فَأَتَوْهَا فَشَرِبُوا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا، حَتَّى صَحُّوا وَسَمِنُوا، وَقَتَلُوا الرَّاعِيَ وَاسْتَاقُوا الذَّوْدَ، فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ الصَّرِيخُ، فَبَعَثَ الطَّلَبَ فِي آثَارِهِمْ فَمَا تَرَجَّلَ النَّهَارُ حَتَّى أُتِيَ بِهِمْ، فَأَمَرَ بِمَسَامِيرَ فَأُحْمِيَتْ فَكَحَلَهُمْ بِهَا وَقَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ وَمَا حَسَمَهُمْ، ثُمَّ أُلْقُوا فِي الْحَرَّةِ يَسْتَسْقُونَ فَمَا سُقُوا حَتَّى

[6804] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: قبیلۂ عکل کے چند لوگ نبی ﷺ کے پاس آئے اور انھوں نے صفہ میں رہائش رکھی لیکن مدینہ طیبہ کی آب و ہوا انھیں موافق نہ آئی تو انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! ہمارے لیے کہیں سے دودھ کا بندوبست کر دیں، آپ ﷺ نے فرمایا: "ہمارے لیے یہ انتظام تو مشکل ہے، البتہ تم رسول اللہ ﷺ کے اونٹوں کے پاس جا کر رہو، چنانچہ وہ اونٹوں کے پاس آئے اور وہاں ان کا دودھ اور پیشاب پینے لگے۔ پھر صحت مند ہو کر خوب موٹے تازے ہو گئے آخر کار انھوں نے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹ ہانک کر لے گئے۔ اس دوران میں نبی ﷺ کے پاس ان کی خبر دینے والا آیا تو آپ نے ان کی تلاش میں چند سواروں کو روانہ کیا۔ ابھی دھوپ زیادہ نہیں پھیلی تھی کہ انھیں گرفتار کر کے آپ کی خدمت میں

[1] فتح الباري: 135/12. [2] صحیح البخاري، المغازي، حدیث: 4192.

مَاتُوا.

پیش کر دیا گیا۔ آپ ﷺ کے حکم سے لوہے کی سلائیاں گرم کی گئیں جنھیں آپ نے ان کی آنکھوں میں پھیر دیا، نیز ان کے ہاتھ اور پاؤں بھی کاٹ دیے اور انھیں داغ بھی نہ دیا، پھر انھیں گرم پتھریلی زمین پر پھینک دیا گیا۔ وہ پانی مانگتے تھے لیکن انھیں پانی نہیں دیا گیا حتی کہ وہ مر گئے۔

قَالَ أَبُو قِلَابَةَ: سَرَقُوا وَقَتَلُوا، وَحَارَبُوا اللهَ وَرَسُولَهُ. [راجع: ٢٣٣]

(راویٔ حدیث) ابوقلابہ نے کہا: (ان کے ساتھ یہ برتاؤ اس لیے کیا گیا کہ) انھوں نے چوری کی، چرواہے کو قتل کیا اور اللہ اور اس کے رسول کے خلاف مسلح واردات کی۔

فوائدومسائل: ① عکل اور عرینہ قبیلوں سے جنگجو اور عسکریت پسندوں کا ٹولہ آٹھ افراد پر مشتمل تھا۔[1] ② حجاج بن یوسف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں سب سے زیادہ سنگین سزا کون سی دی تھی؟ جواب کے طور پر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا: کاش! آپ ایسا نہ کرتے۔[2] ③ رسول اللہ ﷺ نے طلب کرنے کے باوجود انھیں پانی نہ دیا، حالانکہ آپ بہت مہربان اور امت کے حق میں بے حد شفقت کرنے والے ہیں؟ محدثین نے اس کی دو وجوہات بیان کی ہیں: ○ انھوں نے پینے پلانے کی نعمت کو فراموش کیا تھا کیونکہ وہ دودھ پینے سے ہی تندرست ہوئے تھے، اس کفرانِ نعمت کی وجہ سے انھیں پانی سے محروم کیا گیا۔ ○ ان اونٹوں میں رسول اللہ ﷺ کے اونٹ بھی تھے جن کے دودھ سے اہل خانہ گزر اوقات کرتے تھے۔ جب وہ اونٹ ہانک کر لے گئے تو آپ ﷺ کے اہل خانہ بھی اس رات پیاسے رہے۔ آپ نے بددعا فرمائی: اللہ انھیں پیاسا رکھے جنھوں نے آج رات آل محمد کو پیاسا رکھا ہے۔ انھیں پیاسا رکھنا اس بددعا کا نتیجہ تھا۔ لیکن یہ روایت مرسل ہے۔ بہر حال ان کے ساتھ مکافات عمل (بدلے) کے طور پر وہی برتاؤ کیا گیا جو انھوں نے کیا تھا جیسا کہ حدیث کے آخر میں ابوقلابہ نے بیان کیا ہے۔[3]

(١٨) بَابُ سَمْرِ النَّبِيِّ ﷺ أَعْيُنَ الْمُحَارِبِينَ

باب:18- نبی ﷺ کے مرتد عسکریت پسندوں کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنے کا بیان

٦٨٠٥ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ رَهْطًا مِّنْ عُكْلٍ - أَوْ قَالَ: عُرَيْنَةَ، وَلَا أَعْلَمُهُ إِلَّا قَالَ: مِنْ عُكْلٍ - قَدِمُوا

[6805] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلۂ عکل کے چند آدمی مدینہ طیبہ آئے تو نبی ﷺ نے ان کے لیے دودھ دینے والی اونٹنیوں کا بندوبست کر دیا اور فرمایا کہ وہ اونٹوں کے گلے میں جائیں اور ان کا پیشاب اور دودھ نوش

① صحيح البخاري، الجهاد، حديث: 3018. ② صحيح البخاري، الطب، حديث: 5685. ③ فتح الباري: 136/12.

الْمَدِينَةَ، فَأَمَرَ لَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ بِلِقَاحٍ وَّأَمَرَهُمْ أَنْ يَّخْرُجُوا، فَيَشْرَبُوا مِنْ أَبْوَالِهَا وَأَلْبَانِهَا، فَشَرِبُوا حَتَّى إِذَا بَرِئُوا قَتَلُوا الرَّاعِيَ وَاسْتَاقُوا النَّعَمَ، فَبَلَغَ النَّبِيَّ ﷺ غُدْوَةً فَبَعَثَ الطَّلَبَ فِي إِثْرِهِمْ، فَمَا ارْتَفَعَ النَّهَارُ حَتَّى جِيءَ بِهِمْ، فَأَمَرَ بِهِمْ فَقُطِعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ وَسُمِّرَ أَعْيُنُهُمْ، فَأُلْقُوا بِالْحَرَّةِ يَسْتَسْقُونَ فَلَا يُسْقَوْنَ. [راجع: ٢٣٣]

کریں، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ تندرست ہو گئے تو انھوں نے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہانک کر لے گئے۔ نبی ﷺ کے پاس یہ خبر صبح کے وقت پہنچی تو آپ نے ان کے تعاقب میں سوار دوڑائے۔ ابھی دھوپ زیادہ نہیں پھیلی تھی کہ انھیں گرفتار کر کے لایا گیا۔ آپ ﷺ نے ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دینے کا حکم دیا اور ان کی آنکھوں میں لوہے کی گرم سلائیاں پھیری گئیں۔ پھر انھیں پتھریلے گرم میدان میں پھینک دیا گیا۔ وہ پانی مانگتے تھے لیکن انھیں پانی نہ پلایا گیا۔

قَالَ أَبُو قِلَابَةَ: هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ سَرَقُوا وَقَتَلُوا، وَكَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ، وَحَارَبُوا اللهَ وَرَسُولَهُ.

ابو قلابہ نے کہا: یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے چوری کی، قتل کیا اور ایمان کے بعد کفر اختیار کیا تھا، نیز انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے خلاف باغیانہ کارروائی کی تھی۔

فائدہ: وہ نمک حرام انتہائی احسان فراموش نکلے۔ ان کے ساتھ جو سلوک ہوا وہ انھی کا کیا دھرا تھا۔ انھوں نے اونٹوں کے چرواہے کے ساتھ اسی قسم کا برتاؤ کیا تھا۔ اس مقام پر ایک اشکال ہے کہ حدیث عبادہ کے مطابق جس پر حد جاری ہو جائے وہ اس کے گناہ کا کفارہ بن جاتی ہے جبکہ عسکریت پسندوں کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''یہ سزا ان کے لیے دنیا میں رسوائی کا باعث اور آخرت میں سخت ترین عذاب کا پیش خیمہ ہو گی۔''[1] اس آیت کے مطابق دنیا کی سزا ان کے لیے کفارہ نہیں ہو گی۔ اس کا جواب حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس طرح دیا ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث اہل اسلام کے ساتھ خاص ہے لیکن کافر یا مشرک کا قتل اس کے لیے کفارہ نہیں ہو گا کیونکہ کفر و شرک ناقابل معافی جرم ہیں، جو توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''بے شک اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرے گا۔''[2] بہر حال مسلمان اور کافر کا معاملہ الگ الگ ہے۔[3] واللہ أعلم.

(١٩) بَابُ فَضْلِ مَنْ تَرَكَ الْفَوَاحِشَ

باب: 19- اس شخص کی فضیلت جس نے فواحش کو چھوڑ دیا

٦٨٠٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ: أَخْبَرَنَا

[6806] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی

1 المآئدة 33:5. 2 النسآء 48:4. 3 فتح الباري: 137/12.

عَبْدُ اللهِ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ: إِمَامٌ عَادِلٌ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللهِ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ فِي خَلَاءٍ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسْجِدِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللهِ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ إِلَى نَفْسِهَا قَالَ: إِنِّي أَخَافُ اللهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ [بِصَدَقَةٍ] فَأَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا صَنَعَتْ يَمِينُهُ». [راجع: ٦٦٠]

ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''سات آدمی ایسے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے سائے تلے جگہ دے گا۔ اس دن اس کے سائے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہوگا: عادل حکمران، وہ نوجوان جو اللہ کی عبادت میں پروان چڑھا ہو، وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھیں بہہ پڑیں، وہ شخص جس کا دل مسجد میں لگا رہتا ہے، وہ دو آدمی جو صرف اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں، وہ شخص جسے کوئی بلند مرتبہ اور خوبرو عورت اپنی طرف بلائے لیکن وہ کہے: میں اللہ سے ڈرتا ہوں، اور وہ شخص جس نے اس قدر پوشیدہ صدقہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چل سکا کہ دائیں ہاتھ نے کتنا اور کیا صدقہ کیا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① فَوَاحِش، فَاحِشَةٌ کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں: وہ گناہ جو انتہائی گندا ہو، خواہ اس کا تعلق کردار سے ہو یا گفتار سے۔ عام طور پر اس سے زنا کاری مراد ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''زنا کے قریب تک نہ جاؤ کیونکہ یہ ہمیشہ سے انتہائی گندا ہے۔''[1] لواطت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا: ''کیا تم انتہائی گندے کام کا ارتکاب کرتے ہو۔''[2] امام بخاری رحمہ اللہ نے گندے کاموں کو چھوڑنے کی فضیلت کے متعلق یہ حدیث پیش کی ہے، چنانچہ اس حدیث میں ہے کہ جو شخص حسب ونسب والی خاندانی عورت کی دعوت کو ٹھکرا دیتا ہے جبکہ وہ اسے اپنی جنسی خواہش پوری کرنے کے لیے بلاتی ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے اپنے سائے میں جگہ دے گا۔ بہرحال فواحش ومنکرات کو اللہ سے ڈرتے ہوئے چھوڑ دینا بہت بڑی فضیلت ہے۔[3]

٦٨٠٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَلِيٍّ؛ ح: وَحَدَّثَنِي خَلِيفَةُ: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنْ تَوَكَّلَ لِي مَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ وَمَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ تَوَكَّلْتُ لَهُ بِالْجَنَّةِ». [راجع: ٦٤٧٤]

[6807] حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے مجھے اپنے دونوں پاؤں کے درمیان (شرمگاہ) اور اپنے دونوں جبڑوں کے درمیان (زبان) کی ضمانت دی تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔''

① بني إسرآئيل 17: 32. ② الأعراف 7: 80. ③ فتح الباري: 12/138.

فائدہ: انسان عام طور پر زبان اور شرمگاہ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے، ان دونوں کی ضمانت دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ فحش کاری اور فحش کلامی کو ترک کر دے۔ ان دونوں سے بے حد گندے کاموں سے بچنے کی فضیلت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے جنت میں جانے کی ضمانت دی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے فواحش ومنکرات کو چھوڑنے کی فضیلت اس حدیث سے ثابت کی ہے۔ واللہ أعلم.

(۲۰) بَابُ إِثْمِ الزُّنَاةِ

باب:20- زانیوں کے گناہ کا بیان

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَلَا يَزْنُونَ﴾ [الفرقان: ٦٨] ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰٓ إِنَّهُۥ كَانَ فَٰحِشَةً وَسَآءَ سَبِيلًا﴾ [الإسراء: ٣٢]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وہ زنا نہیں کرتے۔“ نیز فرمایا: ”تم زنا کے قریب بھی نہ جاؤ بلاشبہ وہ ہمیشہ سے بے حیائی اور برا راستہ ہے۔“

وضاحت: پہلی آیت سے مراد سورۃ الفرقان کی آیت ہے، جس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں: ”جو شخص ایسے کام کرے گا وہ ان کی سزا پا کر رہے گا۔ قیامت کے دن اس کا عذاب دوگنا کر دیا جائے گا اور وہ اس میں ذلیل ہو کر پڑا رہے گا۔“[1] اس آیت میں زنا کی آخری سزا بیان کی گئی ہے جبکہ دوسری آیت میں اسے فحش اور برے راستے کا نام دیا گیا ہے، یعنی ان آیات میں زنا کی سنگینی اور گندگی و برائی کو بیان کیا گیا ہے۔

٦٨٠٨ - حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ شَبِيبٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ: أَخْبَرَنَا أَنَسٌ قَالَ: لَأُحَدِّثَنَّكُمْ حَدِيثًا لَا يُحَدِّثُكُمُوهُ أَحَدٌ بَعْدِي، سَمِعْتُهُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «لَا تَقُومُ السَّاعَةُ - وَإِمَّا قَالَ: مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ - أَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ، وَيَظْهَرَ الْجَهْلُ، وَيُشْرَبَ الْخَمْرُ، وَيَظْهَرَ الزِّنَا، وَيَقِلَّ الرِّجَالُ، وَيَكْثُرَ النِّسَاءُ حَتَّى يَكُونَ لِلْخَمْسِينَ امْرَأَةً الْقَيِّمُ الْوَاحِدُ». [راجع: ٨٠]

[6808] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں تمھیں ایک ایسی حدیث سناتا ہوں جو میں نے نبی ﷺ سے سنی ہے اور یہ حدیث میرے بعد تمھیں اور کوئی بھی بیان نہیں کرے گا۔ میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: ”اس وقت تک قیامت قائم نہ ہو گی...... یا فرمایا: قیامت کی علامات میں سے ہے...... کہ علم اٹھا لیا جائے گا اور جہالت پھیل جائے گی، شراب کا دور دورہ ہو گا، زنا عام ہو گا، مرد کم ہوتے جائیں گے اور عورتوں کی کثرت ہو گی حتی کہ پچاس عورتوں کا انتظام کرنے والا ایک شخص ہو گا۔“

فوائد ومسائل: ① زنا کے قریب نہ جانے کا مقصد اس کے مقدمات اور ابتدائی چیزوں سے پرہیز کرنا ہے، مثلاً: نظر بازی کرنا، ہاتھ لگانا یا بوس وکنار کرنا، یہ ایسے کام ہیں جو زنا تو نہیں لیکن زنا تک پہنچاتے ہیں۔ قرب قیامت کے وقت زنا عام ہو

1 الفرقان 25:68,69.

جائے گا کہ اسے چھپا کر نہیں کیا جائے گا بلکہ علانیہ اور کھلم کھلا گلی کوچوں میں اس کا ارتکاب ہو گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرب قیامت کے وقت ایسی چیزیں بکثرت دستیاب ہوں گی جو زنا اور بدکاری کا پیش خیمہ ہوں گی، جس سے زنا کی وبا عام ہو جائے گی، ہمارے دور میں زنا کے اسباب و ذرائع اور وسائل بکثرت موجود ہیں۔ انٹرنیٹ، ٹی وی، کیبل اور سی ڈی پوائنٹ پر یہ وسائل بکثرت دستیاب ہیں۔

٦٨٠٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا الْفُضَيْلُ بْنُ غَزْوَانَ عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا يَزْنِي الْعَبْدُ حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَسْرِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَشْرَبُ حِينَ يَشْرَبُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَقْتُلُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ».

[6809] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بندہ جب زنا کرتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں رہتا، جب وہ چوری کرتا ہے تو اس وقت مومن نہیں رہتا، جب وہ شراب نوشی کرتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں رہتا اور جب قتل ناحق کرتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں رہتا۔''

قَالَ عِكْرِمَةُ، قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: كَيْفَ يُنْزَعُ مِنْهُ الْإِيمَانُ؟ قَالَ: هٰكَذَا، وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ ثُمَّ أَخْرَجَهَا، فَإِنْ تَابَ عَادَ إِلَيْهِ هٰكَذَا، وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ. [راجع: ٦٧٨٢]

عکرمہ نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: ایمان اس سے کیسے نکال لیا جاتا ہے؟ انھوں نے اپنی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر پھر انھیں الگ کیا اور فرمایا: اس طرح۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو ایمان اس کے پاس لوٹ آتا ہے، پھر انھوں نے اپنی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر فرمایا کہ اس طرح واپس آ جاتا ہے۔

٦٨١٠ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ ذَكْوَانَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَسْرِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَشْرَبُ حِينَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَالتَّوْبَةُ مَعْرُوضَةٌ بَعْدُ». [راجع: ٢٤٧٥]

[6810] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''زنا کرنے والا جب زنا کرتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں رہتا۔ چوری کرنے والا جب چوری کرتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں رہتا۔ اور شرابی جب شراب نوشی کرتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں رہتا۔ پھر ان سب آدمیوں کے لیے توبہ کا دروازہ بہرحال کھلا رہتا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① ان روایات میں زنا کی سنگینی بیان کی گئی ہے کہ حالت زنا میں انسان نور ایمان سے محروم ہو جاتا ہے،

اگر اسی حالت میں مرجائے تو ایمان سے محروم ہو کر فوت ہو گیا، البتہ جس میں ایمان کی رمق ہو گی، اسے توبہ کا موقع ملتا ہے لیکن توبہ کا موقع بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی سے ملتا ہے۔ ② بہر حال انسان کو چاہیے کہ وہ بدکاری کے راستوں کو اختیار نہ کرے، فحش کلام اور فحش کام کے قریب تک نہ جائے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ جب آدمی زنا کرتا ہے تو ایمان نکل کر اس کے اوپر چھتری کی طرح ہو جاتا ہے اور جب وہ اس بے حد گندے اور برے کام سے فارغ ہوتا ہے تو ایمان لوٹ آتا ہے۔ پھر انھوں نے ابو جعفر محمد بن علی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ آدمی ایمان سے اسلام کی طرف لوٹ آتا ہے۔[1] ③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ان کے نزدیک ایمان، اسلام کی ایک خاص حالت ہے جو زنا کے وقت برقرار نہیں رہتی، البتہ اسلام کی حالت باقی رہتی ہے۔ جمہور اہل علم نے اس امر کو ایک دوسرے انداز سے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد کامل ایمان ہے، یعنی اس کا ایمان کامل باقی نہیں رہتا، اصل ایمان سے خروج نہیں ہوتا۔[2]

٦٨١١ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا يَحْيَى ابْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَنْصُورٌ وَسُلَيْمَانُ عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ أَبِي مَيْسَرَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ؟ قَالَ: «أَنْ تَجْعَلَ لِلهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ»، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ [مِنْ] أَجْلِ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ»، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «أَنْ تُزَانِيَ حَلِيلَةَ جَارِكَ». [راجع: ٤٤٧٧]

[6811] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے دریافت کیا: اللہ کے رسول! کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''یہ کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بناؤ، حالانکہ اس نے تمھیں پیدا کیا ہے۔'' میں نے پوچھا: اس کے بعد کون سا گناہ عظیم تر ہے؟ آپ نے فرمایا: ''یہ کہ تم اپنی اولاد کو اس لیے قتل کرو کہ وہ تمھارے ساتھ کھانا کھانے میں شریک ہوں گے۔'' میں نے پوچھا: اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تمھارا اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرنا۔''

قَالَ يَحْيَى: وَحَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنِي وَاصِلٌ عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، مِثْلَهُ.

یحییٰ نے بیان کیا: ان سے سفیان نے بیان کیا، ان سے واصل نے بیان کیا، ان سے ابو وائل نے اور ان سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے کہا: اللہ کے رسول! پھر اس حدیث کی طرح بیان کیا۔

قَالَ عَمْرٌو: فَذَكَرْتُهُ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَكَانَ حَدَّثَنَا عَنْ سُفْيَانَ، عَنِ الْأَعْمَشِ وَمَنْصُورٍ وَوَاصِلٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ أَبِي مَيْسَرَةَ قَالَ: دَعْهُ دَعْهُ.

عمرو نے کہا: پھر میں نے اس حدیث کا ذکر عبدالرحمٰن بن مہدی سے کیا، انھوں نے سفیان ثوری سے، انھوں نے اعمش، منصور اور واصل سے، ان سب نے ابو وائل سے، انھوں نے ابو میسرہ سے بیان کیا۔ عبدالرحمٰن بن مہدی نے

1 جامع الترمذي، الإيمان، حديث: 2625. 2 فتح الباري: 140/12.

کہا: تم اس سند کو جانے دو، اسے چھوڑ دو۔

فوائدومسائل: ① حلیلہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ خاوند کا اس سے مباشرت کرنا حلال ہوتا ہے یا دونوں ایک بستر میں پڑاؤ کرتے ہیں۔ ② اگرچہ زنا ہر لحاظ سے بے حد گندا اور برا ہے لیکن ہمسائے کی بیوی سے بدکاری کرنا اس لیے بہت بڑا اور عظیم گناہ ہے کہ اس کا احترام اور حق دوسرے لوگوں سے زیادہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کا ہمسایہ اس کی شرارتوں سے محفوظ نہیں، اس شخص کا ایمان کامل نہیں ہے۔[1] بہرحال اس حدیث سے زنا کی قباحت معلوم ہوتی ہے، خاص طور پر جب اپنے ہمسائے کی بیوی سے منہ کالا کیا جائے تو اس کی سنگینی مزید بڑھ جاتی ہے۔[2] واللہ أعلم.

(٢١) بَابُ رَجْمِ الْمُحْصَنِ

باب: 21- شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنا

وَقَالَ الْحَسَنُ: مَنْ زَنٰى بِأُخْتِهِ فَحَدُّهُ حَدُّ الزَّانِي.

حسن بصری نے کہا: جس نے اپنی بہن سے زنا کیا، اس کی حد بھی زنا کی حد ہے۔

وضاحت: احصان، یعنی شادی شدہ سے مراد وہ عاقل و بالغ اور آزاد مسلمان ہے جو نکاح صحیح کے بعد اپنی بیوی سے ہم بستر ہو چکا ہو۔ ایسا آدمی جب بدکاری کا ارتکاب کرے تو اسے رجم (پتھر مار مار کر ہلاک) کرنا چاہیے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے شارح صحیح بخاری ابن بطال کے حوالے سے لکھا ہے: اس امر پر تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ عظام کا اتفاق ہے کہ شادی شدہ مرد جب جان بوجھ کر اپنے اختیار سے بدکاری کرے تو اس کی سزا سنگسار (زمین میں گاڑ کر پتھر مار کر ہلاک) کرنا ہے۔ صرف معتزلہ اور خوارج نے اس بنا پر انکار کیا ہے کہ اس سزا کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ لیکن جمہور اہل علم کا موقف ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا ہے اور آپ کے بعد تمام حکمرانوں نے اس پر عمل کیا ہے، لہذا اس کی مشروعیت میں کوئی شک نہیں ہے۔[3]

٦٨١٢ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ قَالَ: سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ [يُحَدِّثُ] عَنْ عَلِيٍّ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُ حِينَ رَجَمَ الْمَرْأَةَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَقَالَ: قَدْ رَجَمْتُهَا بِسُنَّةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ.

[6812] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، جب انھوں نے جمعہ کے دن ایک عورت کو رجم کیا تو فرمایا: میں نے اس عورت کو رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے مطابق رجم کیا ہے۔

فوائدومسائل: ① روایات میں اس واقعے کی تفصیل بیان ہوئی ہے کہ شراحہ ہمدانیہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور اس نے زنا کا اعتراف کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: شاید تجھے خواب آیا ہو، شاید تیرا خاوند تیرے پاس آیا ہو، شاید تجھے اس پر مجبور کیا گیا ہو۔ اس نے ہر بات کا انکار کیا، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے جمعرات کے دن سو کوڑے مارے، پھر جمعہ کے دن اسے رجم کیا۔

---

① صحيح البخاري، الأدب، حديث: 6016. ② فتح الباري: 142/12. ③ فتح الباري: 143/12.

لوگوں نے کہا: آپ نے دو حدیں جمع کی ہیں تو انھوں نے فرمایا: ہاں، میں نے اللہ کی کتاب کے مطابق کوڑے لگائے ہیں اور سنت رسول کے مطابق سنگسار کیا ہے۔[1] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شادی شدہ زانی کو کوڑے بھی مارے جائیں اور سنگسار بھی کیا جائے۔ دراصل حقیقت یہ ہے کہ قرآن میں زنا کے متعلق پہلے درج ذیل حکم نازل ہوا تھا: ''تمھاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں تو ان پر اپنے میں سے چار آدمیوں کی گواہی لو۔ اگر وہ گواہی دے دیں تو انھیں گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ انھیں موت آجائے یا اللہ ان کے لیے کوئی اور راہ پیدا کردے۔''[2] پھر اللہ تعالیٰ نے جس دوسری راہ کا اشارہ فرمایا اس کے متعلق درج ذیل حدیث قابل غور ہے، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک دن رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوئی، جب وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو آپ نے فرمایا: ''مجھ سے احکام شریعت سیکھ لو۔ اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے لیے راستہ تجویز کردیا ہے کہ کنوارا لڑکا کنواری لڑکی سے زنا کرے تو اس کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی ہے اور اگر شادی شدہ عورت کے ساتھ شادی شدہ مرد زنا کرے تو اس کی سزا کوڑے اور رجم ہے۔''[3] پھر اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں زانی مرد اور عورت کے لیے سزا تجویز فرمائی، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''زانی عورت ہو یا مرد، ان میں سے ہر ایک کو سو، سو کوڑے لگاؤ، اگر تم اللہ پر ایمان اور آخرت پر یقین رکھتے ہو تو اللہ کے دین کے معاملے میں تمھیں ان دونوں پر ترس نہیں آنا چاہیے، اور مسلمانوں میں سے ایک گروہ ان کی سزا کے وقت موجود ہونا چاہیے۔''[4] ② اس آیت کریمہ میں مذکور سزا صرف کنوارے مرد اور کنواری عورت کے لیے ہے جب وہ زنا کا ارتکاب کریں کیونکہ یہ واقعہ 6 ہجری میں پیش آیا جس کے نتیجے میں یہ سزا مقرر کی گئی اور ہمیں ایسے چند واقعات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان آیات کے نازل ہونے کے بعد زنا کے مرتکب شادی شدہ مرد اور عورتوں کو رجم کی سزا دی ہے، مثلاً: ○ شادی شدہ غامدیہ عورت کو رسول اللہ ﷺ نے رجم کی سزا دی تھی۔ اس کی احادیث میں صراحت ہے۔[5] حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسے پتھر مارا جس سے خون کے چھینٹے ان پر پڑ گئے تو انھوں نے اسے گالی دی، اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو تنبیہ فرمائی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی عرصے میں اسلام لائے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ غامدیہ کا واقعہ سورۂ نور کے نازل ہونے سے بہت بعد کا ہے۔ ○ مزدور لڑکے کا مشہور واقعہ ہے جس نے مالک کی بیوی سے زنا کیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اس مالکہ کو رجم کردینے کا حکم دیا تھا۔[6] اس مقدمے کی پیشی کے وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے اور وہ خود اس روایت کے راوی بھی ہیں۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ 7 ہجری غزوۂ خیبر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تھے اور اس وقت مسلمان ہوئے تھے جبکہ سورۂ نور اس سے پہلے نازل ہوچکی تھی۔ ○ یہودی مرد اور عورت کو رسول اللہ ﷺ نے سنگسار کرنے کا حکم دیا تھا جب انھوں نے آپس میں بدکاری کی تھی۔[7] مسند بزار کے حوالے سے یہ روایت حضرت عبداللہ بن حارث سے بھی مروی ہے۔[8] حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ اپنے

---

① النسآء 4:15. 2، مسند أحمد: 1/141. ③ صحيح مسلم، الحدود، حديث: 4414 (1690). ④ النور 24:2. ⑤ صحيح مسلم، الحدود، حديث: 4431 (1695). ⑥ صحيح البخاري، الحدود، حديث: 6842، 6843. ⑦ صحيح البخاري، الحدود، حديث: 6841. ⑥ مسند البزار، حديث: 3788، وفتح الباري: 12/207.

دادے کے ہمراہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے اور بعض روایات سے پتا چلتا ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے ان دونوں کو رجم کیا تھا۔ اس واقعے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ نور کی مذکورہ آیات کے بعد زانی مرد، عورتوں کو رجم کی سزا دی تھی۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رجم کے حق میں ایک خطبہ دیا تھا۔ مسجد نبوی میں اس وقت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔ [1] صحابہ میں سے کسی نے بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بیان پر کوئی اعتراض نہیں کیا، پھر اس وقت سے لے کر آج تک یہ مسئلہ متفق علیہ چلا آ رہا ہے، جس کا منکرین حدیث کے علاوہ کسی دوسرے نے انکار نہیں کیا، نیز زنا اور بدکاری کا زیادہ خطرہ کنوارے مردوں اور کنواری عورتوں ہی سے ہوسکتا ہے کیونکہ ان کے پاس شہوت کی تسکین کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا، لہٰذا قرآن نے ایسے لوگوں کے جرم کو اصل بنیاد قرار دیا ہے اور کوڑے مارنے کی سزا ان کے لیے مخصوص کی ہے، رہا شادی شدہ مرد اور عورت کا زنا تو یہ دو لحاظ سے شدید تر ہوتا ہے: ○ ایسے لوگ معاہدۂ نکاح کی عہد شکنی کرتے ہیں۔ ○ تکمیل خواہش کا ذریعہ موجود ہونے کے باوجود اس جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ چونکہ شادی شدہ جوڑے کا جرم اصل جرم سے شدید تر ہوتا ہے، اس لیے ایسے لوگوں کو سزا بھی شدید تر دی جاتی ہے، اور وہ ہے سنگسار کرنا جس کی ہم پہلے وضاحت کر آئے ہیں۔ ③ واضح رہے کہ حد رجم سے انکار سب سے پہلے اولین منکرین حدیث معتزلہ نے کیا، ان کے بعد بعض خوارج نے ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔ اس انکار کی وجہ خواہشات نفس کی پیروی تھی، نیز ان کی عصبیت نے بھی جلتی پر تیل کا کام دکھایا، مگر دور حاضر کے منکرین رجم میں ایک اور وجہ بھی شامل ہوگئی ہے اور وہ یہ کہ اہل مغرب اسلام کی ایسی سزاؤں کو وحشیانہ سزائیں سمجھتے ہیں، لہٰذا ہمارے مغربیت سے مرعوب حضرات نے بھی اس کے انکار میں ہی عافیت سمجھی ہے۔ یہ مرعوبیت پہلے بھی تھی اور آج بھی اس انکار میں کارفرما ہے۔ ④ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی تفصیلی روایت سے پتا چلتا ہے کہ شادی شدہ زانی یا زانیہ کی سزا سو کوڑے اور سنگسار دونوں ہیں، تاہم عہد نبوی اور خلفائے راشدین کے دور حکومت میں رجم پر ہی اکتفا کیا جاتا رہا ہے جیسا کہ ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ، غامدیہ، یہودی مرد عورت کے واقعات اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے خطبے سے معلوم ہوتا ہے۔ ان احادیث اور واقعات کی بنا پر جمہور اہل علم، امام مالک، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کا موقف ہے کہ شادی شدہ زانی کو صرف رجم کیا جائے گا کوڑے نہیں مارے جائیں گے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ واقعات میں صرف رجم ہی کا حکم دیا تھا۔ ⑤ امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی یہی رجحان معلوم ہوتا ہے کیونکہ انھوں نے ان الفاظ میں عنوان قائم کیا ہے: [بَابُ رَجْمِ الْمُحْصِنِ] ''شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنا۔'' پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے صرف رجم کا ٹکراؤ ذکر کیا ہے، البتہ امام احمد، امام اسحاق اور داود ظاہری رحمہم اللہ اس چیز کے قائل ہیں کہ رجم سے پہلے کوڑے بھی لگائے جائیں۔ انھوں نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو بطور دلیل پیش کیا ہے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واقعے سے بھی انھوں نے اس موقف کو ثابت کیا ہے۔ ہمارے رجحان کے مطابق بہتر یہی ہے کہ شادی شدہ جوڑے کے لیے صرف رجم پر اکتفا کیا جائے جب وہ زنا کے مرتکب ہوں۔ واللہ أعلم.

٦٨١٣ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنِ

[6813] سلیمان شیبانی سے روایت ہے، انھوں نے کہا:

---

[1] صحيح البخاري، الحدود، حديث: 6830.

الشَّيْبَانِيِّ: سَأَلْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى: هَلْ رَجَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: قَبْلَ سُورَةِ النُّورِ أَمْ بَعْدُ؟ قَالَ: لَا أَدْرِي. [انظر: ٦٨٤٠]

میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ نے کسی کو رجم کیا تھا؟ انھوں نے فرمایا: ہاں۔ میں نے کہا: سورۂ نور کے نازل ہونے سے پہلے یا بعد؟ انھوں نے فرمایا: یہ مجھے معلوم نہیں۔

فوائدومسائل: ① سورۂ نور سے مراد اس کی درج ذیل آیت کریمہ ہے: ''زانی عورت یا مرد ان میں سے ہر ایک کو سو، سو کوڑے لگاؤ۔''[1] اس کے متعلق سوال کرنے کا فائدہ یہ تھا کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے اس کے نازل ہونے سے پہلے رجم کیا ہے تو ممکن ہے کہ آیت کریمہ سے وہ رجم منسوخ ہو گیا ہو کیونکہ اس آیت میں کوڑے لگانے کا ذکر ہے اور اگر بعد میں اس کا نزول ہوا ہے تو ممکن ہے کہ شادی شدہ زانی کے لیے رجم کی سزا اس آیت سے مخصوص ہو، لیکن صحابی نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا کہ وہ مجھے معلوم نہیں۔ ② حقیقت یہ ہے کہ ان آیات کا نزول سزائے رجم سے پہلے ہے کیونکہ یہ سورت 6 ہجری میں نازل ہوئی ہے اور رجم کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں جو فتح خیبر کے موقع پر سات ہجری میں مسلمان ہوئے تھے۔ اس طرح رجم سے متعلقہ واقعے کی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔[2] اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی والدہ کے ہمراہ نو ہجری میں مدینہ طیبہ تشریف لائے تھے۔[3]

٦٨١٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ [قَالَ]: حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيِّ: أَنَّ رَجُلًا مِّنْ أَسْلَمَ أَتٰى رَسُولَ اللهِ ﷺ، فَحَدَّثَهُ أَنَّهُ قَدْ زَنٰى، فَشَهِدَ عَلٰى نَفْسِهِ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ، فَأَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَرُجِمَ وَكَانَ قَدْ أُحْصِنَ. [راجع: ٥٢٧٠]

[6814] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قبیلۂ اسلم کا ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے کہا کہ اس نے زنا کیا ہے اور اپنے آپ پر چار شہادتیں پیش کیں تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق رجم کا حکم دیا، چنانچہ اسے سنگسار کیا گیا جبکہ وہ شادی شدہ تھا۔

فوائدومسائل: ① جو آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اس کا نام ماعز بن مالک تھا۔ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اپنے جرم کا اقرار کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شاید تو نے بوسہ لیا ہوگا یا بغل میں لیا ہوگا یا اس سے نظر بازی کی ہوگی۔'' اس نے کہا: نہیں، بلکہ میں نے جماع کیا ہے۔ جب اس صراحت کے ساتھ اس نے جرم کا اقرار کیا تو آپ ﷺ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا۔[4] ② آپ نے اسے شک کا فائدہ دینا چاہا کہ شاید نظر بازی اور بوس وکنار کو اس نے زنا سمجھ لیا ہو

1 النور 24:2. 2 صحيح البخاري، الحدود، حديث: 6824. 3 فتح الباري: 147/12. 4 صحيح البخاري، الحدود، حديث: 6824.

جیسا کہ بعض احادیث میں ان چیزوں کو زنا شمار کیا گیا ہے، بہرحال وہ شادی شدہ تھا اور زنا کے بعد اسے سنگسار کیا گیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے شادی شدہ کے لیے رجم ثابت کیا ہے۔

(٢٢) بَابٌ: لَا يُرْجَمُ الْمَجْنُونُ وَالْمَجْنُونَةُ

باب: 22- پاگل مرد یا عورت کو سنگسار نہیں کیا جائے گا

وَقَالَ عَلِيٌّ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُ لِعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الْقَلَمَ رُفِعَ عَنِ الْمَجْنُونِ حَتَّى يُفِيقَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يُدْرِكَ، وَعَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ؟.

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ دیوانہ، ہوش آنے تک، بچہ، بالغ ہونے تک اور سونے والا، بیدار ہونے تک مرفوع القلم ہے۔

وضاحت: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک دیوانی عورت لائی گئی جو زنا سے حاملہ تھی تو انھوں نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے مذکورہ بالا الفاظ کہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر دیوانہ مرد یا عورت حالت دیوانگی میں زنا کریں تو بالاجماع انھیں رجم نہیں کیا جائے گا۔ اگر حالت صحت میں زنا کیا، پھر جنون طاری ہوا یا دوران بدکاری میں دیوانہ ہو گیا تو جمہور علماء کے نزدیک رجم کرنے میں انھیں ہوش آنے تک تاخیر نہ کی جائے کیونکہ انھیں ختم کرنا مقصود ہے لیکن اگر کوڑے مارنے ہوں تو ان کے ہوش آنے تک تاخیر کرنا ضروری ہے کیونکہ انھیں ختم کرنا نہیں بلکہ تکلیف دینا مقصود ہے۔[1]

٦٨١٥ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَتَى رَجُلٌ رَّسُولَ اللهِ ﷺ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَنَادَاهُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي زَنَيْتُ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ حَتَّى رَدَّدَ عَلَيْهِ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ، فَلَمَّا شَهِدَ عَلَى نَفْسِهِ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ دَعَاهُ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «أَبِكَ جُنُونٌ؟» قَالَ: لَا، قَالَ: «فَهَلْ أَحْصَنْتَ؟» قَالَ: نَعَمْ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اذْهَبُوا بِهِ فَارْجُمُوهُ». [راجع: ٥٢٧١]

[6815] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اس نے کہا: اللہ کے رسول! میں نے زنا کیا ہے۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ پھر اس نے یہ بات چار دفعہ دہرائی۔ جب اس نے چار مرتبہ اپنے خلاف گواہی دی تو نبی ﷺ نے اسے بلایا اور دریافت فرمایا: ''کیا تو دیوانہ ہے؟'' اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا: ''کیا تو شادی شدہ ہے؟'' اس نے کہا: ہاں۔ اس کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا: ''اسے لے جاؤ اور سنگسار کر دو۔''

---

[1] فتح الباري: 147/12.

٦٨١٦ - قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَأَخْبَرَنِي مَنْ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: فَكُنْتُ فِيمَنْ رَجَمَهُ، فَرَجَمْنَاهُ بِالْمُصَلَّى، فَلَمَّا أَذْلَقَتْهُ الْحِجَارَةُ هَرَبَ، فَأَدْرَكْنَاهُ بِالْحَرَّةِ فَرَجَمْنَاهُ. [راجع: ٥٢٧٠]

[6816] حضرت جابر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں ان لوگوں میں تھا جنھوں نے اسے رجم کیا تھا۔ ہم نے اسے آبادی سے باہر عیدگاہ کے پاس رجم کیا تھا۔ جب اس کو پتھر پڑے تو بھاگ نکلا، لیکن ہم نے حرہ کے پاس اسے پالیا اور وہیں سنگسار کر دیا۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق سب سے پہلے یہ سوال کیا کہ تو دیوانہ ہے؟ کیونکہ کوئی صاحب شعور، اس طرح کا اعتراف واقرار نہیں کرتا جس کی پاداش میں وہ دنیا سے نیست ونابود ہو جاتا ہو، لیکن اس انسان کا ضمیر بیدار ہو چکا تھا۔ اسے بخوبی علم تھا کہ اس طرح کی موت سے وہ اس جرم سے پاک ہو جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے اقرار کے بعد اس کے خاندان سے پتا کرایا کہ یہ شخص دیوانہ تو نہیں، قوم نے بالاتفاق گواہی دی کہ یہ شخص انتہائی سمجھ دار ہے۔ الغرض آپ نے اس سلسلے میں پوری تحقیق کی جیسا کہ آئندہ وضاحت آئے گی، اس کے بعد آپ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا۔ ② امام بخاری ؒ نے اس حدیث سے ثابت کیا ہے کہ دیوانے کو ہوش آنے تک رجم کی سزا نہ دی جائے۔[1]

(٢٣) بَابٌ: لِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ

باب: 23- زنا کار کے لیے پتھروں کی سزا ہے

٦٨١٧ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتِ: اخْتَصَمَ سَعْدٌ وَّابْنُ زَمْعَةَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ بْنَ زَمْعَةَ، اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ، وَاحْتَجِبِي مِنْهُ يَا سَوْدَةُ».

[6817] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ ؓ نے (ایک بچے کے متعلق) جھگڑا کیا تو نبی ﷺ نے فیصلہ فرمایا: ''اے عبد بن زمعہ! بچہ تم لے لو کیونکہ بچہ صاحب فراش کا ہوتا ہے۔ اے سودہ! تم اس سے پردہ کیا کرو۔''

زَادَ لَنَا قُتَيْبَةُ عَنِ اللَّيْثِ: «وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ». [راجع: ٢٠٥٣]

قتیبہ سے لیث نے یہ اضافہ بیان کیا ہے: ''زانی کے حصے میں پتھروں کی سزا ہے۔''

٦٨١٨ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ». [راجع: ٦٧٥٠]

[6818] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''بچہ صاحب فراش کا ہے اور حرام کار کے لیے پتھروں کی سزا ہے۔''

---

1 فتح الباري: 150/12.

فائدہ: عربی زبان میں حجر کے دو معنی ہیں: ○ حرمان اور محرومیت کے معنی دیتا ہے۔ ○ پتھر جن سے زانی کو رجم کیا جاتا ہے۔ بعض حضرات نے اس حدیث میں پہلے معنی مراد لیے ہیں کہ زانی کے لیے محرومی کے علاوہ کچھ نہیں ہے، اسے بچہ نہیں دیا جائے گا۔ علامہ عینی رحمہ اللہ نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان سے یہ ثابت کیا ہے کہ اس سے مراد محرومی نہیں بلکہ پتھر ہیں جن سے زانی کو رجم کیا جاتا ہے بشرطیکہ رجم کی شرائط پائی جاتی ہوں کیونکہ ہر زانی کے لیے پتھروں کی سزا نہیں بلکہ کنوارے زانی کے لیے کوڑوں کی سزا ہے۔[1] واللہ أعلم.

(٢٤) بَابُ الرَّجْمِ فِي الْبَلَاطِ

باب: 24- بلاط میں رجم کرنا

٦٨١٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ [بْنِ كَرَامَةَ]: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ عَنْ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: أُتِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِيَهُودِيٍّ وَيَهُودِيَّةٍ قَدْ أَحْدَثَا جَمِيعًا، فَقَالَ لَهُمْ: «مَا تَجِدُونَ فِي كِتَابِكُمْ؟» قَالُوا: إِنَّ أَحْبَارَنَا أَحْدَثُوا تَحْمِيمَ الْوَجْهِ وَالتَّجْبِيَةَ. قَالَ عَبْدُ اللهِ ابْنُ سَلَامٍ: أُدْعُهُمْ يَا رَسُولَ اللهِ بِالتَّوْرَاةِ، فَأُتِيَ بِهَا فَوَضَعَ أَحَدُهُمْ يَدَهُ عَلَى آيَةِ الرَّجْمِ وَجَعَلَ يَقْرَأُ مَا قَبْلَهَا وَمَا بَعْدَهَا، فَقَالَ لَهُ ابْنُ سَلَامٍ: ارْفَعْ يَدَكَ، فَإِذَا آيَةُ الرَّجْمِ تَحْتَ يَدِهِ، فَأَمَرَ بِهِمَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَرُجِمَا. قَالَ ابْنُ عُمَرَ: فَرُجِمَا عِنْدَ الْبَلَاطِ، فَرَأَيْتُ الْيَهُودِيَّ أَجْنَأَ عَلَيْهَا. [راجع: ١٣٢٩]

[6819] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک یہودی مرد اور یہودی عورت کو لایا گیا جنھوں نے زنا کیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان سے دریافت کیا: ”تم اپنی کتاب (تورات) میں اس کی سزا کیا پاتے ہو؟“ انھوں نے کہا: ہمارے علماء نے اس جرم کی سزا چہرے کو کالا کرنا اور گدھے پر الٹا سوار کرنا تجویز کر رکھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! انھیں تورات لانے کا کہیں۔ تورات لائی گئی تو ان میں سے ایک شخص نے آیت رجم پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس کے آگے پیچھے کی آیات پڑھنے لگا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اسے کہا: اپنا ہاتھ اٹھاؤ، کیا دیکھتے ہیں کہ آیت رجم اس کے ہاتھ کے نیچے تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق حکم دیا تو ان دونوں کو سنگسار کر دیا گیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: انھیں بلاط کے پاس رجم کیا گیا تھا۔ میں نے یہودی آشنا کو دیکھا کہ وہ اپنی داشتہ کو بچانے کے لیے اس پر جھک جھک پڑتا تھا۔

فوائد و مسائل: ① مسجد نبوی کے دروازے کے سامنے بازار تک ایک میدانی علاقہ تھا جس پر پتھر وغیرہ بچھے ہوئے تھے۔ اس جگہ کا نام بلاط تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ رجم کی سزا دینے کے لیے کوئی خاص جگہ مقرر نہ تھی بلکہ زانی کو کبھی عید گاہ میں رجم کیا جاتا اور کبھی مقام بلاط میں اسے سنگسار کر کے ختم کر دیا جاتا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ سنگسار کرنے کے لیے گڑھا کھودنے

---

[1] فتح الباري: 156/12.

کی ضرورت نہیں بلکہ اس کے بغیر بھی رجم کیا جا سکتا ہے کیونکہ مقام بلاط میں گڑھا کھودنا ممکن نہ تھا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مسجد اور اس کے آس پاس کا حکم ایک جیسا نہیں ہے کیونکہ بلاط مسجد کے قریب جگہ تھی اور اس کا حکم مسجد کا نہیں، جبکہ اس مقام پر رجم کیا اور مسجد میں رجم نہیں کیا جا سکتا۔ ② بعض اہل علم نے بلاط سے مراد وہ پتھر لیے ہیں جن سے زانی کو سنگسار اور رجم کیا جاتا ہے، یہ معنی بعید از عقل ہیں کیونکہ حدیث کے آخر میں ہے کہ یہودی جوڑے کو بلاط کے پاس رجم کیا گیا تھا۔ بہرحال اس سے مراد پتھر نہیں بلکہ وہ مقام ہے جہاں پتھر بچھے ہوئے تھے۔ [1]

(٢٥) بَابُ الرَّجْمِ بِالْمُصَلَّى

باب:25- عیدگاہ میں رجم کرنا

٦٨٢٠ - حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَابِرٍ: أَنَّ رَجُلًا مِّنْ أَسْلَمَ جَاءَ النَّبِيَّ ﷺ فَاعْتَرَفَ بِالزِّنَا فَأَعْرَضَ عَنْهُ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى شَهِدَ عَلَى نَفْسِهِ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: «أَبِكَ جُنُونٌ؟» قَالَ: لَا، قَالَ: «آحْصَنْتَ؟» قَالَ: نَعَمْ، فَأَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ بِالْمُصَلَّى، فَلَمَّا أَذْلَقَتْهُ الْحِجَارَةُ فَرَّ، فَأُدْرِكَ فَرُجِمَ حَتَّى مَاتَ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ خَيْرًا وَّصَلَّى عَلَيْهِ.

[6820] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلۂ اسلم کا ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور زنا کا اقرار کیا۔ نبی ﷺ نے اس سے منہ پھیر لیا حتی کہ اس نے اپنے خلاف چار مرتبہ گواہی دی تو نبی ﷺ نے اس سے پوچھا: ''کیا تو دیوانہ ہو گیا ہے؟'' اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''کیا تو شادی شدہ ہے؟'' اس نے کہا: جی ہاں۔ پھر آپ نے اس کے متعلق حکم دیا تو اسے عیدگاہ میں سنگسار کر دیا گیا۔ جب اس پر پتھر پڑے تو بھاگ نکلا لیکن اسے پکڑ لیا گیا اور رجم کیا گیا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ نبی ﷺ نے اس کے متعلق کلمۂ خیر کہا اور اس کا جنازہ بھی پڑھا۔

وَلَمْ يَقُلْ يُونُسُ وَابْنُ جُرَيْجٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ: وَصَلَّى عَلَيْهِ. [راجع: ٥٢٧٠]

یونس اور ابن جریج نے امام زہری سے نماز جنازہ پڑھنے کے الفاظ بیان نہیں کیے۔

سُئِلَ أَبُو عَبْدِ اللهِ هَلْ قَوْلُهُ: فَصَلَّى عَلَيْهِ يَصِحُّ أَمْ لَا؟ قَالَ: رَوَاهُ مَعْمَرٌ، قِيلَ لَهُ: هَلْ رَوَاهُ غَيْرُ مَعْمَرٍ؟ قَالَ: لَا.

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) سے پوچھا گیا کہ نماز جنازہ پڑھنے کے الفاظ ثابت ہیں یا نہیں؟ تو انھوں نے فرمایا: معمر نے انھیں بیان کیا ہے۔ پھر ان سے پوچھا گیا: معمر کے علاوہ کسی دوسرے راوی نے بھی ان الفاظ کو بیان کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: نہیں۔

1 فتح الباري: 157/12.

فوائد ومسائل: ① مدینہ طیبہ کے قرب و جوار میں بقیع الغرقد کے پاس ایک مخصوص میدانی علاقہ تھا جہاں عیدین اور جنازے پڑھے جاتے تھے۔ عیدین کے موقع پر مخصوص ایام والی عورتیں بھی ایک طرف جمع ہوتی تھیں۔ تقدس و احترام میں یہ میدان مسجد کے حکم میں نہ تھا۔ بعض اوقات زنا کاروں کو حد لگانے کے لیے اسی میدانی علاقے کا انتخاب کیا جاتا تھا کیونکہ سنگسار کرنے کی سزا مسجد میں نہیں دی جاسکتی، اس لیے کہ اس سے مسجد خون یا پیشاب کی وجہ سے گندی ہوسکتی ہے۔ ② امام بخاری ؒ کا اس عنوان اور پیش کردہ حدیث سے مقصود یہی ہے کہ عیدگاہ اور جنازہ گاہ کا حکم مسجد جیسا نہیں ہے کیونکہ اگر ان کا حکم مسجد جیسا ہوتا تو ان کے متعلق بھی ایسی چیزوں سے اجتناب کیا جاتا جن سے مسجد کو دور رکھا جاتا ہے۔ والله أعلم۔[1] ③ واضح رہے کہ امام بخاری ؒ نے معمر بن راشد کی روایت یقین و وثوق کے ساتھ بیان کی ہے کیونکہ حضرت معمر بہت بڑے فقیہ، متقی اور قابل اعتماد ہیں۔ ایسے شخص کا اضافہ قابل قبول ہوتا ہے۔ بہر حال جسے رجم کیا جائے اس کا جنازہ پڑھا جاسکتا ہے۔ اس کی تفصیل پہلے کہیں بیان ہو چکی ہے۔

(٢٦) بَابُ مَنْ أَصَابَ ذَنْبًا دُونَ الْحَدِّ فَأَخْبَرَ الْإِمَامَ فَلَا عُقُوبَةَ عَلَيْهِ بَعْدَ التَّوْبَةِ إِذَا جَاءَ مُسْتَفْتِيًا

باب: 26- جس نے ایسے گناہ کا ارتکاب کیا جس پر حد لاگو نہیں ہوتی اگر وہ فتویٰ پوچھنے کے لیے امام کو خبر دے تو گناہ سے توبہ کے بعد اسے کوئی سزا نہیں دی جائے گی

قَالَ عَطَاءٌ: لَمْ يُعَاقِبْهُ النَّبِيُّ ﷺ. وَقَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: وَلَمْ يُعَاقِبِ الَّذِي جَامَعَ فِي رَمَضَانَ، وَلَمْ يُعَاقِبْ عُمَرُ صَاحِبَ الظَّبْيِ، وَفِيهِ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

حضرت عطاء نے کہا: نبی ﷺ نے ایسی صورت میں کوئی سزا نہیں دی تھی۔ ابن جریج نے کہا: آپ ﷺ نے اس شخص کو کوئی سزا نہیں دی جس نے بحالت روزہ رمضان میں اپنی بیوی سے جماع کرلیا تھا۔ حضرت عمر ؓ نے بھی حالت احرام میں ہرن شکار کرنے والے کو کوئی سزا نہیں دی تھی۔ اس مسئلے میں ابوعثمان نے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے حوالے سے نبی ﷺ سے ایک روایت بھی بیان کی ہے۔

وضاحت: جرائم دو طرح کے ہیں: ایک وہ ہیں جن کے ارتکاب پر حد واجب ہوتی ہے۔ ایسے جرائم جب عدالت میں زیر سماعت ہوں تو وہ توبہ سے معاف نہیں ہوں گے، البتہ ایسے جرائم جن کے ارتکاب سے حد واجب نہیں ہوتی اگر وہ سماعت کے لیے حاکم وقت کے پاس آئیں تو وہ توبہ کرنے سے معاف ہوجاتے ہیں، ان پر سزا وغیرہ نہیں دی جائے گی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے بتایا کہ میں نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ آپ نے اسے مہلت دی حتی کہ اس نے آپ کے

① فتح الباري: 158/12.

ساتھ نماز ادا کی۔ اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نماز پڑھنے سے اس کے گناہ کا کفارہ ہو گیا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو بھی کوئی سزا نہیں دی جس نے رمضان میں بحالت روزہ اپنی بیوی سے جماع کر لیا تھا بلکہ اس پر صرف کفارہ واجب کیا اور وہ بھی ادا کرنے کے لیے اپنی طرف سے اسے کھجوریں دیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں ہرن والے کا واقعہ اس طرح ہے کہ قبیصہ بن جابر نے احرام باندھا ہوا تھا کہ انھوں نے احرام کی حالت میں ہرن کا شکار کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر صرف فدیہ واجب کیا لیکن اس فعل کے ارتکاب پر مزید کوئی سزا نہ دی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث اس طرح ہے کہ ایک آدمی نے کسی اجنبی عورت کا بوسہ لیا، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا واقعہ بیان کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی: ''آپ دن کے دونوں اطراف کے وقت اور کچھ رات گئے نماز پڑھیں، بلاشبہ نیکیاں، برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یہ یاد رکھنے والوں کے لیے ایک یاد دہانی ہے۔''[1] اس نے کہا: اللہ کے رسول! یہ حکم سب کے لیے ہے یا صرف میرے لیے ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ حکم میری پوری امت کے لیے ہے۔''[2] بہرحال جن جرائم پر حد نافذ ہوتی ہے وہ توبہ سے معاف نہیں ہوں گے اور جن کے ارتکاب پر حد نہیں لگتی وہ توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں، ان کے ارتکاب پر سزا دینا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔[3]

٦٨٢١ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَجُلًا وَقَعَ بِامْرَأَتِهِ فِي رَمَضَانَ فَاسْتَفْتَى رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً؟» قَالَ: لَا، قَالَ: «هَلْ تَسْتَطِيعُ صِيَامَ شَهْرَيْنِ؟» قَالَ: لَا، قَالَ: «فَأَطْعِمْ سِتِّينَ مِسْكِينًا». [راجع: ١٩٣٦]

[6821] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رمضان المبارک میں (بحالت روزہ) اپنی بیوی سے جماع کر لیا، پھر اس نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تو غلام پاتا ہے؟'' اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''کیا تو دو ماہ کے روزے رکھ سکتا ہے؟'' اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''پھر تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلا۔''

٦٨٢٢ - وَقَالَ اللَّيْثُ: عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَتٰى رَجُلٌ النَّبِيَّ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ: احْتَرَقْتُ، قَالَ: «مِمَّ ذَاكَ؟» قَالَ: وَقَعْتُ بِامْرَأَتِي فِي رَمَضَانَ، قَالَ لَهُ: «تَصَدَّقْ»، قَالَ: مَا عِنْدِي شَيْءٌ، فَجَلَسَ

[6822] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک آدمی مسجد نبوی میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا: ''میں تو جل بھن گیا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''کیا بات ہے؟'' اس نے کہا: میں نے رمضان میں اپنی بیوی سے جماع کر لیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''(اس کی تلافی کے لیے) صدقہ کر۔'' اس نے کہا: میرے پاس تو کچھ نہیں ہے۔ وہ بیٹھ گیا۔ اس دوران میں ایک آدمی اپنا گدھا ہانکتا ہوا آیا، اس کے پاس

1 هود 11:114. 2 صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، حديث: 526. 3 فتح الباري: 12/161، 162.

فَأَتَاهُ إِنْسَانٌ يَسُوقُ حِمَارًا وَّمَعَهُ طَعَامٌ - فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ: مَا أَدْرِي مَا هُوَ؟ - إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «أَيْنَ الْمُحْتَرِقُ؟» فَقَالَ: هَا أَنَا ذَا، قَالَ: «خُذْ هٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ»، قَالَ: عَلٰى أَحْوَجَ مِنِّي؟ مَا لِأَهْلِي طَعَامٌ، قَالَ: «فَكُلُوا».
[راجع: ١٩٣٥]

غلہ تھا...... راویٔ حدیث عبدالرحمٰن نے کہا: مجھے معلوم نہیں، اس پر کون سا غلہ تھا...... وہ شخص نبی ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا: ''جلنے والا کہاں ہے؟'' اس نے کہا: میں ادھر ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''اسے لے جاؤ اور صدقہ کر دو۔'' اس نے کہا: اپنے سے زیادہ محتاج پر صدقہ کروں؟ میرے اہل وعیال کے پاس کھانا نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''چلو تم ہی کھا لو۔''

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: اَلْحَدِيثُ الْأَوَّلُ أَبْيَنُ: قَوْلُهُ: «أَطْعِمْ أَهْلَكَ».

ابوعبداللہ (امام بخاری ؒ) نے کہا: پہلی حدیث (حدیث ابوہریرہ) زیادہ واضح ہے، اس میں ہے: ''اپنے اہل وعیال کو کھلا دو۔''

فوائدومسائل: ① ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے رمضان المبارک میں بحالت روزہ اپنی بیوی سے جماع کیا تھا۔ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور ماہ صیام کی بے حرمتی ہے لیکن اس پر کوئی حد لازم نہیں ہوتی بلکہ اس گناہ کی تلافی کے لیے کفارہ دینا ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے کفارہ ادا کرنے کے متعلق کہا، اس کے علاوہ اسے مزید کوئی سزا نہیں دی۔ ② امام بخاری ؒ نے یہ واقعہ دو صحابہ سے بیان کیا ہے۔ پہلی حدیث میں زیادہ وضاحت ہے اگرچہ پیش کردہ حدیث میں وہ الفاظ نہیں ہیں جس سے امام بخاری ؒ کا مدعا ثابت ہو سکے، تاہم ایک دوسری روایت میں ہے کہ تم یہ کھانا اپنے اہل خانہ کو کھلا دو۔[1]

(٢٧) بَابٌ: إِذَا أَقَرَّ بِالْحَدِّ وَلَمْ يُبَيِّنْ، هَلْ لِلْإِمَامِ أَنْ يَّسْتُرَ عَلَيْهِ؟

باب: 27- جس نے غیر واضح طور پر حد کا اقرار کیا تو کیا امام اس کی پردہ پوشی کر سکتا ہے؟

وضاحت: اگر کوئی شخص حاکم وقت کے سامنے غیر واضح طور پر گول مول اقرار کرے کہ اس نے قابل حد جرم کیا ہے تو امام پردہ پوشی کر سکتا ہے لیکن امام بخاری ؒ نے عنوان میں وضاحت نہیں کی کیونکہ ان کی عادت ہے کہ وہ ایسے مواقع پر حدیث کو کافی خیال کرتے ہیں۔

٦٨٢٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْقُدُّوسِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ الْكِلَابِيُّ: حَدَّثَنَا

[6823] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نبی ﷺ کے پاس تھا کہ آپ کی خدمت

---

[1] صحيح البخاري، الصوم، حديث: 1936.

هَمَّامُ بْنُ يَحْيٰى : حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي أَصَبْتُ حَدًّا فَأَقِمْهُ عَلَيَّ، قَالَ: وَلَمْ يَسْأَلْهُ عَنْهُ، قَالَ: وَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَصَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ ﷺ الصَّلَاةَ قَامَ إِلَيْهِ الرَّجُلُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي أَصَبْتُ حَدًّا فَأَقِمْ فِيَّ كِتَابَ اللهِ. قَالَ: «أَلَيْسَ قَدْ صَلَّيْتَ مَعَنَا؟» قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «فَإِنَّ اللهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ ذَنْبَكَ، أَوْ قَالَ: حَدَّكَ».

میں ایک شخص نے حاضر ہو کر کہا: اللہ کے رسول! مجھ پر حد واجب ہو چکی ہے، آپ اسے مجھ پر جاری فرمائیں۔ آپ ﷺ نے اس کے متعلق مزید پوچھ گچھ نہیں کی، پھر نماز کا وقت ہو گیا تو اس شخص نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب نبی ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو وہ شخص آپ کے پاس گیا اور عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! مجھ پر حد واجب ہو گئی ہے، آپ کتاب اللہ کے مطابق اسے مجھ پر جاری کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تو نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی؟'' اس نے کہا: ہاں پڑھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے تیرا گناہ معاف کر دیا ہے، یا فرمایا: تیری حد معاف کر دی ہے۔''

فوائد ومسائل: ① حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں جو واقعہ بیان ہوا ہے وہ اس واقعے کے علاوہ ہے کیونکہ اس میں ہے کہ آدمی نے کسی عورت سے بوس وکنار کیا تھا اور اس واقعے میں ہے کہ اس نے کوئی قابل حد عمل کیا تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک بھی یہ دو واقعات ہیں اور انھوں نے ان واقعات سے دو الگ الگ حکم ثابت کیے ہیں۔ ② اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص مبہم طریقے سے حد کا اعتراف کرتا ہے تو قاضی کو چاہیے کہ اس پر پردہ ڈالے، اس کی کرید نہ کرے کیونکہ ایسا کرنا تجسس ہے جس کے متعلق قرآن نے حکم امتناعی جاری کیا ہے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں اس واقعے کی مزید تفصیل ملتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم گھر سے نماز کے ارادے سے نکلے تھے تو تم نے اچھی طرح وضو کیا تھا، پھر تم نے ہمارے ساتھ نماز باجماعت ادا کی تو ان کاموں کی بدولت اللہ تعالیٰ نے تمھاری حد یا تمھارے گناہ کو معاف کر دیا ہے۔''[1] امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اس حدیث کے متعلق لوگوں کے تین موقف لکھے ہیں: ○ جرم کے واضح اعتراف اور غیر مبہم تعین کے بعد حد واجب ہوتی ہے جبکہ اقرار کرنے والا بار بار اس کا اصرار بھی کرے۔ ○ مذکورہ واقعہ صرف اسی شخص کے ساتھ خاص ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو بذریعۂ وحی اس سے مطلع کیا گیا تھا۔ ○ حد کا عمل کرنے کے بعد (معاملہ عدالت میں جانے سے پہلے) اگر توبہ کر لی جائے تو اس کی بدولت حد ساقط ہو جاتی ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اس آخری موقف کو ترجیح دی ہے۔[2] ③ بہر حال امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک اگر کوئی غیر واضح بیان دے کہ میں نے حد والا جرم کیا ہے تو امام اس کی پردہ پوشی کر سکتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف پردہ پوشی کی بلکہ گناہوں کی بخشش کی بشارت بھی دی۔

1 صحيح مسلم، التوبة، حديث: 7007 (2765). 2 فتح الباري: 165/12.

(٢٨) بَابٌ: هَلْ يَقُولُ الْإِمَامُ لِلْمُقِرِّ: لَعَلَّكَ لَمَسْتَ أَوْ غَمَزْتَ

باب: 28- کیا امام اقرار کرنے والے سے کہے کہ تو نے ہاتھ لگایا ہوگا یا اشارہ کیا ہوگا

٦٨٢٤ - حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُعْفِيُّ: حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: سَمِعْتُ يَعْلَى بْنَ حَكِيمٍ عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَمَّا أَتَى مَاعِزُ ابْنُ مَالِكٍ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهُ: «لَعَلَّكَ قَبَّلْتَ أَوْ غَمَزْتَ أَوْ نَظَرْتَ؟» قَالَ: لَا يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «أَنِكْتَهَا؟» لَا يَكْنِي، قَالَ: فَعِنْدَ ذٰلِكَ أَمَرَ بِرَجْمِهِ.

[6824] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب حضرت ماعز بن مالک ؓ نبی ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا: ''شاید تو نے بوسہ لیا ہوگا یا اشارہ کیا ہوگا یا نظر بازی کی ہوگی؟'' انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''کیا تو نے اس سے جماع کیا ہے؟'' آپ نے اس مرتبہ اشارے یا کنائے سے کام نہیں لیا۔ راوی کہتے ہیں: پھر آپ نے انھیں سنگسار کرنے کا حکم دیا۔

فوائد ومسائل: ① معلوم ہوا کہ قاضی کے لیے زنا کا اقرار کرنے والے کو تلقین کرنا جائز ہے تاکہ وہ اپنا دفاع کر سکے کیونکہ زنا کا اطلاق نظر بازی اور بوس وکنار پر بھی ہوتا ہے، پھر دوٹوک الفاظ میں زنا کرنے کی وضاحت کرائے کیونکہ اشاروں کنایوں سے حدود ثابت نہیں ہوتیں، چنانچہ دیگر احادیث میں ہے کہ حضرت ماعز بن مالک ؓ نے جب اپنے متعلق چار دفعہ اقرار کیا کہ میں نے زنا کیا ہے، مجھ پر حد قائم کریں تو آپ نے فرمایا: ''تو دیوانہ تو نہیں؟'' پھر آپ نے اس کی قوم سے دریافت فرمایا: ''اسے جنون کا مرض تو نہیں ہے؟'' پھر حاضرین سے پوچھا: ''اس نے شراب تو نہیں پی؟'' انھوں نے منہ سونگھ کر بتایا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''شاید تو نے بوس وکنار سے کام لیا ہو یا تو نے نظر بازی کی ہو؟'' اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''کیا تو اس کے ساتھ لیٹا تھا؟'' کہا: ہاں۔ فرمایا: کیا تو نے اس سے مباشرت کی؟'' عرض کی: ہاں۔ فرمایا: ''کیا تو نے اس سے جماع کیا؟'' اس نے عرض کی: ہاں۔ اس روایت میں ہے کہ آپ نے جماع کے لیے دوٹوک واضح اور صریح الفاظ استعمال فرمائے، کسی قسم کا اشارہ یا کنایہ نہ کیا۔ آپ نے مزید فرمایا: ''کیا تو نے دخول کیا تھا؟'' عرض کی: ہاں۔ فرمایا: ''جس طرح سرمچو، سرمے دانی میں اور ڈول، کنویں میں غائب ہوجاتا ہے؟'' اس نے کہا: ہاں۔ آخر میں آپ نے فرمایا: ''تجھے معلوم ہے زنا کسے کہتے ہیں؟'' اس نے کہا: میں نے اس سے وہی کچھ کیا ہے جو ایک خاوند اپنی بیوی سے کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اب تو کیا چاہتا ہے؟'' اس نے عرض کی: آپ مجھے پاک کر دیں۔ اس طرح کے بہت سے مختلف قسم کے سوال کرنے کے بعد آپ ﷺ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا۔[1]

① فتح الباري: 151/12.

(٢٩) بَابُ سُؤَالِ الْإِمَامِ الْمُقِرَّ: هَلْ أَحْصَنْتَ؟

باب: 29- اقرار کرنے والے سے قاضی کا سوال کرنا: کیا تو شادی شدہ ہے؟

٦٨٢٥ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: أَتَى رَسُولَ اللهِ ﷺ رَجُلٌ مِّنَ النَّاسِ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ، فَنَادَاهُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي زَنَيْتُ - يُرِيدُ نَفْسَهُ - فَأَعْرَضَ عَنْهُ النَّبِيُّ ﷺ فَتَنَحّٰى لِشِقِّ وَجْهِهِ الَّذِي أَعْرَضَ قِبَلَهُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي زَنَيْتُ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ فَجَاءَ لِشِقِّ وَجْهِ النَّبِيِّ ﷺ الَّذِي أَعْرَضَ عَنْهُ، فَلَمَّا شَهِدَ عَلٰى نَفْسِهِ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ دَعَاهُ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: «أَبِكَ جُنُونٌ؟»، قَالَ: لَا يَا رَسُولَ اللهِ، فَقَالَ: «أَحْصَنْتَ؟»، قَالَ: نَعَمْ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «اذْهَبُوا فَارْجُمُوهُ». [راجع: ٥٢٧١]

[6825] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے پاس عام لوگوں میں سے ایک آدمی آیا جبکہ آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اس نے آپ کو باآواز بلند پکارا: اللہ کے رسول! میں نے زنا کیا ہے۔ اس کی مراد خود اپنی ذات تھی۔ نبی ﷺ نے اس سے اپنا منہ پھیر لیا۔ وہ بھی اسی طرف مڑا جس طرف آپ کا رخ انور تھا۔ اس نے پھر کہا: اللہ کے رسول! میں نے زنا کیا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنا چہرۂ انور دوسری طرف کر لیا۔ وہ نبی ﷺ کے چہرۂ انور کے اس طرف سے آیا جس طرف آپ نے چہرہ پھیرا تھا۔ جب اس نے چار مرتبہ اپنے گناہ کا اقرار کر لیا تو نبی ﷺ نے اسے اپنے پاس بلایا اور پوچھا: ”کیا تو پاگل ہے؟“ اس نے کہا: اللہ کے رسول! نہیں، پاگل نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا: ”کیا تو شادی شدہ ہے؟“ اس نے کہا: اللہ کے رسول! ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اسے لے جاؤ اور سنگسار کر دو۔“

٦٨٢٦ - قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِي مَنْ سَمِعَ جَابِرًا قَالَ: فَكُنْتُ فِيمَنْ رَّجَمَهُ فَرَجَمْنَاهُ بِالْمُصَلّٰى، فَلَمَّا أَذْلَقَتْهُ الْحِجَارَةُ جَمَزَ، حَتّٰى أَدْرَكْنَاهُ بِالْحَرَّةِ فَرَجَمْنَاهُ. [راجع: ٥٢٧٠]

[6826] حضرت جابر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا جنھوں نے اسے سنگسار کیا۔ ہم نے اسے عیدگاہ میں رجم کیا۔ جب اس پر پتھروں کی بارش ہوئی تو بھاگ کھڑا ہوا لیکن ہم نے اسے مدینہ منورہ کی پتھریلی زمین میں جا لیا اور وہیں اس کو سنگسار کر دیا۔

فوائد ومسائل: ① حضرت ماعز بن مالک ؓ کسی شخص کے بارے میں فتویٰ پوچھنے نہیں آئے تھے بلکہ ان کے آنے کی غرض یہ تھی کہ میں نے زنا کیا ہے اور میرے متعلق شریعت کے تقاضے پورے کیے جائیں رسول اللہ ﷺ نے اس سے ڈھیروں

سوال کیے جن میں ایک اہم سوال یہ تھا کہ کیا تو شادی شدہ ہے؟ کیونکہ رجم کے لیے شادی شدہ ہونا بنیادی شرط ہے۔ ② احصان یہ ہے کہ کسی عورت سے نکاح صحیح کے بعد جماع کر لیا جائے۔ یہ سوال اس وقت کرنا چاہیے جب اس کا شادی شدہ ہونا معروف نہ ہو۔ اگر اس کے شادی شدہ ہونے کی شہرت ہے تو اس قسم کا سوال کرنے کی ضرورت نہیں۔ بہر حال امام کو چاہیے کہ حد قائم کرنے سے پہلے مکمل تحقیق و تفتیش کے تقاضے اچھی طرح پورے کرے۔ سعودی عرب میں ایسا ہی کیا جاتا ہے۔ جب راقم الحروف تھانہ جیاد مکہ مکرمہ میں مترجم تھا تو اس چیز کا کئی مرتبہ مشاہدہ کیا۔

(٣٠) بَابُ الْاِعْتِرَافِ بِالزِّنَا

باب:30- زنا کا اقرار کرنا

٦٨٢٧، ٦٨٢٨ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَفِظْنَاهُ مِنْ فِي الزُّهْرِيِّ، قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ وَزَيْدَ بْنَ خَالِدٍ قَالَا: كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: أَنْشُدُكَ اللهَ إِلَّا مَا قَضَيْتَ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ، فَقَامَ خَصْمُهُ وَكَانَ أَفْقَهَ مِنْهُ فَقَالَ: اقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ وَائْذَنْ لِي، قَالَ: «قُلْ»، قَالَ: إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلَى هٰذَا، فَزَنَى بِامْرَأَتِهِ، فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَّخَادِمٍ، ثُمَّ سَأَلْتُ رِجَالًا مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ، فَأَخْبَرُونِي أَنَّ عَلَى ابْنِي جَلْدَ مِائَةٍ وَّتَغْرِيبَ عَامٍ، وَعَلَى امْرَأَتِهِ الرَّجْمَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ جَلَّ ذِكْرُهُ، اَلْمِائَةُ شَاةٍ وَّالْخَادِمُ رَدٌّ [عَلَيْكَ]، وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَّتَغْرِيبُ عَامٍ، وَاغْدُ يَا أُنَيْسُ عَلَى امْرَأَةِ هٰذَا فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا»، فَغَدَا عَلَيْهَا فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا.

[6828,6827] حضرت ابو ہریرہ اور حضرت زید بن خالد ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نبی ﷺ کے پاس تھے کہ اس دوران میں ایک آدمی کھڑا ہو کر کہنے لگا: اللہ کے رسول! میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ آپ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کریں۔ پھر اس کا مخالف کھڑا ہوا ...... وہ اس سے زیادہ سمجھدار تھا...... اس نے بھی کہا: واقعی آپ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کریں اور مجھے گفتگو کی اجازت دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بات کرو۔“ اس نے کہا: میرا بیٹا اس شخص کا ملازم تھا، اس نے اس کی بیوی سے زنا کر لیا۔ میں نے اس کی طرف سے سو بکری اور ایک خادم بطور فدیہ دیا۔ پھر میں نے اہل علم حضرات سے دریافت کیا تو انھوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال جلا وطنی کی سزا واجب ہے۔ اور اس کی بیوی کو سنگسار کرنا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تمھارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق ہی فیصلہ کروں گا، سو بکریاں اور خادم تجھے واپس ملیں گے، نیز تمھارے بیٹے کو سو کوڑے لگائے جائیں گے اور ایک سال کے لیے اسے جلا وطن کیا جائے گا۔ اے انیس! کل صبح تم اس کی بیوی

کے پاس جاؤ، اگر وہ زنا کا اعتراف کرے تو اسے سنگسار کر دو۔'' چنانچہ وہ صبح کے وقت اس عورت کے پاس گئے تو اس نے زنا کا اعتراف کر لیا تو انھوں نے اسے رجم کر دیا۔

قُلْتُ لِسُفْيَانَ، لَمْ يَقُلْ: فَأَخْبَرُونِي أَنَّ عَلَى ابْنِي الرَّجْمَ، فَقَالَ: أَشُكُّ فِيهَا مِنَ الزُّهْرِيِّ، فَرُبَّمَا قُلْتُهَا وَرُبَّمَا سَكَتُّ. [راجع: ٢٣١٤، ٢٣١٥]

علی بن عبداللہ کہتے ہیں: میں نے سفیان بن عیینہ سے پوچھا: اس شخص نے یہ نہیں کہا کہ مجھے اہل علم نے بتایا ہے کہ میرے بیٹے پر رجم ہے۔ انھوں نے کہا: مجھے اس کے متعلق شک ہے کہ زہری سے میں نے سنا ہے یا نہیں، اس لیے میں اسے کبھی بیان کر دیتا ہوں اور کبھی خاموشی اختیار کرتا ہوں۔

فوائد و مسائل: ① جس لڑکے کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے سو کوڑے لگانے اور جلاوطن کرنے کا فیصلہ فرمایا وہ اپنے والد کے ہمراہ وہاں موجود تھا، چنانچہ والد نے کہا کہ میرے اس بیٹے نے اس کی بیوی سے زنا کیا ہے اور والد کے کلام کرتے وقت اس کا خاموش رہنا اپنے جرم کا اعتراف کرنا تھا اور رسول اللہ ﷺ کو اس کے غیر شادی شدہ ہونے کا بھی علم تھا کیونکہ بعض روایات میں ہے کہ اس کے والد نے اس کے متعلق وضاحت کی تھی کہ وہ شادی شدہ نہیں ہے۔ ② رسول اللہ ﷺ نے قبیلۂ اسلم کے ایک شخص کو اس عورت کے پاس بھیجا کیونکہ اس آدمی نے اس عورت پر زنا کی تہمت لگائی تھی، لہٰذا اسے حق پہنچتا ہے کہ تہمت لگانے والے پر حد کا مطالبہ کرے یا اسے معاف کر دے یا زنا کا اعتراف کرے۔ ③ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حد زنا کے لیے مطلق اقرار کافی ہے، اس کے لیے تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔[1] اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پردہ دار خاتون جو باہر نکلنے کی عادی نہیں اسے حاکم کی مجلس میں حاضر ہونے کی تکلیف نہ دی جائے بلکہ اس کے پاس کوئی آدمی بھیج دیا جائے جو حالات کا جائزہ لے کر کوئی فیصلہ کرے۔ واللہ أعلم.

٦٨٢٩ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ عُمَرُ: لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ يَّطُولَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ حَتّٰى يَقُولَ قَائِلٌ: لَا نَجِدُ الرَّجْمَ فِي كِتَابِ اللهِ، فَيَضِلُّوا بِتَرْكِ فَرِيضَةٍ أَنْزَلَهَا اللهُ، أَلَا وَإِنَّ الرَّجْمَ حَقٌّ عَلٰى مَنْ زَنٰى وَقَدْ أَحْصَنَ إِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ، أَوْ

[6829] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت عمر ؓ نے فرمایا: مجھے اندیشہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مبادا کوئی شخص کہہ دے کہ کتاب اللہ میں تو ہمیں رجم کا حکم کہیں نہیں ملتا، اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ فریضے کو ترک کرنے کے باعث گمراہ ہو جائے گا۔ آگاہ رہو! رجم کا قانون ہر اس شخص پر لاگو ہے جو زنا کرے اور شادی شدہ ہو بشرطیکہ گواہی سے ثابت

1 فتح الباري: 172/12.

كَانَ الْحَمْلُ أَوِ الِاعْتِرَافُ.

ہو جائے، یا حمل ظاہر ہو یا وہ خود اقرار کرے۔

قَالَ سُفْيَانُ: كَذَا حَفِظْتُ، أَلَا وَقَدْ رَجَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ. [راجع: ٢٤٦٢]

سفیان نے کہا: مجھے اس طرح یاد ہے کہ آگاہ رہو! رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا اور آپ کے بعد ہم نے رجم کیا ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کے مطابق حد زنا کے لیے تین چیزوں میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے: ○ وہ زنا گواہی سے ثابت ہو جائے، یعنی چار گواہ اس چیز کی وضاحت کے ساتھ گواہی دیں کہ ہم نے عمل زنا کرتے دیکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ موقع پر ایسی چار شہادتیں میسر آنا انتہائی مشکل ہے۔ ② دراصل اس سخت نصاب سے مقصود یہ ہے کہ اگر کوئی شخص برائی دیکھے تو اس کے سامنے دو راستے ہیں: یا تو پردہ پوشی کرے یا پھر چار شہادتیں مہیا کر کے صرف حکومت کو مطلع کرے، تیسری راہ اختیار کرنا کہ ایسی باتیں لوگوں میں پھیلانا انتہائی خطرناک ہے۔ ○ حمل ظاہر ہو جائے، کنواری لڑکی کو حمل ہو جائے یا دیر تک قید رہنے والے شوہر کی بیوی حاملہ ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک غامدیہ عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور عرض کی: اللہ کے رسول مجھ پر حد جاری کریں کیونکہ میں زنا سے حاملہ ہوں۔[1] اس صورت میں حد زنا کے نفاذ کے لیے بچے کا جنم دینا ضروری ہے۔ ○ زنا کا اقرار واعتراف کرنا، جب زانی مرد یا عورت زنا کا خود اقرار کرے تو اس پر حد جاری کی جا سکتی ہے جیسا کہ قصۂ عسیف میں بیان ہوا ہے۔ اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت اُنیس رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا کہ اگر وہ عورت زنا کا اقرار کرے تو اسے رجم کر دینا، چنانچہ اس نے اقرار کیا تو اسے سنگسار کر دیا گیا۔[2] امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث سے ثابت کیا ہے کہ زنا کے ثبوت کے لیے زانی مرد یا عورت کا اقرار واعتراف بھی کافی ہے۔

(٣١) بَابُ رَجْمِ الْحُبْلَى فِي الزِّنَا إِذَا أَحْصَنَتْ

باب: 31- زنا سے حاملہ عورت کو سنگسار کرنا جبکہ وہ شادی شدہ ہو

وضاحت: زنا سے حاملہ عورت کو رجم کرنے یا کوڑے مارنے کی سزا وضع حمل کے بعد دی جائے گی۔ دوران حمل میں سنگسار کرنا جائز نہیں کیونکہ اس سے معصوم بچے کی جان کو خطرہ ہے۔

٦٨٣٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كُنْتُ أُقْرِئُ

[6830] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں مہاجرین کو (قرآن) پڑھایا کرتا تھا، جن میں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ میں ایک دن منیٰ میں ان کے گھر بیٹھا ہوا تھا جبکہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخری

① صحیح مسلم، الحدود، حدیث: 4431 (1695). ② صحیح البخاري، الحدود، حدیث: 6827.

رِجَالًا مِّنَ الْمُهَاجِرِينَ مِنْهُمْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فَبَيْنَمَا أَنَا فِي مَنْزِلِهِ بِمِنًى وَّهُوَ عِنْدَ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ فِي آخِرِ حَجَّةٍ حَجَّهَا، إِذْ رَجَعَ إِلَيَّ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ: لَوْ رَأَيْتَ رَجُلًا أَتٰى أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ الْيَوْمَ، فَقَالَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! هَلْ لَّكَ فِي فُلَانٍ يَّقُولُ: لَوْ قَدْ مَاتَ عُمَرُ لَقَدْ بَايَعْتُ فُلَانًا؟ فَوَاللهِ مَا كَانَتْ بَيْعَةُ أَبِي بَكْرٍ إِلَّا فَلْتَةً فَتَمَّتْ. فَغَضِبَ عُمَرُ، ثُمَّ قَالَ: إِنِّي إِنْ شَاءَ اللهُ لَقَائِمٌ الْعَشِيَّةَ فِي النَّاسِ فَمُحَذِّرُهُمْ هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَّغْصِبُوهُمْ أُمُورَهُمْ. قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ: فَقُلْتُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! لَا تَفْعَلْ، فَإِنَّ الْمَوْسِمَ يَجْمَعُ رَعَاعَ النَّاسِ وَغَوْغَاءَهُمْ، فَإِنَّهُمْ هُمُ الَّذِينَ يَغْلِبُونَ عَلٰى قُرْبِكَ حِينَ تَقُومُ فِي النَّاسِ، وَأَنَا أَخْشٰى أَنْ تَقُومَ فَتَقُولَ مَقَالَةً يُّطَيِّرُهَا عَنْكَ كُلُّ مُطَيِّرٍ، وَأَنْ لَّا يَعُوهَا وَأَنْ لَّا يَضَعُوهَا عَلٰى مَوَاضِعِهَا فَأَمْهِلْ حَتّٰى تَقْدَمَ الْمَدِينَةَ فَإِنَّهَا دَارُ الْهِجْرَةِ وَالسُّنَّةِ، فَتَخْلُصَ بِأَهْلِ الْفِقْهِ وَأَشْرَافِ النَّاسِ فَتَقُولَ مَا قُلْتَ مُتَمَكِّنًا، فَيَعِي أَهْلُ الْعِلْمِ مَقَالَتَكَ وَيَضَعُونَهَا عَلٰى مَوَاضِعِهَا. فَقَالَ عُمَرُ: أَمَ وَاللهِ إِنْ شَاءَ اللهُ، لَأَقُومَنَّ بِذٰلِكَ أَوَّلَ مَقَامٍ أَقُومُهُ بِالْمَدِينَةِ.

حج میں ان کے ساتھ تھے۔ جب وہ میرے پاس آئے تو انھوں نے کہا: کاش! تم آج اس شخص کو دیکھتے جو امیر المومنین کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے امیر المومنین! کیا آپ فلاں شخص سے باز پرس کریں گے جو کہتا ہے: اگر حضرت عمر ؓ کا انتقال ہو گیا تو میں فلاں شخص کی بیعت کر لوں گا کیونکہ حضرت ابوبکر ؓ کی بیعت تو اچانک مکمل ہو گئی تھی، کسی کو سوچ بچار کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ یہ سن کر حضرت عمر ؓ بہت غضب ناک ہوئے، پھر فرمایا: اگر اللہ نے چاہا تو میں آج شام لوگوں سے خطاب کروں گا اور انھیں ان لوگوں سے خبردار کروں گا جو مسلمانوں سے ان کے حقوق غصب کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے کہا: امیر المومنین! ایسا نہ کیجیے کیونکہ موسم حج میں برے بھلے ہر قسم کے عوام جمع ہوتے ہیں اور جب آپ خطاب کے لیے کھڑے ہوں گے تو اسی قسم کے عامی لوگ آپ کے قریب ہوں گے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر آپ کھڑے ہو کر کوئی بات کریں گے تو وہ چاروں طرف پھیل جائے گی لیکن پھیلانے والے اسے صحیح طور پر یاد نہیں رکھ سکیں گے اور اسے غلط معنی پہنائیں گے۔ آپ مدینہ طیبہ پہنچنے تک انتظار کریں کیونکہ وہ ہجرت اور سنت کا مقام ہے، وہاں آپ کو خالص دینی سمجھ بوجھ رکھنے والے شریف الطبع لوگ میسر آئیں گے، وہاں آپ جو کہنا چاہتے ہیں اعتماد کے ساتھ کہہ سکیں گے اور اہل علم وہاں آپ کے فرمودات کو یاد بھی رکھیں گے اور ان کا جو صحیح مطلب ہے وہی آگے بیان کریں گے۔ حضرت عمر ؓ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ اللہ کی قسم! میں مدینہ طیبہ پہنچ کر سب سے پہلے یہی بیان کروں گا ان شاء اللہ۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَقَدِمْنَا الْمَدِينَةَ فِي عَقِبِ ذِي الْحِجَّةِ، فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ عَجَّلْتُ

حضرت ابن عباس ؓ نے کہا: ہم آخر ذوالحجہ میں مدینہ طیبہ پہنچے۔ جمعہ کے دن میں نے سورج ڈھلتے ہی مسجد نبوی

الرَّوَاحَ حِينَ زَاغَتِ الشَّمْسُ حَتّٰى أَجِدَ سَعِيدَ ابْنَ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ جَالِسًا إِلٰى رُكْنِ الْمِنْبَرِ، فَجَلَسْتُ حَوْلَهُ تَمَسُّ رُكْبَتِي رُكْبَتَهُ، فَلَمْ أَنْشَبْ أَنْ خَرَجَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَلَمَّا رَأَيْتُهُ مُقْبِلًا قُلْتُ لِسَعِيدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ: لَيَقُولَنَّ الْعَشِيَّةَ مَقَالَةً لَمْ يَقُلْهَا مُنْذُ اسْتُخْلِفَ قَطُّ قَبْلَهُ، فَأَنْكَرَ عَلَيَّ وَقَالَ: مَا عَسَيْتَ أَنْ يَقُولَ مَا لَمْ يَقُلْ قَبْلَهُ؟ فَجَلَسَ عُمَرُ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَلَمَّا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُونَ قَامَ فَأَثْنٰى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ! فَإِنِّي قَائِلٌ لَكُمْ مَقَالَةً قَدْ قُدِّرَ لِي أَنْ أَقُولَهَا، لَا أَدْرِي لَعَلَّهَا بَيْنَ يَدَيْ أَجَلِي، فَمَنْ عَقَلَهَا وَوَعَاهَا فَلْيُحَدِّثْ بِهَا حَيْثُ انْتَهَتْ بِهِ رَاحِلَتُهُ، وَمَنْ خَشِيَ أَنْ لَا يَعْقِلَهَا فَلَا أُحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَكْذِبَ عَلَيَّ. إِنَّ اللهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا ﷺ بِالْحَقِّ، وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ، فَكَانَ مِمَّا أَنْزَلَ اللهُ آيَةُ الرَّجْمِ فَقَرَأْنَاهَا وَعَقَلْنَاهَا وَوَعَيْنَاهَا، رَجَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ، فَأَخْشٰى إِنْ طَالَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ أَنْ يَقُولَ قَائِلٌ: وَاللهِ مَا نَجِدُ آيَةَ الرَّجْمِ فِي كِتَابِ اللهِ، فَيَضِلُّوا بِتَرْكِ فَرِيضَةٍ أَنْزَلَهَا اللهُ، وَالرَّجْمُ فِي كِتَابِ اللهِ حَقٌّ عَلٰى مَنْ زَنٰى إِذَا أُحْصِنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ، إِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ، أَوْ كَانَ الْحَبَلُ، أَوِ الْاِعْتِرَافُ، ثُمَّ إِنَّا كُنَّا نَقْرَأُ فِيمَا نَقْرَأُ مِنْ كِتَابِ اللهِ أَنْ لَا تَرْغَبُوا عَنْ آبَائِكُمْ فَإِنَّهُ كُفْرٌ بِكُمْ أَنْ تَرْغَبُوا عَنْ آبَائِكُمْ، أَوْ إِنَّ كُفْرًا بِكُمْ أَنْ تَرْغَبُوا عَنْ آبَائِكُمْ. أَلَا ثُمَّ إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا

پہنچنے میں جلدی کی۔ وہاں پہنچ کر میں نے حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ کو منبر کے پاس بیٹھا ہوا پایا۔ میں بھی ان کے پاس بیٹھ گیا جبکہ میرا گھٹنا ان کے گھٹنے سے لگا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ جب میں نے انھیں آتے دیکھا تو سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ سے کہا: آج حضرت عمر رضی اللہ عنہ ضرور ایسی بات کہیں گے جو انھوں نے خلیفہ بننے کے بعد اب تک نہیں کہی۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے میری بات کا انکار کرتے ہوئے کہا: مجھے امید نہیں کہ وہ ایسی بات کہیں جو قبل ازیں کبھی نہیں کہی؟ اس دوران میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ جب مؤذن اذان دے کر فارغ ہوئے تو آپ کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے شایان شان حمد وثنا کی، پھر فرمایا: اما بعد! آج میں تم سے ایسی بات کہوں گا جس کا کہنا میری تقدیر میں لکھا ہوا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ شاید وہ میری موت سے پہلے آخری بات ہو، لہٰذا جو شخص اسے سمجھے اور اسے یاد رکھ سکے تو اسے چاہیے کہ اس بات کو اس جگہ تک پہنچا دے جہاں تک اس کی سواری اسے لے جا سکتی ہے اور جس کو اندیشہ ہو کہ وہ اسے نہیں سمجھ سکے گا تو اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ میری طرف غلط بات منسوب کرے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو حق دے کر مبعوث کیا ہے اور آپ پر یہ قرآن نازل فرمایا، اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل فرمایا اس میں آیت رجم بھی تھی۔ ہم نے اسے پڑھا تھا، سمجھا تھا اور یاد رکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر لوگوں پر طویل عرصہ گزر گیا تو کوئی کہنے والا یہ کہے گا: اللہ کی قسم! ہم اللہ کی کتاب میں یہ آیت نہیں پاتے اور اس طرح وہ اس فریضے کو چھوڑ کر گمراہ ہوں گے جسے اللہ تعالیٰ

تُطْرُونِي كَمَا أُطْرِيَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ، وَقُولُوا: عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ».

نے نازل کیا تھا۔ یقیناً رجم کا حکم اللہ کی کتاب میں اس شخص کے لیے ثابت ہے جس نے شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کیا ہو، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ان پر گواہی ثابت ہو جائے یا عورت کو (ناجائز) حمل ہو جائے یا وہ خود اقرار کرے، پھر ہم اللہ کی کتاب میں یہ بھی پڑھتے تھے کہ تم اپنے حقیقی باپ دادا کے علاوہ دوسروں کی طرف خود کو منسوب نہ کرو کیونکہ اپنے باپ سے اعراض کرنا کفر ہے۔ یا فرمایا: تمھارا باپ دادا سے روگردانی کرنا کفر ہے۔ آگاہ رہو! رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے: ''میری ستائش میں اس قدر مبالغہ نہ کرو جیسے عیسیٰ ابن مریم کی تعریف میں مبالغہ کیا گیا ہے۔ میرے حق میں تم صرف یہ کہو کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔''

ثُمَّ إِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّ قَائِلًا مِّنْكُمْ يَقُولُ: وَاللهِ لَوْ قَدْ مَاتَ عُمَرُ بَايَعْتُ فُلَانًا، فَلَا يَغْتَرَّنَّ امْرُؤٌ أَنْ يَّقُولَ: إِنَّمَا كَانَتْ بَيْعَةُ أَبِي بَكْرٍ فَلْتَةً وَّتَمَّتْ، أَلَا وَإِنَّهَا قَدْ كَانَتْ كَذٰلِكَ، وَلٰكِنَّ اللهَ وَقَى شَرَّهَا، وَلَيْسَ فِيكُمْ مَنْ تُقْطَعُ الْأَعْنَاقُ إِلَيْهِ مِثْلُ أَبِي بَكْرٍ، مَنْ بَايَعَ رَجُلًا مِّنْ غَيْرِ مَشُورَةٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ فَلَا يُبَايَعُ هُوَ وَلَا الَّذِي بَايَعَهُ تَغِرَّةً أَنْ يُّقْتَلَا، وَإِنَّهُ قَدْ كَانَ مِنْ خَبَرِنَا حِينَ تَوَفَّى اللهُ نَبِيَّهُ ﷺ إِلَّا أَنَّ الْأَنْصَارَ خَالَفُونَا وَاجْتَمَعُوا بِأَسْرِهِمْ فِي سَقِيفَةِ بَنِي سَاعِدَةَ، وَخَالَفَ عَنَّا عَلِيٌّ وَّالزُّبَيْرُ وَمَنْ مَّعَهُمَا، وَاجْتَمَعَ الْمُهَاجِرُونَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ، فَقُلْتُ لِأَبِي بَكْرٍ: يَا أَبَا بَكْرٍ! انْطَلِقْ بِنَا إِلَى إِخْوَانِنَا هٰؤُلَاءِ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَانْطَلَقْنَا نُرِيدُهُمْ، فَلَمَّا دَنَوْنَا مِنْهُمْ،

مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم میں سے کسی نے کہا ہے: اللہ کی قسم! اگر عمر کا انتقال ہو گیا تو میں فلاں کی بیعت کر لوں گا۔ دیکھو تم میں سے کسی کو یہ دھوکا نہ لگے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت یکایک ہو گئی تھی، پھر وہ چل بھی گئی۔ بات یہ ہے کہ بلاشبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت اچانک ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو شر سے بچا لیا اور تم میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مثل کوئی شخص ایسا نہیں جس کی طرف گردنیں جھکی ہوں۔ خبردار! تم میں سے کوئی شخص مسلمانوں کے صلاح و مشورے، اتفاق رائے کے بغیر کسی کی بیعت نہ کرے۔ جو کوئی ایسا کرے گا اس کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ بیعت کرنے والا اور بیعت لینے والا دونوں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ واضح رہے کہ جب نبی ﷺ کی وفات ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے بہتر تھے، البتہ انصار نے ہماری مخالفت کی تھی اور وہ سب لوگ سقیفہ بنو ساعدہ میں جمع ہو گئے تھے۔ اسی طرح حضرت

لَقِينَا [مِنْهُمْ] رَجُلَانِ صَالِحَانِ، فَذَكَرَا مَا تَمَالَأَ عَلَيْهِ الْقَوْمُ، فَقَالَا: أَيْنَ تُرِيدُونَ يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِينَ؟ فَقُلْنَا: نُرِيدُ إِخْوَانَنَا هٰؤُلَاءِ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَا: لَا، عَلَيْكُمْ أَنْ لَّا تَقْرَبُوهُمْ، اقْضُوا أَمْرَكُمْ، فَقُلْتُ: وَاللهِ لَنَأْتِيَنَّهُمْ، فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى أَتَيْنَاهُمْ فِي سَقِيفَةِ بَنِي سَاعِدَةَ، فَإِذَا رَجُلٌ مُّزَمَّلٌ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ، فَقُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالُوا: هٰذَا سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ، فَقُلْتُ: مَا لَهُ؟ قَالُوا: يُوعَكُ.

علی، حضرت زبیر رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں نے بھی ہماری مخالفت کی تھی، تاہم مہاجرین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہو گئے۔ اس وقت میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: ابوبکر! ہمیں آپ اپنے ان انصار بھائیوں کے پاس لے چلیں، چنانچہ ہم ان سے ملاقات کے لیے چل پڑے، پھر جب ہم ان کے قریب پہنچے تو ہمیں ان کے دو نیک آدمی ملے۔ انھوں نے وہ چیز ذکر کی جس پر انصار کا اتفاق ہوا تھا۔ انھوں نے کہا: اے مہاجرین کی جماعت! تم کہاں جا رہے ہو؟ ہم نے کہا: ہم اپنے انصار بھائیوں کے پاس جا رہے ہیں۔ انھوں نے کہا: آپ حضرات وہاں ہرگز نہ جائیں بلکہ از خود جو کرنا ہے اسے عملی جامہ پہنا دیں۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم وہاں ضرور جائیں گے، چنانچہ ہم آگے بڑھے اور انصار کے پاس سقیفۂ بنو ساعدہ میں پہنچے۔ مجلس میں ایک صاحب چادر اپنے سارے جسم پر لپیٹے درمیان میں بیٹھے تھے۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے پوچھا: انھیں کیا ہوا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ انھیں بخار ہے۔

فَلَمَّا جَلَسْنَا قَلِيلًا تَشَهَّدَ خَطِيبُهُمْ، فَأَثْنٰى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ! فَنَحْنُ أَنْصَارُ اللهِ وَكَتِيبَةُ الْإِسْلَامِ، وَأَنْتُمْ مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِينَ رَهْطٌ، وَّقَدْ دَفَّتْ دَافَّةٌ مِّنْ قَوْمِكُمْ، فَإِذَا هُمْ يُرِيدُونَ أَنْ يَّخْتَزِلُونَا مِنْ أَصْلِنَا، وَأَنْ يَّحْضُنُونَا مِنَ الْأَمْرِ، فَلَمَّا سَكَتَ أَرَدْتُ أَنْ أَتَكَلَّمَ، وَكُنْتُ قَدْ زَوَّرْتُ مَقَالَةً أَعْجَبَتْنِي أَرَدْتُ أَنْ أُقَدِّمَهَا بَيْنَ يَدَيْ أَبِي بَكْرٍ، وَكُنْتُ أُدَارِي مِنْهُ بَعْضَ الْحَدِّ، فَلَمَّا أَرَدْتُ أَنْ أَتَكَلَّمَ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ: عَلٰى رِسْلِكَ، فَكَرِهْتُ

جب ہم تھوڑی دیر وہاں بیٹھے تو ان کے خطیب نے خطبہ پڑھا اور اللہ تعالیٰ کے شایان شان حمد وثنا کی، پھر گویا ہوئے: ہم دین الٰہی کے مددگار اور لشکر اسلام ہیں۔ اے مہاجرین کی جماعت! تم ایک گروہ ہو۔ تمھاری یہ تھوڑی سی تعداد اپنی قوم سے نکل کر ہمارے پاس آئی ہے۔ تم یہ چاہتے ہو کہ ہماری بیخ کنی کر کے خود خلیفہ بن جاؤ اور ہمیں اس سے محروم کر دو، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ جب وہ اپنی تقریر پوری کر چکے تو میں نے ارادہ کیا کہ گفتگو کروں۔ میں نے ایک عمدہ تقریر اپنے ذہن میں ترتیب دے رکھی تھی۔ میری انتہائی خواہش تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بات کرنے سے پہلے ہی

أَنْ أُغْضِبَهُ، فَتَكَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ فَكَانَ هُوَ أَحْلَمَ مِنِّي وَأَوْقَرَ، وَاللهِ مَا تَرَكَ مِنْ كَلِمَةٍ أَعْجَبَتْنِي فِي تَزْوِيرِي إِلَّا قَالَ فِي بَدِيهَتِهِ مِثْلَهَا أَوْ أَفْضَلَ [مِنْهَا] حَتَّى سَكَتَ، فَقَالَ: مَا ذَكَرْتُمْ فِيكُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَأَنْتُمْ لَهُ أَهْلٌ، وَلَنْ يُعْرَفَ هٰذَا الْأَمْرُ إِلَّا لِهٰذَا الْحَيِّ مِنْ قُرَيْشٍ، هُمْ أَوْسَطُ الْعَرَبِ نَسَبًا وَدَارًا، وَقَدْ رَضِيتُ لَكُمْ أَحَدَ هٰذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ، فَبَايِعُوا أَيَّهُمَا شِئْتُمْ، فَأَخَذَ بِيَدِي وَبِيَدِ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ، وَهُوَ جَالِسٌ بَيْنَنَا، فَلَمْ أَكْرَهْ مِمَّا قَالَ غَيْرَهَا، كَانَ وَاللهِ أَنْ أُقَدَّمَ فَتُضْرَبَ عُنُقِي لَا يُقَرِّبُنِي ذٰلِكَ مِنْ إِثْمٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَتَأَمَّرَ عَلَى قَوْمٍ فِيهِمْ أَبُو بَكْرٍ، اَللّٰهُمَّ إِلَّا أَنْ تُسَوِّلَ لِي نَفْسِي عِنْدَ الْمَوْتِ شَيْئًا لَا أَجِدُهُ الْآنَ.

میں اپنی تقریر کا آغاز کروں اور انصار کی باتوں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جو غصہ آیا ہے میں اس کو دور کر دوں، تاہم جس وقت میں نے تقریر کرنے کا ارادہ کیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم خاموش رہو۔ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غصہ نہیں دلانا چاہتا تھا۔ آخر انھوں نے اپنی گفتگو کا آغاز کیا۔ اللہ کی قسم! وہ مجھ سے زیادہ زیرک، بردبار اور باوقار تھے۔ اللہ کی قسم! انھوں نے کوئی بات نہ چھوڑی جو میں نے بہترین پیرائے میں سوچ رکھی تھی مگر انھوں نے فی البدیہہ اس (میری سوچی ہوئی تقریر) جیسی بلکہ اس سے بھی بہترین تقریر کی، پھر وہ خاموش ہو گئے۔ ان کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا: ''انصار بھائیو! تم نے اپنی فضیلت اور بزرگی میں جو کچھ کہا ہے وہ سب درست ہے۔ یقیناً تم اس کے سزاوار ہو مگر خلافت قریش کے علاوہ کسی دوسرے خاندان کے لیے نہیں ہو سکتی کیونکہ قریش از روئے نسب اور از روئے خاندان تمام عرب قوموں سے بڑھ کر ہیں۔ اب تم لوگ ایسا کرو کہ ان دو آدمیوں میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کر لو۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے میرا اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا جو ہمارے درمیان بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی ساری گفتگو میں صرف یہی آخری بات مجھے ناگوار گزری۔ اللہ کی قسم! مجھے آگے کر دیا جاتا اور میری گردن اڑا دی جاتی تو یہ مجھے اس گناہ سے زیادہ پسند تھا کہ مجھے ایک ایسی قوم کا امیر بنایا جاتا جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود ہوں۔ میرا اب تک یہی خیال ہے الا یہ کہ مجھے میرا نفس بہکا دے اور میں کوئی دوسرا خیال کروں جو میرے دل میں نہیں۔

فَقَالَ قَائِلٌ [مِنَ] الْأَنْصَارِ: أَنَا جُذَيْلُهَا الْمُحَكَّكُ، وَعُذَيْقُهَا الْمُرَجَّبُ، مِنَّا أَمِيرٌ وَمِنْكُمْ أَمِيرٌ، يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! فَكَثُرَ اللَّغَطُ،

پھر انصار میں سے ایک کہنے والے نے کہا: خبردار! میں ایک ایسی لکڑی ہوں جس سے خارشی اونٹ اپنا بدن رگڑ کر شفا پاتے ہیں اور میں وہ باڑ ہوں جو درختوں کے اردگرد ان

وَارْتَفَعَتِ الْأَصْوَاتُ، حَتَّى فَرِقْتُ مِنَ الْاِخْتِلَافِ، فَقُلْتُ: ابْسُطْ يَدَكَ يَا أَبَا بَكْرٍ، فَبَسَطَ يَدَهُ فَبَايَعْتُهُ وَبَايَعَهُ الْمُهَاجِرُونَ ثُمَّ بَايَعَتْهُ الْأَنْصَارُ، وَنَزَوْنَا عَلَى سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ، فَقَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ: قَتَلْتُمْ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ، فَقُلْتُ: قَتَلَ اللهُ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ. قَالَ عُمَرُ: وَإِنَّا وَاللهِ مَا وَجَدْنَا فِيمَا حَضَرْنَا مِنْ أَمْرٍ أَقْوَى مِنْ مُبَايَعَةِ أَبِي بَكْرٍ خَشِينَا إِنْ فَارَقْنَا الْقَوْمَ وَلَمْ تَكُنْ بَيْعَةٌ أَنْ يُبَايِعُوا رَجُلًا مِّنْهُمْ بَعْدَنَا، فَإِمَّا بَايَعْنَاهُمْ عَلَى مَا [لَا] نَرْضَى وَإِمَّا نُخَالِفُهُمْ فَيَكُونُ فَسَادًا، فَمَنْ بَايَعَ رَجُلًا عَلَى غَيْرِ مَشُورَةٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ فَلَا يُتَابَعُ هُوَ وَلَا الَّذِي بَايَعَهُ تَغِرَّةً أَنْ يُقْتَلَا. [راجع: ٢٤٦٢]

کی حفاظت کے لیے لگائی جاتی ہے، میں تمھیں ایک عمدہ تدبیر بتاتا ہوں کہ تم دو خلیفے بنالو: ایک ہماری قوم کا اور ایک قریش والوں کا۔ پھر شوروغل زیادہ ہوگیا اور آوازیں بلند ہونے لگیں۔ مجھے ڈر لگا کہ مبادا مسلمانوں میں پھوٹ پڑ جائے۔ بالآخر میں نے کہا: اے ابوبکر! اپنا ہاتھ بڑھاؤ۔ انھوں نے ہاتھ بڑھایا تو میں نے ان سے بیعت کی، پھر مہاجرین نے بھی بیعت کی، اس کے بعد انصار نے بیعت کی۔ ہم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو انصار میں سے کسی نے کہا: تم نے سعد بن عبادہ کو قتل کر دیا ہے۔ میں نے کہا: اللہ نے اس کا خون کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (اپنے خطبے میں) یہ بھی فرمایا: اللہ کی قسم! ہم نے پیش آمدہ امر سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے زیادہ کوئی اور معاملہ اہم نہ پایا کیونکہ ہمیں اندیشہ تھا کہ اگر ہم اسی حالت میں لوگوں سے جدا ہوگئے اور ہم نے کسی کی بیعت نہ کی تو لوگ ہمارے بعد کسی شخص کی بیعت کرلیں گے تو پھر ہم ایسے شخص کی بیعت کرتے جس سے ہم خوش نہ تھے یا ان کی مخالفت کرتے تو فساد برپا ہوتا۔ (میں پھر یہی کہتا ہوں کہ) جو شخص کسی دوسرے کی مسلمانوں کے مشورے کے بغیر بیعت کرے گا تو دوسرے لوگ بیعت کرنے والے کی پیروی نہ کریں اور نہ اس کی بات مانی جائے جس سے بیعت کی گئی ہے کیونکہ وہ دونوں قتل کر دیے جائیں گے۔

فوائدومسائل: ① اس طویل حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا درج ذیل ارشاد ہے: ''یقیناً رجم کا حکم اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہر اس شخص کے لیے ثابت ہے جس نے شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کیا ہو بشرطیکہ ان پر گواہی ثابت ہوجائے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت یا کسی عورت کو ناجائز حمل قرار پائے یا وہ خود اقرار کرے۔'' اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ زنا سے حاملہ عورت کو رجم کیا جائے گا بشرطیکہ وہ شادی شدہ ہو، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنا حمل جنم دے لے۔ ابن بطال نے کہا کہ عنوان کے حسب ذیل معنی ہیں: ''کیا زنا سے حاملہ پر رجم ہے یا نہیں؟ اس امر پر اجماع ہے کہ حمل وضع کرنے تک اسے رجم نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر اس پر زنا کی وجہ سے کوڑوں کی سزا واجب ہے تو بھی بچہ جننے کا انتظار کیا

جائے گا، نیز اگر قتل ناحق کی وجہ سے اس پر قصاص واجب ہے تو اس کے بچہ پیدا ہونے کے بعد قصاص لیا جائے گا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک حاملہ کو سنگسار کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ اس وقت تک رجم نہیں کر سکتے جب تک وہ اپنے پیٹ کے بچے کو جنم نہ دے۔[1] ② اگر بے شوہر حاملہ ہو جائے تو اس کے متعلق اختلاف ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر وہ کہے کہ مجھے زنا پر مجبور کیا گیا ہے یا میں نے شادی کر لی ہے تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی بلکہ اس پر حد قائم کی جائے گی لیکن اگر وہ اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کر دے تو حد زائل ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور اہل کوفہ کہتے ہیں کہ ایسی عورت کو حد نہ ماری جائے حتی کہ وہ خود اقرار کرے یا اس پر گواہ ثابت ہوں۔[2] ③ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطاب میں سب سے پہلے آیت رجم کا ذکر کیا کیونکہ اس آیت کا حکم باقی ہے لیکن تلاوت منسوخ ہونے کی وجہ سے اس کے انکار کا اندیشہ تھا، چنانچہ یہ خدشہ واقع بھی ہو گیا جب خوارج کے ایک گروہ نے اس کا انکار کر دیا، اسی طرح معتزلہ نے بھی اسے تسلیم نہ کیا۔ دور حاضر کے معتزلہ اور خوارج بھی اسے نہیں مانتے بلکہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر یہ آیت قرآن میں موجود تھی تو کہاں گئی، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تلاوت منسوخ کر دی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ہم آپ کو ضرور پڑھائیں گے پھر آپ نہیں بھولیں گے مگر جو اللہ چاہے۔''[3] یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر اس کی تلاوت منسوخ ہے تو اس کا حکم کیسے باقی رہ گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حکم کو باقی رکھنے کا ذریعہ یہ منسوخ التلاوت آیت نہیں بلکہ دوسری تین وجوہ ہیں: ○ تورات کا یہ حکم شریعت محمدیہ میں باقی رکھا گیا ہے جیسا کہ اہل کتاب کو رجم کرنے کے واقعے سے ثابت ہے۔ ○ وہ متواتر احادیث ہیں جن میں شادی شدہ زانی مرد، عورت کو سنگسار کرنے کا حکم ہے۔ ○ واقعات بھی اس حکم کو باقی رکھنے کا ذریعہ ہیں جن میں صراحت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سزا کو برقرار رکھا۔ حدیث میں ہے کہ حضرت زید بن ثابت اور سعید بن عاص رضی اللہ عنہما جب مصاحف لکھ رہے تھے تو یہ آیت سامنے آئی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ پڑھ رہے تھے: [اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوهُمَا الْبَتَّةَ نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اسے لکھنے کے متعلق عرض کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ناگوار خیال کیا بلکہ فرمایا: ''اے عمر! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اگر بوڑھا زنا کرے اور اس نے شادی نہ کی ہو تو اسے کوڑے لگائے جاتے ہیں اور نوجوان اگر شادی شدہ ہو اور زنا کرے تو اسے سنگسار کیا جاتا ہے؟''[4] اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ اس کی صرف تلاوت کیوں منسوخ کی گئی، یعنی عمل اس کے ظاہری عموم کے خلاف ہے۔ عموم کا تقاضا ہے کہ ہر قسم کے بوڑھے زانی مرد، عورت کو رجم کیا جائے جبکہ اس کے لیے شادی شدہ ہونا شرط ہے، خواہ وہ بوڑھا ہو یا جوان۔ واللّٰہ أعلم۔[5] اس طویل حدیث میں دیگر بہت سی باتیں قابل غور ہیں جنھیں ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ عنوان کے مطابق جو حصہ تھا اس کے متعلق ہم نے اپنی گزارشات پیش کر دی ہیں۔ واللّٰہ المستعان.

---

1 فتح الباري: 179/12. 2 عمدة القاري: 102/16. 3 الأعلى 87: 6، 7. 4 المستدرك للحاكم: 360/4. 5 فتح الباري: 176/12.

(٣٢) بَابٌ : اَلْبِكْرَانِ يُجْلَدَانِ وَيُنْفَيَانِ

باب: 32- غیر شادی شدہ زانی مرد، عورت کو کوڑے مارے جائیں اور جلا وطن کر دیا جائے

﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ﴾ اَلْآيَةَ [النور: ٢]

(ارشاد باری تعالیٰ ہے:) ''زانی عورت ہو یا مرد، ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ اور اگر تم اللہ پر ایمان اور آخرت پر یقین رکھتے ہو تو اللہ کے دین کے معاملے میں تمھیں ان دونوں پر کبھی ترس نہیں آنا چاہیے۔''

قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ : رَأْفَةٌ فِي إِقَامَةِ الْحَدِّ.

سفیان بن عیینہ نے رَأْفَةٌ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا: حد قائم کرنے میں رحم نہ کرو۔

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ غیر شادی شدہ زانی مرد یا عورت کی سزا کوڑے مارنا اور جلا وطن کرنا دونوں ہیں، آیت میں اگرچہ جلا وطنی کی سزا کا بیان نہیں ہے، تاہم احادیث میں اس کا ذکر ہے، اس لیے احادیث کی روشنی میں ہی مذکورہ آیات کو تلاوت کیا جائے کیونکہ دین کی تکمیل صرف قرآن سے نہیں بلکہ قرآن اور حدیث دونوں سے ہوتی ہے۔ ان دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس سلسلے میں ہماری تالیف ''حجیت حدیث'' کا مطالعہ مفید رہے گا۔

٦٨٣١ - حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ : حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَأْمُرُ فِيمَنْ زَنٰى وَلَمْ يُحْصَنْ : جَلْدَ مِائَةٍ وَّتَغْرِيبَ عَامٍ. [راجع: ٢٣١٤]

[6831] حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ حکم دے رہے تھے کہ جو غیر شادی شدہ ہو اور زنا کا ارتکاب کرے تو اسے سو کوڑے مارے جائیں اور سال بھر کے لیے جلا وطن کیا جائے۔

٦٨٣٢ - قَالَ ابْنُ شِهَابٍ : وَأَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ : أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ غَرَّبَ ثُمَّ لَمْ تَزَلْ تِلْكَ السُّنَّةَ.

[6832] حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے زانی کو جلا وطن کیا تھا، پھر یہ طریقہ جاری رہا۔

٦٨٣٣ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ : أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَضٰى فِيمَنْ زَنٰى وَلَمْ يُحْصَنْ

[6833] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غیر شادی شدہ زانی کے متعلق فیصلہ کیا تھا کہ اسے حد لگانے کے ساتھ ایک سال تک ملک بدر بھی کیا جائے۔

بِنَفْيِ عَامٍ بِإِقَامَةِ الْحَدِّ عَلَيْهِ. [راجع: ٢٣١٥]

فوائد ومسائل: ① ان احادیث سے معلوم ہوا کہ کنوارا مرد اور کنواری عورت جب زنا کریں تو ان کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے۔ لیکن کچھ لوگ جلاوطنی کی سزا کو نہیں مانتے۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآن میں صرف سو کوڑوں کا ذکر ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ جس ہستی کے ذریعے سے ہمیں قرآن پہنچا ہے، اسی نے زانی کو جلاوطنی کی سزا دی تھی۔ حدیث بھی قرآن کی طرح واجب العمل ہے۔ ② جلاوطنی سے مراد ملک بدر کرنا نہیں بلکہ اتنے فاصلے پر بھیجنا ہے جسے شرعی اصطلاح میں سفر کہہ سکتے ہیں اور اس جلاوطنی کا مقصد یہ ہے کہ آئندہ کم از کم زانی جوڑے کے ملاپ کی راہ بند کر دی جائے اور اس کی امکانی صورتوں کو ختم کر دیا جائے اور یہ مقصد قید میں ڈالنے سے بھی پورا ہو سکتا ہے اور اگر کوئی ایسا خطرہ موجود نہ ہو تو قاضی جلاوطنی کی سزا کو وقتی طور پر موقوف بھی کر سکتا ہے لیکن سو کوڑوں کی سزا بہر حال قائم رہے گی، گویا سو کوڑے تو اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حد ہے جسے ہر حال میں قائم رہنا چاہیے۔ واللہ أعلم. ③ واضح رہے کہ کوڑا اس قدر سخت نہیں ہونا چاہیے کہ سو کوڑے پڑنے سے چمڑا ادھڑ جائے اور گوشت ننگا ہو جائے اور نہ اتنا نرم ہی ہو کہ اسے مجرم سزا ہی نہ خیال کرے۔ اسی طرح جلاد کو بھی میانہ روی سے کام لینا چاہیے، نہ اس قدر زور سے مارے کہ گویا وہ اس سے انتقام لے رہا ہے، نہ وہ پیچھے سے دوڑ کر پورے زور سے کوڑے برسائے اور نہ بالکل آہستہ کوڑے مارے جائیں کہ مجرم کو تکلیف ہی محسوس نہ ہو، نیز کوڑے مارتے وقت چہرے اور شرمگاہ کو ضرور بچانا چاہیے۔ اگر مجرم کمزور ہو تو کوڑوں کی سزا متفرق طور پر بھی دی جا سکتی ہے اور اگر بہت زیادہ کمزور ہو تو ایسا جھاڑو جس میں سو تنکے ہوں وہ ایک ہی دفعہ مار کر اس کی سزا پوری کر دی جائے، نیز اگر عورت حاملہ ہو یا نفاس میں ہو یا بچے کو دودھ پلاتی ہو تو سزا کو فراغت تک مؤخر کیا جا سکتا ہے۔

(٣٣) بَابُ نَفْيِ أَهْلِ الْمَعَاصِي وَالْمُخَنَّثِينَ

باب: 33- بدکاروں اور ہیجڑوں کو جلاوطن کرنا

وضاحت: اہل معاصی سے مراد ایسے لوگ ہیں جو اخلاق باختہ اور مشکوک کردار کے حامل ہوں لیکن ان پر حد لاگو نہ ہوتی ہو اور مخنثین سے مراد وہ لوگ ہیں جو ناز و ادا اور حرکات و سکنات میں عورتوں جیسے ہوں، یعنی ہیجڑا۔ ان دونوں قسم کے لوگوں کو سزا کے طور پر شہر بدر کرنا جائز ہے تو جن کے کردار کی وجہ سے حد جاری ہوتی ہو انھیں بالاولیٰ ملک بدر کیا جا سکتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان لوگوں کی تردید کی ہے جو غیر شادی شدہ زانی کے لیے جلاوطنی کو ناجائز کہتے ہیں۔

٦٨٣٤ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَعَنَ النَّبِيُّ ﷺ الْمُخَنَّثِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَاءِ، وَقَالَ: «أَخْرِجُوهُمْ مِّنْ بُيُوتِكُمْ»،

[6834] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے ان مردوں پر لعنت کی ہے جو مخنث بنتے ہیں اور ان عورتوں پر بھی لعنت کی ہے جو مردوں کا روپ دھارتی ہیں، نیز آپ نے فرمایا: ''انھیں اپنے گھروں سے نکال دو، چنانچہ آپ نے فلاں کو گھر سے نکالا تھا اور حضرت

وَأَخْرَجَ فُلَانًا، وَأَخْرَجَ عُمَرُ فُلَانًا.

عمر رضی اللہ عنہ نے بھی فلاں کو نکالا تھا۔

فوائد ومسائل: ① مخنثین (ہیجڑوں) کی دو قسمیں ہیں: ○ پیدائشی۔ ○ بناوٹی۔ پیدائشی وہ ہوتے ہیں جن کا پیدائش کے وقت ہی سے معاملہ مشتبہ ہو اور ان کی تذکیر و تانیث (مذکر اور مؤنث) کا پتا نہ چل سکے۔ بناوٹی وہ ہوتے ہیں جو بناوٹ اور تکلف سے مردوں اور عورتوں کی چال ڈھال اختیار کر لیتے ہیں۔ حدیث میں ایسے ہیجڑے مراد ہیں جو بناوٹی ہوں اور اپنی حرکات و سکنات سے دوسروں کے اخلاق و کردار کو خراب کرتے ہوں یا وہ مخنث جو فحش کلامی اور گندی حرکات کا ارتکاب کریں۔ ② نبی ﷺ کے پاس ایک مخنث (ہیجڑا) لایا گیا جس نے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کو مہندی لگا رکھی تھی۔ نبی ﷺ نے اس سے دریافت کیا تو پتا چلا کہ یہ عورتوں سے مشابہت اختیار کرنے کے لیے ایسا کرتا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسے نقیع کی طرف نکال دیا۔[1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مجاہدین کی طرف سے شکایات موصول ہوئیں کہ جعدہ سلمی ہماری عورتوں کے ساتھ بقیع کی طرف جاتا ہے اور ان سے محو گفتگو ہوتا ہے تو انھوں نے اسے مدینے سے نکال دیا تھا۔[2]

(٣٤) بَابُ مَنْ أَمَرَ غَيْرَ الْإِمَامِ بِإِقَامَةِ الْحَدِّ غَائِبًا عَنْهُ

باب: 34- جس نے کسی کو اپنی عدم موجودگی میں حد لگانے کا حکم دیا

٦٨٣٥، ٦٨٣٦ - حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ: أَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْأَعْرَابِ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ جَالِسٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! اِقْضِ بِكِتَابِ اللهِ، فَقَامَ خَصْمُهُ فَقَالَ: صَدَقَ، اِقْضِ لَهُ يَا رَسُولَ اللهِ بِكِتَابِ اللهِ، إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلٰى هٰذَا فَزَنٰى بِامْرَأَتِهِ فَأَخْبَرُونِي أَنَّ عَلَى ابْنِي الرَّجْمَ فَافْتَدَيْتُ بِمِائَةٍ مِّنَ الْغَنَمِ وَوَلِيدَةٍ، ثُمَّ سَأَلْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ، فَزَعَمُوا أَنَّ مَا عَلَى ابْنِي جَلْدُ مِائَةٍ وَّتَغْرِيبُ عَامٍ، فَقَالَ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ، أَمَّا الْغَنَمُ وَالْوَلِيدَةُ فَرَدٌّ عَلَيْكَ، وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ

[6836,6835] حضرت ابو ہریرہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ آپ بیٹھے ہوئے تھے، اس نے عرض کی: اللہ کے رسول! (ہمارے درمیان) اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کریں۔ اس کا مخالف کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اللہ کے رسول! اس نے صحیح کہا ہے۔ اس کا کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں۔ بات یہ ہے کہ میرا لڑکا اس کے ہاں ملازم تھا اور اس نے اس کی بیوی سے زنا کر لیا ہے۔ لوگوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے کو رجم کیا جائے گا، چنانچہ میں نے اس سزا کے بدلے سو بکریاں اور ایک لونڈی کا فدیہ دیا۔ پھر میں نے اہل علم سے رابطہ کیا تو انھوں نے اس خیال کا اظہار کیا کہ میرے لڑکے پر سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی لازمی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے اس ذات کی قسم جس کے

① سنن أبي داود، الأدب، حديث: 4928. 2 فتح الباري: 197/12.

وَّتَغْرِيبُ عَامٍ، وَأَمَّا أَنْتَ يَا أُنَيْسُ فَاغْدُ عَلَى امْرَأَةِ هٰذَا فَارْجُمْهَا»، فَغَدَا أُنَيْسٌ فَرَجَمَهَا.

[راجع: ۲۳۱٤، ۲۳۱٥]

ہاتھ میں میری جان ہے! میں تم دونوں کا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق کروں گا۔ بکریاں اور کنیز تجھے واپس ملیں گی اور تمھارے لڑکے کو سو کوڑوں اور ایک سال جلا وطنی کی سزا دی جائے گی۔ اے انیس! تم صبح اس عورت کے پاس جاؤ اور اسے رجم کرو۔" چنانچہ انیس رضی اللہ عنہ گئے اور انھوں نے اسے رجم کر دیا۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں اختصار ہے کیونکہ دوسری روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت اُنیس رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور فرمایا: "اگر وہ عورت اپنے جرم کا اقرار کرے تو اسے سنگسار کر دو، چنانچہ اس نے اقبال جرم کر لیا، پھر اسے رجم کر دیا گیا۔[1] حضرت انیس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی عدم موجودگی میں اسے سنگسار کیا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ امام کا خود سزا دینا یا سزا کے وقت اس کا موجود ہونا ضروری نہیں بلکہ اگر وہ کسی کو حکم دے اور وہ امام کی عدم موجودگی میں حد لگائے تو جائز ہے۔ واللہ أعلم.

(٣٥) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ طَوْلًا أَن يَنكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم مِّن فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُم ۚ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ ۚ فَانكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ﴾ - زَوَانِيَ - ﴿وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ﴾ - أَخِلَّاءَ - ﴿فَإِذَا أُحْصِنَّ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنكُمْ ۚ وَأَن تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ [النساء: ٢٥].

باب: 35- ارشاد باری تعالیٰ: "اور جو شخص مالی طور پر آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ تمھاری کنیزوں میں سے کسی مومنہ کنیز سے نکاح کرے جو تمھارے قبضے میں ہوں اور اللہ تعالیٰ تمھارے ایمان کو خوب جانتا ہے۔ تمھارے بعض، بعض کی جنس سے ہیں، لہٰذا تم ان کے آقاؤں کی اجازت سے انھیں نکاح میں لا سکتے ہو، پھر دستور کے مطابق انھیں ان کے حق مہر ادا کرو تاکہ وہ حصار نکاح میں آجائیں نہ وہ شہوت رانی کرتی پھریں اور نہ خفیہ طور پر آشنا بنائیں۔ پھر نکاح میں آجانے کے بعد اگر بدکاری کی مرتکب ہوں تو ان کی سزا آزاد عورتوں کی سزا سے نصف ہے۔ یہ (سہولت) تم میں سے اس شخص کے لیے ہے جو زنا کے گناہ میں جا پڑنے سے ڈرتا ہو۔ اور اگر صبر وضبط سے کام لو تو یہ تمھارے لیے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا مہربان ہے" کا بیان

1 صحيح البخاري، الحدود، حديث: 6827، 6828.

وضاحت: اس آیت کریمہ میں امام بخاری رحمہ اللہ نے منکوحہ لونڈی کی سزا بیان کی ہے جبکہ وہ زنا کی مرتکب ہو۔ اس میں صرف آیت کریمہ کا حوالہ دیا ہے جو درجۂ اول کی دلیل ہے۔ واضح رہے کہ إِحْصَان (زنا سے بچاؤ) دو طرح سے ہوتا ہے: ایک تو آزادی سے کہ آزاد عورت خاندان کی حفاظت میں ہوتی ہے اور اگر لونڈی آزاد ہو جائے تو اسے بھی احصان میسر آ جاتا ہے۔ دوسرا احصان نکاح سے ہوتا ہے کہ خاوند بھی زنا سے حفاظت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس طرح مُحْصَنَات کا ترجمہ آزاد عورتیں بھی ہو سکتا ہے اور شادی شدہ عورتیں بھی اور جب دونوں قسم کے احصان جمع ہو جائیں تو آزاد شادی شدہ عورتیں مراد ہوتا ہے۔ اس آیت کے آغاز میں محصنات کے معنی آزاد غیر شادی شدہ عورتیں ہیں جن کی سزا بدکاری کی صورت میں 100 کوڑے ہیں، اس کا نصف پچاس کوڑے ہیں جو منکوحہ لونڈی کی سزا ہے جبکہ وہ زنا کرے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ مُحْصَنَات کا ترجمہ آزاد عورتیں بھی ہے اور شادی شدہ عورتیں بھی، البتہ آیت مذکورہ میں آزاد غیر شادی شدہ عورتیں ہی ہو سکتا ہے اور دوسری بار جو محصنات کا ذکر آیا ہے اس کے معنی ہر حال میں آزاد غیر شادی شدہ عورتیں ہی لینے پڑیں گے۔ چونکہ آزاد غیر شادی شدہ زانیہ کی سزا سو کوڑے ہے، لہٰذا جو منکوحہ لونڈی زنا کرے تو اس کی سزا غیر شادی شدہ آزاد عورت کی سزا سے نصف، یعنی پچاس کوڑے ہوئے۔ اسی طرح غلام کی سزا بھی پچاس کوڑے ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام بیہقی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ آیت لونڈی کی دونوں حالتوں میں سے اکمل حالت کے متعلق نص صریح کی حیثیت رکھتی ہے کہ اس پر حد رجم نہیں ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ غیر منکوحہ سے کوڑوں کی سزا ساقط ہے۔ حدیث نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ لونڈی زانیہ کی سزا پچاس کوڑے ہیں اگرچہ وہ غیر شادی شدہ ہو۔[1]

بَابٌ: إِذَا زَنَتِ الْأَمَةُ

باب:- جب لونڈی زنا کرے

٦٨٣٧، ٦٨٣٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ سُئِلَ عَنِ الْأَمَةِ إِذَا زَنَتْ وَلَمْ تُحْصَنْ، قَالَ: «إِذَا زَنَتْ فَاجْلِدُوهَا، ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوهَا، ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوهَا، ثُمَّ بِيعُوهَا وَلَوْ بِضَفِيرٍ».

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: لَا أَدْرِي بَعْدَ الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ. [راجع: ٢١٥٢، ٢١٥٤]

[6838,6837] حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوا کہ غیر شادی شدہ لونڈی زنا کرے تو کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: ''جب لونڈی زنا کرے تو اسے کوڑے لگاؤ۔ پھر زنا کرے تو کوڑے لگاؤ۔ پھر اگر زنا کرے تو کوڑے لگاؤ، پھر اسے فروخت کر دو، خواہ ایک رسی ہی قیمت میں ملے۔''

ابن شہاب نے کہا: مجھے معلوم نہیں کہ یہ تیسری بار کے بعد فرمایا یا چوتھی بار کے بعد۔

---

[1] فتح الباري: 199/12.

فائدہ: اگر لونڈی غیر شادی شدہ ہو اور زنا کرے تو بعض اہل علم کے نزدیک اس پر حد نہیں ہے بلکہ تنبیہ کے طور پر اس کی پٹائی کر دی جائے۔ ان کے نزدیک احصان سے مراد اس کا شادی شدہ ہونا ہے جبکہ اکثریت کا خیال ہے کہ جب لونڈی مسلمان ہو اور زنا کرے، خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ تو دونوں صورتوں میں اس کی حد پچاس کوڑے ہیں۔ بار بار زنا کرنے سے اسے معمولی قیمت کے عوض فروخت کرنے سے مراد اس کی ذلت و حقارت ہے اور اس سے دور رہنے کی ترغیب دینا ہے کہ ایسی لونڈی سے جان چھڑا لی جائے، خواہ قیمت میں ایک بالوں کی رسی ملے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انھوں نے فرمایا: اے لوگو! اپنے غلاموں اور لونڈیوں پر حد جاری کرو، خواہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔ رسول اللہ ﷺ کی ایک لونڈی نے زنا کیا تو آپ نے مجھے اس پر کوڑے لگانے کا حکم دیا۔[1] یہ روایت اگرچہ موقوف ہے لیکن مرفوع کے حکم میں ہے۔[2]

(٣٦) بَابٌ: لَا يُثَرَّبُ عَلَى الْأَمَةِ إِذَا زَنَتْ وَلَا تُنْفَى

باب: 36- لونڈی جب زنا کرے تو اسے ملامت نہ کی جائے اور نہ جلا وطن ہی کیا جائے

٦٨٣٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِذَا زَنَتِ الْأَمَةُ فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا فَلْيَجْلِدْهَا وَلَا يُثَرِّبْ، ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَلْيَجْلِدْهَا وَلَا يُثَرِّبْ، ثُمَّ إِنْ زَنَتِ الثَّالِثَةَ فَلْيَبِعْهَا وَلَوْ بِحَبْلٍ مِّنْ شَعَرٍ».

[6839] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ”اگر لونڈی زنا کرے اور اس کا زنا واضح ہو جائے تو اسے (مالک کو) چاہیے کہ کوڑے مارے لیکن طعن و ملامت نہ کرے، پھر اگر زنا کرے تو کوڑے لگائے، اسے زجر و توبیخ نہ کرے۔ پھر اگر تیسری بار زنا کرے تو اسے فروخت کر دے، خواہ بالوں کی ایک رسی ہی کے بدلے میں ہو۔“

تَابَعَهُ إِسْمَاعِيلُ بْنُ أُمَيَّةَ عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اسماعیل بن امیہ نے سعید سے، انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے روایت کرنے میں لیث کی متابعت کی ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے کچھ اہل علم نے یہ مسئلہ ثابت کیا ہے کہ لونڈی اگر زنا کرتی ہے تو اسے جلا وطن نہیں کرنا چاہیے کیونکہ جلا وطن کرنے کا مقصد اسے گندے ماحول سے دور کرنا ہے اور یہ مقصد بیچنے سے حاصل ہو جاتا ہے، پھر جب اسے جلا وطن کر دیا جائے گا تو جلا وطنی اس کی خرید و فروخت میں رکاوٹ کا باعث ہے جبکہ بعض حضرات کا موقف ہے کہ لونڈی کو جلا وطن نہ کیا جائے اور غلام کو کوڑے لگانے کے بعد چھ ماہ تک ملک بدر کر دیا جائے کیونکہ لونڈی کو جلا وطن کرنا عورت کا محرم کے بغیر سفر

---

[1] صحيح مسلم، الحدود، حديث: 4450 (1705). [2] فتح الباري: 199/12.

کرنے کے مترادف ہے جبکہ غلام کے متعلق یہ مشکل پیش نہیں آسکتی۔ ② بہر حال امام بخاری رحمہ اللہ کا یہی موقف ہے کہ لونڈی کو سزا دی جائے لیکن اسے طعن و تشنیع کرنا اور ملک بدر کرنا درست نہیں۔ [1] ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا، اس نے عرض کی: اللہ کے رسول! میری کنیز نے زنا کیا ہے اور حمل سے وہ زنا واضح ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اسے پچاس کوڑے لگاؤ۔'' [2] یعنی رسول اللہ ﷺ نے اسے پچاس کوڑے مارنے کے متعلق کہا ہے، اسے ملک بدر کرنے کا کوئی حکم نہیں دیا، اس سے بھی امام بخاری رحمہ اللہ کے موقف کی تائید ہوتی ہے۔ والله أعلم.

(٣٧) بَابُ أَحْكَامِ أَهْلِ الذِّمَّةِ وَإِحْصَانِهِمْ إِذَا زَنَوْا، وَرُفِعُوا إِلَى الْإِمَامِ

باب: 37- اہل ذمہ کے احکام، اور اگر شادی کے بعد انھوں نے زنا کیا اور امام کے سامنے پیش ہوئے تو اس کے احکام

٦٨٤٠ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ: سَأَلْتُ عَبْدَ اللهِ ابْنَ أَبِي أَوْفَى عَنِ الرَّجْمِ فَقَالَ: رَجَمَ النَّبِيُّ ﷺ، فَقُلْتُ: أَقَبْلَ النُّورِ أَمْ بَعْدُ؟ قَالَ: لَا أَدْرِي. [راجع: ٦٨١٣]

[6840] حضرت شیبانی سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے رجم کے متعلق پوچھا تو انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ نے رجم کیا تھا۔ میں نے کہا: سورۂ نور کے نزول سے پہلے یا بعد میں؟ انھوں نے کہا: مجھے معلوم نہیں۔

تَابَعَهُ عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، وَخَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، وَالْمُحَارِبِيُّ، وَعَبِيدَةُ [بْنُ حُمَيْدٍ] عَنِ الشَّيْبَانِيِّ. وَقَالَ بَعْضُهُمْ: الْمَائِدَةُ، وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ. [راجع: ٦٨١٣]

علی بن مسہر، خالد بن عبداللہ، محاربی اور عبیدہ بن حمید نے شیبانی سے روایت کرنے میں عبدالواحد کی متابعت کی ہے۔ ان میں سے کچھ نے سورۂ مائدہ کا ذکر کیا اور پہلی بات صحیح تر ہے۔

فوائد و مسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی عادت کے مطابق اس حدیث کے دوسرے طرق کی طرف اشارہ کیا ہے، اس میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی مرد اور عورت کو رجم کیا تھا، اس طرح حدیث کی عنوان سے مطابقت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ [3] ② سورۂ مائدہ میں ہے: ''اور وہ آپ کو کیسے منصف بنا سکتے ہیں جبکہ ان کے پاس تورات ہے، جس میں اللہ کا حکم موجود ہے، اس کے باوجود اس حکم سے منہ پھیر لیتے ہیں۔'' [4] یہ آیت بھی یہودیوں کے زنا اور اس کے متعلق فیصلہ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی، اس لیے راوی کو شک ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کو رجم کا جو فیصلہ کیا تھا وہ سورۂ مائدہ کے نازل

---

① فتح الباري: 203/12. ② السنن الكبرىٰ للنسائي، حديث: 7215. ③ فتح الباري: 206/12. ④ المآئدة 5:43.

ہونے سے پہلے تھا یا بعد میں ایسا کیا۔[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے فیصلہ فرمایا کہ سورۂ نور والی بات ہی صحیح تر ہے۔ بہرحال رسول اللہ ﷺ کا یہودی مرد، عورت کو رجم کرنا سورۂ نور کے نازل ہونے کے بعد تھا۔ اس کے دلائل و قرائن ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔

٦٨٤١ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَّافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ الْيَهُودَ جَاؤُوا إِلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَذَكَرُوا لَهُ أَنَّ رَجُلًا مِّنْهُمْ وَامْرَأَةً زَنَيَا، فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا تَجِدُونَ فِي التَّوْرَاةِ فِي شَأْنِ الرَّجْمِ؟» فَقَالُوا: نَفْضَحُهُمْ وَيُجْلَدُونَ، قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ: كَذَبْتُمْ، إِنَّ فِيهَا الرَّجْمَ، فَأَتَوْا بِالتَّوْرَاةِ فَنَشَرُوهَا فَوَضَعَ أَحَدُهُمْ يَدَهُ عَلٰى آيَةِ الرَّجْمِ فَقَرَأَ مَا قَبْلَهَا وَمَا بَعْدَهَا، فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ: اِرْفَعْ يَدَكَ، فَرَفَعَ يَدَهُ فَإِذَا فِيهَا آيَةُ الرَّجْمِ، قَالُوا: صَدَقَ يَا مُحَمَّدُ، فِيهَا آيَةُ الرَّجْمِ، فَأَمَرَ بِهِمَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَرُجِمَا، فَرَأَيْتُ الرَّجُلَ يَحْنِي عَلَى الْمَرْأَةِ يَقِيهَا الْحِجَارَةَ. [راجع: ١٣٢٩]

[6841] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے پاس یہودی آئے اور انھوں نے ذکر کیا کہ ان میں سے ایک مرد اور عورت نے زنا کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: "رجم کے متعلق تم اپنی کتاب میں کیا پاتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہم انھیں ذلیل و خوار کرتے ہیں اور انھیں کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: تم جھوٹ بولتے ہو کیونکہ تورات میں تو رجم کی سزا موجود ہے، چنانچہ وہ تورات لے آئے۔ جب اسے کھولا تو ایک شخص نے رجم کی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس کا ماقبل اور مابعد پڑھ دیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: اپنا ہاتھ اٹھاؤ۔ جب اس نے ہاتھ اٹھایا تو دیکھا کہ اس میں آیت رجم موجود تھی۔ یہودیوں نے کہا: یا محمد! اس نے سچ کہا ہے۔ اس میں آیت رجم موجود ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں (زانی اور زانیہ) کے متعلق حکم دیا تو انھیں سنگسار کر دیا گیا۔ میں نے دیکھا کہ مرد، اپنی داشتہ کو پتھروں سے بچانے کے لیے اس پر جھکا پڑتا تھا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب ذمی، اہل اسلام کی طرف رجوع کریں تو اہل اسلام اپنی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کے پابند ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے تورات کا حکم اس لیے پوچھا تھا تا کہ انھیں الزام دے کر خاموش کرایا جائے۔ درج ذیل واقعے سے اس کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک یہودی نکلا جس کا منہ کالا کیا گیا تھا اور اسے کوڑے مارے گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کو بلایا اور اس سے پوچھا: "کیا تم اپنی کتاب میں زانی کی یہی سزا پاتے ہو؟" انھوں نے کہا: ہاں، پھر آپ نے ان کے علماء میں سے ایک عالم کو بلایا اور اسے فرمایا: "میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی تھی! بتاؤ کیا تم

---

[1] عمدة القاري: 118/10.

اپنی کتاب میں زانی کی یہی سزا پاتے ہو؟'' اس نے کہا: نہیں، اور اگر آپ مجھے اللہ کی قسم نہ دیتے تو میں آپ کو صحیح صورت حال سے آگاہ نہ کرتا۔ بات یہ ہے کہ ہم تورات میں رجم کی سزا ہی پاتے ہیں مگر جب ہمارے شرفاء میں زنا کی کثرت ہوگئی تو جب ہم کسی شریف کو پکڑتے تو اسے چھوڑ دیتے اور کوئی کمزور ہمارے قابو آجاتا تو اس پر حد جاری کر دیتے، پھر ہم نے آپس میں کہا کہ ہم ایسی سزا پر اتفاق کر لیں جسے شریف و رذیل سب پر نافذ کر سکیں تو ہم نے کوڑے مارنا اور منہ کالا کرنا نافذ کر دیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! سب سے پہلے میں تیرے اس حکم کو زندہ کرتا ہوں جبکہ ان لوگوں نے اسے مردہ کر دیا تھا۔'' پھر آپ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا، چنانچہ وہ رجم کر دیا گیا، تب یہ آیت اتری: ''اے رسول! آپ ان لوگوں سے غمزدہ نہ ہوں جو کفر میں دوڑ دھوپ کر رہے ہیں......''[1] یہودی کہا کرتے تھے کہ محمد کے پاس چلو، اگر وہ تمھیں منہ کالا کرنے اور کوڑے لگانے کا حکم دے تو اسے قبول کر لو اور اگر رجم کرنے کا فتویٰ دے تو اس سے اجتناب کرو۔''[2] قرآن کریم کی ہدایت کے مطابق ہمیں اختیار ہے کہ یہودیوں کے جھگڑوں میں فیصلہ کریں یا نہ کریں لیکن اگر فیصلہ کریں تو عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے بے لاگ فیصلہ کرنا ہوگا۔ واللہ أعلم.

(٣٨) بَابٌ: إِذَا رَمَى امْرَأَتَهُ أَوِ امْرَأَةَ غَيْرِهِ بِالزِّنَا عِنْدَ الْحَاكِمِ وَالنَّاسِ، هَلْ عَلَى الْحَاكِمِ أَنْ يَبْعَثَ إِلَيْهَا فَيَسْأَلَهَا عَمَّا رُمِيَتْ بِهِ؟

باب: 38- جب کوئی اپنی یا کسی دوسرے کی بیوی پر حاکم یا لوگوں کے پاس زنا کی تہمت لگائے تو کیا حاکم کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی کو اس عورت کے پاس بھیجے جو اس سے تہمت کے متعلق باز پرس کرے؟

وضاحت: امام بخاری ؒ نے سوالیہ انداز میں عنوان قائم کیا ہے، پیش کردہ حدیث کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا جواب نہیں دیا۔ بہر حال حاکم وقت کو چاہیے کہ حقیقت حال کی وضاحت کے لیے ایک قابل اعتماد آدمی اس عورت کی طرف بھیجے، اگر وہ اس تہمت سے انکار کر دے تو تہمت لگانے والے کو حد قذف لگے گی اور اگر وہ عورت اپنے جرم کا اقرار و اعتراف کرے تو اسے حد زنا کا سامنا کرنا پڑے گا۔

٦٨٤٢، ٦٨٤٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ: أَنَّهُمَا أَخْبَرَاهُ أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ أَحَدُهُمَا:

[6843,6842] حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید بن خالد ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: دو آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنا مقدمہ لے کر آئے۔ ان میں سے ایک نے کہا: ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کے ساتھ فیصلہ کریں۔ اور دوسرے نے جو ذرا زیادہ سمجھ دار تھا کہا: ہاں اللہ کے

① المآئدة 5:41. ② صحيح مسلم، الحدود حديث: 4440 (1700).

اِقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ، وَقَالَ الْآخَرُ وَهُوَ أَفْقَهُهُمَا: أَجَلْ يَا رَسُولَ اللهِ! فَاقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ، وَائْذَنْ لِي أَنْ أَتَكَلَّمَ، قَالَ: «تَكَلَّمْ»، قَالَ: إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلٰى هٰذَا - قَالَ مَالِكٌ: وَالْعَسِيفُ الْأَجِيرُ - فَزَنٰى بِامْرَأَتِهِ، فَأَخْبَرُونِي إِنَّمَا عَلَى ابْنِي الرَّجْمَ، فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَبِجَارِيَةٍ لِي، ثُمَّ إِنِّي سَأَلْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ فَأَخْبَرُونِي أَنَّ مَا عَلَى ابْنِي جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ، وَإِنَّمَا الرَّجْمُ عَلَى امْرَأَتِهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَمَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ، أَمَّا غَنَمُكَ وَجَارِيَتُكَ فَرَدٌّ عَلَيْكَ»، وَجَلَدَ ابْنَهُ مِائَةً وَغَرَّبَهُ عَامًا، وَأَمَرَ أُنَيْسًا الْأَسْلَمِيَّ أَنْ يَأْتِيَ امْرَأَةَ الْآخَرِ «فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا»، فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا. [راجع: ٢٣١٤، ٢٣١٥]

رسول! آپ ہمارا فیصلہ اللہ کی کتاب کے مطابق ہی کریں لیکن مجھے کچھ عرض کرنے کی اجازت دیں۔ آپ نے فرمایا: ”ہاں تم بات کرو۔“ اس نے کہا: میرا بیٹا اس کے ہاں عسیف تھا...... راویٔ حدیث مالک نے کہا: عسیف نوکر کو کہتے ہیں...... میرے بیٹے نے اس کی بیوی سے زنا کیا تو مجھے لوگوں نے بتایا کہ میرے بیٹے کو سنگسار کیا جائے گا۔ میں نے اپنے بیٹے کی طرف سے سو بکریاں اور ایک لونڈی بطور فدیہ دی۔ پھر میں نے اہل علم سے رابطہ کیا تو انھوں نے بتایا کہ میرے بیٹے کو سو کوڑے لگیں گے اور ایک سال جلا وطنی کی سزا بھگتنا ہوگی، رجم صرف اس کی بیوی پر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سنو! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تمھارے درمیان اللہ کی کتاب ہی کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ تمھاری بکریاں اور تمھاری لونڈی تمھیں واپس ہو گی۔“ پھر اس کے بیٹے کو سو کوڑے مارے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا۔ اور آپ نے حضرت انیس اسلمی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مذکورہ عورت کے پاس جائے: ”اگر وہ زنا کا اقرار کرے تو اسے سنگسار کر دے۔“ چنانچہ اس نے اپنے جرم کا اعتراف کیا تو انھوں نے اسے سنگسار کر دیا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں دوسرے کی عورت پر زنا کی تہمت لگانے کا ذکر ہے اور اپنی عورت پر تہمت لگانے کا مسئلہ اس طرح ثابت ہوا کہ گفتگو کے وقت اس عورت کا خاوند بھی موجود تھا، اس نے اس واقعے کا انکار نہیں کیا، گویا وہ بھی اس تہمت میں شریک تھا۔ ② بہر حال اگر کوئی خود اقرارِ جرم کرتا ہے تو فریق ثانی سے معلومات لینے میں کوئی حرج نہیں، چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے کسی عورت سے زنا کا اقرار کیا تو آپ ﷺ نے اسے سو کوڑوں کی سزا دی، پھر جب عورت سے پوچھا تو اس نے کہا: یہ جھوٹ کہتا ہے۔ اس نے اعتراف جرم سے صاف انکار کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس آدمی کو حد قذف کے طور پر اسی کوڑے مارنے کی سزا دی۔[1] اسی طرح ایک عورت نے زنا کا اعتراف کیا تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا، کس نے تیرے

---

[1] سنن أبي داود، الحدود، حديث: 4467.

ساتھ زنا کیا تھا؟ اس نے بتایا کہ فلاں معذور نے جو حضرت سعد ؓ کی حویلی میں رہتا ہے۔ آپ نے اس کی طرف ایک آدمی بھیجا اور اسے اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا۔ اس نے اقرار کر لیا تو آپ نے اس کے بڑھاپے اور معذوری پر ترس کھاتے ہوئے اسے کھجور کی سو شاخہ چھڑی سے سزا دی۔[1]

(٣٩) بَابُ مَنْ أَدَّبَ أَهْلَهُ أَوْ غَيْرَهُ دُونَ السُّلْطَانِ

باب: 39- حاکم وقت کی اجازت کے بغیر اگر کوئی اپنے گھر والوں یا کسی دوسرے کو تنبیہ کرے

وَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «إِذَا صَلَّى فَأَرَادَ أَحَدٌ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلْيَدْفَعْهُ، فَإِنْ أَبَى فَلْيُقَاتِلْهُ». وَفَعَلَهُ أَبُو سَعِيدٍ.

حضرت ابوسعید خدری ؓ نے نبی ﷺ سے بیان کیا: "اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور دوسرا کوئی اس کے سامنے سے گزرے تو اسے روکنا چاہیے۔ اگر وہ نہ رکے تو اس سے لڑے۔" حضرت ابوسعید ؓ نے یہی کام کیا تھا۔ (وہ ایک ایسے شخص سے لڑے تھے۔)

وضاحت: واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوسعید خدری ؓ نماز پڑھ رہے تھے، ایک شخص ان کے آگے سے گزرنے لگا تو انھوں نے اسے روکا، وہ نہ رکا تو انھوں نے اسے مُکا مار کر روکا۔ پھر مروان کے پاس مقدمہ گیا۔ اس سے امام بخاری ؒ نے ثابت کیا ہے کہ کسی دوسرے شخص کو حاکم وقت کی اجازت کے بغیر مارنا اور دھکیلنا جائز ہے تو اپنے غلام یا لونڈی کو بطریق اَولیٰ سزا دی جا سکتی ہے، البتہ قتل کرنا یا ہاتھ کاٹنا حاکم وقت کا کام ہے۔ انسان اسے ازخود اپنے اہل خانہ پر نافذ نہیں کر سکتا۔

٦٨٤٤ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: جَاءَ أَبُو بَكْرٍ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ وَاضِعٌ رَأْسَهُ عَلٰى فَخِذِي، فَقَالَ: حَبَسْتِ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَالنَّاسَ وَلَيْسُوا عَلٰى مَاءٍ، فَعَاتَبَنِي وَجَعَلَ يَطْعُنُ بِيَدِهِ فِي خَاصِرَتِي، وَلَا يَمْنَعُنِي مِنَ التَّحَرُّكِ إِلَّا مَكَانُ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَأَنْزَلَ اللهُ آيَةَ التَّيَمُّمِ. [راجع: ٣٣٤]

[6844] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت ابوبکر ؓ آئے جبکہ رسول اللہ ﷺ میری ران پر اپنا سر رکھے ہوئے تھے۔ انھوں نے آتے ہی کہا: تو نے رسول اللہ ﷺ اور دیگر لوگوں کو روک رکھا ہے، حالانکہ یہاں پانی وغیرہ کا بندوبست نہیں ہے، چنانچہ وہ مجھ پر سخت ناراض ہوئے اور اپنے ترچھے ہاتھ سے میری کوکھ کو مارنے لگے مگر میں نے اپنے جسم میں کسی طرح کی حرکت نہ ہونے دی کیونکہ رسول اللہ ﷺ (میری گود میں سر رکھے) محو استراحت تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آیت تیمم نازل فرمائی۔

---

[1] سنن النسائي، آداب القضاء، حديث: 5414.

٦٨٤٥ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي عَمْرٌو: أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ ابْنَ الْقَاسِمِ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: أَقْبَلَ أَبُو بَكْرٍ فَلَكَزَنِي لَكْزَةً شَدِيدَةً وَّقَالَ: حَبَسْتِ النَّاسَ فِي قِلَادَةٍ، فَبِيَ الْمَوْتُ لِمَكَانِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَقَدْ أَوْجَعَنِي، نَحْوَهُ. لَكَزَ، وَوَكَزَ وَاحِدٌ. [راجع: ٣٣٤]

[6845] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: حضرت ابوبکر ؓ تشریف لائے اور انھوں نے آتے ہی مجھے زور سے گھونسا رسید کیا اور کہا کہ تو نے ایک ہار کی وجہ سے تمام لوگوں کو روک رکھا ہے۔ مجھے اس قدر درد ہوا کہ مرنے کے قریب ہوگئی لیکن کیا کرسکتی تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک میری ران پر تھا۔ (امام بخاری ؒ نے کہا:) لَكَزَ اور وَكَزَ دونوں الفاظ ہم معنی ہیں۔

فوائد ومسائل: ① یہ دونوں احادیث ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں۔ امام بخاری ؒ نے دیگر مقامات پر اس واقعہ کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ یہی واقعہ آیت تیمم کے نازل ہونے کا سبب بنا۔ تمام صحابۂ کرام ؓ نے اس وسعت نعمت کا شکریہ ان الفاظ میں ادا کیا: ''اے آل ابی بکر! یہ تمھاری کوئی پہلی برکت تو نہیں ہے۔'' ② ان احادیث کی عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ حضرت ابوبکر ؓ نے رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں ڈانٹا اور سیدہ عائشہ ؓ کو جسمانی تکلیف پہنچائی۔ اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے کسی قسم کی اجازت نہیں لی گئی۔ بہر حال انسان اپنے اہل خانہ کو کسی غلطی کی وجہ سے تنبیہ کرسکتا ہے اور ضرورت پڑے تو ہلکی پھلکی مار بھی مار سکتا ہے، چنانچہ پہلے حضرت علی ؓ کا ارشاد گزر چکا ہے کہ انھوں نے فرمایا: اے لوگو! اپنے غلاموں اور لونڈیوں پر حد جاری کرو، خواہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔ رسول اللہ ﷺ کی ایک لونڈی نے زنا کیا تو آپ نے مجھے اس پر کوڑے لگانے کا حکم دیا۔[1] حافظ ابن حجر ؒ نے ابن بطال کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں اس امر کی نشاندہی کرتی ہیں کہ آدمی اپنے اہل خانہ وغیرہ کو حاکم کی موجودگی میں ہلکی پھلکی سزا دے سکتا ہے، اگرچہ اس نے اجازت نہ دے رکھی ہو بشرطیکہ وہ سزا کسی صحیح معاملے میں ہو۔[2]

(٤٠) بَابُ مَنْ رَأَى مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا فَقَتَلَهُ

باب: 40- جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ کوئی آدمی دیکھے اور اسے قتل کردے تو؟

وضاحت: امام بخاری ؒ نے ایسے شخص کے متعلق کوئی واضح حکم بیان نہیں کیا کیونکہ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک قاتل پر قصاص ہے۔ امام احمد اور اسحاق ؒ نے کہا کہ اگر قاتل نے گواہ پیش کردیے کہ اس نے بیوی کے ساتھ اجنبی شخص کو پایا تھا تو مقتول کا خون بے کار ہے۔ امام شافعی ؒ نے کہا: اس کا معاملہ اس کے حوالے ہے۔ اگر وہ آدمی شادی شدہ ہے اور خاوند جانتا ہے کہ اس نے بیوی کے ساتھ وہ کام کرلیا ہے جو غسل کو واجب کرتا ہے تو اسے قتل کردے اگرچہ عنداللہ گناہ گار نہیں

1 صحيح مسلم، الحدود، حديث: 4450 (1705). 2 فتح الباري: 215/12.

ہوگا لیکن شریعت کے ظاہری حکم کے مطابق اس پر قصاص ہو گا۔ بظاہر امام بخاری ؒ کا یہ رجحان معلوم ہوتا ہے کہ خاوند اگر غیرت میں آ کر زانی کو قتل کر دے تو عنداللہ مؤاخذہ نہیں ہوگا۔[1] واللہ أعلم.

٦٨٤٦ - حَدَّثَنَا مُوسٰى: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ عَنْ وَرَّادٍ عَنِ الْمُغِيرَةِ قَالَ: قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ: لَوْ رَأَيْتُ رَجُلًا مَعَ امْرَأَتِي لَضَرَبْتُهُ بِالسَّيْفِ غَيْرَ مُصْفَحٍ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: «أَتَعْجَبُونَ مِنْ غَيْرَةِ سَعْدٍ! لَأَنَا أَغْيَرُ مِنْهُ، وَاللّٰهُ أَغْيَرُ مِنِّي». [انظر: ٧٤١٦]

[6846] حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت سعد بن عبادہ ؓ نے فرمایا: اگر میں کسی شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ (مصروف) دیکھوں تو درگزر کیے بغیر اسے تلوار سے قتل کر دوں گا۔ نبی ﷺ کو ان کے یہ جذبات پہنچے تو آپ نے فرمایا: "کیا تم سعد کی غیرت سے تعجب کرتے ہو؟ میں اس سے بھی زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیور ہے۔"

فوائد ومسائل: ① علامہ عینی ؒ نے مہلب کے حوالے سے لکھا ہے کہ حدیث کا مدلول اس طور پر ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو دیکھے اور اسے قتل کر دے تو اس پر قصاص واجب ہے کیونکہ اگرچہ اللہ تعالیٰ بہت غیور ہے لیکن اس نے حدود میں شہادت کو ضروری قرار دیا ہے، لہٰذا کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود سے تجاوز کر کے اسے قتل کر دے۔ صرف دعویٰ کرنے سے خون معاف نہیں ہوگا۔[2] ② حافظ ابن حجر ؒ نے حضرت عمر ؓ کے متعلق لکھا ہے کہ ان کے دور حکومت میں ایک خاوند نے کسی اجنبی کو اپنی بیوی کے ہمراہ مصروف کار پایا تو اس نے دونوں کو قتل کر دیا۔ حضرت عمر ؓ نے وہاں کے گورنر کو خط لکھا کہ اسے قتل کر دیا جائے، نیز خفیہ طور پر ہدایت دی کہ اس کے اہل خانہ کو بیت المال سے دیت ادا کی جائے۔[3] احناف کے ہاں اس کی کچھ تفصیل ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی یا لونڈی کے ساتھ کسی دوسرے آدمی کو دیکھے کہ وہ اس پر غلبہ پا کر زنا کرتا ہے تو اسے قتل کر دے اور اگر دیکھے کہ اس کی بیوی یا لونڈی زانی سے موافقت کرتی ہے تو مرد وعورت دونوں کو قتل کر دے۔[4] ③ ہمارے رجحان کے مطابق اگر قاتل گواہوں سے یہ ثابت کر دے کہ اجنبی مرد اس کی بیوی سے بدکاری کر رہا تھا یا ایسی حالت میں مارے کہ دونوں اس فعل بد میں مصروف تھے تو ایسی حالت میں قصاص ساقط ہو جانا چاہیے۔ بہرحال معاملہ خاصا پیچیدہ اور الجھا ہوا ہے۔ واللہ أعلم.

(٤١) بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّعْرِيضِ

باب: 41- اشارے یا کنائے کے طور پر کوئی بات کہنا

وضاحت: اس کا مطلب یہ ہے کہ واضح اور دوٹوک الفاظ میں کسی پر تہمت زنا لگانے کے بجائے وہ اشاروں میں اسے متہم کرتا ہے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

---

① فتح الباري: 215/12. ② عمدة القاري: 122/16. ③ المصنف لعبد الرزاق، حديث: 17921، وفتح الباري: 215/12.
④ عمدة القاري: 122/16.

٦٨٤٧ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ : حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ جَاءَهُ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ امْرَأَتِي وَلَدَتْ غُلَامًا أَسْوَدَ، فَقَالَ: «هَلْ لَّكَ مِنْ إِبِلٍ؟»، قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «مَا أَلْوَانُهَا؟»، قَالَ: حُمْرٌ، قَالَ: «فِيهَا [مِنْ] أَوْرَقَ؟»، قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «فَأَنَّى كَانَ ذٰلِكَ؟»، قَالَ: أُرَاهُ عِرْقٌ نَّزَعَهُ، قَالَ: «فَلَعَلَّ ابْنَكَ هٰذَا نَزَعَهُ عِرْقٌ». [راجع: ٥٣٠٥]

[6847] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک دیہاتی آیا اور کہا: اللہ کے رسول! میری بیوی نے کالا بچہ جنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تیرے پاس اونٹ ہیں؟“ اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ”ان کے رنگ کیسے ہیں؟“ اس نے کہا: وہ سرخ ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”کیا ان میں کوئی سیاہ بھی ہے؟“ اس نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: ”وہ سیاہ کیسے ہوگیا؟“ اس نے کہا: میرے خیال کے مطابق کسی رگ نے یہ رنگ کھینچ لیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”شاید تیرے بیٹے کا رنگ بھی کسی رگ نے کھینچ لیا ہو۔“

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں تعریض اور اشارہ اس طرح ہے کہ بچے کا کالا پیدا ہونا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس کی ماں نے ایسے شخص سے زنا کیا ہے جس کا رنگ کالا تھا کیونکہ میں سفید رنگ کا ہوں۔ یہ امر واضح ہے کہ تعریض کے ساتھ قذف، صریح قذف کے حکم میں نہیں، لہٰذا ایسا شخص قاذف نہیں ہوگا اور نہ ایسے شخص کی گواہی ہی مردود ہوگی کیونکہ حد قذف واضح تصریح سے واجب ہوتی ہے، تعریض یا اشارے میں حد قذف کا سامنا نہیں کرنا پڑتا، البتہ ایسے شخص کے لیے بھی ڈانٹ ڈپٹ ضروری ہے۔ تعریض اور تصریح میں فرق یہ ہے کہ دوران عدت میں عورت سے نکاح کی تعریض ہوسکتی ہے لیکن تصریح نہیں ہونی چاہیے جیسا کہ قرآن کریم نے اس کی وضاحت کی ہے۔ ② واضح رہے کہ اس قسم کا سوال تین طرح سے کیا جاسکتا ہے: ○ جس خاوند کا رنگ سفید ہو اور اس کی بیوی سیاہ رنگ کا بچہ جنم دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ ○ میری بیوی نے سیاہ رنگ کا بچہ جنم دیا ہے جبکہ میں سفید رنگ کا ہوں، اس کا کیا حکم ہے؟ ○ میری بیوی نے زنا کیا ہے اور سیاہ رنگ کا بچہ جنم دیا ہے جبکہ میں سفید رنگ کا ہوں، اس کا کیا حکم ہے؟ پہلا سوال، محض سوال، دوسرا تعریض اور تیسرا تصریح قذف ہے۔ بہر حال اس قسم کی تعریض سے حد قذف نہیں لگتی۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان بھی یہی ہے بصورت دیگر رسول اللہ ﷺ اسے حد قذف لگاتے۔ واللہ أعلم.

(٤٢) بَابٌ: كَمِ التَّعْزِيرُ وَالْأَدَبُ؟

باب: 42- تعزیر اور تنبیہ کی مقدار کیا ہے؟

وضاحت: حد، تعزیر اور تہدید میں فرق یہ ہے کہ جو سزا شارع علیہ السلام کی طرف سے معین ہو اسے حد کہا جاتا ہے اور جو شارع علیہ السلام کی طرف سے معین نہ ہو بلکہ حاکم کی صوابدید پر موقوف ہو اسے تعزیر کہا جاتا ہے اور یہ دس کوڑوں سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔ تنبیہ اور تہدید زبانی اور عملی دونوں طرح سے ہوسکتی ہے اور تہدید، تعزیر سے عام ہے۔

٦٨٤٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا

[6848] حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں

اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ بُكَيْرِ ابْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُولُ: «لَا يُجْلَدُ فَوْقَ عَشْرِ جَلَدَاتٍ إِلَّا فِي حَدٍّ مِّنْ حُدُودِ اللهِ». [انظر: ٦٨٤٩، ٦٨٥٠]

نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''حدود اللہ میں کسی مقررہ حد کے علاوہ کسی اور سزا میں دس کوڑوں سے زیادہ تعزیر نہیں ہے۔''

٦٨٤٩ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا فُضَيْلُ ابْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ جَابِرٍ عَمَّنْ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «لَا عُقُوبَةَ فَوْقَ عَشْرِ ضَرَبَاتٍ إِلَّا فِي حَدٍّ مِّنْ حُدُودِ اللهِ». [راجع: ٦٨٤٨]

[6849] حضرت عبدالرحمٰن بن جابر سے روایت ہے، وہ اس صحابی سے بیان کرتے ہیں جنھوں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا: ''اللہ کی حدود میں سے کسی حد کے علاوہ مجرم کو دس کوڑوں سے زیادہ سزا نہ دی جائے۔''

٦٨٥٠ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي عَمْرٌو: أَنَّ بُكَيْرًا حَدَّثَهُ قَالَ: بَيْنَمَا أَنَا جَالِسٌ عِنْدَ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ إِذْ جَاءَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ جَابِرٍ فَحَدَّثَ سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا سُلَيْمَانُ بْنُ يَسَارٍ فَقَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ جَابِرٍ: أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا بُرْدَةَ الْأَنْصَارِيَّ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «لَا تَجْلِدُوا فَوْقَ عَشَرَةِ أَسْوَاطٍ إِلَّا فِي حَدٍّ مِّنْ حُدُودِ اللهِ». [راجع: ٦٨٤٨]

[6850] حضرت ابو بردہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''حدود اللہ میں سے کسی حد کے علاوہ مجرم کو دس کوڑوں سے زیادہ کوڑے مت لگاؤ۔''

فوائد ومسائل: ① ان احادیث کا تقاضا ہے کہ تعزیر کی زیادہ سے زیادہ مقدار دس کوڑے ہیں۔ کوڑا بھی اتنا سخت نہ ہو کہ پڑتے ہی جسم کا چمڑا ادھڑ جائے اور نہ اتنا نرم ہو کہ مجرم اسے سزا خیال نہ کرے۔ مارنے والے کو بھی میانہ روی اختیار کرنی چاہیے۔ مرد کو یہ سزا کھڑا کر کے اور عورت کو بٹھا کر دی جائے۔ مرد کا جسم ننگا ہو تو بھی ٹھیک ہے مگر عورت کا جسم ڈھانپا ہوا ہونا چاہیے، البتہ بدن پر اتنا موٹا کپڑا نہ ہو جو سزا کا اثر کم یا بالکل ہی ختم کر دے۔ ② بعض ائمہ کرام کے نزدیک دس کوڑوں سے زیادہ بھی تعزیر لگائی جا سکتی ہے لیکن راجح بات یہ ہے کہ حدیث کے مطابق دس کوڑوں سے زیادہ تعزیر نہیں ہے۔ ③ ان احادیث سے

تعزیر کا وجوب نہیں بلکہ جواز ثابت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بعض معاملات کی اطلاع دی گئی جو قابل سزا تھے لیکن آپ نے انھیں کچھ نہ کہا، مثلاً: ایک شخص نے ماہ رمضان میں بحالتِ روزہ بیوی سے جماع کر لیا تو آپ نے کفارے کے علاوہ اسے کوئی دوسری بدنی سزا نہ دی، نیز ایک شخص نے ایک عورت سے جماع کے علاوہ سب کچھ کیا لیکن آپ نے اسے صرف توبہ و استغفار کی تلقین کی، اس کے علاوہ اسے کوئی سزا نہ دی۔ ④ تعزیر کئی طرح سے ہو سکتی ہے، مثلاً: قید کرنا، جلاوطن کرنا اور سلام و کلام چھوڑ دینا وغیرہ، ان تمام قسموں کو رسول اللہ ﷺ عمل میں لائے۔

٦٨٥١ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الْوِصَالِ، فَقَالَ لَهُ رِجَالٌ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ: فَإِنَّكَ يَا رَسُولَ اللهِ تُوَاصِلُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَيُّكُمْ مِثْلِي؟ إِنِّي أَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِ»، فَلَمَّا أَبَوْا أَنْ يَنْتَهُوا عَنِ الْوِصَالِ وَاصَلَ بِهِمْ يَوْمًا ثُمَّ يَوْمًا ثُمَّ رَأَوُا الْهِلَالَ، فَقَالَ: «لَوْ تَأَخَّرَ لَزِدْتُكُمْ»، كَالْمُنَكِّلِ بِهِمْ حِينَ أَبَوْا.

[6851] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے وصال کے روزے رکھنے سے منع فرمایا تو ایک مسلمان صحابی نے کہا: اللہ کے رسول! آپ تو وصال کے روزے رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کون میرے جیسا ہے؟ میں رات بسر کرتا ہوں تو میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔'' جب لوگ وصال کے روزوں سے باز نہ آئے تو آپ ﷺ نے ایک دن وصال کا روزہ رکھا، دوسرے دن پھر وصال کا روزہ رکھا، پھر لوگوں نے چاند دیکھ لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر چاند دکھائی نہ دیتا تو میں مزید وصال کے روزے رکھتا۔'' یہ آپ نے بطور تنبیہ فرمایا کیونکہ لوگ وصال کے روزے رکھنے پر مصر تھے۔

تَابَعَهُ شُعَيْبٌ، وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، وَيُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خَالِدٍ: عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. [راجع: ١٩٦٥]

شعیب، یحییٰ بن سعد اور یونس نے زہری سے روایت کرنے میں عقیل کی متابعت کی ہے، نیز عبدالرحمٰن بن خالد نے ابن شہاب سے، انھوں نے سعید سے، انھوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انھوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا۔

فائدہ: وصال کے معنی ہیں: دو روزوں کو اس طرح ملانا کہ ان کے درمیان کچھ کھایا پیا نہ جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے تنبیہ کے طور پر لوگوں کے ساتھ مذکورہ برتاؤ کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بھوکا رکھنے سے بھی تنبیہ ہو سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کئی طرح سے تنبیہ فرمایا کرتے تھے جیسا کہ آپ نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''بے شک تم ایسے آدمی ہو جس میں ابھی تک جاہلیت کی خصلت موجود ہے۔''[1] مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرنے والے کے متعلق فرمایا: ''اللہ تجھے واپس نہ کرے۔''[2] مسجد میں

1 صحيح البخاري، الإيمان، حديث: 30. 2 صحيح مسلم، المساجد، حديث: 1260 (568).

تجارت کرنے والے کے متعلق حکم ہے کہ اسے کہا جائے: ''اللہ تعالیٰ تیری تجارت کو نفع مند نہ کرے۔''[1] لیکن تنبیہ کے لیے طعن و تشنیع، گالی گلوچ اور فحش کلامی جائز نہیں۔

٦٨٥٢ - حَدَّثَنِي عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُمْ كَانُوا يُضْرَبُونَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِذَا اشْتَرَوْا طَعَامًا جِزَافًا أَنْ يَبِيعُوهُ فِي مَكَانِهِمْ حَتَّى يُؤْوُوهُ إِلَى رِحَالِهِمْ. [راجع: ٢١٢٣]

[6852] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ان لوگوں کو پیٹا جاتا تھا جو غلہ اندازے سے خریدتے اور دوسری جگہ منتقل کیے بغیر وہیں فروخت کر دیتے تھے۔ ہاں، اگر وہ غلہ اٹھا کر اپنے ٹھکانے پر لے جاتے، پھر فروخت کرتے تو کچھ سزا نہ ہوتی۔

فوائد ومسائل: ① تجارت کا یہ اصول ہے کہ غلہ وغیرہ جب خریدا جائے تو اس پر قبضہ کیا جائے۔ قبضہ کرنے کے بعد اسے آگے فروخت کرنے کی اجازت ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں مشتری خرید کردہ چیز پر قبضہ کیے بغیر آگے فروخت کر دیتا تھا، اس پر انھیں مار پڑتی تھی۔ یہ مار بطور تنبیہ اور تعزیر تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ تنبیہ کے طور پر بدنی سزا بھی دی جا سکتی ہے، بشرطیکہ چہرے پر نہ مارا جائے اور مار سے نشان وغیرہ نہ پڑیں۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: جو انسان بھی شریعت کی مخالفت کرتے ہوئے غلط کاروبار کرتا ہے اسے بدنی سزا دی جا سکتی ہے، نیز بازار میں ایک محتسب کا ہونا ضروری ہے جو ایسے لوگوں پر نظر رکھے، پھر جو لوگ منع کرنے کے باوجود اس سے باز نہ آئیں انھیں سزا دی جائے۔[2]

٦٨٥٣ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَا انْتَقَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِنَفْسِهِ فِي شَيْءٍ يُؤْتَى إِلَيْهِ حَتَّى يُنْتَهَكَ مِنْ حُرُمَاتِ اللهِ فَيَنْتَقِمَ لِلهِ. [راجع: ٣٥٦٠]

[6853] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے اپنے ذاتی معاملے میں کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا۔ ہاں، جب اللہ کی قائم کردہ حدود کو پامال کیا جاتا تو پھر آپ اللہ کے لیے بدلہ لیتے تھے۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ گناہ کے ارتکاب پر مارتے تھے، اپنے ذاتی معاملات میں آپ نے کسی سے کوئی انتقام نہیں لیا بلکہ درگزر اور معافی سے کام لیا ہے، البتہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی حدیں توڑتا آپ اسے ضرور سزا دیتے تھے جیسا کہ غزوۂ تبوک میں جان بوجھ کر پیچھے رہنے والے تین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے سوشل بائیکاٹ کیا تھا، اسی طرح آپ ﷺ نے ایک آدمی کو تہمت کے معاملے میں قید کیا۔[3] ② بہرحال تعزیر و تنبیہ کا معاملہ وقت، حالات اور افراد کے پیش نظر کم اور زیادہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے متعلق کوئی پیمانہ مقرر نہیں ہے۔ والله أعلم.

① جامع الترمذي، البيوع، حديث: 1321. ② فتح الباري: 12/222. ③ سنن أبي داود، القضاء، حديث: 3630.

(٤٣) بَابُ مَنْ أَظْهَرَ الْفَاحِشَةَ وَاللَّطْخَ وَالتُّهْمَةَ بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ

باب:43- گواہوں کے بغیر اگر کسی شخص کی بے حیائی، بے شرمی اور بے غیرتی نمایاں ہو

وضاحت: قاعدہ یہ ہے کہ شک وشبہ کا فائدہ مجرم کو پہنچتا ہے۔ جب تک کسی جرم کا باضابطہ ثبوت نہ ہو کسی مجرم کو سزا نہیں دی جاسکتی۔ امام بخاری رحمہ اللہ یہ مسئلہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ثبوت کے بغیر کسی مجرم کو سزا دینا مناسب نہیں اگرچہ اس کا جرم کتنا ہی نمایاں کیوں نہ ہو۔

٦٨٥٤ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: قَالَ الزُّهْرِيُّ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: شَهِدْتُ الْمُتَلَاعِنَيْنِ وَأَنَا ابْنُ خَمْسَ عَشْرَةَ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا، فَقَالَ زَوْجُهَا: كَذَبْتُ عَلَيْهَا إِنْ أَمْسَكْتُهَا، قَالَ: فَحَفِظْتُ ذَاكَ مِنَ الزُّهْرِيِّ: إِنْ جَاءَتْ بِهِ كَذَا وَكَذَا فَهُوَ، وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ كَذَا وَكَذَا كَأَنَّهُ وَحَرَةٌ، فَهُوَ. وَسَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ يَقُولُ: جَاءَتْ بِهِ لِلَّذِي يُكْرَهُ. [راجع: ٤٢٣]

[6854] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں نے دولعان کرنے والوں کو دیکھا تھا۔ اس وقت میری عمر پندرہ سال تھی۔ آپ ﷺ نے دونوں کے درمیان جدائی کرادی تھی۔ شوہر نے کہا تھا: اگر اب بھی میں اپنی بیوی کو اپنے ساتھ رکھوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں جھوٹا ہوں۔ سفیان بیان کرتے ہیں کہ میں نے زہری سے یہ روایت بایں الفاظ محفوظ رکھی: اگر اس عورت کے ہاں ایسا ایسا بچہ پیدا ہوا تو شوہر سچا ہے اور اگر اس کے ہاں ایسا ایسا بچہ پیدا ہوا جیسے چھپکلی ہوتی ہے تو شوہر جھوٹا ہے۔ میں نے زہری سے سنا، وہ کہتے تھے کہ اس عورت نے مکروہ حال والے بچے کو جنم دیا تھا۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ اگر اس عورت نے سیاہ فام، سیاہ آنکھوں والا اور موٹے سرین والا بچہ جنم دیا تو اس کا خاوند تہمت لگانے میں سچا ہے اور بیوی کا انکار جھوٹا ہے۔ اور اگر اس نے سرخ رنگ والا، کوتاہ قد (چھوٹے قد والا) گویا وہ چھپکلی کی طرح ہے، ایسا بچہ جنم دیا تو خاوند تہمت لگانے میں جھوٹا ہے، چنانچہ اس عورت نے مکروہ حال والے بچے (ولد الزنا) کو جنم دیا۔[1] یعنی اس عورت نے اس مرد جیسا بچہ جنم دیا جس سے تہمت لگائی گئی تھی۔ اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کو رجم نہیں کیا کیونکہ اس کا کوئی باضابطہ ثبوت نہ تھا، محض قرائن پائے جاتے تھے جن کی وجہ سے کسی کو سزا نہیں دی جاسکتی۔

٦٨٥٥ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا

[6855] حضرت قاسم بن محمد سے روایت ہے، انھوں

---

[1] صحیح البخاري، الطلاق، حدیث: 5309.

سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ قَالَ: ذَكَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْمُتَلَاعِنَيْنِ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ شَدَّادٍ: هِيَ الَّتِي قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَوْ كُنْتُ رَاجِمًا امْرَأَةً عَنْ غَيْرِ بَيِّنَةٍ»؟ قَالَ: لَا، تِلْكَ امْرَأَةٌ أَعْلَنَتْ. [راجع: ٥٣١٠]

نے کہا: حضرت ابن عباس ؓ نے دو لعان کرنے والوں کا ذکر کیا تو حضرت عبداللہ بن شداد ؓ نے پوچھا: کیا یہ وہی عورت تھی جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ”اگر میں کسی عورت کو بلا ثبوت سنگسار کرتا تو اسے ضرور کرتا؟“ حضرت ابن عباس ؓ نے کہا: نہیں، یہ بات آپ نے اس عورت کے متعلق کہی تھی جس کا بدکاری کے متعلق عام چرچا تھا۔

٦٨٥٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: ذُكِرَ الْمُتَلَاعِنَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ عَاصِمُ بْنُ عَدِيٍّ فِي ذٰلِكَ قَوْلًا، ثُمَّ انْصَرَفَ، فَأَتَاهُ رَجُلٌ مِّنْ قَوْمِهِ يَشْكُو أَنَّهُ وَجَدَ مَعَ أَهْلِهِ رَجُلًا، فَقَالَ عَاصِمٌ: مَا ابْتُلِيتُ بِهٰذَا إِلَّا لِقَوْلِي، فَذَهَبَ بِهِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَخْبَرَهُ بِالَّذِي وَجَدَ عَلَيْهِ امْرَأَتَهُ، وَكَانَ ذٰلِكَ الرَّجُلُ مُصْفَرًّا، قَلِيلَ اللَّحْمِ، سَبِطَ الشَّعَرِ، وَكَانَ الَّذِي ادَّعٰى عَلَيْهِ أَنَّهُ وَجَدَهُ عِنْدَ أَهْلِهِ آدَمَ خَدْلًا، كَثِيرَ اللَّحْمِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَللّٰهُمَّ بَيِّنْ»، فَوَضَعَتْ شَبِيهًا بِالرَّجُلِ الَّذِي ذَكَرَ زَوْجُهَا أَنَّهُ وَجَدَهُ عِنْدَهَا، فَلَاعَنَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَهُمَا.

[6856] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ کے پاس لعان کا ذکر ہوا تو اس کے متعلق حضرت عاصم بن عدی ؓ نے کوئی بات کہی۔ پھر وہ چلے گئے۔ اس کے بعد اس کی قوم میں سے ایک آدمی شکایت لے کر ان کے پاس آیا کہ اس نے اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو دیکھا ہے۔ حضرت عاصم ؓ نے کہا: میں خود اپنی اس بات کی وجہ سے آزمائش میں ڈالا گیا ہوں۔ پھر وہ اس شخص کو لے کر نبی ﷺ کی مجلس میں آئے اور آپ کو اس حالت کی اطلاع دی جس پر اس نے اپنی بیوی کو پایا تھا۔ وہ آدمی زرد رنگ، کم گوشت اور سیدھے بالوں والا تھا اور جس کے خلاف دعویٰ کیا تھا کہ اس نے اسے اپنی بیوی کے پاس پایا ہے، وہ گندمی رنگ، موٹا تازہ اور پرگوشت آدمی تھا۔ نبی ﷺ نے دعا مانگی: ”اے اللہ! اس معاملے کو ظاہر کر دے۔“ چنانچہ اس عورت کے ہاں اس شخص کا ہم شکل بچہ پیدا ہوا جس کے متعلق شوہر نے کہا تھا کہ اسے اس نے اپنی بیوی کے ساتھ دیکھا ہے۔ پھر نبی ﷺ نے دونوں کے درمیان لعان کرایا۔

فَقَالَ رَجُلٌ لِّابْنِ عَبَّاسٍ فِي الْمَجْلِسِ: هِيَ الَّتِي قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَوْ رَجَمْتُ أَحَدًا بِغَيْرِ

اس مجلس میں حضرت ابن عباس ؓ سے ایک شخص نے پوچھا: کیا یہ وہی عورت تھی جس کے متعلق نبی ﷺ نے فرمایا

بَيِّنَةٍ رَّجَمْتُ هٰذِهِ؟»، فَقَالَ: لَا، تِلْكَ امْرَأَةٌ كَانَتْ تُظْهِرُ فِي الْإِسْلَامِ السُّوءَ. [راجع: ٥٣١٠]

تھا: ”اگر میں کسی عورت کو بلا ثبوت سنگسار کرتا تو اسے سنگسار کرتا؟“ انھوں نے فرمایا: نہیں، یہ تو وہ عورت تھی جو اسلام لانے کے بعد علانیہ طور پر فسق و فجور کرتی تھی۔

فائدہ: امام بخاری ؒ نے مذکورہ احادیث میں دو واقعات سے ثابت کیا ہے کہ محض آثار وقرائن سے کسی کو سزا نہیں دی جاسکتی کیونکہ حد جاری کرنے کے لیے اقرار یا دوٹوک ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے، چنانچہ پہلی حدیث میں ایک عورت کا ذکر ہے جس کے اسلام لانے کے بعد بھی اس کی بدکرداری کا چرچہ زبان زد خاص وعام تھا لیکن اس کے شواہد موجود نہیں تھے اور نہ اس کا اقرار ہی سامنے آیا، اس لیے نبی ﷺ نے اس پر حد جاری نہیں کی۔ اسی طرح وہ عورت جس کے متعلق اس کے خاوند نے شکوک و شبہات کا اظہار کیا، پھر بچے کی پیدائش کے بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ خاوند اپنے دعوے میں سچا تھا لیکن اس پر کوئی گواہ نہیں تھے اور نہ عورت نے اقرار ہی کیا، اس لیے اس پر بھی حد جاری نہ کی گئی۔ واللہ أعلم.

(٤٤) بَابُ رَمْيِ الْمُحْصَنَاتِ

باب: 44- پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا

وَقَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ﴾ الْآيَةَ. [النور: ٤]، ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا﴾ [٢٣]، وَقَوْلِ اللهِ: ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاءُ﴾ الْآيَةَ. [٦]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ پیش نہ کرسکیں تو انھیں (اسی کوڑے) لگاؤ......“ نیز فرمایا: ”جو لوگ پاک دامن اور بھولی بھالی مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر (دنیا میں بھی لعنت اور آخرت میں بھی) لعنت ہے۔“ نیز فرمایا: ”اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور ان کے پاس گواہ بھی کوئی نہ ہو......“

وضاحت: ان آیات میں اہل ایمان خواتین پر تہمت لگانے کی سنگینی بیان ہوئی ہے۔ پہلی آیت میں دو حکم اور ایک خبر ہے، یعنی انھیں اسّی کوڑے لگاؤ اور آئندہ کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو اور خبر یہ ہے کہ ایسے لوگ بدکردار ہیں۔ تہمت لگانے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس پر چار گواہ پیش کرے۔ ظاہر ہے کہ ایسی چار شہادتیں میسر آنا نہایت مشکل ہے، لہٰذا شہادتوں کے سخت نصاب اور پھر سخت سزا سے اصل مقصود یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی میں برائی دیکھ بھی لے تو پردہ پوشی سے کام لے اور اس کی تشہیر نہ کرے کیونکہ ایسی باتیں پھیلانا معاشرے کے حق میں بلکہ خود اس کے حق میں انتہائی خطرناک ثابت ہوسکتی ہیں۔ دوسری آیت میں بھی اس جرم کی قباحت بیان کی گئی ہے کہ سیدھی سادی، بھولی بھالی اور پاک فطرت عورتوں کو برائی سے متہم کرنا اتنا بڑا جرم ہے کہ ایسے لوگوں پر دنیا میں بھی لعنت برستی رہے گی اور آخرت میں بھی وہ لعنت کے حق دار ہوں گے۔ وہ ہر دم ذلیل و

خوار ہوں گے اور قیامت کے دن انھیں سخت ترین عذاب دیا جائے گا۔ تیسری آیت میں خاوند کا اپنی بیوی پر تہمت لگانے کا بیان ہے۔ چونکہ اس کے پاس کوئی گواہ نہیں ہوتا، اس لیے لعان کے ذریعے سے اس کا حل پیش کیا گیا ہے۔ لعان کے متعلق تفصیل ہم کتاب النکاح میں بیان کر آئے ہیں۔ بہر حال اگر کوئی شخص خود اپنی بیوی کو بدکاری میں مبتلا دیکھے تو کیا کرے؟ گواہ ڈھونڈنے جائے تو گواہوں کے آنے تک معاملہ ختم ہو چکا ہوگا۔ اگر گواہوں کے بغیر بات کرے تو اس پر حد قذف پڑتی ہے۔ اگر خاموش رہے تو ایسا کرنا دوسروں کے لیے تو ہو سکتا ہے مگر اپنی بیوی کے متعلق یہ کڑوی گولی کس طرح نگل جائے؟ اگر طیش میں آ کر بیوی کو قتل کر دے تو خود قصاص میں مارا جائے گا اور اگر طلاق دے دے تو اس میں نہ صرف اپنا نقصان ہے بلکہ زانی اور زانیہ کے لیے خوشی کا باعث ہوگی۔ اگر کڑوا گھونٹ پی کر صبر کرے تو ایک ناجائز بچے کی پیدائش اور اس کی کفالت کا بوجھ اس کے گلے پڑتا ہے جو بعد میں اس کا وارث بھی ہوگا۔ ان تمام پیچیدگیوں کا حل لعان ہے۔

٦٨٥٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَبِي الْغَيْثِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ»، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: «الشِّرْكُ بِاللهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ، وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ». [راجع: ٢٧٦٦]

[6857] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”سات مہلک گناہوں سے اجتناب کرو۔“ صحابۂ کرام نے پوچھا: اللہ کے رسول! وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، ناحق کسی کی جان لینا جسے اللہ نے حرام کیا ہے، سود کھانا، یتیم کا مال ہڑپ کرنا، جنگ کے دن پیٹھ پھیرنا اور پاک دامن بھولی بھالی مومن عورتوں پر تہمت لگانا۔“

فوائد ومسائل: ① حدیث میں مُحْصَنَات کا لفظ آیا ہے جس کے معنی پاکباز اور بے قصور خواتین ہیں، خواہ وہ کنواری ہوں یا شادی شدہ، حتی کہ بعض اہل علم نے پاکباز لونڈی پر تہمت لگانا بھی اس میں شامل کیا ہے۔ یہ حکم صرف مردوں کے لیے نہیں بلکہ عورتوں کے لیے بھی ہے کہ وہ پاکباز مردوں پر تہمت نہ لگائیں۔ ② اس لفظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو مرد یا عورت پہلے ہی سے بدنام مشہور ہو چکے ہوں یا پہلے ہی سزا یافتہ ہوں ان پر الزام لگانے سے حد قذف نہیں پڑے گی، تاہم ایسے کاموں سے بچنا ہی بہتر ہے۔ کبیرہ گناہوں سے آگاہی کے لیے ہماری تالیف ”معاشرہ میں کبیرہ گناہ“ کا مطالعہ مفید رہے گا۔

(٤٥) بَابُ قَذْفِ الْعَبِيدِ

باب:45- غلاموں پر تہمت لگانا

وضاحت: یہ اضافت فاعل اور مفعول دونوں کی طرف ہو سکتی ہے۔ اگر فاعل کی طرف ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ غلام کا

کسی پر ناحق تہمت لگانا۔ ایسی صورت میں اس پر نصف حد جاری ہوگی، یعنی چالیس کوڑے لگائے جائیں گے۔ اس میں غلام اور لونڈی دونوں برابر ہیں۔ اگر اضافت مفعول کی طرف ہے تو اس کے معنی غلاموں پر تہمت لگانا ہیں۔ ہم نے ترجمے میں اسی کو اختیار کیا ہے اور ذکر کردہ حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

٦٨٥٨ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ فُضَيْلِ بْنِ غَزْوَانَ، عَنِ ابْنِ أَبِي نُعْمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الْقَاسِمِ ﷺ يَقُولُ: «مَنْ قَذَفَ مَمْلُوكَهُ وَهُوَ بَرِيءٌ مِمَّا قَالَ جُلِدَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ كَمَا قَالَ».

[6858] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت ابو القاسم ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: ''جس نے اپنے غلام پر تہمت لگائی جبکہ وہ اس تہمت سے بری ہو تو اسے قیامت کے دن کوڑے مارے جائیں گے۔ ہاں، اگر غلام ایسا ہو جیسا اس نے کہا تو سزا نہیں ہوگی۔''

فوائد و مسائل: ① حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مہلب کے حوالے سے لکھا ہے: جمہور اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ آزاد آدمی جب غلام پر تہمت لگائے تو اس پر حد جاری نہیں ہوگی کیونکہ حدیث میں ہے کہ تہمت لگانے والے کو قیامت کے دن سزا دی جائے گی اور کوڑے مارے جائیں گے۔ اگر دنیا میں اس پر حد لاگو ہوتی تو حدیث میں اس کا ضرور ذکر کیا جاتا جیسا کہ آخرت کی سزا کا ذکر ہے۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں اجماع کا دعویٰ محل نظر ہے کیونکہ حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ام ولد پر تہمت لگانے پر حد جاری کرنے کے قائل ہیں۔[1]

(٤٦) بَابٌ: هَلْ يَأْمُرُ الْإِمَامُ رَجُلًا فَيَضْرِبُ الْحَدَّ غَائِبًا عَنْهُ؟

باب: 46- کیا حاکم وقت کسی دوسرے کو حکم دے سکتا ہے کہ وہ حاکم سے غائب شخص کو حد لگائے؟

وَقَدْ فَعَلَهُ عُمَرُ.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا تھا۔

وضاحت: حاکم وقت سے غائب مجرم کو کسی دوسرے کے ذریعے سے حد لگائی جا سکتی ہے، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عامل کی طرف لکھا تھا کہ اگر مجرم دوبارہ اس جرم کا ارتکاب کرے تو اسے حد لگانا۔[2]

٦٨٥٩، ٦٨٦٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ

[6860,6859] حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: میں آپ کو اللہ کی قسم

① فتح الباري: 229/12. ② فتح الباري: 229/12.

الْجُهَنِيِّ قَالَا : جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ : أَنْشُدُكَ اللهَ إِلَّا قَضَيْتَ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ، فَقَامَ خَصْمُهُ وَكَانَ أَفْقَهَ مِنْهُ، فَقَالَ: صَدَقَ، اقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ، وَائْذَنْ لِي يَا رَسُولَ اللهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «قُلْ»، فَقَالَ: إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا فِي أَهْلِ هٰذَا، فَزَنٰى بِامْرَأَتِهِ فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَّخَادِمٍ، وَإِنِّي سَأَلْتُ رِجَالًا مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فَأَخْبَرُونِي أَنَّ عَلَى ابْنِي جَلْدَ مِائَةٍ وَّتَغْرِيبَ عَامٍ، وَّأَنَّ عَلَى امْرَأَةِ هٰذَا الرَّجْمَ، فَقَالَ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ: اَلْمِائَةُ وَالْخَادِمُ رَدٌّ عَلَيْكَ، وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَّتَغْرِيبُ عَامٍ، وَيَا أُنَيْسُ! اُغْدُ عَلَى امْرَأَةِ هٰذَا فَسَلْهَا، فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا، فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا». [راجع: ٢٣١٤، ٢٣١٥]

دے کر سوال کرتا ہوں کہ آپ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کریں، اس کا مدمقابل کھڑا ہوا اور وہ اس سے زیادہ سمجھدار تھا۔ اس نے کہا: ہاں یہ سچ کہتا ہے۔ بلاشبہ آپ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق ہی فیصلہ کریں، تاہم اللہ کے رسول! مجھے بات کرنے کی اجازت دیں۔ آپ نے فرمایا: ''کہو۔'' اس نے کہا: میرا بیٹا اس کے گھر خدمت گار تھا، اس نے اس کی بیوی سے زنا کرلیا۔ میں نے اس کے عوض ایک سو بکریاں اور خادم بطور فدیہ ادا کیا۔ میں نے اہل علم سے رابطہ کیا تو انھوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال جلا وطنی واجب ہے اور اس شخص کی بیوی پر حد رجم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تمھارے درمیان اللہ کی کتاب کے موافق ہی فیصلہ کرتا ہوں: سو بکریاں اور خادم تجھے واپس کردیا جائے اور تیرے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی ہے۔ اے انیس! صبح تم اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ اور اس سے باز پرس کرو، اگر وہ اقبال جرم کرے تو اسے سنگسار کردو۔'' چنانچہ اس عورت نے اعتراف کرلیا تو انھوں نے اسے رجم کردیا۔

فائدہ: اس طرح کا ایک عنوان (34) پہلے بھی گزر چکا ہے۔ ابن بطال نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس تکرار کی ضرورت نہیں لیکن ان میں کچھ فرق ہے۔ پہلے عنوان کا تقاضا ہے کہ حاکم وقت جسے سنگسار کا حکم دے، یعنی مامور اس سے غائب ہو اور دوسرے عنوان کا مطلب ہے کہ جسے سنگسار کرنا ہے وہ حاکم وقت سے غائب دور ہو۔ اگرچہ دونوں کا نتیجہ ایک ہے، تاہم کچھ فرق ضرور ہے۔[1]

[1] فتح الباري: 198/12.

دیت کا لغوی و اصطلاحی مفہوم اور وجوب کے اسباب

لفظ دِیَات، دِیَۃ کی جمع ہے۔ اس سے مراد ''خون بہا'' ہے۔ لغوی اعتبار سے یہ مصدر ہے جس کے معنی خون بہا دینا آتے ہیں۔ شرعی اعتبار سے ایسا مال جو کسی جرم کی وجہ سے انسان پر واجب ہو ''دیت'' کہلاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں صرف قصاص فرض تھا، ان کے ہاں دیت نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے فرمایا: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى﴾ ''مقتولین کے بارے میں تم پر قصاص فرض کر دیا گیا ہے۔''[1] نیز فرمایا: ﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ﴾ ''جس کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کوئی چیز معاف کر دی جائے۔''[2] اس مقام پر عفو سے مراد قتل عمد میں دیت قبول کرنا ہے۔[3] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کسی کا کوئی آدمی مارا جائے تو اسے دو اختیار ہیں: یا تو وہ دیت وصول کرے یا قاتل کو مقتول کے بدلے میں قتل کر دیا جائے۔'' یعنی قصاص اور دیت واجب ہے لیکن ان دونوں میں اختیار ہے۔[4] دیت کے وجوب میں بنیادی شرط یہ ہے کہ قتل ناحق ہو، یعنی مقتول کو کسی شرعی وجہ سے قتل نہ کیا گیا ہو بلکہ بلاوجہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہو۔ حربی کافر، حد یا قصاص کی بنا پر قتل کرنے سے دیت ساقط ہو جاتی ہے۔ وجوب دیت کے چند اسباب ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ اس سے مراد کسی کو جان سے مارنا ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں: ○ قتل عمد: غیر مستحقِ قتل کو مار دینے کی نیت سے ایسے آلے کے ذریعے سے مارنا جس سے عام طور پر آدمی مر جاتا ہو، مثلاً: بندوق، تلوار یا تیر وغیرہ سے قتل کرنا۔ ○ قتل شبہ عمد: کسی آدمی کو ایسی چیز سے مارنا جس سے عموماً انسان مرتا نہیں، مثلاً: چھڑی یا کنکری سے کسی کو مار دیا جائے۔ اس میں قصاص نہیں بلکہ دیت ہے۔ ○ قتل خطا: کسی کو غلطی سے مارنا۔ اس کی کئی صورتیں ہیں، مثلاً: ○ گولی تو شکار کی طرف چلائے لیکن کسی انسان کو لگ جائے اور وہ اس سے مر جائے۔ ○ کسی نے اپنی ضرورت کے لیے کنواں کھودا لیکن کوئی اس میں گر کر مر جائے۔ ○ کسی ہنگامے میں کسی مسلمان کو کافر سمجھ کر مارے جیسا کہ غزوۂ احد میں حضرت یمان رضی اللہ عنہ قتل ہوئے تھے۔ ○ ٹریفک کے حادثے میں کسی گاڑی کے نیچے آ کر یا اس کی ضرب سے مر جائے۔ قتل خطا میں قرآن کریم کی تصریح کے مطابق دیت اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔ کسی کو جان سے مار دینا، اس میں دیت کی مقدار سو اونٹ یا

---

[1] البقرة 2:178. [2] البقرة 2:178. [3] صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4498. [4] صحيح البخاري، اللقطة، حديث: 2434.

ان کی قیمت کے برابر رقم ہے جو قاتل کے وارث مقتول کے ورثاء کو ادا کریں گے، چنانچہ حدیث میں ہے: ''کسی بھی جان کے قتل میں سو اونٹ دیت ہے۔''[1] ایک روایت میں ہے کہ جن کے پاس سونا ہے ان پر ایک ہزار دینار دیت ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیت یوں مقرر کی تھی: جن کے پاس سونا ہے ان پر ایک ہزار دینار، جن کے پاس چاندی ہے ان پر بارہ ہزار درہم اور جن کے پاس حُلّے (ریشمی لباس) ہیں ان پر دو سو حلوں کی ادائیگی ہے۔[2] بہر حال دیت میں اصل اونٹ ہیں، ان کے علاوہ جو کچھ بھی دیا جائے وہ اونٹوں کی قیمت کے مطابق دیا جائے۔ دیت کا دوسرا سبب قتل کے علاوہ کسی پر زیادتی کرنا ہے، اس کی تین قسمیں ہیں: ○ اعضاء کو ضائع کرنا، یعنی کسی کو ہاتھ پاؤں یا کسی اور عضو سے محروم کر دیا۔ ○ اعضاء کی کارکردگی سے محروم کرنا، یعنی کسی کو قوت گویائی، قوت سماعت یا قوت سوچ و بچار سے محروم کرنا۔ ○ کسی کو زخمی کرنا، یعنی سر، چہرے یا جسم کے کسی دوسرے حصے کو زخمی کرنا۔

ان کے متعلق دیت کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔ بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان کے تحت قتل، قصاص اور دیت کے چیدہ چیدہ مسائل بیان کیے ہیں جن کی ہم آئندہ وضاحت کریں گے۔ اس عنوان کے تحت چوَّن (54) کے قریب مرفوع احادیث بیان کی گئی ہیں جن میں سات (7) معلق اور باقی موصول ہیں۔ ان میں چالیس (40) مکرر اور (14) چودہ خالص ہیں۔ چند احادیث کے علاوہ باقی احادیث امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی بیان کی ہیں۔ مرفوع احادیث کے علاوہ صحابۂ کرام اور تابعین عظام سے اٹھائیس (28) آثار بھی مروی ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث و آثار پر بتیس (32) چھوٹے چھوٹے عنوان قائم کر کے متعدد مسائل و احکام اخذ کیے ہیں۔ بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ نے اس عنوان میں دیگر مسائل کے علاوہ قتل ناحق کی سنگینی کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس قسم کے قتل میں ابدی طور پر جہنم میں رہنے کی وعید ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ وہ ہماری بیان کردہ معروضات کو سامنے رکھتے ہوئے ان احادیث کا مطالعہ کریں تاکہ امام بخاری رحمہ اللہ کی قوت اجتہاد کا ادراک ہو۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قیامت کے دن محدثین کرام رحمہم اللہ کے پاکیزہ گروہ میں سے اٹھائے۔ آمین۔

① سنن الدارمي : 188/2. ② سنن أبي داود، الديات، حديث : 4542.

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

87- كِتَابُ الدِّيَاتِ

دیتوں سے متعلق احکام و مسائل

(۱) وَ[بَابُ] قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُۥ جَهَنَّمُ﴾ [النساء: ٩٣]

باب: 1- ارشاد باری تعالیٰ: ”جو کسی مومن کو عمداً قتل کرے اس کی سزا جہنم ہے“ کا بیان

وضاحت: پوری آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے: ”اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ (مدت دراز تک) رہے گا، اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“[1] کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنا انتہائی شدید جرم ہے جس کا اس عالم رنگ و بو میں کفارہ ممکن ہی نہیں۔ قتلِ ناحق کسی غیر مسلم کا ہو تو وہ بھی شدید جرم ہے، پھر اگر وہ قتل مومن کا ہو تو مزید شدید جرم بن جاتا ہے، نیز جرم بیان کرنے کے بعد اللہ کا غضب اور اس کی لعنت کے الفاظ سے اس جرم کی شدت واضح ہو جاتی ہے۔ رہا یہ سوال کہ ایسے مجرم کی توبہ قبول ہے یا نہیں؟ اگرچہ اس میں علماء کا اختلاف ہے، تاہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس بات کے قائل ہیں کہ ایسے مجرم کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ آیت محکم ہے اور اس کا حکم باقی ہے۔ دیگر اہل علم کا موقف ہے کہ ایسا قاتل اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہوگا، اگر چاہے تو اسے معاف کر دے اور اگر چاہے تو اسے عذاب دے، نیز خلود سے مراد مدت دراز ہے، ہمیشہ رہنا نہیں کیونکہ ہمیشہ تو دوزخ میں وہی رہے گا جو بحالتِ کفر و شرک مرے گا۔ واللہ أعلم.

٦٨٦١ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُرَحْبِيلَ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: قَالَ رَجُلٌ: يَا

[6861] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک آدمی نے پوچھا: اللہ کے رسول! اللہ کے نزدیک کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا:

---

[1] النسآء 4:93.

رَسُولَ اللهِ! أَيُّ الذَّنْبِ أَكْبَرُ عِنْدَ اللهِ؟ قَالَ: «أَنْ تَدْعُوَ لِلهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ»، قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ»، قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «ثُمَّ أَنْ تُزَانِيَ بِحَلِيلَةِ جَارِكَ». فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ تَصْدِيقَهَا: ﴿وَٱلَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ ٱلنَّفْسَ ٱلَّتِي حَرَّمَ ٱللَّهُ إِلَّا بِٱلْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا﴾ اَلْآيَةَ [الفرقان: ٦٨]. [راجع: ٤٤٧٧]

''تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ، حالانکہ اس نے تمھیں پیدا کیا ہے۔'' اس نے کہا: پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: ''پھر یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی۔'' اس نے پوچھا: پھر کون سا گناہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''پھر یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔'' اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی: ''اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ کسی ایسے انسان کی جان ناحق لیتے ہیں جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو کوئی ایسا کرے گا اسے سخت گناہوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

فوائد و مسائل: ① اپنی اولاد کو اس لیے قتل کرنا کہ وہ اس کے ساتھ کھائیں گے سنگین جرم ہے کیونکہ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی صفت رزاقیت سے انکار کرنا ہے اور یہ متعدد آیات قرآنی کے انکار کو لازم ہے۔ ② قتل اولاد تو مطلق طور پر کبیرہ گناہ ہے اور ساتھ کھانے کی قید بطور غالب کے ہے کیونکہ اس وقت کے کفار کی یہی عادت تھی۔ افسوس کہ آج کل مسلمان بھی اس کوتاہی کا شکار اور خاندانی ''منصوبہ بندی'' میں گرفتار ہیں۔

٦٨٦٢ - حَدَّثَنَا عَلِيٌّ: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ فِي فُسْحَةٍ مِّنْ دِينِهِ مَا لَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا». [انظر: ٦٨٦٣]

[6862] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن آدمی اس وقت تک اپنے دین کے بارے میں برابر کشادہ رہتا ہے جب تک خون ناحق نہ کرے۔''

فائدہ: مومن کا سینہ کشادہ رہتا ہے اور اسے ہر وقت مغفرت کی امید رہتی ہے لیکن جب وہ بلاوجہ کسی کو قتل کر دے تو تنگی میں پڑ جاتا ہے اور اس کے لیے مغفرت کا دروازہ بھی بند ہو جاتا ہے کیونکہ بلاوجہ قتل کرنے کے متعلق بہت سخت وعید آئی ہے، اتنی سنگین وعید کسی دوسرے جرم کے متعلق نہیں ہے، اس وجہ سے اس کا دین اس پر تنگ ہو جاتا ہے۔[1]

٦٨٦٣ - حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ يَعْقُوبَ: أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: إِنَّ مِنْ وَرَطَاتِ

[6863] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہلاکت کا بھنور جس میں گرنے کے بعد پھر نکلنے کی امید نہیں ہے وہ ایسا ناحق خون کرنا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے

① فتح الباري: 233/12.

الْأُمُورِ الَّتِي لَا مَخْرَجَ لِمَنْ أَوْقَعَ نَفْسَهُ فِيهَا: سَفْكَ الدَّمِ الْحَرَامِ بِغَيْرِ حِلِّهِ. [راجع: ٦٨٦٢]

حرام قرار دیا ہے۔

فائدہ: اس حدیث میں قتل ناحق کی سنگینی بیان کی گئی ہے کہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں اگر کوئی پڑ جائے تو اس سے نکلنا انتہائی دشوار ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس نے قتل ناحق کیا ہے وہ دنیا سے اپنے ساتھ ٹھنڈا پانی لے کر جائے کیونکہ وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا، نیز فرمان نبوی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کے ہاں مومن کا ناحق قتل زوال دنیا سے بھی عظیم تر ہے۔''[1] ابن العربی فرماتے ہیں کہ بلاوجہ حیوان کو قتل کرنا بہت بڑا جرم ہے چہ جائیکہ جسے بلاوجہ قتل کیا جائے وہ انسان ہو اور وہ بھی مسلمان ہو، نیز وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا انتہائی پرہیزگار ہو۔[2]

٦٨٦٤ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَوَّلُ مَا يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ فِي الدِّمَاءِ». [راجع: ٦٥٣٣]

[6864] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن لوگوں کے درمیان سب سے پہلے قتل کے مقدمات کا فیصلہ کیا جائے گا۔''

فائدہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے لوگوں کے درمیان نماز کے متعلق فیصلے ہوں گے۔[3] ان دونوں حدیثوں میں تطبیق کی یہ صورت ہے کہ عبادات میں سب سے پہلے لوگوں میں نماز کے متعلق فیصلے ہوں گے اور معاملات میں سب سے پہلے قتل کے مقدمات کو نمٹایا جائے گا۔ دوسرے لفظوں میں اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے کہ حقوق اللہ میں سب سے پہلے نماز کی پوچھ گچھ ہوگی اور حقوق العباد میں سب سے پہلے قتل کے متعلق پوچھا جائے گا۔ الغرض خون ناحق، خواہ مسلمان کا ہو یا غیر مسلم کا دونوں کا معاملہ نہایت سنگین ہے۔[4]

٦٨٦٥ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ: حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ: أَنَّ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَدِيٍّ حَدَّثَهُ: أَنَّ الْمِقْدَادَ ابْنَ عَمْرٍو الْكِنْدِيَّ حَلِيفَ بَنِي زُهْرَةَ حَدَّثَهُ - وَكَانَ شَهِدَ بَدْرًا مَّعَ النَّبِيِّ ﷺ - أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنْ لَّقِيتُ كَافِرًا فَاقْتَتَلْنَا فَضَرَبَ يَدِي بِالسَّيْفِ فَقَطَعَهَا ثُمَّ لَاذَ بِشَجَرَةٍ وَّقَالَ:

[6865] حضرت مقداد بن عمرو کندی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے...... یہ بنو زہرہ کے حلیف اور غزوۂ بدر میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے...... انھوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اگر دوران جنگ میں میری کسی کافر سے مڈ بھیڑ ہو جائے، پھر ہم ایک دوسرے کو قتل کرنے کی کوشش میں لگ جائیں، پھر وہ کافر میرے ہاتھ پر اپنی تلوار مار کر اسے کاٹ دے، پھر کسی درخت کی آڑ لے کر کہے: میں اللہ کے تابع ہو گیا ہوں، تو

---

[1] جامع الترمذي، الديات، حديث: 1395. [2] فتح الباري: 234/12. [3] سنن النسائي، الصلاة، حديث: 468. [4] فتح الباري: 234/12.

أَسْلَمْتُ لِلّٰهِ، أَقْتُلُهُ بَعْدَ أَنْ قَالَهَا؟ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تَقْتُلْهُ»، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! فَإِنَّهُ طَرَحَ إِحْدٰى يَدَيَّ، ثُمَّ قَالَ ذٰلِكَ بَعْدَمَا قَطَعَهَا، أَقْتُلُهُ؟ قَالَ: «لَا تَقْتُلْهُ، فَإِنْ قَتَلْتَهُ فَإِنَّهُ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ أَنْ تَقْتُلَهُ، وَأَنْتَ بِمَنْزِلَتِهِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ كَلِمَتَهُ الَّتِي قَالَ». [راجع: ٤٠١٩]

کیا میں اس اقرار کے بعد اسے قتل کرسکتا ہوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے قتل مت کرنا۔'' میں نے کہا: اللہ کے رسول! اس نے تو میرا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے۔ میرا ہاتھ کاٹنے کے بعد اس نے یہ کلمات کہے ہیں، کیا اب بھی اسے قتل نہ کروں؟ آپ نے فرمایا: ''اسے قتل نہ کرنا۔ اگر تو نے اسے قتل کیا تو وہ تیرے مرتبے میں ہوگا جو تمھارا اسے قتل کرنے سے پہلے تھا اور تم اس کے مقام میں ہوگے جو اس کا اس اقرار سے پہلے تھا۔''

فوائد ومسائل: ① کافر، کلمہ پڑھنے سے پہلے مباح الدم تھا، یعنی اسے قتل کرنا حلال تھا، جب اس نے کلمہ پڑھا تو دوسرے مسلمانوں کی طرح اس کا خون محفوظ ہوگیا، یعنی وہ معصوم الدم ٹھہرا، اس کے بعد اگر کوئی مسلمان اسے قتل کرے گا تو اسے قصاص کے طور پر قتل کردیا جائے گا۔ ② حدیث میں تشبیہ اباحت دم میں ہے، کافر ہوجانے میں تشبیہ نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ کلمۂ اسلام کہنے والے کو قتل کرنا ممنوع اور حرام ہے۔ ابن بطال ؒ نے مہلب سے اس کے معنی اس طرح بیان کیے ہیں کہ تو اس کے قتل کے ارادے سے گناہ گار ہوگا جیسے وہ تیرے قتل کے ارادے سے گناہ گار تھا۔ نافرمانی کرنے میں تم دونوں ایک ہی مقام پر ہوگے۔[1]

٦٨٦٦ - وَقَالَ حَبِيبُ بْنُ أَبِي عَمْرَةَ عَنْ سَعِيدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِلْمِقْدَادِ: «إِذَا كَانَ رَجُلٌ مِمَّنْ يُخْفِي إِيمَانَهُ مَعَ قَوْمٍ كُفَّارٍ فَأَظْهَرَ إِيمَانَهُ فَقَتَلْتَهُ، فَكَذٰلِكَ كُنْتَ أَنْتَ تُخْفِي إِيمَانَكَ بِمَكَّةَ مِنْ قَبْلُ».

[6866] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے حضرت مقداد ؓ سے فرمایا: ''اگر کوئی آدمی کافروں کے ساتھ رہتے ہوئے اپنا ایمان چھپاتا رہے پھر وہ اپنا ایمان ظاہر کردے اور تو اس کو مار ڈالے (تو کیونکر درست ہوسکتا ہے) کیونکہ تو بھی مکہ میں پہلے اپنا ایمان چھپائے پھرتا تھا۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کا آغاز اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹا لشکر بھیجا جس میں حضرت مقداد ؓ بھی تھے۔ جب یہ لشکر کافروں کی طرف بڑھا تو وہ منتشر ہوگئے لیکن ایک مال دار شخص وہیں رہا اور اس نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا۔ حضرت مقداد ؓ نے آگے بڑھ کر اسے قتل کردیا۔ جب لوگوں نے یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا: ''تو نے ایک ایسے آدمی کو قتل کیا ہے جس نے لا الہ الا اللہ پڑھ لیا تھا۔ جب وہ قیامت کے دن کلمہ پڑھتے ہوئے آئے گا تو اس وقت تو لا الہ الا اللہ کے ساتھ کیا کرے گا؟'' اس وقت رسول اللہ ﷺ نے حضرت مقداد ؓ سے فرمایا: ''وہ آدمی جسے تو نے قتل کیا ہے وہ مومن تھا اور اس نے اپنا ایمان چھپا رکھا تھا۔''[2]

① فتح الباري: 235/12. ② المعجم الكبير للطبراني: 24/12، حديث: 12379، وفتح الباري: 236/12.

(٢) بَابٌ: ﴿وَمَنْ أَحْيَاهَا﴾ [المائدة: ٣٢]

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: مَنْ حَرَّمَ قَتْلَهَا إِلَّا بِحَقٍّ ﴿فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا﴾ [المائدة: ٣٢].

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے معنی یوں کیے ہیں: جس نے ناحق خون کرنا حرام رکھا تو گویا اس نے اس عمل سے تمام لوگوں کو زندہ رکھا۔

وضاحت: پیش کردہ آیت کا آغاز اس طرح ہے: ''ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا تھا کہ جس شخص نے دوسرے کو جان کے بدلے یا زمین میں فساد برپا کرنے کے علاوہ سے قتل کیا تو اس نے گویا سب لوگوں کو ہی مار ڈالا۔''[1] شریعت نے صرف تین صورتوں میں قتل کو جائز قرار دیا ہے: ○ قتل کے بدلے قتل، یعنی قصاص۔ ○ شادی شدہ مرد عورت زنا کریں تو رجم کر کے مار ڈالنا۔ ○ اگر کوئی دین اسلام سے پھر جائے تو اسے قتل کرنا۔ ان تینوں صورتوں کے علاوہ جو بھی قتل ہوگا وہ قتل ناحق اور فساد فی الارض کے ضمن میں آئے گا۔ واللہ أعلم.

٦٨٦٧ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُرَّةَ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كِفْلٌ مِّنْهَا». [راجع: ٣٣٣٥]

[6867] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''دنیا میں کوئی قتل ناحق نہیں ہوتا مگر اس کے گناہ کا کچھ حصہ آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے کو ملتا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں مزید وضاحت ہے کہ آدم کے پہلے بیٹے نے دنیا میں قتل ناحق کی بنیاد ڈالی تھی۔[2] اس قاتل بیٹے کا نام ہابیل اور مقتول کا نام قابیل ہے۔ ان دونوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی قربانی پیش کی تھی، قابیل کی قربانی کو آسمانی آگ نے کھا لیا لیکن ہابیل کی قربانی قبول نہ ہوئی تو اسے آگ نے نہ کھایا، اس لیے غصے میں آکر اس نے اپنے بھائی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس واقعے کی تفصیل بیان کی ہے۔[3] ② امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر ایک عنوان ان الفاظ میں قائم کیا ہے: [بَابُ إثم من دعا إلى ضَلَالَة......] ''گمراہی کی دعوت دینے کا گناہ۔''[4] حدیث میں ہے: ''جو کوئی برا طریقہ ایجاد کرتا ہے تو قیامت تک جو کوئی اس پر عمل کرتا رہے گا اس کے گناہ کا ایک حصہ اس ایجاد کرنے والے کو ملتا رہے گا۔''[5] یہ اس صورت میں ہے جب وہ توبہ نہ کرے۔ اگر اس نے اپنے گناہ سے توبہ کر لی تو پھر اسے دوسروں کے گناہ

① المآئدة 5:32. ② صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3335. ③ المآئدة 5: 27-31. ④ صحيح البخاري، الاعتصام، باب: 15. ⑤ صحيح مسلم، القسامة، حديث: 2351 (1017).

کا حصہ نہیں ملے گا۔[1] واللہ أعلم.

٦٨٦٨ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: وَاقِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَخْبَرَنِي عَنْ أَبِيهِ: سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ». [راجع: ١٧٤٢]

[6868] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''میرے بعد کافروں جیسے نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں اڑانے لگو۔''

٦٨٦٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُدْرِكٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا زُرْعَةَ بْنَ عَمْرِو بْنِ جَرِيرٍ عَنْ جَرِيرٍ قَالَ: قَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ: «اِسْتَنْصِتِ النَّاسَ، لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ». [راجع: ١٢١]

[6869] حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے مجھ سے حجۃ الوداع کے دن فرمایا: ''لوگوں کو خاموش کراؤ۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔''

رَوَاهُ أَبُو بَكْرَةَ وَابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اس حدیث کو حضرت ابوبکرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے بھی نبی ﷺ سے بیان کیا ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کے مطابق ایک مسلمان کا خون ناحق بہت ہی بڑا گناہ ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے کفر سے تعبیر کیا ہے۔ کفر کی تاویل میں چند اقوال حسب ذیل ہیں: ○ ایک دوسرے کو مارنا اس وقت کفر ہے جب مسلمان کے قتل ناحق کو حلال سمجھا جائے۔ ○ اس سے مراد کفران نعمت، یعنی حق اسلام کی ناشکری ہے۔ ○ ایسا کرنے والا کفر کے قریب پہنچ جاتا ہے اور یہ فعل کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ ○ یہ فعل کافروں جیسا ہے، یعنی ایک دوسرے کی گردن مارنے میں کافروں سے تشبیہ دی ہے۔ ○ اس سے مراد حقیقی کفر ہے، یعنی تم کفر نہ کرو بلکہ ہمیشہ مسلمان بن کر زندگی بسر کرو۔ ○ ایک دوسرے کو کفر کی طرف منسوب نہ کرو بصورت دیگر ایک دوسرے کے قتل کو جائز سمجھو گے۔ ○ یہ اپنے ظاہری معنی پر محمول نہیں بلکہ اس سے مراد زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ ہے۔ ○ تم ہتھیار پہننے والے نہ بن جاؤ کیونکہ ہتھیار پہننے والے کو بھی کافر کہا جاتا ہے۔[2] ② بہر حال قتل ناحق بہت بڑا جرم ہے لیکن افسوس کہ قرن اول ہی سے دشمنان اسلام نے سازش کر کے مسلمانوں کو آپس میں ایسا لڑایا کہ امت مسلمہ آج تک اس کی ٹیس محسوس کر رہی ہے۔

---

① فتح الباري: 240/12. ② فتح الباري: 241/12.

٦٨٧٠ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ فِرَاسٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلْكَبَائِرُ: اَلْإِشْرَاكُ بِاللهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ - أَوْ قَالَ: الْيَمِينُ الْغَمُوسُ، شَكَّ شُعْبَةُ -».

[6870] حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''بڑے بڑے گناہ یہ ہیں: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا، والدین کی نافرمانی کرنا۔'' یا فرمایا: ''جھوٹی قسم اٹھانا۔'' راوی حدیث شعبہ نے شک کیا ہے۔

وَقَالَ مُعَاذٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: «اَلْكَبَائِرُ: اَلْإِشْرَاكُ بِاللهِ، وَالْيَمِينُ الْغَمُوسُ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، أَوْ قَالَ: وَقَتْلُ النَّفْسِ». [راجع: ٦٦٧٥]

معاذ نے کہا: ہم سے شعبہ نے بیان کیا: ''کبیرہ گناہ یہ ہیں: اللہ کا شریک بنانا، جھوٹی قسم اٹھانا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔'' یا فرمایا: ''کسی کی ناحق جان لینا۔''

٦٨٧١ - حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ: سَمِعَ أَنَسًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلْكَبَائِرُ». وَحَدَّثَنَا عَمْرٌو: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ ابْنِ أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أَكْبَرُ الْكَبَائِرِ: اَلْإِشْرَاكُ بِاللهِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَقَوْلُ الزُّورِ»، أَوْ قَالَ: «وَشَهَادَةُ الزُّورِ». [راجع: ٢٦٥٣]

[6871] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''سب سے بڑے گناہ: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، کسی کی ناحق جان لینا، والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹ بولنا۔'' یا فرمایا: ''جھوٹی گواہی دینا ہیں۔''

فوائد ومسائل: ① ان گناہوں میں شرک ایسا جرم ہے جو توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوگا۔ اگر انسان توبہ کے بغیر مر گیا تو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہے گا کیونکہ مشرک پر جنت حرام ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔''[1] بت پرستی اور قبر پرستی کی بھی یہی سزا ہے، البتہ حدیث میں باقی بیان کردہ جرائم ایسے ہیں کہ ان کا مرتکب اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے، وہ چاہے تو ویسے معاف کر دے اور اگر چاہے تو سزا دے کر معاف کرے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ کے ساتھ اگر کسی کو شریک بنایا جائے تو یقیناً یہ گناہ اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں کرے گا اور جو اس کے علاوہ (دوسرے گناہ) ہیں، وہ جسے چاہے معاف کر دے گا۔''[2] بہر حال قتل ناحق بہت سنگین جرم ہے،

[1] المآئدة 5:72. [2] النسآء 4:116.

اس کی قباحت متعدد احادیث سے ثابت ہے۔ کبیرہ گناہوں کی آگاہی کے لیے ہماری تالیف ''معاشرہ کے مہلک گناہ۔'' کا مطالعہ مفید رہے گا۔

٦٨٧٢ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ: حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ: حَدَّثَنَا أَبُو ظَبْيَانَ قَالَ: سَمِعْتُ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يُحَدِّثُ قَالَ: بَعَثَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَى الْحُرَقَةِ مِنْ جُهَيْنَةَ، قَالَ: فَصَبَّحْنَا الْقَوْمَ فَهَزَمْنَاهُمْ، قَالَ: وَلَحِقْتُ أَنَا وَرَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ رَجُلًا مِّنْهُمْ، قَالَ: فَلَمَّا غَشِينَاهُ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، قَالَ: فَكَفَّ عَنْهُ الْأَنْصَارِيُّ وَطَعَنْتُهُ بِرُمْحِي حَتّٰى قَتَلْتُهُ، قَالَ: فَلَمَّا قَدِمْنَا بَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: فَقَالَ لِي: «يَا أُسَامَةُ، أَقَتَلْتَهُ بَعْدَمَا قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ؟»، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّمَا كَانَ مُتَعَوِّذًا، قَالَ: «أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ؟»، قَالَ: فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا عَلَيَّ حَتّٰى تَمَنَّيْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ أَسْلَمْتُ قَبْلَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ. [راجع: ٤٢٦٩]

[6872] حضرت اسامہ بن زید ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہمیں رسول اللہ ﷺ نے قبیلۂ جہینہ کی ایک شاخ حرقہ کی طرف روانہ کیا۔ ہم نے ان لوگوں کو صبح صبح ہی جا لیا اور شکست سے دوچار کر دیا، چنانچہ میں اور انصار کا ایک آدمی ان کے ایک شخص تک پہنچے۔ جب ہم نے اسے گھیر لیا تو اس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا۔ انصاری نے تو (یہ سن کر) اپنا ہاتھ روک لیا لیکن میں نے اپنے نیزے سے اس کا کام تمام کر دیا۔ جب ہم واپس آئے تو نبی ﷺ کو اس واقعے کی اطلاع ملی۔ آپ نے مجھ سے فرمایا: ''اے اسامہ! کیا تو نے اسے لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنے کے بعد قتل کر ڈالا؟'' میں نے کہا: اللہ کے رسول! اس نے صرف جان بچانے کے لیے اقرار کیا تھا۔ آپ نے فرمایا: ''کیا تو نے اسے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کر دیا؟'' آپ ﷺ اس جملے کو بار بار دہراتے رہے حتی کہ میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہو گئی: کاش! میں اس سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ جب میں نے اسے قتل کر دیا تو میرے دل میں کھٹکا پیدا ہوا تو میں نے خود ہی یہ بات رسول اللہ ﷺ سے ذکر کر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے لا الہ الا اللہ کے اقرار کے بعد اسے قتل کر دیا؟'' میں نے عرض کی: اس نے ہتھیار کے خوف سے اقرار کیا تھا۔ آپ نے فرمایا: ''کیا تم نے اس کا دل پھاڑ کر دیکھا تھا کہ اس نے بچاؤ کے لیے اقرار کیا ہے۔''[1] مطلب یہ ہے کہ دل کا حال تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے، جب اس نے زبان سے کلمۂ توحید پڑھ لیا تھا تو اسے چھوڑ دینا چاہیے تھا اور اس کے کلمے کا اعتبار کرنا چاہیے تھا۔ ② حضرت اسامہ ؓ نے اس شخص کو کافر خیال کرتے ہوئے قتل کیا تھا اور کلمۂ توحید سن کر یہ سمجھا کہ وہ صرف قتل سے بچنے کے لیے کلمۂ توحید کہہ رہا ہے۔ حضرت اسامہ ؓ اس واقعے کے بعد کسی کو قتل کرنے میں جلدی نہ کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جنگ صفین اور جنگ جمل میں کنارہ کش رہے۔[2] ایک روایت میں ہے کہ اس طرح کا ایک واقعہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ بھی پیش آیا۔ کچھ وقت کے بعد قاتل بھی فوت ہو گیا جب اسے دفن کیا گیا

① صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 277 (96). ② فتح الباري: 244/12.

تو زمین نے اسے قبول نہ کیا۔ دو تین بار دفنانے کے بعد صحابہ نے اسے دو پہاڑوں کے درمیان وادی میں پھینک دیا۔ نبی ﷺ کو اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا: ''زمین اس سے بدترین لوگوں کو قبول کر لیتی ہے لیکن اس واقعے سے اللہ تعالیٰ تمھیں لا الہ الا اللہ کی عظمت دکھانا چاہتا ہے۔''[1]

٦٨٧٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي يَزِيدُ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنِ الصُّنَابِحِيِّ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: إِنِّي مِنَ النُّقَبَاءِ الَّذِينَ بَايَعُوا رَسُولَ اللهِ ﷺ، بَايَعْنَاهُ عَلَى أَنْ لَّا نُشْرِكَ بِاللهِ شَيْئًا، وَّلَا نَزْنِيَ، وَلَا نَسْرِقَ، وَلَا نَقْتُلَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ، وَلَا نَنْهَبَ، وَلَا نَعْصِيَ، بِالْجَنَّةِ إِنْ [فَعَلْنَا ذٰلِكَ]، فَإِنْ غَشِينَا مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا كَانَ قَضَاءُ ذٰلِكَ إِلَى اللهِ. [راجع: ١٨]

[6873] حضرت عبادہ بن صامت ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میں ان نقیبوں میں سے تھا جنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے (عقبہ کی رات) بیعت کی تھی۔ ہم نے آپ ﷺ سے اس امر پر بیعت کی کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ ہم زنا نہیں کریں گے، ہم چوری نہیں کریں گے۔ قتل ناحق نہیں کریں گے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ ہم لوٹ کھسوٹ نہیں کریں گے اور اگر ہم نے ان کاموں کی پابندی کی تو ہمارے جنت جانے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنے گی اور اگر ہم نے ان امور میں کوتاہی کی تو اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد ہے۔

فائدہ: حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بیعت سے مراد وہ بیعت ہے جو منیٰ میں عَقَبہ کی رات ہوئی تھی، حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ بیعت رسول اللہ ﷺ کی سمع و اطاعت کے متعلق تھی، خواہ ہم پر کیسے حالات ہوں، نہ چاہتے ہوئے بھی اس سے پس و پیش نہ کریں۔[2] اور مذکورہ بیعت فتح مکہ کے دن ہوئی جو پہلی بیعت سے عرصۂ دراز بعد عمل میں آئی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک روایت کے مطابق راوی نے یہ حدیث بیان کرتے ہوئے حسب ذیل آیت تلاوت کی: ﴿يَآَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ ......﴾[3] اور یہ آیت صلح حدیبیہ کے دنوں میں نازل ہوئی تھی۔[4] اس آیت کے مطابق آدمیوں سے بیعت لی گئی تھی، اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قتل ناحق نہ کرنے پر اپنے صحابۂ کرام ؓ سے بیعت لی تھی۔ امام بخاری ؒ کا قتل ناحق کی قباحت اور خرابی بیان کرنا مقصود ہے۔

٦٨٧٤ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا». [انظر: ٧٠٧٠]

[6874] حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جس نے ہمارے خلاف ہتھیار اٹھائے وہ ہم سے نہیں ہے۔''

[1] سنن ابن ماجه، الفتن، حديث: 3930م. [2] صحيح البخاري، الأحكام، حديث: 7199. [3] صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4894. [4] فتح الباري: 245/12.

رَوَاهُ أَبُو مُوسٰى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی نبی ﷺ سے یہ روایت بیان کی ہے۔

فوائد ومسائل: ① ہتھیار اٹھانے سے مراد جنگ کرنے کے لیے ہتھیار اٹھانا ہے کیونکہ ایسا کرنے سے اہل ایمان کو خوفزدہ کرنا مقصود ہے۔ اگر کوئی ان کی حفاظت کے لیے ہتھیار اٹھاتا ہے تو وہ اس وعید میں شامل نہیں ہے۔ ② اگر کوئی اپنے لیے جائز سمجھتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھاتا ہے تو وہ یقیناً دین اسلام سے خارج ہے اور رسول اللہ ﷺ کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور جو اپنے لیے جائز نہیں سمجھتا وہ کافر تو نہیں ہوگا، البتہ کافروں جیسا کام اس نے ضرور کر ڈالا ہے۔[1] ③ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت خود امام بخاری رحمہ اللہ نے متصل سند سے بیان کی ہے۔[2] جب ہتھیار اٹھانا اس قدر سنگین جرم ہے تو مسلمان کو ناحق قتل کرنے کی سنگینی تو اس سے بڑھ کر ہوگی۔

٦٨٧٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْمُبَارَكِ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ وَيُونُسُ عَنِ الْحَسَنِ، عَنِ الْأَحْنَفِ [بْنِ قَيْسٍ] قَالَ: ذَهَبْتُ لِأَنْصُرَ هٰذَا الرَّجُلَ، فَلَقِيَنِي أَبُو بَكْرَةَ، فَقَالَ: أَيْنَ تُرِيدُ؟ قُلْتُ: أَنْصُرُ هٰذَا الرَّجُلَ، قَالَ: ارْجِعْ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: «إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ»، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! هٰذَا الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُولِ؟ قَالَ: «إِنَّهُ كَانَ حَرِيصًا عَلٰى قَتْلِ صَاحِبِهِ». [راجع: ٣١]

[6875] حضرت احنف بن قیس سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں اس شخص (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی مدد کرنے کے لیے نکلا تو مجھے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ ملے۔ انھوں نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا: اس صاحب کی مدد کرنے جا رہا ہوں۔ انھوں نے فرمایا: واپس چلے جاؤ، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ نے فرمایا: ”جب دو مسلمان تلوار سونت کر ایک دوسرے سے بھڑ جائیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں۔“ میں نے پوچھا: اللہ کے رسول! قاتل تو جہنمی ہوا، مقتول کو یہ سزا کیوں ملے گی؟ آپ نے فرمایا: ”وہ بھی اپنے حریف کے قتل پر آمادہ تھا۔“

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ مقتول بھی اپنے مد مقابل کو قتل کرنے پر آمادہ تھا مگر اسے موقع نہ مل سکا، اس لیے وہ خود مارا گیا۔ بدنیتی کی وجہ سے وہ بھی جہنم میں جائے گا۔ یہ وعید اس وقت ہے جب وہ کسی تاویل کے بغیر کسی دوسرے مسلمان کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اس کا مطلب صرف دشمنی اور طلب دنیا ہو لیکن جس نے بغاوت ختم کرنے کے لیے باغیوں سے جنگ کی یا کسی حملہ آور کا حملہ روکنے کے لیے ہتھیار اٹھائے اور انھیں قتل کر دیا تو وہ اس وعید میں داخل نہیں ہوگا۔ اس کے علاوہ اگر کوئی انسان اپنے مال اور اپنی عزت کے دفاع پر مامور ہے اور اس دوران میں اس سے قتل ہو جائے تو وہ بھی مذکورہ وعید کا حق دار نہیں ہوگا کیونکہ اس کا مقصود اس کا قتل نہیں بلکہ اپنا دفاع کرنا ہے۔[3]

---

① فتح الباري: 245/12. ② صحيح البخاري، الفتن، حديث: 7071. ③ فتح الباري: 245/12.

(٣) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالٰی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى﴾ اَلْآيَةَ [البقرة: ١٧٨]

باب: 3- ارشاد باری تعالیٰ: ”اے ایمان والو! مقتولین کے بارے میں تم پر قصاص فرض ہے“ کا بیان

وضاحت: دور جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ اگر کسی قبیلے کا کوئی معزز آدمی دوسرے قبیلے کے کسی عام آدمی کے ہاتھوں مارا جاتا تو وہ اصلی قاتل سے قصاص لینے کو کافی خیال نہیں کرتے تھے بلکہ وہ قتل کے لیے قاتل کے قبیلے کے معزز آدمی کا انتخاب کرتے یا اس قبیلے کے کئی آدمی موت کے گھاٹ اتار دیتے، اس کے برعکس مقتول اگر کوئی ادنیٰ آدمی اور قاتل معزز ہوتا تو مقتول کے بدلے قاتل کو قتل کرنا گوارا نہ کرتے تھے۔ آج جاہلیت جدیدہ اور روشن خیالی کے دور میں بھی یہی کچھ ہوتا ہے۔ قاتل اگر حاکم قوم سے تعلق رکھتا ہو تو عدالت کو اس کے خلاف کیس کی سماعت کا اختیار نہیں ہوتا اور اگر بدقسمتی سے حاکم قوم کا کوئی شخص محکوم کے ہاتھوں قتل ہو جائے تو پوری قوم پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ انھی خرابیوں کے سدباب کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مقتول کے بدلے صرف قاتل کی جان لی جائے گی، یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ قاتل کون ہے اور مقتول کون ہے۔ یہودیوں پر اللہ تعالیٰ نے قصاص فرض کیا تھا، ان میں معافی کا قانون نہیں تھا اور نصاریٰ میں صرف معافی کا دستور تھا، قصاص لینے کی اجازت نہیں تھی، البتہ اس امت پر اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی اور دونوں چیزوں کی اجازت دی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مقتول کے وارثوں کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے، خواہ وہ فدیہ لے لیں یا قصاص قبول کر لیں۔“[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں قصاص تھا دیت لینے دینے کا دستور نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر قصاص فرض کرنے کے بعد فرمایا: ”فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ“ اس سے مراد دیت کا مطالبہ ہے اور ”أَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ“ سے مراد قاتل قبیلے کا بلا چون وچرا دیت ادا کرنا ہے۔ ”فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ“ کا مطلب دیت قبول کرنے کے بعد بھی اسے قتل کرنا ہے۔[2] اگر انسان کی نیت میں فتور ہو تو زیادتی کی کئی شکلیں بن سکتی ہیں: ایک زیادتی تو یہ ہے کہ مقتول کا وارث وقتی طور پر دیت لے کر مالی فوائد حاصل کرے، پھر جب بھی موقع ملے تو قاتل کو مار ڈالے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ قاتل اور اس کے ورثاء حکومت کے دباؤ کے تحت دیت ادا کر دیں مگر بعد میں ان پر نئے ظلم چوری یا ڈاکا وغیرہ کی سکیم شروع کر دیں۔ ایسی تمام صورتوں میں وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے حق دار ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ قصاص کے بجائے معافی کو زیادہ پسند کرتے تھے اور صحابۂ کرام کو اسی بات کی تلقین کرتے، چنانچہ ایک دفعہ ایک آدمی قتل ہو گیا، آپ نے قاتل کو مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا۔ قاتل کہنے لگا: اللہ کے رسول! میرا اسے قتل کرنے کا ارادہ نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے مقتول کے ورثاء کو کہا: ”اگر یہ سچ کہتا ہے تو اسے قتل کرنے سے تم جہنم میں جاؤ گے۔“ یہ سن کر مقتول کے وارث نے قاتل کو چھوڑ دیا۔[3] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کو ہی کافی سمجھا اور اس کے لیے کوئی حدیث ذکر نہیں کی۔ آئندہ جو بھی عنوانات یا احادیث ہیں وہ اسی آیت کی تشریح ہیں۔ واللہ أعلم.

---

[1] صحيح البخاري، اللقطة، حديث: 2434. [2] صحيح البخاري، حديث: 6881، 4498. [3] جامع الترمذي، الديات، حديث: 1407.

(٤) بَابُ سُؤَالِ الْقَاتِلِ حَتَّى يُقِرَّ، وَالْإِقْرَارِ فِي الْحُدُودِ

باب: 4- حاکم وقت کا قاتل سے باز پرس کرنا حتی کہ وہ اقرار کرے اور حدود میں اقرار کافی ہے

٦٨٧٦ - حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ يَهُودِيًّا رَضَّ رَأْسَ جَارِيَةٍ بَيْنَ حَجَرَيْنِ فَقِيلَ لَهَا: مَنْ فَعَلَ بِكِ هٰذَا؟ أَفُلَانٌ أَوْ فُلَانٌ؟ حَتَّى سُمِّيَ الْيَهُودِيُّ، فَأُتِيَ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ فَلَمْ يَزَلْ بِهِ حَتَّى أَقَرَّ، فَرُضَّ رَأْسُهُ بِالْحِجَارَةِ.

[راجع: ٢٤١٣]

[6876] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے کسی لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا۔ پھر اس لڑکی سے پوچھا گیا: تیرے ساتھ یہ برتاؤ کس نے کیا ہے؟ کیا فلاں نے؟ کیا فلاں نے؟ یہاں تک کہ اس یہودی کا نام لیا گیا (تو لڑکی نے سر کے اشارے سے ہاں کہا)۔ پھر اس یہودی کو نبی ﷺ کے پاس لایا گیا۔ آپ اس سے مسلسل پوچھتے رہے حتی کہ اس نے اقرار کر لیا تو اس کا سر بھی پتھروں سے کچل دیا گیا۔

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ اس یہودی نے لڑکی کے زیورات چھیننے کے لیے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا، لیکن ابھی کچھ سانس باقی تھے کہ اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے پوچھا: تجھے فلاں نے قتل کیا تو اس نے سر سے اشارہ کیا کہ نہیں، پھر اس یہودی کا نام لیا گیا تو اس نے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں، پھر اس یہودی سے تفتیش کی گئی تو اس نے اعتراف جرم کر لیا تو اسے بھی اس جرم کی پاداش میں کیفر کردار تک پہنچا دیا گیا۔[1] ② صرف مقتول کے کہنے سے کسی ملزم کو سزا نہیں دی جائے گی اور نہ داخلی یا خارجی قرائن ہی قصاص کے لیے کافی ہوتے ہیں بلکہ جب تک ملزم اپنے جرم کا اعتراف نہ کر لے اس وقت تک اسے سزا نہیں دی جا سکتی، چنانچہ حدیث میں ہے کہ اس یہودی نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا۔[2] اس لڑکی کے مرنے کے بعد یہودی سے اس کا قصاص لیا گیا کیونکہ لڑکی کو جب لایا گیا تھا تو وہ آخری سانس لے رہی تھی، رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تجھے کس نے قتل کیا ہے؟[3]

(٥) بَابٌ: إِذَا قَتَلَ بِحَجَرٍ أَوْ بِعَصًا

باب: 5- جب کوئی شخص پتھر یا لاٹھی سے قتل کرے تو؟

٦٨٧٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ ابْنُ إِدْرِيسَ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ جَدِّهِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: خَرَجَتْ

[6877] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مدینہ طیبہ میں ایک لڑکی چاندی کے زیورات پہنے باہر نکلی۔ ایک یہودی نے اسے پتھر مارا۔ اس میں آخری

① جامع الترمذي، الديات، حديث: 1394. ② صحيح البخاري، الخصومات، حديث: 2413. ③ فتح الباري: 248/12.

جَارِيَةٌ عَلَيْهَا أَوْضَاحٌ بِالْمَدِينَةِ، قَالَ: فَرَمَاهَا يَهُودِيٌّ بِحَجَرٍ، قَالَ: فَجِيءَ بِهَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَبِهَا رَمَقٌ، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ: «فُلَانٌ قَتَلَكِ؟»، فَرَفَعَتْ رَأْسَهَا، فَأَعَادَ عَلَيْهَا، قَالَ: «فُلَانٌ قَتَلَكِ؟»، فَرَفَعَتْ رَأْسَهَا، فَقَالَ لَهَا فِي الثَّالِثَةِ: «فُلَانٌ قَتَلَكِ؟»، فَخَفَضَتْ رَأْسَهَا، فَدَعَا بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَتَلَهُ بَيْنَ الْحَجَرَيْنِ.

[راجع: ٢٤١٣]

سانس تھے کہ اسے نبی ﷺ کے پاس لایا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: ''کیا تجھے فلاں نے مارا ہے؟'' لڑکی نے (انکار کرتے ہوئے) اپنا سر اٹھایا۔ آپ ﷺ دوبارہ نے پوچھا: ''کیا تجھے فلاں نے مارا ہے؟'' لڑکی نے پھر (انکار کرتے ہوئے) اپنا سر اوپر کیا۔ جب آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ پوچھا: ''کیا تجھے فلاں نے مارا ہے؟'' تو اس نے (ہاں کرتے ہوئے) اپنا سر نیچے کرلیا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس (یہودی) کو بلایا اور اس کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا۔

فوائد ومسائل: ① کچھ حضرات کا خیال ہے کہ قصاص ہمیشہ تلوار سے لینا چاہیے، پتھر یا لکڑی سے قاتل کو نہیں مارا جائے گا لیکن جمہور اہل علم کہتے ہیں کہ جس طرح قاتل نے قتل کیا ہے اس طرح بھی قصاص لیا جاسکتا ہے، تلوار سے قصاص لینا ضروری نہیں۔ تلوار سے قصاص لینے کے متعلق ایک روایت حسب ذیل ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قصاص صرف تلوار کے ساتھ ہے۔''[1] لیکن یہ روایت ضعیف ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے صراحت سے بیان کیا ہے،[2] اس لیے یہ مسئلہ صحیح نہیں، قصاص کسی بھی چیز کے ذریعے سے لیا جاسکتا ہے۔ ② دراصل امام بخاری رحمہ اللہ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جب بھی کسی کی دست اندازی سے موت واقع ہوجائے، اس میں قصاص ہے، خواہ پتھر سے ہو یا لکڑی سے۔ کچھ حضرات نے قتل عمد کے لیے ہتھیار سے قتل کرنے کی شرط لگائی ہے، لیکن ان شرائط کی کوئی حقیقت نہیں جیسا کہ حدیث بالا سے ثابت ہے۔ واللہ أعلم.

(٦) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ﴾ [المائدة: ٤٥]

باب: 6- ارشاد باری تعالیٰ: ''جان کے بدلے جان ہے اور آنکھ کے بدلے آنکھ'' کا بیان

وضاحت: پوری آیت اس طرح ہے: ''ہم نے ان کے لیے تورات میں لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان ہوگی، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا برابر برابر قصاص ہوگا۔ اور جو اپنے حق سے دستبردار ہوجائے تو یہ دستبرداری اس کے اپنے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی۔'' چونکہ حدیث میں جان کے بدلے جان کا ذکر ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے آیت سے صرف اسی قدر ذکر کیا جو حدیث کے مطابق تھا۔ شاید ان کا مقصد یہ ہے کہ مذکورہ آیت اگرچہ اہل کتاب سے متعلق ہے، تاہم اسلام میں بھی یہی حکم ہے۔[3]

---

① سنن ابن ماجه، الديات، حديث: 2667. ② تلخيص الحبير: 39/4. ③ فتح الباري: 250/12.

٦٨٧٨ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُرَّةَ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ إِلَّا بِإِحْدٰى ثَلَاثٍ: اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالثَّيِّبُ الزَّانِي، وَالْمُفَارِقُ لِدِينِهِ التَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ».

[6878] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی مسلمان اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی معبود برحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں تو تین امور کے سوا اس کا خون کرنا جائز نہیں: ایک جان کے بدلے جان، دوسرا شادی شدہ زانی اور تیسرا دین سے نکلنے والا، جماعت کو چھوڑنے والا۔''

فوائد ومسائل: ① مذکورہ بالا آیت کے متعلق ایک بنیادی بات یاد رکھنی چاہیے کہ کوئی حکم جو تورات میں یہود کو دیا گیا ہو اور قرآن اسے یوں بیان کرے کہ اس میں کسی ترمیم و تنسیخ کا ذکر نہ ہو اور نہ رسول اللہ ﷺ نے اس پر نکیر ہی فرمائی ہو تو وہ حکم بعینہٖ مسلمانوں کے لیے بھی قابل عمل ہوگا اگرچہ قرآن اسے مسلمانوں کے لیے الگ بیان نہ کرے جیسا کہ رجم کا حکم ہے۔ ② اس آیت میں قصاص کی جو صورت بیان ہوئی ہے، احادیث میں اس کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں ہے اور یہودی کا سر کچلنے والی حدیث بھی اس موقف کی تائید کرتی ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ خوارج اور باغیوں کو قتل کرنا جائز ہے کیونکہ وہ جماعت المسلمین سے علیحدگی اختیار کرنے والے ہیں۔[1] ③ واضح رہے کہ مذکورہ حدیث میں قتل کی تین صورتیں بیان ہوئی ہیں، ان کے علاوہ اور بھی صورتیں ہیں جن میں قتل کرنا جائز ہے اگرچہ تکلف کے ساتھ باقی صورتوں کو ان تین صورتوں میں داخل کیا جا سکتا ہے۔ واللّٰه أعلم.

(٧) بَابُ مَنْ أَقَادَ بِالْحَجَرِ

باب: 7- جس نے پتھر سے قصاص لیا

٦٨٧٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ يَهُودِيًّا قَتَلَ جَارِيَةً عَلٰى أَوْضَاحٍ لَّهَا فَقَتَلَهَا بِحَجَرٍ فَجِيءَ بِهَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَبِهَا رَمَقٌ فَقَالَ: «أَقَتَلَكِ؟»، فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَنْ لَّا، ثُمَّ قَالَ فِي الثَّانِيَةِ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَنْ لَّا، ثُمَّ سَأَلَهَا الثَّالِثَةَ

[6879] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے کسی لڑکی کو اس کے زیورات کے لالچ میں آ کر پتھر سے قتل کر دیا۔ وہ لڑکی نبی ﷺ کے پاس لائی گئی تو اس کے جسم میں کچھ جان باقی تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا تجھے فلاں نے مارا ہے؟'' اس نے سر کے اشارے سے انکار کر دیا۔ آپ ﷺ نے دوبارہ پوچھا تو اس مرتبہ بھی اس نے سر کے اشارے سے انکار کیا۔ پھر آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ پوچھا

[1] عمدة القاري: 149/16.

فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَيْ نَعَمْ، فَقَتَلَهُ النَّبِيُّ ﷺ بِحَجَرَيْنِ. [راجع: ٢٤١٣]

تو اس نے سر کے اشارے سے اقرار کیا، چنانچہ نبی ﷺ نے اس (قاتل یہودی) کو دو پتھروں سے کچل کر قتل کرا دیا۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس لڑکی کے کہنے سے ہی یہودی کو قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے تحقیق وتفتیش کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے یہودی سے پوچھا۔ جب اس نے اعتراف کیا تو پھر اس کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ ② قصاص کے لیے ضروری نہیں کہ تلوار یا تیز دھار ہتھیار ہی سے قتل کیا جائے، بلکہ کوئی بھی چیز قصاص کے لیے استعمال ہو سکتی ہے۔ اگرچہ تلوار سے قصاص لینے کے متعلق ایک حدیث بیان کی جاتی ہے لیکن وہ حدیث قابل حجت نہیں ہے کیونکہ وہ ضعیف ہے۔(1)

(٨) بَابٌ: مَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ

باب: 8- جس کا کوئی عزیز قتل کر دیا جائے تو اسے دو چیزوں میں سے بہتر کا اختیار ہے

وضاحت: جن کا کوئی آدمی قتل کر دیا جائے انھیں قصاص یا دیت میں سے جو بہتر لگے اسے اختیار کر لیں۔ عنوان کے الفاظ درج ذیل حدیث میں آئے ہیں۔

٦٨٨٠ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ خُزَاعَةَ قَتَلُوا رَجُلًا. وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ رَجَاءٍ: حَدَّثَنَا حَرْبٌ عَنْ يَحْيَى: حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ: حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ: أَنَّهُ عَامَ فَتْحِ مَكَّةَ قَتَلَتْ خُزَاعَةُ رَجُلًا مِّنْ بَنِي لَيْثٍ بِقَتِيلٍ لَّهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «إِنَّ اللهَ حَبَسَ عَنْ مَكَّةَ الْفِيلَ وَسَلَّطَ عَلَيْهِمْ رَسُولَهُ وَالْمُؤْمِنِينَ، أَلَا وَإِنَّهَا لَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي، وَلَا تَحِلُّ لِأَحَدٍ بَعْدِي أَلَا وَإِنَّمَا أُحِلَّتْ لِي سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ، أَلَا وَإِنَّهَا سَاعَتِي هٰذِهِ حَرَامٌ، لَا يُخْتَلَى شَوْكُهَا وَلَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا وَلَا

[6880] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر قبیلۂ خزاعہ نے بنو لیث کا ایک شخص اپنے جاہلیت کے مقتول کے بدلے میں قتل کر دیا تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ سے ہاتھیوں کے لشکر کو روک دیا تھا اور وقتی طور پر اپنے رسول اور اہل ایمان کو اس پر مسلط کیا۔ آگاہ رہو! مجھ سے پہلے یہ کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا اور نہ میرے بعد ہی کسی کے لیے حلال ہوگا اور میرے لیے بھی صرف دن کے ایک حصے کے لیے حلال ہوا، اب اس وقت اس کی حرمت پھر قائم ہو گئی ہے۔ اس کا کانٹا نہ توڑا جائے اور نہ اس کا کوئی درخت ہی کاٹا جائے۔ اعلان کرنے والے کے علاوہ کوئی دوسرا اس کی گری پڑی چیز نہ اٹھائے۔ جس کا کوئی عزیز قتل کر دیا

(1) فتح الباري: 249/12.

يَلْتَقِطُ سَاقِطَتَهَا إِلَّا مُنْشِدٌ، وَمَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ، إِمَّا يُودَى وَإِمَّا يُقَادُ»، فَقَامَ رَجُلٌ مِّنْ أَهْلِ الْيَمَنِ يُقَالُ لَهُ: أَبُو شَاهٍ، فَقَالَ: اكْتُبْ لِي يَا رَسُولَ اللهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اكْتُبُوا لِأَبِي شَاهٍ»، ثُمَّ قَامَ رَجُلٌ مِّنْ قُرَيْشٍ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِلَّا الْإِذْخِرَ فَإِنَّمَا نَجْعَلُهُ فِي بُيُوتِنَا وَقُبُورِنَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِلَّا الْإِذْخِرَ».

جائے تو اسے دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے: چاہے تو قصاص لے لے یا دیت قبول کر لے۔" اس دوران میں ابوشاہ نامی ایک یمنی کھڑا ہوا اور کہا: اللہ کے رسول! مجھے یہ خطبہ لکھ دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ابوشاہ کو یہ لکھ دو۔" اس کے بعد ایک قریشی کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اللہ کے رسول! اذخر گھاس کاٹنے کی اجازت دیں، اسے ہم اپنے گھروں اور قبروں میں بچھاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اذخر کاٹ سکتے ہیں۔"

وَتَابَعَهُ عُبَيْدُ اللهِ عَنْ شَيْبَانَ فِي «الْفِيلِ».

عبیداللہ نے شیبان سے ہاتھی کا واقعہ بیان کرنے میں ابو نعیم کی متابعت کی ہے۔

وَقَالَ بَعْضُهُمْ عَنْ أَبِي نُعَيْمٍ: «الْقَتْلَ».

بعض نے ابونعیم سے الفیل کے بجائے القتل کا لفظ بیان کیا ہے۔

وَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ «إِمَّا أَنْ يُقَادَ أَهْلُ الْقَتِيلِ».

[راجع: ١١٢]

عبیداللہ نے بیان کیا: "یا مقتول کے ورثاء کو قصاص دیا جائے۔"

فوائد ومسائل: ① جان بوجھ کر قتل کرنے والے سے دیت لینے میں علمائے امت کا اختلاف ہے۔ علمائے کوفہ کا موقف ہے کہ قتل عمد میں دیت صرف اس وقت ہے جب قاتل دیت دینے پر راضی ہو ورنہ قصاص ہے جبکہ جمہور کا موقف ہے کہ مقتول کے ورثاء اگر قتل عمد میں دیت کا مطالبہ کریں تو قاتل کو دیت دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ امام بخاری ؒ نے جمہور کی تائید میں یہ عنوان اور حدیث پیش کی ہے کہ مقتول کے ورثاء کو اختیار ہے کہ وہ قصاص لیں یا دیت لیں۔ ② بنی اسرائیل میں قصاص ہی لازم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو دیت لینے کی سہولت دی ہے اور اسے اپنی طرف سے تخفیف قرار دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "یہ تمھارے رب کی طرف سے تخفیف ہے۔"[1] ایک روایت میں ہے کہ مقتول کے ورثاء کو تین چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہے: ○ قصاص لیں۔ ○ معاف کر دیں۔ ○ دیت پر صلح کر لیں۔ اگر کوئی چوتھی صورت نکالتا ہے تو اس کے ہاتھ روکے جا سکتے ہیں۔[2] چوتھی چیز سے مراد قصاص یا دیت سے زیادہ کا مطالبہ ہے۔

٦٨٨١ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ

[6881] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: بنی اسرائیل میں قصاص تھا، دیت نہیں تھی۔

① البقرة 2: 178. ② سنن أبي داود، الديات، حديث: 4496.

اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَتْ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ الْقِصَاصُ وَلَمْ تَكُنْ فِيهِمُ الدِّيَةُ، فَقَالَ اللهُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلْقِصَاصُ فِى ٱلْقَتْلَى﴾ إِلَى هٰذِهِ الْآيَةِ: ﴿فَمَنْ عُفِىَ لَهُۥ مِنْ أَخِيهِ شَىْءٌ﴾.

اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے فرمایا: ”اے ایمان والو! قتل کے مقدمات میں تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے...... پھر اگر قاتل کو اس کا بھائی کوئی چیز (قصاص) معاف کر دے۔“

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَالْعَفْوُ أَنْ يَقْبَلَ الدِّيَةَ فِي الْعَمْدِ، قَالَ: ﴿فَٱتِّبَاعٌۢ بِٱلْمَعْرُوفِ﴾ [البقرة:١٧٨] أَنْ يَطْلُبَ بِمَعْرُوفٍ وَيُؤَدِّيَ بِإِحْسَانٍ. [راجع: ٤٤٩٨]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عفو یہ ہے کہ مقتول کے وارث قتل عمد میں دیت پر راضی ہو جائیں۔ اور اتباع بالمعروف یہ ہے کہ مقتول کے وارث دستور کے مطابق قاتل سے دیت کا مطالبہ کریں اور قاتل اچھی طرح خوش دلی سے دیت ادا کرے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قتل عمد میں دیت قبول کرنے یا قصاص لینے کا اختیار مقتول کے ورثاء کو ہے، اس میں قاتل کی رضامندی شرط نہیں۔ یہود کے ہاں صرف قصاص تھا جبکہ نصاریٰ میں قصاص کے بجائے معافی تھی لیکن اسلام نے اس افراط وتفریط کے درمیان میانہ روی کو اختیار کیا ہے کہ مقتول کے ورثاء اگر دیت پر راضی ہو جائیں تو انھیں اختیار ہے۔ اگر قاتل قصاص دینے پر اصرار کرے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ اسے بھی دیت دینے پر مجبور کیا جائے کیونکہ قاتل بھی اپنی جان کی حفاظت کا ذمے دار ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”خود کو قتل نہ کرو۔“[1] اس لیے جب مقتول کے ورثاء دیت لینے پر رضامند ہوں تو قاتل کو اس سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث ابن عباس سے اس موقف کو ثابت کیا ہے۔[2]

(٩) بَابُ مَنْ طَلَبَ دَمَ امْرِئٍ بِغَيْرِ حَقٍّ

باب: 9- جو کسی کا خون ناحق کرنے کی فکر میں ہو

٦٨٨٢ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ: حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «أَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللهِ ثَلَاثَةٌ: مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ، وَمُبْتَغٍ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ، وَمُطَّلِبُ دَمِ امْرِئٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِيُهَرِيقَ دَمَهُ».

[6882] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کے ہاں لوگوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ تین طرح کے لوگ ہیں: حرم میں زیادتی کرنے والا، دوسرا جو اسلام میں جاہلیت کی رسوم کا خوگر ہو اور تیسرا وہ جو کسی کا خون ناحق کرنے کے لیے اس کا پیچھا کرے۔“

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کے مطابق خون ناحق کرنے کے لیے کسی کا پیچھا کرنا انتہائی ناپسندیدہ کام ہے جبکہ خون

---

(1) النسآء 4:29۔ (2) فتح الباري: 12/255، 256۔

بہانا تو اس سے بھی بڑھ کر سنگین جرم ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ سرکش وہ انسان ہے جو قاتل کے علاوہ کسی دوسرے کو قتل کرے یا اسلام لانے کے بعد دور جاہلیت کے خون کا مطالبہ کرے۔[1] ② اس حدیث کا شان ورود اس طرح بیان کیا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر ایک شخص مزدلفہ میں قتل ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں اللہ کے ہاں تین آدمیوں سے زیادہ کسی کو سرکش نہیں جانتا ہوں: ایک وہ جو حرم میں کسی کو قتل کرتا ہے، دوسرا وہ جو قاتل کے علاوہ کسی اور کو قتل کرتا ہے اور تیسرا وہ جو زمانۂ جاہلیت کی عداوت کی وجہ سے کسی کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔''[2] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خون کا بدلہ لینے کے لیے کسی کا پیچھا کرنا جرم نہیں کیونکہ وہ خون حق کے لیے ایسا کرتا ہے۔

(١٠) بَابُ الْعَفْوِ فِي الْخَطَإِ بَعْدَ الْمَوْتِ

باب:10- قتل خطا میں موت کے بعد قاتل کو معافی دینا

وضاحت: موت کے بعد مقتول کا وارث ہی قاتل کو معاف کر سکتا ہے کیونکہ موت کے بعد مقتول کا اپنے قاتل کو معاف کرنا محال ہے، البتہ موت سے پہلے مقتول اپنے قاتل کو معاف کرنے کا حق دار ہے۔

٦٨٨٣ - حَدَّثَنَا فَرْوَةُ [بْنُ أَبِي الْمَغْرَاءِ]: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ: هُزِمَ الْمُشْرِكُونَ يَوْمَ أُحُدٍ. وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا أَبُو مَرْوَانَ يَحْيَى بْنُ أَبِي زَكَرِيَّا عَنْ هِشَامٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: صَرَخَ إِبْلِيسُ يَوْمَ أُحُدٍ فِي النَّاسِ: يَا عِبَادَ اللهِ! أُخْرَاكُمْ، فَرَجَعَتْ أُولَاهُمْ عَلَى أُخْرَاهُمْ حَتَّى قَتَلُوا الْيَمَانَ، فَقَالَ حُذَيْفَةُ: أَبِي أَبِي، فَقَتَلُوهُ، فَقَالَ حُذَيْفَةُ: غَفَرَ اللهُ لَكُمْ، قَالَ: وَقَدْ كَانَ انْهَزَمَ مِنْهُمْ قَوْمٌ حَتَّى لَحِقُوا بِالطَّائِفِ. [راجع: ٣٢٩٠]

[6883] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ غزوۂ احد میں مشرکین نے پہلے مسلمانوں سے شکست کھائی تھی۔ ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: غزوۂ احد میں ابلیس لوگوں میں بآواز بلند چلایا: اے اللہ کے بندو! اپنے پیچھے والوں کو قتل کرو۔ اس کے بعد آگے والے اپنے پچھلوں پر ٹوٹ پڑے حتی کہ انھوں نے حضرت یمان ؓ کو قتل کر دیا۔ حضرت حذیفہ ؓ نے کہا: یہ میرے والد ہیں، یہ میرے والد ہیں، لیکن لوگوں نے انھیں قتل کر کے دم لیا۔ حضرت حذیفہ ؓ نے کہا: اللہ تمھاری مغفرت کرے۔ راوی کا بیان ہے کہ مشرکین میں سے کچھ لوگ بھاگ کر طائف تک پہنچ چکے تھے۔

فوائد ومسائل: ① مسلمانوں نے غلطی سے حضرت حذیفہ ؓ کے والد گرامی حضرت یمان ؓ کو شہید کر دیا۔ چونکہ یہ قتل غلطی سے ہوا تھا، اس لیے ان کی شہادت کے بعد حضرت حذیفہ ؓ نے انھیں اپنے باپ کا خون معاف کر دیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنی طرف سے حضرت حذیفہ ؓ کو دیت ادا کر دی۔ ② موت سے پہلے معافی کا حق مقتول کو ہے کہ وہ اپنے قاتل کو معاف

① المعجم الكبير للطبراني: 191/22. ② فتح الباري: 262/12.

کردے جیسا کہ حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی تو کسی نے انھیں تیر مارا، آپ مرنے کے قریب ہوئے تو اپنے قاتل کو معاف کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے ان کی معافی کو برقرار رکھا۔ ③ اہل ظاہر کا موقف ہے کہ مقتول کو معافی دینے کا کوئی حق نہیں بلکہ یہ حق اس کے وارثوں کے لیے ہے لیکن یہ موقف محل نظر ہے جیسا کہ حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے واقعے سے معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال موت کے بعد قاتل کو خون معاف کیا جا سکتا ہے اور معافی کا حق مقتول کے ورثاء کو ہے۔ [1]

(١١) بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَن يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَئًا﴾ اَلْآيَةَ [النساء: ٩٢]

باب: 11- ارشاد باری تعالیٰ: ”کسی مومن کا یہ کام نہیں کہ وہ کسی مومن کو قتل کرے الا یہ کہ غلطی سے ایسا ہو جائے......“ کا بیان

وضاحت: قتل کی قسمیں ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ وہاں ہم نے قتل خطا کی تعریف اور اس کی صورتیں بیان کی تھیں۔ یہ آیت دیت کے احکام اور قتل خطا کے مسائل میں بنیادی حیثیت کی حامل ہے۔ اس میں دو دیتیں اور تین کفاروں کو بیان کیا گیا ہے، جنھیں ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں: ○ اگر مقتول کے وارث مسلمان ہیں اور قاتل نے حالت امن میں کسی کو قتل کیا ہے تو کفارے کے طور پر ایک غلام، خواہ مرد ہو یا عورت آزاد کرنا ہوگا اور مقتول کے ورثاء کو خون بہا بھی ادا کرنا ہوگا جو سو اونٹ یا ان کی قیمت کے برابر ہوگا اور اگر قاتل کو غلام میسر نہ آئے تو اسے متواتر دو ماہ کے روزے رکھنا ہوں گے۔ ○ اگر مقتول مومن ہو مگر دارالحرب (جنگی علاقے) میں دشمن قوم سے تعلق رکھتا ہو اور وہ مشرکین کے ساتھ صف میں ہو تو اس صورت میں خون بہا تو نہیں دیا جائے گا، البتہ کفارے کے طور پر ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہوگا اور اگر غلام میسر نہ ہو تو دو ماہ کے متواتر روزے رکھے۔ درمیان میں کسی عذر کے بغیر ناغہ نہ کرے۔ ○ اگر مقتول کا تعلق کسی ایسی قوم سے ہو جس کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ ہو تو اس صورت میں قاتل کو کفارے کے لیے ایک مومن غلام آزاد کرنا ہوگا، اس کے ساتھ اس کے ورثاء کو دیت بھی دینا ہوگی، یعنی اس کے وہی احکام ہیں جو پہلی صورت میں بیان ہو چکے ہیں۔ قتل خطا کے کفارہ اور دیت کو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے لیکن قتل عمد کا دنیا میں کفارہ ممکن نہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے بیان نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی لعنت کے الفاظ سے اس جرم کی شدت واضح ہو جاتی ہے۔

(١٢) بَابٌ: إِذَا أَقَرَّ بِالْقَتْلِ مَرَّةً قُتِلَ بِهِ

باب: 12- جب قاتل نے ایک بار قتل کا اقرار کر لیا تو اسے قتل کر دیا جائے گا

٦٨٨٤ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ: أَخْبَرَنَا حَبَّانُ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ

[6884] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے کسی لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر

---

[1] فتح الباري: 263/12.

مَالِكٍ أَنَّ يَهُودِيًّا رَضَّ رَأْسَ جَارِيَةٍ بَيْنَ حَجَرَيْنِ، فَقِيلَ لَهَا: مَنْ فَعَلَ بِكِ هٰذَا: أَفُلَانٌ؟ أَفُلَانٌ؟ حَتّٰى سُمِّيَ الْيَهُودِيُّ فَأَوْمَأَتْ بِرَأْسِهَا، فَجِيءَ بِالْيَهُودِيِّ فَاعْتَرَفَ فَأَمَرَ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ فَرُضَّ رَأْسُهُ بِالْحِجَارَةِ.

کچل دیا۔ اس لڑکی سے پوچھا گیا: تیرے ساتھ یہ برتاؤ کس نے کیا ہے؟ کیا فلاں نے کیا ہے؟ کیا فلاں نے کیا ہے؟ آخر جب اس یہودی کا نام لیا گیا تو اس نے اپنے سر سے اشارہ کیا۔ پھر اس یہودی کو لایا گیا تو اس نے اعتراف کر لیا، چنانچہ نبی ﷺ کے حکم سے اس کا سر بھی پتھروں سے کچل دیا گیا۔

وَقَدْ قَالَ هَمَّامٌ: بِحَجَرَيْنِ. [راجع: ٢٤١٣]

راوی حدیث ہمام نے کہا: اس یہودی کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا گیا۔

فوائد ومسائل: ① مقتول کے اقرار سے کچھ ثابت نہیں ہوتا، لڑکی سے صرف اس لیے پوچھا گیا تھا کہ مشکوک شخص کی نشاندہی ہو جائے، پھر اس سے پوچھا جائے، اگر اقرار کر لے تو حسب ضابطہ کارروائی عمل میں لائی جائے۔ ② اہل کوفہ نے قتل کو زنا پر قیاس کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ قاتل کو کم از کم دو بار اقرار کرنا چاہیے، محض ایک مرتبہ اقرار کرنا کافی نہیں۔ لیکن جمہور اہل علم کا موقف ہے کہ قاتل اگر ایک بار اعتراف کر لے تو کافی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے جمہور کی تائید کرتے ہوئے یہ حدیث پیش کی ہے کہ قاتل یہودی نے صرف ایک مرتبہ ہی اقرار کیا، پھر اسے کیفر کردار تک پہنچا دیا گیا۔ اس سے بار بار اقرار نہیں کرایا گیا۔ اس حدیث میں عدد کا کوئی ذکر نہیں، لہٰذا مطلق اقرار ہی کافی ہے۔

(١٣) بَابُ قَتْلِ الرَّجُلِ بِالْمَرْأَةِ

باب: 13- قاتل مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کرنا

٦٨٨٥ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَتَلَ يَهُودِيًّا بِجَارِيَةٍ، قَتَلَهَا عَلٰى أَوْضَاحٍ لَهَا. [راجع: ٢٤١٣]

[6885] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک یہودی کو ایک لڑکی کے بدلے میں قتل کرا دیا تھا کیونکہ یہودی نے اس لڑکی کو اس کے زیورات کے لالچ میں قتل کر دیا تھا۔

فائدہ: بعض اہل علم کا موقف ہے کہ اگر عورت، کسی آدمی کو قتل کر دے تو مقتول کے ورثاء عورت کے خاندان سے نصف دیت لینے کے حق دار ہوں گے اور اسی طرح اگر کوئی آدمی کسی عورت کو مار دے تو عورت کے ورثاء صرف نصف دیت لینے کے مجاز ہوں گے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی تردید کی ہے کہ جان ایک جیسی ہے، اس میں فرق نہیں کیا جائے گا، اس بنا پر اگر کوئی مرد کسی عورت کو قتل کر دے تو اس کے بدلے میں مرد کو قتل کیا جائے گا جیسا کہ مذکورہ حدیث میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس یہودی کو قتل کیا کیونکہ اس نے ایک لڑکی کو قتل کیا تھا۔ اس موقف پر اکثر اہل علم کا اتفاق ہے۔ چند ایک فقہاء نے اس سے اختلاف کیا ہے

لیکن نص کی مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے جمہور اہل علم کی تائید کی ہے۔ واللہ أعلم.

(١٤) بَابُ الْقِصَاصِ بَيْنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فِي الْجِرَاحَاتِ

وَقَالَ أَهْلُ الْعِلْمِ: يُقْتَلُ الرَّجُلُ بِالْمَرْأَةِ. وَيُذْكَرُ عَنْ عُمَرَ: تُقَادُ الْمَرْأَةُ مِنَ الرَّجُلِ فِي كُلِّ عَمْدٍ يَبْلُغُ نَفْسَهُ فَمَا دُونَهَا مِنَ الْجِرَاحِ، وَبِهِ قَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، وَإِبْرَاهِيمُ، وَأَبُو الزِّنَادِ عَنْ أَصْحَابِهِ. وَجَرَحَتْ أُخْتُ الرُّبَيِّعِ إِنْسَانًا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «الْقِصَاصُ».

اہل علم نے کہا ہے: مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہر قتل عمد یا اس سے کم زخموں میں عورت کے بدلے میں مرد سے قصاص لیا جائے۔ یہی قول عمر بن عبدالعزیز، ابراہیم، ابو زناد رحمہم اللہ کا اپنے اصحاب سے منقول ہے، چنانچہ ربیع کی بہن نے ایک انسان کو زخمی کر دیا تو نبی ﷺ نے قصاص کا فیصلہ فرمایا تھا۔

وضاحت: کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ وہ زخم جن میں موت واقع نہ ہو، ان میں مردوں اور عورتوں کے لحاظ سے مساوات نہیں کیونکہ مساوات کا اعتبار نفس میں کیا جائے گا اطراف میں نہیں ہوگا لیکن جمہور علماء نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ مرد کو عورت کے بدلے قتل کیا جائے گا، یعنی جب عورت، کسی مرد کا کوئی عضو کاٹ دے تو عورت کا وہی عضو قصاص میں کاٹا جائے گا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہی فرمان ہے کہ جب کوئی عورت کسی مرد کو جان بوجھ کر قتل کر دے یا اس سے کم زخمی کر دے تو اس سے قصاص ہی لیا جائے گا۔ خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی پھوپھی حضرت ربیع رضی اللہ عنہا کے متعلق یہی فیصلہ کیا تھا کہ اس سے بدلہ لیا جائے گا جبکہ اس نے ایک انسان کو زخمی کر دیا تھا جس کی احادیث میں وضاحت ہے۔② واضح رہے کہ ربیع سے دو مختلف واقعات سرزد ہوئے ہیں: ایک واقعے میں انھوں نے کسی انسان کو زخمی کر دیا تو نبی ﷺ نے اس میں قصاص کا فیصلہ فرمایا۔ اس پر اس کی والدہ نے قسم اٹھائی تھی کہ اس میں قصاص نہیں ہوگا۔ دوسرے واقعے میں انھوں نے ایک لڑکی کا دانت توڑ دیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے قصاص کا فیصلہ دیا۔ اس پر اس کے بھائی نے قسم اٹھائی تھی کہ اس میں قصاص نہیں ہوگا بلکہ ہم تاوان دیں گے۔ ان کی تفصیل آئندہ بیان ہوگی۔①

٦٨٨٦ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا يَحْيَى: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ أَبِي عَائِشَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: لَدَدْنَا النَّبِيَّ ﷺ فِي

[6886] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نے نبی ﷺ کی بیماری میں آپ کے منہ میں آپ کی مرضی کے خلاف دوائی ڈالی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”میرے حلق میں دوائی نہ ڈالو۔“ لیکن ہم نے خیال کیا کہ

① فتح الباري: 267/12.

مَرَضِهِ فَقَالَ: «لَا تَلُدُّونِي»، فَقُلْنَا: كَرَاهِيَةُ الْمَرِيضِ لِلدَّوَاءِ، فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ: «لَا يَبْقَى أَحَدٌ مِّنْكُمْ إِلَّا لُدَّ غَيْرَ الْعَبَّاسِ فَإِنَّهُ لَمْ يَشْهَدْكُمْ». [راجع: ٤٤٥٨]

آپ بیمار ہونے کی وجہ سے دوائی کو پسند نہیں کر رہے۔ جب آپ کو افاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا: ''تم جتنے لوگ گھر میں موجود ہو سب کے حلق میں زبردستی دوا ڈالی جائے، سوائے عباس کے کیونکہ وہ اس وقت تمھارے ساتھ شامل نہیں تھے۔''

فوائد ومسائل: ① یہ مرض وفات کا واقعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے روکنے کے باوجود تمام اہل خانہ نے آپ کے منہ میں زبردستی دوا ڈال دی تو آپ نے بدلے کے طور پر تمام اہل مجلس کے منہ میں دوائی ڈالنے کا حکم دیا۔ چونکہ حضرت عباس ؓ اس وقت وہاں موجود نہ تھے، اس لیے آپ ﷺ نے انھیں اس سزا سے الگ رکھا۔ ② حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں: اس حدیث میں اشارہ ہے کہ اگر عورت کسی مرد کو زخمی کرتی ہے تو اس سے بھی بدلہ لیا جائے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں مرد اور عورتیں ہر قسم کے لوگ تھے، چنانچہ بعض روایات میں تصریح ہے کہ حضرت میمونہ ؓ کے منہ میں بھی دوائی ڈالی گئی تھی، حالانکہ وہ روزے سے تھیں کیونکہ وہ بھی اس مجلس میں موجود تھیں اور رسول اللہ ﷺ نے عمومی امر دیا تھا جس کی زد میں وہ بھی آ گئیں۔[1]

(١٥) بَابُ مَنْ أَخَذَ حَقَّهُ أَوِ اقْتَصَّ دُونَ السُّلْطَانِ

باب: 15- جس نے اپنا حق یا قصاص حاکم وقت کی اجازت کے بغیر لے لیا

وضاحت: اگر کسی کا دوسرے کے ذمے قصاص ہے تو کیا معاملہ حاکم وقت کے ہاں پیش کرے یا خود ہی کوئی اقدام کر ڈالے؟ ابن بطال نے کہا ہے کہ حاکم وقت کے حکم کے بغیر کسی کے لیے جائز نہیں کہ کسی سے اپنا قصاص لے، البتہ جس نے کسی سے اپنا مالی حق وصول کرنا ہو تو حاکم کی اجازت کے بغیر وہ اپنا حق وصول کر سکتا ہے جبکہ وہ اس کا انکار کر دے اور صاحب حق کے پاس کوئی شہادت وغیرہ بھی نہ ہو۔[2] بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگر حاکم، مظلوم کی مدد نہ کرے اور مظلوم کا حق نہ دلوائے تو مظلوم کے لیے جائز ہے کہ وہ حاکم وقت کے نوٹس میں لائے بغیر اپنا قصاص لے لے۔[3] لیکن یہ موقف محل نظر ہے۔ ایسا کرنا کئی ایک خرابیوں کا سبب بن سکتا ہے جیسا کہ ہم آئندہ اس کی وضاحت کریں گے۔

٦٨٨٧ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ: أَنَّ الْأَعْرَجَ حَدَّثَهُ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: إِنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ

[6887] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا، آپ نے فرمایا: ''ہم آخری امت ہیں لیکن قیامت کے دن سب سے آگے رہنے والے ہیں۔''

① فتح الباري: 268/12. ② فتح الباري: 269/12. ③ عمدة القاري: 159/16.

الْقِيَامَةِ». [راجع: ٢٣٨]

٦٨٨٨ - وَبِإِسْنَادِهِ: «لَوِ اطَّلَعَ فِي بَيْتِكَ أَحَدٌ وَّلَمْ تَأْذَنْ لَهُ، خَذَفْتَهُ بِحَصَاةٍ فَفَقَأْتَ عَيْنَهُ مَا كَانَ عَلَيْكَ مِنْ جُنَاحٍ». [انظر: ٦٩٠٢]

[6888] پہلی سند ہی سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر کوئی شخص تمھارے گھر میں تمھاری اجازت کے بغیر جھانک رہا ہو اور تم اسے کنکری مارو جس سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تم پر کوئی سزا نہیں۔“

٦٨٨٩ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ حُمَيْدٍ: أَنَّ رَجُلًا اطَّلَعَ فِي بَيْتِ النَّبِيِّ ﷺ فَسَدَّدَ إِلَيْهِ مِشْقَصًا، فَقُلْتُ: مَنْ حَدَّثَكَ بِهٰذَا؟ قَالَ: أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ. [راجع: ٦٢٤٢]

[6889] ایک دوسری روایت کے مطابق ایک آدمی نبی ﷺ کے گھر جھانک رہا تھا تو آپ ﷺ نے اس کی طرف تیر کا پھل سیدھا کیا۔ (یحییٰ نے کہا:) میں نے (حمید سے) پوچھا: یہ حدیث تم سے کس نے بیان کی ہے؟ تو انھوں نے کہا: حضرت انس بن مالک ﷺ نے۔

فوائد ومسائل: ① حقوق کی دو قسمیں ہیں: ○ مالی حقوق۔ ○ بدنی حقوق۔ مالی حقوق کے متعلق اجازت ہے کہ انسان انھیں حاکم وقت کے نوٹس میں لائے بغیر وصول کر سکتا ہے لیکن بدنی حقوق قصاص وغیرہ کا از خود نوٹس نہیں لینا چاہیے کیونکہ یہ حکومت کا کام ہے، البتہ شریعت نے اس قدر اجازت دی ہے کہ اگر کوئی انسان کسی کے گھر میں اجازت کے بغیر جھانکتا ہے تو اگر گھر کا مالک اس کی آنکھ پھوڑ دے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہوگا جیسا کہ حدیث میں ہے: ”اگر کوئی آدمی کسی دوسرے کے گھر میں اجازت کے بغیر جھانکتا ہے اور گھر والا اس کی آنکھ پھوڑ دیتا ہے تو اس پر کوئی قصاص یا دیت نہیں ہے۔“[1] اس سے زیادہ کی شرعاً اجازت نہیں۔ ② بعض حضرات کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے یہ جائز تھا کسی امتی کے لیے ایسا کرنا درست نہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کے افعال واقوال ہر امتی کے لیے اس وقت تک حجت ہیں جب تک شرعی دلیل سے آپ ﷺ کی تخصیص ثابت نہ ہو۔ کسی شرعی دلیل سے یہ امر ثابت نہیں کہ مذکورہ کام رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے۔ بہرحال مالی حقوق از خود وصول کیے جا سکتے ہیں لیکن حدود وقصاص کے سلسلے میں حکومت کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ واللّٰہ أعلم.

(١٦) بَابٌ: إِذَا مَاتَ فِي الزِّحَامِ أَوْ قُتِلَ بِهِ

باب: 16- جب کوئی ہجوم میں مر جائے یا قتل کر دیا جائے تو

وضاحت: اگر کوئی ہجوم یا حادثے میں قتل یا فوت ہو جائے تو اس کی دیت کے متعلق علمائے امت میں اختلاف ہے۔ اسی اختلاف کے پیش نظر امام بخاری رحمہ اللہ نے جزم اور پختگی کے ساتھ کوئی حکم بیان نہیں کیا، تاہم اس بات پر اتفاق ہے کہ ہجوم والوں پر کوئی گناہ نہیں، البتہ اس کی دیت ہے یا نہیں، اگر ہے تو کون ادا کرے گا، اس کے متعلق ہم آئندہ بیان کریں گے۔

① سنن النسائي، القسامة، حديث: 4864.

٦٨٩٠ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ: أَخْبَرَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ: هِشَامٌ أَخْبَرَنَا عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: لَمَّا كَانَ [يَوْمُ] أُحُدٍ هُزِمَ الْمُشْرِكُونَ فَصَاحَ إِبْلِيسُ: أَيْ عِبَادَ اللهِ! أُخْرَاكُمْ، فَرَجَعَتْ أُولَاهُمْ فَاجْتَلَدَتْ هِيَ وَأُخْرَاهُمْ فَنَظَرَ حُذَيْفَةُ فَإِذَا هُوَ بِأَبِيهِ الْيَمَانِ، فَقَالَ: أَيْ عِبَادَ اللهِ! أَبِي أَبِي، قَالَتْ: فَوَاللهِ مَا احْتَجَزُوا حَتَّى قَتَلُوهُ، فَقَالَ حُذَيْفَةُ: غَفَرَ اللهُ لَكُمْ.

[6890] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ جب احد کے دن مشرکین شکست کھا گئے تو ابلیس بلند آواز سے چلایا: اللہ کے بندو! پچھلے لوگوں کی طرف سے اپنا بچاؤ کرو، چنانچہ آگے والے، پیچھے والوں کی طرف پلٹے، پھر آگے والے پیچھے والوں سے بھڑ گئے۔ اس دوران میں حضرت حذیفہ ؓ نے اچانک اپنے والد کو دیکھا تو انھوں نے کہا: اللہ کے بندو! یہ تو میرے والد ہیں، یہ تو میرے باپ ہیں۔ (حضرت عائشہ ؓ نے) فرمایا: اللہ کی قسم! مسلمانوں نے انھیں قتل کر کے ہی دم لیا۔ اس پر حضرت حذیفہ ؓ نے کہا: اللہ تعالیٰ تمھاری مغفرت کرے۔

قَالَ عُرْوَةُ: فَمَا زَالَتْ فِي حُذَيْفَةَ مِنْهُ بَقِيَّةٌ حَتَّى لَحِقَ بِاللهِ. [راجع: ٣٢٩٠]

حضرت عروہ نے کہا: آخر وقت تک حضرت حذیفہ ؓ کے یہی جذبات رہے، یعنی مسلمانوں سے محبت میں کمی نہ آئی۔

فوائد ومسائل: ① اگر کوئی مسلمان کسی رش یا حادثے میں مارا جائے تو اس کی دیت کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں: ○ ایسے قتل کی دیت بیت المال سے دی جائے۔ ○ قتل کی دیت ان لوگوں پر ہے جو اس وقت موجود تھے۔ ○ مقتول کے وارث سے کہا جائے کہ تم کسی ایک کو نامزد کرو، پھر وہ اگر قسم اٹھائے تو دیت کا حقدار ہوگا اور اگر قسم سے انکار کر دے تو مدعی علیہ کی قسم سے دعویٰ ختم ہو جائے گا۔ ○ ایسا خون رائیگاں اور ضائع ہے کسی سے دیت کا مطالبہ نہیں ہوگا۔ ② ہمارے رجحان کے مطابق اس کے متعلق یہ موقف قرین قیاس ہے کہ بیت المال سے اس کی دیت ادا کر دی جائے تاکہ ایک مسلمان کا خون رائیگاں اور ضائع نہ ہو جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ ؓ کے والد کی دیت از خود بیت المال سے ادا کی تھی۔ اس کی تائید حضرت علی ؓ کے ایک عمل سے بھی ہوتی ہے کہ جمعہ کے دن ایک آدمی رش میں مارا گیا تو انھوں نے بیت المال سے اس کی دیت ادا کی۔ دور حاضر میں حکومت کا فرض ہے کہ وہ قومی خزانے سے حادثات میں مرنے والوں کی دیت ادا کرے۔[1]

(١٧) بَابٌ: إِذَا قَتَلَ نَفْسَهُ خَطَأً فَلَا دِيَةَ لَهُ

باب: 17- جس نے خود کو غلطی سے قتل کر لیا اس کی کوئی دیت نہیں

وضاحت: اس عنوان کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص خود کو غلطی سے قتل کر لیتا ہے تو اس کی دیت وغیرہ ادا نہیں کی جائے

① فتح الباري: 12/271.

گی بلکہ اگر کوئی جان بوجھ کر خودکشی کرلیتا ہے تو اس کی بھی کوئی دیت نہیں ہے۔ اگرچہ آخری صورت میں کچھ اہل علم نے اختلاف کیا ہے، تاہم راجح یہی ہے کہ اس میں دیت وغیرہ نہیں ہے۔

٦٨٩١ - حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ إِلَى خَيْبَرَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْهُمْ: أَسْمِعْنَا يَا عَامِرُ مِنْ هُنَيَّاتِكَ، فَحَدَا بِهِمْ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «مَنِ السَّائِقُ؟»، قَالُوا: عَامِرٌ، فَقَالَ: «رَحِمَهُ اللهُ»، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! هَلَّا أَمْتَعْتَنَا بِهِ؟ فَأُصِيبَ صَبِيحَةَ لَيْلَتِهِ، فَقَالَ الْقَوْمُ: حَبِطَ عَمَلُهُ، قَتَلَ نَفْسَهُ، فَلَمَّا رَجَعْتُ وَهُمْ يَتَحَدَّثُونَ أَنَّ عَامِرًا حَبِطَ عَمَلُهُ فَجِئْتُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللهِ! فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي، زَعَمُوا أَنَّ عَامِرًا حَبِطَ عَمَلُهُ، فَقَالَ: «كَذَبَ مَنْ قَالَهَا، إِنَّ لَهُ لَأَجْرَيْنِ اثْنَيْنِ: إِنَّهُ لَجَاهِدٌ مُجَاهِدٌ، وَأَيُّ قَتْلٍ يَزِيدُهُ عَلَيْهِ». [راجع: ٢٤٧٧]

[6891] حضرت سلمہ بن اکوع ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نبی ﷺ کے ہمراہ خیبر کی طرف نکلے۔ ان میں سے ایک آدمی نے کہا: اے عامر! ہمیں اپنے رجز سناؤ، حضرت عامر ؓ نے انھیں رجز پڑھ کر سنایا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''حدی خوانی کے ساتھ اونٹوں کو چلانے والا کون ہے؟'' لوگوں نے کہا: حضرت عامر ؓ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اس پر رحم کرے!'' لوگوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ نے ہمیں اس (عامر ؓ) سے فائدہ کیوں نہیں اٹھانے دیا، چنانچہ وہ اس رات کی صبح کے وقت شہید ہوگئے۔ لوگوں نے کہا: عامر کا عمل باطل ہوگیا ہے، اس نے خود کو قتل کرلیا ہے۔ جب میں واپس آیا تو لوگ باتیں کر رہے تھے کہ عامر کے اعمال برباد ہو گئے ہیں۔ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! لوگ کہتے ہیں کہ عامر کے عمل برباد ہوگئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے یہ کہا ہے غلط کہا ہے۔ عامر کو تو دو ثواب حاصل ہیں: وہ اللہ کے راستے میں مشقت اٹھانے والے اور جہاد کرنے والے ہیں، اس سے کون سا قتل افضل ہوگا؟''

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں وضاحت ہے کہ جب مسلمانوں کی فوج دشمن کے سامنے صف آراء ہوئی تو حضرت عامر ؓ نے اپنی تلوار سے ایک یہودی پر حملہ کیا۔ چونکہ ان کی تلوار چھوٹی تھی، اس لیے وہ پلٹ کر ان کے گھٹنے پر لگی۔ اس سے آپ جانبر نہ ہوسکے، اس وجہ سے لوگوں نے کہنا شروع کردیا کہ یہ خودکشی ہے اور اس سے انسان کے عمل برباد ہو جاتے ہیں۔[1] ② امام بخاری ؒ کا استدلال اس روایت سے یہ ہے کہ حضرت عامر ؓ خود اپنی تلوار سے شہید ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کے قبیلے پر دیت واجب نہیں کی اور نہ ان کے علاوہ کسی دوسرے پر ہی واجب کی۔ اگر دیت واجب کی ہوتی تو بیان کی جاتی کیونکہ

1 صحيح البخاري، المغازي، حديث : 4196.

یہ مقام محتاج بیان تھا اور ضرورت کے وقت بیان کی تاخیر جائز نہیں ہوتی۔ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کسی نے قصداً یا سہواً اپنے اعضاء میں سے کوئی عضو کاٹ دیا تو اس کے متعلق کچھ بھی واجب نہیں ہے، البتہ امام اوزاعی اور امام احمد رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ غلطی کی صورت میں اس کے قبیلے پر دیت واجب ہوگی۔ اگر وہ زندہ رہا تو دیت کا حقدار وہ خود ہوگا، بصورت دیگر اس کے ورثاء حقدار ہوں گے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے جمہور اہل علم کی تائید کی ہے اور اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اس صورت میں کوئی دیت واجب نہ ہوگی۔[1]

(١٨) بَابٌ: إِذَا عَضَّ رَجُلًا فَوَقَعَتْ ثَنَايَاهُ

باب: 18- جب کسی انسان نے دوسرے کو کاٹا اور کاٹنے والے کے اگلے دو دانت گر گئے تو؟

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں فرمایا کیونکہ حدیث میں اس کی وضاحت تھی کہ ایسے آدمی کو کسی قسم کا تاوان نہیں دیا جائے گا کیونکہ اس کی اپنی غلطی سے اس کے دانت ٹوٹے ہیں۔

٦٨٩٢ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفَى، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ: أَنَّ رَجُلًا عَضَّ يَدَ رَجُلٍ فَنَزَعَ يَدَهُ مِنْ فِيهِ فَوَقَعَتْ ثَنِيَّتَاهُ، فَاخْتَصَمُوا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «يَعَضُّ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ كَمَا يَعَضُّ الْفَحْلُ! لَا دِيَةَ لَهُ».

[6892] حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے دوسرے کا ہاتھ اپنے دانتوں سے کاٹا۔ دوسرے نے اپنا ہاتھ، کاٹنے والے کے منہ سے کھینچا تو اس کے اگلے دو دانت نکل گئے۔ وہ نبی ﷺ کے پاس اس امر کا مقدمہ لے کر گئے تو آپ نے فرمایا: ”تم اپنے ہی بھائی کو اس طرح دانت سے کاٹتے ہو جیسے اونٹ کاٹتا ہے! تمھیں اس کی کوئی دیت وغیرہ نہیں ملے گی۔“

٦٨٩٣ - حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَعْلَى، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: خَرَجْتُ فِي غَزْوَةٍ فَعَضَّ رَجُلٌ فَانْتَزَعَ ثَنِيَّتَهُ فَأَبْطَلَهَا النَّبِيُّ ﷺ. [راجع: ١٨٤٨]

[6893] حضرت صفوان بن یعلی سے روایت ہے، وہ اپنے باپ حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا: میں ایک غزوے میں نکلا تو ایک آدمی نے دوسرے کو دانت سے کاٹا اور اس نے اس کے اگلے دانت نکال دیے۔ نبی ﷺ نے اس کی دیت باطل قرار دی۔

فوائد ومسائل: ① پہلی روایت میں ابہام تھا، دوسری روایت میں اس ابہام کو دور کیا گیا کہ ان میں سے ایک خود حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ تھے۔ بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کا ہاتھ کاٹا گیا تھا وہ ان کا خدمت گزار تھا۔ ② بہر حال رسول اللہ ﷺ نے اس مقدمے کو باطل قرار دیا اور فرمایا: ”تمھارے لیے کوئی دیت وغیرہ نہیں ہے۔“ ایک روایت میں ہے کہ

[1] فتح الباري: 272/12.

رسول اللہ ﷺ نے اسے باطل قرار دیتے ہوئے فرمایا: ''تم اس کا گوشت نوچنا چاہتے تھے۔''[1] حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پھر تم میرے پاس دیت طلب کرنے کے لیے آئے ہو، جاؤ تمھارے لیے کوئی دیت نہیں۔''[2] بہرحال آپ ﷺ نے اسے ضائع قرار دیا۔[3]

(۱۹) بَابٌ: اَلسِّنُّ بِالسِّنِّ

باب: 19- دانت کے بدلے دانت

وضاحت: دانت کے بدلے دانت کی دو صورتیں ہیں: ○ دانت اکھاڑ دیا گیا ہو تو بدلے میں اکھاڑ دیا جائے گا۔ ○ دانت توڑ دیا گیا ہو تو قصاص میں توڑ دیا جائے گا۔ دانت توڑنے کی صورت میں ٹوٹے ہوئے دانت کی مقدار کا معلوم ہونا اور قصاص میں اتنی ہی مقدار کے توڑنے کا امکان ہونا شرط ہے۔ جس ہڈی کے توڑنے میں ہلاکت کا خطرہ ہو، مثلاً: سر کی ہڈی تو وہاں قصاص نہیں بلکہ دیت ادا کر کے بدلہ چکایا جائے گا۔ واضح رہے کہ ہر دانت میں پانچ اونٹ دیت ہے۔ واللہ أعلم.

٦٨٩٤ - حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ: عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ ابْنَةَ النَّضْرِ لَطَمَتْ جَارِيَةً فَكَسَرَتْ ثَنِيَّتَهَا، فَأَتَوُا النَّبِيَّ ﷺ فَأَمَرَ بِالْقِصَاصِ. [راجع: ٢٧٠٣]

[6894] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نضر رضی اللہ عنہ کی بیٹی نے ایک لڑکی کو طمانچہ مارا اور اس کے دانت توڑ دیے۔ وہ نبی ﷺ کے پاس مقدمہ لائے تو آپ نے قصاص کا حکم دیا۔

فوائد ومسائل: ① ایک دوسرے مقام پر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو تفصیل سے بیان کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی پھوپھی ربیع بنت نضر نے ایک انصاری لڑکی کے دانت توڑ دیے۔ ربیع کے رشتے داروں نے اس سے معافی مانگی تو انھوں نے انکار کر دیا، پھر انھوں نے دیت دینے کی پیش کش کی تو انھوں نے اسے بھی رد کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر قصاص کا مطالبہ کیا اور قصاص کے علاوہ کوئی بھی چیز لینے سے انکار کر دیا، لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے قصاص کا فیصلہ فرما دیا۔ یہ سن کر اس کے بھائی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! کیا میری بہن ربیع کا دانت توڑ دیا جائے گا؟ ہرگز نہیں، مجھے اس ذات کی قسم ہے جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے انس! اللہ کا حکم تو قصاص ہی کا تقاضا کرتا ہے۔'' اتنے میں وہ لوگ دیت لینے پر رضامند ہو گئے اور انھوں نے معافی دے دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ کی قسم کھا لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری کر دیتا ہے۔''[4] ② رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کا حکم تو قصاص ہی کا تقاضا کرتا ہے۔'' اس سے آپ نے درج ذیل آیات کی طرف اشارہ فرمایا: ''زخموں میں بھی قصاص ہے۔''[5] ''سزا دو تم جس قدر تمھیں سزا دی گئی ہو۔''[6] بلکہ قرآن میں واضح نص ہے کہ دانت کے بدلے دانت ہے۔ ③ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے قصاص کا فیصلہ سن کر جو کچھ کہا وہ اس فیصلے کو رد کرنے کے

---

1 صحيح مسلم، القسامة، حديث: 4368 (1673). 2 سنن النسائي، القسامة، حديث: 4769. 3 فتح الباري: 276/12.
4 صحيح البخاري، التفسير، حديث: 4500. 5 المآئدة 45:5. 6 النحل 126:16.

لیے نہیں کہا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور یقین کے پیش نظر اس کے وقوع کی نفی کی، چنانچہ ان کی خواہش کے مطابق کام ہوا۔[1] واضح رہے کہ حدیث میں توڑنے سے مراد اکھاڑنا نہیں، چنانچہ امام ابوداود رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: دانت میں قصاص کیسے لیا جائے؟ تو انھوں نے فرمایا: اتنی مقدار میں ریتی سے رگڑ دیا جائے۔[2]

(٢٠) بَابُ دِيَةِ الْأَصَابِعِ

باب: 20- انگلیوں کی دیت

٦٨٩٥ - حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «هٰذِهِ وَهٰذِهِ سَوَاءٌ»، يَعْنِي الْخِنْصَرَ وَالْإِبْهَامَ.

[6895] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''یہ اور یہ، یعنی چھنگلی اور انگوٹھا برابر ہیں۔''

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ نَحْوَهُ.

(ایک دوسری سند سے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے اس طرح سنا ہے۔

فوائدومسائل: ① دیت میں چھوٹی بڑی انگلیاں برابر ہیں۔ ہر انگلی کی دیت دس اونٹ ہیں، نیز ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں برابر ہیں، کسی کو دوسری پر برتری نہیں ہے۔ ② حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں پہلے اس طرح دیت تھی کہ انگوٹھے میں پندرہ، شہادت والی اور درمیانی انگلی میں دس دس اس کے بعد والی میں نو اور چھنگلی چھ، اس طرح پورے ہاتھ کی انگلیوں میں پچاس اونٹ تھے، پھر جب انھوں نے عمرو بن حزم کے نام رسول اللہ ﷺ کا ایک مکتوب دیکھا جس میں ہر انگلی کی دیت دس اونٹ تھی تو انھوں نے اپنے پہلے موقف سے رجوع کرلیا۔ اسی طرح حضرت شریح کے پاس ایک آدمی آیا تو اس نے انگلیوں کی دیت کے متعلق سوال کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ ہر انگلی میں دس، دس اونٹ ہیں۔ اس نے کہا: سبحان اللہ! انگوٹھا اور چھنگلی برابر ہیں؟ حضرت شریح نے فرمایا: تجھ پر مجھے بہت افسوس ہے! سنت کی موجودگی میں قیاس سے کام نہیں لینا چاہیے، اس کی پیروی کریں بدعت کا راستہ اختیار نہ کریں۔[3]

(٢١) بَابٌ: إِذَا أَصَابَ قَوْمٌ مِّنْ رَّجُلٍ: هَلْ يُعَاقِبُ أَوْ يَقْتَصُّ مِنْهُمْ كُلِّهِمْ؟

باب: 21- جب کئی لوگوں نے ایک آدمی کو قتل کیا ہو تو کیا سزا یا قصاص میں سب برابر ہوں گے؟

وَقَالَ مُطَرِّفٌ عَنِ الشَّعْبِيِّ فِي رَجُلَيْنِ شَهِدَا [عَلٰى] رَجُلٍ أَنَّهُ سَرَقَ فَقَطَعَهُ عَلِيٌّ، ثُمَّ جَاءَا

مطرف نے امام شعبی سے بیان کیا کہ دو آدمیوں نے ایک آدمی کے متعلق گواہی دی کہ اس نے چوری کی ہے تو

---

1 فتح الباري: 12/280. 2 سنن أبي داود، الديات، حديث: 4595. 3 فتح الباري: 12/281.

بِآخَرَ وَقَالَا : أَخْطَأْنَا ، فَأَبْطَلَ شَهَادَتَهُمَا وَأَخَذَ بِدِيَةِ الْأَوَّلِ، وَقَالَ: لَوْ عَلِمْتُ أَنَّكُمَا تَعَمَّدْتُمَا لَقَطَعْتُكُمَا .

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ اس کے بعد وہ دونوں ایک دوسرے شخص کو لائے اور کہا کہ ہم سے غلطی ہو گئی تھی (اصل میں چور یہ تھا)۔ تو آپ نے ان کی گواہی کو باطل قرار دیا اور ان سے پہلے کا خون بہا لیا اور فرمایا: اگر مجھے یقین ہوتا کہ تم لوگوں نے دانستہ ایسا کیا ہے تو میں تم دونوں کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

وضاحت: ابن سیرین کہتے ہیں کہ اگر ایک آدمی کو دو آدمی قتل کریں تو ان میں سے ایک کو قتل کیا جائے گا اور دوسرے سے دیت لی جائے گی۔ اگر دو سے زیادہ ہیں تو باقی تمام پر دیت کو تقسیم کر دیا جائے گا، مثلاً: اگر ایک شخص کو دس آدمیوں نے قتل کیا ہے تو ایک سے قصاص لیا جائے اور باقی نو پر دیت کو برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے جمہور اہل علم کی تائید کی ہے کہ انسانی جان کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا بلکہ تمام قاتل برابر، برابر قتل میں شریک ہوں گے، مثلاً: اگر چند لوگوں نے پتھر مار کر کسی آدمی کو قتل کیا تو گویا ہر آدمی نے پتھر اٹھا کر اسے قتل کیا ہے، لہٰذا سب اس جرم میں برابر، برابر شریک ہوں گے۔[1]

٦٨٩٦ - وَقَالَ لِي ابْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ غُلَامًا قُتِلَ غِيلَةً، فَقَالَ عُمَرُ: لَوِ اشْتَرَكَ فِيهَا أَهْلُ صَنْعَاءَ لَقَتَلْتُهُمْ.

[6896] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک لڑکے کو دھوکے سے قتل کر دیا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر اس قتل میں صنعاء کے تمام لوگ شریک ہوتے تو میں سب کو قتل کر دیتا۔

وَقَالَ مُغِيرَةُ بْنُ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ: إِنَّ أَرْبَعَةً قَتَلُوا صَبِيًّا فَقَالَ عُمَرُ.. مِثْلَهُ.

مغیرہ بن حکیم نے اپنے والد سے بیان کیا کہ چار مردوں نے مل کر ایک بچے کو قتل کر دیا تو اس موقع پر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہی بات فرمائی تھی۔

وَأَقَادَ أَبُو بَكْرٍ، وَابْنُ الزُّبَيْرِ، وَعَلِيٌّ، وَسُوَيْدُ بْنُ مُقَرِّنٍ مِّنْ لَطْمَةٍ، وَأَقَادَ عُمَرُ مِنْ ضَرْبَةٍ بِالدِّرَّةِ، وَأَقَادَ عَلِيٌّ مِّنْ ثَلَاثَةِ أَسْوَاطٍ، وَاقْتَصَّ شُرَيْحٌ مِّنْ سَوْطٍ وَّخُمُوشٍ.

حضرت ابوبکر، ابن زبیر، علی اور سوید بن مقرن رضی اللہ عنہم نے طمانچہ مارنے کی وجہ سے قصاص دلایا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درہ مارنے کا قصاص لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین کوڑے مارنے کا قصاص لیا۔ قاضی شریح نے کوڑے مارنے اور خراش لگانے کی سزا دی تھی۔

فوائد ومسائل: ① یمن کے دار الحکومت صنعاء میں ایک عورت کا خاوند کہیں باہر گیا اور اپنے ایک بچے کو، جو اس آدمی کی

[1] فتح الباري: 283/12.

دوسری بیوی سے تھا، موجودہ بیوی کی گود میں چھوڑ گیا تا کہ وہ اس کی نگہداشت کرے۔ اس کے باہر جانے کے بعد عورت نے ایک آشنا بنایا اور اسے کہا کہ پہلے اس بچے کو ٹھکانے لگاؤ کیونکہ یہ ہمیں کسی وقت بھی ذلیل کر سکتا ہے۔ اس آشنا نے پہلے تو انکار کیا لیکن پھر مان گیا۔ اس بچے کے قتل میں عورت کا آشنا، ایک دوسرا شخص، وہ عورت اور اس کا خادم شریک ہوئے۔ اسے قتل کرنے کے بعد انھوں نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کیا اور بوری میں بند کر کے ایک ویران کنویں میں پھینک دیا۔ بعد ازاں اس کے آشنا کو گرفتار کر لیا گیا تو اس نے اقرار جرم کر لیا۔ باقی قاتل بھی مان گئے تو حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ جو اس وقت صنعاء کے حاکم تھے، انھوں نے اس مقدمۂ قتل کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا تو انھوں نے جواب میں لکھا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے، مزید فرمایا: اللہ کی قسم! اگر تمام اہل صنعاء اس قتل میں شریک ہوتے تو میں سب کو قتل کرنے کا حکم دیتا۔[1] ② امام بخاری رحمہ اللہ نے طمانچے اور خراش لگانے کے متعلق قصاص کا ذکر بھی اس عنوان کے تحت کیا ہے، اس کی دو وجہیں بیان کی جاتی ہیں: ○ بعض حضرات کا موقف ہے کہ طمانچوں اور خراشوں میں چونکہ مماثلت نہیں ہوتی، لہٰذا اس میں قصاص نہیں بلکہ تعزیر ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان حضرات کے موقف کو محل نظر قرار دیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اسلام میں ان کے متعلق قصاص لیا اور دیا جاتا تھا۔ ○ جب چھوٹے چھوٹے اور معمولی کاموں میں قصاص ہے تو اگر زیادہ آدمی ایک جرم میں شریک ہوں، خواہ کم ہوں یا زیادہ، وہ تمام جرم میں برابر کے شریک ہیں۔ ہر ایک کو سزا ملنی چاہیے جیسا کہ معمولی کاموں میں قصاص لیا جاتا ہے، ان سے بھی قصاص لیا جائے گا۔ اس کے علاوہ کوئی اور دوسری سزا نہیں دی جائے گی۔[2]

٦٨٩٧ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ سُفْيَانَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ أَبِي عَائِشَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ: لَدَدْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي مَرَضِهِ وَجَعَلَ يُشِيرُ إِلَيْنَا: «لَا تَلُدُّونِي»، قَالَ: فَقُلْنَا: كَرَاهِيَةُ الْمَرِيضِ بِالدَّوَاءِ، فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ: «أَلَمْ أَنْهَكُنَّ أَنْ تَلُدُّونِي؟»، قَالَ: قُلْنَا: كَرَاهِيَةٌ لِّلدَّوَاءِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا يَبْقٰى مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا لُدَّ، وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَّا الْعَبَّاسَ فَإِنَّهُ لَمْ يَشْهَدْكُمْ».

[راجع: ٤٤٥٨]

[6897] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم نے رسول اللہ ﷺ کی بیماری کے وقت آپ کے منہ میں دوائی ڈالی تو آپ نے ہمیں اشارہ فرمایا: ”تم ایسا نہ کرو۔“ ہم نے سمجھا کہ آپ ﷺ کا منع کرنا اس لیے ہے کہ بیمار کو دوا سے ناگواری ہوتی ہے، چنانچہ جب آپ کو افاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا: ”میں نے تمھیں دوائی ڈالنے سے روکا نہیں تھا؟“ ہم نے کہا: ہم یہ سمجھے تھے کہ دوا کی ناپسندیدگی کی وجہ سے آپ ایسا فرما رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے ہر ایک کے منہ میں دوائی ڈالی جائے اور میں دیکھتا رہوں گا، البتہ عباس کے ساتھ یہ سلوک نہ کیا جائے کیونکہ وہ تمھارے ساتھ شامل نہیں تھے۔“

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے اگرچہ صاف طور پر قصاص ثابت نہیں ہوتا، تاہم یہ بات واضح ہے کہ ایک کام میں جو

---

① فتح الباري: 12/283، 284. ② فتح الباري: 12/285.

حضرات شریک تھے ان سب سے قصاص لیا گیا یا انھیں سزا دی گئی۔ بہر حال جب معمولی اشیاء میں قصاص ہے تو بڑے بڑے کاموں میں اگر کئی لوگ شریک ہوجائیں تو ان سے بطریق اَوْلیٰ قصاص لیا جائے گا، جیسے: قتل اور چوری وغیرہ میں تمام شرکاء کو قصاص میں شامل کیا جائے گا۔ واللہ أعلم.

(٢٢) بَابُ الْقَسَامَةِ

باب: 22-قسامہ کا بیان

وَقَالَ الْأَشْعَثُ بْنُ قَيْسٍ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «شَاهِدَاكَ أَوْ يَمِينُهُ».

حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”تم اپنے دو گواہ لاؤ بصورت دیگر اس (مدعی علیہ) کی قسم پر فیصلہ ہوگا۔“

وَقَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ: لَمْ يُقِدْ بِهَا مُعَاوِيَةُ.

ابن ابوملیکہ نے کہا: قسامت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قصاص نہیں لیا (صرف دیت دلائی)۔

وَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى عَدِيِّ بْنِ أَرْطَاةَ، وَكَانَ أَمَّرَهُ عَلَى الْبَصْرَةِ، فِي قَتِيلٍ وُجِدَ عِنْدَ بَيْتٍ مِّنْ بُيُوتِ السَّمَّانِينَ: إِنْ وَّجَدَ أَصْحَابُهُ بَيِّنَةً وَّإِلَّا فَلَا تَظْلِمِ النَّاسَ، فَإِنَّ هٰذَا لَا يُقْضَى فِيهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے بصرہ کے امیر عدی بن ارطاۃ کو ایک مقتول کے بارے میں لکھا جو گھی بیچنے والوں کے محلے میں ایک گھر کے پاس پایا گیا تھا، اگر مقتول کے وارث کوئی گواہی پیش کریں تو ٹھیک بصورت دیگر لوگوں پر ظلم نہ کرنا کیونکہ ایسے معاملے کے متعلق قیامت تک فیصلہ نہیں ہوسکتا۔

وضاحت: قسامہ سے مراد ایسا حلف ہے جسے مقتول کے ورثاء ملزم پر قتل ثابت کرنے کے لیے اٹھائیں کہ اللہ کی قسم! فلاں نے اسے قتل کیا ہے۔ قسامت کی صورت یہ ہے کہ کسی بستی یا شہر میں کوئی آدمی مقتول پایا جائے جبکہ اس کے قاتل کا علم نہ ہو اور اس کے قتل پر کوئی گواہ بھی نہ ہو لیکن مقتول کا وارث اس کے قتل کا الزام کسی آدمی یا جماعت پر لگائے۔ جس علاقے میں مقتول پایا جائے اس کی ان کے ساتھ دشمنی تھی۔ مقتول کے ورثاء کو ان کے خلاف پچاس قسمیں اٹھانے کا حکم دیا جائے گا۔ اگر انھوں نے قسمیں اٹھالیں تو مقتول کی دیت کے مستحق قرار پائیں گے اور اگر مقتول کے ورثاء قسمیں نہ اٹھائیں تو پھر جن کے خلاف دعویٰ ہے انھیں قسمیں اٹھانے کے متعلق کہا جائے گا کہ نہ تو انھوں نے خود قتل کیا ہے اور نہ انھیں قاتل ہی کا علم ہے۔ اگر وہ قسمیں اٹھالیں تو قتل کے الزام سے بری ہوجائیں گے اور اگر وہ قسمیں نہ اٹھائیں تو ان پر دیت کی ادائیگی لازم کردی جائے گی۔ جمہور صحابہ و تابعین کا یہی موقف ہے کہ قسامت مشروع ہے جیسا کہ حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے قسامت کو اسی طرح برقرار رکھا جیسا کہ دور جاہلیت میں تھی۔[1] دور جاہلیت میں قسامت کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ دور جاہلیت میں پہلی

1. صحیح مسلم، القسامة، حدیث: 4350 (1670).

مرتبہ قسامت بنو ہاشم میں ہوئی۔ اس کے بعد لمبی حدیث ہے کہ قاتل معین شخص تھا۔ ابو طالب اس کے پاس آئے اور کہا کہ ان تین چیزوں میں سے کوئی ایک پسند کر لے: اگر تم چاہو تو سو اونٹ دیت دے دو کیونکہ تم نے ہمارے قبیلے کے آدمی کو قتل کیا ہے اور اگر چاہو تو تمھارے قبیلے کے پچاس آدمی یہ قسم اٹھالیں کہ تم نے اسے قتل نہیں کیا۔ اگر تم اس کے لیے تیار نہیں ہو تو ہم تمھیں اس کے بدلے میں قتل کر دیں گے۔ وہ شخص اپنی قوم کے پاس آیا تو وہ قسم اٹھانے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس کے بعد بنو ہاشم کی ایک عورت ابو طالب کے پاس آئی جو اس قبیلے کے ایک شخص کی منکوحہ تھی اور اپنے اس شوہر سے اس کا ایک بیٹا بھی تھا۔ اس نے کہا: ابو طالب! آپ مہربانی کریں اور ان پچاس آدمیوں میں سے میرے اس بیٹے کو معاف کر دیں اور جہاں قسمیں لی جاتی ہیں، اس سے وہاں قسم نہ لیں۔ ابو طالب نے اسے معاف کر کے مستثنیٰ کر دیا۔ اس کے بعد ان کا ایک دوسرا آدمی آیا اور اس نے کہا: ابوطالب! آپ نے سو اونٹوں کی جگہ پچاس آدمیوں سے قسم کا مطالبہ کیا ہے، اس طرح ہر شخص پر دو اونٹ پڑتے ہیں، یہ دو اونٹ میری طرف سے قبول کر لیں اور مجھے اس مقام پر قسم اٹھانے کے لیے مجبور نہ کریں جہاں قسم اٹھائی جاتی ہے۔ ابو طالب نے اس کا مطالبہ بھی منظور کر لیا اور دو اونٹ لے کر اسے قسم اٹھانے سے مستثنیٰ کر دیا۔ پھر اڑتالیس آدمیوں نے قسمیں اٹھالیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ابھی اس واقعے کو پورا سال بھی نہیں گزرا تھا کہ اڑتالیس آدمیوں میں سے ایک بھی ایسا نہ رہا جو آنکھ ہلا سکتا ہو، یعنی وہ سب مر گئے۔[1] بہر حال قسامت میں پہلے مدعی حضرات سے قسم لی جائے گی۔ اگر وہ انکار کریں تو پھر مدعیٰ علیہ گروہ کو قسم اٹھانے کے لیے کہا جائے گا اور محض کسی کے دعویٰ سے قسامت واجب نہ ہو گی جب تک شبہ نہ مل جائے یا کوئی علامت نہ پائی جائے، نیز قسامت صرف انسانی خون میں ہوتی ہے حیوانات میں نہیں ہو گی۔ بعض حضرات نے قسامت سے اس بنا پر انکار کیا ہے کہ اس میں شرعی اصولوں کی خلاف ورزی پائی جاتی ہے، وہ اس طرح کہ دلیل پیش کرنا مدعی کا کام ہے اور قسم تو مدعیٰ علیہ اٹھاتا ہے لیکن قسامت میں مدعی سے قسم لی جاتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے قسامت کو معاملات میں خصوصی حیثیت حاصل ہے، اس لیے اسے عام دلائل سے خاص کر دیا گیا ہے کیونکہ اس میں انسانی جانوں کی حفاظت اور مجرموں کے لیے زجر و توبیخ ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ قسامت مشروع ہے۔ اس کے خلاف کمزور سہاروں سے اس پر عمل نہیں چھوڑا جا سکتا۔ واضح رہے کہ قسامت میں غیر مسلم کا اعتبار بھی کیا جائے گا جیسا کہ آئندہ احادیث میں آئے گا۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک قسامت میں قصاص نہیں بلکہ دیت دی جائے گی کیونکہ قصاص کے لیے اس کا واضح ثبوت ہونا چاہیے لیکن قسامت میں گواہ نہیں ہوتے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے آثار اسی غرض کے لیے پیش کیے گئے ہیں۔

٦٨٩٨ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُبَيْدٍ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ: زَعَمَ أَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ - يُقَالُ لَهُ: سَهْلُ بْنُ أَبِي حَثْمَةَ -

[6898] حضرت بشیر بن یسار سے روایت ہے، انھوں نے کہا: انصار کے ایک صاحب حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ان کی قوم کے چند لوگ خیبر گئے اور وہاں جا کر

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، حديث: 3845.

أَخْبَرَهُ أَنَّ نَفَرًا مِّنْ قَوْمِهِ انْطَلَقُوا إِلٰى خَيْبَرَ فَتَفَرَّقُوا فِيهَا، فَوَجَدُوا أَحَدَهُمْ قَتِيلًا، وَّقَالُوا لِلَّذِي وُجِدَ فِيهِمْ: قَدْ قَتَلْتُمْ صَاحِبَنَا، قَالُوا: مَا قَتَلْنَا وَلَا عَلِمْنَا قَاتِلًا، فَانْطَلَقُوا إِلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! انْطَلَقْنَا إِلٰى خَيْبَرَ فَوَجَدْنَا أَحَدَنَا قَتِيلًا، فَقَالَ: «الْكُبْرَ الْكُبْرَ»، فَقَالَ لَهُمْ: «تَأْتُونَ بِالْبَيِّنَةِ عَلٰى مَنْ قَتَلَهُ؟» قَالُوا: مَا لَنَا بَيِّنَةٌ، قَالَ: «فَيَحْلِفُونَ»، قَالُوا: لَا نَرْضٰى بِأَيْمَانِ الْيَهُودِ، فَكَرِهَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يُطَلَّ دَمُهُ، فَوَدَاهُ مِائَةً مِّنْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ. [راجع: ٢٧٠٢]

اپنے اپنے کام کے لیے جدا جدا ہو گئے۔ پھر وہاں انھوں نے اپنے میں سے ایک شخص کو مقتول پایا۔ جہاں مقتول ملا تھا وہاں کے لوگوں سے انھوں نے کہا: تم نے ہمارے ساتھی کو قتل کیا ہے۔ انھوں نے کہا: ہم نے قتل نہیں کیا اور نہ ہم قاتل ہی کو جانتے ہیں۔ پھر یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اللہ کے رسول! ہم خیبر گئے تھے، وہاں ہم نے اپنے میں سے ایک مقتول کو پایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے جو بڑا ہے وہ بات کرے۔'' نیز آپ نے فرمایا: ''تم اس پر گواہ پیش کرو جس نے قتل کیا ہے۔'' انھوں نے کہا: ہمارے پاس اس کے متعلق کوئی گواہ نہیں ہے۔ آپ ﷺ فرمایا: (''اگر تمھارے پاس گواہ نہیں) تو وہ (یہودی) قسم کھائیں گے۔'' انھوں نے کہا: ان (یہود) کی قسم پر ہمیں اعتماد نہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے یہ پسند نہ فرمایا کہ مقتول کا خون رائیگاں جائے تو آپ نے صدقے کے اونٹوں میں سے سو اونٹ دیت میں دیے۔

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ لوگ تمھارے ساتھی کی دیت ادا کریں گے یا جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔'' آپ نے مزید فرمایا: ''کیا تم لوگ قسم اٹھا کر اپنے ساتھی کے خون کے حق دار بنو گے؟'' انھوں نے کہا: ہم کس طرح قسم اٹھائیں جبکہ ہم وہاں موجود نہیں تھے اور نہ ہم نے کچھ دیکھا ہی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پھر وہ پچاس قسمیں اٹھا کر تم سے خود کو بری کر لیں گے۔'' انھوں نے کہا: ہم کافروں کی قسموں کا کیسے اعتبار کریں؟ پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے پاس سے اس کی دیت ادا کر دی۔[1] مقصد یہ ہے کہ جھگڑا ختم کرنے کے لیے ایسے معاملات میں بیت المال سے دیت ادا کر دی جائے۔ جب بیت المال نہ ہو تو حکومت اپنے خزانے سے مقتول کا خون بہا ادا کر دے۔ ② امام بخاری ؒ کا اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ قسامت میں قصاص کے بجائے دیت دینے پر فیصلہ ہو گا جیسا کہ مذکورہ حدیث میں وضاحت ہے۔ امام بخاری ؒ کا موقف یہ معلوم ہوتا ہے کہ قسامت میں قسم لینے کا آغاز مدعی علیہ سے کیا جائے گا جیسا کہ پیش کردہ حدیث میں ہے۔ ہمارے رجحان کے مطابق پہلے مدعی سے دلیل کا مطالبہ کیا جائے، اگر اس کے پاس دلیل نہ ہو تو انھیں پچاس قسمیں اٹھانے کا کہا جائے۔ اگر وہ قسمیں نہ اٹھائیں تو مدعی علیہ سے قسم لی جائے جیسا کہ ایک روایت میں اس کی وضاحت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم قاتل پر دو گواہ پیش کرو تو اسے تمھارے حوالے کر دیا جائے گا۔'' انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! ہم

1 صحيح البخاري، الجزية، حديث: 3173.

گواہ کہاں سے لائیں مقتول تو یہودیوں کے دروازے کے پاس برآمد ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تم پچاس قسمیں اٹھاؤ کہ ہمارے آدمی کو فلاں آدمی نے قتل کیا ہے۔'' انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! جس بات کا ہمیں یقین نہیں ہم اس کے متعلق قسم کیسے اٹھائیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پھر یہودی پچاس قسمیں اٹھا کر اپنے الزام سے بری ہو جائیں گے۔'' انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! ہم یہودیوں سے کیوں قسمیں لیں؟ پھر رسول اللہ ﷺ نے جھگڑا نمٹانے کے لیے اپنے پاس سے دیت ادا کر دی۔[1] ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدعی سے گواہوں کا مطالبہ کیا تو انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! وہاں تو مسلمان نہیں رہتے جو ہمارے حق میں گواہی دیں، وہاں تو یہودی بستے ہیں جو اس سے بھی بڑے کام پر جرأت کر سکتے ہیں، یعنی جھوٹی قسم اٹھا سکتے ہیں۔[2]

٦٨٩٩ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا أَبُو بِشْرٍ إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْأَسَدِيُّ: حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ أَبِي عُثْمَانَ: حَدَّثَنِي أَبُو رَجَاءٍ مِّنْ آلِ أَبِي قِلَابَةَ: حَدَّثَنِي أَبُو قِلَابَةَ: أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَبْرَزَ سَرِيرَهُ يَوْمًا لِّلنَّاسِ ثُمَّ أَذِنَ لَهُمْ فَدَخَلُوا، فَقَالَ: مَا تَقُولُونَ فِي الْقَسَامَةِ؟ قَالُوا: نَقُولُ: الْقَسَامَةُ الْقَوَدُ بِهَا حَقٌّ، وَقَدْ أَقَادَتْ بِهَا الْخُلَفَاءُ، قَالَ لِي: مَا تَقُولُ يَا أَبَا قِلَابَةَ؟ وَنَصَبَنِي لِلنَّاسِ، فَقُلْتُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! عِنْدَكَ رُؤُسُ الْأَجْنَادِ وَأَشْرَافُ الْعَرَبِ، أَرَأَيْتَ لَوْ أَنَّ خَمْسِينَ مِنْهُمْ شَهِدُوا عَلٰى رَجُلٍ مُّحْصَنٍ بِدِمَشْقَ أَنَّهُ قَدْ زَنٰى، لَمْ يَرَوْهُ، أَكُنْتَ تَرْجُمُهُ؟ قَالَ: لَا، قُلْتُ: أَرَأَيْتَ لَوْ أَنَّ خَمْسِينَ مِنْهُمْ شَهِدُوا عَلٰى رَجُلٍ بِحِمْصَ أَنَّهُ سَرَقَ، أَكُنْتَ تَقْطَعُهُ وَلَمْ يَرَوْهُ؟ قَالَ: لَا، قُلْتُ: فَوَاللهِ مَا قَتَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَحَدًا قَطُّ إِلَّا فِي إِحْدٰى ثَلَاثِ خِصَالٍ: رَجُلٌ قَتَلَ بِجَرِيرَةِ نَفْسِهِ فَقُتِلَ، أَوْ رَجُلٌ زَنٰى بَعْدَ

[6899] حضرت ابو قلابہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ نے ایک دن دربار عام منعقد کیا۔ سب لوگوں کو شامل ہونے کی اجازت دی۔ لوگ آئے تو انھوں نے پوچھا: قسامت کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے؟ لوگوں نے کہا: قسامت کے ذریعے سے قصاص برحق ہے کیونکہ خلفاء نے اس کے ذریعے سے قصاص لیا ہے۔ ابو قلابہ کہتے ہیں کہ انھوں نے مجھ سے کہا: اے ابو قلابہ! تمھاری کیا رائے ہے؟ مجھے انھوں نے عوام کے سامنے لا کھڑا کیا۔ میں نے کہا: اے امیر المومنین! آپ کے پاس عرب کے بڑے بڑے لوگ اور سردار موجود ہیں، آپ ہی بتائیں اگر ان میں سے پچاس آدمی دمشق میں رہنے والے کسی شادی شدہ شخص کے متعلق گواہی دیں کہ اس نے زنا کیا ہے جبکہ ان لوگوں نے اسے دیکھا ہی نہیں تو کیا ان کی گواہی پر آپ اس شخص کو سنگسار کر دیں گے؟ امیر المومنین نے فرمایا: نہیں۔ میں نے کہا: آپ ہی بتائیں اگر ان میں سے پچاس آدمی حمص میں رہنے والے کسی شخص کے متعلق گواہی دیں کہ اس نے چوری کی ہے، حالانکہ انھوں نے اسے چوری کرتے ہوئے نہیں دیکھا تو کیا آپ اس کا ہاتھ کاٹ دیں گے؟ حضرت عمر بن

---

1 سنن النسائي، القسامة، حديث: 4724. 2 سنن أبي داود، الديات، حديث: 4524.

إِحْصَانٍ، أَوْ رَجُلٌ حَارَبَ اللهَ وَرَسُولَهُ وَارْتَدَّ عَنِ الْإِسْلَامِ.

عبدالعزیز نے کہا: نہیں (ایسا تو نہیں ہوسکتا)۔ پھر میں نے کہا: اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی کو تین حالتوں کے علاوہ قتل نہیں کیا: ایک وہ شخص جس نے کسی دوسرے کو ناحق قتل کیا ہو اسے قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ دوسرا وہ جس نے شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کیا ہو۔ تیسرا وہ جس نے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی اور دین اسلام سے برگشتہ ہوگیا (انھیں قتل کردیا جائے گا)۔

فَقَالَ الْقَوْمُ: أَوَ لَيْسَ قَدْ حَدَّثَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَطَعَ فِي السَّرَقِ وَسَمَرَ الْأَعْيُنَ ثُمَّ نَبَذَهُمْ فِي الشَّمْسِ؟ فَقُلْتُ: أَنَا أُحَدِّثُكُمْ حَدِيثَ أَنَسٍ: حَدَّثَنِي أَنَسٌ أَنَّ نَفَرًا مِّنْ عُكْلٍ ثَمَانِيَةً قَدِمُوا عَلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَبَايَعُوا عَلَى الْإِسْلَامِ، فَاسْتَوْخَمُوا الْأَرْضَ فَسَقِمَتْ أَجْسَامُهُمْ، فَشَكَوْا ذٰلِكَ إِلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ، قَالَ: «أَفَلَا تَخْرُجُونَ مَعَ رَاعِينَا فِي إِبِلِهِ فَتُصِيبُونَ مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا؟» قَالُوا: بَلٰى، فَخَرَجُوا فَشَرِبُوا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا فَصَحُّوا، فَقَتَلُوا رَاعِيَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَأَطْرَدُوا النَّعَمَ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَأَرْسَلَ فِي آثَارِهِمْ فَأُدْرِكُوا فَجِيءَ بِهِمْ فَأَمَرَ بِهِمْ فَقُطِّعَتْ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ وَسَمَرَ أَعْيُنَهُمْ ثُمَّ نَبَذَهُمْ فِي الشَّمْسِ حَتّٰى مَاتُوا.

یہ بات سن کر لوگوں نے کہا: کیا حضرت انس ؓ نے یہ حدیث بیان نہیں کی کہ رسول اللہ ﷺ نے چوری کے معاملے میں ہاتھ پاؤں کاٹ دیے تھے اور مجرموں کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر کر انھیں دھوپ میں ڈال دیا تھا؟ حضرت ابو قلابہ نے کہا: میں تمھیں حضرت انس ؓ سے مروی حدیث سناتا ہوں: مجھ سے حضرت انس ؓ نے بیان کیا کہ قبیلۂ عکل کے آٹھ افراد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اسلام پر بیعت کی۔ انھیں مدینہ طیبہ کی آب و ہوا موافق نہ آئی اور وہ بیمار ہوگئے تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کی۔ آپ نے ان سے فرمایا: ''کیا تم ہمارے چرواہے کے ساتھ اونٹوں کے باڑے میں نہیں چلے جاتے، پھر تم وہاں ان کا دودھ اور پیشاب پیتے؟'' انھوں نے کہا: کیوں نہیں، چنانچہ وہ گئے اور اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیا تو صحت یاب ہوگئے۔ اس کے بعد انھوں نے چرواہے کو قتل کردیا اور اونٹ ہانک کر لے گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع پہنچی تو آپ نے ان کی تلاش میں آدمی بھیجے، چنانچہ انھیں گرفتار کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کردیا گیا۔ آپ نے ان کے ہاتھ، پاؤں کاٹنے کا حکم دیا اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروادیں، پھر انھیں دھوپ میں پھینک دیا حتی کہ وہ مرگئے۔

قُلْتُ: وَأَيُّ شَيْءٍ أَشَدُّ مِمَّا صَنَعَ هٰؤُلَاءِ؟ ارْتَدُّوا عَنِ الْإِسْلَامِ، وَقَتَلُوا وَسَرَقُوا، فَقَالَ عَنْبَسَةُ بْنُ سَعِيدٍ: وَاللهِ إِنْ سَمِعْتُ كَالْيَوْمِ قَطُّ، فَقُلْتُ: أَتَرُدُّ عَلَيَّ حَدِيثِي يَا عَنْبَسَةُ؟ قَالَ: لَا، وَلٰكِنْ جِئْتَ بِالْحَدِيثِ عَلٰى وَجْهِهِ، وَاللهِ لَا يَزَالُ هٰذَا الْجُنْدُ بِخَيْرٍ مَّا عَاشَ هٰذَا الشَّيْخُ بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ.

میں نے کہا: ان کے عمل سے بڑھ کر اور کیا جرم ہوسکتا ہے؟ وہ اسلام سے پھر گئے، انھوں نے قتل کیا اور چوری کے مرتکب ہوئے۔ حضرت عنبسہ بن سعید نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے آج جیسی بات کبھی نہیں سنی تھی۔ میں نے کہا: اے عنبسہ! کیا تو میری بیان کردہ حدیث مسترد کرتا ہے؟ اس نے کہا: نہیں بلکہ تم نے یہ حدیث حقیقت حال کے مطابق بیان کی ہے۔ اللہ کی قسم! یہ لشکر اس وقت تک خیر و عافیت سے رہے گا جب تک یہ شیخ ان میں موجود رہیں گے۔

قُلْتُ: وَقَدْ كَانَ فِي هٰذَا سُنَّةٌ مِّنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ، دَخَلَ عَلَيْهِ نَفَرٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ فَتَحَدَّثُوا عِنْدَهُ، فَخَرَجَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ فَقُتِلَ، فَخَرَجُوا بَعْدَهُ، فَإِذَا هُمْ بِصَاحِبِهِمْ يَتَشَحَّطُ فِي دَمِهِ، فَرَجَعُوا إِلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! صَاحِبُنَا كَانَ يَتَحَدَّثُ مَعَنَا، فَخَرَجَ بَيْنَ أَيْدِينَا فَإِذَا نَحْنُ بِهِ يَتَشَحَّطُ فِي الدَّمِ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «بِمَنْ تَظُنُّونَ أَوْ تُرَوْنَ قَتَلَهُ؟»، قَالُوا: نُرٰى أَنَّ الْيَهُودَ قَتَلَتْهُ، فَأَرْسَلَ إِلَى الْيَهُودِ فَدَعَاهُمْ، فَقَالَ: «أَأَنْتُمْ قَتَلْتُمْ هٰذَا؟» قَالُوا: لَا، قَالَ: «أَتَرْضَوْنَ نَفْلَ خَمْسِينَ مِنَ الْيَهُودِ مَا قَتَلُوهُ؟»، فَقَالُوا: مَا يُبَالُونَ أَنْ يَقْتُلُونَا أَجْمَعِينَ، ثُمَّ يَنْفُلُونَ، قَالَ: أَفَتَسْتَحِقُّونَ الدِّيَةَ بِأَيْمَانِ خَمْسِينَ مِنْكُمْ؟ قَالُوا: مَا كُنَّا لِنَحْلِفَ، فَوَدَاهُ مِنْ عِنْدِهِ.

میں نے کہا: قسامت کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی سنت یہ ہے کہ آپ ﷺ کے پاس انصار کے کچھ لوگ آئے اور آپ سے باتیں کرتے رہے، پھر ان کے سامنے ان کا ایک شخص باہر نکلا اور وہاں قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد دوسرے لوگ باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کا ساتھی خون میں تڑپ رہا ہے۔ ان لوگوں نے واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کی خبر دی اور کہا: اللہ کے رسول! ہمارا ساتھی ابھی ابھی ہمارے ساتھ گفتگو کر رہا تھا۔ وہ ہمارے سامنے باہر نکلا تو اب ہم نے دیکھا ہے کہ وہ خون میں لت پت ہے۔ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور پوچھا: ''تمھیں کس پر شبہ ہے؟'' انھوں نے عرض کیا: ہمارے خیال کے مطابق اسے یہودیوں نے قتل کیا ہے۔ آپ ﷺ نے انھیں پیغام بھیج کر اپنے پاس بلایا اور ان سے پوچھا: ''کیا تم نے اسے قتل کیا ہے؟'' انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ یہودیوں میں سے پچاس آدمی قسم کھائیں کہ انھوں نے قتل نہیں کیا؟'' انھوں نے کہا: وہ تو یہ بھی پروا نہیں کرتے کہ ہم سب کو قتل کر دیں، پھر قسمیں کھا جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے پچاس آدمی قسم اٹھائیں اور خون بہا کے

مستحق ہو جائیں۔" انھوں نے کہا: ہم بھی قسم اٹھانے کے لیے تیار نہیں ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی طرف سے اس کی دیت ادا کر دی۔

قُلْتُ: وَقَدْ كَانَتْ هُذَيْلٌ خَلَعُوا خَلِيعًا لَّهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَطَرَقَ أَهْلَ بَيْتٍ مِّنَ الْيَمَنِ بِالْبَطْحَاءِ فَانْتَبَهَ لَهُ رَجُلٌ مِّنْهُمْ، فَحَذَفَهُ بِالسَّيْفِ فَقَتَلَهُ، فَجَاءَتْ هُذَيْلٌ، فَأَخَذُوا الْيَمَانِيَّ فَرَفَعُوهُ إِلَى عُمَرَ بِالْمَوْسِمِ وَقَالُوا: قَتَلَ صَاحِبَنَا، فَقَالَ: إِنَّهُمْ قَدْ خَلَعُوهُ، فَقَالَ: يُقْسِمُ خَمْسُونَ مِنْ هُذَيْلٍ مَّا خَلَعُوا، قَالَ: فَأَقْسَمَ مِنْهُمْ تِسْعَةٌ وَّأَرْبَعُونَ رَجُلًا، وَقَدِمَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ مِنَ الشَّأْمِ، فَسَأَلُوهُ أَنْ يُقْسِمَ، فَافْتَدٰى يَمِينَهُ مِنْهُمْ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ، فَأَدْخَلُوا مَكَانَهُ رَجُلًا آخَرَ، فَدَفَعَهُ إِلَى أَخِي الْمَقْتُولِ، فَقُرِنَتْ يَدُهُ بِيَدِهِ، قَالَ: قَالُوا: فَانْطَلَقْنَا وَالْخَمْسُونَ الَّذِينَ أَقْسَمُوا، حَتّٰى إِذَا كَانُوا بِنَخْلَةَ، أَخَذَتْهُمُ السَّمَاءُ، فَدَخَلُوا فِي غَارٍ فِي الْجَبَلِ فَانْهَجَمَ الْغَارُ عَلَى الْخَمْسِينَ الَّذِينَ أَقْسَمُوا فَمَاتُوا جَمِيعًا وَّأُفْلِتَ الْقَرِينَانِ وَاتَّبَعَهُمَا حَجَرٌ فَكَسَرَ رِجْلَ أَخِي الْمَقْتُولِ، فَعَاشَ حَوْلًا ثُمَّ مَاتَ.

(ابو قلابہ کہتے ہیں:) میں نے کہا: زمانۂ جاہلیت میں قبیلۂ ہذیل کے لوگوں نے اپنے ایک آدمی کو قبیلے سے نکال دیا تھا، پھر وہ رات کے وقت وادئ بطحاء میں ایک یمنی کے گھر آیا، اس دوران میں ان میں سے ایک شخص بیدار ہوا اور اس نے تلوار سے وار کر کے قبیلۂ ہذیل کے آدمی کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد ہذیل کے لوگ آئے اور قاتل یمنی کو گرفتار کر کے حج کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں پیش کر دیا اور کہا: اس نے ہمارے آدمی کو قتل کر دیا ہے۔ یمنی نے کہا: انھوں نے اسے اپنی برادری سے نکال دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب قبیلۂ ہذیل کے پچاس آدمی قسم اٹھائیں کہ اسے انھوں نے نہیں نکالا تھا، چنانچہ ان میں سے انچاس آدمیوں نے قسمیں کھائیں، پھر اس قبیلے کا ایک شخص شام سے آیا تو انھوں نے اس سے بھی قسم دینے کا مطالبہ کیا لیکن اس نے اپنی قسم کے عوض ایک ہزار درہم ادا کر کے قسم سے اپنا پیچھا چھڑا لیا۔ قبیلۂ ہذیل کے لوگوں نے اس کی جگہ ایک دوسرے آدمی کو تیار کر لیا، پھر انھوں نے قاتل مقتول کے بھائی کے حوالے کر دیا اور اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ انھوں نے بیان کیا: پھر ہم اور وہ پچاس آدمی جنھوں نے قسم اٹھائی تھی روانہ ہوئے۔ جب مقام نخلہ پر پہنچے تو وہاں انھیں بارش نے آ لیا، چنانچہ سب لوگ پہاڑ کی ایک غار میں گھس گئے۔ غار ان پچاس آدمیوں کے اوپر گر پڑی جنھوں نے قسمیں اٹھائی تھیں اور وہ سب کے سب مر گئے، البتہ جن دو آدمیوں نے ہاتھ باندھے تھے وہ بچ گئے۔

ان کے پیچھے بھی ایک پتھر لڑھک کر گرا اور اس نے مقتول کے بھائی کا ٹخنا توڑ دیا۔ اس کے بعد وہ ایک سال زندہ رہا، پھر مر گیا۔

قُلْتُ: وَقَدْ كَانَ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مَرْوَانَ أَقَادَ رَجُلًا بِالْقَسَامَةِ ثُمَّ نَدِمَ بَعْدَمَا صَنَعَ، فَأَمَرَ بِالْخَمْسِينَ [الَّذِينَ أَقْسَمُوا] فَمُحُوا مِنَ الدِّيوَانِ وَسَيَّرَهُمْ إِلَى الشَّأْمِ. [راجع: ٢٣٣]

میں نے کہا: حضرت عبدالملک بن مروان نے ایک آدمی سے قسامت کی بنیاد پر قصاص لیا تھا، پھر انھیں اپنے کیے پر ندامت ہوئی تو انھوں نے ان پچاس آدمیوں کے متعلق جنھوں نے قسم اٹھائی تھی حکم دیا کہ ان کے نام رجسٹر سے کاٹ دیے جائیں، پھر انھیں شام کی طرف جلاوطن کر دیا۔

فوائد ومسائل: ① اس طویل حدیث میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی موجودگی میں ایک مناظرے کی روداد بیان کی گئی ہے جو ابو قلابہ اور حاضرین کے درمیان ہوا۔ ہمیں معلوم نہیں ہوسکا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے قسامہ کے عمل کو کن وجوہات کی بنا پر ترک کر دیا حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اس پر عمل ہوا اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی اسے اختیار کیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق روایات ملتی ہیں کہ انھوں نے قسامت کی بنیاد پر قصاص لیا تھا جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس کے مطابق عمل کیا۔ خود حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جب مدینہ طیبہ کے گورنر تھے انھوں نے قسامت کی بنیاد پر قصاص لیا تھا۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ قسامت کے متعلق اختلاف کا حاصل یہ ہے کہ یہ قابل عمل ہے یا نہیں؟ اگر قابل عمل ہے تو کیا اس کی بنیاد پر دیت پڑے گی یا قصاص بھی لیا جاسکتا ہے؟ پھر قسم اٹھانے کا آغاز مدعی حضرات سے ہوگا یا مدعی علیہم سے پہلے قسم لی جائے گی، پھر اس کی شروط میں بھی اختلاف ہے۔[1] ③ بہرحال امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود قسامت کا انکار نہیں جیسا کہ بعض شارحین نے یہ بات کہی ہے، تاہم انھوں نے اس سلسلے میں امام شافعی رحمہ اللہ کی موافقت کی ہے کہ اس کی بنیاد پر قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ صرف دیت لی جاسکتی ہے، البتہ ان کا امام شافعی رحمہ اللہ سے اس امر میں اختلاف ہے کہ قسم مدعی پر نہیں بلکہ مدعی علیہ پر ہے جیسا کہ انھوں نے آغاز میں سعید بن عبید کا حوالہ دیا ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ قسامت سے انکار امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف نہیں ہے۔ واللہ أعلم.

(٢٣) بَابُ مَنِ اطَّلَعَ فِي بَيْتِ قَوْمٍ فَفَقَؤُوا عَيْنَهُ فَلَا دِيَةَ لَهُ

باب: 23- جس نے لوگوں کے گھر میں جھانکا اور انھوں نے اس کی آنکھ پھوڑ دی تو اس کے لیے کوئی دیت نہیں

٦٩٠٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ

[6900] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی

① فتح الباري: 12/289.

زَيْدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَجُلًا اطَّلَعَ مِنْ حُجْرٍ فِي بَعْضِ حُجَرِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَامَ إِلَيْهِ بِمِشْقَصٍ أَوْ مَشَاقِصَ وَجَعَلَ يَخْتِلُهُ لِيَطْعَنَهُ. [راجع: ٦٢٤٢]

نبی ﷺ کے ایک حجرے میں جھانکنے لگا تو آپ ﷺ تیر کا پھل لے کر اس کی طرف گئے۔ آپ چاہتے تھے کہ خفیہ طور پر اسے مار دیں۔

٦٩٠١ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَنَّ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَجُلًا اطَّلَعَ فِي جُحْرٍ فِي بَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَمَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ مِدْرًى يَحُكُّ بِهِ رَأْسَهُ، فَلَمَّا رَآهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَوْ أَعْلَمُ أَنَّكَ تَنْتَظِرُنِي لَطَعَنْتُ بِهِ فِي عَيْنِكَ»، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّمَا جُعِلَ الْإِذْنُ مِنْ قِبَلِ الْبَصَرِ». [راجع: ٥٩٢٤]

[6901] حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے حجرے کے دروازے کے ایک سوراخ سے اندر جھانکنے لگا جبکہ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس سر کھجلانے کا ایک آلہ تھا جس سے اپنا سر کھجلا رہے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھا تو فرمایا: ''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تو مجھے جھانک رہا ہے تو میں اس کے ساتھ تیری آنکھ پھوڑ دیتا۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''کسی کے گھر آنے کے لیے اجازت لینے کا حکم اس لیے مشروع ہے کہ نظر نہ پڑے۔''

٦٩٠٢ - حَدَّثَنَا عَلِيٌّ [بْنُ عَبْدِ اللهِ]: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ: «لَوْ أَنَّ امْرَأً اطَّلَعَ عَلَيْكَ بِغَيْرِ إِذْنٍ فَخَذَفْتَهُ بِحَصَاةٍ فَفَقَأْتَ عَيْنَهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ جُنَاحٌ». [راجع: ٦٨٨٨]

[6902] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ابو القاسم ﷺ نے فرمایا: ''اگر کوئی شخص تمھاری اجازت کے بغیر تمھیں جھانک کر دیکھے تو تم کنکری سے اس کی آنکھ پھوڑ دو، اس پر تجھے کوئی گناہ نہیں ہوگا۔''

فوائد و مسائل: ① ایک روایت میں ہے: ''جو انسان کسی کے گھر اجازت کے بغیر تاک جھانک کرتا ہے، اہل خانہ کے لیے حلال ہے کہ اس کی آنکھ پھوڑ دیں۔''[1] حلال ہونے سے اس بات کا ثبوت ہے کہ اس پر کوئی تاوان یا قصاص نہیں ہوگا۔ ایک دوسری روایت میں ہے: ''اس کی آنکھ رائیگاں (ضائع) ہے۔''[2] ایک دوسری روایت میں صراحت ہے: ''آنکھ پھوڑ دینے پر کوئی قصاص یا دیت واجب نہیں ہوگی۔''[3] ② اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی نے دروازہ بند کیا ہو یا اس پر پردہ وغیرہ لٹکایا ہو تو گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت لینا ضروری ہے۔ اگر کوئی خفیہ طور پر گھر میں جھانکتا ہے تو کوئی بھی چیز مارنا جائز ہے، اس سے اگر کوئی عضو ضائع ہو جائے تو اس پر کوئی جرمانہ نہیں اور مارنے سے پہلے جھانکنے والے کو خبردار کرنا بھی

[1] مسند أحمد: 266/2. [2] مسند أحمد: 414/2. [3] مسند أحمد: 385/2.

ضروری نہیں۔ واللہ أعلم.

(٢٤) بَابُ الْعَاقِلَةِ

باب: 24- عاقلہ کا بیان

وضاحت: عاقلہ، عاقل کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں: دیت دینے والا۔ دیت کو عقل کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے کیونکہ دیت کے اونٹ مقتول کے ورثاء کے گھر باندھے جاتے ہیں۔ عقل کے معنی روکنا اور باندھنا بھی ہیں۔ عقل بھی انسان کو فواحش و منکرات اور بے حیائی سے روکتی ہے۔ کثرت استعمال کی وجہ سے عقل کا استعمال دیت پر کیا جاتا ہے اگرچہ دیت اونٹ کی صورت میں نہ ہو۔ چونکہ برادری، قاتل سے قتل کو روکتی ہے، اس لیے اسے بھی عاقلہ کہا جاتا ہے۔ دیت برادری سے اس لیے لی جاتی ہے کہ شاید قاتل کے سارے مال سے پوری نہ ہو سکے اور اگر دیت کے بغیر قاتل کو چھوڑ دیا جائے تو مقتول کا خون رائیگاں اور ضائع جاتا ہے۔[1]

٦٩٠٣ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ: أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ: قَالَ مُطَرِّفٌ: سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا جُحَيْفَةَ قَالَ: سَأَلْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ مَّا لَيْسَ فِي الْقُرْآنِ؟ وَقَالَ مَرَّةً: مَّا لَيْسَ عِنْدَ النَّاسِ؟ فَقَالَ: وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ مَا عِنْدَنَا إِلَّا مَا فِي الْقُرْآنِ إِلَّا فَهْمًا يُعْطَى رَجُلٌ فِي كِتَابِهِ وَمَا فِي الصَّحِيفَةِ، قُلْتُ: وَمَا فِي الصَّحِيفَةِ؟ قَالَ: الْعَقْلُ وَفِكَاكُ الْأَسِيرِ، وَأَنْ لَّا يُقْتَلَ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ. [راجع: ١١١]

[6903] حضرت ابو جحیفہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تمھارے پاس کوئی ایسی چیز ہے جو قرآن میں یا لوگوں کے پاس نہیں ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ پھاڑا اور انسان کو پیدا کیا! ہمارے پاس قرآن مجید کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ ہاں، ہمیں بصیرت ملی ہے جو قرآن فہمی کے لیے ہوتی ہے، نیز ہمارے پاس وہ کچھ ہے جو اس صحیفے میں ہے۔ میں نے کہا: اس صحیفے میں کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: دیت اور قیدیوں کو چھڑانے کے مسائل ہیں، نیز اس میں ہے کہ کوئی مسلمان کسی کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔

فائدہ: قتل کرنے والے کے عصبہ رشتے داروں پر دیت کی ادائیگی واجب ہوتی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''دیت، قاتل کے عصبہ رشتے داروں پر لازم ہے۔''[2] حدیث میں ہے کہ قبیلۂ ہذیل کی دو عورتوں میں سے ایک نے دوسری کو قتل کر دیا۔ ان میں سے ہر ایک کا خاوند اور بچے بھی تھے تو رسول اللہ ﷺ نے مقتولہ کی دیت قاتل عورت کے ورثاء پر ڈال دی اور اس کے خاوند اور اولاد کو بری قرار دیا۔[3] عصبہ رشتے داروں سے مراد اصحاب الفروض اور اولوالارحام کے علاوہ ہیں۔ واللہ أعلم.

---

[1] فتح الباري: 306/12. [2] صحيح البخاري، الديات، حديث: 6910. [3] سنن أبي داود، الديات، حديث: 4575.

(٢٥) بَابُ جَنِينِ الْمَرْأَةِ

باب:25-عورت کے پیٹ کا بچہ

٦٩٠٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ؛ ح: وَحَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ امْرَأَتَيْنِ مِنْ هُذَيْلٍ رَمَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرٰى فَطَرَحَتْ جَنِينَهَا فَقَضٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ فِيهَا بِغُرَّةٍ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ. [راجع: ٥٧٥٨]

[6904] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ قبیلۂ ہذیل کی دو عورتوں میں سے ایک نے دوسری کو پتھر مارا تو اس کا بچہ گرا دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے ایک غلام یا کنیز دینے کا فیصلہ کیا۔

٦٩٠٥ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ، عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّهُ اسْتَشَارَهُمْ فِي إِمْلَاصِ الْمَرْأَةِ فَقَالَ الْمُغِيرَةُ: قَضَى النَّبِيُّ ﷺ بِالْغُرَّةِ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ. [انظر: ٦٩٠٧، ٦٩٠٨م، ٧٣١٧]

[6905] حضرت عمر ؓ سے روایت ہے، انھوں نے لوگوں سے عورت کا حمل گرا دینے کی دیت کے متعلق مشورہ کیا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ نے کہا: نبی ﷺ نے غرہ، یعنی غلام یا لونڈی دینے کا فیصلہ کیا تھا۔

٦٩٠٦ - قَالَ: ائْتِ مَنْ يَشْهَدُ مَعَكَ، فَشَهِدَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ أَنَّهُ شَهِدَ النَّبِيَّ ﷺ قَضٰى بِهِ. [انظر: ٦٩٠٨، ٧٣١٨]

[6906] حضرت عمر ؓ نے کہا: کوئی آدمی لاؤ جو یہ گواہی دے کہ آپ ﷺ نے واقعی یہ فیصلہ کیا ہے تو حضرت محمد بن مسلمہ ؓ نے بھی گواہی دی کہ جب نبی ﷺ نے اس کے متعلق فیصلہ فرمایا تھا تو وہ اس وقت وہاں حاضر تھے۔

٦٩٠٧ - حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسٰى عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ عُمَرَ نَشَدَ النَّاسَ: مَنْ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ قَضٰى فِي السِّقْطِ؟ فَقَالَ الْمُغِيرَةُ: أَنَا سَمِعْتُهُ قَضٰى فِيهِ بِغُرَّةٍ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ. [راجع: ٦٩٠٥]

[6907] حضرت عروہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر ؓ نے لوگوں سے قسم دے کر پوچھا: کس نے نبی ﷺ سے حمل گرنے کے بارے میں کوئی فیصلہ سنا ہے؟ حضرت مغیرہ ؓ نے کہا: میں نے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے اس میں ایک غلام یا کنیز دینے کا فیصلہ کیا تھا۔

٦٩٠٨ - قَالَ: ائْتِ مَنْ يَشْهَدُ مَعَكَ عَلٰى هٰذَا، فَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ: أَنَا أَشْهَدُ عَلَى

[6908] حضرت عمر ؓ نے فرمایا: اس بات پر اپنا کوئی گواہ پیش کرو تو حضرت محمد بن مسلمہ ؓ نے کہا: میں گواہی

النَّبِيُّ ﷺ بِمِثْلِ هٰذَا . [راجع: ٦٩٠٦]

دیتا ہوں کہ نبی ﷺ نے یہ فیصلہ کیا تھا۔

٦٩٠٨ م - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَابِقٍ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ: حَدَّثَنَا هِشَامُ ابْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ: أَنَّهُ سَمِعَ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ يُحَدِّثُ عَنْ عُمَرَ أَنَّهُ اسْتَشَارَهُمْ فِي إِمْلَاصِ الْمَرْأَةِ، مِثْلَهُ . [راجع: ٦٩٠٥]

[6908] (م) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے لوگوں سے عورت کا حمل گرا دینے کے بارے میں اسی طرح مشورہ کیا تھا۔

فوائد ومسائل: ① بچہ جب تک عورت کے پیٹ میں ہو تو اسے جنین کہا جاتا ہے کیونکہ وہ نگاہوں سے پوشیدہ ہوتا ہے اور بچہ جنم دے تو اسے ولد کہتے ہیں۔ اگر مردہ پیدا ہو تو اسے سقط کہتے ہیں۔ عورت کے پیٹ سے مردہ بچہ گرا دینے کو بھی املاص کہا جاتا ہے۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فقہاء نے غلام یا کنیز کے وجوب میں یہ شرط لگائی ہے کہ جنین ماں کے پیٹ سے مردہ برآمد ہو اور اگر زندہ نکلے گا تو اس میں قصاص یا دیت واجب ہوگی۔[1] اگر جنین، ماں کی موت کے بعد مردہ نکلے تو مارنے والے پر ماں کی دیت اور جنین کا غلام یا لونڈی کا ادا کرنا واجب ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ ماں کی موت کے بعد مردہ پیدا ہو یا اس کی زندگی میں مردہ نکلے۔ واللہ أعلم.

(٢٦) بَابُ جَنِينِ الْمَرْأَةِ، وَأَنَّ الْعَقْلَ عَلَى الْوَالِدِ وَعَصَبَةِ الْوَالِدِ لَا عَلَى الْوَلَدِ

باب:26- عورت کے پیٹ کے بچے کا بیان، نیز دیت (قاتل کے) والد اور والد کے عصبہ پر ہے بچوں پر نہیں

وضاحت: دیت کی ادائیگی قاتل کے عاقلہ کے ذمے ہے اور عاقلہ سے مراد وہ جماعت ہے جو اس کے ددھیال کی طرف سے ہو۔ اس میں آباء و اجداد، بھائی، بھتیجے، چچا اور چچا کے بیٹے شامل ہیں۔ ہر ایک اپنے حصے کے مطابق ادائیگی کرے گا اور یہ ادائیگی قسطوں میں اور یکمشت دونوں طرح کی جا سکتی ہے۔

٦٩٠٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَضَى فِي جَنِينِ امْرَأَةٍ مِّنْ بَنِي لِحْيَانَ بِغُرَّةٍ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ، ثُمَّ إِنَّ الْمَرْأَةَ الَّتِي قَضَى عَلَيْهَا بِالْغُرَّةِ تُوُفِّيَتْ فَقَضَى رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَنَّ

[6909] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو لحیان کی ایک عورت کے بچے کے متعلق ایک غلام یا کنیز دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ پھر وہ عورت جس کے خلاف آپ نے دیت دینے کا فیصلہ کیا تھا مر گئی تو رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ اس کی وراثت اس کے بیٹوں اور اس کے شوہر کو ملے گی اور دیت کی ادائیگی ددھیال

---

[1] فتح الباري: 313/12.

مِيرَاثَهَا لِبَنِيهَا وَزَوْجِهَا، وَأَنَّ الْعَقْلَ عَلٰى عَصَبَتِهَا. [راجع: ٥٧٥٨]

والوں کو کرنی ہوگی۔

٦٩١٠ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ: حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: اقْتَتَلَتِ امْرَأَتَانِ مِنْ هُذَيْلٍ فَرَمَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرٰى بِحَجَرٍ فَقَتَلَتْهَا وَمَا فِي بَطْنِهَا، فَاخْتَصَمُوا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَضٰى أَنَّ دِيَةَ جَنِينِهَا غُرَّةٌ عَبْدٌ أَوْ وَلِيدَةٌ، وَقَضٰى أَنَّ دِيَةَ الْمَرْأَةِ عَلٰى عَاقِلَتِهَا. [راجع: ٥٧٥٨]

[6910] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: بنو ہذیل کی دو عورتیں آپس میں لڑ پڑیں۔ ان میں سے ایک نے دوسری عورت پر پتھر پھینک مارا جس سے وہ عورت اپنے پیٹ کے بچے سمیت مرگئی۔ مقتولہ کے رشتے دار، نبی ﷺ کے پاس مقدمہ لے کر گئے تو آپ نے فیصلہ فرمایا کہ پیٹ کے بچے کی دیت ایک غلام یا کنیز ہے اور عورت کی دیت قاتلہ عورت کے ددھیال والوں پر واجب قرار ہے۔

فوائد ومسائل: ① اگرچہ ان احادیث میں والد کا ذکر نہیں ہے لیکن اس حدیث کے دوسرے طرق میں والد کی صراحت ہے، یعنی مقتولہ عورت کی دیت قاتلہ کے والد اور اس کے دیگر عصبات کے ذمے ہے، اس کے لڑکے پر نہیں ہوگی، نیز ذوالارحام کے ذمے بھی دیت نہیں ہوگی اسی وجہ سے مادری بھائی بھی دیت ادا نہیں کریں گے۔[1] ② ایک روایت میں صراحت ہے: ”جب ایک عورت کے مارنے سے دوسری عورت اور اس کے پیٹ کا بیٹا فوت ہوگیا تو اس کا خاوند قاتلہ کے والد کے پاس گیا اور اپنی بیوی اور بیٹے کی دیت کا اس سے مطالبہ کیا۔ قاتلہ کے باپ نے کہا: اس کی دیت اس کے بیٹوں کے ذمے ہے جو بنولحیان قبیلے کے سردار ہیں، پھر یہ مقدمہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے فیصلہ دیا کہ عورت کی دیت قاتلہ کے ددھیال کے ذمے ہے اور بچے کی دیت غلام یا کنیز دینا ہے۔“[2] لڑنے والی دونوں عورتیں سیدنا حمل بن نابغہ رضی اللہ عنہ کی بیویاں تھیں، ان میں سے ایک حاملہ تھی، دوسری نے خیمے کا بانس مارا جس سے وہ حاملہ اور اس کا بچہ فوت ہوگیا۔

(٢٧) بَابُ مَنِ اسْتَعَانَ عَبْدًا أَوْ صَبِيًّا

باب: 27- جس نے غلام یا بچے سے تعاون لیا

وَيُذْكَرُ أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ بَعَثَتْ إِلٰى مُعَلِّمِ الْكُتَّابِ: ابْعَثْ إِلَيَّ غِلْمَانًا يَنْفُشُونَ صُوفًا وَّلَا تَبْعَثْ إِلَيَّ حُرًّا.

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے مدرسہ کے معلم کو پیغام بھیجا کہ اون صاف کرنے کے لیے میرے پاس کچھ غلام بچے بھیجیں، کسی آزاد کو نہ بھیجنا۔

وضاحت: اس عنوان کا کتاب الدیات سے اس طور پر تعلق ہے کہ اگر غلام یا بچہ کام کرتے ہوئے مرجائیں تو غلام کی قیمت

1 فتح الباري: 315/12. 2 السنن الكبرٰى للبيهقي: 108/8.

اور بچے کی دیت عاقلہ پر ہوگی۔[1] آزاد کے اکرام واحترام کے پیش نظر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے مدرسے کے معلم کو ہدایت کی کہ روئی دھننے کے لیے کسی آزاد کو نہیں بلکہ کسی غلام کو بھیجے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے تمریض کے صیغے سے ذکر کیا ہے کیونکہ اس کی سند میں محدثین کے نزدیک محمد بن منکدر راوی کا سماع حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ثابت نہیں۔ واللہ أعلم.

٦٩١١ - حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ: أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمَدِينَةَ أَخَذَ أَبُو طَلْحَةَ بِيَدِي فَانْطَلَقَ بِي إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! إِنَّ أَنَسًا غُلَامٌ كَيِّسٌ فَلْيَخْدُمْكَ.

قَالَ: فَخَدَمْتُهُ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ، فَوَاللهِ مَا قَالَ لِي لِشَيْءٍ صَنَعْتُهُ: لِمَ صَنَعْتَ هٰذَا هٰكَذَا؟ وَلَا لِشَيْءٍ لَّمْ أَصْنَعْهُ: لِمَ لَمْ تَصْنَعْ هٰذَا هٰكَذَا؟. [راجع: ٢٧٦٨]

[6911] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے اور کہا: اللہ کے رسول! انس ذہین بچہ ہے یہ آپ کی خدمت کرے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سفر وحضر میں آپ ﷺ کی خدمت گزاری کا فریضہ ادا کیا۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے کسی کام کے متعلق جو میں نے کیا یہ نہیں کہا: تو نے یہ کام اس طرح کیوں کیا؟ اور نہ ہی کسی کام کے متعلق جو میں نے نہ کیا، یہ کہا کہ تو نے وہ کام اس طرح کیوں نہیں کیا؟

فوائد ومسائل: ① حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنی والدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی کفالت میں تھے۔ انھوں نے اس بات کو سعادت خیال کیا کہ ان کا بیٹا رات دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت کرے کیونکہ اس میں دنیا وآخرت کی بھلائیاں تھیں۔ اس جذبے سے انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور اس وقت ان کے ہمراہ شوہر نامدار حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، اس لیے واقعے کی نسبت کبھی والدہ اور کبھی ان کے شوہر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی طرف کی گئی۔ ② ایک دوسرا واقعہ بھی اسی طرح کا منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے خیبر جاتے ہوئے فرمایا: ''میرے لیے کوئی بچہ تلاش کرو جو میری دوران سفر میں خدمت کرے تو انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو پیش کیا۔''[2] بہر حال غلاموں اور بچوں سے خدمت لی جاسکتی ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ مدرسے کے اساتذہ کو بچوں سے خدمت لینے سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ فتنے وفساد کا دور ہے۔

(٢٨) بَابٌ: اَلْمَعْدِنُ جُبَارٌ وَّالْبِئْرُ جُبَارٌ

باب: 28- کان میں دب کر اور کنویں میں گر کر مر جانے والے کا خون معاف ہے

٦٩١٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا

[6912] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول

[1] فتح الباري: 315/12. [2] فتح الباري: 316/12.

اللَّيْثُ: حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، وَأَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «الْعَجْمَاءُ جُرْحُهَا جُبَارٌ، وَالْبِئْرُ جُبَارٌ، وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ، وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ». [راجع: ١٤٩٩]

اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حیوانات کا کسی کو زخمی کرنا قابل معافی ہے۔ کنویں میں گر کر مرجانے پر کوئی دیت نہیں۔ کان میں دب کر مرنے پر کوئی تاوان نہیں۔ اور مدفون خزانہ ملنے پر پانچواں حصہ دینا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اگر کوئی بے آباد کنویں میں گر کر مرجائے تو اس میں کوئی دیت نہیں ہوگی، اسی طرح اگر کسی نے اپنی ملکیت یا بے آباد جگہ میں کنواں کھودا، اس میں کوئی انسان یا چوپایہ گر کر مرگیا تو کنویں کے مالک پر کوئی تاوان نہیں ہوگا۔ اگر کسی نے کنواں کھودنے کے لیے مزدور رکھا، اس پر دیواریں گریں اور وہ ہلاک ہوگیا تو اس میں بھی کوئی تاوان نہیں ہوگا، تاہم اگر کسی نے دھوکے سے کسی کو کنویں میں گرایا یا عام راستے میں کنواں کھودا یا کسی غیر کی زمین میں کنواں بنایا، وہاں اگر کوئی گر کر مرجائے تو کنویں والے پر تاوان ہوگا۔ ② معدنیات کی کانوں کا بھی یہی مسئلہ ہوگا، ان میں دب کر اگر کوئی مرجاتا ہے یا ان میں کوئی مزدور ہلاک ہوجاتا ہے تو مالک پر کوئی تاوان نہیں ہوگا بلکہ ہر بے جان چیز کا یہی حال ہے، مثلاً: اگر کوئی انسان پھسل کر دیوار سے ٹکرایا اور مرگیا تو دیوار والا بریٔ الذمہ ہے۔ اگر کوئی کھجور پر چڑھا اور گر کر مرگیا تو مالک پر کوئی جرمانہ نہیں ہوگا۔[1]

(٢٩) بَابٌ: الْعَجْمَاءُ جُبَارٌ

باب: 29- چوپائے کا نقصان رائیگاں ہے

وَقَالَ ابْنُ سِيرِينَ: كَانُوا لَا يُضَمِّنُونَ مِنَ النَّفْحَةِ، وَيُضَمِّنُونَ مِنْ رَدِّ الْعِنَانِ.

ابن سیرین بیان کرتے ہیں: علماء، جانور کے لات مارنے کے نقصان پر کوئی تاوان نہیں دلاتے تھے، ہاں لگام موڑتے وقت نقصان کی صورت میں تاوان دلاتے تھے۔

وَقَالَ حَمَّادٌ: لَا تُضْمَنُ النَّفْحَةُ إِلَّا أَنْ يَنْخُسَ إِنْسَانٌ الدَّابَّةَ.

حماد نے کہا: جانور کے لات مارنے پر تاوان نہیں ہوتا، البتہ اگر کوئی جانور کو اکسائے تو نقصان ہونے پر تاوان ہے۔

وَقَالَ شُرَيْحٌ: لَا يُضْمَنُ، مَا عَاقَبَتْ أَنْ يَضْرِبَهَا فَتَضْرِبَ بِرِجْلِهَا.

قاضی شریح نے کہا: اگر کوئی چوپائے کو مارے، پھر چوپایہ اسے لات مار دے تو اس میں بھی کوئی تاوان نہیں۔

وَقَالَ الْحَكَمُ وَحَمَّادٌ: إِذَا سَاقَ الْمُكَارِي حِمَارًا، عَلَيْهِ امْرَأَةٌ فَتَخِرُّ، لَا شَيْءَ عَلَيْهِ.

حکم اور حماد نے کہا: اگر کوئی مزدور گدھے کو ہانک رہا ہو جس پر عورت سوار تھی، پھر وہ عورت گر جائے تو مزدور پر کوئی تاوان نہیں۔

وَقَالَ الشَّعْبِيُّ: إِذَا سَاقَ دَابَّةً فَأَتْعَبَهَا فَهُوَ

امام شعبی نے کہا: جب کوئی شخص جانور کو ہانک رہا ہو،

[1] فتح الباري: 12/318-319.

ضَامِنٌ لِّمَا أَصَابَتْ، وَإِنْ كَانَ خَلْفَهَا مُتَرَسِّلًا لَّمْ يَضْمَنْ.

پھراسے تھکا دے تو اس وجہ سے اگر نقصان پہنچا تو وہ ضامن ہوگا اور اگر کوئی جانور کے پیچھے رہ کر آہستگی سے ہانک رہا ہو تو اس صورت میں ہانکنے والا ضامن نہ ہوگا۔

وضاحت: مذکورہ نقصانات اتفاقی ہیں۔ چونکہ ان سے بچنا مشکل ہوتا ہے، اس لیے ان میں کوئی تاوان نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص بے تحاشا جانور کو بھگاتا ہے یا بے ہنگم اور بے تکی گاڑی چلاتا ہے اور ایسا عام سڑک اور عام راستے میں کرتا ہے تو اس صورت میں اگر کوئی نقصان ہو جائے تو جانور ہانکنے والے اور گاڑی چلانے والے کو تاوان دینا ہوگا کیونکہ یہ اتفاق نہیں بلکہ بے احتیاطی، غفلت اور بے پروائی ہے اور اس میں اس کا ارادہ شامل ہے۔ واللہ أعلم.

٦٩١٣ - حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ [رَضِيَ اللهُ عَنْهُ] عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلْعَجْمَاءُ عَقْلُهَا جُبَارٌ، وَّالْبِئْرُ جُبَارٌ، وَّالْمَعْدِنُ جُبَارٌ، وَّفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ». [راجع: ١٤٩٩]

[6913] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ”جانور کسی کو زخمی کرے تو اس کی کچھ دیت نہیں۔ اسی طرح کان میں کام کرنے سے کوئی نقصان پہنچے یا کنویں میں گرنے سے کوئی نقصان آئے تو اس میں بھی کوئی تاوان نہیں۔ اگر کہیں سے مدفون خزانہ ہاتھ آئے تو اس میں پانچواں حصہ بحق سرکار لیا جائے گا۔“

فوائد ومسائل: ① حیوانات کے نقصان کا تاوان حسب ذیل طریقے سے ہوگا: ○ اگر کسی کا جانور اچانک کھل گیا اور کسی کا کھیت چر گیا تو نقصان کا تاوان جانور کے مالک سے نہیں لیا جائے گا۔ ○ اگر اس نے قصداً کھولا یا اس کو کھل جانے کا علم ہوا لیکن اس نے باندھنے کی کوشش نہیں کی یا چرواہا ساتھ تھا مگر اس کے باوجود کھیت چر گیا تو مالک سے تاوان لیا جائے گا۔ ○ کوئی شخص اپنے جانور عام راستے سے لے جا رہا تھا، اس دوران میں جانوروں نے کسی کا کھیت کچل دیا یا اس میں بیٹھنے سے بہت سے پودے ضائع ہو گئے تو مالک کو نقصان کا تاوان دینا ہوگا۔ ○ اگر لات چلانے، پیر جھاڑنے یا دم ہلانے سے کوئی نقصان ہوا تو اس صورت میں تاوان نہیں لیا جائے گا کیونکہ یہ جانور کی فطرت ہے، اس سے جانور کو روکا نہیں جا سکتا۔ ○ اگر کوئی جانور لوگوں کو سینگ مارتا ہے یا کسی نے کتا پالا جو لوگوں کو کاٹتا ہے، اسے تنبیہ کی گئی کہ اپنے جانور یا کتے کو قابو کرو، اس نے سستی سے کام لیا تو اس صورت میں جانور کے مارنے یا کتے کے کاٹنے سے نقصان کا تاوان دینا پڑے گا۔ ○ بکریوں کے دو چرواہے ہیں ایک آگے اور دوسرا پیچھے، اس صورت میں جو نقصان ہوگا وہ دونوں سے لیا جائے گا۔ ② بے جان سواریوں، مثلاً: سائیکل، موٹر سائیکل، بس، ویگن، ریل اور ہوائی جہاز کا حکم بھی مندرجہ بالا صورتوں کے مطابق ہوگا۔

(٣٠) بَابٌ: إِثْمِ مَنْ قَتَلَ ذِمِّيًّا بِغَيْرِ جُرْمٍ

باب: 30- اس شخص کا گناہ جو کسی ذمی کو بے گناہ مار ڈالے

٦٩١٤ - حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا الْحَسَنُ: حَدَّثَنَا مُجَاهِدٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ قَتَلَ نَفْسًا مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا». [راجع: ٣١٦٦]

[6914] حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جس کسی نے ایسے شخص کو مارا جس سے عہد کیا گیا تھا، وہ جنت کی خوشبو تک نہیں سونگھے گا، حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس برس کی مسافت سے پائی جاتی ہے۔

فوائد ومسائل: ① معاہد سے مراد وہ غیر مسلم ہے جس کی حفاظت کا ذمہ مسلمانوں پر عائد ہوتا ہو، یعنی وہ اسلامی حکومت کا شہری ہو، خواہ سربراہ مملکت کی طرف سے جزیہ یا صلح پر اسے امان دی گئی ہو یا کسی مسلمان نے اسے پناہ دے رکھی ہو، ان سب صورتوں میں کسی کافر کو ناجائز نہیں مارا جائے گا۔[1] ② اگر کوئی غیر مسلم اسلامی حکومت میں رہتے ہوئے جارحانہ کارروائی کرتا ہے تو اس کا نوٹس لینا حکومت کا فرض ہے۔ اسی طرح اگر اسلامی ملک کی سرحدوں پر کافر لوگ باغیانہ کارروائیوں میں مصروف رہتے ہوں یا مسلمانوں کے جان و مال کو نقصان پہنچاتے ہوں تو ان کا سدباب کرنا بھی اسلامی حکومت کا اولین فرض ہے۔ مسلمانوں رعایا کو قانون ہاتھ میں لے کر کسی قسم کی کارروائی نہیں کرنی چاہیے۔ ③ حافظ ابن حجر ؒ نے مہلب کے حوالے سے لکھا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی یا معاہد کو قتل کر دے تو مسلمان کو قصاص کے طور پر قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس حدیث میں اس کے قتل پر اخروی وعید ہی بیان کی گئی ہے، دنیاوی سزا کا اس میں کوئی ذکر نہیں۔[2] اس کے متعلق ہم آئندہ کسی وقت گفتگو کریں گے۔ باذن اللہ تعالیٰ۔

(٣١) بَابٌ: لَا يُقْتَلُ الْمُسْلِمُ بِالْكَافِرِ

باب: 31- کسی مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے

٦٩١٥ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ: أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ: حَدَّثَنَا مُطَرِّفٌ قَالَ: سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ يُحَدِّثُ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا جُحَيْفَةَ قَالَ: سَأَلْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ مِمَّا لَيْسَ فِي الْقُرْآنِ؟ وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ مَرَّةً: مَا لَيْسَ عِنْدَ النَّاسِ، فَقَالَ: وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ مَا عِنْدَنَا إِلَّا مَا فِي الْقُرْآنِ، إِلَّا فَهْمًا يُعْطَى رَجُلٌ فِي كِتَابِهِ، وَمَا فِي الصَّحِيفَةِ. قُلْتُ: وَمَا

[6915] حضرت ابو جحیفہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت علی ؓ سے پوچھا: کیا آپ لوگوں کے پاس کوئی چیز ہے جو قرآن میں نہ ہو یا جو لوگوں کے پاس نہ ہو؟ حضرت علی ؓ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس نے غلہ اگایا اور مخلوقات کو پیدا کیا! ہمارے پاس وہی ہے جو اس قرآن میں ہے۔ ہاں، وہ فہم وفراست ہے جو اللہ تعالیٰ کسی کو قرآن کے متعلق عطا کرتا ہے اور جو کچھ اس صحیفے میں ہے، میں نے کہا: اس صحیفے میں کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: اس میں دیت

1 فتح الباري: 323/12. 2 فتح الباري: 324/12.

فِي الصَّحِيفَةِ؟ قَالَ: الْعَقْلُ، وَفِكَاكُ الْأَسِيرِ، وَأَنْ لَّا يُقْتَلَ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ. [راجع: ١١١]

اور قیدی چھڑانے کے احکام ہیں اور یہ (بھی ہے) کہ کوئی مسلمان کسی کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔

فوائد ومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ نے شدید وعید پر مشتمل سابقہ عنوان کے بعد یہ عنوان اس لیے ذکر نہیں کیا کہ کسی ذمی کے بدلے میں مسلمان کو قتل کر دیا جائے جب مسلمان اسے دانستہ قتل کر دے بلکہ اس امر کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ جب کوئی مسلمان کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا تو اس کا یہ مفہوم نہیں کہ مسلمان ہر کافر کو موت کے گھاٹ اتار دے بلکہ حق کے بغیر ایک ذمی یا معاہد کو قتل کرنا بھی حرام ہے۔[1] ② مسلمان کو ذمی کے بدلے میں قتل کرنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ جمہور اہل علم کہتے ہیں کہ ذمی بھی کافر ہے، اس لیے مسلمان کو اس کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا، البتہ اہل کوفہ کہتے ہیں کہ ذمی کے بدلے میں مسلمان کو قتل کیا جائے گا۔ انھوں نے اس سلسلے میں ایک روایت کا سہارا لیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک معاہد کے بدلے میں مسلمان کو قتل کیا اور فرمایا: ''میں اہل ذمہ کے ذمے کو پورا کرنے کا زیادہ حق دار ہوں۔''[2] اس حدیث کے متعلق امام دارقطنی رحمہ اللہ نے سخت جرح کی ہے کہ اسے ابراہیم بن ابی یحییٰ بیان کرتا ہے جو متروک الحدیث ہے، نیز اسے ابن بیلمانی نے بیان کیا ہے اور وہ انتہائی ضعیف ہے۔ اس کے باوجود وہ اس حدیث کو مرسل بیان کرتا ہے۔[3] اگر اسے صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی یہ منسوخ ہے کیونکہ مومن کو کافر کے بدلے میں نہ قتل کرنے پر مشتمل حدیث آپ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر ارشاد فرمائی تھی۔[4] جمہور کے مبنی برحقیقت موقف کے پیش نظر اہل کوفہ میں سے امام زفر نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا تھا جیسا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس کی تفصیل بیان کی ہے۔[5]

(٣٢) بَابٌ: إِذَا لَطَمَ الْمُسْلِمُ يَهُودِيًّا عِنْدَ الْغَضَبِ

باب: 32- جب مسلمان کسی یہودی کو غصے کی حالت میں طمانچہ مارے

رَوَاهُ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

اس سلسلے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے ایک روایت بیان کی ہے۔

وضاحت: اس عنوان سے امام بخاری رحمہ اللہ عنوان سابق کے مقصد کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں کہ جب ایک مسلمان سے یہودی کو طمانچہ اور تھپڑ مارنے کی بنا پر قصاص نہیں لیا گیا تو اسے قتل کرنے میں بھی قصاص نہیں لیا جائے گا، نیز ان اہل کوفہ کا رد ہے جو طمانچے اور تھپڑ میں قصاص تجویز کرتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو دوسرے مقام پر متصل سند سے بیان کیا ہے۔[6]

---

① فتح الباري: 325/12. ② سنن الدار قطني: 135/3. ③ سنن الدار قطني: 135/3. ④ فتح الباري: 327/12.
⑤ السنن الكبرى للبيهقي: 31/8. ⑥ صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3408.

٦٩١٦- حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو ابْنِ يَحْيٰى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا تُخَيِّرُوا بَيْنَ الْأَنْبِيَاءِ». [راجع:٢٤١٢]

[6916] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''انبیاء علیہم السلام کے مابین ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دو۔''

٦٩١٧ - وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ مِّنَ الْيَهُودِ إِلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ قَدْ لُطِمَ وَجْهُهُ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! إِنَّ رَجُلًا مِّنْ أَصْحَابِكَ مِنَ الْأَنْصَارِ قَدْ لَطَمَ وَجْهِي، قَالَ: «ادْعُوهُ» فَدَعَوْهُ، فَقَالَ: «أَلَطَمْتَ وَجْهَهُ؟» قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي مَرَرْتُ بِالْيَهُودِ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: وَالَّذِي اصْطَفٰى مُوسٰى عَلَى الْبَشَرِ، قَالَ: قُلْتُ: أَعَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ؟ قَالَ: فَأَخَذَتْنِي غَضْبَةٌ فَلَطَمْتُهُ، قَالَ: «لَا تُخَيِّرُونِي مِنْ بَيْنِ الْأَنْبِيَاءِ فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُّفِيقُ، فَإِذَا أَنَا بِمُوسٰى آخِذٌ بِقَائِمَةٍ مِّنْ قَوَائِمِ الْعَرْشِ، فَلَا أَدْرِي أَفَاقَ قَبْلِي أَمْ جُوزِيَ بِصَعْقَةِ الطُّورِ». [راجع: ٢٤١٢]

[6917] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا جبکہ اسے کسی نے طمانچہ لگایا تھا۔ اس نے کہا: یا محمد! تمھارے اصحاب میں سے ایک انصاری نے مجھ کو طمانچہ مارا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اسے بلاؤ۔'' لوگوں نے اس کو بلایا تو آپ نے فرمایا: ''تو نے اس کو چہرے پر طمانچہ مارا ہے؟'' اس نے کہا: اللہ کے رسول! میں یہودیوں کے پاس سے گزرا تو میں نے سنا کہ یہ (یہودی) کہہ رہا تھا: مجھے اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی ہے! میں نے کہا: کیا وہ حضرت محمد ﷺ سے بھی افضل ہیں؟ مجھے اس وقت غصہ آیا تو میں نے اس کے منہ پر طمانچہ رسید کر دیا۔ آپ نے فرمایا: ''مجھے دوسرے انبیاء علیہم السلام پر برتری نہ دیا کرو کیونکہ لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہو جائیں گے، پھر مجھے سب سے پہلے ہوش آئے گا تو اچانک موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے ہوں گے، نہ معلوم وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا کوہ طور پر جو بے ہوش ہو چکے تھے اس کے بدلے وہ آخرت میں بے ہوش ہی نہ ہوئے ہوں۔''

فوائد ومسائل: ① پہلی حدیث مختصر ہے کیونکہ اس میں طمانچہ رسید کرنے کا ذکر نہیں، البتہ دوسری حدیث میں تفصیل سے یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ ② رسول اللہ ﷺ نے انبیاء علیہم السلام کے درمیان ایک کو دوسرے پر اس طرح فضیلت دینے سے منع فرمایا ہے جس سے کسی پیغمبر کی توہین یا حقارت کا پہلو نمایاں ہوتا ہو۔ ویسے برتری کا انداز تو قرآن کریم سے ثابت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''یہ رسول، ہم نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔''[1] اللہ تعالیٰ نے از خود بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے، تاہم ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے درجات متعین کرنا تمھارا کام نہیں، ان کے باہمی تقابل سے کسی نبی کی تحقیر کا امکان ہے۔

[1] البقرة 2:253.

③ حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ اگر آدمی کوئی ایسی بات کہے جس کا اسے علم نہیں تو اہل علم مسلمان کے لیے جائز ہے کہ اس اقدام پر اس کی گوشمالی کریں۔ واللہ أعلم.[1] بہرحال ایک مسلمان کو کسی کافر یا ذمی کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

---

(1) فتح الباري: 329/12.

مرتدین اور دشمنان اسلام کے بارے میں اسلام کا حکم

ضابطۂ اسلام میں جن لوگوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا حکم ہے ان کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی وہ قسم ہے جنھیں حدود و قصاص میں مارا جاتا ہے۔ اس کے بیان سے فراغت کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ دوسری قسموں کو بیان کرتے ہیں۔ ان میں مرتدین، باغی اور دشمنان اسلام سرفہرست ہیں۔ مرتد وہ ہوتا ہے جو اسلام قبول کرنے کے بعد صحیح راہ سے پھر جائے اور حق معلوم ہونے کے بعد اسے قبول کرنے سے انکار کر دے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کیسے ہدایت دے گا جو اپنے ایمان (لانے) کے بعد کافر ہو گئے۔''[1] نیز فرمایا: ''بے شک وہ لوگ جنھوں نے اپنے ایمان (لانے) کے بعد کفر کیا پھر وہ کفر میں بڑھتے گئے، ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔''[2] رسول اللہ ﷺ نے مرتد کو قتل کرنے کا حکم دیا، چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو اپنا دین بدل لے اسے قتل کر دو۔''[3] شرعی ہدایت کے مطابق ایسے لوگوں پر اتمام حجت کرتے ہوئے پہلے ان کی غلطی کو واضح کیا جائے اور انھیں توبہ پر آمادہ کیا جائے، اگر باز آ جائیں تو ٹھیک بصورت دیگر ان سے قتال کیا جائے۔ ان کے علاوہ کچھ دشمنانِ اسلام اور باغی قسم کے لوگ ہیں جو اسلام میں رہتے ہوئے تخریبی کارروائیاں کرتے ہیں اور لوگوں میں خوف و ہراس پھیلاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کا بھی بڑی سختی سے نوٹس لیا ہے۔ قرآن میں ہے: ''جو اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کی سزا یہی ہے کہ وہ بری طرح قتل کر دیے جائیں یا بری طرح سولی چڑھا دیے جائیں یا مخالف سمت سے ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیے جائیں یا انھیں جلاوطن کر دیا جائے۔ یہ تو ان کے لیے دنیا میں ذلت و رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''[4] اس آیت سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے عوام الناس کو قتل و غارت اور ڈاکا زنی کی بنا پر گھبراہٹ میں ڈال رکھا ہو۔ ایسے لوگوں کو بھی توبہ کی تلقین کی جائے۔ اگر باز آ جائیں تو ٹھیک بصورت دیگر ان کے خلاف مسلح کارروائی کی جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں اکیس (21) مرفوع احادیث کا انتخاب کیا ہے جن میں ایک (1) معلق اور بیس (20) موصول ہیں۔ ان میں سترہ (17) احادیث مکرر اور چار (4) خالص ہیں۔ مرفوع احادیث کے علاوہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ سے مروی تقریباً سات (7) آثار بھی پیش کیے ہیں۔ پھر ان احادیث و آثار پر مختلف احکام و مسائل پر مشتمل نو (9) عنوان قائم کیے ہیں جن کی تفصیل حسب

---

1 آل عمران 3:86. 2 آل عمران 3:90. 3 صحيح البخاري، الجهاد والسير، حديث: 3017. 4 المآئدة 5:33.

ذیل ہے: ○ اس شخص کا گناہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے، نیز دنیا و آخرت میں اس کی سزا کا بیان۔ ○ مرتد مرد اور مرتد عورت کا حکم اور ان سے توبہ کرانے کا بیان۔ ○ جو فرائض قبول کرنے سے انکار کر دیں اور ارتداد کی طرف منسوب ہوں، انھیں قتل کرنے کا بیان۔ ○ اگر ذمی اشاروں، کنائیوں میں رسول اللہ ﷺ کی توہین کرے۔ ○ خوارج و ملحدین پر حجت قائم کرنے کے بعد ان سے برسر پیکار ہونا۔ ○ کسی مصلحت، مثلاً: تالیف قلب کے پیش نظر خوارج سے جنگ نہ کرنا۔ ○ تاویل کرنے والوں کے متعلق شرعی ہدایات۔

ان کے علاوہ بے شمار احکام و مسائل بیان کیے جائیں گے جنھیں ہم احادیث کے فوائد میں ذکر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان احکام کو سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے۔ آمین.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

88- كِتَابُ اسْتِتَابَةِ الْمُرْتَدِّينَ وَالْمُعَانِدِينَ وَقِتَالِهِمْ

مرتدین، دشمنان اسلام سے توبہ کرانے اور ان سے جنگ کرنے کا بیان

(١) بَابُ إِثْمِ مَنْ أَشْرَكَ بِاللهِ، وَعُقُوبَتِهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

باب: 1- اس شخص کا گناہ جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے، نیز اس کی دنیوی اور اخروی سزا کا بیان

قَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ [لقمان: ١٣] وَ ﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ [الزمر: ٦٥]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔“ نیز فرمایا: ”اگر آپ نے شرک کیا تو یقیناً آپ کا عمل ضائع ہو جائے گا اور آپ ضرور بالضرور خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔“

وضاحت: کسی چیز کو اس کے اصل مقام کے بجائے دوسری جگہ پر رکھنا ظلم ہے۔ شرک میں بھی یہی ہوتا ہے کیونکہ مشرک ایک حقیر مخلوق جسے خالق نے عدم سے وجود بخشا اسے اللہ تعالیٰ کے برابر کرتا ہے۔ گویا مشرک نے مخلوق کو اصل مقام سے اٹھا کر دوسری جگہ پر رکھ دیا ہے، پھر نعمت کو اس کے دینے والے کے بجائے دوسرے کی طرف منسوب کرتا ہے۔ پہلی آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک سے بڑھ کر کوئی دوسرا گناہ بڑا اور سنگین نہیں ہے۔ دوسری آیتِ کریمہ میں اگرچہ مخاطب اللہ کے رسول ﷺ ہیں لیکن اس سے مراد دوسرے لوگ ہیں کیونکہ حضرات انبیاء ﷩ سے شرک نہیں ہو سکتا۔ اس انداز سے امت کو ڈرانا مقصود ہے کہ شرک ایسا سنگین اور خطرناک جرم ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ سے بھی سرزد ہو جائے تو ان کی تمام عزت چھن جائے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالی وقار سے دور کر دیے جائیں، پھر ان کے علاوہ دوسروں کا کیا ٹھکانا ہوگا۔ شرک ایک ایسا جرم ہے جس کے حرام ہونے پر تمام انبیاء ﷩ کا اجماع ہے۔ اس کے ارتکاب سے تمام نیک اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔ واضح رہے کہ اعمال کا باطل ہونا موت کے ساتھ مقید ہے، یعنی اگر موت شرک پر ہوئی تو ان کے تمام نیک اعمال برباد، ضائع اور رائیگاں ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ

ہے: ''اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے، پھر اس حال میں اسے موت آئے کہ وہ کافر ہو تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا وآخرت (دونوں) میں ضائع ہو گئے اور یہی لوگ آگ والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''[1] امام بخاری ؒ نے شرک کی خطرناکی اور سنگینی سے آگاہ کرنے کے لیے یہ دونوں آیتیں بیان کی ہیں۔[2]

٦٩١٨ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ: ﴿ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَلَمْ يَلْبِسُوٓا۟ إِيمَٰنَهُم بِظُلْمٍ﴾ [الأنعام: ٨٢] شَقَّ ذٰلِكَ عَلَى أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَقَالُوا: أَيُّنَا لَمْ يَلْبِسْ إِيمَانَهُ بِظُلْمٍ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّهُ لَيْسَ بِذٰلِكَ، أَلَا تَسْمَعُونَ إِلَى قَوْلِ لُقْمَانَ: ﴿إِنَّ ٱلشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾». [راجع: ٣٢]

[6918] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی: ''جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے ملوث نہ کیا۔'' تو یہ رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام پر بہت گراں گزری، انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہ کیا ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دراصل یہ بات نہیں، کیا تم نے حضرت لقمان کی بات نہیں سنی، انھوں نے کہا تھا: ''یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شرک صرف یہ نہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کا منکر ہو یا متعدد الٰہوں کا قائل ہو بلکہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے اقرار کے ساتھ بھی آدمی شرک سے آلودہ ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو اللہ پر ایمان بھی لاتے ہیں اور شرک بھی کرتے ہیں۔''[3] ② مشرکین مکہ میں یہ اقرار موجود تھا جیسا کہ حج کے موقع پر ان کے تلبیے سے معلوم ہوتا ہے، وہ یوں کہتے تھے: ''اے اللہ! میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس کے جسے تو نے اختیار دے رکھا ہے اور وہ خود کوئی اختیار نہیں رکھتا۔''[4] آج بھی یہ بات بڑی شدت سے پائی جاتی ہے کہ لوگ اولیاء اللہ کے تصرفات کے بڑی شدومد سے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تصرفات اور اختیارات انھیں اللہ تعالیٰ نے ہی عطا کیے ہیں، اسی قسم کے عقیدے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اس سے پہلے کی کوئی الہامی کتاب یا علمی روایت میرے پاس لاؤ، اگر تم سچے ہو۔''[5] یعنی کیا تم کسی الہامی کتاب یا علمی روایت میں یہ بات دکھا سکتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں فلاں قسم کے اختیارات فلاں فلاں لوگوں کو دے رکھے ہیں؟ ③ دور حاضر میں قبر پرستوں اور پیر پرستوں کا یہی حال ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھی مانتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کی بھی عبادت کرتے ہیں، ان کے لیے نذر ونیاز اور منت مانتے ہیں، بیماری اور مصیبت میں ان کو پکارتے ہیں، انھیں برملا حاجت روا اور مشکل کشا کہا جاتا ہے۔ ان کی قبروں کا طواف ہوتا ہے، یہ سب شرک ہے اگرچہ اپنے ایمان کا اظہار بھی کیا جاتا ہے۔ اس قسم کا ظاہری ایمان قیامت کے دن کچھ کام نہیں آئے گا۔ مشرکین مکہ بھی اللہ تعالیٰ کا اقرار کرتے تھے، زمین و

---

① البقرة 2:217. ② فتح الباري: 321/12. ③ يوسف 12:106. ④ صحيح مسلم، الحج، حديث: 2815 (1185).
⑤ الأحقاف 46:4.

آسمان کا خالق و مالک اسی کو سمجھتے تھے مگر غیر اللہ کی عبادت اور ان کی انتہائی تعظیم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انھیں مشرک قرار دیا ہے۔ ④ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زبان اگرچہ عربی تھی لیکن بعض اوقات انھیں آیت کا مفہوم سمجھنے میں دشواری پیش آجاتی تھی، افسوس کہ آج مسلمانوں میں بھی ایک ایسا گروہ موجود ہے جو رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے بے نیاز ہو کر محض لغت کے سہارے قرآن کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو کسی آیت کے مفہوم میں دشواری پیش آسکتی ہے تو ہم عجمی لوگ لغت کے سہارے قرآن کو کس طرح سمجھ سکتے ہیں۔ دراصل یہ منصب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو عطا فرمایا ہے کہ وہ لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں اور اپنے عمل و کردار اور گفتار سے اس کی تعظیم کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے متعلق سمجھ عطا فرمائے۔

٦٩١٩ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ: حَدَّثَنَا الْجُرَيْرِيُّ وَحَدَّثَنِي قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: أَخْبَرَنَا سَعِيدٌ الْجُرَيْرِيُّ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَكْبَرُ الْكَبَائِرِ: اَلْإِشْرَاكُ بِاللهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَشَهَادَةُ الزُّورِ، وَشَهَادَةُ الزُّورِ - ثَلَاثًا - أَوْ قَوْلُ الزُّورِ». فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتّٰى قُلْنَا: لَيْتَهُ سَكَتَ. [راجع: ٢٦٥٤]

[6919] حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: ''سب سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے، پھر والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی گواہی دینا ہے اور جھوٹی گواہی دینا ہے...... یہ بات آپ نے تین مرتبہ دہرائی...... یا فرمایا: جھوٹی بات کرنا ہے۔'' پھر بار بار یہی فرماتے رہے حتی کہ ہم نے آرزو کی: کاش! آپ خاموش ہو جائیں۔

فائدہ: اس حدیث میں شرک کو اکبر الکبائر کہا گیا ہے اور حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرک پر جنت کو حرام قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر رکھی ہے۔ اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔''[1] بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل کو اکبر الکبائر اور زنا کو بہت بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے، دراصل ہر مقام میں حدیث اپنے مقتضیٰ کے مطابق اور حاضرین کے حال کے مناسب ذکر کی جاتی ہے بہرحال شرک کے اکبر الکبائر ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔[2]

٦٩٢٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ: أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسٰى: أَخْبَرَنَا شَيْبَانُ عَنْ فِرَاسٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ

[6920] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک دیہاتی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: اللہ کے رسول! بڑے بڑے گناہ کون سے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''اللہ کا شریک بنانا۔'' اس نے

---

1. المآئدة 5:72. 2. عمدة القاري: 195/16.

إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَا الْكَبَائِرُ؟ قَالَ: «اَلْإِشْرَاكُ بِاللهِ»، قَالَ: «ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: ثُمَّ عُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ»، قَالَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: «الْيَمِينُ الْغَمُوسُ»، قُلْتُ: وَمَا الْيَمِينُ الْغَمُوسُ؟ قَالَ: «الَّذِي يَقْتَطِعُ مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ هُوَ فِيهَا كَاذِبٌ». [راجع: ٦٦٧٥]

پوچھا: اس کے بعد کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''والدین کی نافرمانی کرنا۔'' اس نے دریافت کیا: پھر کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''جھوٹی قسم اٹھانا۔'' میں نے پوچھا: یمین غموس کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''جان بوجھ کر اس کے ذریعے سے کسی کا مال ہتھیا لے، حالانکہ وہ اس (قسم) میں جھوٹا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اللہ تعالیٰ نے بتوں کی عبادت کو گندگی سے تشبیہ دی ہے، فرمایا: ''بتوں کی گندگی سے بچو۔''[1] یعنی آستانوں کی آلائش اور بتوں کی پرستش سے اس طرح بچو جیسے انسان گندگی کے ڈھیر سے بچتا ہے، اور اسے اس گندگی کے قریب جانے سے بھی گھن آتی ہے۔ ایک مقام پر شرک کی سنگینی کو ان الفاظ میں بیان فرمایا: ''اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا تو وہ ایسے ہے جیسے وہ آسمان سے گرے، پھر اسے پرندے اچک لے جائیں یا ہوا، اسے کسی دور دراز مقام پر لے جا کر پھینک دے۔''[2] ② اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے، اب اگر وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے آگے جھکے تو گویا ایک بلند تر مخلوق کمتر مخلوق کے سامنے جھک گئی اور جس نے شرک کیا گویا وہ توحید کی بلندیوں سے نیچے گر گیا، اب اس کی کوئی مضبوط بنیاد نہیں رہی، اب وہ اپنی خواہشات نفس کے پیچھے یا اپنے جیسے مشرکین کے پیچھے لڑھکتا رہے گا جو اسے کبھی کسی در پر جانے کا مشورہ دیں گے، کبھی دوسرے کے آستانے پر جانے کا کہیں گے حتی کہ یہ شکاری پرندے اسے مکمل طور پر گمراہ اور بے ایمان کر کے ہی چھوڑیں گے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ.

٦٩٢١ - حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيٰى: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ وَّالْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَنُؤَاخَذُ بِمَا عَمِلْنَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ؟ قَالَ: «مَنْ أَحْسَنَ فِي الْإِسْلَامِ لَمْ يُؤَاخَذْ بِمَا عَمِلَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَمَنْ أَسَاءَ فِي الْإِسْلَامِ أُخِذَ بِالْأَوَّلِ وَالْآخِرِ».

[6921] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک آدمی نے پوچھا: اللہ کے رسول! ہم نے جو گناہ زمانۂ جاہلیت میں کیے ہیں کیا ان کا مؤاخذہ بھی ہم سے ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اسلام کی حالت میں نیک اعمال کرتا رہا اس سے تو جاہلیت کے گناہوں کا مؤاخذہ نہیں ہوگا اور جو شخص مسلمان ہو کر بھی برے کام کرتا رہا اس سے پہلے اور بعد والے دونوں گناہوں کے متعلق باز پرس ہوگی۔''

فوائد ومسائل: ① اسلام لانے سے دور جاہلیت کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے: ''اسلام، پہلے

---

① الحج 22:30. ② الحج 22:31.

گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔"[1] ارشاد باری تعالیٰ ہے: "آپ ان کافروں سے کہہ دیجیے کہ اگر وہ اب بھی باز آجائیں تو ان کے سابقہ گناہ بخش دیے جائیں گے۔"[2] اس صورت حال کے پیش نظر حدیث بالا کا یہ مفہوم ہے کہ اسلام لانے کے بعد بھی اگر کوئی گناہوں پر اصرار کرتا رہا تو اسے زمانۂ کفر کے گناہوں پر شرمندگی دلائی جائے گی، گویا اسے کہا جائے گا: تو نے ایسا ایسا نہیں کیا تھا جبکہ تو کافر تھا، اسلام لانے کے بعد تو ان گناہوں سے باز کیوں نہ آیا، چنانچہ اسلام لانے کے بعد جو گناہ ہوں گے ان پر مؤاخذہ ہوگا اور اس سے پہلے جو گناہ سرزد ہوئے تھے، ان پر شرمندگی دلائی جائے گی۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسلام میں اساءت کا مفہوم مرتد ہو جانا ہے کیونکہ اسلام لانے کے بعد سب سے بڑا گناہ کفر اختیار کرنا ہے۔ اگر کسی کو اسی حالت میں موت آگئی تو اس سے تمام گناہوں کا مؤاخذہ ہوگا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اسی امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کیونکہ انھوں نے اس حدیث کو اکبر الکبائر پر مشتمل حدیث کے بعد ذکر کیا ہے، اور مذکورہ تمام احادیث کو مرتدین کے عنوان میں بیان کیا ہے۔[3] ③ علامہ کرمانی لکھتے ہیں کہ اسلام میں اساءت کے یہ معنی ہیں کہ اس کا اسلام صحیح نہ ہو، یا اس کا ایمان خالص نہ ہو بلکہ اس میں منافقت پائی جائے۔[4] ہمارے رجحان کے مطابق اسلام میں اساءت سے مراد دین سے ارتداد ہے، اور اسلام میں احسان سے مراد، اس پر ہمیشگی و دوام اور ترک معاصی (گناہ) ہے۔ واللہ أعلم.

(٢) بَابُ حُكْمِ الْمُرْتَدِّ وَالْمُرْتَدَّةِ وَاسْتِتَابَتِهِمْ

باب: 2- مرتد مرد اور مرتد عورت کا حکم اور ان سے توبہ کرانے کا بیان

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ وَالزُّهْرِيُّ وَإِبْرَاهِيمُ: تُقْتَلُ الْمُرْتَدَّةُ، وَقَالَ اللهُ تَعَالَى: ﴿كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿غَفُورٌ رَّحِيمٌ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ﴾ [آل عمران: ٨٦-٩٠]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، امام زہری اور ابراہیم نخعی کہتے ہیں: مرتد عورت کو بھی قتل کیا جائے گا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اور اللہ ایسے لوگوں کو کیسے ہدایت دے جو اپنے ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے؟ حالانکہ وہ گواہی دے چکے ہیں کہ یقیناً یہ رسول سچا ہے...... یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ بے شک جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کا راستہ اختیار کیا، پھر اس کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے، ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی اور وہی لوگ گمراہ ہیں۔"

وَقَالَ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تُطِيعُوا فَرِيقًا

نیز فرمایا: "اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کے ایک

---

1 صحيح مسلم، الإيمان، حديث: 321 (121). 2 الأنفال 8:38. 3 فتح الباري: 12/333. 4 عمدة القاري: 196/16.

مِّنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَـٰبَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَـٰنِكُمْ كَـٰفِرِينَ﴾ [آل عمران: ١٠٠]

فریق کی بات مان لو گے تو یہ تمھارے ایمان لانے کے بعد تمھیں کافر بنا کے چھوڑیں گے۔"

وَقَالَ: ﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ثُمَّ كَفَرُوا۟﴾ إِلَى ﴿سَبِيلًا﴾ [النساء: ١٣٧]

نیز فرمایا: "بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے (پھر ایمان لائے، پھر کافر ہو گئے، پھر کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے، اللہ انھیں ہرگز نہیں بخشے گا اور نہ انھیں) سیدھا راستہ ہی دکھائے گا۔"

وَقَالَ: ﴿مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِۦ فَسَوْفَ يَأْتِى ٱللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُۥٓ﴾ [المائدة: ٥٤]

نیز فرمایا: "(اے ایمان والو!) تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ عنقریب ایسے لوگ لے آئے گا جن سے وہ محبت کرتا ہو گا اور وہ اس (اللہ) سے محبت کرتے ہوں گے۔"

وَقَالَ: ﴿وَلَـٰكِن مَّن شَرَحَ بِٱلْكُفْرِ صَدْرًا﴾ إِلَى ﴿وَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْغَـٰفِلُونَ ۝ لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِى ٱلْـَٔاخِرَةِ هُمُ ٱلْخَـٰسِرُونَ﴾ إِلَى: ﴿لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ [النحل: ١٠٦-١١٠]

نیز فرمایا: "اور لیکن جو کفر کے لیے (اپنا) سینہ کھول دے...... اور یہی لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ پکی بات ہے یقیناً یہی لوگ آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں...... بے حد بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔"

﴿وَلَا يَزَالُونَ يُقَـٰتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ ٱسْتَطَـٰعُوا۟﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿وَأُو۟لَـٰٓئِكَ أَصْحَـٰبُ ٱلنَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَـٰلِدُونَ﴾ [البقرة: ٢١٧].

نیز فرمایا: "یہ لوگ ہمیشہ تم سے لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو تمھیں تمھارے دین سے پھیر دیں...... یہی لوگ جہنمی ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

وضاحت: امام بخاری رحمہ اللہ نے مرتد عورت کے متعلق کوئی واضح حکم بیان نہیں کیا۔ اس سلسلے میں انھوں نے جو آثار پیش کیے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عمومی دلائل کے پیش نظر اسے بھی قتل کر دیا جائے، البتہ اہل کوفہ کہتے ہیں کہ اسے قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کے لیے صرف قید ہے۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دوران جنگ میں عورتوں کو قتل نہ کیا جائے۔" لیکن راجح بات یہی ہے کہ مرتد عورت کو بھی قتل کر دیا جائے اور جن عورتوں کو رسول اللہ ﷺ نے قتل کرنے سے منع فرمایا ہے وہ ایسی عورتیں ہیں جو اصل میں کافر ہوں اور مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک نہ ہوں، البتہ جو عورتیں مسلمان ہو کر مرتد ہو جائیں وہ دلائل کے عموم کے پیش نظر قتل کی جائیں گی۔ حدیث میں ہے کہ "جس نے اپنا دین بدل دیا اسے قتل کر دو۔"[1] اس حدیث میں مرد یا عورت کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی بلکہ یہ حکم عام ہے جو مردوں اور عورتوں تمام کو شامل ہے، چنانچہ حضرت

---

1. صحيح البخاري، الجهاد والسير، حديث: 3017.

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ام قرفہ نامی ایک عورت مرتد ہوگئی تو انھوں نے اسے توبہ کرنے کا کہا۔ اس نے توبہ سے انکار کر دیا تو آپ نے اسے قتل کر دینے کا حکم دیا۔[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ قریظہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے بھی ام قرفہ نامی عورت کو قتل کر دیا تھا جو اس کے علاوہ تھی۔[2] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک عورت اسلام سے پھر گئی تو رسول اللہ ﷺ نے اس پر دوبارہ اسلام پیش کرنے کا حکم دیا، نیز فرمایا: ''اگر مسلمان ہو جائے تو بہتر ورنہ اسے قتل کر دو۔'' چنانچہ اس پر اسلام پیش کیا گیا، انکار کرنے پر اسے قتل کر دیا گیا۔[3] امام بخاری رحمہ اللہ نے مرتدین کے متعلق متعدد آیات پیش کی ہیں جن کا تقاضا ہے کہ جو انسان اسلام لانے کے بعد مجبوراً کلمۂ کفر کہہ دے اسے مرتد نہیں کہا جائے گا بلکہ مرتد وہ ہے جسے دوبارہ کفر اختیار کرنے پر شرح صدر ہو اور وہ کھلے دل سے اسے قبول کرے، تاہم ایسے شخص کے لیے بھی ضروری ہے کہ اسے اسلام کی دعوت دی جائے اور اس کے شکوک وشبہات دور کیے جائیں، اس کے باوجود اگر اسے کفر اختیار کرنے پر اصرار ہو تو قتل کر دیا جائے۔ ایسے انسان کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ واضح رہے کہ کسی کو کافر کہنا بہت نازک مسئلہ ہے۔ اس کی تفصیل ہماری تالیف ایمان وعقیدہ میں دیکھی جائے۔ واللہ المستعان.

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ مرتد کو مہلت نہ دی جائے اور نہ اسے دوبارہ دعوت اسلام دینے ہی کی ضرورت ہے کیونکہ اسے دعوت اسلام پہلے مل چکی تھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں ایسی آیات پیش کی ہیں جن میں ارتداد کے بعد توبہ کا کوئی ذکر نہیں بلکہ یہ وضاحت ہے کہ اگر مرتد توبہ کر بھی لیں تو ان کی توبہ کو قبول نہیں کیا جائے گا۔[4] لیکن ہمیں اس موقف سے اتفاق نہیں ہے کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے جو آیات پیش کی ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے: ''مگر جن لوگوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کے لیے کوشاں رہے تو اللہ بے حد بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔''[5] بہر حال توبہ کا دروازہ ہر ایک کے لیے کھلا رہنا چاہیے، اسے کسی پر بند کر دینا اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی کے خلاف ہے۔

٦٩٢٢ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ: أُتِيَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بِزَنَادِقَةٍ فَأَحْرَقَهُمْ فَبَلَغَ ذٰلِكَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ: لَوْ كُنْتُ أَنَا لَمْ أُحْرِقْهُمْ لِنَهْيِ رَسُولِ اللهِ ﷺ: «لَا تُعَذِّبُوا بِعَذَابِ اللهِ»، وَلَقَتَلْتُهُمْ لِقَوْلِ رَسُولِ اللهِ ﷺ: «مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ». [راجع: ٣٠١٧]

[6922] حضرت عکرمہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس زندیق لائے گئے تو انھوں نے انھیں جلا دیا۔ یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تک پہنچی تو انھوں نے فرمایا: اگر میں ہوتا تو انھیں نہ جلاتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق حکم امتناعی جاری کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''اللہ کے عذاب کے ساتھ کسی کو عذاب نہ دو۔'' بلکہ میں انھیں قتل کرتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''جو شخص اپنا دین بدل دے اسے قتل کر دو۔''

1 السنن الكبرىٰ للبيهقي: 204/8. 2 تلخيص الحبير: 49/4. 3 سنن الدار قطني: 119/3. 4 فتح الباري: 337/12.
5 آل عمران 3: 89.

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو مسلمان اپنا دین بدل لے اسے قتل کر دیا جائے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ ② اس حدیث میں زندیق سے مراد وہ شخص ہے جو کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت شدہ حقائق کی فاسد تاویل کرے، مثلاً: شفاعت، یوم آخرت، رؤیت باری تعالیٰ (دیدار الٰہی)، عذاب قبر، پل صراط اور حساب کتاب کا انکار کرتے ہوئے ایسی فاسد تاویل کرے جو پہلے کبھی نہ سنی گئی ہو۔ ایسے شخص کو زندیق کہا جاتا ہے۔ ایسے شخص کی سزا قتل ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسے لوگوں کو ہی کیفر کردار تک پہنچایا تھا۔ واللہ أعلم. ③ واضح رہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جن آدمیوں کو آگ میں جلایا تھا وہ ان کے متعلق الوہیت کا عقیدہ رکھتے لیکن دور حاضر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق حاجت روا اور مشکل کشا ہونے کا عقیدہ رکھنے والوں کو کون اس قسم کی سزا دے گا۔ واللہ المستعان.

٦٩٢٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ قُرَّةَ ابْنِ خَالِدٍ قَالَ: حَدَّثَنِي حُمَيْدُ بْنُ هِلَالٍ: حَدَّثَنَا أَبُو بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: أَقْبَلْتُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَمَعِي رَجُلَانِ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ: أَحَدُهُمَا عَنْ يَمِينِي، وَالْآخَرُ عَنْ يَسَارِي، وَرَسُولُ اللهِ ﷺ يَسْتَاكُ، فَكِلَاهُمَا سَأَلَ فَقَالَ: «يَا أَبَا مُوسَى! أَوْ يَا عَبْدَ اللهِ بْنَ قَيْسٍ!»، قَالَ: قُلْتُ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أَطْلَعَانِي عَلَى مَا فِي أَنْفُسِهِمَا، وَمَا شَعَرْتُ أَنَّهُمَا يَطْلُبَانِ الْعَمَلَ، فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى سِوَاكِهِ تَحْتَ شَفَتِهِ قَلَصَتْ، فَقَالَ: «لَنْ - أَوْ لَا - نَسْتَعْمِلُ عَلَى عَمَلِنَا مَنْ أَرَادَهُ، وَلَكِنِ اذْهَبْ أَنْتَ يَا أَبَا مُوسَى - أَوْ يَا عَبْدَ اللهِ بْنَ قَيْسٍ - إِلَى الْيَمَنِ». ثُمَّ أَتْبَعَهُ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ، فَلَمَّا قَدِمَ عَلَيْهِ أَلْقَى لَهُ وِسَادَةً قَالَ: انْزِلْ، فَإِذَا رَجُلٌ عِنْدَهُ مُوثَقٌ، قَالَ: مَا هَذَا؟ قَالَ: كَانَ يَهُودِيًّا فَأَسْلَمَ ثُمَّ تَهَوَّدَ، قَالَ: اجْلِسْ، قَالَ: لَا أَجْلِسُ حَتَّى يُقْتَلَ، قَضَاءُ اللهِ وَرَسُولِهِ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَأَمَرَ

[6923] حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے ساتھ قبیلۂ اشعر کے دو آدمی تھے۔ ان میں سے ایک میری دائیں جانب اور دوسرا بائیں طرف تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت مسواک کر رہے تھے۔ انھوں نے آپ ﷺ سے عہدے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابو موسیٰ یا اے عبداللہ بن قیس!'' میں نے کہا: اللہ کے رسول! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، انھوں نے اپنے دل کی بات سے مجھے مطلع نہیں کیا تھا اور نہ مجھے ہی معلوم ہو سکا کہ یہ دونوں عہدہ طلبی کے لیے آئے ہیں، گویا میں اب بھی رسول اللہ ﷺ کی مسواک آپ کے ہونٹوں تلے دیکھ رہا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی ہم سے عہدہ طلب کرتا ہے ہم اسے وہ عہدہ نہیں دیتے ہیں لیکن اے ابو موسیٰ یا اے عبداللہ بن قیس! تم (خدمت کی بجا آوری کے لیے) یمن جاؤ۔'' اس کے بعد آپ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ان کے پیچھے روانہ کیا۔ جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انھوں نے ان کے لیے گدا بچھا دیا اور

(1) فتح الباري: 340/12.

بِهِ فَقُتِلَ، ثُمَّ تَذَاكَرَا قِيَامَ اللَّيْلِ، فَقَالَ أَحَدُهُمَا: أَمَّا أَنَا فَأَقُومُ وَأَنَامُ، وَأَرْجُو فِي نَوْمَتِي مَا أَرْجُو فِي قَوْمَتِي. [راجع: ٢٢٦١]

کہا: سواری سے اترو اور گدے پر تشریف رکھو۔ اس وقت ان کے پاس ایک آدمی تھا جس کی مشکیں بندھی ہوئی تھیں۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے پوچھا: یہ کون ہے؟ انھوں نے بتایا کہ یہ یہودی تھا، پھر مسلمان ہوا، اب پھر یہودی ہو گیا ہے۔ انھوں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو دوبارہ بیٹھنے کے لیے کہا۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق اسے قتل نہ کر دیا جائے۔ یہ بات انھوں نے تین مرتبہ دہرائی، چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حکم پر اسے قتل کر دیا گیا۔ پھر دونوں نے آپس میں رات کے قیام کا تذکرہ کیا۔ ان میں سے ایک نے کہا: میں تو رات کو عبادت بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اور مجھے امید ہے کہ سونے میں بھی مجھے وہی اجر ملے گا، جو رات کے وقت عبادت کرنے میں ملتا ہے۔

فوائد ومسائل: ① یہ حدیث چار شرعی احکام پر مشتمل ہے: ○ مسواک کی اہمیت وافادیت۔ ○ عہدہ طلب کرنے کی مذمت۔ ○ حضرت ابوموسیٰ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو حکومتی خدمت کے لیے یمن روانہ کرنا۔ ○ یہودی کا ذکر جس نے مسلمان ہونے کے بعد دوبارہ یہودیت کو اختیار کر لیا۔ اس مقام پر یہ آخری واقعہ بیان کرنا مقصود ہے۔ ایک روایت میں اس کی تفصیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو یمن میں تعلیم وتربیت کے لیے روانہ کیا تھا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ملنے گئے تو وہاں ایک آدمی کو زنجیروں میں جکڑا ہوا پایا۔ انھوں نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا: اے بھائی! کیا تم لوگوں کی ایذا رسانی کے لیے بھیجے گئے ہو؟ ہمیں تو رسول اللہ ﷺ نے اس لیے بھیجا تھا کہ ہم لوگوں کو دین کی تعلیم دیں اور ایسی باتوں کی رہنمائی کریں جو ان کے لیے نفع بخش ہوں۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ یہ مسلمان ہو کر دین سے پھر (مرتد ہو) گیا ہے۔ چنانچہ یہ وضاحت سن کر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اس ذات کی قسم جس نے حضرت محمد ﷺ کو حق دے کر بھیجا ہے! میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک اسے آگ میں جلا نہ دوں، چنانچہ وہاں لکڑیاں جلا کر آگ کا الاؤ تیار کیا گیا اور اس کی مشکیں باندھ کر اس میں ڈال دیا گیا۔[1] ② ممکن ہے کہ اسے قتل کر کے مزید رسوا کرنے کے لیے اس کی لاش کو آگ میں ڈال دیا گیا ہو اور حضرت معاذ اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما ایسے حالات میں جلانا جائز سمجھتے ہوں۔

---

[1] مجمع الزوائد للهيثمي: 6/261.

بہرحال حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اسے بیس دن تک سمجھایا۔ حضرت معاذ بن رضی اللہ عنہ نے بھی اسے دین اسلام کی دعوت دی لیکن اس نے انکار کیا تو اسے کیفر کردار تک پہنچا دیا گیا۔ ③ اس سے معلوم ہوا کہ مرتد مرد اور عورت کو دعوت اسلام دینے کے بعد قتل کرنا چاہیے، اگر دین اسلام میں واپس آجائے تو اسے مزید موقع دیا جائے۔[1] واللہ أعلم.

(٣) بَابُ قَتْلِ مَنْ أَبَى قَبُولَ الْفَرَائِضِ، وَمَا نُسِبُوا إِلَى الرِّدَّةِ

باب: 3- فرائض اسلام کے منکر اور ارتداد کی طرف منسوب کو قتل کرنا

٦٩٢٤ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ ابْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: لَمَّا تُوُفِّيَ النَّبِيُّ ﷺ وَاسْتُخْلِفَ أَبُو بَكْرٍ، وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ، قَالَ عُمَرُ: يَا أَبَا بَكْرٍ! كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، فَمَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ، وَحِسَابُهُ عَلَى اللهِ؟». [راجع: ١٣٩٩]

[6924] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب نبی ﷺ نے وفات پائی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو عرب کے کچھ قبائل کفر کی راہ پر چل پڑے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوبکر! آپ ان لوگوں سے کیسے جنگ کریں گے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''مجھے لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک وہ لا الہ الا اللہ کہہ دیں، پھر جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا اس نے مجھ سے اپنا مال اور اپنی جان کو بچا لیا۔ ہاں، اسلام کا حق وصول کرنے کے لیے اس کی جان یا مال کو نقصان پہنچایا جاسکتا ہے اور اس کا حساب لینے والا اللہ تعالیٰ ہے؟''

٦٩٢٥ - قَالَ أَبُو بَكْرٍ: وَاللهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ، فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ، وَاللهِ لَوْ مَنَعُونِي عَنَاقًا كَانُوا يُؤَدُّونَهَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنْعِهَا، قَالَ عُمَرُ: فَوَاللهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ رَأَيْتُ أَنْ قَدْ شَرَحَ اللهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ لِلْقِتَالِ. فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ. [راجع: ١٤٠٠]

[6925] حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تو اس شخص سے ضرور بالضرور جنگ کروں گا جو نماز اور زکاۃ میں فرق کرے گا کیونکہ زکاۃ مال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ مجھ سے بکری کا بچہ روک لیں جو رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے تو میں اس کے نہ دینے پر بھی ان سے جنگ کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! اس بات کے بعد میں سمجھ گیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل میں جو لڑائی کا ارادہ پیدا ہوا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور میں نے پہچان لیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے برحق ہے۔

---

① فتح الباري: 12/343، 344.

فوائد ومسائل: ① جو شخص فرائض، مثلاً: زکاۃ وغیرہ دینے سے انکار کرتا ہے، اس کے متعلق تحقیق کی جائے، اگر وہ وجوب کا قائل ہے لیکن دینے سے انکار کرتا ہے تو اس سے جبراً زکاۃ وصول کی جائے اور اس سے جنگ نہ کی جائے اور اگر انکار کرنے کے ساتھ ساتھ لڑائی کرنے پر آمادہ ہے تو پھر ایسے شخص کو معاف نہ کیا جائے بلکہ ایسے شخص سے قتال کیا جائے۔ ② دراصل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مرتدین کی تین قسمیں حسب ذیل تھیں: ○ ایک وہ لوگ تھے جو بتوں کی پوجا پاٹ میں لگ گئے اور اسلام کو خیرباد کہہ دیا۔ ○ ایک وہ گروہ تھا جنھوں نے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کی پیروی اختیار کر لی۔ ○ ایسی جماعت بھی تھی جو اسلام کا اقرار کرتے تھے لیکن زکاۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا اور انھوں نے خیال کیا کہ زکاۃ کی ادائیگی صرف رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے خاص تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس آخری قسم کے متعلق بحث کی کہ ان سے لڑائی جائز نہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زکاۃ نہ دینے والوں سے اس لیے جنگ کرنے کا ارادہ کیا کہ انھوں نے بزور شمشیر زکاۃ روکی تھی اور مسلمانوں کے خلاف محاذ جنگ کھول دیا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا موقف تھا کہ نماز اور زکاۃ کا معاملہ ایک ہے۔ اگر کوئی دانستہ نماز کا تارک ہے تو اس سے جنگ کی جائے گی اسی طرح اگر کوئی زکاۃ نہ دے تو اس سے جبراً وصول کی جائے گی۔ اگر وہ اس کے لیے جنگ کرے تو اس سے جنگ کی جائے گی۔ آخر کار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قائم کردہ دلیل سے حق کو پہچان لیا اور پوری طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے موقف سے متفق ہو گئے۔[1]

(٤) بَابٌ: إِذَا عَرَّضَ الذِّمِّيُّ أَوْ غَيْرُهُ بِسَبِّ النَّبِيِّ ﷺ وَلَمْ يُصَرِّحْ، نَحْوَ قَوْلِهِ: اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ

باب: 4- اگر کوئی ذمی یا کوئی دوسرا شخص نبی ﷺ کو اشارے کنائے میں برا بھلا کہے، جیسے: السام علیکم

وضاحت: عنوان میں ''غَيْرُهُ'' سے مراد ذمی کے علاوہ کوئی دوسرا معاہد یا ایسا شخص ہے جو اسلام کا اظہار کرتا ہو۔ اس قسم کے بدبخت اگر رسول اللہ ﷺ کو واضح طور پر گالی نہ دیں یا آپ کو برا بھلا کہنے کی صراحت نہ کریں بلکہ ایسا انداز اختیار کریں جس سے آپ ﷺ کی توہین وتنقیص کا اظہار ہو تو اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

٦٩٢٦ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدِ بْنِ أَنَسٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: مَرَّ يَهُودِيٌّ بِرَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: السَّامُ عَلَيْكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «وَعَلَيْكَ»،

[6926] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا تو اس نے کہا: تم پر ہلاکت ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے (اس کے جواب میں) فرمایا: ''تجھ پر بھی۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے (صحابۂ کرام سے) پوچھا: ''تمھیں معلوم ہے کہ

---

[1] فتح الباري: 347/12.

فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَتَدْرُونَ مَا يَقُولُ؟ قَالَ: السَّامُ عَلَيْكَ»، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! أَلَا نَقْتُلُهُ؟ قَالَ: «لَا، إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ، فَقُولُوا: وَعَلَيْكُمْ». [راجع: ٦٢٥٨]

اس نے کیا کہا تھا؟ اس نے السام علیک کہا تھا۔'' صحابۂ کرام نے کہا: اللہ کے رسول! اسے ہم قتل نہ کر دیں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں، جب تمھیں اہل کتاب سلام کہیں تو تم جواب میں یہ کہہ دیا کرو: وعلیکم ''تم پر بھی ہو۔''

فوائدومسائل: ① امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ جب کوئی ذمی یا معاہد رسول اللہ ﷺ کے متعلق اعلانیہ سب وشتم نہ کرے بلکہ اشارے کنائے کے ذریعے سے اپنے دل کی بھڑاس نکالتا رہے تو اسے قتل نہ کیا جائے جیسا کہ اس حدیث میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ یہودی کے متعلق قتل کرنے کی اجازت نہیں دی۔ ② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ یہودی کو تالیف قلب کی مصلحت کی بنا پر قتل نہیں کیا یا اس لیے کہ واضح طور پر اس نے سب وشتم نہیں کیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دونوں وجوہات ہوں اور یہی زیادہ بہتر ہے۔[1] ③ اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کو واضح طور پر برا بھلا کہے تو ایسے شخص کے قتل پر اجماع ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک نابینا صحابی کی ام ولد لونڈی رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی اور آپ کی شان میں گستاخی کی مرتکب ہوتی تھی، ایک دن جب وہ اپنے آقا کے سامنے رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دے رہی تھیں تو انھوں نے اسے قتل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب علم ہوا تو آپ نے اعلانیہ طور پر فرمایا: ''خبردار! گواہ ہو جاؤ کہ اس لونڈی کا خون رائیگاں اور ضائع ہے۔''[2] جب یہ بات رسول اللہ ﷺ کے حق میں ثابت ہے تو جو بدبخت شخص اللہ تعالیٰ، اس کی کتاب، اسلام یا سنت مطہرہ اور دین اسلام میں طعن کرے تو اسے قتل کرنا بالا ولی لازم ہے۔ یہ ایسی حقیقت ہے کہ اس پر مزید دلائل کی ضرورت نہیں۔

٦٩٢٧ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتِ: اسْتَأْذَنَ رَهْطٌ مِّنَ الْيَهُودِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالُوا: السَّامُ عَلَيْكَ، فَقُلْتُ: بَلْ عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ، فَقَالَ: «يَا عَائِشَةُ! إِنَّ اللهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ»، قُلْتُ: أَوَ لَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا؟ قَالَ: «قُلْتُ: وَعَلَيْكُمْ». [راجع: ٢٩٣٥]

[6927] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: چند یہودیوں نے نبی ﷺ کے پاس آنے کی اجازت طلب کی۔ (جب وہ آئے) تو انھوں نے کہا: السام علیک ''تم پر موت ہو۔'' میں نے جواب میں کہا: بلکہ تم پر موت اور لعنت ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہ! اللہ تعالیٰ نرمی کرتا ہے اور ہر کام میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔'' میں نے کہا: اللہ کے رسول! آپ نے وہ نہیں سنا جو انھوں نے کہا تھا؟ آپ نے فرمایا: ''میں نے کہہ تو دیا تھا کہ ''تم پر بھی ہو۔''

٦٩٢٨ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ

[6928] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں

---

① فتح الباري: 352/12. ② سنن أبي داود، الحدود، حديث: 4361.

عَنْ سُفْيَانَ وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ الْيَهُودَ إِذَا سَلَّمُوا عَلَى أَحَدِكُمْ إِنَّمَا يَقُولُونَ: سَامٌ عَلَيْكَ، فَقُلْ: عَلَيْكَ». [راجع: ٦٢٥٧]

نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہودی لوگ جب تم میں سے کسی کو سلام کرتے ہیں تو سام علیك ''تم پر موت ہو'' کہتے ہیں۔ تم جواب میں یہی کہہ دیا کرو: تم پر بھی یہی کچھ ہو۔''

فوائدومسائل: ① قوم یہود کی یہ گندی اور بری فطرت تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ یا کسی مسلمان کو سلام کہتے تو اپنے دل کی بھڑاس اس طرح نکالتے کہ ان الفاظ میں سلام کرتے: ''تم پر موت یا ہلاکت ہو۔'' رسول اللہ ﷺ ان کا نوٹس اس طرح لیتے کہ ان کے الفاظ ہی ان کے منہ پر مار دیتے اور آپ ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی یہی تلقین فرمائی کہ ان کے متعلق بدزبانی کرنے کے بجائے ان کے اپنے الفاظ ہی انھیں واپس کر دیے جائیں۔ اس انداز سے ان کی بددعا خود ان کے لیے ہی موجب وبال اور باعث عذاب ہوگی۔ اگر وہ علانیہ طور پر رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کریں تو پھر انھیں قتل کر دیا جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خود کعب بن اشرف اور ابو رافع یہودی کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ ② دور حاضر میں رسول اللہ ﷺ کے خاکے بنا کر آپ ﷺ کی توہین و تنقیص کرنے والوں کا بھی یہی حکم ہے اور یہ ناقابل معافی جرم ہے کیونکہ انھیں معاف کر دینے کا خود رسول اللہ ﷺ کو حکم ہے جواب موجود نہیں ہیں۔ ہم نے اس موضوع پر ایک مفصل فتویٰ لکھا تھا جو فتاویٰ اصحاب الحدیث کی دوسری جلد میں دیکھا جا سکتا ہے۔ واللّٰہ المستعان.

(٥) بَابٌ:

باب:5- بلاعنوان

٦٩٢٩ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنِي شَقِيقٌ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَحْكِي نَبِيًّا مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ، ضَرَبَهُ قَوْمُهُ فَأَدْمَوْهُ فَهُوَ يَمْسَحُ الدَّمَ عَنْ وَّجْهِهِ وَيَقُولُ: «رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ». [راجع: ٣٤٧٧]

[6929] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: گویا میں اب نبی ﷺ کو دیکھ رہا ہوں آپ ایک پیغمبر کی حکایت بیان کر رہے تھے جسے اس کی قوم نے مار مار کر لہولہان کر دیا تھا۔ وہ اپنے چہرے سے خون صاف کرتے اور اللہ کے حضور دعا کرتے تھے: ''اے اللہ! میری قوم کو معاف کر دے کیونکہ وہ نادان ہیں۔''

فوائدومسائل: ① روایات میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس پیغمبر کی حکایت بیان کی، وہ حضرت نوح علیہ السلام تھے۔ ان کی قوم انھیں اس قدر مارتی کہ وہ لہولہان اور بے ہوش ہو جاتے، جب انھیں افاقہ ہوتا تو مذکورہ الفاظ کہتے۔ کچھ حضرات کا خیال ہے کہ اس سے مراد خود رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ مشرکین نے غزوۂ احد کے دن آپ ﷺ کو پتھر مارے اور آپ کا چہرہ زخمی کر دیا لیکن آپ یہی دعا کرتے رہے: ''اے اللہ! انھیں معاف کر دے، یہ نادان ہیں۔'' بعض روایات سے معلوم ہوتا

ہے کہ غزوۂ حنین کے موقع پر بھی نبی ﷺ نے یہ الفاظ استعمال فرمائے تھے۔''[1] ② یہ عنوان ماقبل کا نتیجہ اور تکملہ ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کی بدزبانی کا مصلحتِ تالیف کی بنا پر کوئی نوٹس نہیں لیا کیونکہ جن لوگوں نے اپنے انبیائے کرام کو زخمی کیا، ان انبیائے کرام نے ان پر ہلاکت وتباہی کی بددعا نہیں کی بلکہ صبر سے کام لیتے ہوئے ان کے حق میں دعا فرمائی ہے، تو اشارے کنائے سے برا بھلا کہنے والے کو قتل کیسے کیا جاسکتا ہے۔[2] واضح رہے کہ حضرات انبیاء ﷺ کو لوگوں کی اذیت رسانی پر صبر کرنے کی تلقین کی گئی ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ہے: ''آپ صبر کریں جیسا کہ اولوا العزم پیغمبروں نے صبر سے کام لیا ہے اور ان کے متعلق جلدی نہ کریں۔''[3]

(٦) بَابُ قَتْلِ الْخَوَارِجِ وَالْمُلْحِدِينَ بَعْدَ إِقَامَةِ الْحُجَّةِ عَلَيْهِمْ

باب: 6- خوارج اور ملحدین پر حجت قائم کرنے کے بعد انھیں قتل کرنا

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ﴾ [التوبة: ١١٥]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ وہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کر دے یہاں تک کہ ان کے لیے وہ چیزیں واضح کر دے جن سے انھوں نے بچنا ہے۔''

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَرَاهُمْ شِرَارَ خَلْقِ اللهِ، وَقَالَ: إِنَّهُمُ انْطَلَقُوا إِلَى آيَاتٍ نَزَلَتْ فِي الْكُفَّارِ فَجَعَلُوهَا عَلَى الْمُؤْمِنِينَ.

حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ ان (خارجی) لوگوں کو اللہ کی بدترین مخلوق خیال کرتے تھے۔ انھوں نے فرمایا: یہ لوگ ان آیات کو جو کفار کے متعلق نازل ہوئی تھیں انھیں مسلمانوں پر چسپاں کرتے تھے۔

وضاحت: خَوَارِج، خَارِجَة کی جمع ہے۔ یہ ایک گروہ ہے جو دین سے نکل گیا تھا۔ انھیں خوارج اس لیے کہا جاتا ہے کہ انھوں نے نیک لوگوں پر خروج کیا تھا۔ ہر وہ شخص جو امام حق کے خلاف خروج کرے وہ خارجی ہے، اگرچہ وہ صحابۂ کرام کے زمانے میں ہو۔ اس گروہ کی ابتدا حضرت عثمان ﷺ کے آخری دور خلافت میں ہوئی۔ یہ لوگ بظاہر بڑے عابد، زاہد اور قرآن کے قاری تھے لیکن ان کے دلوں میں ذرا بھر بھی قرآن کا نور نہیں تھا۔ جب حضرت علی ﷺ خلیفہ بنے تو شروع شروع میں یہ لوگ حضرت علی ﷺ کے ساتھ رہے۔ جنگ صفین کے بعد جب تحکیم کی رائے پر اتفاق ہوا تو اس وقت یہ لوگ حضرت علی ﷺ سے الگ ہوگئے اور انھیں بھی برا بھلا کہنے لگے۔ حضرت علی ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ کو انھیں سمجھانے کے لیے بھیجا اور خود بھی انھیں سمجھاتے رہے مگر انھوں نے کسی کی بات نہ سنی، بالآخر حضرت علی ﷺ نے انھیں نہروان میں قتل کر دیا۔ یہ کم بخت حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عائشہ ﷺ کی تکفیر کرتے اور حیض کی حالت میں عورت پر نماز واجب قرار دیتے تھے۔ الغرض یہ تمام گمراہی اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ وہ قرآن کی تفسیر سلف صالحین کے مطابق کرنے کے بجائے اپنی رائے سے کرتے تھے اور

---

1 فتح الباري: 353/12. 2 فتح الباري: 352/12. 3 الأحقاف 35:46.

جو آیات کفار کے متعلق نازل ہوئی تھیں انھیں اہل ایمان پر چسپاں کرتے تھے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کے متعلق کہا ہے۔ملحدین، ملحد کی جمع ہے۔ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو حق سے منہ موڑ کر باطل کی طرف ہو جاتے ہیں۔ان کے ہاں قرآن و حدیث کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔امام بخاری رحمہ اللہ کے قائم کردہ عنوان اور پیش کردہ آیات و آثار سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ خوارج و ملحدین کو اس وقت تک قتل نہ کیا جائے جب تک ان پر حجت قائم کر کے ان کے شبہات دور نہ کر دیے جائیں اور ان کی جہالت ختم نہ کر دی جائے، نیز انھیں حق کی دعوت دی جائے اور جو معاملہ ان پر خلط ملط ہو گیا ہے، اس کی خوب وضاحت کر دی جائے، اس کے باوجود اگر وہ حق کی طرف رجوع نہ کریں اور اپنے عقائد و نظریات سے توبہ نہ کریں تو امام وقت ان کے خلاف کارروائی کرے۔اگر ضرورت پڑے تو انھیں قتل بھی کیا جا سکتا ہے۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حکومت وقت کے خلاف خروج کرنے والوں کی دو قسمیں ہیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: ○ حکمرانوں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر حکومت کے خلاف خروج کیا، نیز دین کی حمایت میں انھوں نے یہ اقدام کیا کیونکہ اس وقت کے حکمران سنت نبوی کو نظرانداز کر کے خواہشاتِ نفس کی پیروی کرنے لگے تھے جیسا کہ حضرت حسین بن علی اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم تھے۔یہ اہل حق تھے۔ ○ دوسرے وہ لوگ ہیں جن کے پیش نظر صرف حکومت طلبی اور منصب کا حصول تھا۔دینی غیرت ان میں نہیں تھی بلکہ وہ دنیا کی خاطر حکومت وقت سے خروج کرتے تھے۔انھیں عام طور پر باغی کہا جاتا ہے۔ان کی وضاحت ہم کتاب الفتن میں کریں گے۔[1] بہرحال خوارج و ملحدین کے متعلق اہل سنت کا یہ موقف ہے کہ ان پر اتمام حجت کے بعد ان کے خلاف کارروائی کی جا سکتی ہے اور ایسے حالات میں اگر حکومت مناسب سمجھے تو انھیں قتل بھی کر سکتی ہے۔

٦٩٣٠ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ: حَدَّثَنَا خَيْثَمَةُ: حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ غَفَلَةَ: قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: إِذَا حَدَّثْتُكُمْ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ حَدِيثًا، فَوَاللهِ لَأَنْ أَخِرَّ مِنَ السَّمَاءِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَكْذِبَ عَلَيْهِ، وَإِذَا حَدَّثْتُكُمْ فِيمَا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ، فَإِنَّ الْحَرْبَ خُدْعَةٌ، وَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «سَيَخْرُجُ قَوْمٌ فِي آخِرِ الزَّمَانِ أَحْدَاثُ الْأَسْنَانِ، سُفَهَاءُ الْأَحْلَامِ، يَقُولُونَ مِنْ خَيْرِ قَوْلِ الْبَرِيَّةِ، لَا يُجَاوِزُ إِيمَانُهُمْ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ

[6930] حضرت سوید بن غفلہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب میں تم سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کروں تو اللہ کی قسم! میرا آسمان سے گرنا مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں آپ ﷺ پر جھوٹ باندھوں۔اور جب میں تم سے وہ بات کروں جو میرے اور تمھارے درمیان ہے تو بلاشبہ لڑائی دھوکے کا نام ہے۔بلاشبہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''عنقریب آخر زمانے میں ایک ایسی قوم ظاہر ہو گی جو نوخیز، کم عقل لوگوں پر مشتمل ہو گی۔ظاہر میں تو تمام مخلوق میں بہتر کلام (قرآن مجید) کو پڑھیں گے لیکن ایمان کا نور ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس

1 فتح الباري: 357/12.

السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ. فَأَيْنَمَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ فَإِنَّ فِي قَتْلِهِمْ أَجْرًا لِمَنْ قَتَلَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ». [راجع: ٣٦١١]

طرح تیر شکار سے آر پار ہوجاتا ہے۔تم جہاں بھی ان سے ملو ان کو قتل کر دو کیونکہ ان کے قتل کرنے والے کو قیامت کے دن بہت ثواب ملے گا۔''

فوائد ومسائل: ① حضرت علی ؓ نے یہ حدیث اس وقت بیان کی جب انھوں نے نہروان میں خوارج کو قتل کیا اور ان میں وہ علامتیں دیکھیں جو رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق بیان فرمائی تھیں۔ آپ بار بار فرماتے: اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا ہے۔[1] ایک روایت میں ہے کہ اگر میرے لشکر کو معلوم ہوجائے کہ ان لوگوں کو قتل کرنے میں کتنا ثواب ہے تو آئندہ عمل کرنا ہی چھوڑ دیں کہ ہمیں اخروی نجات کے لیے ان کا قتل ہی کافی ہے۔[2] عبیدہ بن عمرو نے حضرت علی ؓ سے پوچھا: واقعی آپ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ باتیں سنی ہیں؟ تو انھوں نے رب کعبہ کی قسم اٹھا کر فرمایا: ہاں، میں نے انھیں رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ حضرت علی ؓ اس لیے قسم اٹھا کر یہ بات بیان کرتے تھے کہ ایک تو اس میں رسول اللہ ﷺ کے معجزے کا اظہار تھا، دوسرے یہ واقعہ ان کے برحق ہونے کی دلیل تھی، تیسرے لوگوں کو اعتماد میں لینا مقصود تھا، نیز آپ فرماتے تھے کہ ان لوگوں سے جنگ کرنا اور انھیں صفحۂ ہستی سے مٹانا ہر مسلمان کا حق ہے۔ ② ایک روایت میں مزید وضاحت ہے کہ حروریہ، یعنی خوارج پہلے تو حضرت علی ؓ کے ساتھ تھے لیکن انھوں نے جب کہا کہ فیصلہ کرنا تو اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے، پھر وہ آپ سے الگ ہوگئے تو حضرت علی ؓ نے کہا: یہ لوگ بات تو صحیح کہتے ہیں لیکن اسے غلط مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسے لوگوں کی علامتیں بیان کی ہیں، میں ان کی روشنی میں انھیں خوب پہچانتا ہوں۔ یہ لوگ زبان سے حق بات کہتے ہیں لیکن حق ان کے حلق سے نہیں اترتا، اس بنا پر یہ لوگ بدترین مخلوق ہیں۔[3] ③ امام بخاری ؒ کا مقصود یہ ہے کہ خوارج اور ملحدین پر حجت قائم کرنے کے بعد حضرت علی ؓ نے انھیں قتل کیا، اسی طرح آئندہ بھی اگر ایسے لوگ پیدا ہوں تو انھیں ابتدا ہی میں قتل نہیں کرنا چاہیے بلکہ ان پر پہلے حجت قائم کی جائے، حق واضح کیا جائے اور ان کے شبہات دور کیے جائیں۔ جب وہ حق قبول کرنے سے انکار کردیں تو ایسے لوگوں کو قتل کرنا درست ہے کیونکہ ان کا وجود دین حق کی نشر واشاعت کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ واللہ أعلم.

٦٩٣١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ: سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ: أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ وَعَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ: أَنَّهُمَا أَتَيَا أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ فَسَأَلَاهُ عَنِ الْحَرُورِيَّةِ: أَسَمِعْتَ النَّبِيَّ ﷺ؟ قَالَ: لَا أَدْرِي مَا الْحَرُورِيَّةُ، سَمِعْتُ النَّبِيَّ

[6931] حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور عطاء بن یسار سے روایت ہے، وہ دونوں حضرت ابوسعید خدری ؓ کے پاس آئے اور ان سے حروریہ (خوارج) کے متعلق سوال کیا کہ تم نے ان کے متعلق نبی ﷺ سے کچھ سنا ہے؟ انھوں نے فرمایا: حروریہ کے متعلق تو میں کچھ نہیں جانتا کہ وہ کون ہیں، البتہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اس

① فتح الباري: 358/12. ② سنن أبي داود، السنة، حديث: 4768. ③ صحيح مسلم، الزكاة، حديث: 2468 (1066)، وفتح الباري: 360/12.

ﷺ يَقُولُ: «يَخْرُجُ فِي هٰذِهِ الْأُمَّةِ - وَلَمْ يَقُلْ: مِنْهَا - قَوْمٌ تَحْقِرُونَ صَلَاتَكُمْ مَعَ صَلَاتِهِمْ، يَقْرَؤُنَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حُلُوقَهُمْ أَوْ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ مُرُوقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ فَيَنْظُرُ الرَّامِي إِلٰى سَهْمِهِ، إِلٰى نَصْلِهِ، إِلٰى رِصَافِهِ، فَيَتَمَارٰى فِي الْفُوقَةِ: هَلْ عَلِقَ بِهَا مِنَ الدَّمِ شَيْءٌ؟». [راجع: ٣٣٤٤]

امت میں ایک قوم ظاہر ہوگی...... یہ نہیں فرمایا کہ اس امت سے ظاہر ہوگی...... تم اپنی نماز کو ان کی نماز کے مقابلے میں بہت حقیر خیال کرو گے۔ وہ قرآن کی تلاوت بھی خوب کریں گے لیکن قرآن ان کے حلق یا گلے سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے پار نکل جاتا ہے۔ تیرانداز اپنے تیر کو دیکھتا ہے، اس کے پھل کو دیکھتا ہے، اس کے پروں کو دیکھتا ہے، اس کی جڑ کو دیکھتا ہے، اس کو شک ہوتا ہے کہ شاید اس پر کچھ خون لگا ہو؟ (مگر وہ بھی صاف ہوتا ہے۔)

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کے مطابق حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے حروریہ (خوارج) کے متعلق فرمایا: میں ان کے متعلق کچھ نہیں جانتا لیکن دوسری حدیث میں ہے کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں قتل کیا تھا اور میں ان کے ہمراہ تھا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا انکار اس امر پر مبنی تھا کہ انھوں نے حروریہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے کچھ نہیں سنا کہ آپ ﷺ نے ان کا نام لے کر کچھ کہا ہو، البتہ کچھ علامتیں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی تھیں جن کے ذریعے سے میں نے ان کی شناخت کی ہے کہ واقعی یہ وہی ہیں۔ ② حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ان خوارج کے متعلق فرمایا: وہ اس امت سے نہیں ہوں گے جبکہ دوسری روایات میں صراحت ہے کہ وہ اس امت سے ہوں گے؟ دراصل امت کی دو قسمیں ہیں: ایک امتِ دعوت اور دوسری امتِ اجابت، انکار کی بنیاد یہ ہے کہ وہ امت اجابت سے نہیں ہوں گے کہ جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت قبول کی اور اس پر ڈٹے رہے۔ اور اقرار کی بنیاد یہ ہے کہ وہ امت دعوت سے ہوں گے اور ان تک رسول اللہ ﷺ کی دعوت پہنچ چکی ہوگی لیکن انھوں نے اس سے انحراف کیا۔ ③ اس حدیث کے مطابق خوارج بڑے عبادت گزار تھے، بظاہر صوم وصلاۃ کے پابند تھے جیسا کہ ایک روایت میں راوی نے ان کا وصف بیان کیا ہے کہ دن کے وقت روزہ رکھتے، رات کو قیام کرتے اور صدقہ و خیرات بھی سنت کے مطابق وصول کرتے تھے، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جب ان سے مناظرہ کرنے کے لیے گئے تو فرماتے ہیں کہ نمازیں پڑھنے کی وجہ سے ان کی پیشانیوں پر نشانات بنے ہوئے تھے، الغرض ان کے اندر محض ظاہری طور پر دین داری کے اثرات تھے باطن میں وہ بالکل کورے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ لوگ بت پرستوں سے تو نہیں الجھیں گے لیکن اہل اسلام سے برسرِ پیکار ہوں گے، اگر میں ان کو پاؤں تو انھیں قوم عاد کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹاؤں۔''[1] ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں ایسے لوگوں کا قوم ثمود کی طرح صفایا کروں گا۔''[2] ④ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے خوارج کے قتل کرنے کو ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ اگر میں ایسے لوگوں کو

1 صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث: 3344. 2 صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4351.

پاؤں تو انھیں ضرور نیست و نابود کروں گا۔ واللہ أعلم.

٦٩٣٢ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ: حَدَّثَنَا عُمَرُ: أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عُمَرَ، وَذَكَرَ الْحَرُورِيَّةَ فَقَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَمْرُقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ مُرُوقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ».

[6932] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے ایک مرتبہ حروریہ کا ذکر کیا اور کہا: نبی ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا تھا: ''وہ اسلام سے اس طرح باہر ہو جائیں گے جس طرح تیر کمان سے باہر ہو جاتا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① واضح رہے کہ حروریہ، حروراء نامی بستی کی طرف منسوب ہیں، جہاں سے خوارج کا رئیس نجدہ عامری نکلا تھا۔ ان لوگوں کا قصور یہ تھا کہ انھوں نے قرآن کریم میں حق کے بغیر تاویلات کا دروازہ کھولا، اس بنا پر فکری انحطاط میں مبتلا ہوئے اور ظاہری دینداری کے باوجود انھیں کچھ حاصل نہ ہوا۔ انھیں دنیا میں ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا اور آخرت میں بھی نہ صرف ثواب سے محروم ہوں گے بلکہ انھیں طرح طرح کے عذاب سے دوچار کیا جائے گا۔ ② امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کا حوالہ اس لیے دیا ہے کہ پہلی حدیث میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے حروریہ کے متعلق توقف فرمایا تھا، اس حدیث سے وضاحت کر دی کہ مذکورہ توقف اس بنا پر تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ نام لے کر ان کے اوصاف بیان نہیں کیے تھے، البتہ ان اوصاف کے مصداق یہ خوارج ہیں جنھیں حروریہ کہا جاتا ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کی وضاحت کی ہے۔[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام نووی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ان خوارج کو کافر سمجھتے تھے اور انھیں اس امت اجابت سے خارج خیال کرتے تھے۔[2] واللہ أعلم.

(٧) بَابُ مَنْ تَرَكَ قِتَالَ الْخَوَارِجِ لِلتَّأَلُّفِ، وَلِئَلَّا يَنْفِرَ النَّاسُ عَنْهُ

باب: 7- جس نے خوارج کے ساتھ تالیف قلبی کی وجہ سے قتال نہ کیا تاکہ لوگوں میں نفرت کے جذبات پیدا نہ ہوں

وضاحت: خارجی کے مرادی معنی ہیں: باغی۔ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔ یہ ایک مشہور فرقہ ہے جس کی ابتدا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری زمانۂ خلافت سے ہوئی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مسند بزار کے حوالے سے ایک حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ گروہ میری امت کے برے لوگوں پر مشتمل ہوگا جنھیں میری امت کے اچھے لوگ قتل کریں گے۔''[3] رسول اللہ ﷺ نے محض تالیف قلبی کے لیے ان کے سرغنے کو قتل نہ کیا تاکہ لوگوں میں نفرت پیدا نہ ہو لیکن جب اسلام کو غلبہ ملا تو اب تالیف کی ضرورت نہیں، ہاں اگر امام وقت ضرورت محسوس کرے تو کسی مصلحت کی وجہ سے ان سے

---
① فتح الباري: 362/12. ② فتح الباري: 361/12. ③ فتح الباري: 357/12.

قتال ترک کرسکتا ہے۔ بہرحال اس قماش کے لوگوں سے ہر قسم کا قتال ضروری ہے، خواہ وہ فکری ہو یا عملی۔ واللہ أعلم.

٦٩٣٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: بَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يَقْسِمُ جَاءَ عَبْدُ اللهِ بْنُ ذِي الْخُوَيْصِرَةِ التَّمِيمِيُّ، فَقَالَ: اعْدِلْ يَا رَسُولَ اللهِ، فَقَالَ: «وَيْحَكَ! وَمَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ أَعْدِلْ؟» قَالَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ: يَا رَسُولَ اللهِ! ائْذَنْ لِي فَأَضْرِبَ عُنُقَهُ، قَالَ: «دَعْهُ فَإِنَّ لَهُ أَصْحَابًا يَحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلَاتَهُ مَعَ صَلَاتِهِ، وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، يُنْظَرُ فِي قُذَذِهِ فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ ثُمَّ يُنْظَرُ إِلَى نَصْلِهِ فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ، ثُمَّ يُنْظَرُ إِلَى رِصَافِهِ فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ، ثُمَّ يُنْظَرُ فِي نَضِيِّهِ فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ، قَدْ سَبَقَ الْفَرْثَ وَالدَّمَ، آيَتُهُمْ رَجُلٌ إِحْدَى يَدَيْهِ - أَوْ قَالَ: ثَدْيَيْهِ - مِثْلُ ثَدْيِ الْمَرْأَةِ - أَوْ قَالَ: مِثْلُ الْبَضْعَةِ - تَدَرْدَرُ، يَخْرُجُونَ عَلَى خَيْرِ فُرْقَةٍ مِنَ النَّاسِ».

[6933] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی ﷺ ایک دفعہ مال تقسیم کر رہے تھے کہ عبداللہ بن ذی خویصرہ تمیمی آیا اور کہنے لگا: اللہ کے رسول! آپ انصاف کریں۔ آپ نے فرمایا: ''تیری ہلاکت ہو! اگر میں نے انصاف نہ کیا تو اور کون کرے گا؟'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن اڑا دوں۔ آپ نے فرمایا: ''نہیں، اسے چھوڑ دو۔ اس کے کچھ ایسے ساتھی ہوں گے کہ تم ان کی نماز، روزے کے مقابلے میں اپنی نماز اور روزے کو حقیر خیال کرو گے لیکن وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کو زخمی کر کے نکل جاتا ہے۔ تیر کے پر کو دیکھا جائے تو اس پر کوئی نشان نہیں ہوتا۔ اس کے پھل کو دیکھا جائے تو وہاں بھی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ اس کے پیکان کو دیکھا جائے تو وہاں خون کا دھبا نہیں ہوتا۔ اس کی لکڑی کو دیکھا جائے تو وہاں بھی کوئی نشان نہیں ہوتا، حالانکہ وہ شکار کی غلاظت اور خون سے گزر کر گیا ہے۔ ان کی نشانی ایک آدمی ہوگا جس کا ایک ہاتھ یا چھاتی عورت کی چھاتی کی طرح یا گوشت کے ٹکڑے کی طرح حرکت کرتا ہوگا۔ یہ لوگ مسلمانوں میں پھوٹ کے وقت پیدا ہوں گے۔''

قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: أَشْهَدُ سَمِعْتُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ، وَأَشْهَدُ أَنَّ عَلِيًّا قَتَلَهُمْ وَأَنَا مَعَهُ، جِيءَ بِالرَّجُلِ عَلَى النَّعْتِ الَّذِي نَعَتَهُ النَّبِيُّ ﷺ، قَالَ: فَنَزَلَتْ فِيهِ: ﴿وَمِنْهُم مَّن يَلْمِزُكَ فِي ٱلصَّدَقَٰتِ﴾ [التوبة: ٥٨]. [راجع: ٣٣٤٤]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (علاقۂ نہروان میں) ان سے جنگ کی تھی اور میں اس جنگ میں آپ کے ہمراہ تھا جبکہ ان لوگوں کے ایک آدمی کو لایا گیا تو اس میں وہ تمام چیزیں تھیں جو نبی ﷺ

نے بیان فرمائی تھیں۔ (راوی نے بیان کیا کہ جب نبی ﷺ پر اس نے اعتراض کیا تو) اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: ''ان میں سے وہ شخص بھی ہے جو آپ پر تقسیم صدقات کے متعلق حرف گیری کرتا ہے۔''

فوائد ومسائل: ① اس روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تقسیم پر اعتراض کرنے والے کے متعلق حضرت عمر ؓ نے عرض کی: اللہ کے رسول! مجھے اس کو قتل کرنے کی اجازت دیں جبکہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت خالد بن ولید ؓ نے اسے قتل کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''شاید وہ نماز پڑھتا ہو۔'' حضرت خالد نے عرض کی: بہت سے نمازیوں کی زبان اور دل میں یکسانیت نہیں ہوتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے لوگوں کے دل اور پیٹ پھاڑنے کی اجازت نہیں کہ میں ان میں جھانک کر دیکھوں۔''[1] شاید رسول اللہ ﷺ سے دونوں نے اسے قتل کرنے کی اجازت طلب کی ہو، چنانچہ صحیح مسلم میں صراحت ہے کہ پہلے حضرت عمر ؓ نے اجازت طلب کی، جب وہ واپس گئے تو پھر حضرت خالد بن ولید ؓ نے اسے قتل کرنے کی اجازت مانگی۔ آپ ﷺ نے ان میں سے کسی کو اجازت نہ دی۔[2] ② چونکہ اس وقت اس فتنے نے تحریک کی شکل اختیار نہیں کی تھی، پھر مصلحت کا تقاضا تھا کہ ایسے لوگوں کو قتل نہ کیا جائے، ایسا نہ ہو کہ لوگ کہیں کہ انھوں نے اپنے ہی لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیا ہے، البتہ نبی ﷺ نے پیش گوئی کے طور پر فرمایا: اس کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اس فتنے کو ایک تحریک کی شکل میں زندہ کریں گے اور لوگوں میں پھوٹ ڈالیں گے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: اگر مجھے اس وقت ان سے پالا پڑا تو ان کو قوم عاد اور قوم ثمود کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹا دوں گا۔ بہر حال امام وقت کا فرض ہے کہ حالات کے مطابق ایسے لوگوں کے متعلق مناسب کارروائی کرے جو اسلام اور اہل اسلام کے لیے خطرے کی علامت ہیں۔

٦٩٣٤ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ: حَدَّثَنَا يُسَيْرُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ: قُلْتُ لِسَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ: هَلْ سَمِعْتَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ فِي الْخَوَارِجِ شَيْئًا؟ قَالَ: سَمِعْتُهُ يَقُولُ، وَأَهْوَى بِيَدِهِ قِبَلَ الْعِرَاقِ: «يَخْرُجُ مِنْهُ قَوْمٌ يَقْرَؤُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ مُرُوقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ». [راجع: ٣٣٤٤]

[6934] حضرت یسیر بن عمرو سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے حضرت سہل بن حنیف ؓ سے پوچھا: کیا آپ نے نبی ﷺ کو خوارج کے متعلق کچھ فرماتے ہوئے سنا ہے؟ انھوں نے کہا: میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا، آپ نے اپنے ہاتھ مبارک سے عراق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''وہاں سے ایک قوم نکلے گی۔ یہ لوگ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ اسلام سے اس طرح باہر ہو جائیں گے جس طرح تیر شکار کو زخمی کر کے نکل جاتا ہے۔''

---

① صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4351. 2 صحيح مسلم، الزكاة، حديث: 2453 (1064)، و فتح الباري: 366/12.

فوائد ومسائل: ① اس سے پہلے احادیث میں حروریہ کا ذکر تھا، اس حدیث میں صراحت ہے کہ اس سے مراد خوارج کا گروہ تھا۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام ؓ میں اختلاف کے وقت ان کا ظہور ہوا، چنانچہ اس گروہ کو حضرت علی ؓ اور ان کے ساتھیوں نے ختم کیا۔ ان میں اس شخص کی برآمدگی بھی ہوئی جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے نشاندہی فرمائی تھی۔ ③ خوارج کے متعلق تقریباً پچیس صحابۂ کرام ؓ سے احادیث مروی ہیں، جن میں اس فتنے کا ذکر ہے۔ صحابۂ کرام ؓ نے اس فتنے کی سرکوبی کی۔ انھیں حضرت علی ؓ سے بہت عداوت تھی۔ جس طرح روافض ان سے عقیدت میں گمراہ ہوئے اسی طرح خوارج ان کی عداوت اور دشمنی کی وجہ سے راہ راست سے بھٹک گئے۔ خَذَلَهُمُ اللّٰهُ أَجْمَعِينَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ. آمین یارب العالمین۔

(٨) بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: «لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَقْتَتِلَ فِئَتَانِ دَعْوَاهُمَا وَاحِدَةٌ»

باب: 8- نبی ﷺ کے ارشاد گرامی: ''قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ دو جماعتیں برسر پیکار ہوں گی جن کا ایک ہی دعویٰ ہوگا'' کا بیان

وضاحت: خوارج کا ظہور اس وقت ہوا جب حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ ؓ کے درمیان صلح آخری مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ فیصلہ کرنے والوں کی تعیناتی ہو چکی تھی۔ اس وقت خوارج نے فیصلۂ تحکیم کو بنیاد بنا کر فتنۂ تکفیر کو ہوا دی۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں بدترین مخلوق کہا تھا۔ چونکہ حضرت علی ؓ اور ان کی جماعت نے ان کا قلع قمع کیا تھا، اس لیے بعض لوگوں نے حضرت امیر معاویہ ؓ کی توہین وتنقیص کرنا شروع کر دی۔ امام بخاری ؒ اس امر کی وضاحت کے لیے مذکورہ عنوان قائم کیا ہے۔

٦٩٣٥ - حَدَّثَنَا عَلِيٌّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَقْتَتِلَ فِئَتَانِ دَعْوَاهُمَا وَاحِدَةٌ».

[راجع: ٨٥]

[6935] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک دو ایسے گروہ آپس میں جنگ نہ کریں جن کا دعویٰ ایک ہوگا۔''

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ دو بڑی جماعتوں کے درمیان جنگ عظیم ہوگی۔[1] ان دونوں بڑی جماعتوں سے مراد حضرت علی اور حضرت معاویہ ؓ کی جماعت ہے اور جنگ عظیم سے مراد جنگ صفین ہے۔ ان دونوں کا دعویٰ ایک، یعنی اسلام تھا۔ ان میں ہر گروہ یقین رکھتا تھا کہ وہ حق پر ہے۔ ② طبری کی روایت میں ہے کہ جب باغی گروہ، یعنی خوارج کا ظہور ہو

1 صحیح البخاري، الفتن، حدیث: 7121.

گا تو ان دونوں جماعتوں میں سے جو حق کے زیادہ قریب ہوگی باغی لوگوں کو قتل کرے گی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی مناسبت سے مذکورہ عنوان اور پیش کردہ حدیث ذکر کی ہے۔[1] اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص کا کوئی پہلو ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ان کا دعویٰ اجتہاد پر مبنی تھا۔ مجتہد اگر خطا کار بھی ہو تو اسے ایک اجر ضرور ملتا ہے۔ ③ بہر حال خوارج کے بارے میں نرم گوشہ نہیں رکھنا چاہیے۔ انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر کہا، حالانکہ اس مقدس گروہ کو کافر کہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے جنتی ہونے کی گواہی دی ہے۔ واللہ أعلم.

(٩) بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُتَأَوِّلِينَ	باب: 9- تاویل کرنے والوں کے متعلق احادیث میں کیا آیا ہے؟

وضاحت: خوارج نے حاکم وقت سے بغاوت کرنے اور انھیں کافر قرار دینے میں ایک آیت کریمہ کا سہارا لیا تھا جسے انھوں نے غلط مقاصد کے لیے استعمال کیا۔ دوسرے الفاظ میں انھوں نے اس کی تاویل کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں پر چسپاں کیا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی تاویل ہے جس سے تاویل کرنے والے کو تحفظ ملتا ہے اور ایسی تاویل کے اصول و ضوابط کیا ہیں؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ عنوان اسی مقصد کے لیے قائم کیا ہے۔ پیش کردہ احادیث سے وہ اصول وضوابط معلوم کیے جا سکتے ہیں جو تاویل کی صحت کے لیے ضروری ہیں۔ بہر حال اگر کوئی کفریہ کام یا کفریہ بات کا مرتکب ہو اور اپنے پاس اس کے لیے کوئی معقول تاویل رکھتا ہو تو اسے معذور تصور کیا جائے گا۔ معقول تاویل کے لیے تین شرطوں کا ہونا ضروری ہے: ○ عربی قاعدے کے مطابق الفاظ میں اس تاویل کی گنجائش موجود ہو۔ ○ علمی طور پر اس عمل یا بات کی توجیہ ممکن ہو۔ ○ تاویل کرنے والے کی نیت صحیح ہو، اس میں کوئی فتور نہ ہو۔ اگر کسی کو تاویل سے اتفاق نہ ہو یا معقول وجہ کو ماننے کے لیے آمادہ نہ ہو تو اسے غلط ٹھہرانے کے بجائے اس کی تاویل یا معقول وجہ کا بودا پن واضح کرنا چاہیے۔ واضح رہے کہ ہر قسم کی تاویل سے متاول (تاویل کرنے والے) کو معذور تصور نہیں کیا جا سکتا بلکہ وہ تاویل کارگر ہوگی جس کی بنیاد کسی شرعی دلیل میں غور وفکر پر ہو لیکن اس شرعی دلیل کو سمجھنے میں اسے غلطی لگ جائے، مثلاً: حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ نے شراب نوشی کی۔ جب انھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں پیش کیا گیا تو انھوں نے درج ذیل آیت بطور دلیل پیش کر دی: ''جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے انھیں اس بات پر کچھ گناہ نہیں ہوگا جو پہلے شراب پی چکے ہیں، جبکہ آئندہ اس سے پرہیز کریں، ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔''[2] اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو نے تاویل میں غلطی کا ارتکاب کیا ہے اگر تو اللہ سے ڈرتا تو ضرور شراب نوشی سے پرہیز کرتا۔[3]
اگر تاویل کی بنیاد کوئی شرعی دلیل نہیں بلکہ عقل وقیاس اور خواہشات نفس ہیں تو اس قسم کی تاویل کرنے والا معذور نہیں ہوگا جیسا کہ قرآن کریم کی وضاحت کے مطابق جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس لعین سے سوال کیا کہ تو نے آدم کو سجدہ کیوں نہیں کیا؟ تو اس نے جواب دیا: میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔ ابلیس نے اپنی ہٹ دھرمی کو جواز

---

① فتح الباري: 378/12. ② المآئدة 5:93. ③ الإصابة: 229/3.

مہیا کرنے کے لیے غلط تاویل کا سہارا لیا، اس لیے راندۂ درگاہ ہوا۔ اسی طرح باطنی حضرات نے شرعی واجبات سے راہ فرار اختیار کرنے کے لیے غلط تاویلات کا سہارا لیا۔ ہم اس سلسلے میں دور حاضر کے روشن خیال لوگوں کی دو تاویلیں بطور مثال پیش کرتے ہیں: ○ معجزات کے منکرین نے حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق آیات کا یوں ترجمہ کیا ہے: ''اگر وہ بہترین تیراک (تیرنے والے) نہ ہوتے تو وہ سمندر کے پیٹ میں قیامت تک رہتے۔'' حالانکہ صحیح ترجمہ یہ ہے: ''اگر وہ ہماری تسبیح کرنے والے نہ ہوتے تو مچھلی کے پیٹ میں قیامت تک رہتے۔''[1] عربی قواعد کے اعتبار سے اگرچہ الفاظ میں اس کی گنجائش ہے لیکن ان حضرات کی نیت میں فتور ہے کیونکہ وہ اس آڑ میں معجزات کا انکار کرنا چاہتے ہیں۔ ○ قادیانی حضرات کو بھی کسی شرعی دلیل کو سمجھنے میں غلطی نہیں لگی بلکہ انھوں نے اپنی غلط تاویلات کے سہارے قصر نبوت میں نقب زنی کی ہے۔ انھوں نے قرآنی الفاظ ﴿خاتم النبين﴾ کے یہ معنی کیے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ آئندہ انبیاء کے لیے مہر کا کام دیتے ہیں، یعنی اپنی مہر لگا کر انھیں پروانۂ نبوت عطا کرتے ہیں۔ اس قسم کی تاویلات خواہشات نفس کا پلندہ ہیں، تاہم علمائے امت نے ان تأویلات کا بوداپن ان پر ظاہر کر دیا۔ اس کی مزید وضاحت ہم آئندہ پیش کریں گے۔ ان شاءاللہ۔

٦٩٣٦ - قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: أَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَبْدِ الْقَارِيِّ أَخْبَرَاهُ: أَنَّهُمَا سَمِعَا عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ: سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيمٍ يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ فِي حَيَاةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَاسْتَمَعْتُ لِقِرَاءَتِهِ فَإِذَا هُوَ يَقْرَؤُهَا عَلَى حُرُوفٍ كَثِيرَةٍ لَمْ يُقْرِئْنِيهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ كَذٰلِكَ، فَكِدْتُ أُسَاوِرُهُ فِي الصَّلَاةِ فَانْتَظَرْتُهُ حَتّٰى سَلَّمَ ثُمَّ لَبَّبْتُهُ بِرِدَائِهِ أَوْ بِرِدَائِي، فَقُلْتُ: مَنْ أَقْرَأَكَ هٰذِهِ السُّورَةَ؟ قَالَ: أَقْرَأَنِيهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ، قُلْتُ لَهُ، كَذَبْتَ، فَوَاللهِ إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَقْرَأَنِي هٰذِهِ السُّورَةَ الَّتِي سَمِعْتُكَ تَقْرَؤُهَا، فَانْطَلَقْتُ أَقُودُهُ إِلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقُلْتُ لَهُ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي سَمِعْتُ هٰذَا يَقْرَأُ بِسُورَةِ الْفُرْقَانِ عَلٰى حُرُوفٍ لَمْ

[6936] حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ کو سورۂ فرقان پڑھتے ہوئے سنا۔ میں نے ان کی قراءت کی طرف کان لگایا تو وہ بہت سی ایسی قراءتوں کے ساتھ پڑھ رہے تھے جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے نہیں پڑھائی تھیں۔ قریب تھا کہ میں نماز ہی میں ان پر حملہ کر دیتا لیکن میں نے انتظار کیا۔ جب انھوں نے سلام پھیرا تو میں نے ان کی یا اپنی چادر ان کے گلے میں ڈالی اور کہا: یہ سورت تمھیں کس نے پڑھائی ہے؟ انھوں نے کہا: مجھے یہ سورت رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی ہے۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! تم غلط بیانی کرتے ہو۔ یہ سورت مجھے بھی رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی ہے جو میں نے ابھی تم سے پڑھتے سنی ہے، چنانچہ میں انھیں کھینچتا ہوا رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آیا اور کہا: اللہ کے رسول! میں نے انھیں سورۂ فرقان ایک اور انداز سے پڑھتے ہوئے سنا ہے، حالانکہ آپ نے مجھے اس انداز سے وہ سورت نہیں پڑھائی جبکہ آپ ہی نے مجھے

1 الصّٰفّٰت 37:143، 144۔

تُقْرِئُنِيهَا، وَأَنْتَ أَقْرَأْتَنِي سُورَةَ الْفُرْقَانِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَرْسِلْهُ يَا عُمَرُ! اِقْرَأْ يَا هِشَامُ»، فَقَرَأَ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةَ الَّتِي سَمِعْتُهُ يَقْرَؤُهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «هٰكَذَا أُنْزِلَتْ»، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اقْرَأْ يَا عُمَرُ»، فَقَرَأْتُ، فَقَالَ: «هٰكَذَا أُنْزِلَتْ»، ثُمَّ قَالَ: «إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، فَاقْرَؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ». [راجع: ٢٤١٩]

وہ سورت پڑھائی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عمر! اسے چھوڑ دو۔ اے ہشام! تم اس سورت کو پڑھو۔'' انھوں نے اسی انداز سے پڑھا جس طرح میں نے انھیں پڑھتے ہوئے سنا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی تھی۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عمر! اب تم پڑھو۔'' میں نے اسے پڑھا تو آپ نے فرمایا: ''یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی تھی۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''بے شک یہ قرآن سات حروف میں نازل ہوا ہے، جو قراءت تمھیں آسان ہو، اس میں پڑھ لیا کرو۔''

فائدہ: اگر کوئی شخص غلط کام کرتا ہے لیکن اس کے پاس کوئی معقول وجہ یا تاویل ہے تو اس کی غلطی واضح کی جائے، اس کے علاوہ اس کی مذمت وغیرہ نہ کی جائے۔ اور اگر کوئی شخص کسی معقول وجہ یا تاویل کے بغیر غلط کام کرتا ہے تو وہ قابل مذمت ہے، اس لیے اس کی مذمت بھی کی جائے اور اس کی غلطی کی وضاحت بھی کی جائے جیسا کہ حدیث بالا میں حضرت عمر ؓ نے ہشام ؓ کے گلے میں چادر کا پھندا ڈالا، اسے جھوٹا کہا اور اسے اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر ؓ کو کچھ نہ کہا، صرف اتنا کہا کہ قرآن کی قراءتوں میں وسعت ہے جو آسان لگے اسے پڑھ لیا جائے کیونکہ حضرت عمر ؓ کے پاس ایک معقول وجہ تھی کہ انھوں نے اپنے خیال کے مطابق حضرت ہشام ؓ کو قرآن غلط پڑھتے ہوئے سنا، اس پر انھوں نے انکار کیا اور انھیں جھوٹ کی طرف منسوب بھی کیا۔ ایسے حالات میں ہمارا بھی یہی فرض ہے کہ اگر ہم کسی کو غلط کام کرتا دیکھیں تو اسے ڈانٹنے کے بجائے پہلے ہم اس غلطی کی وضاحت کریں جس پر وہ گامزن ہے۔ واللّٰہ أعلم.

٦٩٣٧ - وَحَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ؛ ح: وَحَدَّثَنَا يَحْيٰى: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ: ﴿ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَلَمْ يَلْبِسُوٓا۟ إِيمَٰنَهُم بِظُلْمٍ﴾ [الأنعام: ٨٢] شَقَّ ذٰلِكَ عَلٰى أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ وَقَالُوا: أَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَيْسَ كَمَا تَظُنُّونَ، إِنَّمَا هُوَ كَمَا قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ: ﴿يَٰبُنَىَّ لَا تُشْرِكْ بِٱللَّهِ إِنَّ ٱلشِّرْكَ لَظُلْمٌ

[6937] حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ''جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہ کیا......'' تو نبی ﷺ کے صحابہ کو بہت پریشانی ہوئی۔ انھوں نے کہا: ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے آپ پر ظلم نہ کیا ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس کا وہ مطلب نہیں جو تم سمجھ رہے ہو، بلکہ یہ تو ایسے ہے جیسے حضرت لقمان نے اپنے لخت جگر سے کہا تھا: ''اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا بے شک شرک یقیناً بہت بڑا ظلم ہے۔''

عَظِيمٌ ﴾». [راجع: ٣٢]

فائدہ: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آیت کریمہ میں ذکر کردہ ظلم کو عموم پر محمول کیا، اس لیے وہ پریشان ہوئے کہ ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جس سے اس طرح کی کمی بیشی نہ ہوتی ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں فرمایا کیونکہ ان کی یہ تاویل ظاہر اور لغت عرب کے اعتبار سے واضح تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت فرمائی کہ آیت کریمہ میں ظلم سے مراد عام ظلم نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کے متعلق کمی بیشی کرنا ہے، پھر اس مفہوم کی تائید کے لیے قرآن مجید کی آیت کریمہ تلاوت فرمائی جس میں لفظ ظلم اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔[1]

٦٩٣٨ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ: أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ قَالَ: سَمِعْتُ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: غَدَا عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ رَجُلٌ: أَيْنَ مَالِكُ بْنُ الدُّخْشُنِ؟ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَّا ذٰلِكَ مُنَافِقٌ، لَا يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَلَا تَقُولُونَهُ يَقُولُ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، يَبْتَغِي بِذٰلِكَ وَجْهَ اللهِ؟» قَالَ: بَلٰى، قَالَ: «فَإِنَّهُ لَا يُوَافِي عَبْدٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِهِ إِلَّا حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ النَّارَ». [راجع: ٤٢٤]

[6938] حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے پاس صبح صبح تشریف لائے تو ایک آدمی نے کہا: مالک بن دخشن کہاں ہے؟ ہم میں سے ایک آدمی نے کہا: وہ منافق ہے۔ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت نہیں کرتا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اسے تم یوں کیوں نہیں کہتے کہ وہ لا الہ الا اللہ پڑھتا ہے اور اس کا مقصد صرف اللہ کی رضا جوئی ہے؟'' اس نے کہا: کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک جو بندہ بھی قیامت کے دن اس کلمے کو لے کر آئے گا اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کی آگ حرام کر دے گا۔''

فائدہ: حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس آنے والے مہمانوں نے حضرت مالک بن دخشن رضی اللہ عنہ کو منافق کہا اور اس کے متعلق تبصرہ کیا کہ اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت نہیں ہے۔ یہ بہت بڑی بات تھی لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کا مؤاخذہ نہیں فرمایا بلکہ انھیں معذور خیال فرمایا کیونکہ ان کے پاس معقول وجہ تھی کہ ان کا اٹھنا بیٹھنا منافقین کے ساتھ تھا، نیز وہ اس مبارک مجلس میں حاضر بھی نہیں ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی اصلاح فرمائی کہ اسلام کے احکام تو ظاہری حالات پر لاگو ہوتے ہیں، باطن کا حال اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، پھر آپ ﷺ نے ان کے باطن کی بھی خبر دی کہ وہ کلمہ پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہے۔[2]

٦٩٣٩ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ فُلَانٍ قَالَ: تَنَازَعَ

[6939] سعد بن عبیدہ سلمی سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابو عبدالرحمٰن اور حبان بن عطیہ کا آپس میں اختلاف

---

1 فتح الباري: 380/12. 2 فتح الباري: 381/12.

أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَحِبَّانُ بْنُ عَطِيَّةَ، فَقَالَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ لِحِبَّانَ: لَقَدْ عَلِمْتُ مَا الَّذِي جَرَّأَ صَاحِبَكَ عَلَى الدِّمَاءِ، يَعْنِي عَلِيًّا، قَالَ: مَا هُوَ لَا أَبَالَكَ؟ قَالَ: شَيْءٌ سَمِعْتُهُ يَقُولُهُ، قَالَ: مَا هُوَ؟ قَالَ: بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ وَالزُّبَيْرَ وَأَبَا مَرْثَدٍ وَكُلُّنَا فَارِسٌ، قَالَ: «انْطَلِقُوا حَتّٰى تَأْتُوا رَوْضَةَ حَاجٍ - قَالَ أَبُو سَلَمَةَ: هٰكَذَا قَالَ أَبُو عَوَانَةَ: حَاجٍ - فَإِنَّ فِيهَا امْرَأَةً مَعَهَا صَحِيفَةٌ مِنْ حَاطِبِ بْنِ أَبِي بَلْتَعَةَ إِلَى الْمُشْرِكِينَ، فَأْتُونِي بِهَا»، فَانْطَلَقْنَا عَلٰى أَفْرَاسِنَا حَتّٰى أَدْرَكْنَاهَا حَيْثُ قَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ تَسِيرُ عَلٰى بَعِيرٍ لَهَا، وَكَانَ كَتَبَ إِلٰى أَهْلِ مَكَّةَ بِمَسِيرِ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِلَيْهِمْ، فَقُلْنَا: أَيْنَ الْكِتَابُ الَّذِي مَعَكِ؟ قَالَتْ: مَا مَعِيَ كِتَابٌ، فَأَنَخْنَا بِهَا بَعِيرَهَا فَابْتَغَيْنَا فِي رَحْلِهَا فَمَا وَجَدْنَا شَيْئًا، فَقَالَ صَاحِبِي: مَا نَرٰى مَعَهَا كِتَابًا، قَالَ: فَقُلْتُ: لَقَدْ عَلِمْنَا مَا كَذَبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، ثُمَّ حَلَفَ عَلِيٌّ: وَالَّذِي يُحْلَفُ بِهِ لَتُخْرِجِنَّ الْكِتَابَ أَوْ لَأُجَرِّدَنَّكِ، فَأَهْوَتْ إِلٰى حُجْزَتِهَا وَهِيَ مُحْتَجِزَةٌ بِكِسَاءٍ فَأَخْرَجَتِ الصَّحِيفَةَ، فَأَتَوْا بِهَا رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللهِ! قَدْ خَانَ اللهَ وَرَسُولَهُ وَالْمُؤْمِنِينَ، دَعْنِي فَأَضْرِبَ عُنُقَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَا حَاطِبُ! مَا حَمَلَكَ عَلٰى مَا صَنَعْتَ؟»، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَا لِي أَنْ لَا أَكُونَ مُؤْمِنًا بِاللهِ وَرَسُولِهِ، وَلٰكِنِّي أَرَدْتُ أَنْ

ہوا۔ اس دوران میں ابوعبدالرحمٰن نے حبان سے کہا: مجھے معلوم ہے کہ آپ کے ساتھی کو کس چیز نے خون ریزی پر دلیر کیا ہے۔ اس سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ حبان نے کہا: تیرا باپ نہ ہو! وہ کیا ہے؟ ابوعبدالرحمٰن نے کہا: میں نے انھیں یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے، حضرت زبیر اور حضرت ابومرثد رضی اللہ عنہما کو ایک مہم کے لیے بھیجا جبکہ ہم گھوڑوں پر سوار تھے۔ آپ نے فرمایا: ''جاؤ اور روضۂ حاج پہنچو ...... ابوسلمہ نے کہا: ابوعوانہ نے اسی طرح (روضۂ خاخ کے بجائے روضہ) حاج کہا ہے...... وہاں ایک عورت ہے، اس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کا ایک خط ہے جو اس نے مشرکین مکہ کے نام لکھا ہے۔ تم وہ (خط) میرے پاس لاؤ۔'' ہم اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر دوڑ پڑے، چنانچہ ہم نے اسے اسی جگہ پایا جہاں رسول اللہ ﷺ نے بتایا تھا۔ وہ عورت اپنے اونٹ پر سوار ہو کر جا رہی تھی۔ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے اہل مکہ کو رسول اللہ ﷺ کی آمد کی اطلاع دی تھی۔ ہم نے اس عورت سے کہا: تمھارے پاس وہ خط کہاں ہے؟ اس نے کہا: میرے پاس تو کوئی خط وغیرہ نہیں۔ ہم نے اس کا اونٹ بٹھا دیا اور اس کے کجاوے کی تلاشی لی لیکن ہمیں اس میں کوئی خط نہ ملا۔ میرے ساتھی نے کہا: اس کے پاس تو کوئی خط معلوم نہیں ہوتا۔ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:) میں نے کہا: ہمیں یقین ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غلط بات نہیں کہی، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھائی کہ اس ذات کی قسم جس کے نام کی قسم اٹھائی جاتی ہے! خط نکال دے بصورت دیگر میں تجھے ضرور بالضرور ننگا کر دوں گا۔ پھر وہ عورت اپنی چادر کے بند کی طرف جھکی۔ اس نے ایک چادر اپنی کمر پر باندھ رکھی تھی۔ اس نے وہاں سے خط نکالا، چنانچہ وہ لوگ خط لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت

يَكُونَ لِي عِنْدَ الْقَوْمِ يَدٌ يُدْفَعُ بِهَا عَنْ أَهْلِي وَمَالِي، وَلَيْسَ مِنْ أَصْحَابِكَ أَحَدٌ إِلَّا لَهُ هُنَالِكَ مِنْ قَوْمِهِ مَنْ يَدْفَعُ اللهُ بِهِ عَنْ أَهْلِهِ وَمَالِهِ، قَالَ: «صَدَقَ، وَلَا تَقُولُوا لَهُ إِلَّا خَيْرًا». قَالَ: فَعَادَ عُمَرُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! قَدْ خَانَ اللهَ وَرَسُولَهُ وَالْمُؤْمِنِينَ، دَعْنِي فَلأَضْرِبَ عُنُقَهُ، قَالَ: «أَوَ لَيْسَ مِنْ أَهْلِ بَدْرٍ؟ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللهَ اطَّلَعَ عَلَيْهِمْ فَقَالَ: اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ أَوْجَبْتُ لَكُمُ الْجَنَّةَ؟»، فَاغْرَوْرَقَتْ عَيْنَاهُ، فَقَالَ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ.

[راجع: ٣٠٠٧]

میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمر ڈٹاٹنڈ نے یہ حالات دیکھ کر عرض کی: اللہ کے رسول! یقیناً اس نے اللہ سے، اس کے رسول اور تمام مسلمانوں سے خیانت کی ہے۔ آپ مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن اڑاؤں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے حاطب! جو کچھ تو نے کیا ہے، اس پر تجھے کس چیز نے آمادہ کیا تھا؟'' حاطب ڈٹاٹنڈ نے کہا: اللہ کے رسول! کیا مجھ سے یہ ممکن ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ایمان نہ رکھوں۔ اس (خط لکھنے) سے میرا مقصد صرف یہ تھا کہ میرا اہل مکہ پر ایک احسان ہو جائے جس کی وجہ سے میں اپنی جائیداد اور اپنے بال بچوں کو محفوظ کر لوں۔ دراصل بات یہ ہے کہ آپ کے اصحاب میں سے کوئی ایسا نہیں جس کے مکہ مکرمہ میں ان کی قوم سے ایسے لوگ نہ ہوں جن کی وجہ سے اللہ ان کے بچوں اور جائیداد پر کوئی آفت نہیں آنے دیتا، البتہ میرا ایسا عزیز وہاں کوئی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''حاطب نے سچ کہا ہے۔ اسے بھلائی کے علاوہ کچھ نہ کہو۔'' حضرت عمر ڈٹاٹنڈ نے دوبارہ عرض کی: اللہ کے رسول! اس نے اللہ سے، اس کے رسول ﷺ اور اہل ایمان سے خیانت کا ارتکاب کیا ہے۔ مجھے اجازت دیں تاکہ میں اس کی گردن ماروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا یہ اہل بدر سے نہیں؟ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے واقف تھا، اس نے ان کے متعلق فرمایا ہے: تم جو چاہو کرو، میں نے تمھارے لیے جنت لکھ دی ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر ڈٹاٹنڈ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی حقیقت حال سے زیادہ واقف ہیں۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: خَاخٍ أَصَحُّ وَلٰكِنْ كَذَا قَالَ أَبُو عَوَانَةَ: حَاجٍ. وَحَاجٌ تَصْحِيفٌ وَهُوَ

ابوعبداللہ (امام بخاری ؒ) فرماتے ہیں: حدیث میں خاخ ہی زیادہ صحیح ہے لیکن ابوعوانہ نے حاج ہی کہا ہے۔ اور

مَوْضِعٌ وَّهُشَيْمٌ يَقُولُ : خَاخٍ . لفظ حاج تصحیف ہے۔ یہ ایک جگہ کا نام ہے۔ راویٔ حدیث ہشیم نے ''خاخ'' ہی بیان کیا ہے۔

فوائد ومسائل: ① حضرت ابوعبدالرحمٰن کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عقیدت تھی، اس لیے وہ عثمانی کہلاتے تھے اور حضرت ابن عطیہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کی وجہ سے علوی کہا جاتا تھا۔[1] اس لیے ابوعبدالرحمٰن نے ابن عطیہ سے کہا: مجھے معلوم ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس قدر خون ریزی پر کیوں جرأت کرتے ہیں۔ انھیں یقین ہے کہ میں اہل جنت میں سے ہوں، اس لیے اجتہادی معاملات میں اگر کوئی خطا ہوگئی تو وہ قیامت کے دن معاف ہو جائے گی۔ حضرت ابوعبدالرحمٰن کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ غلط فہمی ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سلسلے میں انتہائی محتاط تھے، پھر اہل بدر کی مغفرت کا تعلق آخرت سے ہے لیکن دنیا میں اگر حد کا مرتکب ہوا تو اس پر حد ضرور قائم ہوگی جیسا کہ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ پر حد قذف لگائی گئی، حالانکہ وہ اہل بدر میں سے تھے۔ ② اہل علم کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی اہل بدر میں سے کسی گناہ، مثلاً: کسی پر تہمت لگانا، قتل کرنا وغیرہ کا مرتکب ہوا تو اس پر حد اور قصاص واجب ہے۔ ③ اس حدیث کا عنوان سے اس طرح تعلق ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دوسری روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے سامنے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو منافق قرار دیا اور خائن کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا دفاع تو کیا لیکن ردعمل کے طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کافر یا منافق نہیں کہا کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں ایک معقول تاویل کی بنا پر منافق کہا تھا کیونکہ انھوں نے اہل مکہ کے نام ایک خط لکھا تھا جس میں اسلام اور اہل اسلام کے خلاف ایک اہم راز فاش کیا تھا۔ یہ ایک فوجداری جرم تھا اور ایسا کرنا کفار سے دوستی رکھنے کے مترادف تھا۔ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک معقول وجہ سے انھیں منافق کہا تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مؤاخذہ نہیں کیا بلکہ ان کی فکری غلطی کی اصلاح فرمائی اور حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا دفاع کرتے ہوئے فرمایا: ''جو لوگ غزوۂ بدر میں شریک ہو چکے ہیں اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف کر دیا ہے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی اجازت اس لیے مانگی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ جو انسان اپنے سربراہ یا اپنی قوم کا راز دشمنوں کے سامنے فاش کرے، اس کی سزا موت ہے۔ ان کے سچا ہونے کی صورت میں بھی ان کا عذر اس قابل نہ تھا کہ وہ اس جرم کی سزا سے بری ہو جائیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ وضاحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے سب قصور معاف کر دیے ہیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے موقف سے دستبردار ہو گئے اور مارے خوشی کے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ واللّٰه أعلم.

① صحيح البخاري، الجهاد، حديث : 3081.